از: حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی: دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات، صدر جمعیۃ علماء ہند، گجرات شاخ، وبانی دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی

ناشر:

حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب

خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا۔ فون: 1905 966 4141

تفصیلات

نام: **فتاویٰ فلاحیہ** جلد اوّل

صاحب فتاویٰ: حضرت مفتی احمد بن ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

بہ اہتمام: دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر

ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات

(خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا)

سن طباعت: ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ، موافق: ۲۰۱۵ء

ملنے کے پتے:

(۱) دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی، انکلیشور، بھروچ، گجرات	02646 274243
(۲) حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب، خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا	905 578 2547
(۳) مفتی بیمات اکیڈمی، روشن سوسائٹی، انکلیشور، بھروچ، گجرات	9427 640250
(۴) مدنی ویلفیئر ٹرسٹ، کوسمبا، سورت، گجرات	9408 746664
(۵) ادارۂ صدیق، ڈابھیل، ضلع: نوساری، گجرات	09904 886188
(۶) مکتبۂ نعیمیہ، دیوبند، یوپی	01336 22329
(۷) جے ایم سی انڈیا پبلشر پرائیویٹ لمیٹیڈ، جھاہاؤس، ویسٹ نظام الدین	011 24352220
(۸) مدرسہ اسلامیہ عربیہ، آزادویل، ساؤتھ افریقہ	114 132786
(۹) مدرسہ تعلیم الدین، اسپنکو بیچ، ڈربن، ساؤتھ افریقہ	273 19029916
(۱۰) اظہر اکیڈمی لمیٹیڈ، 60 لٹل ایلفورڈ لین، مانئر پارک، لندن، یو-کے	0208 9119797

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست فتاویٰ فلاحیہ جلد اوّل

باب الإیمان باللہ (۴۷-۶۴)

باب التقدیر (۶۵-۸۰)

(تقدیر کا بیان)

مایتعلق باللہ وصفاتہ (۸۱-۹۰)

إشراك بالله (۹۱-۱۰۶)

استمداد بغير الله (۱۰۷-۱۱۲)

ما يتعلق بعلم الغيب (۱۱۳-۱۳۶)

حاضر وناظر (۱۳۷-۱۴۲)

سیرت وشمائل (۱۴۳-۱۷۰)

(رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ - چند سوالات وجوابات)

ما يتعلق بالأنبياء وأتباعهم (١٧١-٢١٨)

نبوت (۲۱۹-۲۲۴)

توسل في الدعاء (۲۲۵-۲۲۸)

علامات قیامت (۲۲۹-۲۳۴)

باب الجزاء والعقوبۃ وباب الجنۃ ونعیمھا (۲۳۵-۲۴۰)

(جزا و سزا - جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان)

(جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان)

باب الفرق (۲۴۱-۲۶۲)

(فرق باطلہ کے مخصوص اعمال)

باب الکفریات (۲۶۳-۳۲۸)

(اعمال کفر وشرک)

باب تکفیر المسلم (۳۲۹-۳۴۴)

(تکفیر مسلم کا بیان)

باب استخفاف الدین والشریعة (۳۴۵-۳۵۰)

[استخفاف دین وشریعت]

باب احکام المرتدین (۳۵۱-۳۶۰)

(مرتد کا حکم)

باب السنة والبدعة (۳۶۱-۴۸۲)

(سنن و بدعات)

تقلید کا بیان (۴۸۳-۵۰۰)

تبلیغ دین اور تصوف (۵۰۱-۵۲۶)

سلوک وتصوف

تعویذ کا بیان (۵۲۷-۵۳۴)

کتاب العلم (۵۳۵-۵۸۴)

علم اور متعلقات علم

باب مایتعلق بالقرآن والحدیث (۵۸۵-۶۲۰)

قرآن کریم اور احادیث نبویہ

علمی اصطلاحات (۶۲۱-۶۲۸)

باب الکتب المعتمدۃ وغیرھا (۶۲۹-۶۵۴)

معتبر اور غیر معتبر کتابیں

باب تعبیر الرویا (۶۵۵-۶۶۸)

خواب اور اس کی تعبیر

تقریظ وتائید
مفکر گجرات حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال النبي صلی اللہ علیہ و سلم: من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ في الدین.

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اُس کو دین کا فہم نصیب فرماتے ہیں، دین کا فہم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے گجرات کی سرزمین پر چودہویں صدی ہجری کے اواخر اور پندرہویں صدی ہجری کے اوائل میں بہترین فقہاء پیدا ہوئے، جنہوں نے مختلف مدارس میں بیٹھ کر اُمت کی فقہی ضرورتوں کو پورا فرمایا اور اُن کی شرعی رہنمائی فرمائی۔ **فجزاھم اللہ أحسن الجزاء.**

حضرت مولانا **مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ** کے فتاویٰ ''فتاویٰ رحیمیہ'' نے ہند و بیرونِ ہند میں زبردست مقبولیت حاصل کی، اُس کے بعد حضرت **مفتی احمد خانپوری مدظلہ العالی** کے فتاویٰ ''محمود الفتاویٰ'' شائع ہوئے، **مفتی اسماعیل واڈی والاؒ** کے فتاویٰ اُردو زبان میں طبع ہوئے، **مفتی اسماعیل کچھولوی مدظلہ** کے فتاویٰ ''فتاویٰ دینیہ'' کے نام سے پانچ جلدوں میں شائع ہو کر مقبول ہوئے، **مولانا مرغوب احمد لاجپوریؒ** کے فتاویٰ ''مرغوب الفتاویٰ'' اور **مفتی اسماعیل بسم اللہ** کے ''فتاویٰ بسم اللہ'' جلد اول بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو گئے ہیں، **مفتی اسماعیل بھڑکودرویؒ** کے فتاویٰ ''زبدۃ الفتاویٰ'' اور ''لباب الفتاویٰ'' کے نام سے چھپ چکے ہیں، فللہ الحمد و المنۃ.

اب حضرت مولانا **مفتی احمد بیماتؒ** کے فتاویٰ ''فتاویٰ فلاحیہ'' کے نام سے اُن کے فرزند گرامی حافظ احمد بیمات کی مساعیٔ جمیلہ اور **مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی** مدظلہ کی تحقیق وتخریج کے ساتھ طباعت کے لیے تیار ہیں۔

حضرت **مفتی احمد بیمات** ؒ بہترین مدرّس، حق گو عالم اور تجربہ کار مفتی تھے، ڈابھیل اور ترکیسر میں چالیس سال تک فقہ وحدیث کی خدمت انجام دیتے رہے، دارالعلوم فلاحِ دارین کے مفتی کی حیثیت سے بہت بڑی تعداد میں فتاویٰ لکھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے فرزند گرامی **حافظ احمد صاحب مدظلہٗ** کو توفیق اور ہمت عطا فرمائی کہ اُنہوں نے اپنے والدِ محترم کی گجراتی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا، اور فتاویٰ کے اہم کام کے لیے جدوجہد فرما رہے ہیں۔

مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی مدظلہٗ، جو مدنی دارالتربیت کے اُستاذِ حدیث ہیں، فنِ فقہ سے خاص مناسبت رکھتے ہیں، اُنہوں نے انتہائی جاں فشانی سے اِن فتاویٰ کے حوالے کتبِ معتبرہ سے لکھے ہیں اور بہت عمدہ تعلیقات فرمائی ہیں، جس کی وجہ سے اِن فتاویٰ کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوگیا ہے، اور علماء اور اصحابِ فتاویٰ کے لیے قیمتی تحفہ بن گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ تقریباً دس جلدوں میں یہ قیمتی سرمایہ طبع ہوگا، اور اُمت کے لیے فقہی رہنمائی میں مددگار ثابت ہوگا، صاحبِ فتاویٰ حضرت **مفتی احمد صاحب** ؒ ۱۹۴۲ء میں جامعہ ڈابھیل میں داخل ہوئے، اور بندہ نے ۱۹۴۴ء میں داخلہ لیا تھا، موصوف اپنی جماعت میں محنتی اور شوقین طلبہ میں شمار ہوتے تھے، پھر ازہر الہند دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر اُس دور کے اساطینِ علم وفضل سے کسبِ فیض فرمایا، جس کی تفصیل اُن کے سوانحی خاکہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے ساتھ والہانہ تعلق کے سبب دین کے مختلف شعبوں میں مخلصانہ جدوجہد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، اِسی لیے زندگی کے آخری لمحہ تک تعلیمی، تبلیغی، تنظیمی اور اصلاحی کاموں میں مصروفِ عمل رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اِن گراں قدر خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اُن کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، نیز اِن فتاویٰ کے کاموں میں جن جن حضرات نے محنت فرمائی ہے، اُن سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ **اللّٰھم تقبل منا، إنك أنت السميع العليم.**

فقط، والسلام

احقر عبداللہ غفرلہٗ کاپودروی

۱۵/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

تقریظ: حضرت مولانا و مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم

مفتی اعظم: دار العلوم، دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین، محمد بن عبد اللہ الأمین، و علی آلہ و صحبہ أجمعین، و علی من تبعھم باحسان إلی یوم الدین، أما بعد!

اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فتویٰ نویسی سب سے مشکل اور اہم کام ہے، اور جتنا یہ وقیع، عظیم اور عمیق ہے، اتنا ہی نازک، پیچیدہ اور حزم و احتیاط کا متقاضی ہے، اس کے لیے مفتی کے اندر رسوخ فی العلم، رسوخ فی الدین، حدود و مقاصد شریعت سے آگہی اور اصول اربعہ پر فروعی مسائل و حوادث کے تطابق کا علم ضروری ہے، نیز اصول فقہ پر گہری نظر، فقہی جزئیات، مسائل کا وسیع مطالعہ، کسی ماہر استاذ مفتی کی شاگردی اور اس کی طویل صحبت اور احوال زمانہ سے واقفیت بھی ضروری ہے، علماء راسخین اور فقہاء کرام نے شریعت کے رموز و غوامض کی نقاب کشائی کے ساتھ کتاب و سنت کی بنیاد پر متنوع مسائل و حوادث، مختلف جزئیات اور حالات و طبائع کے تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیشہ احکام صادر فرمائے ہیں۔

امت کی رہنمائی کے لیے اور ان میں شرعی احکام سے آگاہ کرنے کے لیے پیش آمدہ مسائل میں مفتیان کرام فتویٰ دیتے رہے ہیں، خدا کا شکر اور احسان ہے کہ یہ مبارک سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ جاری رہے گا، فتاویٰ فلاحیہ بھی اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ہے، حضرت مولانا **مفتی احمد ابراہیم بیمات صاحب** گجراتی مرحوم، جو دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے، موصوف ذی استعداد اور صاحب صلاحیت مفتی تھے، انہوں نے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل میں ایک عرصہ تک تدریس کی خدمات انجام دیں، گاہے گاہے فتویٰ بھی لکھا کرتے تھے، اس کے بعد دار العلوم فلاح دارین ترکیسر (گجرات) میں ایک عرصہ تک تدریس و افتا کی خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد اپنے قائم کردہ مدرسہ دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی (انکلیشور، ضلع: بھروچ، گجرات) میں درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں، سب سے زیادہ فتاویٰ ''فلاح دارین'' میں رہ کر لکھے

ہیں، اسی مناسبت سے فتاویٰ فلاحیہ کے نام سے اس مجموعہ کو موسوم کیا گیا ہے۔

متعدد اہل علم حضرات نے اس کا احساس فرمایا کہ حضرت **مفتی احمد بیمات** کی تمام ترکاوش کا نفع انفرادی لازم اور سائل و مفتی تک محدود نہ رہے، اگر ان کا یہ علمی ذخیرہ منصۂ شہود پر آجائے، تو ایک ایک مسئلہ سے سینکڑوں اور ہزاروں افراد مستفید ہو سکتے ہیں، لہٰذا انھیں حضرت **مفتی احمد بیمات** کے صاحب زادے جناب **حافظ احمد بیمات** صاحب نے منظر عام پر لانے کا عزم کیا، اکثر فتاویٰ گجراتی زبان میں تھے، ان کا اردو ترجمہ کیا گیا، پھر اس کی ترتیب وتبویب اور تحقیق وتعلیق کا کام **مدنی دار التربیت، کرمالی** کے چند لائق اساتذہ کرام کے سپرد کیا گیا، انہوں نے محنت شاقہ اور عرق ریزی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا، یہ لوگ قابل ستائش اور لائق مبارک باد ہیں، بالخصوص عزیز محترم **مفتی مجتبیٰ حسن صاحب قاسمی** (استاذ: مدرسہ مدنی دار التربیت، کرمالی) بہت ہی قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے سب ہی مسائل کی تخریج بڑی تحقیق کے ساتھ کی اور تمام فتاویٰ کو عربی کتب متداولہ کے حوالوں سے مزین کیا، اور مفتی صاحب کے فتاویٰ میں جان ڈال دی، اور اس کی افادیت کو دوبالا کر دیا، ماشاء اللہ بڑی مہارت وحذاقت، دیدہ ریزی اور محنت وسلیقہ اور حوصلے کے ساتھ کیا، اس علمی تحقیق وتدقیق پر اللہ تعالیٰ انہیں بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کے علم میں برکت عطا فرمائے۔

دلی دعاء ہے کہ یہ مجموعہ، جو افادہ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازے، اس کے فیض کو عام وتام بنائے، حضرت مفتی صاحب مرحوم کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، اور جن جن اساتذۂ کرام نے اس کی ترتیب وتبویب اور تخریج وتعلیق میں علمی وتحقیقی تعاون پیش کیا ہے، ان سب کو بہت بہت جزائے خیر عطاء فرمائے، آمین، ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد، فقط۔

حبیب الرحمن خیرآبادی عفا اللہ عنہ

مفتی دار العلوم دیوبند

۲۷ صفر ۱۴۳۶ھ

دعائیہ کلمات

صاحب زادہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب الحاج حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ کئی ماہ سے بیمار چل رہا ہے، اللہ کے فضل اور اس کے کرم سے اس بیماری میں حج تو نصیب ہو گیا، مگر یہاں آنے کے بعد سے گھٹنے میں ایسی تکلیف ہے کہ نماز کو بھی نہیں جا پاتا، گھر پر ہی جماعت کرتا ہوں، گھر اور خانقاہ ملی ہوئی ہے، اس لیے فجر کے بعد ذکر کی مجلس خانقاہ ہی میں ہوتی ہے اور عصر کے بعد کتاب کی مجلس بھی، اور مہمانوں کا کھانا بھی دونوں وقت یہیں ہوتا ہے۔

اس وقت کچھ مہمان (جناب مفتی مجتبیٰ حسن، عبداللہ اسجد بیمات اور عاصم بن زین العابدین صاحبان) آئے ہوئے ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ مولانا و مفتی احمد بیمات صاحبؒ کے لڑکے حافظ اسجد بیمات صاحب، اپنے والد گرامی کے فتاویٰ شائع کر رہے ہیں، اس پر مختلف علماء سے کچھ لکھوانا ہے، اس فہرست میں بندہ کا بھی نام ہے، بندہ پڑھنے پڑھانے کا آدمی نہیں ہے، لیکن آپ کے والد نور اللہ مرقدہ سے تعلق کی وجہ سے تعمیل ارشاد میں چند سطریں لکھوا رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ کے کام کو ترقی عطا فرمائے، بزرگوں کی کتابیں آپ مہیا کر کے امت میں عام کریں، اردو کا بھی ذخیرہ ہو، گجراتی کا بھی ذخیرہ ہو، اگر گنجائش ہو، تو آپ درسی کتابیں بھی مہیا کریں، ذکر کی نسبت پر، دعوت کی نسبت پر اور علم کی نسبت پر بزرگوں کی جو کتابیں آ رہی ہیں، آپ کے ذریعے عام ہوں، اللہ تعالیٰ ''مفتی بیمات اکیڈمی'' کو ترقیات سے نوازے، اخلاص عطاء فرمائے، بندہ دل سے دعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان جگہوں سے تعلق برقرار رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، جن جگہوں سے آپ کے والد صاحبؒ کا تعلق تھا، فقط۔

محمد طلحہ کاندھلوی

۲۸/صفر ۱۴۳۹ھ

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ احقر کو ابتداء ہی سے والد صاحبؒ کی خصوصی محبت، شفقت اور توجہات حاصل رہیں، ۱۹۹۹ء میں تقریباً ۲۰؍ ماہ والد صاحب کے ساتھ مدنی دار التربیت، کرمالی، بھروچ میں گذارنے کی سعادت میسر آئی، اس دوران والد صاحب جب کبھی بیرونی سفر پر جاتے، مدرسے کی ذمے داری احقر کے سپرد کر جاتے، اس عرصے میں والد ماجدؒ سے بہت سی بیش بہا باتیں سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ہاتھ لگا، کچھ باتیں تو اب تک کانوں میں گونج رہی ہیں، مثلاً آپؒ فرمایا کرتے تھے: ''انسان کو کوئی کام کرنا ہو، تو ضروری ہے کہ عزائم اعلیٰ، حوصلہ بلند اور کردار اچھے ہوں، مکمل اخلاص کے ساتھ کام انجام دے اور اللہ تعالیٰ کی جانب ہمہ تن متوجہ رہے۔

والد صاحب کی تصانیف چوں کہ گجراتی زبان میں تھیں، اس لیے احقر انہیں اردو کا جامہ پہنانے کا خواہش مند تھا، والد صاحب کی حیات میں کئی مرتبہ اس خواہش کا اظہار بھی کیا؛ لیکن آپ منع فرما دیتے اور کہتے: ''ہمارے انتقال کے بعد کرتے رہنا''۔ والد ماجد کے دنیا سے رخصت فرمانے کے بعد یہ جملہ میرے دل پر دستک دیتا رہا، اس کا تذکرہ میں نے برادر محترم حضرت مولانا **امجد** صاحب مدظلہ سے بھی کیا؛ لیکن حضرت والا گوناں گوں مشغولیات اور اہتمام کی مصروفیات کے سبب اس کے لیے فارغ نہ ہو سکے۔ احقر نے خصوصاً اس عظیم کام کی انجام دہی اور نظم و نسق کے لیے کینیڈا سے ہندوستان کا سفر کیا اور مسلسل تگ و دو اور جد و جہد کے بعد اس منصوبے کی تکمیل کی تیاری شروع ہوگئی، بفضلہ تعالیٰ تین سال کے عرصے میں چھوٹی بڑی تیس کتابیں اردو زبان میں طبع ہو کر منصۂ شہود پر آئیں، جنہیں ملک اور بیرون ملک میں بے حد قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، عوام و خواص ہر ایک نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اساتذۂ کرام اور دیگر علماء نے کافی سراہا اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دست بہ دعا ہوں کہ ربِّ کریم قبولیت سے نوازے اور ہم سب کے لیے ذریعۂ نجات بنا دے، میں ان تمام حضرات کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے گجراتی سے اردو زبان میں منتقل کرنے کے لیے اپنے قیمتی اوقات صرف کیے۔

جس وقت کتابوں کے اردو ترجمے کا کام چل رہا تھا، دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا کہ اگر والد ماجدؒ کے

فتاویٰ بھی طبع ہوکر منظر عام پر آجاتے، تو کیا ہی اچھا ہوتا، امت مسلمہ کے ہاتھوں میں ایک قیمتی علمی سرمایہ آجاتا، جس سے رہتی دنیا تک لوگ مستفید ہوتے رہتے، والد ماجدؒ نے چوں کے ایک طویل عرصے تک **فلاح دارین**، ترکیسر میں تدریسی اور فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دی تھی، اس لیے فتاویٰ کے بیشتر رجسٹر وہیں محفوظ تھے۔ احقر نے مناسب سمجھا کہ اس جانب قدم بڑھانے سے قبل محسن ومربی جناب حضرت **مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی صاحب** دامت برکاتہم کے سامنے اس نیک عزم کا اظہار کرکے، آپ کے صلاح ومشورے کے مطابق منزل کی جانب رواں ہونا نہایت مناسب اور خیر وبرکت کا سبب ہوگا، اس مقصد کی خاطر احقر نے حضرت مولانا مدظلہ سے ٹورنٹو میں خصوصی ملاقات کی اور اپنے عزائم حضرت والا کے سامنے بیان کیے، آپ نے سن کر بے انتہا مسرت کا اظہار فرمایا، حوصلہ افزائی فرمائی، دعائیں دیں اور فرمایا: ''میں شوال المکرم میں ہندوستان جارہا ہوں، آپ کاپودرہ آیئے، ہم سب ایک ساتھ ترکیسر جائیں گے''۔ حسب امر میں نے حضرت سے کاپودرہ میں ملاقات کی، آپ نے **فلاح دارین** سے فتاویٰ کے رجسٹر دلوائے، زیر عکس (زیراکس) کرکے اصل رجسٹر **دارالعلوم فلاح دارین** کو واپس دے دیے گئے، اور اگلے مرحلے کے لیے کوششیں شروع ہوگئیں، اس طرح فتاویٰ کے کام کا آغاز ہوگیا۔

میں گجرات دینی تعلیمی بورڈ کے سکریٹری جناب **مولانا یعقوب نواگامی** کے احسان کو فراموش نہیں کرسکتا، کہ جب میں نے ان کے سامنے اس مقصد کا ذکر کیا، تو انہوں نے بڑی مسرت وشادمانی ظاہر فرمائی اور فلاح دارین کے رکن کمیٹی **مولانا الحاج خلیل راوت** صاحب اور مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

والد صاحب چوں کہ **جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل** میں بھی تعلیمی خدمات انجام دے چکے تھے، بعض اوقات آپ نے وہاں بھی فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں؛ اس لیے وہاں کی فائل مرحمت فرمانے پر میں حضرت **مولانا احمد بزرگ صاحب** مہتمم جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کا بھی تہ دل سے شکر گذار ہوں۔

گجرات میں عموماً لوگ چوں کہ یہاں کی صوبائی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں، اس لیے فتاویٰ گجراتی ہی زبان میں لکھے جانے کا معمول رہا ہے، والد صاحبؒ کے اکثر فتاویٰ بھی گجراتی ہی زبان میں تھے، فتاویٰ کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے سب سے پہلے ضروری یہ تھا کہ اسے اردو کے قالب میں ڈھال دیا جائے، اس سلسلے میں میری نظر دارالعلوم مدنی دارالتربیت کے سابق استاذ حضرت **مولانا اسعد صاحب**

پالن پوری پر پڑی، میں نے یہ ذمے داری ان کے سپرد کردی، حضرت مفتی صاحب نے بشاشت کے ساتھ قبول فرمایا اور ہمہ تن جٹ گئے۔ ان کے علاوہ تقریبا پندرہ مفتیان کرام اور ہیں، جن کی شبانہ روز قربانیوں کے نتیجے میں فتاویٰ کو اردو میں منتقل کرنے کا مشکل مرحلہ طے پایا، اگلا مرحلہ کمپوزنگ کا تھا، اس کے لیے **مولانا رشید احمد آچھودی** صاحب نے دین کا کام اور دینی خدمت سمجھ کر بہت مختصر وقت اور قلیل صرفے میں کمپوز کر کے دے دیا، اللہ ان کو اپنی شایان شان اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

اسی طرح میں **حافظ محمد الیاس جھانجھی** صاحب اور اپنے بھانجے **حافظ ازہد گوری** کا بھی بے حد ممنون ہوں، جنہوں نے دن رات، سردی گرمی کا خیال کیے بہ غیر، ہروقت فتاویٰ کے کام کی مختلف ضروریات کے لیے اپنے قیمتی اوقات صرف کیے، ساتھ ہی اپنے بھتیجے عزیزم **مولانا عبدالرحمٰن** سلمہ کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بھی جب کبھی کمپیوٹر خراب ہوا، اپنا وقت فارغ کر کے اس کی ریپرنگ کرتے رہے۔ ٹنکاریہ کے **مولانا ہارون کاٹھیاواڑی** کا احسان بھی بھلایا نہیں جاسکتا کہ موصوف بھی کمپوز کر کے وقت پر کام دیتے رہے۔

اب تک الحمد للہ دو مرحلے (اردو میں ترجمہ اور کمپوزنگ) سے فراغت ہوگئی؛ لیکن آخری مرحلہ ترتیب وتبویب اور زبان کی تصحیح کا تھا، اس کے لیے میری نظر میرے مدرسہ ''دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی'' کے استاذ حدیث وفقہ **مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی** صاحب پر پڑی، مفتی صاحب نے میری درخواست کو بہ خوشی قبول فرمایا، مولانا کے ذمہ پانچ اسباق ہیں، ان کا پڑھانا اور مطالعہ کرنا ایک مستقل کام تھا، الحمد للہ تدریسی مصروفیات کے ساتھ انہوں نے خارجی اوقات میں، دن رات ایک کر کے، عصر بعد، مغرب بعد اور رات کے دو دو بجے تک، بڑی جاں فشانی کے ساتھ اس مرحلے کو بہ حسن وخوبی انجام دیا، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی جمیع مساعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور دارین میں کام یابی نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کی نیک اور جائز تمنا پوری فرمائے، مفتی صاحب کا اس کام کے دوران ایکسیڈنٹ بھی ہوگیا تھا، کافی چوٹیں آئی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمت عطا فرمائی اور کام کرتے رہے، میں انہیں صرف دعا دے سکتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم تمام کی ٹوٹی پھوٹی کاوش کو قبول فرمائے، آمین۔

میں اس موقع پر دار العلوم مدنی دار التربیت کے قابل قدر استاذ **حضرت مولانا حسین احمد قاسمی** صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنا گراں قدر علمی تعاون پیش کیا، اللہ قبول فرمائے، آمین۔

اخیر میں میں ان تمام علماء کرام کا مشکور ہوں، جو اپنی قیمتی آراء اور مفید مشوروں سے نوازتے

رہے، خصوصاً حضرت **مفتی** سلمان صاحب **منصور پوری**، استاذ حدیث وفقہ جامعہ شاہی مرادآباد کا، جنہوں نے نہایت ہی کارآمد مشورے دیے، جو فتاوی کی ترتیب کے مرحلے میں بڑے کارآمد ثابت ہوئے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں ان اہل خیر حضرات کا شکریہ ادا نہ ہوں، جنہوں نے اپنی جائز آمدنی اور حلال مال سے ہمارا تعاون فرمایا، اللہ ہر ایک کی جائز تمنائیں پوری فرمادے اور فتاویٰ فلاحیہ کو مفتی صاحب کی دیگر تصانیف کی طرح شرف قبولیت سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

یکم ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
موافق: ۲۴/دسمبر ۲۰۱۴ء

حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات
رکن منتظمہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات
خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا
Emai : hafizasjed@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

فتاویٰ فلاحیہ کی پہلی جلد پیش خدمت ہے، شکر گذاری کے اس موقع پر احقر بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے اس کم ترین کو اس اہم علمی کام کی توفیق بخشی، ورنہ تو یہ کسی بھی لائق نہیں ہے، دعاء کہ جس نے توفیق بخشی ہے، وہی اسے قبولیت بھی عطا فرمادے، اور بقیہ جلدوں کی تکمیل کی ہمت بھی، **وما ذلك عليه بعزيز**.

اس جلد میں کتاب الایمان والعقائد سے متعلق ۲۲/ابواب ہیں، کتاب العلم اور اسی کے تحت باب ما یتعلق بالقرآن والحدیث بھی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز دوسری جلد بھی جلد ہی اہل علم کی خدمت میں پیش کی جائے گی اور یہ سلسلہ شاید سات (۷) جلدوں پر جا کر مکمل ہوگا۔

اس موقع فتویٰ کی تعریف اور اس کا تاریخی تسلسل، علماء ہند کے فتاویٰ کی خصوصیات اور عظیم مصلح ومعلم، صاحب فتاویٰ حضرت **مفتی احمد ابراہیم بیمات** رحمۃ اللہ علیہ کے طرز فتاویٰ اور ان کی خصوصیات پر ایک تفصیلی تحریر لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن کام کی مشغولیت اور یہ سمجھ کر کہ خواہ مخواہ قارئین پر حقیر کی تحریر بوجھ بنے گی، اسے ترک کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بس ذیل میں وہ تفصیلات پیش کی جارہی ہیں، جن کا فتاویٰ فلاحیہ میں خاص خیال رکھا گیا ہے:

کچھ اصل فتاویٰ سے متعلق:

حضرت **مفتی احمد ابراہیم بیمات** رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۳۲-۲۰۰۴ء) کے اکثر فتاویٰ اصلاً گجراتی زبان میں تھے، جنہیں پہلے مرحلے میں گجرات کے باصلاحیت علماء نے اردو زبان میں منتقل کیا اور اکثر مسائل پر عناوین بھی قائم کردیے، دوسرے مرحلے میں ترتیب وار (۱) زبان کی سلاست، (۲) مسائل کی تخریج اور (۳) ''تخریج مسائل'' و ''عناوین'' پر نظر ثانی کا کام درج ذیل تفصیلات کے مطابق انجام دیا گیا ہے:

فتاویٰ کی زبان سے متعلق:

(۱) سوال وجواب کی زبان عام فہم اور سلیس رکھی گئی ہے، مناسب تعبیر اور پر کشش اسلوب اختیار کیا

گیا ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ فتویٰ کی زبان قانونی زبان ہو کہ کوئی لفظ نہ تو مفہوم سے زائد ہو، اور نہ ہی کم، تاکہ مفہوم پر مکمل دلالت کرے اور اسے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

(٢) چوں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں کسی بھی مواد کی منتقلی انتہائی مشکل کام ہے (کہ ہر زبان کی اپنی اپنی نزاکت ہوتی ہے) اور فتاویٰ کی منتقلی تو اور بھی دشوار ہے؛ کیوں کہ فتاویٰ کی زبان قانونی ہوتی ہے، اس لیے اگر اس مجموعہ میں زبان کے لحاظ سے کہیں نقص اور کمی نظر آئے، تو اسے مترجم ومرتب کی غلطی تصور کریں، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی گیرائی وگہرائی اس بات کی بالکل اجازت نہیں دیتی کہ اس نقص کو ان کی جانب منسوب کیا جائے۔

(٢) سوال یا جواب میں جہاں کہیں مشکل یا ایسے اصطلاحی الفاظ آئے ہیں، جن کا شیوع عام نہیں ہے، حاشیہ میں ان کی وضاحت کردی گئی ہے۔

(٣) ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک سوال کئی مسئلوں پر مشتمل رہا ہے، اگر وہ (متعدد مسائل) مختلف باب اور مختلف عنوان سے متعلق رہے ہیں، تو سوال اور اس کے جواب کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کرکے ان کے موقع کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔

مسائل کی تخریج سے متعلق:

(١) آیت کریمہ اور احادیث نبویہ (علی صاحبها الصلوة والسلام) کی مکمل تخریج کی گئی ہے، آیت کریمہ کے حوالہ میں اولاً سورت نمبر، پھر سورت کا نام اور آیت نمبر درج کیا گیا ہے۔ مثلاً: (٨-الأنفال: ٣٣)

اسی طرح حدیث پاک کے حوالے میں کتاب کا نام، اکثر جگہ صفحہ اور جلد کی تفصیل، حدیث نمبر، باب اور کتاب، کتاب کے مصنف ومحقق کا نام، مطبع اور سن طباعت کی وضاحت کی گئی ہے، مثلاً: (١۔ مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ٢٤١ھ): ١٤/ ٧٧، رقم الحديث: ٨٣٣١، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، طبع اول ☆ ٢۔ سنن الترمذي: ١/ ٣١، رقم: ١١٥، باب في المذي يصيب الثوب، أبواب الطهارات، ط: مكتبة البدر، ديوبند)

(٢) ہر ہر مسئلے کی؛ بل کہ مسئلے کے ہر ہر جزء کی کتب فقہ سے تفصیلی تخریج کی گئی ہے، تخریج میں اولاً نصوص کے ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، پھر فقہاء کی عبارت لکھی گئی ہے، کتب فقہ میں اولاً شامی، بدائع

الصنائع، البحر الرائق، فتح القدیر، اور ہدایہ کی جانب رجوع کیا گیا ہے، ثانیاً عالم گیری، تاتارخانیہ اور دیگر کتب فقہ کی عبارت ذکر کی گئی ہے۔ (حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ ماشاء اللہ کافی وشافی ہیں، تفصیلی تخریج کا مقصود صرف یہ ہے کہ فتویٰ محقق ہوجائے اور کوئی بات بغیر حوالہ کے نہ رہ جائے)

(۳) ہر جزء کی تخریج میں صریح جزئیہ نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اگر وہی جزئیہ دوسری کتابوں میں موجود ہے، تو اس کا بھی حوالہ دیا گیا ہے، عبارت صرف ایک کتاب کی نقل کی گئی ہے، اگر کسی جواب میں کسی خاص قید کے لیے ایک عبارت کو کافی نہیں سمجھا گیا ہے، تو دوسری عبارت کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) حوالہ لکھنے میں کتاب کا نام، بعض جگہ مصنف کا نام، سن پیدائش ووفات، جلد نمبر، صفحہ نمبر، باب اور کتاب، محقق کا نام، مطبع اور سن طباعت کی صراحت کی گئی ہے۔ مثلاً: (الفتاوی الهندية: ۱/ ۴۵، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة و أحكامها، ط: دار الفکر طبع دوم: ۱۳۱۰ء ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۲۷-۲۸، فصل بيان ما ينقض الوضوء، ط: دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية: ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء)

عنوان سے متعلق:

(۱) عناوین قائم کرنے میں سوال وجواب کے تمام اجزاء کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ عنوان سے اصل مسئلہ کی طرف مکمل رہنمائی حاصل ہوجائے۔

ملحوظات:

☆ ہر باب کے عنوان پر مستقل نمبر لگایا گیا ہے، جس سے مقصود ہر باب کے مسائل کو شمار کرنا ہے، جب کہ سوال پر لگائے گئے نمبرات کل مسائل کی نشان دہی کرتے ہیں۔

☆ چند کتابوں کا حوالہ لکھنے میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ایک حوالے کی تکمیل کے بعد نشان ستارہ (☆) دے کر دوسرا حوالہ لکھا گیا ہے، اس کے لیے نئی سطر کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔

☆ ترتیب کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ کام انتہائی عجلت میں انجام دیا گیا ہے؛ اس لیے ایسا ہوسکتا ہے کہ بعض عنوان ایسے باب میں مذکور ہوں، جنہیں عموماً دوسرے مرتبین اس میں ذکر نہیں کرتے، تاہم جہاں بھی ایسا ہے، وہ کسی نہ کسی مناسبت کی وجہ سے ہے۔

نیز ایمان وعقائد میں مذکور تمام ابواب کسی نہ کسی مناسبت کی وجہ ہیں، ورنہ تو بعض ابواب ایسے ہیں، جنھیں مرتبین دوسرے ابواب میں ذکر کرتے ہیں، مثلا ایصال ثواب کے مسائل ''کتاب الجنائز'' میں باب ''إهداء الثواب للميت'' کے تحت ذکر کیے جاتے ہیں، اس حقیر نے اسے ''باب السنة والبدعة'' کے تحت ذکر کیا ہے، کہ ایصال ثواب میں عموماً رسومات وبدعات درآئے ہیں۔

☆تخریج کا ایک اہم مقصد اہل علم کو سہولت فراہم کرنا ہے، اس لیے حوالے کی بعض عبارتیں مکرر نظر آئیں گی۔ جہاں بالکل قریب میں وہ عبارت گذری ہے، وہاں تو اس کی طرف صرف اشارہ کردیا گیا ہے؛ لیکن جہاں حوالے کی عبارت بہت پہلے گزر چکی ہے، وہاں مکمل عبارت کو درج کیا گیا ہے۔

☆مکررات کو حذف کرنے سے دو وجہ سے گریز کیا گیا ہے:

۱-عموماوہ جواب کسی نہ کسی اہم فائدے پر مشتمل ہے۔ صرف اس حصے کو ذکر کرنا اور دوسرے حصے کو حذف کرنا سوال وجواب کے تسلسل کو ختم کردیتا ہے۔

۲- ملتے جلتے سوال کا جواب گرچہ نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہوتا ہے؛ لیکن جواب کے تفصیل واجمال کا اختلاف جہاں سائل کی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے، وہیں مفتی کے نشاط کو بھی اس میں دخل ہوتا ہے، اس کی وجہ سے طرز بدلتے رہتے ہیں، ایک سوال کا متعدد انداز میں جواب دیا جاسکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ میں ایسی مثالیں بہ کثرت ملیں گی، اس کی وجہ سے نوجوان علماء ومفتیان کرام کو بڑا فائدہ ہوگا، کہ ان کو ایک جواب کو متعدد طرز پر لکھنے کے لیے نمونہ فراہم ہوگا۔ اس وجہ سے بھی مکررات کو حذف نہیں کیا گیا ہے۔

☆اردو کے جدید املا کا بہ طور خاص خیال رکھا گیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ رموز واوقاف کی مکمل رعایت ہو۔

اس فتاویٰ کی مقبولیت کے لیے نیک فالی یوں لی جاسکتی ہے کہ اس ناچیز نے جب اس کی تفصیل صاحب زادہ شیخ الحدیثؒ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم کو بتلائی، تو نہ صرف دعائیں دیں، بل کہ اپنی جیب خاص سے پانچ ہزار روپے عنایت فرمائے اور یوں کہا ''اسے پیشگی رکھیے، جب چھپ کرآجائے، تو اس رقم کے عوض جس قدر فتاویٰ ہوں، میرے نام بھیج دیجیے گا''۔ اس ناچیز نے روپے لینے میں جھجک محسوس کیا، تو فرمانے لگے: ''مولوی صاحب! برکت والا ہے، لے لو''۔ ایک صاحب دل بزرگ اور

مسلمہ شخصیت کی جانب سے ایسی حوصلہ افزائی کو راقم الحروف نیک فال سمجھتا ہے اور بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالی اسے مقبول اور نافع بنائے، آمین، و ما ذلك علی اللہ بعزیز.

اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے میرے محسن وکرم فرما جناب **حافظ اسجد مفتی احمد بیمات** صاحب کو کہ انھوں نے اپنے والد ماجد کے فتاوی کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا، انھوں نے اس کام کے لیے احقر سے اپنی خواہش کا اظہار کیا، جسے احقر نے قبول کرنا سعادت سمجھا، اور جو کچھ بن پڑا، پیش خدمت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں جو کچھ خوبی ہے، وہ ان کے نیک جذبات کی وجہ سے ہے، اللہ تعالی ان کی خدمت کو قبول فرمائے، آمین، ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم. آمین، یارب العالمین.

مجتبیٰ حسن قاسمی
خادم حدیث: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی
برائے رابطہ: 09409518452
Email: qasmimujtaba@gmail.com

سوانحی خاکہ:

حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۳۲-۲۰۰۴ء)

از: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

(استاذ حدیث: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی)

نام: حضرت مفتی احمد بن ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۶/ جنوری ۱۹۳۲ء

جائے ولادت: کرمالی، وایا: پانولی، تعلقہ: انکلیشور، ضلع: بھروچ، گجرات

ابتدائی تعلیم: وطن مالوف، کرمالی

ابتدائی دور کے اساتذہ: حافظ محمد موسیٰ حافظ جی، مولانا اسحاق گنگات پانولی اور حافظ اسحاق درسوت

ثانوی تعلیم: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

سن داخلہ: ۱۳۶۲ھ

ڈابھیل کے اساتذہ: مولانا محمد ایکھلو یا ڈابھیلی، مولانا احمد امیجی کا چھوی، مولانا عبد القادر، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، مولانا اسماعیل کا سوجی، مولانا احمد پٹیل، مولانا محمد مالک اور مولانا شمس الدینؒ۔

اعلیٰ تعلیم و تربیت افتا: دار العلوم دیوبند

سن داخلہ: ۲۲/ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ

دیوبند کے اساتذہ: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (بخاری و ترمذی) حکیم الاسلام مولانا و قاری محمد طیب قاسمیؒ (مشکوٰۃ المصابیح) حضرت مولانا محمد حسین ملا بہاریؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی اور حضرت مولانا سید مہدی حسنؒ (مشق فتاویٰ و تربیت افتاء)

سن فراغت: ۱۳۷۰ھ موافق: ۱۹۵۰ء (اعلیٰ نمبرات کے ذریعے کامیابی)

افتاء: ۱۳۷۱ھ موافق ۱۹۵۱ء

اصلاحی تعلق: حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ (دار العلوم دیوبند میں دوران تعلیم وابستگی، ۹/ سال تک)، حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کی جانب رجوع، ان کی خانقاہ میں ۱۸/رمضانوں میں حاضری۔

تدریس کی ابتدا: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل (۱۳۷۲ھ تا ۱۳۸۸ھ)

ڈابھیل میں مدت تدریس: ۱۷/سال

ڈابھیل میں زیر درس کتابیں: شرح عقائد، مشکوٰۃ المصابیح، طحاوی شریف، شرح تہذیب اور عارضی طور پر کچھ دنوں کے لیے مسلم شریف۔

ڈابھیل سے ترکیسر تشریف آوری: شوال ۱۳۸۸ھ موافق: ۹/جنوری ۱۹۶۹ء

ترکیسر میں مدت تدریس: ۲۲/سال (تا ۴/مارچ ۱۹۹۰ء)

کل مدت تدریس ڈابھیل و ترکیسر: ۴۰/سال

ترکیسر میں زیر درس کتابیں: مسلم شریف، ابوداود، ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح، شرح نخبۃ الفکر، شعبۂ افتا، طحاوی شریف اور ۱۹۷۱ء سے بخاری شریف تا مدت قیام ۱۹۹۰ء (۲۰/سال)

عہدے، مناصب اور خدمات: ۱۔ بانی دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی (۵۰۰ طلباء زیر تعلیم ہیں، از ابتداء تا دورۂ حدیث اور افتاء تک کی معیاری تعلیم کا نظم ہے) ۲۔ بانی جامعۃ الصالحات، پانولی (اس ادارے میں ۳۰۰/سے زائد یتیم بچیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں) ۳۔ شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر (گجرات کا معیاری ادارہ) ۴۔ صدر گجرات دینی وتعلیمی بورڈ ۱۹۷۸ء تا ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۵ء تا وفات (کل مدت: ۲۶/سال) ۵۔ محکمۂ شرعیہ صوبۂ گجرات کے صدر، کچھ عرصہ جنرل سکریٹری، یکے از بانیان محکمۂ شرعیہ ۶۔ رکن مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند (مسلسل ۳۰/سال) ۷۔ امیر شریعت گجرات (۵/صفر المظفر ۱۴۲۳ھ موافق: ۱۹/اپریل ۲۰۰۲ء تا وفات) ۸۔ صدر جمعیۃ علماء گجرات (۲/سال) ۹۔ صدر جمعیۃ علماء سورت (۱۶/سال)

اسفار: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کینیڈا، ساؤتھ افریقہ، ری یونین اور ایک درجن سے زائد بیرونِ ملک کا بہ قصد اصلاح معاشرہ سفر۔

تصنیفات: تقریباً ۴۰/بہ زبان گجراتی، ایک رسالہ بہ زبان اردو، ۱۳/کتابوں کے انگریزی ترجمے شائع ہو چکے ہیں اور اکثر کتابوں کا اردو ترجمہ ان کے سعادت مند فرزند حافظ احمد مفتی احمد بیمات صاحب کی کوشش سے جاری ہے، بیشتر کتابوں کے اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

وفات: ۱۲/فروری ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عظیم مصلح و معلم حضرت مفتی احمد بیمات رحمہ اللہ تعالیٰ

{۱۹۳۲ء - ۲۰۰۴ء}

از: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی
استاذ حدیث: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی

گجرات کی علمی فضاء پر جن شخصیات نے انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں، بے مثال اور لازوال قربانیوں سے معاشرے میں صالح انقلاب برپا کیا ہے اور اپنی اصلاحی کوششوں سے پورے صوبہ گجرات کو فیض پہونچایا ہے، ان کی اگر انتہائی مختصر فہرست بھی تیار کی جائے، تو ان میں نمایاں طور پر ''فقیہ وقت، صاحب دل بزرگ، بانی دار العلوم مدنی دار التربیت کرمالی حضرت **مفتی احمد ابراہیم بیمات**ؒ'' کا نام ضرور شامل ہوگا۔

آپ بہ یک وقت اعلیٰ درجے کے محدث، زمانہ شناس فقیہ، معاشرہ میں انقلاب پیدا کر دینے والے واعظ و خطیب، قابل تقلید منتظم اور زمانہ کی ضروریات کے مطابق مختلف اور ہمہ گیر موضوعات پر، تاثیر سے پر، دل کش اور موثر تحریر کے ذریعے عوام الناس کی رہنمائی کرنے والے بے مثال مصنف تھے۔ بلاشبہ آپ ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم: آپ بھروچ ضلع کے ایک گاؤں ''کرمالی'' کے دین دار گھرانہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم ابراہیم بیمات کو علماء کرام کی صحبت حاصل تھی، علم دین کی قدر و قیمت سے واقف تھے؛ اس لیے بلا تردد آپ کو گاؤں کے مکتب میں داخل کر دیا گیا، آپ نے یہیں سے اپنے علمی سفر کا آغاز کیا، ایسا آغاز کہ پھر اس کی انتہاء زندگی کی آخری سانس پر ہوئی۔

ثانوی تعلیم: ثانوی تعلیم کے لیے ۱۹۴۲ء میں جامعہ ڈابھیل کا رخ کیا، جہاں امام العصر علامہ کشمیریؒ اپنے قابل فخر رفقاء کے ساتھ خیمہ زن تھے اور ڈابھیل کی علمی فضاء ان انفاس قدسیہ کی موجودگی کی باعث اپنی قسمت پر نازاں و فرحاں تھی، ڈابھیل کی ایسی فضاء میں حضرت مفتی بیمات صاحبؒ نے کامل جد و جہد، اعلیٰ درجہ کی دل چسپی و رغبت اور پوری محنت و لگن کے ساتھ اپنی علمی تشنگی بجھائی، حصول علم کی خاطر آپؒ نے اپنی پوری توانائی صرف فرمائی، اس طرح آپ نے ڈابھیل کے زمانہ قیام میں ہی نحو، صرف،

منطق، فلسفہ، عربی زبان وادب اور علوم بلاغت میں درجۂ کمال حاصل کرلیا۔

اعلیٰ تعلیم: علم کی نہ بجھنے والی پیاس اور آپ کی اخاذ طبیعت نے اسی پر بس نہیں کیا؛ بل کہ مزید تعلیم کے لیے آپؒ نے عظیم مرکز علم وفن: دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، جہاں اس وقت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی علمی اور روحانی مجلس کا چرچا تھا، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ کی بزم آرائی تھی، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا وقاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ، حضرت علامہ محمد حسین بہاریؒ اور فقہ وحدیث میں کامل دسترس رکھنے والے مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں آبادیؒ جیسے ماہرین علوم وفنون کی ایک بڑی تعداد سے دارالعلوم دیوبند کی علمی فضا مشک بار تھی، حضرت مفتی بیمات صاحبؒ نے ان مشائخ کبار کے دامن سے اپنے آپ کو وابستہ کردیا اور دریائے علم سے مسلسل سیراب ہوتے رہے، حتیٰ کہ تفسیر، حدیث اور فقہ اسلامی میں درک حاصل کیا۔

حضرت مفتی بیمات صاحبؒ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھنے کا شرف حاصل کیا، ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں اعلیٰ نمبرات کے ساتھ سند فراغت حاصل کی، فقہ اسلامی میں مزید اختصاص ومہارت پیدا کرنے کے لیے شعبۂ افتاء میں داخلہ لیا اور حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳۷۱ھ میں فتاویٰ نویسی کی مشق وتمرین کی، جس کے نتیجے میں آپ کو فقہ وفتاویٰ میں ایک مقام حاصل ہوا اور ہندوستان کے معتبر ومستند ارباب افتاء میں آپ کا شمار ہوا۔

اصلاحی تعلق: ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ آپ باطنی علوم یعنی تزکیۂ نفس کے لیے بھی ابتدا سے ہی کوشاں رہے، چناں چہ آپؒ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں ہی اپنے ہر دل عزیز، استاذ محترم، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمالیا تھا اور یہ اصلاحی تعلق صرف رسمی نہیں تھا؛ بل کہ انتہائی سوچ سمجھ کر کیا جانے والا فیصلہ تھا، چناں چہ حضرت مدنیؒ جب تک بہ قید حیات رہے، حضرت مفتی احمد بیماتؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، اصلاح نفس کے لیے ہدایات حاصل کرتے رہے، ان ہدایات پر عمل کرنے کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے رہے، مفتی بیمات صاحبؒ کو اپنے شیخ سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا، عشق ومحبت کے جو تقاضے ہیں، ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ محب حقیقی اپنے محبوب کی ہر ہر ادا کو اپنی زندگی کا جزء بنالے، اس حوالہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی یقیناً حضرت شیخ

الاسلامؒ کی زندگی کا عکسِ جمیل تھی، آپؒ نے اپنے شیخ کی ہر ہر ادا کو اپنی زندگی کا جزء بنایا۔

حضرت مدنیؒ کی ۱۳۷۷ھ موافق ۱۹۵۷ء میں رحلت کے بعد مفتی بیماتؒ نے اپنے آپ کو اپنے شیخ کے شیدائی اور عاشق زار شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے حوالے کر دیا، ان کی خدمت میں رہ کر سلوک وتصوف کی منزلیں طے کرتے رہے اور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت ومعیت اور نگرانی میں ۱۷ر رمضان المبارک گزارنے کا شرف حاصل کیا۔

تدریس: حضرت مفتی بیماتؒ نے ۱۹۵۲ء میں گجرات کے معیاری ادارہ ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' ڈابھیل سے اپنا تدریسی سفر شروع کیا، ابتداءً متوسطات تک کی کتابیں زیر درس رہیں، پھر آپ کی اعلیٰ تدریسی صلاحیت کو دیکھ کر اربابِ انتظام نے جلد ہی درجہ علیا کے لیے ترقی دے دی، برسوں مسلم ،طحاوی اور مشکوٰۃ شریف سمیت مختلف فنون کی متعدد کتابیں پوری دل جمعی اور انتہائی مؤثر انداز میں پڑھاتے رہے، آپ کی تدریس مثالی تھی، افہام وتفہیم کا انداز بہت نرالا تھا، مشکل سے مشکل عبارت کو عام فہم مثالوں کے ذریعہ بہت جلد طلبہ کے ذہن میں اتار دیتے تھے، اکابر کے واقعات انتہائی مزے لے لے کر سناتے، آپؒ کا درس صرف کتابی ہی نہیں ہوتا تھا، بل کہ دوران درس حالات حاضرہ سے بھی طلبہ کو واقف کراتے جاتے تھے، فرق ضالہ کی تردید احادیث کی روشنی میں مدلل انداز میں بیان فرماتے ، دھیرے دھیرے آپ کے درس کی شہرت پورے گجرات میں ہوگئی۔

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل کی سترہ (۱۷) سالہ کامیاب تدریس کے بعد جوہر شناس، مشہور عالم دین، حضرت **مولانا عبداللہ کاپودروی** دامت برکاتہم کی خواہش پر ۱۹۶۸ء میں اس وقت کے ابھرتے ہوئے ادارہ: جامعہ فلاح دارین، ترکیسر تشریف لائے، مشکوٰۃ شریف سے درس کی ابتدا کی، بعد میں بخاری شریف بھی آپ سے متعلق ہوئی اور شیخ الحدیث کے باوقار منصب پر فائز کیے گئے، دو دہائی (۲۰؍سال) تک آپ نے جامعہ فلاح دارین کے منصبِ شیخ الحدیث کو زینت بخشا، جامعہ ڈابھیل ہی کی طرح یہاں بھی فتاویٰ نویسی کی اہم ذمہ داری بھی آپؒ انجام دیتے رہے، حضرتؒ کے فتاویٰ انتہائی مدلل ہوتے تھے، نہ صرف گجرات بل کہ پورے ہندوستان میں آپ کے فتاویٰ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، جدید مسائل میں آپ کے فقہی آراء انتہائی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے، جدید مسائل کے حل کے لیے معتبر ادارہ: ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' کے فقہی سیمینار میں نہ صرف یہ کہ آپ کی شرکت ہوتی تھی؛ بل کہ تجویز کمیٹی کے بھی آپ ایک اہم رکن

ہوتے تھے، اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کی زیر نگرانی قائم ''ادارۃ المباحث الفقہیۃ'' کے سمینار میں بھی حاضری ہوتی تھی، اس کے بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے اور علمی تعاون فرمایا کرتے تھے۔

خوشی کی بات ہے کہ حضرت والا کے فتاویٰ کی جمع وترتیب کا کام بفضلہٖ تعالیٰ ان کے لائق وسعادت مند فرزند: حافظ احمد بیمات کی خصوصی دل چسپی کی وجہ سے شروع کردیا گیا ہے، اندازہ ہے کہ ڈابھیل، ترکیسر اور مدنی دار التربیت کے تمام فتاویٰ کم از کم دس (۱۰) ضخیم جلدوں میں شائع ہوسکیں گے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اہم کام کو حسن وخوبی کے ساتھ جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ (آمین)

جامعہ فلاح دارین، ترکیسر میں آپ نے بائیس (۲۲) سال تک تسلسل کے ساتھ فنِ حدیث سمیت متعدد فن کی تدریس کی خدمت بہ خوبی انجام دی۔ جامعہ ڈابھیل اور جامعہ فلاح دارین میں آپؒ سے فیض پانے والے دور اندیش علماء، زمانہ شناس فقہاء، باکمال محدثین، کامیاب مدرسین اور حسنِ انتظام سے متصف مہتممین کی بڑی تعداد ہے، جن کی انتہائی مختصر فہرست کے لیے بھی یہ چند صفحات ناکافی ہیں، خلاصہ یہ کہ موجودہ گجرات کے تمام بڑے مدارس میں آپ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض یافتہ مختلف انداز سے دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، خواہ مولانا غلام محمد وستانوی (سرپرست: جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا) ہوں یا مفتی عبد اللہ پٹیل مظاہری (مہتمم: دار العلوم مظہر سعادت، ہانسوٹ) بزرگ عالم دین مولانا ابرار دھولیویؒ ہوں کہ مفتی اسماعیل کچھولوی، جامعہ علوم القرآن، جمبوسر کے مہتمم مفتی احمد دیولوی ہوں یا دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر کے شیخ الحدیث حضرت مولانا یوسف ٹنکاروی۔ یہ تمام حضرات اس وقت آسمانِ رشد وہدایت کے آفتاب اور علم وفن کے ماہتاب ہیں، جو مفتی بیماتؒ رحمۃ اللہ علیہ کے پروردہ اور فیض یافتہ ہیں۔

حضرت مفتی بیماتؒ اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ہمیشہ مربوط ومنسلک رہے؛ جس کے نتیجے میں حضرت مدنیؒ ہی کی طرح قومی وملی مسائل سے آپ کا کافی گہرا لگاؤ رہا، چناں چہ مسلم مسائل کے حل کے لیے ہندوستان کے سب سے معتبر پلیٹ فارم: ''جمعیۃ علماء ہند'' کی وساطت سے ملت کے الجھے ہوئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھاتے رہے، پورے گجرات میں ''جمعیۃ علماء ہند'' کا شان دار تعارف کرایا، تیس (۳۰) سال تک ''جمعیۃ علماء ہند'' کے رکنِ عاملہ رہے، سولہ (۱۶) سال تک جمعیۃ علماء، ضلع سورت کی مسندِ صدارت کو زینت بخشا اور آخری دو سالوں میں ''جمعیۃ علماء ہند'' صوبۂ

گجرات کے عالی وقار صدر محترم بھی رہے، اس پلیٹ فارم سے بے شمار رفاہی کام کیے، کتنے ہی اجڑے ہوئے لوگوں کے نشیمن آباد کیے، کتنے ہی ضرورت مند افراد کی ضرورت پوری فرمائی، کتنی ہی بیواؤں کو سہارا دیا۔

۱۹۷۶ء میں حضرت مولانا احمد اشرف راندیری اور حضرت مولانا رضاء احمد اجمیری کے تعاون سے ''محکمۂ شرعیہ ھند'' کی بنیاد ڈالی، جس کے پہلے جنرل سکریٹری اور بعد میں اس کے امیر شریعت کے باوقار عہدہ پر آپ تاحیات فائز رہے۔

حضرت مفتی صاحب نے ''محکمۂ شرعیہ ھند'' کے توسط سے معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائی کی روک تھام کی انتھک کوشش فرمائی، رسوم و بدعات کی خرابیوں کو اجاگر کیا، لوگوں کے دلوں میں گناہوں کی نفرت کو جاں گزیں فرمایا، وراثت کے حوالہ سے پائی جانے والی کوتاہیوں کو دور فرمایا، غرض کہ معاشرہ میں صالح انقلاب پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے رہے۔ آہ! کہ عظیم دینی، ملی اور اصلاحی خدمات انجام دیتے ہوئے علم وعمل کا یہ آفتاب ۲۰؍ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۲؍فروری ۲۰۰۴ء بروز جمعرات ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اللہ مغفرت فرمائے اور صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت عطاء فرمائے۔ (آمین) ☆☆☆

☆☆☆ نوٹ: اس مضمون کی بیشتر معلومات دارالعلوم مدنی دارالتربیت کرمالی کے سابق استاذ و شیخ الحدیث حضرت مولانا و مفتی اشرف بھانا ساردوی کے مفتی صاحبؒ کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک مضمون سے لی گئی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ [۴-النساء:۱۳۶]

باب الإیمان

(اللہ کی ذات وصفات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب اللہ، انبیاء کرام اور ضروریات دین پر ایمان کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمانیات

[۱] کفر اور کافر کے معنیٰ

۱-سوال: کفر اور کافر کے درمیان کیا فرق ہے؟ کیا کفر کے معنیٰ انکار کرنے کے علاوہ اور بھی کچھ ہیں؟ غیر مسلم کو کافر کیوں کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

''کفر'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں: انکار کرنا، ناشکری کرنا، یعنی احسان کا انکار کرنا۔ کفر اختیار کرنے والے کو کافر کہتے ہیں، جس کے معنیٰ ہیں: ناشکری کرنے والا۔

چوں کہ کافر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استعمال کرتا ہے، جس کا تقاضا تھا کہ وہ اس کا شکر ادا کرے، یعنی 'بہ جذبہ اعتراف' ایمان لائے؛ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان نہ لاکر گویا اپنے اوپر کی گئی نعمتوں کا انکار کرتا ہے، اس لیے اسے کافر کہتے ہیں۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والكفر لغة: ستر النعمة، وأصله الكَفر بالفتح وهو الستر، ومنه قيل للزارع وللليل "كافر". ولكمام الثمرة كافور. وفي الشرع: إنكار ما علم بالضرورة مجيء الرسول صلى الله عليه وسلّم به. (أنوار التنزيل وأسرار التأويل- ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (م: ۶۸۵هـ): ۱/ ۴۱، بذيل قوله تعالى: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ. (۲-البقرة: ۶)، ت: محمد عبد الرحمن المرعشلي - بيروت، ط: دار إحياء التراث العربي)
معنى الكفر هو الستر والتغطية والمواراة، يقال: كفر درعه بثوبه إذا غطاها به ولبسه فوقها، فيقال لمثل هذا الرجل: "كافر"؛ لأنه ستر فطرته وغطاها بغطاء من الجهل والسفاهة. (الإسلام أصوله ومبادئه-محمد بن عبد الله: ۱/ ۱۷۵، المبحث الأول: معنى الكفر، ط: دار الإعلام☆ الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۵/ ۱۳، ط: وزارة الأوقاف-الكويت)

[۲] غیر مسلم کو مسلمان بنانے کا طریقہ

۲-سوال: ایک غیر مسلم حلقۂ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں، ان کو کس طرح مسلمان بنایا جائے؟ اور کیا ان کا ختنہ کرانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں، وہ پہلے جس مذہب پر تھے، اس سے توبہ و استغفار اور براءت کا اظہار کریں، اس کے بعد انہیں ایمان مفصل، ایمان مجمل اور کلمۂ شہادتین کا معنیٰ سمجھا کر اس سے اس کا اقرار کروالیا جائے، جب وہ اقرار کرلیں، تو ایمان میں داخل ہوجائیں گے۔[۱] ختنہ شعار اسلام میں سے ہے۔[۲] لہٰذا اگر اس کی استطاعت ہو اور صحت بھی ہو، تو بہتر ہوگا کہ کروالیا جائے؛ لیکن اگر ضعف اور کمزوری ہو، تو نہ کروانے کی بھی گنجائش ہے۔[۳] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۹/۴/۱۹۷۷ء

[۳] کلمے کتنے ہیں؟

۳-سوال: حضرت مفتی بیمات صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

---

(۱) وفي حديث جبرئيل: قال: فأخبرني عن الإيمان، قال: «أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر خيره وشره». (صحيح مسلم: ۱/ ۲۷، رقم الحديث: ۱-(۸)، كتاب الإيمان، باب معرفة الإيمان، والإسلام والقدر... الخ، ط: البدر، ديوبند)

(۲) وعلامة المسلمين أربعة أشياء: الختان والخضاب، ولبس السواد، وحلق العانة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۳۰۳، كتاب الصلاة، فصل: شرائط وجوب الغسل، ط: دار الكتب العلمية)

والختان سنة، وهو من شعائر الإسلام، وخصائصه، فلو اجتمع أهل بلدة على تركه حاربهم الإمام. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۲/ ۷۴۴، كتاب الخنثى، مسائل شتى، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار مع الدر: ۲/ ۲۰۰، كتاب الجنائز، باب: صلاة الجنازة، ط: دار الفكر - بيروت، وانظر أيضاً: ۶/ ۷۵۱، مسائل شتى)

(۳) فلا يترك إلا لعذر. (الدر المختار مع الرد: ۶/ ۷۵۱، مسائل شتى)

وكذا جاز ترك ختان. (شيخ أسلم وقال أهل النظر لا يطيق الختان) للعذر الظاهر. (مجمع الأنهر: ۲/ ۷۴۴، كتاب الخنثى، مسائل شتى)

ہم سب ساتھی یہاں (سعودی عرب میں) اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور آپ جیسے مخلص و باعمل علماء کی دعاء سے خیر و عافیت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعاء اور امید قوی ہے کہ آپ بھی خیر و عافیت کے ساتھ ہوں گے۔

ہم سعودی عرب میں ''لُبر یدہ'' نامی جگہ میں رہ رہے ہیں، جہاں ہندوستان اور پاکستان کے بہت سے احباب ہیں۔ ''اسلام کے کلمے کتنے ہیں''؟ اس موضوع پر آج ہمارے درمیان بحث چھڑ گئی، ہم نے کہا کہ اسلام کے کلمے کی تعداد پانچ ہے، جب کہ پاکستانی احباب کہہ رہے ہیں کہ کلمے چھ ہیں، انہوں نے ایک کتاب میں بھی چھ کلمے لکھے ہوئے دکھائے، ہم دونوں نے درج ذیل تفصیل کے مطابق کلمے بتائے:

(ہندوستانی)	(پاکستانی)
(۱) اول کلمۂ طیبہ	(۱) اول کلمۂ طیبہ
(۲) دوم کلمۂ شہادت	(۲) دوم کلمۂ شہادت
(۳) سوم کلمۂ تمجید	(۳) سوم کلمۂ تمجید
(۴) چہارم کلمۂ توحید	(۴) چہارم کلمۂ توحید
(۵) پنجم کلمۂ ردِ کفر	(۵) پنجم کلمۂ استغفار
....	(۶) کلمۂ ردِ کفر

پنجم کلمۂ استغفار (جس کا پاکستانی احباب نے اضافہ کیا ہے) یہ ہے: **أستغفر اللہ ربي من کل ذنب أذنبته عمداً أو خطأً، سراً أو علانیةً، وأتوب إلیه من الذنب الذي أعلم، ومن الذنب الذي لا أعلم؛ إنك أنت علام الغیوب، وستار العیوب وغفار الذنوب، ولا حول ولا قوة إلا باللہ العلي العظیم.**

سوال یہ ہے کہ کن کی بات درست ہے، نیز ان کلموں کا مفہوم کیا ہے؟ آپ گجراتی اور اردو؛ ہر دو زبان میں جواب تحریر فرمادیں، اللہ آپ کو جزاءِ خیر دے، ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلموں کی ترتیب یہ ہے: ۱۔کلمۂ طیبہ، ۲۔کلمۂ شہادت، ۳۔کلمۂ تمجید، ۴۔کلمۂ توحید، ۵۔کلمۂ ردِ کفر، ۶۔ سید الاستغفار۔ پانچ کلمے تو سب کے نزدیک متفق ہیں، علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ان کلموں کا مفہوم یہ ہے:

۱۔ایمان میں داخل ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بندگی کا دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا۔

۲-دل کے یقین کو زبان سے ظاہر کرنا، جس سے دوسرے لوگ سمجھ سکیں کہ فلاں شخص مسلمان ہے۔

۳-تیسرے کلمے میں اللہ کی پاکی بیان کی گئی ہے۔

۴-چوتھے کلمے میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا اعتقاد رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی دوسری صفات: ملک واقتدار، زندگی اور موت دینا اور سب بھلائیوں اور برائیوں کا مالک ہونا وغیرہ کا بھی یقین رکھتا ہوں۔

۵-پانچویں کلمے میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک ایمان قبول کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں نے کفر و شرک کے زمانے میں جو شرکیہ اعمال کیے تھے یا ان باتوں پر جو میرا یقین اور عقیدہ تھا، میں ان سب سے بےزاری اور لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔ ایک مسلمان مذکورہ کلمات پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل رکھ کر اس بات کی درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! آپ نے جو اپنے فضل سے ایمان کی عظیم الشان نعمت اور دولت عطا فرمائی ہے، اس کو موت تک قائم ودائم رکھیے، قصداً یا سہواً جو بھی گناہ مجھ سے سرزد ہوجائے، یا کفر وشرک کا کوئی لفظ میری زبان سے نکل جائے، تو میں ان سب سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور آپ کی معافی کا خواست گار ہوں، کہ کہیں ان کی نحوست سے ایمان کی عظیم دولت سے محروم نہ ہوجاؤں۔

پانچوں کلموں کے الفاظ متفق علیہ ہیں، چھٹا کلمہ جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ حقیقت میں دعا اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست ہے۔ ایمان میں داخل ہونے کے لیے مذکورہ (چھٹے) کلمے کا کوئی تعلق نہیں ہے، ایک مسلمان کا یہ معمول ہونا چاہیے کہ جب کبھی اس سے کوئی گناہ قصداً یا سہواً سرزد ہوجائے، تو وہ فوراً اللہ کی جانب رجوع کرے اور ندامت کے چند آنسو بہاکر اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے؛ چناں چہ اللہ کے رسول ﷺ - باوجودیکہ آپ ﷺ معصوم ہیں- امت کی تعلیم کے غرض سے ایک دن میں ستر (۷۰) یا سو (۱۰۰) مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔[1] خلاصہ یہ کہ مسلمان ہونے کے لیے چھٹے کلمے کا

(۱) قال أبو هريرة رضي الله عنه: سمعت رسول الله- صلى الله عليه وسلم يقول: "والله إني لأستغفر الله وأتوب إليه في اليوم أكثر من سبعين مرة. (صحيح البخاري: ۲/ ۹۳۳، رقم الحديث: ۶۳۰۷، كتاب الدعوات، باب استغفار النبي -صلى الله عليه وسلم- في اليوم والليلة، ط: البدر - ديوبند)

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "إنه ليغان على قلبي، وإني لأستغفر الله، في اليوم مائة مرة. (صحيح المسلم: ۲/ ۳۴۶، رقم الحديث: ۴۱- (۲۷۰۲)، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب الاستغفار والاستكثار منه، ط: البدر - ديوبند)

پڑھنا ضروری نہیں ہے؛ بل کہ وہ اسلام میں داخل ہوجانے کے بعد گناہوں سے توبہ واستغفار کے الفاظ ہیں؛ غالباً اسی لیے چھٹے کلمے کے الفاظ میں بڑا فرق ہے، چناں چہ احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ گناہ سے معافی مانگنے کے بارے میں جو الفاظ حضور ﷺ سے مروی ہیں، ان کے الفاظ مختلف ہیں۔ (عمدۃ الفقہ: ۱/ ۵۵، ط: کراچی)[۲] سید الاستغفار کے الفاظ- جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں- درج ذیل ہیں:

شداد بن أوس رضي الله عنه: عن النبي- صلى الله عليه وسلم-: " سيد الاستغفار أن تقول: اللهم أنت ربي لا إله إلا أنت، خلقتني وأنا عبدك، وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت، أعوذ بك من شر ما صنعت، أبوء لك بنعمتك علي، وأبوء لك بذنبي فاغفر لي، فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت ". (صحیح البخاری: ۲/ ۹۳۲)[۳]

پانچوں کلموں کے الفاظ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، وحدانیت، عبادت اور بندگی میں کسی کے اللہ کا ہمسر اور شریک نہ ہونے کا اعتقاد اور اس پر یقین رکھنا تمام علماء کے نزدیک لازم اور ضروری ہے، البتہ چھٹے کلمے میں چوں کہ ماضی کے کفر وشرک سے بےزاری کا اظہار کیا گیا ہے، اسلام میں داخل ہونے کے لیے چھٹے کلمے کی چنداں ضرورت نہیں ہے؛ اسی لیے ہندوستان کی عقائد کی بعض کتابوں میں چھٹا کلمہ مذکور ہے اور بعض میں نہیں؛ لہٰذا یہ ایسی بات نہیں کہ جس کی وجہ سے آپس میں اختلاف کیا جائے، ہر مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ چھٹا کلمہ یاد کر کے اس کو پڑھنے کا معمول بنائے، اس لیے کہ اس میں گناہوں سے معافی مانگی گئی ہے، نیز استغفار کرنے والوں کے لیے احادیث میں بہت زیادہ ثواب مروی ہے۔[۴]

مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات اور اس کی تمام صفات میں ایک اور یکتا

---

(۲) عمدۃ الفقہ: ۱/ ۶۷، کتاب الایمان، شش کلمہ کا بیان، ط: مکتبہ تھانوی، دیوبند۔

(۳) صحيح البخاري: ۲/ ۹۳۲، رقم الحديث: ۶۳۰۶، كتاب الدعوات، باب أفضل الاستغفار، البدر- دیوبند۔

(۴) بلال بن يسار بن زيد، مولى النبي صلى الله عليه وسلم، قال: سمعت أبي، يحدثنيه عن جدي، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من قال: أستغفر الله الذي لا إله إلا هو الحي القيوم، وأتوب إليه، غفر له، وإن كان قد فر من الزحف". (سنن أبي داؤد، ص: ۲۱۲، رقم الحديث: ۱۵۱۷، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، ط: البدر - ديوبند)

عن شداد بن أوس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "سيد الاستغفار: اللهم أنت ربي، لا إله إلا أنت، خلقتني وأنا=

ماننے، عبادت اور بندگی کا اسی کو سزاوار جاننے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور برحق رسول ہونے کا اعتقاد رکھے، یہی مضمون پانچوں کلموں میں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۴] نومسلم خاتون کا اپنے غیر مسلم نام کے دستاویز پر بہ حالت جبر دستخط کرنا موجب کفر نہیں

۴-سوال: ایک غیر مسلم لڑکی نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کر کے ایک مسلمان لڑکے سے نکاح کیا، لیکن لڑکی کے رشتہ داروں نے اُس نکاح کو پسند نہیں کیا اور لڑکی کو اٹھا کر لے گئے، ظلم وزیادتی کر کے اُسے نکاح ختم کرنے پر مجبور کیا، لڑکی نے انکار کیا تو اُس پر اُنہوں نے دھمکی دی کہ وہ اُس کے شوہر کو مار ڈالیں گے، لڑکی مجبور تھی، اس لیے اُس نے "ہندو مذہب کی قبولیت سے متعلق" حلف نامہ کے کاغذات (Affidavit) پر دستخط کر دیا، اُس وقت لڑکی ہوش وحواس میں نہیں تھی، اور اُس کاغذ میں اُس نے اپنے ہندو نام سے دستخط کیے تھے، حالاں کہ اُس سے پہلے اسلام قبول کرنے کے بعد اُس نے اقرار کیا تھا کہ اب وہ مسلمان نام سے پہچانی جائے گی، یہ دستخط اور حلف نامہ (Affidavit) گھر ہی پر تیار ہوا تھا، کورٹ یا مجسٹریٹ کے سامنے نہیں ہوا تھا، بعد میں اسی طرح لڑکی والوں نے لڑکے سے بھی دستخط لیے، لڑکا بھی اُس وقت ہوش میں نہیں تھا، تو اس سے نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟

(۲) اس لڑکی کو اُس کے رشتہ دار نے ایک طرح سے قید کر رکھا تھا اور طرح طرح سے تکلیف دیتے، اور لڑکے کے متعلق بہکی بہکی باتیں کرتے، اس دوران اُن لوگوں نے ایک دن اُس لڑکی سے زبردستی ہندو مذہب قبول کروایا، اور لڑکی نے دل سے "لا إلٰه إلا الله" کا کلمہ ہی جاری رکھا، صرف لڑکے کی جان کی حفاظت کے خاطر دستخط کیے، تو وہ لڑکی ہندو کہلائے گی یا مسلمان؟

(۳) کچھ دنوں میں پھر وہ لڑکی لوگوں سے چھپ کر لڑکے کے پاس آگئی، اُس کے دل میں لڑکے کی محبت تھی، اس لیے وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر لڑکے کے پاس آگئی، اس صورت میں لڑکے کو شرعاً کیا

=عبدك، وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت، أعوذ بك من شر ما صنعت، أبوء لك بنعمتك علي، وأبوء لك بذنبي فاغفر لي، فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت. قال: ومن قالها من النهار موقنا بها، فمات من يومه قبل أن يمسي، فهو من أهل الجنة، ومن قالها من الليل وهو موقن بها، فمات قبل أن يصبح، فهو من أهل الجنة. (صحيح البخاري: ۲/ ۹۳۲، رقم الحديث: ۶۳۰۶، كتاب الدعوات، باب أفضل الاستغفار، ط: البدر-ديوبند)

اقدام کرنا چاہیے، اگر لڑکی کو اُس کے گھر والوں کے پاس واپس بھیجتے ہیں، تو اس صورت میں لڑکی کی جان کا خطرہ ہے، اس لیے کوئی مناسب حل بتا کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلّیاً:

اسلام قبول کرنے کے بعد کسی کے ظلم سے بچنے کے لیے یا جان کی حفاظت کی خاطر کفر و شرک کا عمل کر لینے کی وجہ سے کوئی اسلام سے خارج نہیں ہوتا، مسلمان ہی رہتا ہے، اس لیے لڑکی نے اگر اپنی رضا و رغبت سے اسلام قبول کیا ہے اور صرف جان بچانے کی خاطر ہندو مذہب کی قبولیت کے اقرار نامہ (ایفی ڈیوٹ) پر دستخط کیا ہے، تو پہلا نکاح برقرار رہے گا، دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۱)

مذہب اختیار کرنا لڑکی کا ذاتی معاملہ ہے، والدین یا دیگر رشتہ داروں کا اُس میں مداخلت کرنا یا جھگڑا کرنا حکومتی قانون کے اعتبار سے بھی غلط ہے۔

ابھی کچھ دِنوں پہلے اخبار میں آیا تھا کہ بعض (بدقسمت) مسلمانوں نے اجمیر شریف کے قریب ہندو مذہب اختیار کر لیا تھا، تو اُس کی وجہ سے کسی مسلمان کو جھگڑا یا فساد کرنا جائز نہیں ہے، اسلام میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔ (۲) اور حکومتی قانون سے بھی کوئی زور و زبردستی نہیں ہے، اس لیے لڑکی یا لڑکے کو مارنے یا قتل کی دھمکی دینا قانوناً جرم ہے، آپ قانون کو ہاتھ میں نہ لیں؛ بلکہ حکومتی قانون کے مطابق ہی اس مسئلہ کا حل نکالیں۔ (۳)

پس مذکورہ صورت میں عورت نکاح سے خارج نہیں ہوگی، نکاح علی حالہ باقی رہے گا۔ (۴)

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ [۱۶-النحل:۱۰۶]

(۲) لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ [۲-البقرة:۲۵۶]

(۳) ولكن يمنع من ذلك لكونه مخالفة لأولي الأمر، إذا كانت الحكومة إسلامية، ولكونه عرضا للنفس لعقوبات قانونية، إذا كانت الحكومة غير إسلامية. (تكملة فتح الملهم :۱/۵۹۰، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، ط: دار العلوم كراتشي)

طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض. (رد المحتار: ۴/۲۶۴، كتاب الجهاد، باب البغاة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۴) ماثبت بيقين لايرتفع إلابيقين... ماثبت يكون باقيا مالم يوجد الدليل المزيل. (قواعد الفقه: ص ۱۱۴، رقم القاعدة: ۲۸۷-۲۸۹، ط: دار الكتاب-ديوبند)

[۵] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رِسالت پر ایمان نہ لانے والا مسلمان شمار ہوگا یا نہیں؟

۵-سوال: ایک شخص مسلمان ہے، کلمہ گو ہے، لیکن صرف "لا إله إلا الله" پڑھتا ہے، "محمد رسول الله" نہیں پڑھتا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا نہیں مانتا، تو وہ مسلمان کہلائے گا یا نہیں؟ اگر وہ اسلام سے خارج ہوگیا ہے، تو اُس کی بیوی اُس کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ وہ پاگل بھی نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

برتقدیر صحت مسئلہ کہ مذکورہ شخص پاگل نہیں ہے، عقل وسمجھ کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور پیغمبری کا انکار کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخرالزمان ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا، تو یہ اسلام سے خارج ہوگیا، کیوں کہ مسلمان ہونے کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا عقیدہ اور یقین رکھنا بھی ضروری ہے، جو شخص یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو، وہ مرتد ہے۔[۱] اور اُس کا حکم چاروں ائمۂ مجتہدین امام ابوحنیفہؒ[۲] امام شافعیؒ[۳] امام مالکؒ[۴] امام احمد بن حنبلؒ[۵] اور جمہور فقہاء کی

---

(۱) قال الله تعالى: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا۝ [-۴ النساء: ۱۳۶]

ابن عمر، رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، والحج، وصوم رمضان". (صحيح البخاري: ۱/۶، رقم الحديث: ۸، كتاب الايمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم بني الإسلام على خمس، ط: البدر-ديوبند)

عن أنس، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: »لا يؤمن أحدكم، حتى أكون أحب إليه من والده، وولده، والناس أجمعين. (صحيح البخاري: ۱/۷، رقم الحديث: ۱۵، كتاب الايمان، باب حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، ط: البدر-ديوبند)

(۲) (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلاينقص عددا (عاجل) بلاقضاء. (الدر المختار). قال ابن عابدين: أي بلا توقف على قضاء القاضي. (رد المحتار: ۳/ ۱۹۳، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۳/ ۲۳۰، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار الكتب الإسلامي)

(۳) قال أبو حنيفة ومالك يتعجل الفرقة مطلقا سواء كان الارتداد قبل الدخول أو بعده، وقال الشافعي وأحمد إن كان الارتداد قبل الدخول تعجلت الفرقة، وإن كان بعده وقفت على انقضاء العدة. (جواهر العقود - شمس الدين محمد بن أحمد، المنهاجي، الشافعي (م: ۸۸۰ھ): ۲/ ۲۷، ت: مسعد عبد الحميد محمد السعدني ط: دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶م) =

رائے کے مطابق یہ ہے کہ اس شخص کی بیوی اُس کے نکاح سے فوراً نکل جائے گی۔ اور اُس میں کسی حاکم کے حکم کی ضرورت نہیں ہے، نکاح ہوا ہے اور مہر باقی ہے، تو پورے مہر اور عدت کا خرچ لینے کی وہ حق دار ہے۔

ضروری نوٹ: یہ حکم اُس وقت ہے جب کہ سوال میں لکھی ہوئی پوری حقیقت صحیح اور سچ ہو۔ (دیکھیے: الحیلۃ الناجزۃ: ۹۳-۹۲)، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] نصرانی عورت کو مسلمان بنانے کا طریقہ

۶-سوال: نصرانی عورت کو مسلمان بنانا ہو، تو صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

غسل کرے، کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت کے معنیٰ کو سمجھے اور اس پر یقین کرے، نیز ایمانِ مجمل و مفصل کا معنیٰ سمجھ کر یقین کرے، اور اسے پڑھ لے، تو مسلمان ہو جائے گی، اور جس مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے، اُس سے بےزاری کا اظہار کرے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=(۴) أن ارتداد أحد الزوجين يقطع العصمة فيما بينهما، قال فيها: وتكون تطليقة بائنة، وهو معنى قوله في هذه الرواية، وابن الماجشون يرى أن ارتداد أحد الزوجين فسخ بغير طلاق. (البيان والتحصيل - أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي (م:۵۲۰ھ): ۴۳۶/۱۴، كتاب المرتدين والمحاربين، مسألة: ارتداد أحد الزوجين يقطع العصمة فيما بينهما، ت: د محمد حجي وآخرون، ط: دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م)

(۵) (وإن ارتد أحد الزوجين) أو هما معا (قبل الدخول انفسخ النكاح) في قول عامتهم؛ لقوله تعالى: [ولا تمسكوا بعصم الكوافر] [الممتحنة: ۱۰]؛ ولأنه اختلاف دين يمنع الإصابة، فأوجب فسخ النكاح ... (وإن كانت الردة بعد الدخول، فهل تتعجل الفرقة أو تقف على انقضاء العدة؟ على روايتين). (المقنع في شرح المقنع - إبراهيم بن محمد بن، ابن مقلح، أبو إسحاق، برهان الدين (م:۸۸۴ھ): ۱۸۳/۶، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م)

اس صفحہ کا حاشیہ: (۱) وفي شرح الطحاوي سأل أبو يوسف كيف يسلم؟ فقال: أن يقول أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله ويقر بما جاء من عند الله، ويتبرأ من الذي انتحله، وقال لم أدخل في هذا الدين قط وأنا بريء منه. (البحر الرائق - زين الدين بن إبراهيم، المعروف بابن نجيم المصري (م:۹۷۰ھ): ۱۳۸/۵، كتاب السير، توبة الزنديق، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(وإسلامه أن يتبرأ عن الأديان) سوى الإسلام (أو عما انتقل إليه) بعد نطقه بالشهادتين. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۲۶/۴، كتاب السير، باب المرتد، ط: دار الفكر)

[۷] قرآن کریم کو شاعروں کے تخیلات کی قبیل سے ماننا

۷-سوال: زید کا کہنا ہے کہ تخیلات شاعروں کا طریقہ ہے، اسی سے مہا بھارت، رامائن، ایلیڈ اینڈ آڈیسیین اور قرآن اور میگھ دٹ (بارش کا فرشتہ) سا کوتل بنا۔

تخیلات ہی سے ''لیونارڈ ھی ونس'' نے ''مونالیزا'' کی عجیب وغریب ہنستی ہوئی تصویر بنائی، ایک عمدہ اور بلند خیال ہی نے شاعر کالی داس کے دماغ میں وہمی خیالات کی فرضی تصویر بنائی، وہمی خیالات ہی نے تان سین کے ستار کے تار میں رعشہ پیدا کیا۔

زید کے مذکورہ قول کے مطابق کیا قرآن کریم ان سب کے برابر گردانے کی کتاب ہے؟ کیا قرآن کریم وہمی خیالات پر مبنی ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

اگر زید اللہ کے کلام کو شاعر کے تخیلات جیسا سمجھتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ قرآن کریم محمد ﷺ کا کلام ہے، معنی اور مضمون اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے دل ودماغ میں القاء کیے گئے اور پھر اس مضمون کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے، تو اس عقیدہ کی وجہ سے زید ایمان سے خارج ہو چکا ہے، وہ مرتد ہے۔[1] یہود ونصاریٰ کا قرآن کریم کے متعلق ایسا ہی عقیدہ ہے؛ لہٰذا اس کو چاہیے کہ توبہ کرے اور نکاح کی تجدید کرے، اگر توبہ سے انکار کرے، تو مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ (الدر المختار)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣﴾. (۳۲-السجدة: ۳)
وقال الله تعالى: قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾. [۱۷-الإسراء: ۸۸]

وإن القرآن كلام الله، منه بدا بلا كيفية قولا، وأنزله على رسوله وحيا، وصدقه المؤمنون على ذلك حقا، وأيقنوا أنه كلام الله تعالى بالحقيقة، ليس بمخلوق ككلام البرية، فمن سمعه فزعم أنه كلام البشر فقد كفر، وقد ذمه الله وعابه وأوعده بسقر، حيث قال تعالى: {إن هذا إلا قول البشر} [المدثر: ۲۵]، علمنا وأيقنا أنه قول خالق البشر، ولا يشبه قول البشر".... وأيضا فإن الله قد كفر من جعله قول البشر، ومحمد صلى الله عليه وسلم بشر، فمن جعله قول محمد، بمعنى أنه أنشأه، فقد كفر. (شرح العقيدة الطحاوية- صدر الدين محمد، ابن أبي العز الحنفي، الأذرعي الصالحي الدمشقي (م: ۷۹۲ھ)، ص: ۱۶۸، ۱۷۵، القرآن كلام الله تعالى، ط: دار السلام، الطبعة المصرية الأولى)

(۲) (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ)، فلا ينقص عددا (عاجل)، بلا قضاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۱۹۳، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار الفكر)

[۸] جنت وجہنم کو فرضی گمان کرنا

گزشتہ سے پیوستہ

۸-سوال: زید کا کہنا ہے کہ مذہبی کتاب قرآن مجید میں بڑے خوب صورت انداز میں جنت وجہنم کا خیالی تصور پیش کیا گیا ہے؟ اس سلسلے میں زید کے اس قول کو کیا سمجھا جائے؟

الجواب حامداومصلیا:

زید اگر جنت کو محض فرضی جنت سمجھتا ہو اور اس کا عقیدہ ہو کہ جنت کی کوئی حقیقت نہیں ہے، صرف خوش کرنے کے لیے فرض کر لی گئی ہے، تو زید کو توبہ کرنی چاہیے، فی الحال جنت موجود ہے، اس بات کا اعتقاد ضروری ہے، اگر زید اس کو ماننے سے انکار کرے گا، تو مرتد شمار ہوگا۔ [1] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[۹] قرآن وحدیث سے ثابت شدہ اسلامی قوانین کو نہ ماننے والا خارج از اسلام ہے

گزشتہ سے پیوستہ

۹-سوال: زید کا کہنا ہے کہ مطلقہ عورت کو نان ونفقہ ملنا چاہیے، آج کے دور میں عورتوں کے ساتھ طلاق کے نام پر جو بے انصافی ہوتی ہے، اس سے عورت کو تحفظ فراہم کرنا چاہیے۔

زید کا عقیدہ ہے کہ اسلام نے عورت کو حقوق تو دیے ہیں، مگر اس میں چور دروازے تلاش کیے گئے اور اصل باتوں کو ختم کر کے اپنے مطلب کی بات بیان کر کے عورت کو انصاف سے محروم کر دیا، اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی عورت برائے نام شادی کرے اور غلط طریقہ سے شوہر کے ساتھ جھگڑا کر کے اس سے طلاق لے لے اور دوسری شادی نہ کرے اور اگلے شوہر سے نان ونفقہ لیتی رہے، تو کیا یہ گناہ نہیں ہے؟ اس لڑکی کو دوسری شادی کیوں نہیں کرنی چاہیے؟

الجواب حامداومصلیا:

چور دروازے تلاش کرنے کی کوئی بات ہی نہیں، مذہب اسلام میں نکاح کی حقیقت ایک عقد کی

---

(۱) والجنة حق والنار حق، مخلوقتان الآن موجودتان باقيتان لاتفنيان ولا يفنى أهلهما. (العقائد النسفية مع شرح التفتازاني-عمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، أبو حفص، نجم الدين النسفي (م: ۵۳۷ھ) ص: ۱۰۳-۱۰۹، ط: ياسر نديم-ديوبند) والجنة، والنار مخلوقتان، لا تفنيان أبدا، ولا تبيدان. (عقيدة الطحاوي- أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة المصري المعروف بالطحاوي (م: ۳۲۱ھ) ص: ۷۳، ط: المكتب الإسلامي - بيروت، الطبعة: الثانية، ۱۴۱۴ھ)

ہے، چناں چہ جب تک کسی عورت کے ساتھ اس طرح کا عقد نہ ہوا ہو، اس وقت تک نان ونفقہ واجب نہیں ہوتا (اور دوسرے مذاہب میں بھی یہی حکم ہے) جب مرد وعورت کے درمیان اس طرح کا عقد ہو گیا، تو دونوں کے حقوق ایک دوسرے پر واجب ہو گئے اور مسلمان عورت جانتی ہے کہ اسلام کا قانون ہے کہ اس عقد سے علاحدہ کرنے کا حق شوہر کو ہے، تو اب جب کہ عقد ٹوٹ گیا اور عورت عقد سے علاحدہ ہو گئی اور مرد کا کوئی حق عورت پر باقی نہ رہا، تو مرد پر عقد کے ختم ہو جانے کے بعد عورت کا نان نفقہ اور دوسرے حقوق کیوں کر باقی رہیں گے، اسلام نے عورت کو دوسری شادی کرنے کی رخصت دی ہے، ہاں! جب تک وہ عدت میں ہے، دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، کیوں کہ عدت شوہر کا حق ہے، جس کا ایک مقصد یہ ہے کہ عورت رحم خالی ہے یا نہیں، وہ معلوم ہو جائے۔[1] اسی وجہ سے جب تک عدت ختم نہیں ہوتی، عورت، شوہر کے عقد سے پوری طرح نہیں نکلتی؛ لہٰذا شوہر پر عورت کی عدت کا نان نفقہ واجب ہے۔[2]

عدت کے بعد جب وہ بیوی ہی نہ رہی، تو مرد پر شوہر ہونے کی حیثیت سے کیسے اعتماد کیا جائے، یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے اور اسلامی قوانین قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، اگر یہ قانون زید کو قبول نہ ہو، تو وہ ایمان سے خارج ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۱۰] کیا اسلام نے بیوہ خاتون کے نان ونفقہ کا انتظام نہیں کیا ہے؟

گزشتہ سے پیوستہ

۱۰–سوال: زید کا کہنا ہے اور اس نے لکھا ہے کہ آج کے دور میں عورت کے ساتھ جو بے انصافی ہو رہی ہے، اس سے اس کو تحفظ فراہم کیا جانا چاہئے (اس کو ختم کر کے عورت کو انصاف دلانا چاہیے) تو ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ مطلقہ عورت اگر شوہر سے نان ونفقہ مانگتی ہے، تو بیوہ عورت یہ خرچ کس کے پاس مانگ سکتی ہے؟

(۱) لأن النكاح في العدة حرام بالإجماع. (مجمع الأنهر - عبد الرحمان بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۳۶۹، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار إحياء التراث العربي)
أن هذه العدة وجبت للتعريف عن براءة الرحم. (بدائع الصنائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۳/ ۱۹۳، كتاب الطلاق، فصل في بيان مقادير العدة وما تنقضي به، ط: دار الكتب العلمية، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۶هـ-۱۹۸۶م)

(۲) المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا، أو ثلاثا حاملا كانت المرأة، أو لم تكن. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۵۵۷، كتاب الطلاق، الفصل الثالث في نفقة المعتدة، ط: دار الفكر، الطبعة: الثانية، ۱۳۱۰هـ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ رزاق ہے، جب وہ لنجے، لنگڑے، نابینا، بے سہارا لوگوں اور جانوروں کو روزی دیتا ہے، تو وہی اوروں کو بھی رزق دے گا، عورت کا شوہر کے ساتھ رزق دینے کا عقد (قرار) نہیں ہوا ہے، لہٰذا یہ بے ہودہ اور گمراہ کن بات ہے کہ طلاق کے بعد یا موت کے بعد عورت کا کیا ہوگا، مسلمانوں کو اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیے کہ روئے زمین پر جو بھی ہے، اس کے رزق کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] قرآن کی آیت اور گیتا کی عبارت کے مطلب میں یکسانیت کا دعویٰ

گزشتہ سے پیوستہ

۱۱-سوال: زید کا کہنا ہے کہ گیتا میں ہے کہ جب بھی بد دینی بڑھتی ہے، تو سادھو اور بھلے انسانوں کی حفاظت کے لیے میں جنم لیتا ہوں، یعنی سنت اور بزرگ پیدا ہوتے ہیں (گیتا ۷۔۴) قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے: ہر قوم کو راستہ بتلانے کے لیے رسول یعنی پیغمبر تشریف لاتے ہیں (سورۂ یونس: ۴۷، سورۂ رعد: ۷)[۲] اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا رسول خود تشریف لاتے ہیں یا اللہ تعالیٰ ان کو مبعوث فرماتے ہیں، کیا مذکورہ الصدر دونوں چیزوں (گیتا اور قرآن) کی یکسانیت کے دعویٰ کو صحیح کہہ سکتے ہیں؟ زید کے اس عقیدے کو کیا سمجھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گیتا میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی خرابی بڑھ جاتی ہے، تو اصلاح کرنے والے تشریف لاتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اور نبی بھیجے گئے، پیدا ہونے اور پیدا کرنے میں تو کوئی فرق نہیں، ہمارے نبی پیدا ہوئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے پیدا فرمایا اور اللہ نے مبعوث فرمایا اور یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کسی کی نبوت قرآن وحدیث سے معلوم ہوئے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی۔ (۳) کسی کتاب کی چند باتیں قرآن کریم کے موافق ہو جائیں، تو اس سے اس کے حق اور صحیح ہونے پر

---

(۱) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ۝ [۱۱-ھود: ۶]

(۲) قال اللہ تعالی: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (۱۰-یونس: ۴۷)
وقال اللہ تعالی: وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (۱۳-الرعد: ۷)

(۳) إن النبوة لا تثبت بالعقول ولا بخبر الواحد الذي لا يحصل به العلم ولا يثبت أيضا بقرينة الحال ولا تحميل الأعمال ... فإن قيل فإذا لم تصح النبوة من هذه الوجوه فمن أين تصح، قلنا تصح من وجهين: أحدهما أن يأتي النبي في زمان تصح فيه النبوة، فيدعي النبوة ويتحدى الناس بالمعجزة، فيفعلها الله له على وفق دعواه، أو ينص على نبوته=

استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۱۲] گیتا کا تقابل قرآن کریم سے کرنا

۱۲-سوال: زید کا عقیدہ ہے کہ شری کرشن نے ارجن کو پیغام دیا، اور شری ویاس جی نے اسے جمع کیا، اس طرح تحقیقی علم کی کتاب تیار ہوئی، جس کا نام ہے "شری مدبھاگوت گیتا"۔

محمد صاحب نے اپنی حیات مبارکہ میں زندگی گزارنے کی ساری تفصیل اپنے قریبی صحابہ کو بتلائیں، ان صحابہ میں آپ ﷺ کے قریبی دوست، خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ نے ہی لکڑیاں، چمڑے اور پتھر وغیرہ پر لکھی ہوئی قرآن کی آیتوں کو جمع کیا اور چھ ہزار آیتوں کو تیس حصوں میں تقسیم کیا، جس کا نام ہے "قرآن کریم"۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ زید کا قرآن کریم اور گیتا کے درمیان تقابل کرنا درست ہے؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا شرک ہے؟ تو نبی کے ساتھ یا قرآن کے ساتھ کسی کو شریک کرنا شرک نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

سوائے قرآن کریم کے کوئی بھی آسمانی کتاب تصحیف وتحریف سے محفوظ نہیں ہے، ان تمام میں تحریف ہوچکی ہے، کرشن نے ارجن کو جو باتیں کہیں، وہ حقیقت پر مبنی ہے یا نہیں؟ یہی ثابت نہیں، جب کہ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے، نیز قرآن کریم کلام الٰہی ہے، جب کہ گیتا کے ماننے والے بھی اس کو کلام الٰہی نہیں گردانتے، پھر برابری کیسے ہوسکتی ہے۔ اور تقابل کیوں کر روا ہوگا[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=نبي آخر نصا متواترا لا يحتمل التأويل كما نص الله تعالى في محكم كتابه على الستة والعشرين الذين أولهم آدم، وآخرهم محمد عليهم الصلاة والسلام، فهؤلاء هم الأنبياء الذين من أنكر نبوة واحد منهم أو قدح فيها قدحا يخل بشرط من شروط نبوتهم فهو كافر حلال الدم والمال، مخلد في نار جهنم بالإجماع المتواتر، فهؤلاء هم الأنبياء حقا ومن أثبت نبوة غيرهم على التعيين فعليه الدليل. (تنزيه الأنبياء عما نسب إليهم حثالة الأغبياء- أبو الحسن علي بن أحمد السبتي الأموي المعروف بـ »ابن خمير « (م: ۶۱۴هـ) ص:۱۴۱، ت: محمد رضوان الداية، ط: دار الفكر المعاصر- لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۱هـ-۱۹۹۰م)

الفصل في الملل والأهواء والنحل- أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (م: ۴۵۶هـ): ۱/ ۸۶، الكلام على اليهود وعلى من أنكر التثليب من النصارى، ط: مكتبة الخانجي- القاهرة.

(۱) إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ. [۱۵- الحجر: ۹]

[۱۳] قرآن کریم فرمان الٰہی ہے، محمد ﷺ کا کلام نہیں

گزشتہ سے پیوستہ

۱۳-سوال: زید کا عقیدہ ہے، اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مذہب اسلام اپنے اصول (عقائد) اور مساوات و برابری اور اخوت و بھائی چارگی کی اعلی تعلیم کی وجہ سے دنیا بھر میں پھیلا ہے اور اس کی مذہبی کتاب، جو چودہ سو سال پہلے لکھی گئی، قرآن کریم ہے، اس کے لکھنے والے محمد (پیغمبر اسلام ﷺ) ہیں، کسی اسکول و مدرسہ میں انہوں نے تعلیم حاصل نہیں کی، اس کے باوجود عمدہ اشعار کے انداز میں انہوں نے قرآن کریم کا عطیہ دیا ہے۔

دوسری جگہ لکھتا ہے کہ خدا کی رہنمائی کی وجہ سے ان کے خیالات عمدہ اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے مفید تھے، کبھی ان کے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی اور اس کے بعد وہ بولتے، تو اسے قرآن کا نام دیا جاتا، بعد میں اسے جمع کیا گیا۔ یہی ہے "قرآن کریم"۔

قرآن کریم تو اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے، محمد ﷺ نے اسے نہیں لکھا ہے، لہٰذا زید کا مذکورہ عقیدہ شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ اس عقیدے کے لحاظ سے زید کو کیا سمجھا جائے؟

الجواب حامدا ومصليا:

یہ عقیدہ باطل ہے، قرآن کو محمد ﷺ کا کلام کہنے والا مرتد ہے، اس کو چاہیے کہ توبہ کرے اور اس کے کلام الٰہی اور کتاب ہدایت ہونے پر یقین کرے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣﴾ [۳۲-السجدة: ۳]
وقال الله تعالى: قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ [۱۷-الاسراء: ۸۸]

وإن القرآن كلام الله، منه بدا بلا كيفية قولا، وأنزله على رسوله وحيا، وصدقه المؤمنون على ذلك حقا، وأيقنوا أنه كلام الله تعالى بالحقيقة، ليس بمخلوق ككلام البرية، فمن سمعه فزعم أنه كلام البشر فقد كفر، وقد ذمه الله وعابه وأوعده بسقر، حيث قال تعالى: {إن هذا إلا قول البشر} [المدثر: ۲۵]، علمنا وأيقنا أنه قول خالق البشر، ولا يشبه قول البشر".... وأيضا فإن الله قد كفر من جعله قول البشر، ومحمد صلى الله عليه وسلم بشر، فمن جعله قول محمد، بمعنى أنه أنشأه، فقد كفر. (شرح العقيدة الطحاوية- صدر الدين محمد بن علاء الدين علي بن محمد ابن أبي العز الحنفي، الأذرعي الصالحي الدمشقي (م: ۷۹۲ھ) ص: ۱۶۸، ۱۷۵، القرآن كلام الله تعالى، ط: دار السلام، الطبعة المصرية الأولى، ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵م)

[۱۴] سرودھرم سدبھاؤنا (وحدت ادیان) کا اعتقاد رکھنے والے کا کیا حکم ہے؟

گزشتہ سے پیوستہ

۱۴-سوال: زید کا عقیدہ ہے، جس کا اس نے اظہار کیا ہے کہ دھرم یعنی دھارن کرنا (اختیار کرنا)، جمع کرنا، تاکہ تمام مذاہب کا اصل مقصود ایک ہو، زید سرودھرم سدبھاؤنا (تمام مذاہب برابر ہیں) کا عقیدہ بھی رکھتا ہے؟ ''سرودھرم سدبھاونا'' کے موضوع پر اس نے ایک کتاب بھی لکھی ہے، تو زید کی اس کتاب کو کیا سمجھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۸۵ (۳-آل عمران:۸۵)

ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا، سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔ (ترجمۂ ماجدی)[1]

لہٰذا ''سرودھرم سدبھاونا'' کے عقیدے سے زید کو توبہ کرنی چاہیے، اس آدمی کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے، اگر نہ سمجھے اور توبہ نہ کرے، تو اس کی بیوی کو اس سے علاحدہ ہو جانا چاہئے۔[2] اگر توبہ کرنے

---

(۱) اس آیت کے ذیل میں مشہور مفسر حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (م: ۱۳۹۵ھ = ۱۹۷۵ء) رقم فرماتے ہیں:
(آیت) ''الاسلام''۔ سے یہاں کھلی ہوئی مراد ''اصطلاحی دین'' اسلام ہے۔ ورنہ لفظی معنی کے لحاظ سے تو کائنات کا ذرہ ذرہ مسلم ہے۔ اعلم ان ظاھر ھذہ الایۃ یدل علی ان الایمان ھو الاسلام (کبیر) (آیت) ''ان الدین عند اللہ الاسلام''۔ وغیرہ متعدد آیتوں میں یہ مضمون صاف صاف بیان ہو چکا ہے کہ سچا اور مقبول دین صرف یہی دین ہے۔ جس کی کتاب قرآن مجید ہے۔ اور جس کے لانے والے اور سکھانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس ایک دین کے علاوہ اور جتنے بھی دین و مذہب چلے ہوئے ہیں، سب کی مثال کھوٹے اور جعلی سکوں کی سی ہے، کہ کہنے کو سکے وہ بھی ہیں؛ لیکن جب چل نہ سکے، تو ان کا سکہ ہونا نہ ہونا برابر۔ یہ آیت اس حقیقت کو اور زیادہ مؤکد و آشکارا کر رہی ہے۔ دوسرے ادیان و مذاہب کو بھی اس دین حق کی طرح سچا سمجھنا، ہر دین مذہب کو نجات کے لیے کافی سمجھنا، سب مذہبوں کو ملا جلا کر ان کا ایک ''ملغوبہ'' تیار کرنا، یا یہ کہنا کہ دیر و حرم، کعبہ و کلیسا سب یکساں ہیں، ضلالت و بے دینی کی انتہائی شکلیں ہیں۔ اکبر، دارا شکوہ، وغیرہ ان ناکام کوششوں کے لیے بجا طور پر بدنام ہو چکے ہیں، اور بڑے قلق کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض اہل قلم ایسی ہی نامراد کوششیں کر چکے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

(۲) (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عددا (عاجل) بلا قضاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۱۹۳، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ط: دار الفکر)

کے لیے تیار ہوجائے، تو لازم ہے کہ جتنی کتابیں اس نے اس طرح کے مضامین پر لکھی ہے، تمام سے رجوع کرے اور جس طرح غلط باتوں کو پھیلایا ہے، اسی طرح ان باتوں سے توبہ کو بھی شائع کرے، تب جا کر ہی اس کی توبہ قبول ہوگی، جب تک کھلم کھلا طور پر اپنی کتابوں کے باطل ہونے کا اقرار نہ کرے، تب تک اس کی توبہ کو سچا نہ سمجھا جائے۔ (۳) اگر ایسا شخص توبہ نہ کرے، تو اسلام میں اس کی سزا قتل ہے۔ (۴) مگر چوں کہ یہاں اسلامی عدالت نہیں ہے؛ لہٰذا اس کا بائیکاٹ کیا جائے۔ (۵) واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۳) قال العلماء: التوبة واجبة من كل ذنب، فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا تتعلق بحق آدمي فلها ثلاثة شروط: أحدها: أن يقلع عن المعصية. والثاني: أن يندم على فعلها. والثالث: أن يعزم أن لا يعود إليها أبدا. فإن فقد أحد الثلاثة لم تصح توبته. (رياض الصالحين - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ)، ص: ۹، باب التوبة، ط: دار الريان للتراث)

وأما المعاصي... فما كان من ذلك بينه وبين الله تعالى من حيث لا يتعلق بمظلمة العباد كنظر إلى غير محرم، وقعود في مسجد مع الجنابة، ومس مصحف بغير وضوء، واعتقاد بدعة، وشرب خمر، وسماع ملاه، وغيره ذلك، مما لا يتعلق بمظالم العباد، فالتوبة عنها بالندم والتحسر عليها.... الخ. (إحياء علوم الدين - أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (م: ۵۰۵هـ): ۴/ ۳۵، كتاب التوبة، الركن الثالث في تمام التوبة وشروطها، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۴) (من ارتد عرض) الحاكم (عليه الإسلام استحبابا وتكشف شبهته ويحبس ثلاثة أيام إن استمهل فإن أسلم فيها (وإلا قتل) لحديث «من بدل دينه فاقتلوه». (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۲۲۶، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر)

(۵) وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينه أو يدخل مضرة في دنياه يجوز له مجانبته وبعده، ورب صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه. وفي النهاية: يريد به الهجر ضد الوصل، يعني فيما يكون بين المسلمين من عتب وموجدة، أو تقصير يقع في حقوق العشرة والصحبة دون ما كان من ذلك في جانب الدين، فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة، والرجوع إلى الحق، فإنه صلى الله عليه وسلم لما خاف على كعب بن مالك وأصحابه النفاق حين تخلفوا عن غزوة تبوك أمر بهجرانهم خمسين يوما، وقد هجر نساءه شهرا وهجرت عائشة ابن الزبير مدة، وهجر جماعة من الصحابة جماعة منهم، وماتوا متهاجرين. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۸/ ۳۱۴۷، تحت رقم الحديث: ۵۰۲۷، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ط: دار الفكر، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲هـ - ۲۰۰۲م)

مزید ملاحظہ فرمائیں، احسن الفتاوی: ۵/ ۵۲۹، کتاب الحدود والتعزیر، ط: دار الاشاعت، پاکستان۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص، قال: سمعت رسول الله -صلی الله علیه وسلم- یقول: " کتب الله مقادیر الخلائق قبل أن یخلق السمٰوات والأرض بخمسین ألف سنة، قال: وعرشه علی الماء ". (مسلم:۱۶-۲۶۵۳)

باب التقدیر

(تقدیر کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[تقدیر کا بیان]

[۱] انسان پر حالات کی تبدیلی، تقدیر کی وجہ سے ہے یا اُس کے اعمال کی وجہ سے؟

۱۵-سوال: کسی جگہ اقوالِ زریں کے تحت ہم نے یہ پڑھا تھا کہ ''خیر وشر کو اللہ تعالیٰ پیدا نہیں کرتا، وہ تو صرف رہنمائی کرنے والا ہے، خیر وشر تو انسان کے اعمال پر موقوف ہے''۔ یعنی یہ کہ انسان پر اچھے یا بُرے احوال کا آنا انسان کے نیک وبد اعمال پر موقوف ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اس سلسلہ میں تقدیرِ خداوندی کا کوئی دخل نہیں ہے؟ تمام احوال صرف انسان کے اعمال ہی پر موقوف ہیں؟ اس بارے میں ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

ساری کائنات میں جو کچھ بھی اچھا یا برا ہوتا ہے، وہ تقدیرِ خداوندی کے مطابق ہی ہوتا ہے، انسان کو پیش آنے والے تمام احوال میں بھی تقدیرِ خداوندی ہی کو دخل ہے۔[1] اب ان احوال میں سے بعض تو انسان کے اچھے یا برے اعمال کے سبب اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجے جاتے ہیں۔[2] اور بعض احوال کے پیش آنے کی حکمتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، مثلاً کسی کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ولادت کے وقت ہی سے کوئی مرض ہو، یا کسی کو اللہ تعالیٰ نے محتاج وتنگ دست بنایا ہو، تو اللہ تعالیٰ کے اِس فیصلہ کی حکمتیں صرف

---

(۱) ولا یکون في الدنیا ولا في الآخرة شيء أي موجود حادث، في الأحوال جمیعها إلا بمشیته، أي: مقرونا بإرادته، وعلمه وقضائه، أي: حکمه وأمره، وقدره أی بتقدیره، وکتبه أي: وکتابته، في اللوح المحفوظ، أي: قبل ظهور أمره. (شرح الفقه الأکبر، ص:۴۹، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

(۲) وَمَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ. [۴۲-الشوری:۳۰]

اور صرف وہی جانتا ہے۔ (۳) جب کہ بعض بُرے احوال کے پیش آنے میں انسان کی بداعمالیاں بھی مؤثر ہوتی ہیں، اور اُن احوال کے ذریعہ مؤمن بندے کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (۴) بعض مصائب کی وجہ سے اُس کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ (۵) اور بعض مصائب اُس کے لیے ذخیرۂ آخرت بھی ہوتے ہیں، غرض یہ کہ تمام کائنات میں جو کچھ بھی عقلِ انسانی کو اچھا یا برا معلوم ہوتا ہے، وہ تقدیرِ خداوندی ہی کی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتا ہے، اُس کے احاطے سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] تقدیرِ خداوندی پر توکل کا صحیح مطلب کیا ہے؟

۱۶-سوال: بہت سے لوگوں کو ہم نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ بندے کو چاہیے کہ وہ اسباب پر تکیہ نہ کرے، تقدیر میں جو لکھا جا چکا ہے، وہ ہو کر رہے گا، اگر کوئی دکان بند کر کے گھر میں بیٹھ جائے گا، تب بھی اسے اس کے مقدر کا رزق مل ہی جائے گا۔

تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اسباب پیدا فرمائے ہیں اور سبب کو اختیار کرنا بھی بندے پر واجب قرار دیا ہے، مثلاً رزق اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتا ہے؛ لیکن بندہ حصولِ رزق کے لیے سبب یعنی کسبِ حلال کا مکلف ہے، اسباب کو اختیار کیے بغیر سیدھے آسمان سے تو روزی ملنے سے رہی، لہٰذا آپ وضاحت فرما دیں کہ تقدیر پر توکل کا صحیح مطلب کیا ہے؟ اور ہمارا اس سلسلے میں کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے، یعنی اِس بات کا یقین رکھنا کہ جو کچھ ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے

---

(۳) وفعله قط لا يخلو عن الحكمة عرفنا وجه الحكمة أو لم نعرف. (كشف الأسرار شرح أصول البزدوي- عبد العزيز بن أحمد، علاء الدين البخاري الحنفي (م: ۷۳۰ھ): ۴/ ۱۷۱، أصول الشرع ثلاثة، الخ، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۴) عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «ما يصيب المسلم، من نصب، ولا وصب، ولا هم، ولا حزن، ولا أذى، ولا غم، حتى الشوكة يشاكها، إلا كفر الله بها من خطاياه». (صحيح البخاري: ۲/ ۸۴۳، رقم الحديث: ۵۶۴۱، كتاب المرضى، باب ما جاء في كفارة المرض، ط: البدر- ديوبند)

(۵) عن عائشة رضي الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "ما يصيب المسلم شوكة فما فوقها إلا رفع بها درجة، أو حط عنه بها خطيئة". (شرح مشكل الآثار- أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (م: ۳۲۱ھ): ۵/ ۲۷۵، رقم: ۲۲۲۶، ط: مؤسسة الرسالة)

شدة المرض ترفع الدرجات وتحط الخطيئات أيضا حتى لا يبقى منها شيء. (فتح الباري- ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۱۰/ ۱۱۲، كتاب المرضى، باب وجوب عيادة المريض، ط: دار المعرفة- بيروت)

مطابق ہی ہوگا، اُس کے فیصلہ کے خلاف کائنات میں کسی بھی قسم کا معمولی سے معمولی تغیر بھی رونما نہیں ہوسکتا، ہماری عقل جسے اچھا یا برا سمجھے سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی منشا کے موافق ہوتا ہے، لہٰذا اُس پر ایمان لانا ضروری ہے۔(۱) اسی طرح رزق کا بھی معاملہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے متعین کردہ مقدار کے مطابق ہی ملے گا، نہ اُس مقدار میں کمی ہوگی اور نہ زیادتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی کوئی طاقت اُس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں کرسکتی۔(۲)

لیکن اُس رزق کے حصول کی کوشش کرنا بھی من جانب اللہ ہی فرض ہے کہ بندوں کو چاہیے کہ وہ کوشش کریں۔(۳) اُن کی کوشش کے ذریعہ میری جانب سے متعین کردہ رزق اُنہیں ملے گا، نیز اس کوشش کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندے کو استطاعت و اختیار بھی دیا ہے۔(۴) بندہ جب کسی سبب کو اختیار کرے گا، تو اپنے ارادہ سے کرے گا، مجبور ہو کر نہیں، اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دارالاسباب بنایا ہے، جس میں ہر کام کے

(۱) ولا يكون في الدنيا ولا في الآخرة شيء أي موجود حادث، في الأحوال جميعها إلا بمشيئته، أي: مقرونا بإرادته، وعلمه وقضائه، أي: حكمه وأمره، وقدره أي بتقديره، وكتبه أي: وكتابته، في اللوح المحفوظ، أي: قبل ظهور أمره...ومجمل الأمر أن القدر وهو مايقع من العبد المقدر في الأزل من خيره، وشره، وحلوه، ومره، كائن عنه سبحانه وتعالى بخلقه وإرادته ماشاء كان، ومالا، فلا. (شرح الفقه الاكبر، ص: ۴۹، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۲) وقدر الأرزاق والآجال في الأزل. (كتاب المواقف - عضد الدين الإيجي (م: ۷۵۶هـ): ۱/ ۱۲، ت: عبد الرحمن عميرة، ط: دار الجيل - لبنان)

(۳) عن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «كسب الحلال فريضة بعد الفريضة». (مسند الشهاب - أبو عبد الله محمد بن سلامة القضاعي المصري (م: ۴۵۴هـ): ۱/ ۱۰۴، رقم الحديث: ۱۲۱، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

وقال البيهقي: تفرد به عباد، وهو ضعيف، قال أبو أحمد الفرا: سمعت يحيى بن يحيى يسأل عن حديث عباد في الكسب، فإذا انتهى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن كان قاله، وله شواهد... وبعضها يؤكد بعضا، لا سيما وشواهدها كثيرة. (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة - شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي (م: ۹۰۲هـ)، ص: ۵۰۵، رقم: ۸۰۰، حرف الكاف، ت: محمد عثمان الخشت، ط: دار الكتاب العربي - بيروت)

عن أنس بن مالك، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «طلب الحلال واجب على كل مسلم». (المعجم الأوسط - سليمان بن أحمد، أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ): ۸/ ۲۷۲، رقم: ۸۶۱۰، ت: طارق بن عوض الله، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة ☆ المعجم الكبير: ۱۰/ ۷۴، رقم الحديث: ۹۹۹۳، ☆ شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۱۱/ ۱۷۵، رقم الحديث: ۸۳۶۷)

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «طلب الحلال جهاد». (مسند الشهاب: ۱/ ۸۳، رقم: ۸۲)

(۴) وللعباد أفعال إختيارية. (شرح عقائد، ص: ۸۱، ط: ياسر نديم - ديوبند)

لیے بندہ اولاً کسی سبب کو اختیار کرتا ہے، جسے متکلمین کی اصطلاح میں ''کسب'' کہا جاتا ہے۔ (۵) اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس کسب کے نتیجے میں ثمرہ مرتب ہوتا ہے، جسے خلق کہا جاتا ہے۔ (۶) مثلاً یہ کہ اگر کوئی شخص اولاد حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اُس کے لیے اُس کے سبب کو اختیار کرنا ہوگا، کہ وہ نکاح کرے، پھر نکاح کے بعد تقدیرِ خداوندی کے مطابق اس کے مقدر میں اولاد ہے، تو اس کی آنکھیں اولاد سے ٹھنڈی ہوں گی، ورنہ دس مرتبہ نکاح کے بعد بھی وہ اولاد سے محروم ہی رہے گا؛ لیکن اِس کی وجہ سے بندہ صرف تقدیر پر ہی آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لے کہ بغیر نکاح کے اولاد حاصل کروں گا، تو یہ اُس کی نادانی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر کا فیصلہ بندے کے کسب کے ساتھ رکھا ہے، بغیر کسب کے نہیں۔

حدیث شریف میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ تم اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے کوشش کرلو، پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو کہ روزی دینا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ چاہے گا تو ملے گی، اور وہ جتنی چاہے گا، اُسی قدر ملے گی۔ (۷) اب اللہ تعالیٰ نے تو کسی بندے کو اطلاع نہیں دی ہے کہ اُس کی قسمت میں روزی ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی ہے؟ کم ہے یا زیادہ، تو جب بندہ اِن امورِ تقدیر سے مکمل ناواقف ہے، تو پھر وہ یہ سمجھ کر مایوس کیسے بیٹھ سکتا ہے کہ جب اس کی قسمت میں روزی ہی نہیں ہے تو پھر اسے کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یا یہ کہ اس کی قسمت میں جو روزی ہے، وہ اسے مل ہی جائے گی، اس لیے اسے کوشش نہ کرنی چاہیے، عالمِ اسباب میں عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ بندہ اولاً اسباب اختیار کرے، پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، جانوروں کو بھی رزق اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ملتا ہے؛ لیکن تلاش تو انہیں بھی کرنا ہی پڑتا ہے۔ (۸) حاصلِ کلام یہ کہ بندہ اپنی جانب سے اسباب اختیار کرے، اس کے بعد تقدیرِ خداوندی کے مطابق مسبّب کا وجود امورِ عادیہ میں سے ہے۔

لیکن بعض مرتبہ کچھ مخصوص احوال میں کسی خاص بندے کے لیے خرقِ عادت کے طور پر کسی سبب کو

---

(۵) إن صرف العبد قدرته وإرادته إلى الفعل كسب. (شرح عقائد، ص: ۸۳)

(۶) وإيجاد الله تعالى الفعل عقيب ذلك خلق. (المصدر السالف)

(۷) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنكم لو توكلون على الله حق توكله، لرزقكم كما يرزق الطير تغدو خماصا، وتروح بطانا". ــــــــ قال الإمام أحمد رحمه الله تعالى: "وليس في هذا الحديث دلالة على القعود عن الكسب، بل فيه ما يدل على طلب الرزق؛ لأن الطير إذا غدت فإنما تغدو لطلب الرزق وإنما أراد - والله تعالى أعلم - لو توكلوا على الله تعالى في ذهابهم ومجيئهم وتصرفهم ورأوا أن الخير بيده ومن عنده لم ينصرفوا إلا سالمين غانمين كالطير تغدو خماصا، وتروح بطانا؛ لكنهم يعتمدون على قوتهم، وجلدهم، ويغشون، ويكذبون، ولا ينصحون وهذا خلاف التوكل". (شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۲/ ۴۰۵، رقم: ۱۳۹، ط: مكتبة الرشد، الرياض)

(۸) انظر: رقم الهامش السابق.

اختیار کیے بغیر بھی اللہ تعالی نے رزق دیا ہے، مثلاً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اُن کی اُمت کے چند افراد کے لیے آسمان سے دسترخوان نازل ہونا۔ [۹] حضرت مریم علیہا السلام کے لیے بے موسم پھل مہیا ہونا۔ [۱۰] اور نبیٔ اکرم ﷺ کے صحابی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے لیے قید خانہ میں پھلوں کا دستیاب ہونا۔ [۱۱] اُس کے علاوہ اور بھی بہت سے اولیاء اُمت کے بارے میں ایسے قصے مشہور ہیں کہ اُنہوں نے اسبابِ عادیہ میں سے کسی سبب کو اختیار نہیں کیا، پھر بھی اللہ تعالی نے اُنہیں رزق دیا، تو ایسے امور کو ''خوارقِ عادات'' کہا جاتا ہے، جو اللہ تعالی کے مخصوص بندوں کے لیے مخصوص احوال میں بطورِ اُن کے اکرام کے رونما ہوئے؛ لیکن بندہ اللہ تعالی کی جانب سے خوارقِ عادات کے انتظار کرنے کا مکلف نہیں ہے؛ بل کہ اسباب کے اختیار کرنے کا مکلف ہے اور ساتھ میں اِس عقیدے کا بھی کہ میرے اسباب اختیار کرنے کے بعد فیصلہ اللہ تعالی ہی کے اختیار میں ہے، اور اس پر رضا مندی ضروری ہے۔ [۱۲] اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ مؤمن بندے کا ایمان بھی خوف اور اُمید کے درمیان ہونا چاہیے کہ اعمالِ صالحہ کر لینے کے بعد صرف اُن ہی پر بھروسہ نہ کرلے اور نہ تو تقدیر کا بہانہ کر کے مایوس ہو کر اعمال چھوڑ دے۔ [۱۳]

---

(۹) قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ الآية (۵-المائدة: ۱۱۴-۱۱۵)

(۱۰) كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (۳-آل عمران: ۳۷)

(۱۱) واللہ ما رأیت أسیرا قط خیرا من خبیب، واللہ لقد وجدته یوما یأکل من قطف عنب في یده، وإنه لموثق في الحدید، وما بمکة من ثمر، وکانت تقول: إنه لرزق من اللہ رزقه خبیبا. الحدیث. (صحیح البخاري: ۲/ ۴۲۸، کتاب الجهاد، باب: هل یستأسر الرجل ومن لم یستأسر الخ، رقم: ۳۰۴۵، ط: البدر - دیوبند☆المصنف - أبو بکر عبد الرزاق بن همام الحمیري الیماني الصنعاني (م: ۲۱۱هـ): ۵/ ۳۵۳، کتاب المغازي، وقعة هذیل بالرجیع، والرجیع موضع، ت: المحدث الکبیر حبیب الرحمن الأعظمي، ط: المکتب الإسلامي - بیروت☆مسند الإمام أحمد: ۱۳/ ۶۰-۳۵۹، رقم: ۸۰۹۶☆صحیح ابن حبان، رقم: ۷۰۳۹)

(۱۲) لأن الرضاء بالقضاء واجب. (شرح الفقه الأکبر، ص: ۳۹، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۱۳) والجمع بین الخوف والرجاء واجب شرعا. (التمهید لشرح کتاب التوحید - دروس صالح بن عبد العزیز بن محمد بن إبراهیم آل الشیخ: ۱/ ۳۸۳، ط: دار التوحید)

بل المطلوب الجمع بین الخوف والرجاء، فلا یخاف حتی یقنط، ولا یرجو حتی یأمن من مکر اللہ، بل یکون متعادلاً، ولهذا یقول العلماء: "المؤمن بین الخوف والرجاء کالطائر بجناحین لو اختل جناح من الأجنحة سقط الطائر، کذلك المؤمن إذا اختل خوفه أو رجاؤه سقط". (إعانة المستفید بشرح کتاب التوحید - صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان: ۱/ ۷۹، الباب الثالث: من حقق التوحید دخل الجنة، ط: مؤسسة الرسالة - بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ کو لے کر مدینہ منوّرہ کے قبرستان بقیع میں آئے ہوئے تھے، وہاں نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور قبر کے تیار ہونے تک آپ ﷺ ہمارے پاس بیٹھ گئے، ہم بھی آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے، آپ ﷺ اپنے عصاء مبارک کے ذریعہ زمین کریدنے لگے اور فرمانے لگے کہ دنیا کے تمام انسانوں کا جنت یا جہنم میں ایک ٹھکانہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تیار ہے اور ہر ایک کے لیے لکھ دیا گیا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی، اُس پر ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ تو کیا پھر ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھے جائیں اور عمل ترک کردیں؟ (کیوں کہ جنتی کو جنت مل ہی جائے گی اور جہنمی جہنم ہی میں جائے گا) تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جنتی ہے، اس کے لیے اہلِ جنت کے اعمال آسان کردیے جائیں گے اور جو جہنمی ہے، اس کے لیے اہل جہنم کے اعمال آسان کردیے جائیں گے۔ (یعنی یہ کہ دارومدار اعمال پر ہوگا) بندے کو چاہیے کہ وہ عمل کرتا رہے، جنتی کو اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی رہے گی، اور جہنمی اہلِ جہنم جیسے اعمال کریں گے، پھر آپ ﷺ نے آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝ [۹۲-اللیل: ۵-۱۰]

یعنی: جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد اللہ سے ڈرے گا اور خیر کے راستے کو اختیار کرے گا تو ہم اُسے آسان عمل (اعمالِ اہلِ جنت) کی توفیق دیں گے، اور جو بخیلی کرکے بے نیاز بنے گا اور خیر کو ٹھکرائے گا، تو ہم اُسے سختی کے راستہ (اعمالِ اہلِ نار) پر ڈال دیں گے۔ (مسلم شریف: ۲/ ۳۳۳) (۱۴) واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] علم نجوم کے متعلق چند سوالات کے جوابات

۱۷-سوال: ''اسلامی محمدی بڑی تقویم'' نامی سالانہ رسالہ ممبئی سے نکلتا ہے، جس میں بعض انبیاء کرام

(۱۴) عن علي، قال: كنا في جنازة في بقيع الغرقد، فأتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقعد وقعدنا حوله، ومعه مخصرة فنكس فجعل ينكت بمخصرته، ثم قال: «ما منكم من أحد، ما من نفس منفوسة، إلا وقد كتب الله مكانها من الجنة والنار، وإلا وقد كتبت شقية أو سعيدة» قال فقال رجل: يا رسول الله! أفلا نمكث على كتابنا، وندع العمل؟ فقال: «من كان من أهل السعادة، فسيصير إلى عمل أهل السعادة، ومن كان من أهل الشقاوة، فسيصير إلى عمل أهل الشقاوة» فقال: «اعملوا فكل ميسر، أما أهل السعادة فييسرون لعمل أهل السعادة، وأما أهل الشقاوة فييسرون لعمل أهل الشقاوة» ، ثم قرأ: ﴿فأما من أعطى واتقى. وصدق بالحسنى. فسنيسره لليسرى. وأما من بخل واستغنى. وكذب بالحسنى فسنيسره للعسرى﴾ [الليل: ۹]. (صحيح مسلم: ۲/ ۳۳۳، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه وكتابة رزقه، رقم الحديث: ۶-(۲۶۴۷)، ط: البدر-ديوبند)

اور خلفاء راشدین اور بزرگان دین کے واقعات کے بعد مندرجہ ذیل باتیں لکھی ہیں:

۱- ستارہ کے خاص برج میں ہونے سے کسی کی پیدائش پر اثر

۲- اعضاء کے کھجلانے کی تاثیر:

۱- پیشانی کے کھجلانے سے عزت بڑھتی ہے۔ ۲- ہتھیلی کی پشت کے کھجلانے سے ذہن کا نقصان ہوتا ہے۔ ۳- سینہ کے کھجلانے سے اولاد کے حوالے سے تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے۔

۳- نقشہ دوستی ودشمنی ومساوات وسیارگان

۴- ہر ایک نام کے پہلے حرف سے راز یعنی برج یعنی گیارہ سیارہ اور منزل اور اس کے قدم معلوم کرنے کا نقشہ

۵- فال نامہ حاملہ عورت کولڑکا ہوگا یا لڑکی

۶- خطرناک تاریخی زلزلے

۷- چور کے نام کا پہلا حرف معلوم کرنے کا نقشہ

۸- چاند کی منزلوں کا بیان

۹- انسانوں کے اعضاء جسم کے پھڑکنے کا نتیجہ

۱۰- چہروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا

۱۱- تعبیر نامہ فرقانی

۱۲- کیفیت بارش

۱۳- ہاتھ پر کامیابی کی لکیریں، بیس شکلیں اور ان کے اثرات

الجواب حامداومصلیا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۙ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ[1]

ارشاد خداوندی ہے: وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۔[2]

(۱) ۳۷- الصافات: ۶-۷۔

(۲) ۶- الأنعام: ۹۷۔

بخاری شریف (۱/ ۴۵۴) میں امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے: "باب في النجوم"، جس میں آیت ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح الآیۃ سے استدلال کرتے ہوئے حضرت الامامؒ نے ستاروں کے تین فوائد ذکر فرمائے ہیں: (۱) آسمان کے لیے باعث زینت۔ (۲) شیطان وجنات کے مارنے کے لیے کوڑا۔ (۳) راستہ چلنے والے راہ رو کے لیے علامات؛ تاکہ لوگ ان کے ذریعہ (جنگل ودریا) میں راستہ پاسکیں۔

مذکورہ فوائد ذکر کرنے کے بعد حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ان تین باتوں کے سوا کوئی اور غرض بیان کی، تو اس نے خطا کی، اپنا حصہ ضائع کیا اور اس چیز میں تکلف کیا، جس کو وہ نہیں جانتا۔ [۳]

بخاری شریف (۱/ ۱۴۱، باب الاستسقاء) میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مذکور ہے کہ مقام حدیبیہ میں جب کہ رات میں بارش ہوچکی تھی، فجر کی نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو، اللہ نے کیا فرمایا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں نے آج اس حال میں صبح کی کہ بعض تو مجھ پر ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا، چناں چہ جس شخص نے یہ کہا: ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی، تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کے ساتھ کفر کیا اور جس شخص نے کہا کہ فلاں ستارے کے طلوع ہونے اور فلاں ستارے کے غروب ہونے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی، تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ [۴]

مذکورہ بالا آیات مبارکہ واحادیث نبویہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ستاروں سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، جو کچھ ہوتا ہے، صرف ان کے فضل وکرم سے ہوتا ہے، کبھی بادل اور بارش کی علامات ظاہر ہونے کے باوجود بارش نہیں ہوتی؛ لہٰذا ہر مومن کا یہ اعتقاد اور یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، محض اللہ کے

---

(۳) وقال قتادة: {ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح} [الملك: ۵] خلق هذه النجوم لثلاث: جعلها زينة للسماء، ورجوما للشياطين، وعلامات يهتدى بها، فمن تأول فيها بغير ذلك أخطأ، وأضاع نصيبه، وتكلف ما لا علم له به. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۵۴، كتاب بدء الخلق، باب في النجوم، ط: البدر - ديوبند)

(۴) عن زيد بن خالد الجهني، أنه قال: صلى لنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - صلاة الصبح بالحديبية على إثر سماء كانت من الليلة، فلما انصرف النبي صلى الله عليه وسلم أقبل على الناس، فقال: "هل تدرون ماذا قال ربكم؟" قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: "أصبح من عبادي مؤمن بي وكافر، فأما من قال: مطرنا بفضل الله ورحمته، فذلك مؤمن بي كافر بالكوكب، وأما من قال: بنوء كذا وكذا، فذلك كافر بي مؤمن بالكوكب". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۴۱، رقم الحديث: ۱۰۳۸، كتاب الاستسقاء، باب قول الله عز وجل: "وتجعلون رزقكم أنكم تكذبون"، ط: البدر - ديوبند)

فضل اور اسی کی مہربانی کا نتیجہ ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری طاقت نہیں ہے، جو نظام کائنات میں پر مار سکے۔

(۱) آدمی کی جس دن پیدائش ہوئی، اس دن ستارہ فلاں برج میں تھا، اس طرح کے اعتقاد کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، ان کنڈلیوں سے انسان کی تقدیر پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۲) ۱، ۲، ۳، عضو کے کھجلانے پر کسی فائدے یا نقصان کا مرتب ہونا خلاف شرع عقیدہ ہے، انسان کی گھڑی ہوئی چیز ہے، شریعت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ عقیدہ بے بنیاد اور غلط ہے۔

(۳) ستاروں کے ذریعہ لوگ متعین کرتے ہیں کہ اتنے دوست ہوں گے اور اتنے دشمن ہوں گے، یہ سب غلط اور لغو بات ہے، جس طرح انسان دنیا میں علاج ومعالجہ کرتا ہے اور اس کے ذریعے اسے فائدہ ہوتا ہے، ایسے ہی عامل بھی دوستی ودشمنی بغض وعداوت کی تعویذ بناتے ہیں، اس سے بھی فائدہ ہوسکتا ہے؛ لیکن یہ یاد رہے کہ تعویذ یا دوا سے فائدہ تو ہوتا ہے، مگر مؤثر حقیقی اللہ ہی ہے، تعویذ ودوا اسباب کے درجہ میں ہیں، جو ان کو مؤثر حقیقی سمجھے گا اور یہ خیال کرے گا کہ شفایاب ہونے میں دوا کی تاثیر کا دخل ہے، تو اس کا ایمان تعویذ یا دوا پر ہے، اللہ کی ذات پر نہیں ہے، ایسا شخص ایمان سے نکل جائے گا، اس لیے دوستی یا دشمنی کے نقشہ کو مؤثر حقیقی سمجھنے سے ایمان سے خارج ہوجائے گا۔ (۵)

(۴) کسی بھی نام کے پہلے حرف سے انسان کے راز کی باتیں متعین کرنا، خلاف شریعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۵) حاملہ عورت کو لڑکا ہوگا یا لڑکی، یہ کوئی نہیں جان سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پانچ چیزوں کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ (۶) جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی؛ لہٰذا اقبال نامہ کی مدد سے کسی

---

(۵) عن جابر عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أنه قال: "لكل داء دواء، فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله عز وجل". (صحيح المسلم: ۲/۲۲۵، رقم الحديث: (۶۹-۲۲۰۴)، كتاب الآداب، باب: لكل داء دواء واستحباب التداوي، ط: البدر-ديوبند)

(بإذن الله) أي بتيسيره وإرادته وإنما قيده به لئلا يتوهم أن الدواء مستقل في الشفاء وفسر ته رواية الحميدي ما من داء إلا وله دواء، فإذا كان كذلك بعث الله عز وجل ملكا معه شراب ومعه ستر، فجعله بين الداء والدواء فكلما شرب المريض من الدواء لم يقع على الداء، فإذا أراد الله برأه أمر الملك فرفع الستر ثم يشرب المريض فينفعه الله تعالى به. (مرقاة المفاتيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۷/۲۸۶۱، كتاب الطب والرقى، تحت رقم الحديث: ۴۵۱۵، ط: دار الفكر-بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲هـ-۲۰۰۲م)

(۶) إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ [لقمان: ۳۴-۳۱]

حاملہ کے متعلق اس طرح کی پیش گوئی دینا جائز نہیں۔

(۶) کتابوں میں لکھا ہے کہ جب انسان بہ کثرت گناہ کا ارتکاب کرنے لگے گا، تو زلزلے آئیں گے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ جوش میں آئے گا، جس کی وجہ سے دنیا میں زلزلے کی کثرت ہوگی۔[۷] اس لیے ستارے کے ساتھ زلزلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۷) چوری کو ثابت کرنے کے لیے گواہوں کی گواہی کا اعتبار ہوگا، بغیر گواہ کے فال یا تعویذ سے چوری ثابت کرنا اور اس پر یقین کرنا جائز نہیں ہے۔[۸] لہٰذا چور کے نام کے پہلے حرف سے چوری کا پتہ لگانا صحیح نہیں ہے، ناجائز وحرام ہے، شریعت کے بیان کردہ اصول کے بالکل خلاف ہے۔

(۸) چاند کی منزلوں کے متعلق امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ چاند ستارے اور سورج کی چال ورفتار کا علم انسان کو ہونا چاہیے۔[۹] تاکہ اللہ کی قدرت اور ایمان کا استحضار نصیب ہو اور اس کا ایمان تازہ ومضبوط ہو، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس چاند کی منزلوں کا علم نہیں، وہ اللہ کی پہچان میں نامکمل رہے گا؛ لیکن اس کے برج سے انسان کی تقدیر یا دنیا میں سردی گرمی، بارش کا ہونا، نفع ونقصان کا وجود میں آنا، صحت وبیماری، گرانی یا ارزانی، حکومت بننا وغیرہ کو جوڑنا زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کا شیوہ تھا، مذہب اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ لہٰذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے گا کہ ستارے کے فلاں برج میں جانے کی وجہ سے ایسا ایسا ہوا؛ تو وہ ایمان سے خارج ہوجائے گا۔

(۹) انسان کے عضو کے متعلق آپ نے لوگوں کے جس عقیدے کا تذکرہ کیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

(۱۰) انسان کا چہرہ دیکھ کر کوئی کسی کی قسمت معلوم نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ’’واختلاف

---

(۷) (فليحذر الذين يخالفون عن أمره) أي: أمره وصلته، وقيل: معناه: يعرضون عن أمره، وينصرفون عنه بغير إذنه أن تصيبهم فتنة، أي: قتل، عن ابن عباس، عطا: الزلزال والأهوال. (تفسير الثعلبي: ۷/۱۲۱، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۸) أو شهد رجلان ولو عبدا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۸۶، كتاب السرقة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۹) وتعلم منازل القمر من المهمات للمريد، حتى يطلع به على مقادير الأوقات بالليل وعلى الصبح. (إحياء علوم الدين - أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (م: ۵۰۵هـ): ۱/ ۱۹۳، القسم الأول: ما يتكرر بتكرر الأيام والليالي، ط: دار المعرفة - بيروت)

السنتکم والوانکم.[۱۰] دنیا میں نہ جانے کتنے انسان ہیں، سب کے چہرے ایک دوسرے سے جدا ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر واضح دلیل ہے؛ لہٰذا چہرہ دیکھ کر قسمت بتانا ناجائز و حرام ہے۔

(۱۱) آپ نے جس تعبیر نامہ کا ذکر کیا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے بعض الفاظ مقرر ہوتے ہیں، اس کے اوپر لوگ اپنا ہاتھ رکھتے ہیں اور اپنی تقدیر کا عدد نکالتے ہیں، یہ خلاف شریعت ہے، لہٰذا فرقانی یا دوسرا کوئی فال نامہ ہو، اس کے ذریعہ انسانی تقدیر کا معلوم کرنا صحیح نہیں، حرام ہے۔

(۱۲) آپ کا سوال سمجھ میں نہیں آیا، آپ جو پوچھنا چاہتے ہیں، تفصیل سے لکھیں۔

(۱۳) ہاتھ کی لکیروں سے قسمت اور آئندہ کی باتوں کا جاننا، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، خلاف شرع اور حرام ہے۔ آپ میری کتاب عقائد اسلام[۱۱] اگر غور سے پڑھ لیتے، تو مذکورہ مسئلہ حل ہو جاتا، آج کل نادان، بھولے بھالے اور ان پڑھ مسلمانوں کو اسلام کے نام پر مختلف طریقے سے گمراہ کیا جارہا ہے؛ لہٰذا کسی کتاب کے اوپر اسلامی لیبل دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہیے، اگر اس کا مؤلف صحیح العقیدہ ہے اور اس کتاب کے مضامین شریعت کے مطابق ہیں، تب تو قابل قبول ہے، اس کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اگر اس میں شریعت کے خلاف باتیں مذکور ہیں، تو ایسی کتاب ناقابل قبول اور مردود ہوگی، اس کے مطالعے سے احتراز بے حد ضروری ہے۔

آپ کا لکھنا بالکل درست ہے، ''اسلامی محمدی تقویم'' نامی رسالہ میں جو باتیں لکھی ہیں، وہ شریعت کے خلاف ہیں، غیر مسلم راشی اور نجومی وغیرہ اندازے سے انسان کے مستقبل کی باتوں کو بیان کرتے ہیں، اس وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ علم نجوم، کہانت وغیرہ حرام ہے۔[۱۲] مسلمانوں کے ایمان کو کمزور اور کھوکھلا کرنے والی ہے؛ لہٰذا مذکورہ تقویم میں، یا تعویذ اور فال نامہ کی دیگر کتابوں میں مذکورہ سوال کے مثل جو کچھ لکھا ہے، اس پر اعتقاد رکھنا اور اسے صحیح ماننا حرام ہے۔[۱۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات

(۱۰) ۳۰-الروم: ۲۲.

(۱۱) عقائد اسلام (اردو) ترجمہ از: مولانا ارشد صاحب فلاحی، ناشر: حافظ امجد بیات صاحب، کینیڈا۔

(۱۲) الكاهن والساحر والمنجم إذا ادعى العلم بالحوادث الآتية فهو مثل الكاهن ... و ما يعطى هؤلاء حرام بالإجماع. (شرح الفقه الأكبر-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۱۸۲، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

(۱۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نظام الفتاویٰ-مفتی نظام الدین، اعظمی: ۱/۸۱، ط: تاج پبلشنگ، دیوبند۔

[۴] تقدیر اور تدبیر کے درمیان فرق

۱۸-سوال: تقدیر اور تدبیر کے درمیان کیا فرق ہے۔؟

الجواب حامداومصلیا:

تقدیر: ہر شئے کی انجام وہی کا مخصوص نقشہ، جو اللہ کے علم میں ہے، تقدیر کہلاتا ہے۔ جب کہ تدبیر نام ہے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسباب اختیار کرنے کا، کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق اسباب کو اختیار کرے اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دے۔ (۱)

انسان کو حکم ہے تدبیر اختیار کرنے کا، تقدیر کے بھروسہ بیٹھے نہ رہنا چاہیے۔ (۲)

تقدیر کی دو قسمیں ہیں، تقدیر مبرم: یعنی اٹل فیصلہ جو بدلتا نہیں، دوسرا معلق: لکھ دیا گیا ہے کہ صلہ رحمی کرے گا تو روزی یا عمر میں برکت ہوگی، عمر بڑھادی جائے گی، اس کا وقوع لازمی نہیں ہے، اگر شرط پائی جائے، تو مشروط کا وجود ہوگا۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والمراد أن الله تعالى علم مقادير الأشياء، وأزمانها، قبل إيجادها، ثم أوجد ما سبق في علمه أنه يوجد، فكل محدث صادر عن علمه، وقدرته، وإرادته، هذا هو المعلوم من الدين بالبراهين القطعية، وعليه كان السلف من الصحابة وخيار التابعين ،إلى أن حدثت بدعة القدر في أواخر زمن الصحابة.(فتح الباري-العسقلاني (م:۸۵۲ھ): ۱/۱۱۸، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل عن الإيمان والإسلام . . .إلخ،ط: دار المعرفة-بيروت)

(۲) عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: أنه كان في جنازة فأخذ عودا ينكت في الأرض، فقال: ما منكم من أحد إلا وقد كتب مقعده من النار أو من الجنة . قالوا: يارسول الله، أفلا نتكل؟ قال: اعملوا فكل ميسر . فأما من أعطى واتقى . وصدق بالحسنى . الآية (صحيح البخاري: ۲/۷۳۸،رقم الحديث: ۴۹۴۶، كتاب التفسير، باب فسنيسره لليسرى [الليل] ،ط: البدر-ديوبند)

(۳)فإن قلت: الآجال مقدرة، وكذا الأرزاق لا تزيد ولا تنقص، فإذا جاء أجلهم، لا يستأخرون ساعة، ولا يستقدمون، قلت: أجيب عن هذا بوجهين: (أحدهما): أن هذه الزيادة بالبركة في العمر بسبب التوفيق في الطاعات ،وصيانته عن الضياع، وحاصله أنها بحسب الكيف لا الكم. (والثاني) أن الزيادة على حقيقتها، وذلك بالنسبة إلى علم الملك الموكل بالعمر ،وإلى مايظهر له في اللوح المحفوظ بالمحو والإثبات فيه يمحو الله مايشاء ويثبت كما أن عمر فلان ستون سنة إلا أن يصل رحمه، فإنه يزاد عليه عشرة وهو سبعون، وقد علم الله عز وجل بما سيقع له من ذلك، فبالنسبة إلى الله تعالى لا زيادة ولا نقصان، ويقال له القضاء المبرم، وإنما يتصور الزيادة بالنسبة إليهم، ويسمى مثله بالقضاء المعلق. . . الخ.(عمدة القارى شرح البخارى: ۲۲/۹۱ ،باب من بسط له الرزق،=

[۵] توکل کی حقیقت

۱۹-سوال: دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو مانگنا ہو، مجھ سے مانگو، میرے خزانہ میں کوئی کمی نہیں ہے اور دعا کے ذریعہ انسان اللہ سے مانگتا بھی ہے، مگر اللہ کا قانون ہے کہ وہ آسمان سے بہ راہ راست کوئی چیز نہیں ڈال دیتا ہے؛ بل کہ اس کے حصول کے لیے سبب اختیار کرنا پڑتا ہے، تو اس طرح سبب اختیار کرنا کہ مثلاً مخلوق میں سے کسی کو سبب کے طور پر اپنانا اور خود اس سبب کو اختیار نہ کرنا، کیا اللہ پر توکل کے خلاف ہوگا؟ میرے سوال کا سادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ سے مانگنے کے بعد ذریعہ (سبب) اختیار کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر انسان اسباب اختیار نہ کرے، تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

توکل کا اصل اور اعلیٰ درجہ- جو اللہ پاک کے نبیوں اور برگزیدہ بندوں کو حاصل ہوتا ہے، دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے لوگوں کو ایسے توکل کا حکم بھی نہیں ہے، اگر عام آدمی ان کی نقل کرے گا، تو ٹھوکر کھائے گا -یہ ہے کہ رزق کے معاملے میں صرف اللہ پر بھروسہ کرو، کسی سے کچھ نہ مانگو اور رزق کے لیے حرکت نہ کرو۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرو اور بھروسہ اللہ پر رکھو، اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرو اور جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرو، کسی سے سوال نہ کرو، تمام لوگوں کے لیے یہی حکم ہے۔ (۱)

=ط: دار إحياء التراث العربي ☆مرقاة المفاتيح: ۱/ ۱۴۸، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، ط: دار الفكر - بيروت)
فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں: تقدیر حقیقۃً ایک ہی قسم کی ہے، جو کہ اٹل ہے، جس کو عربی میں مبرم کہتے ہیں، اور دوسری جو قسم بعض عبارات میں ملتی ہے، وہ بندوں کے اعتبار سے ہے، جس کو معلق کہتے ہیں، نہ کہ علم الٰہی کے اعتبار سے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱/ ۲۱۱، تقدیر مبرم اور معلق، ما یتعلق بالقدر، ط: اشرفی بک ڈپو، دیوبند)

(۱) التوكل على ثلاثة مقامات، عام وخاص عام وخاص خاص، فمن دخل في الأسباب واستعمل العلم وتوكل على الله تعالى ولم يتحقق باليقين فهو عام، ومن ترك الأسباب وتوكل على الله وحقق في اليقين فهو خاص عام، ومن خرج من الأسباب على حقيقته لوجود اليقين، ثم دخل في الأسباب فتصرف لغيره فهذا خاص خاص، وهذا وصف الطبقة العليا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم العشرة وغيرهم. (قوت القلوب في معاملة المحبوب - محمد بن علي بن عطية الحارثي، أبو طالب المكي (م: ۳۸۶هـ): ۲/ ۲۶، ذكر التكسب والتصرف في المعايش، ت: د. عاصم إبراهيم الكيالي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة: الثانية، ۱۴۲۶هـ - ۲۰۰۵م)
الدرجة الأولى ما ذكرناه وهو أن يكون حاله في حق الله تعالى والثقة بكفالته وعنايته كحاله في الثقة بالوكيل الثانية=

اللہ پاک آسمان سے روزی بھیجنے پر قادر ہے، اور ایسا واقع بھی ہوا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک قانون رکھا ہے کہ کوشش ومحنت کرو اور کھاؤ، پرندوں کو بھی رزق تلاش کرنا پڑتا ہے۔ (۲) یہی طریقے اللہ کے انبیاء واولیاء سے بھی ثابت ہیں، سوال نہ کرنا چاہیے، جس آدمی میں کمانے کی طاقت ہو اور ایک دن پیٹ بھرنے کے لیے کچھ ہو، اس کے لیے دوسرے سے سوال کرنا حرام ہے، ایسے شخص کے بارے میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ (۳)

=وهي أقوى أن يكون حاله مع الله تعالى كحال الطفل مع أمه فإنه لا يعرف غيرها ولا يفزع إلى أحد سواها ولا يعتمد إلا إياها فإذا رآها تعلق في كل حال بذيلها ولم يخلها وإن نابه أمر في غيبتها كان أول سابق إلى لسانه يا أماه وأول خاطر يخطر في قلبه أمه... الثالثة وهي أعلاها أن يكون بين يدي الله تعالى في حركاته وسكناته مثل الميت بين يدي الغاسل لا يفارقه إلا في أنه يرى نفسه ميتاً تحركه القدرة الأزلية كما تحرك يد الغاسل الميت وهو الذي قوي يقينه بأنه مجري للحركة والقدرة والإرادة والعلم وسائر الصفات وأن كلاً يحدث جبراً فيكون بائناً عن الانتظار لما يجري عليه ويفارق الصبي فإن الصبي يفزع إلى أمه ويصيح ويتعلق بذيلها ويعدو خلفها بل هو مثل صبي علم أنه وإن لم يزعق بأمه فالأم تطلبه وأنه وإن لم يتعلق بذيل أمه فالأم تحمله وإن لم يسألها اللبن فالأم تفاتحه وتسقيه وهذا المقام في التوكل يثمر ترك الدعاء والسؤال منه ثقة بكرمه وعنايته وأنه يعطي ابتداء أفضل مما يسئل فكم من نعمة ابتدأها قبل السؤال والدعاء وبغير الاستحقاق والمقام الثاني لا يقتضي ترك الدعاء والسؤال منه وإنما يقتضي ترك السؤال من غيره فقط. (إحياء علوم الدين- أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (م:۵۰۵هـ): ۲۶۱/۴، كتاب التوحيد والتوكل، بيان حال التوكل، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۲) قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم: لو أنكم توكلتم على الله حق توكله، لرزقكم كما يرزق الطير، تغدو خماصا، وتروح بطانا. (سنن ابن ماجة، ص: ۳۰۷، رقم الحديث: ۴۱۶۴، كتاب الزهد، باب التوكل واليقين، ط: البدر- ديوبند)

قال علي القاري: وفي قوله: تغدو إيماء إلى أن السعي بالإجمال لا ينافي الاعتماد على الملك المتعال، كما قال تعالى جل جلاله: {وكأين من دابة لا تحمل رزقها الله يرزقها وإياكم} [العنكبوت: ۶۰] فالحديث للتنبيه على أن الكسب ليس برازق، بل الرازق هو الله تعالى، لا للمنع عن الكسب فإن التوكل محله القلب فلا ينافيه حركة الجوارح، مع أنه قد يرزق أيضا من غير حركة، بل بتحريك غيره إليه يصل رزق الله ببركته كما يستفاد العموم من قوله تعالى: {وما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها} [هود: ۶]. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، الملا الهروي القاري (المتوفى: ۱۰۱۴هـ): ۳۳۲۰/۸، ط: دار الفكر- بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲هـ - ۲۰۰۲م)

(۳) عن عبد الله، قال: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم: «من سأل وله ما يغنيه، جاءت يوم القيامة خموش، أو خدوش، أو كدوح في وجهه»، فقال: يا رسول الله، وما الغنى؟، قال: «خمسون درهما، أو قيمتها من الذهب. (سنن أبي داؤد، ص: ۲۲۹، رقم الحديث: ۱۶۲۶، كتاب الزكاة، باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى، ط: البدر- ديوبند)=

پھر دوسرے کے سامنے تقاضہ کرنے کا توکل سے کیا تعلق؟ توکل کا نام لینا اور کسی کی جیب پر نظر رکھنا کہ وہ کچھ دے گا، توکل کا مذاق اڑانا ہے اور اللہ کے ساتھ فریب کرنے کے مساوی ہے۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

=عن حبشي السلولي، قال: سمعت رسول الله- صلى الله عليه وسلم يقول: »من سأل الناس ليثري به ماله، فإنه خموش في وجهه، ورضف من جهنم يأكله يوم القيامة، وذلك في حجة الوداع. (المصنف- أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵ھ): ۲/ ۴۲۵، رقم الحديث: ۱۰۶۷۴، من كره المسألة ونهى عنها وشدد فيها، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۹)

قال: (ومن كان له قوت يومه لا يحل له السؤال) لقوله- عليه الصلاة والسلام-: »من سأل الناس وهو غني عما يسأل جاء يوم القيامة ومسألته خدوش أو خموش أو كدوح في وجهه« ولأنه أذل نفسه من غير ضرورة وأنه حرام. قال- عليه الصلاة والسلام-: »لا يحل للمسلم أن يذل نفسه«. (الاختيار لتعليل المختار- عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۴/ ۱۷۶، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، ط: مطبعة الحلبي- القاهرة)

(۴) عن ابن عباس قال كان اهل اليمن يحجون، فلا يتزودون، ويقولون: نحن متوكلون، فاذا قدموا مكة، سالوا الناس- وقال البغوي: إنما يفضي حالهم إلى النهب والغضب- فأنزل الله تعالى: وتزوّدوا، يعني تزودوا ما تبلغون به وتكففون وجوهكم، فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوى. (التفسير المظهري- المظهري، محمد ثناء الله (م: ۱۲۲۵ھ): ۱/ ۲۳۴، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية- الباكستان)

□

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪

[۴۲-الشوریٰ:۱۱]

باب الإيمان باللّٰه وصفاته

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان

[۱] ''اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے'' کہنا کیسا ہے؟

۲۰-سوال: ہمارے پاس ایک کتاب ''انوار الحدیث'' مولانا جلال الدین احمد امجدی، مفتی فیض الرسول، براؤن شریف، ضلع بستی کی لکھی ہوئی موجود ہے، اس کے کتاب الایمان میں ایک عنوان ہے: ''خدا تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرنا کیسا ہے؟'' اس عنوان کے تحت عقائد نسفی [۱] اور عالم گیری [۲] کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی جگہ رہتا ہے اور نہ اس پر کوئی زمانہ طاری ہوتا ہے۔ مزید لکھا ہے کہ فتاویٰ عالم گیری: ۲/۲۳۶ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جگہ ثابت کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، ''پس اگر کسی نے کہا: خدا تعالیٰ سے کوئی جگہ خالی نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہر جگہ رہتا ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا''۔

تو سوال یہ ہے کہ ہم تو بات بات میں یہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی جگہ خالی نہیں، تو مذکورہ عبارت تو اس جملے کے قائل کا کافر ہونا ثابت کرتی ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عقائد نسفی اور عالم گیری میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جگہ متعین نہیں ہے کہ وہ اسی جگہ میں موجود ہو، (جیسا کہ انسان کے وجود کے لیے جگہ کا ہونا ضروری ہے) اور نہ وہ اپنے وجود میں کسی جگہ کا محتاج ہے کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان لٹکتا نہیں ہے، الغرض اللہ تعالیٰ اپنے وجود کے لیے کسی

(۱) ولا يتمكن في مكان. (شرح عقائد: ۳۹، یاسر ندیم - دیوبند)

(۲) يكفر بإثبات المكان لله تعالى، فلو قال: ''از خدا ہیچ مکان خالی نیست'' يكفر. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۸۳، كتاب السير، باب في أحكام المرتدين، ومنها ما يتعلق بذات الله تعالى، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

خاص اور متعین جگہ کا محتاج نہیں ہے۔[1] اسی طرح بعض چیزیں خاص وقت میں ہی موجود ہوتی ہیں، اس وقت سے پہلے یا بعد میں (آگے پیچھے) نہیں ہوسکتی ہیں، یعنی وہ چیز اپنے وجود میں اس ''خاص وقت'' کی محتاج ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے وجود کے لیے اس طرح وقت اور زمانہ کا محتاج نہیں ہے۔[2] ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حاظر وناظر ہے اور وہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے: {ونحن أقرب إليه من حبل الوريد}[3] ہم (اللہ تعالیٰ) انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ پس سوال میں بیان کردہ عقیدہ صحیح ہے اور شریعت کے موافق ہے، اس طرح کا جملہ کہنے سے کوئی صاحب ایمان کافر نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] فرشتوں کا اللہ رب العزت کو دیکھنا

۲۱-سوال: کیا اللہ تعالیٰ کو فرشتوں نے دیکھا ہے؟ احادیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ ''میرے بندے کیا چاہتے ہیں''؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: ''جنت چاہتے ہیں'' پھر اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں کہ ''کس چیز سے پناہ چاہتے ہیں''؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ''جہنم سے''[4] ان تمام

---

(۱) "ولاشيء مثله" هذه الجملة قد دلت علي نفي المثل عن الله، وأنه لا فقيل له من خلقه، و دليل ذلك قوله تعالى: ليس كمثله شيء" وهذا نص في نفي مشابهة المخلوق للخالق، فلاشيء يماثله سبحانه. (شرح العقيدة الطحاوي-عبد الرحمن بن ناصر البراك، ص: ۳۰، نفي المثل عن الله تعالى، ط: دار التدمرية، الطبعة الأولى: ۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸ء)

(۲) "ولايجري عليه زمان" قالو: وجوده تعالى ليس في الزمان ومعنى كونه في الزمان أن لايمكن حصوله إلا في الزمان (نبراس ص: ۱۱۶، ط: مكتبة تهانوي-ديوبند)

(۳) -۵۰ق: ۱۶.

وهذا القرب قرب العلم والقدرة، وأبعاض الإنسان يحجب البعض البعض ولايحجب علم الله شيء. (الجامع لأحكام القرآن-شمس الدين القرطبي (م: ۶۷۱ھ): ۱۹/۶/۳۳۲، ت: د. عبد الله بن عبد المحسن التركي، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى: ۱۴۲۷ھ-۲۰۰۶ء)

(۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن لله ملائكة يطوفون في الطرق يلتمسون أهل الذكر، فإذا وجدوا قوما يذكرون الله تنادوا: هلموا إلى حاجتكم" «قال: فيحفونهم بأجنحتهم إلى السماء الدنيا» قال: "فيسألهم ربهم، و هو أعلم منهم، ما يقول عبادي؟ قالوا: يقولون: يسبحونك، ويكبرونك، ويحمدونك، ويمجدونك" قال: "فيقول: هل رأوني؟" قال: "فيقولون: لا والله ما رأوك؟" قال: "فيقول: وكيف لو رأوني؟" قال: "يقولون: لو رأوك كانوا أشد لك عبادة، وأشد لك تمجيدا وتحميدا، وأكثر لك تسبيحا" قال: "يقول: فما يسألوني؟" قال: «يسألونك الجنة» قال: "يقول: وهل رأوها؟" قال: "يقولون: لا والله يا رب ما رأوها" قال: "يقول: فكيف لو أنهم رأوها؟" قال:" يقولون: لو أنهم رأوها كانوا أشد عليها حرصا، وأشد لها طلبا، وأعظم فيها رغبة، قال: فمم يتعوذون؟ =

باتوں سے کیا سمجھا جائے؟

الجواب حامداو مصلیا:

بات کرنے اور بات کو سمجھنے کے لیے دیکھنا شرط نہیں ہے، صاحب ایمان آخرت میں اللہ رب العزت کی زیارت کریں گے، یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ (شرح فقہ اکبر، ص:۱۰۰-شرح عقائد، ص:۵۸)[1]

واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۳] کیا قیامت کے روز فرشتے بھی ہلاک ہو جائیں گے؟

۲۲-سوال: کیا قیامت کے دن تمام فرشتے بھی نابود ہو جائیں گے؟ اگر نابود ہو جائیں گے تو پھر حضرت عزرائیل کی روح کون قبض کرے گا؟

الجواب حامداو مصلیا:

قیامت کے روز تمام چیزیں فناء ہو جائیں گی، اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: {كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ}[۲] کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے: {كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ}[۳] کہ جتنے روئے زمین پر موجود ہیں، سب فنا ہو جائیں گے۔

لہٰذا فرشتے بھی فنا ہو جائیں گے؛ یعنی تھوڑی دیر کے لیے ان پر بھی بے ہوشی طاری ہوگی؛ البتہ آٹھ چیزیں فنا ہونے سے محفوظ رہیں گی: (۱) عرش الٰہی (۲) کرسی (۳) لوح محفوظ (۴) قلم (۵) جنت (۶) جہنم

="قال: "يقولون: من النار" قال: "يقول: وهل رأوها؟" قال: "يقولون: لا والله يارب ما رأوها" قال: "يقول: فكيف لو رأوها؟" قال: "يقولون: لو رأوها كانوا أشد منها فرارا، وأشد لها مخافة" قال: "فيقول: فأشهدكم أني قد غفرت لهم. (صحيح البخاري: ۲/ ۹۴۸، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله تعالى، رقم الحديث: ۶۴۰۸، ط: مكتبة البدر ديوبند☆مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۲/ ۳۸۹-۳۹۰، رقم: ۷۴۲۴، مسند أبي هريرة، ط: مؤسسة الرسالة. ☆ صحيح ابن حبان: ۳/ ۱۳۷-۱۳۸، رقم: ۸۵۶، مؤسسة الرسالة، بيروت☆الدعاء-الطبراني: ۱/ ۵۳۰، رقم: ۱۸۹۴، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) ويراه المؤمنون وهم في الجنة بأعين رؤسهم بلا تشبيه. (شرح الفقه الأكبر، ص:۱۰۰، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

مزید دیکھیے: (شرح عقائد، ص:۷۰، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند)

(۲) ۳-آل عمران: ۱۸۵☆۲۱-الأنبياء: ۳۵☆۲۹-العنكبوت: ۵۷۔

(۳) ۵۵-الرحمن: ۲۶۔

(۷) صور (۸) ارواح۔[1] اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عزرائیل بھی فنا ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۱/۲/۱۹۷۷ء

[۴] جبرئیل امین علیہ السلام اس وقت کس کام پر مامور ہیں؟

۲۳-سوال: کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام ان کے پیغمبروں اور رسولوں تک لانے کا کام انجام دیتے تھے، لیکن اب تو یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے، تو اس وقت وہ کون سی ڈیوٹی پر مقرر ہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

ان کی ڈیوٹی ابھی کیا ہے؟ اس کے متعلق کتابوں میں کوئی بات نہیں دیکھی گئی ہے، معلوم ہونے پر انشاء اللہ العزیز بتادیا جائے گا۔[2] واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۱۱/۲/۱۹۷۷ء)

[۵] اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا

۲۴-سوال: اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا یا نہیں۔ ”لا تدرکہ الابصار“ آیت کا کیا مطلب ہے؟۔

---

[۱] والمستثنی من الهلاك والفناء ثمانية أشياء نظمها السيوطي في قوله:

ثمانية حكم البقاء يعمها		من الخلق والباقون في حيز العدم
هي العرش والكرسي ونار وجنة		وعجب وأرواح كذا اللوح والقلم

(مراح لبيد لكشف معنى القرآن المجيد- محمد بن عمر نووي الجاوي البنتني من فقهاء الشافعية (م: ۱۳۱۶ھ) ۲/۲۰۹، سورة القصص الآية: ۸۸، ت: محمد امين الصناوی، ط: دار الكتب العلمية)

نوٹ: اس میں روح کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس کے بجائے ”عجب“ ہے۔

ولا تهلك الجنة والنار وما فيها ولا العرش ولا الكرسي. (الدر المنثور: ۶/۴۴۷، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) قال السيوطي - رحمه الله: ما اشتهر على الألسنة أن جبرائيل - عليه الصلاة والسلام - لا ينزل إلى الأرض بعد موت النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - فهو شيء لا أصل له، ومن الدليل على بطلانه، ما أخرجه الطبراني: أن جبرائيل يحضر موت كل مؤمن يكون على طهارة، وأخرج أبو نعيم في الفتن: قال - صلى الله تعالى عليه وسلم: " »يمر الدجال بالمدينة فإذا هو بخلق عظيم فقال: من أنت؟ قال: أنا جبرائيل بعثني لأمنع حرم رسوله« " انتهى. (مرقاة المفاتيح: ۸/۳۴۷۰، كتاب الفتن، باب العلامات بين يدي الساعة وذكر الدجال، رقم الحديث: ۵۴۸۱، ط: دار الفكر- بيروت)

الجواب حامداومصلیا:

اللہ تعالی کا دیدار دنیا میں بیداری کی حالت میں نہیں ہوسکتا۔ (۱) آپ ﷺ نے معراج کی رات اللہ کو دیکھا تھا یا نہیں؟ اس میں صحابہ کرام اور علماء عظام کا اختلاف ہے۔ (۲)

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالی کا دیدار کیا تھا، وہ یہ کہتے ہیں کہ دل کی آنکھ سے دیدار ہوا تھا، اور جو لوگ قائل نہیں، وہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ''اے اللہ! میں آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں: رب أرني. تو اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا تھا: "لن تراني ولكن انظر إلى الجبل فإن استقر مكانه" کہ پہاڑ کی طرف دیکھ، میں اپنی تجلی نازل کر رہا ہوں، اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہے، تو تم میرا دیدار کر سکتے ہو، چناں چہ جیسے ہی اللہ تعالی نے تجلی فرمائی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے۔ (۳) معلوم ہوا کہ کوئی بھی شخص

---

(۱) قال عبدالله بن عمر: فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- في الناس ... وقال: تعلموا أنه لن يرى أحد منكم ربه عز وجل حتى يموت. (صحيح المسلم: ۲/ ۳۹۹، رقم الحديث: ۱۲۹، كتاب الفتن، باب ذكر ابن صياد، ط: البدر - ديوبند)

أما رؤية الله في الدنيا فممكنة، ولكن الجمهور من السلف والخلف من المتكلمين وغيرهم على أنها لا تقع في الدنيا. (عمدة القاري-أبو محمد محمود بن أحمد الحنفي، بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ هـ): ۱۸/ ۱۷۲، كتاب تفسير القرآن، باب قوله تعالى: إن الله لا يظلم مثقال ذرة. ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

فما نفى الشرع إلا رؤية الله في الدنيا يقظة. (تفسير القاسمي - محمد جمال الدين بن محمد سعيد بن قاسم الحلاق القاسمي (م: ۱۳۳۲هـ): ۴/ ۲۵۲، ت: محمد باسل عيون السود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت الطبعة: الأولى - ۱۴۱۸هـ)

(۲) وأما رؤيته صلى الله عليه وسلم لربه جل وعز، فاختلف السلف فيها، فأنكرته عائشة رضي الله عنها. .. وقال جماعة بقول عائشة رضي الله عنها، وهو المشهور عن ابن مسعود، ونقله عن أبي هريرة أنه قال: إنما رأى جبرئيل، واختلف عنه، وقال بإنكار هذا وامتناع رؤيته في الدنيا جماعة من المحدثين، والفقهاء، والمتكلمين. وعن ابن عباس رضي الله عنهما أنه راه بعينه، وروى عطاء عنه أنه راه بقلبه، وعن أبي العالية عنه راه بفؤاده مرتين، وذكر ابن اسحاق أن ابن عمر أرسل إلى ابن عباس رضي الله عنهما يسأله هل رأى محمد ربه؟ فقال: نعم، والأشهر عنه أنه رأى ربه بعينه. (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى - عياض بن موسى بن عياض بن عمرون اليحصبي السبتي، أبو الفضل (م: ۵۴۴هـ): ۱/ ۲۰۱، فصل: وأما رؤيته صلى الله عليه وسلم لربه ... الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

(مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۹/ ۷، ۹۳، كتاب الفتن، باب رؤية الله تعالى، ط: دار الفكر - بيروت)

قال ابن عباس، وأبو ذر، وإبراهيم التميمي: راه بقلبه، وعلى هذا رأى بقلبه ربه رؤية صحيحة، وهو أن الله تعالى جعل بصره في فؤاده أو خلق لفؤاده بصرا حتى رأى ربه رؤية صحيحة. (مرقاة المفاتيح: ۹/ ۳۲۶، كتاب الفتن، باب رؤية الله تعالى)

(۳) وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۙ قَالَ رَبِّ أَرِنِيٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرٰىنِي وَلٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرٰىنِي ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ [الأعراف: ۱۴۳]

ان فانی آنکھوں سے اللہ کا دیدار نہیں کرسکتا۔

اور جو لوگ دیدار کے قائل ہیں، وہ معراج والی روایت پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "نور أني أراہ" نور کے مانند ہے، میں دیکھ سکا تھا۔ (حدیث)(۴)

آپ ﷺ کے علاوہ کوئی انسان اس دنیا میں فانی آنکھوں سے اللہ کا دیدار نہیں کرسکتا؛ البتہ خواب میں دیدار کے متعلق علماء نے صراحت کی ہے کہ خواب میں اللہ کا دیدار ہوسکتا ہے۔(۵)

امام ابوحنیفہ نے ۱۰۰ مرتبہ اللہ کا خواب میں دیدار کیا ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں اللہ کا دیدار کیا، تو میں نے پوچھا کہ آپ کا قرب حاصل کرنے کے لیے سب سے بہتر کون سا عمل ہے؟ تو مجھے جواب ملا کہ تلاوت قرآن، پھر حضرت امام احمدؒ نے پوچھا کہ سمجھ کر یا بغیر سمجھے، تو جواب ملا کہ جس طرح بھی پڑھے۔(۶)

رہا جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مسئلہ، تو یہ علماء اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اہل جنت اپنی آنکھوں سے جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور اس بارے میں بہت سی نصوص موجود ہیں: چناں چہ مسلم شریف (جلد۱، ص:۱۰۱) میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے، جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس پرودگار کو دیکھنے میں تم کوئی رکاوٹ اور پریشانی محسوس نہیں کرو گے۔ (حدیث نبوی)(۷)

بعض گمراہ فرقے مثلاً خوارج وغیرہ جنت میں اللہ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں، دلیل کے طور پر لا تدرکہ الابصار.(۸) وغیرہ آیات پیش کرتے ہیں، جواب یہ ہے کہ یہاں مطلقاً دیدار کی نفی نہیں ہے؛ بل کہ اس دیدار کی نفی کی گئی ہے، جو احاطے کے طور پر ہو؛ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آنکھیں اللہ کا احاطہ نہیں

---

(۴) عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: سألت رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- هل رأيت ربك؟ قال: نور أني أراه. (صحیح المسلم:۱/۹۹، رقم الحدیث:۲۹۱-(۱۷۸)، کتاب الإیمان، باب معنی قول اللہ عز وجل: ولقد رأہ نزلۃ أخری، ط: البدر - دیوبند)

(۵) وأما الرؤیۃ فی المنام فقد حکیت عن کثیر من السلف، ولا خفاء فی أنہ نوع مشاہدۃ یکون بالقلب، دون العین. (شرح العقائد النسفیۃ-سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی (م: ۷۹۳ھ)، ص: ۷۵، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

(۶) فعن الإمام الأعظم أنہ رأی مائۃ مرۃ، ... وعن الإمام أحمد قال: رأیت اللہ سبحانہ فی المنام، فسألتہ عن أفضل العبادات، فقال: تلاوۃ القرآن. (نبراس شرح، شرح العقائد-العلامۃ محمد عبد العزیز الفرھاری، ص:۱۷۰،۱۶۹، یاسر ندیم-دیوبند)

(۷) عن جریر بن عبد اللہ، قال: کنا عند النبي صلی اللہ علیہ وسلم، فنظر إلی القمر لیلۃ - یعني البدر - فقال: "إنکم سترون ربکم، کما ترون ھذا القمر، لا تضامون في رؤیتہ، فإن استطعتم أن لا تغلبوا علی صلاۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فافعلوا" ثم قرأ: {وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب} (صحیح البخاري:۱/۷۸، رقم الحدیث: ۵۵۴، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ العصر، ط: البدر - دیوبند)

(۸) لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ (-الأنعام: ۱۰۳)

کر سکتیں اور اللہ نگاہوں کا احاطہ کر سکتا ہے۔[9] دنیا میں ایک شخص زید، بکر وغیرہ کو دیکھتا ہے؛ لیکن پورے بدن کا احاطہ نہیں کر سکتا، اس کے پیچھے کیا ہے، انسان اس کو نہیں جان سکتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کا احاطہ کیسے ہوسکتا ہے؛ لیکن اللہ ہر عالم کا احاطہ کیے ہوا ہے۔ (مشکوۃ: جلد ۲، ص: ۵۰۱، ۵۰۰)[10]

اس لیے جو لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں اور وہ بھی صرف عقلی دلیلوں کی بنیاد پر، ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں؛ کیوں کہ یہ عقیدہ بہت سی قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] ''اللہ تبارک وتعالیٰ بے مثل ہیں'' کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

۲۵-سوال: اللہ تبارک وتعالیٰ بے مثل ہیں، اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن وحدیث کا آپ کو زیادہ علم نہیں ہے، لہٰذا آپ کو صرف اتنا جان لینا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی دنیوی اشیاء کی طرح کوئی شکل وصورت اور جسم وہیئت نہیں ہے۔[11] اس کی پوری تفصیل علم کلام میں ہے، آپ کے گاؤں میں علم کا دریا بہتا ہے۔ (یعنی وہاں ایک علمی ادارہ ہے) وہاں جا کر علماء سے رجوع کیجیے، ان شاء اللہ وہ سمجھا دیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] صاحب قبر کی طاقت میں کسی کو نقصان پہونچانا نہیں ہے

۲۶-سوال: پہلے ہمارے یہاں قبرستان نہیں تھا، آبادی بھی کم تھی، اس وقت لوگ گھر کے باڑے میں مردوں کو دفن کرتے تھے، اس زمانہ کی کوئی قبر ہو، جس پر ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گذر گیا ہو، اب ایسی قبر کے پاس کوڑا کرکٹ یا نالی کا پانی جاتا ہو، تو اس میں مدفون نیک آدمی، صاحب مکان کو نقصان پہونچا سکتا ہے؟ اور کیا ایسی صورت میں اللہ کی طرف سے کوئی عذاب صاحب مکان پر آسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی نیک ولی کی قبر ہو، جن کا بدن قبر میں صحیح سالم ہو اور ان کی قبر میں گندگی جا رہی ہو، تو اللہ کی طرف

---

(۹) وأقوى شبههم من السمعيات قوله : "لا تدركه الأبصار..."، والجواب بعد تسليم كون الأبصار للاستغراق وإفادته عموم السلب لا سلب العموم وكون الإدراك هو الرؤية مطلقا لا الرؤية على وجه الإحاطة بجوانب المرئي، أنه لا دلالة فيه على عموم الأوقات والأحوال. (شرح العقائد النسفية-سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني (م: ۷۹۳ھ) ص: ۷۳، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

(۱۰) مشكاة المصابيح: ۵۰۲،۵۰۱/۲، رقم الحديث: ۵۶۶، باب رؤية الله تعالى، ط: فيصل-ديوبند.

(۱۱) قال الله تعالى: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ [۴۲-الشورى: ۱۱]

سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے؛ لیکن اس ولی کے قبضہ میں کسی کو نقصان پہونچانے کی طاقت نہیں۔ [۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] اللہ کی معرفت کی حقیقت

۲۷-سوال: اکثر و بیشتر بیان اور تقریر میں یہ سنا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کی ذات کو پہچاننا سیکھو، جس نے اللہ کو پہچان لیا، کام یاب ہوگیا اور جس نے تمام علوم وفنون حاصل کیے؛ مگر اللہ تعالی کو نہیں پہچان سکا، علم رکھتے ہوئے بھی اس کا علم کار آمد نہیں، تو اللہ کی ذات کو پہچاننے کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداومصليا

اللہ کی ذات کو پہچاننا سیکھو'' اللہ کی پہچان بہت مشکل ہے، جس آدمی کو اللہ تعالی کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے، تو وہ ولی بن جاتا ہے، ''پہچان ومعرفت'' ایک لفظ ہے، اس کی ایک حقیقت ہے، جو صرف بولنے اور معنیٰ ومطلب سمجھنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ معرفت کی حقیقت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، بس جس آدمی کو اللہ کی پہچان ہوجاتی ہے، وہ کبھی بھی اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کرتا، جیسے انبیاء کرام، کہ ان سے کوئی بھی گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، صادر نہیں ہوتا، (البتہ نبی اور ولی میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ نبی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، جب کہ ولی گناہ سے معصوم نہیں ہوتے) ان کے علاوہ اولیاء اللہ سے اگر کوئی گناہ ہوجائے، تو وہ جب تک توبہ نہیں کرلیتے، چین نہیں آتا اور دل کو سکون اور قرار حاصل نہیں ہوتا؛ لہٰذا جس آدمی کو یہ کیفیت حاصل ہوجائے، تو سمجھ لیجیے کہ اس کو اللہ تعالی کی معرفت حاصل ہوگئی۔

زبان سے تو ہر مسلمان کہتا ہے کہ اللہ ہمارا مالک ہے، اس نے ہم کو پیدا کیا، وہ ہمارا رب ہے، وغیرہ؛ لیکن جب کسی کے ساتھ جھگڑا ہو اور غصہ آجائے، وارث کا مال تقسیم کرنے کا وقت آجائے، شریعت کے مطابق تجارت کرنے کے لیے کہا جائے، غیر شرعی طریقے سے جو نفع حاصل کیا ہے، سب کو بلانیت ثواب صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے، اس وقت شریعت کی معرفت ہے یا نہیں؟ اس کا امتحان ہوتا ہے، شریعت کے ہر ایک حکم کو پورا کرنا ہی معرفت ہے، شریعت اور معرفت الگ چیز نہیں ہے، جب امتحان کا موقع آتا ہے تو گنجائش کا، مصلحت کا سہارا تلاش کیا جاتا ہے، اخیر میں یوں کہہ کر دل کو سمجھایا جاتا ہے کہ شدت پسند علماء سختی کرتے رہتے ہیں، سب کچھ چلتا ہے، اللہ معاف کردے گا، یہ معرفت نہیں بل کہ جہالت ہے۔

---

(۱) عن عبد الله بن عباس، أنه حدثه: أنه ركب خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا غلام، إني معلمك كلمات: احفظ الله يحفظك، احفظ الله تجده تجاهك، وإذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعوا على أن ينفعوك، لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك، ولو اجتمعوا على أن يضروك، لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك، رفعت الأقلام، وجفت الصحف. (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ): ۴/ ۴۰۹، رقم الحديث: ۲۶۶۹، مسند عبد الله بن العباس، ط: مؤسسة الرسالة)

ایک یہودی عالم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد (یا اے ابوالقاسم)! بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمان کو ایک انگلی پر، زمین کو دوسری پر، پہاڑوں اور درختوں کو تیسری پر، پانی اور نمناک مٹی کو چوتھی انگلی پر اور دوسری تمام مخلوقات کو پانچویں انگلی پر رکھ کر انگلیوں کو ہلائیں گے اور یوں کہیں گے: ''میں بادشاہ ہوں، میں ہی بادشاہ ہوں''۔ تو نبی کریم ﷺ اس یہودی عالم کی بات پر تعجب کرتے ہوئے ہنس پڑے اور اس کی تائید میں قرآن پاک کی آیت تلاوت کی "وماقدروا اللہ حق قدرہ" (اللہ کی جیسی عظمت کرنی چاہیے، ویسی عظمت یہ یہودی نہ کرسکے)

مطلب یہ ہے کہ ایسا علم رکھنے کے باجود اللہ کے ایک سچے نبی کو ماننے اور ان پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہے، تو انہوں نے اللہ کی کیا قدر پہچانی؟ کیا صرف اتنا جان لینے سے اللہ پاک راضی ہو جائیں گے؟ صرف جان لینا ہی اللہ کا حق ہے؟ نہیں، اصل حق تو فرماں برداری اور معرفت ہے۔ (مسلم شریف، ج:۲، ص:۳۷۰)[1]

[۹] ہر حال میں رازق اللہ ہے

۲۸-سوال: زمین فروخت کرنے کی شدید ضرورت ہے، اگر زمین فروخت ہوگئی، تو میری اولاد کے حصہ میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور وہ کسان شمار نہیں ہوں گے، پھر کیسے گذارہ کریں گے، اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا کوئی غلط طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، تاکہ زمین فروخت کرنے کی نوبت نہ آئے؟

الجواب حامداومصلیا:

زمین بک جائے گی، تب بھی اللہ تعالیٰ رازق ہے، روزی روٹی کا ضامن اللہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا.[2] (ترجمہ: اور کوئی (رزق کھانے والا) جان دار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) اس لیے اللہ پر بھروسہ کریں اور کوئی غلط طریقہ اختیار نہ کریں، ساتھ ہی دعاء کریں، اللہ تعالیٰ کوئی سبیل پیدا فرما دیں گے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن عبد اللہ بن مسعود، قال: جاء حبر إلی النبي -صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: یا محمد أو یا أبا القاسم إن اللہ تعالی یمسك السماوات یوم القیامة علی إصبع، والأرضین علی إصبع، والجبال والشجر علی إصبع، والماء والثری علی إصبع، وسائر الخلق علی إصبع، ثم یهزهن، فیقول: أنا الملك، أنا الملك، فضحك رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم تعجبا مما قال الحبر، تصدیقا له، ثم قرأ: {وما قدروا اللہ حق قدره والأرض جمیعا قبضته یوم القیامة والسموات مطویات بیمینه سبحانه وتعالی عما یشرکون}. (صحیح المسلم: ۲/۳۷۰، رقم الحدیث: ۱۹-(۲۷۸۶)، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، ط: البدر-دیوبند) ______ (۲)-۱۱ هود: ۲.

□

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾. (٤-النساء:٤٨)

باب الإشراک باللّٰہ

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[شرک کا بیان]

[۱] الفاظ شرک کی ادائیگی اور توبہ

۲۹-سوال: میرے اوپر کسی نے جادو کر دیا تھا، اس لیے علاج کی غرض سے کئی مرتبہ مختلف مزاروں پر جانا ہوا، میں مزار کے اردگرد گھومتا تھا اور اس قسم کے الفاظ بولتا تھا ''اس کو ختم کردو، جلادو''۔

میں نے مزارات پر اس طرح کے جو بھی الفاظ کہے، وہ صرف یہ سمجھ کر کہے کہ صاحب مزار بزرگ اپنی کرامت کے سبب اس کو دفع کر دیں گے، لیکن مجھے ان الفاظ کے بولنے پر شرح صدر نہ تھا، دل میں یہ بات برابر کھٹکتی رہی کہ کہیں یہ شرکیہ الفاظ تو نہیں ہیں، اور معلوم نہیں میری توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ میں نے اس سلسلے میں تحقیق کرتے کرتے درج ذیل باتیں پڑھیں:

(۱) ''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' کتاب کے مصنف: مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ ہیں، مولانا میرٹھیؒ کتاب میں ایک جگہ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بیان فرماتے ہیں کہ: اللہ کے رسول کی شفاعت صرف ان لوگوں کے ہی حق میں مفید ہوگی، جنھوں نے شرک نہ کیا ہو۔ (۱)

(۲) کلام پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میں شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو بخش دوں گا''۔ (۲)

(۳) ''بہشتی زیور، گجراتی'' میں لکھا ہے کہ ''توبہ کا مطلب کفر اور شرک سے توبہ نہیں ہے؛ بل کہ

---

(۱) قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: أشهدكم أن شفاعتي لكل من مات لا يشرك بالله شيئا. (جامع معمر بن راشد-معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي (م: ۱۵۳ھ): ۱۱/ ۴۱۳، رقم الحديث: ۲۰۸۶۵، باب من يخرج من النار، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي-باكستان، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۳ھ)

(۲) إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا [النساء: ۴۸]

دوسرے گناہوں سے توبہ ہے، جب کہ ایمان کا مطلب کفر سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہونا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ میری توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے، میں مسلمان باقی رہا یا نہیں؟ اور میں مستحق شفاعت ہوں یا نہیں؟ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں میرا کیا حکم ہے؟۔ تشفی بخش جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداومصلیا:

آپ نے صرف ایک دو حدیثیں پڑھی ہیں، حدیث کی دوسری کتابوں پر آپ کی نظر نہیں ہے؛ اسی لیے آپ کو شکوک وشبہات ہو رہے ہیں۔

آپ علاج کی غرض سے مزار پر گئے تھے، وہاں اگر آپ نے دعا اس طرح مانگی تھی کہ اے اللہ! میں اس صاحب مزار کے وسیلے سے تجھ سے دعاء کرتا ہوں کہ تو میرا جادو، میری بیماری اور میری تمام تکلیفیں دور فرما دے، تو آپ مسلمان ہیں، اسلام سے نہیں نکلے۔ [(۱)] لیکن اگر آپ نے مزار کا طواف کیا، اور وہاں بیماری سے شفاء کی دعا اس عقیدے سے مانگی کہ صاحب مزار ولی میری تمام پریشانیوں اور بیماریوں کو دور کردیں گے، اور آپ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ بیماریوں سے شفاء دیتے ہیں، تو اس عقیدے کی وجہ سے آپ مرتد ہو گئے۔ [(۲)] البتہ اس کے بعد اگر آپ نے توبہ واستغفار کر لیا، اور اپنے گناہ سے ندامت وپشیمانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی اور دوبارہ کلمہ پڑھ کر آپ نے اپنا عقیدہ درست کرلیا کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں، کسی کا بیمار ہونا یا شفایاب ہونا، بس اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہی ہوتا ہے، تو آپ دوبارہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ [(۳)] لیکن بیوی سے از سر نو نکاح کرنا ضروری ہوگا۔ [(۴)]

---

(۱) وإن التوسل بالنبي وبأحد من الأولياء العظام جائز، بأن يكون السؤال من الله تعالى، ويتوسل بوليه ونبيه. (امداد الفتاوی: ۶/ ۳۳۷، کتاب العقائد والکلام، ط: ادارۂ تالیفات اولیاء، دیوبند)

(۲) إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالى من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل يا سيدي فلان أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك وأن لا يحوم حول حماه، وقد عدّه أناس من العلماء شركاً وأن لا يكنه، فهو قريب منه ولا أرى أحداً ممن يقول ذلك إلا وهو يعتقد أن المدعو الحي الغائب أو الميت المغيب يعلم الغيب أو يسمع النداء ويقدر بالذات أو بالغير على جلب الخير ودفع الأذى وإلا لما دعاه ولا فتح فاه. (روح المعاني - شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۳/ ۲۹۸، سورة المائدة، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة: الأولى: ۱۴۱۵ھ)

(۳) ثم اعلم أن من أراد أن يكون مسلما عند جميع طوائف الإسلام، فعليه أن يتوب من جميع الآثام صغيرها وكبيرها، سواء يتعلق بالأعمال الظاهرة أو بالأخلاق الباطنة، ثم يجب عليه أن يحفظ نفسه في الأقوال والأفعال والأحوال من الوقوع في الارتداد... وإن قدر الله عليه وصدر عنه ما يوجب الردة فيتوب عنها ويجدد الشهادة، =

جن کافروں کی موت شرک پر ہوئی ہو، ان کے لیے کسی کی شفاعت مفید نہیں ہوگی، آپ تو زندہ ہیں، کفر وشرک کے کاموں سے توبہ کر رہے ہیں، تو آپ کو شفاعت سے فائدہ ہوگا، ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (۴-النساء: ۴۸) لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ جس کا انتقال شرک پر ہوا ہے، اس کی مغفرت نہیں ہوگی، اس کے علاوہ جن کی مغفرت اللہ کرنا چاہیں، کر دیں گے۔

حالت نزع کے شروع ہونے سے پہلے پہلے جو شخص بھی اپنے کفر وشرک سے توبہ کرے گا، تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔[۵] توبہ کا دروازہ قیامت تک ہر ایک شخص کے لیے حالت نزع سے پہلے پہلے تک کھلا ہوا ہے۔[۶] ۱۲۴۰۰۰ رلوگ (صحابہ کرام) اسلام قبول کرنے سے پہلے کفر وشرک کی تاریکیوں میں تھے؛ لیکن جب ان پر اسلام کی تابناک کرنیں پڑیں اور انھوں نے ماضی کے اعمال سے توبہ کی، تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور تا قیامت اپنی رضامندی کا پروانا عطا کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ قیامت تک توبہ کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا ہوا ہے؛ اس لیے آپ کو بھی توبہ کرنے کی ضرورت ہے، ان حضرات نے بھی حالت نزع سے پہلے پہلے اسی دنیا میں توبہ کی ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] تعدیۂ امراض کا اعتقاد اسلام کے منافی ہے

۳۰-سوال: میرا ایک دوست ہے، جس کے دو بیٹے ہیں۔ تین سال سے اس کی بیوی کو سفید کوڑھ (برص) کی بیماری ہوگئی ہے، میرے دوست کا خیال ہے کہ یہ بیماری خاندانی ہے؛ اس لیے وہ مارے خوف

=ليرجع له السعادة. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۹۸، بحث التوبة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

و إسلامه أن يتبرأ عن الأديان سوى الإسلام أو عما انتقل إليه بعد نطقه بالشهادتين. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۲۲۶، كتاب السير، باب المرتد، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۵/ ۱۲۹، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۴) وارتداد أحدهما أي الزوجين فسخ، فلا ينقص عددا عاجل بلا قضاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۱۹۳، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار الفكر - بيروت)

اس صفحہ کا حاشیہ (۵) عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر". (سنن الترمذي: ۲/ ۱۹۴، رقم الحديث: ۳۵۳۷، أبواب الدعوات، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۶) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: "من تاب قبل أن تطلع الشمس من مغربها، تاب الله عليه". (صحيح المسلم: ۲/ ۳۴۶، رقم الحديث: ۴۳- (۲۷۰۳)، كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار، ط: البدر - ديوبند)

کے مزید بچوں کی ولادت نہیں چاہتا، اس کے لیے وہ مانع حمل ادویات کا استعمال تو نہیں کرتا؛ لیکن جماع کے وقت بہ وقت انزال عزل کر لیتا ہے۔ کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ اس طرح بچوں کی پیدائش روکنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لاعدوی. (۱) مطلب یہ کہ ''چھوت یعنی کسی بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا''۔

عام لوگوں کا خیال تھا کہ بعض بیماریاں مثلاً: کھجلی، چیچک، آنکھ دکھنا اور آب و ہوا کی تبدیلی سے جو بیماری لاحق ہوتی ہے، نیز ہیضہ (کالرا: CHOLERA) وغیرہ، وہ متعدی ہوتی ہے، کسی ایک کو اگر ہو جائے، تو اس کی مجالست ومخالطت سے دوسرے کو بھی ہو جاتی ہے۔

چناں چہ ایک دیہاتی صحابی - جو اپنے مشاہدے اور تجربہ کی بنا پر خارش کو متعدی مرض سمجھتے تھے - اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہم بعض اونٹ کو دیکھتے ہیں، جو اپنی تندرستی اور اپنی کھال کی صفائی ستھرائی کے اعتبار سے ہرن کی مانند ریگستان میں دوڑے پھرتے ہیں، لیکن جب کوئی خارشی اونٹ ان میں مل جاتا ہے، تو وہ دوسروں کو بھی خارش زدہ بنا دیتا ہے؟ (گویا کھجلی متعدی مرض ہے) آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اچھا تو یہ بتائیے کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارش زدہ بنایا؟ (۲)

یعنی خارش پیدا ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی سے اڑ کر لگے؛ لہٰذا جس طرح ان تندرست اونٹوں میں آ ملنے والے خارش زدہ اونٹ میں خارش کا پیدا ہونا بہ تقدیر الٰہی ہوتا ہے؛ اسی طرح دوسرے اونٹوں کا خارش زدہ ہونا بھی حکم الٰہی کے تحت اور نظام قدرت کے مطابق ہوتا ہے، اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بیماری کسی کو نہیں لگ سکتی، صرف مجالست ومخالطت سے ایسی بیماری بھی کسی میں پیدا نہیں ہو سکتی، جن کے

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوى، ولا طيرة، ولا هامة، ولا صفر، وفر من المجذوم كما تفر من الأسد. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۵۰، كتاب الطب، باب: الجذام وباب لا هامة، رقم الحديث: ۵۷۰۷، عن أبي هريرة، ط: البدر، ديوبند☆صحيح المسلم: ۲/ ۲۳۰، رقم: ۱۰۲-(۲۲۲۰)، كتاب الآداب، باب لا عدوى، ولا طيرة، ولا هامة... الخ، فيصل - ديوبند)

(۲) إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا عدوى، ولا صفر، ولا هامة، فقال أعرابي: يا رسول الله، فما بال إبلي، تكون في الرمل كأنها الظباء، فيأتي البعير الأجرب فيدخل بينها فيجربها؟ فقال: «فمن أعدى الأول؟» (صحيح البخاري: ۲/ ۸۵۱، كتاب الطب، باب: لا صفر، وهو داء يأخذ البطن، رقم: ۵۷۱۷، ط: البدر - ديوبند☆صحيح المسلم: ۲/ ۲۳۰، رقم الحديث: ۱۰۱-(۲۲۲۰)، كتاب الآداب، باب لا عدوى، ولا طيرة، ولا هامة... الخ)

بارے میں عام خیال ہے کہ یہ متعدی ہوتی ہے۔ (عینی، فتح الباری)[۳]

اس لیے مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بیماری نہیں ہوگی۔

تاہم انسان کمزور ہے؛ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انسانی طبیعت اور اس کی فطرت کا بھی خیال رکھتے ہوئے اسے حکم دیا ہے کہ مجذوم (صاحب برص) سے اسی طرح بھاگو، جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔ اس حکم کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ انسان کا ایمان کمزور نہ ہو جائے، اور توحید کے سلسلے میں وہ شک وشبہ میں نہ مبتلا ہو جائے۔[۴]

یعنی انسان خارش زدہ یا صاحب برص کے ساتھ رہتے ہوئے اگر اس بیماری میں مبتلا ہو جائے گا تو کمزور عقیدہ والا کہے گا کہ کھجلی اور برص والے کی صحبت کی وجہ سے مجھے یہ بیماری لگی ہے؛ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سے دور رہو؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کا عمل یہ ہے کہ ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اس پیالہ میں کھاؤ، اللہ پر بھروسہ کرو۔ تو اس نے مذکورہ پیالہ میں کھایا۔[۵]

اسی طرح طاعون وپلیگ کی بیماری کے تعلق سے فرمایا کہ جس شہر میں طاعون پھوٹ پڑا ہو، وہاں مت جاؤ، اور اگر پہلے سے اس شہر میں ہو تو وہاں سے باہر نہ جاؤ۔[۶] کیوں کہ شہر میں جانے سے اگر وہ بیماری بہ تقدیر الٰہی لاحق ہوگئی، تو کمزور ایمان والا سمجھے گا کہ فلاں شخص شہر میں آیا؛ اس وجہ سے بیماری لگ گئی اور اس کا عقیدہ خراب ہوگا،

---

(۳) انظر: فتح الباري-ابن حجر العسقلاني: ۲۴۱/۱۰، کتاب الطب، باب: لا هامة، ط: دار المعرفة-بیروت.
عمدة القاري-بدر الدين العيني: (م: ۸۵۵ھ): ۲۸۸/۲، کتاب الطب، باب: لا عدوى، ط: دار إحياء التراث العربي.

(۴) انظر رقم الهامش: (۱).

(۵) عن جابر بن عبد الله، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: أخذ بيد رجل مجذوم فأدخلها معه في القصعة، ثم قال: كل، ثقة بالله وتوكلا على الله. (سنن ابن ماجة، ص: ۲۵۳، رقم: ۳۵۴۲، کتاب الطب، باب المجذوم، ط: فيصل ديوبند* المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵ھ): ۱۴۱/۵، رقم: ۲۴۵۳۶، کتاب الأطعمة، الأكل مع المجذوم، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض ☆ شرح معاني الآثار-أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي (م: ۳۲۱ھ): ۳۰۹/۴، رقم: ۷۰۴۳، کتاب الكراهة، باب الرجل يكون به الداء هل يجتنب أم لا؟ ط: عالم الكتب)

(۶) يسأل أسامة بن زيد، ماذا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الطاعون؟ فقال أسامة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعون رجس أرسل على طائفة من بني إسرائيل، أو على من كان قبلكم، فإذا سمعتم به بأرض، فلا تقدموا عليه، وإذا وقع بأرض، وأنتم بها فلا تخرجوا، فرارا منه». قال أبو النضر: «لا يخرجكم إلا فرارا منه». (صحيح البخاري: ۴۹۴/۱، کتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار، رقم: ۳۴۷۳، ط: البدر - ديوبند ☆ صحيح المسلم، رقم: ۹۰-(۲۲۱۸)، کتاب الآداب، باب الطاعون، والطيرة، والكهانة، ونحوها)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ کی خرابی سے بچانے کے لیے سد باب کے طور پر اس شہر میں جانے سے ہی منع فرمادیا۔ (۷)

الغرض بیماری متعدی نہیں ہوتی، یہ سمجھنا کہ بیماری متعدی ہوتی ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

لہٰذا اگر آپ کا دوست جذام کو متعدی مرض مانتا ہے، تو اسے اپنے اس خیال سے توبہ کرنی چاہیے کہ یہ غیر اسلامی ہے۔

لیکن اگر وہ وحدانیت میں پختہ ہے، اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان مضبوط ہے؛ لیکن یہ سوچتا ہے کہ میں کمزور ہوں، اگر میری اولاد کو جذام ہوگیا، تو کہیں میرے عقیدے میں اضمحلال نہ پیدا ہوجائے؛ اس لیے وہ مزید بچے کے نہ ہونے کی تدبیر اختیار کرتا ہے، تو جائز ہے، تاہم ایسی ہی تدبیر اختیار کرے، جو شریعت میں جائز ہو، اگر وہ اپنی بیوی کی اجازت سے عزل کرتا ہے، تو جائز ہوگا۔ (۸) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] پیر کی درگاہ پر پکوان پیش کرنا اور ان پکوانوں کو کھانے کا شرعی حکم

۳۱-سوال: ہمارے پڑوس میں ایک ''کولیاد'' نام کا گاؤں ہے وہاں :: قاسم شاہ مٹھوشاہ'' نامی کسی پیر صاحب کی درگاہ ہے، لوگ ان کے نام کی منتیں مانگ کر دال، پلاؤ اور گوشت کی دیگیں پیش کرتے ہیں اور وہاں آنے والوں کو پیر صاحب کے نام پر نذر کی گئی اشیاء میں سے کھلاتے ہیں، ہمارے یہاں ایک امام صاحب ہیں، وہ اپنی ذات میں بہت ہی پرہیزگار ہیں، وہ بھی وہاں گئے تھے اور ان کو بھی چڑھاوا کھلایا گیا، تو کیا ان کے لیے اس کا کھانا جائز ہے؟ عبدالقادر

الجواب حامداومصلیا:

''قاسم شاہ مٹھوشاہ'' یا کسی بھی پیر صاحب کی درگاہ پر جاکر منتیں مانگنا اور چڑھاوا چڑھانا جائز نہیں، حرام ہے۔ نذر صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے، اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نذر ماننا، کسی اور سے منت

---

(۷) وأما الأمر بالفرار من المجذوم فمن باب سد الذرائع، لئلا يتفق للشخص الذي يخالطه شيء من ذلك بتقدير الله تعالى ابتداء، لا بالعدوى المنفية، فيظن أن ذلك بسبب مخالطته، فيعتقد صحة العدوى، فيقع في الحرج، فأمر بتجنبه حسما للمادة. والله أعلم. (نزهة النظر شرح نخبة الفكر-الحافظ العسقلاني (م: ۸۵۲ھ)، ص: ۹۲، ط: مطبعة سفير، بالرياض)

(۸) ويكره للزوج أن يعزل عن امرأته الحرة بغير رضاها؛ لأن الوطء عن إنزال سبب لحصول الولد، ولها في الولد حق، وبالعزل يفوت الولد، فكأنه سببا لفوات حقها، وإن كان العزل برضاها لا يكره؛ لأنها رضيت بفوات حقها. (بدائع الصنائع: ۲/۳۳۴، كتاب النكاح، فصل المعاشرة بالمعروف، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

مانگنا جائز نہیں۔(۱) اس لیے درگاہ پر پیر صاحب کے نذر کا دال پلاؤ اور گوشت وغیرہ کھلانا جائز نہیں، جو لوگ اس کھانے میں شرکت کریں گے، وہ گنہ گار ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۲۳/۱/۱۹۷۷ء)

[۴] غوث پاک کے نام پر بکرا ذبح کرنا اور اس کو کھانا

۳۲-سوال: غوث پاکؒ کے نام کا بکرا ذبح کر کے نذر و نیاز کا کھانا پکا کر لوگوں کو کھلانا، یا مالیدہ بنانا اور غوث پاکؒ کے نام کے چڑھاوے چڑھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

بکرا یا کسی دوسرے حلال جانور کا اللہ تعالی کے نام پر ذبح کرنا ضروری ہے۔(۲) اگر غوث پاک کے نام پر بکرے کو ذبح کیا گیا ہے، یا نام تو اللہ تعالی کا ہی لیا گیا ہو، لیکن ذبح غوث پاک کے لیے کیا گیا ہو، ہر دو صورت میں اس کا گوشت کھانا جائز نہیں، نیز ان کے نام کا مالیدہ اور نذر و نیاز کا کھانا' کھانا بھی جائز نہیں ہے۔[۳] واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۵/۱۰/۱۹۷۷ء)

---

(۱) واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم، والشمع، والزيت، ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقربا إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام، مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام، وقد ابتلي الناس بذلك. (قوله تقربا إليهم) كأن يقول يا سيدي فلان إن رد غائبي أو عوفي مريضي أو قضيت حاجتي فلك من الذهب أو الفضة أو من الطعام أو الشمع أو الزيت كذا. بحر. (قوله باطل وحرام) لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز؛ لأنه عبادة والعبادة لاتكون لمخلوق. ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك. ومنه أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۳۹/۲، كتاب الصوم، مطلب في صوم الست من شوال، ط: دار الفكر - بيروت☆ البحر الرائق: ۳۲۰/۲-۳۲۱، كتاب الصوم، فصل ما يوجبه العبد على نفسه، ط: دار الكتاب الاسلامي☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱ھ) ص: ۶۹۳ - ۶۹۴، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت - الطبعة الأولى: ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷م)
سجدهٔ سہو کردن بسوئے قبور انبیاء و اولیاء، وطواف گرد قبور کردن و دعا از آنہا خواستن ونذر برائے آنہا قبول کردن حرام است؛ بل کہ چیزہا از اں بہ کفری رسانند، پیغمبر-صلی اللہ علیہ وسلم- برآنہا لعنت گفتہ واز اں منع فرمودہ وگفتہ کہ قبر مرابت نہ کنند۔(مالابد منہ ص:۶۷، ط: اقراء بک ڈپو، دیوبند)
(۲) قال الله تعالى: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ. (۶-الأنعام: ۱۲۱)
وما أهل لغير الله به أي رفع الصوت لغير الله تعالى عند ذبحه، والمراد بالإهلال هنا ذكر ما يذبح له كاللات والعزى. (روح المعاني: ۲۳۱/۳، المائدة، ط: دار الكتب العلمية)
[۳] (ذبح لقدوم الأمير) ونحوه كواحد من العظماء (يحرم) لأنه أهل به لغير الله (ولو) وصلية (ذكر اسم الله=

[۵] مورتی کی پوجا کرنے اور اس کے گلے میں پھول کا ہار چڑھانے والے کا حکم

۳۳-سوال: باڑولی میں گن پتی وسرجن (الوداع) کے موقع پر جب غیر مسلموں کا گن پتی کا جلوس نکلا، تو ایک مسلمان نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑا، پوجا کی اور اس کے گلے میں پھول کے ہار پہنائے، سوال یہ ہے کہ اس عمل سے شرک و کفر لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر شرک لازم آئے، تو اس سے کفر بھی لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر کفر لازم آئے، تو اس کی بیوی اس کے نکاح میں علی حالہ باقی رہے گی یا نہیں؟ ایسے آدمی کے ساتھ گاؤں والوں کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ اگر گاؤں والے اس شخص کے اس قبیح شرکیہ عمل پر خاموشی اختیار کریں، تو انہیں گناہ ہوگا یا نہیں؟ اسماعیل یوسف مالکدا

الجواب حامداً ومصلیا:

گن پتی کو پھول کا ہار پہنانے اور غیر مسلموں کی طرح اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بہ رضاء و رغبت بندگی اور پوجا کرنے سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے؛ کیوں کہ عبادت و بندگی اللہ رب العزت کے علاوہ کسی اور کی جائز نہیں ہے۔ (۱)

اسی طرح غیر مسلموں کے مذہبی تہوار کی تعظیم کرنے اور اس کو اچھا سمجھنے سے بھی آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے۔ (۲)

=تعالی). (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۳۰۹، کتاب الذبائح، ط: دار الفکر)

قال العلماء: لو أن مسلما ذبح ذبيحة، وقصد بذبحها التقرب إلى غير الله صار مرتدا وذبيحته ذبيحة مرتد. (التفسير الكبير للرازي: ۵/ ۱۹۲، المائدة: ۳، ط: دار احياء التراث العربی، بيروت)

ومثله ما يقع من المعتقدين للأموات من الذبح على قبورهم، فإنه مما أهل به لغير الله، ولا فرق بينه وبين الذبح للوثن. (فتح القدير - الشوكاني: ۱/ ۱۹۶، البقرة: ط: دار ابن كثير، دمشق، بيروت)

(۱) قال الله تعالى: وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ. [۲- البقرة: ۱۶۳]

وقال تعالى: اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ. [۹- التوبة: ۳۱]

وقال تعالى: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ. [۲۸- القصص: ۸۸]

وقال تعالى: هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ. [۴۰- غافر: ۶۵]

(۲) وفي الفتاوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس، أي لبسه، وتشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق، أي وهو من شعارهم، أو شدّ في الوسط خيطا كفر، إذا كان متشابها بخيطهم أو ربطهم، أو سماه زنارا... ولو تشبه نفسه باليهود والنصارى، أي صورة أو سيرة على طريق المزاح أو الهزل، أي ولو على هذا المنوال كفر. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۷-۲۲۸، ط: ياسر نديم ديوبند)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے کہ ''اگر مجوسیوں کے تہوار کے موقع پر کسی مجوسی نے کسی مسلمان کو انڈے ہدیے میں دیے، تو قبول کرنے والا کافر ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے انڈا قبول کر کے کفر پر اس کی مدد کی یا ان دنوں میں ان کی مشابہت اختیار کی''۔ (۳)

مجمع النوازل میں ہے کہ ''مجوسی لوگ اپنے نیروز کے تہوار کے موقع پر کسی جگہ جمع ہوئے ہوں، ان کو دیکھ کر کوئی مسلمان یہ کہے کہ ''یہ بہت ہی اچھا تہوار اور کیا ہی عمدہ طریقہ ہے''، تو اس طرح کہنے کی وجہ سے وہ ایمان سے نکل جائے گا''۔ (۴)

فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ ''اگر کوئی مسلمان 'غیر مسلم، مجوس یا یہود و نصاری کے تہوار کے موقع پر کوئی چیز بابرکت سمجھ کر خریدے یا اس دن کو باعظمت سمجھ کر خریدی کرے، تو ایمان سے نکل جائے گا''۔ (۵)

مذکورہ بالا فتاویٰ سے یہ بات بہ خوبی معلوم ہوئی کہ جو شخص غیر مسلموں کے مذہبی تہوار کی تعظیم کرے، اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھے یا ان دنوں کا خاص طور پر احترام کرے اور ان دنوں کو بابرکت سمجھ کر آپس میں لین دین کرے، تو اس کا ایمان جاتا رہے گا۔

غیر مسلموں کے یہاں گن پتی کو خدا کا اوتار سمجھا جاتا ہے، اس پر پھول کے ہار چڑھانا اور اس کے سامنے غیر مسلموں کی طرح ہاتھ جوڑ کر عبادت کا طریقہ اپنانا؛ کفر اور شرک کے کام ہیں؛ لہٰذا مذکورہ کام کرنے والا شخص ایمان سے نکل جائے گا اور اس کی وجہ سے اس کی بیوی بھی اس کے لیے حرام ہو جائے گی۔ اس لیے اس کو از سر نو کلمہ پڑھ کر ان کاموں سے توبہ کر کے نئے سرے سے نکاح کرنا ضروری ہوگا۔ (۶)

گاؤں والوں کے لیے ضروری ہے کہ اس شخص کو صحیح عقائد سمجھائیں تاکہ وہ اپنی اس نازیبا اور غلط

---

(۳) وفي الخلاصة: من أهدى بيضة إلى المجوس يوم النوروز، كفر، أي لأنه أعانه على كفره وإغوائه، أو تشبه بهم في إهدائه. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۹، فصل في الكفر صريحا و كناية، لا يحرم كل... الخ، ط: ياسر نديم ديوبند)

(۴) وفي مجمع النوازل: اجتمع المجوس يوم النوروز، فقال مسلم: سيرة حسنة وضعوها، كفر، أي لأنه استحسن وضع الكفر مع تضمن استقباحه سيرة الإسلام. (المصدر السابق)

(۵) وفي الفتاوى الصغرى: ومن اشترى يوم النوروز شيئا، ولم يكن يشتريه قبل ذلك، أراد به تعظيم النوروز، كفر، أي لأنه عظّم عيد الكفرة. (المصدر السابق)

(۶) (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عددا (عاجل) بلا قضاء. (الدر المختار)

قال ابن عابدين الشامي: (قوله بلا قضاء) أي بلا توقف على قضاء القاضي، وكذا بلا توقف على مضي عدة في المدخول بها كما في البحر. (رد المحتار: ۳/ ۱۹۳-۱۹۴، باب نكاح الكافر، ط: دار الفكر-بيروت)

حرکت پر ندامت کا اظہار کر کے کلمہ پڑھ لے اور از سر نو نکاح کر کے اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزارے، اگر وہ شخص گاؤں والوں کی بات کو قبول کر لیتا ہو، تو بڑی اچھی بات ہے، ورنہ لازم ہوگا کہ گاؤں والے اس سے اپنے تعلقات ختم کر دیں۔

اس بات کا بھی خیال رہے کہ اللہ رب العزت سورۂ کافرون میں فرماتے ہیں کہ ”تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین“۔[۱] لہٰذا اگر غیر مسلمین اپنے مذہب کے مطابق کوئی کام کرتے ہیں، تو کسی مسلمان کو اس میں دخل دینا یا فتنہ کھڑا کرنا حرام اور ناجائز ہے؛ ہاں! مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقائد، دین اور شعائرِ دین پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں، جانی یا مالی مفاد کی خاطر اس طرح کا ڈھونگ نہ کریں، کہ اس کی وجہ سے ان کا ایمان ضائع ہو جائے گا، اللہ رب العزت ہم سب کو نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] ایک قوالی کے چند اشعار کا حکم

۳۴-سوال: آج کل پاکستانی قوال: غلام فرید و غلام مقبول کی درج ذیل قوالی بہ کثرت سنی جا رہی ہے:

(۱) بھر دے جھولی میری یا محمد لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی

(۲) ”غوث“ کے چاہنے والوں کو خدا ملتا ہے......

(۳) حقیقت میں وہ لطف زندگی پایا نہیں کرتے جو یادِ مصطفے سے دل کو بہلایا نہیں کرتے

ان میں خدا کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کیا گیا ہے، جو توحید کے تقاضے کے بالکل خلاف ہے؛ لہٰذا ان اشعار کا پڑھنا اور سننا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

(۱) پہلے شعر میں اگر شاعر رسول اللہ ﷺ ہی کو جھولی بھرنے والا سمجھتا ہے، تو ایمان سے خارج ہو جائے گا؛ اس لیے کہ نفع و نقصان، ترقی و تنزلی اور غربت و دولت؛ غرضیکہ ہر چیز کا فیصلہ خدا کی ہی طرف سے ہوتا ہے، اور ہر چیز خدا کی جانب سے ہی ملتی ہے۔[۲] اللہ کو منظور نہ تھا' تو ابو طالب کو ایمان نصیب نہیں ہوا،

(۱) قال اللہ تعالیٰ: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ [۱۰۹-الکافرون:۶]

(۲) قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ [۷-الاعراف:۱۸۸]

وقال تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (۳۵-فاطر:۱۵)

حالاں کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ وہ ایمان لے آئیں؛ لیکن اللہ کی مرضی نہیں تھی؛ اس لیے وہ ایمان نہیں لا سکے، اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ. [1] اے پیغمبر! آپ جس کو چاہیں، ہدایت نہیں دے سکتے۔ ہاں! اللہ جس کو ہدایت سے سرفراز کرنا چاہتے ہیں، انھیں ہدایت مل جاتی ہے۔

لہٰذا شاعر اگر ''جھولی بھرنے والا'' رسول اللہ ﷺ کو سمجھے گا، تو خارج از اسلام ہوگا اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ رسول ﷺ سبب ہیں، ورنہ درحقیقت ہر چیز اللہ کی جانب سے ہی ملتی ہے، تو یہ جائز ہے۔

(۲) جو غوث کو چاہے، انہیں کو اللہ ملتا ہے، ان کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہو سکتی، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ جو لوگ شرعی اصول وضابطے کے مطابق، بغیر افراط وتفریط کے غوث پاکؒ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ومحبوب بن جاتا ہے، اگر یہ مطلب ہو، تو صحیح ہے؛ اس لیے کہ ولی وہی راستہ بتلاتے ہیں، جس کی نبی کریم ﷺ نے امت کے لیے نشان دہی فرمائی ہے اور اللہ کی معرفت اتباع سنت ہی سے ہو سکتی ہے کہ بغیر اتباع سنت کے اللہ تعالیٰ تک رسائی مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ پس جو لوگ سنت رسول ﷺ کی اتباع نہیں کرتے، وہ اللہ تک پہنچ بھی نہیں سکتے ہیں۔

(۳) اس کا معنی بالکل صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۷] قبروں پر پھول اور ناریل وغیرہ چڑھانا حرام ہے

۳۵-سوال: اولیاء اللہ کے مزارات پر بہت سی چیزیں لوگ چڑھاتے ہیں، مثلاً: ناریل، پیسے، اگربتی وغیرہ، اسی طرح مزارت پر کھانے بھی تیار کیے جاتے ہیں، تو کیا چڑھائے گئے ناریل کا کھانا، وہاں سے پیسوں کا اٹھالینا، اور وہاں تیار کیے کھانے کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اگر وہاں تیار کیے گئے کھانے کا کھانا درست نہیں ہے، تو اس خوف سے کہ کوئی دوسرا نہ کھائے، اس کو پھینک دیا جائے، یا ضائع ہونے سے بچانے کے لیے، کوئی شکل ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

قبروں پر اگربتی اور ناریل وغیرہ چڑھانا جائز نہیں ہے۔ فقہاء نے اس کو ''ما أهل به لغير الله'' میں شمار کیا ہے۔

---

(۱) ۲۸-القصص: ۵۶.

بزرگوں کی قبروں پر لوگ مختلف چیزوں کا چڑھاوا چڑھاتے ہیں، اس اعتقاد کے ساتھ کہ صاحب قبر بزرگ خوش ہو کر میری مشکلات آسان کر دیں گے، میرے الجھے ہوئے کاموں کو سلجھا دیں گے، اور میری حاجت روائی کریں گے، لوگوں کا اس طرح کا اعتقاد رکھنا اور اولیاء اللہ کے مزارات کے ساتھ اس قسم کی عقیدت قطعاً جائز نہیں حرام ہے۔ (۱)

قبر پر چڑھائی گئی چیزیں چڑھانے والوں کی ملکیت ہی میں رہتی ہیں، محض چڑھانے کی وجہ سے ان کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی ہیں؛ لہٰذا کوئی دوسرا شخص خواہ وہ مجاور ہی کیوں نہ ہو، مالک کی اجازت کے بغیر ان اشیاء کا نہ خود استعمال کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو دے سکتا ہے، اور نہ کھلا سکتا ہے، ان چیزوں کو وہیں چھوڑ دیا جائے۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۸] قبروں پر چڑھائی گئی چیزیں لینا درست نہیں ہے

۳۶-سوال: اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز مثلاً: پھول، اگربتی، ناریل وغیرہ درگاہ پر چڑھانے کے لیے دے، تو کیا اس آدمی (جس کو دیا جا رہا ہے) کے لیے جائز ہے کہ مذکورہ چیزوں کو لے کر کھالے، یا پھینک دے یا کسی اور کو دے دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

چڑھاوا چڑھانے کے لیے کوئی چیز لینا جائز نہیں ہے، گناہ کے کام پر مدد کرنا ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ (۳) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۱) واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم، والشمع، والزيت، ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقربا إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام، مالم يقصدوا صرفها لفقراء الأنام، وقد ابتلي الناس بذلك. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله تقربا إليهم) كأن يقول يا سيدي فلان إن رد غائبي، أو عوفي مريضي، أو قضيت حاجتي فلك من الذهب، أو الفضة، أو من الطعام، أو الشمع، أو الزيت، كذا في البحر. (قوله باطل وحرام) لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، والنذر للمخلوق لا يجوز لأنه عبادة، والعبادة لا تكون لمخلوق. ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك. ومنه أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۳۹/۲، كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام... الخ، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۳۲۰/۲، كتاب الصوم، فصل: ماهو جبر العبد على نفسه، ط: دار الكتاب الاسلامي)

(۲) تقدم تخریجه. ——— (۳) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۵-المائدة: ۲)

[۹] اولیاء اللہ کا اپنی موت کے بعد اپنے مریدین کو فیض پہنچانا

۳۷-سوال: جب کسی شخص کی موت ہو جاتی ہے، تو اُس کے تمام اعمال کا سلسلہ وہیں ختم ہو جاتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ اپنی موت کے بعد اپنے مریدین کو کوئی فیض پہنچا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی بھی پیر و مرشد اور ولی کامل صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے فیض پہنچا سکتے ہیں، اُن کے بارے میں لفظِ موت کا اطلاق پسند نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ .(۱)

یعنی اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے متعلق تم یہ نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں، بل کہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم اُس زندگی کو محسوس نہیں کر سکتے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] لاعلمی میں نجومی کے پاس جانے کے بعد توبہ کرنا

۳۸-سوال: آپ کی تصنیف کردہ کتاب عقائد اسلام(۳) میرے ایک دوست کی طرف سے میرے پاس آئی ہے، اس میں آپ نے جو کفر اور شرک کے متعلق لکھا ہے، اسے پڑھ کر میرے دل میں ایک سوال پیدا ہوا، وہ یہ کہ میں ایک لمبے زمانے تک نجومی کے پاس جا کر شادی، تجارت اور بچہ وغیرہ کے متعلق پوچھتا رہتا تھا، اس وقت مجھے علم نہیں تھا کہ یہ کفر کا سبب اور گناہ کبیرہ ہے، نیز اس کے بارے میں وارد

---

(۱) -۲ البقرۃ: ۱۵۴.

(۲) فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: سوال: مزاراتِ اولیاء رحمہم اللہ سے فیض حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کس صورت میں؟ جواب: مزاراتِ اولیاء سے کاملین کو فیض ہوتا ہے، مگر عوام کو اُس کی اجازت دینی ہرگز جائز نہیں ہے، اور تحصیل فیض کا طریقہ کوئی خاص نہیں ہے، جب جانے والا اہل ہوتا ہے، تو اُس طرف سے حسب استعداد فیضان ہوتا ہے، مگر عوام میں اِن امور کا بیان کرنا کفر وشرک کا دروازہ کھولنا ہے۔ (تحت عنوان: مزاراتِ اولیاء سے فیض، ط: مکتبۃ الحق، جوگیشوری، بمبئی، فتاویٰ رشیدیہ مع تالیفاتِ رشیدیہ، ص: ۱۰۵)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''اسبابِ فیض کے متعدد ہیں، من جملہ اُن کے تصرفاتِ شیخ بھی ہیں، اُن میں سے یک سوئی کے ساتھ توجہ قلب بھی ہے، اور اس کے علاوہ بھی ہیں، یہ سب افراد وفرداً فرداً بھی کافی ہو جاتے ہیں اور اجتماع سے تو اور قوت بڑھ جاتی ہے، بعد وفات کے تصرفات کا ثبوت منصوص گو نہیں، گو اشارۃً مستنبط ہو سکتا ہے؛ لیکن کسی نص سے منفی بھی نہیں، اور مشاہدہ اہل کشف وذوق کا خود اثبات کے لیے کافی ہے، لہٰذا قائل ہونا اُس کا جائز ہے، البتہ دوام ولزوم نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۵/ ۱۵۹، کتاب السلوک، تحت عنوان: فیض کے متعدد اسباب اور ثبوت فیض وتصرف بعد ممات۔ ط: ادارہ تالیفاتِ اولیاء، دیوبند)

(۳) عقائد اسلام، مترجم اُردو، ترجمہ: مولانا ارشد، پالن پوری، ناشر: حافظ احمد بیات، کینیڈا۔

شدہ وعیدوں کا بھی مجھے علم نہیں تھا، بعد میں جب مجھے علم ہوا، تو میں نے فوراً سچے دل سے توبہ کرلی؛ لیکن میرے دوست نے مجھے بتلایا کہ اللہ نے قرآن کے تیسرے پارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا اور کفر میں بڑھتا رہا، تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔“ (۱) تو مذکورہ صورت حال میں شریعت کا میرے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

آپ کا دوست دین اور احکام دین سے ناواقف ہے، قیامت کی علامات میں سے ہے کہ دین وشریعت سے ناواقف لوگ عوام کو غلط سلط باتیں بتائیں گے، خود بھی گم راہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گم راہ کریں گے۔ (۲) اگر ان کو قرآن وحدیث کا کچھ بھی علم ہوتا تو اس طرح کی بات نہ کہتے، کیوں کہ آیت کریمہ کا جو ترجمہ لکھا ہے، اسی میں آپ کا جواب موجود ہے۔ ”ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور کفر میں بڑھتا گیا“؛ لیکن آپ بڑھے نہیں، صحیح عقائد کا علم ہوتے ہی آپ نے توبہ کرلی اور گناہ سے معافی مانگ لی اور عقیدہ درست کر لیا؛ اس لیے آپ کی توبہ ان شاء اللہ قبول ہوگی اور آپ مسلمان ہیں؛ لیکن آپ ہی اپنے بارے میں فیصلہ کیجیے کہ اگر اس سے پہلے آپ کا ایمان سے خارج ہونے کا عقیدہ تھا، ستارے اور چاند کو مانتے تھے، تو اسلام سے خارج ہونے کی بناء پر نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ (۳) اس لیے گھر کے ۵، ۶ آدمی کے سامنے تجدید نکاح کر لینا ضروری ہے، حدیث کی کتابوں میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ سکرات کی حالت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ (۴)

لہٰذا آپ نے جو توبہ کی ہے، وہ اللہ کے دربار میں اس کے فضل سے قبول ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ. (آل عمران: ۹۰)

(۲) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "إن اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد، ولکن یقبض العلم بقبض العلماء، حتی إذا لم یبق عالما اتخذ الناس رءوسا جهالا، فسئلوا فأفتوا بغیر علم، فضلوا وأضلوا. (صحیح البخاري: ۱/۲۰، رقم الحدیث: ۱۰۰، کتاب العلم، باب: کیف یقبض العلم؟، ط: البدر- دیوبند)

(۳) وارتداد أحدهما فسخ عاجل. (تنویر الأبصار مع الدر المختار وفي ذیله رد المحتار: ۳/ ۱۹۳، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ط: دار الفکر -بیروت)

(۴) عن عبد اللہ بن عمر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إن اللہ عز وجل لیقبل توبة العبد ما لم یغرغر. (سنن ابن ماجة، ص: ۳۱۴، رقم الحدیث: ۴۲۵۳، باب: ذکر التوبة، ط: فیصل- دیوبند)

[۱۱] سورج اور چاند گہن کی وجہ

۳۹-سوال: سورج اور چاند گہن کی شرعی نقطۂ نظر سے اصل وجہ کیا ہے؟ ذرا تفصیلی جواب دے کر آپ مسلمانوں کی غلط فہمیاں دور فرمائیں گے۔

ایم رحمٰن خلیل لاجپوری

الجواب حامداومصلیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی، اس دن سورج گہن ہوا، تو غلط عقیدے کی وجہ سے لوگ کہنے لگے کہ سورج گہن کسی بڑے آدمی کے انتقال کی وجہ سے ہوتا ہے وغیرہ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکور عقیدے کی تردید فرمائی اور یہ فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ رب العزت کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں؛ اللہ رب العزت اس کا نور سلب کر کے مخلوق کو ڈراتے ہیں۔ (بخاری شریف)[۱] جو لوگ ان کو بڑا سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں، ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یہ مخلوق ہیں، کسی بھی طرح بندگی کے لائق نہیں، ان کا نور بھی اللہ رب العزت کا دیا ہوا ہے، ان کے اندر نفع ونقصان کی کوئی طاقت نہیں، اللہ رب العزت جب چاہتے ہیں، ان کا نور سلب کر لیتے ہیں؛ اس لیے یہ بندگی کے لائق نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

---

(۱) عن المغيرة بن شعبة، قال: كسفت الشمس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم مات إبراهيم، فقال الناس: كسفت الشمس لموت إبراهيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت أحد ولا لحياته، فإذا رأيتم فصلوا، وادعوا الله". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۴۲، رقم الحديث: ۱۰۴۳، كتاب الكسوف، ط: البدر - ديوبند)

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ.

(۵۱-الذریات:۵۱)

باب الاستمداد بغیر اللّٰہ

(غیر اللہ سے مدد مانگنا)

O

[غیر اللہ سے مدد مانگنا]

[۱] یارسول اللہ اور یاغوث وغیرہ کہنا

۴۰-سوال: مکرمی جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے دومسئلے کے بارے میں:

(۱) ایک شخص چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ، یاغوث، یا پیر، یاخواجہ بولتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

[۲] انبیاء اور اولیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ پکارنے پر فوراً حاضر ہوجاتے ہیں، کیسا ہے؟

۴۱-سوال: کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اسی طرح دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو اتنی قدرت دی ہے کہ انھیں جس جگہ پکارا جائے، وہ وہاں حاضر ہوجاتے ہیں؟ کیا یہ بات اجماع امت سے ثابت ہے؟ اور کیا امام اعظم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ کہہ کر پکارا ہے؟ یا پھر امام صاحب سے کوئی ایسی بات عربی کتب میں ثابت ہے کہ یارسول اللہ اور یاغوث کہنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

(۱-۲): شرک فی الذات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غیر کو شریک مانا جائے، جیسے: دو یا تین خدا ماننا؛ خواہ یہ کسی پیغمبر کو خدائی کے درجے تک پہنچا کر ہو، جیسا کہ نصاریٰ؛ عیسیٰ، مریم اور اللہ؛ تینوں کے مجموعے کو خدا کہتے ہیں، یا دیگر مخلوق کو الوہیت کا درجہ دے دیا جائے، جیسا کہ مذاہب باطلہ کے پیروکار دیوتاؤں کو

اللہ کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔[(۱)]

شرک فی الصفات یہ ہے کہ اللہ کی وہ صفات، جو اسی کے ساتھ خاص ہیں، ان کو غیروں کے لیے مانا جائے۔[(۲)] مثلاً: انبیاء و رسل اور اولیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہر حاضر و غائب چیز کے جاننے والے ہیں، ہر مکان میں ہر وقت حاضر ہیں، ہر بات کو سننے والے، یا جاننے والے ہیں۔ اس کو شرک فی العلم، شرک فی السمع اور شرک فی البصر بھی کہہ سکتے ہیں، جس کی وجہ سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یارسول اللہ، یا خواجہ غریب نواز! اس عقیدہ کے ساتھ کہتا ہے کہ رسول اور خواجہ میری ہر بات کو سنتے اور جانتے ہیں اور ہمارے حاجت روا ہیں تو وہ ایمان سے نکل جائے گا، پھر جب مومن نہیں رہا، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی، ایسے کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔[(۳)] واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] مزارات کی زیارت کے آداب اور صاحب مزار سے دعاء کی ممانعت

۴۲-سوال: میں اجمیر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، وہاں جا کر کس طرح زیارت کرنی چاہیے،

---

(۱) القسم الأول: الشرك في الربوبية: أحدهما: شرك التعطيل، وهو أقبح أنواع الشرك، كشرك فرعون، إذ قال: {وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ}؟، النوع الثاني: شرك من جعل معه إلها آخر ولَمْ يعطل أسماءه وصفاته وربوبيته، كشرك النصارى الذين جعلوه ثالث ثلاثة، وشرك المجوس القائلين بإسناد حوادث الخير إلى النور وحوادث الشر إلى الظلمة. (تيسير العزيز الحميد: ۱/ ۲۶، أقسام الشرك وأنواعه، ت: زهير الشاويش ط: المكتب الإسلامي، الطبعة الأولى: ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۲ء)

(۲) الشرك في الصفات، وهو إثبات صفة من صفات الله تعالى لغيره سبحانه كاعتقاد هم الغيب في غيره تعالى. (جهود علماء حنفية في إبطال عقائد القبورية: ۱/ ۳۹۳- ط: دار الصميعي، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶ء)

وفي الفوز الكبير: والشرك: أن يثبت لغير الله تعالى شيئاً من الصفات المختصة به تعالى، كا لتصرف في العالم بالإرادة - الذي يعتبر عنه بـ كن فيكون، أو العلم الذاتي، ... أو الإيجاد لشفاء المريض، أو اللعن على شخص، والسخط عليه حتى يقدر عليه الرزق، أو يمرض أو يشقى بسبب ذلك السخط أو الرحمة لشخص حتى يبسط له الرزق ويصح بدنه ويسعد بسبب هذه الرحمة. (الفوز الكبير، ص: ۲۱، بيان الشرك، ط: مکتبہ حجاز، دیوبند)

(۳) قلت: ويلتحق به من وجه شرك غلاة عباد القبور الذين يزعمون أن أرواح الأولياء تتصرف بعد الموت، فيقضون الحاجات، ويفرجون الكربات، وينصرون من دعاهم، ويحفظون من التجأ إليهم، ولاذ بحماهم، فإن هذه من خصائص الربوبية. (تيسير العزيز الحميد في شرح كتاب التوحيد الذى هو حق الله على العبيد-سليمان بن عبد الله بن محمد بن عبد الوهاب (م: ۱۲۳۳ھ): ۱/ ۲۷، أقسام الشرك وأنواعه)

حضرت شیخ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر جاکر اس طرح دعاء کرسکتے ہیں کہ ''آپ اللہ رب العزت سے ہمارے لیے دعاء کردیجیے تاکہ ہمارا کام بن جائے''؟

الجواب حامداومصلیا:

اولیاء اور بزرگان دین اللہ رب العزت کے نیک اور صالح بندے تھے، اللہ رب العزت کی بندگی کی اور اس کی خوش نودی حاصل کرکے دنیا سے چل بسے، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہم ان کے نام بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ لیتے ہیں، یہ تمام بزرگان دین وسنت کی اتباع کرکے اللہ کے ولی بنے ہیں، آج کل مزاروں پر قوالی، ناچ گانا، بے حیائی اور بے شرمی کا ماحول گرم رہتا ہے اور عورتیں بے پردہ مزاروں پر آکر مذہب اسلام کو بدنام کرتی ہیں، اس لیے ان تمام وجوہات کی بنیاد پر وہاں جانا بہتر نہیں ہے۔[1] بالخصوص جب عرس ہوتا ہو۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود اپنی قبر پر عرس کرنے اور عید منانے سے منع فرمایا ہے۔[3] اس وجہ سے اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی قبروں پر عرس منانا۔[4] وہاں حاضر ہوکر منتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا وغیرہ؛ یہ تمام امور ناجائز اور حرام ہیں۔[5] ہاں اگر موقع ملے، تو وہاں عرس کے علاوہ دیگر اوقات

---

(۱) وعن أبي قلابة: " لا تجالسوا أهل الأهواء، ولا تجادلوهم؛ فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم، ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون ". (الاعتصام - الشاطبي، ص: ۱۱۲، الباب الثاني في ذم البدع... الخ، فصل: ماجاء عن السلف الصالح في ذم البدع وأهلها، ط: دار ابن عفان السعودية)

(۲) الأعراس: وهي تعني زيارة القبور والاجتماع عليها من مثل عرس الشيخ الشاه وارث في بلدة ديوه، وعرس الخواجة معين الدين جشتي، حيث يجتمع له الملايين ويختلط فيه الرجال بالنساء، وتحصل فيه بعض المفاسد المحرمة شرعاً. (الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة: ۱/ ۳۰۰، طرق الصوفية، البريلوية، ط: دار الندوة العالمية)

(۳) قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: «لا تجعلوا بيوتكم قبورا، ولا تجعلوا قبري عيدا، وصلوا علي؛ فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم». (سنن أبي داؤد: ۱/ ۲۷۹، رقم: ۲۰۴۲، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ط: البدر - ديوبند)

(۴) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا تجعلوا قبري عيدا'' کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔ عید میں تین چیزیں ضروری ہیں: ایک اجتماع، دوسرے تعیین وقت، تیسرے فرحت۔ تو ممانعت کا خلاصہ یہ ہوا کہ میری قبر پر کسی یوم معین میں سامان فرحت کے ساتھ اجتماع نہ کرنا، ہاں! اگر خود بخود کسی وقت کسی غرض سے اجتماع ہوجاوے، تو اور بات ہے...... پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ایسا اجتماع جائز نہیں، تو دوسروں کی قبر پر ایسا اجتماع کیوں کر جائز ہوگا۔ (اشرف الجواب - حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ص: ۱۰۸، ط: دار الکتاب، دیوبند)

(۵) ويكره عند القبور كل مالم يعهد من السنة، والمعهود منها ليس إلا زيارتها، والدعاء عندها قائما يفعل - صلى =

میں حاضر ہونا۔ [۱] اور ان بزرگان دین کے وسیلے سے دعائیں کرنا جائز ہے؛ لیکن ان سے براہ راست مانگنا جائز نہیں؛ کیوں کہ وہ لوگ کسی حاجت اور ضرورت کو پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ [۲] واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۳۱/۷/۱۹۷۷ء

[۴] اولیائے کرام کے مزار پر حاضر ہوکر ان سے دعاء کی درخواست کرنا

۴۳-سوال: کیا اولیائے کرام کے مزارات پر جاکر دعا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور ان سے یہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں کہ آپ اللہ تبارک وتعالی سے ہمارے لیے دعاء کردیجئے، تاکہ ہمارا فلاں کام ہوجائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

ان کے وسیلے اور واسطے سے اللہ سے دعائیں کرسکتے ہیں۔ [۳]

= اللہ علیہ وسلم - في الخروج إلی البقیع. (البحر الرائق: ۲/ ۲۱۰، کتاب الجنائز، الصلاۃ علی المیت في المسجد، ط: دار الکتاب الإسلامي ☆ فتح القدیر - ابن ھمام: ۲/ ۱۴۲، کتاب الصلاۃ، باب الشھید، ط: دار الفکر)

واعلم أن النذر الذي یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقربا إلیھم فھو بالإجماع باطل وحرام... وقد ابتلي الناس بذلك. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۳۹، کتاب الصوم، مطلب في صوم الست من الشوال، ط: دار الفکر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۲۱، کتاب الصوم، فصل في ما یوجبه العبد علی نفسه ☆ الفتاوی الھندیة: ۱/ ۲۱۹، کتاب المناسك، الباب الأول، في تفسیر الحاج..... الخ، ط: دار الفکر)

(۱) ولا بأس ... بزیارۃ القبور ... ویقول: السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وإنا إن شاء اللہ بکم لاحقون. (الدر المختار مع الرد) قال ابن عابدین: (قوله بزیارۃ القبور) أي لا بأس بھا؛ بل تندب... وتزار في کل أسبوع... إلا أن الأفضل یوم الجمعة والسبت والإثنین والخمیس. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۲، کتاب الجنائز، مطلب في زیارۃ القبور ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۱۰، کتاب الجنائز، الصلاۃ علی المیت في المسجد، ط: دار الکتاب الإسلامي)

(۲) وإن التوسل بالنبي وبأحد من الأولیاء العظام جائز، بأن یکون السوال من اللہ تعالی، ویتوسل بولیه وبنیه صلی اللہ علیه وسلم. (امداد الفتاوی: ۶/ ۳۲۷، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند ☆ نظام الفتاوی: ج: ۱، جز: ۲، ص: ۴۷، ط: تاج کمپنی، دیوبند)

(۳) وأن التوسل بالنبي وبأحد من الأولیاء العظام جائز، بأن یکون السؤال من اللہ تعالی، ویتوسل بولیه ونبیه صلی اللہ علیه وسلم. (إمداد الفتاوی: ۶/ ۳۲۷، کتاب العقائد والکلام، ط: ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند)

لیکن صاحب مزار کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر ان سے دعاء کرنا ناجائز اور شرکیہ عمل ہے۔[1]

واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالى من الأولياء -الأحياء منهم والأموات- وغيرهم، مثل يا سيدي فلان أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني - شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۳/ ۲۹۷، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ومنهم من يقول للغائب أو الميت من عباد الله تعالى الصالحين: يا فلان ادع الله تعالى ليرزقني كذا وكذا، ويزعمون أن ذلك من باب ابتغاء الوسيلة، ويروون عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال - إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأهل القبور، أو فاستغيثوا بأهل القبور - وكل ذلك بعيد عن الحق بمراحل. (المصدر السابق: ۳/ ۲۹۴)

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۳۴ (۳۱-لقمان:۳۴)

باب ما يتعلق بعلم الغيب

(علم غیب کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[علم غیب کا بیان]

[۱] پندرہویں صدی کے شروع ہونے پر کیا کیا اہم واقعات پیش آئیں گے؟

۴۴-سوال: چودہویں صدی ہجری کے ختم ہونے اور پندرہویں صدی کے شروع ہونے کی کیا شرعاً کوئی اہمیت ہے؟ کوئی اہم واقعہ پیش آنے والا ہو یا بزرگانِ دین کی اس کے متعلق کوئی پیشین گوئی ہو، تو اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چودہویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے متعلق کوئی ''خاص خبر'' حدیث شریف میں نہیں ہے، البتہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ہر سو سال پر اللہ تعالیٰ دین کی تجدید کے لیے ایک مجدد پیدا کریں گے، جو دین میں در آئی خرابیوں، رسوم وبدعات اور خرافات کو ختم کرکے اسلام کے صحیح احکام لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔ (۱)

اہم واقعات کا پیش آنا صرف چودہویں صدی کے ختم ہونے کے ساتھ خاص نہیں ہے، حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے علامات قیامت کی وضاحت فرمائی ہے، یہ علامات کبھی بھی پیش آسکتی ہیں، اس میں سال کی کوئی تعیین نہیں ہے، علامات قیامت کے تعلق سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے (قتادہ) سے کہا: (آج) میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ میرے بعد

---

(۱) عن أبي هريرة، فيما أعلم، عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها. (سنن أبي داؤد: ۲/۵۸۹، رقم الحديث: ۴۲۹۱، كتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة، ط: البدر، ديوبند)

کوئی تم سے بیان نہیں کرے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے: قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ ''علم'' کم ہوجائے گا اور ''جہل'' غالب آجائے گا اور ''زنا'' اعلانیہ ہونے لگے گا اور عورتوں کی کثرت اور مردوں کی اس حد تک قلت ہوجائے گی، کہ پچاس پچاس عورتوں کا تعلق صرف ایک مرد سے ہوگا۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: قیامت کب آئے گی؟ جواباً آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے، وہ سوال کرنے والے سے اس بات کا زیادہ جاننے والا نہیں ہے، ہاں! میں تمہیں اس کی علامات بتاتا ہوں: [۱] جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی، یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔ [۲] جب ننگے بدن اور ننگے پاؤں رہنے والے لوگوں کے سردار ہوجائیں گے، یہ بھی قیامت کی علامت ہے۔ [۳] جب اونٹوں کے چرواہے اونچی اونچی عمارتیں بنا کر فخر کریں گے۔ یہ بھی قیامت کی علامات میں سے ہے۔ (آپ ﷺ نے مزید فرمایا:) قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (سورہ لقمان کی) آیت مبارکہ (۳) تلاوت فرمائی۔ (۴)

---

(۲) عن قتادة، عن أنس بن مالك، قال: لأحدثنكم حديثا لا يحدثكم أحد بعدي، سمعت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يقول: "من أشراط الساعة: أن يقل العلم، ويظهر الجهل، ويظهر الزنا، وتكثر النساء، ويقل الرجال، حتى يكون لخمسين امرأة القيم الواحد". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸، رقم الحديث: ۸۰-۸۱، كتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، ط: ديوبند☆صحيح مسلم: ۲/ ۳۴۰، رقم الحديث: ۸-(۲۶۷۱)، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، ط: ديوبند☆سنن الترمذي: ۲/ ۴۴، رقم الحديث: ۲۲۰۵، أبواب الفتن، باب ما جاء في أشراط الساعة، ط: ديوبند)

(۳) إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾ (لقمان: ۳۴) ترجمہ: بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔ (ترجمہ بیان القرآن)

(۴) قال: يا رسول الله، متى الساعة؟ قال: " ما المسئول عنها بأعلم من السائل، ولكن سأحدثك عن أشراطها: إذا ولدت الأمة ربها، فذاك من أشراطها، وإذا كانت العراة الحفاة رءوس الناس، فذاك من أشراطها، وإذا تطاول رعاء البهم في البنيان، فذاك من أشراطها في خمس لا يعلمهن إلا الله، ثم تلا صلى الله عليه وسلم: إن الله عنده علم الساعة الآية. (صحيح مسلم: ۱/ ۲۹، رقم الحديث: -۵ (۹) كتاب الإيمان، باب الإيمان ما هو وبيان خصاله، ط: البدر، ديوبند☆ صحيح البخاري: ۱/ ۱۲، رقم الحديث: ۵۰، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي - صلى الله عليه وسلم - عن الإيمان، والإسلام، والإحسان، وعلم الساعة، ورقم: ۴۷۱۷، كتاب الفتن، باب خروج النار، ط: البدر - ديوبند)

کیا آج ہمیں مذکورہ علامتیں نظر نہیں آرہی ہیں؟

(۳) اہم واقعات کے سلسلے میں بزرگوں کی ذاتی رائے قابل قبول نہیں، ہمارے لیے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ مشعل راہ ہیں، بزرگوں کی اپنی باتیں' حجت ودلیل نہیں ہیں، کسی بزرگ کا الہام بھی حجت نہیں ہے۔ [۵] اس صدی میں کیا کیا ہونے والا ہے؟ اس کی خبر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ ہاں! قرآن کریم اور حدیث مبارک کی روشنی میں اتنا کہہ سکتے ہیں کہ جو وقت' دور نبوت سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے، وہ اپنے ماقبل سے بہتر نہیں ہے۔ [۶] اس میں دینی ودنیوی فتنے زیادہ سے زیادہ ہوں گے، آفتیں، مصیبتیں، بیماریاں اور پریشانیاں کثرت سے آئیں گی، انسان پریشان ہوکر قبرستان میں جاکر موت کی تمنا کرے گا۔ [۷] لیکن اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اللہ کی طرف سے خاص مدد ورحمت حاصل ہوگی، اور اس کے لیے مجدد دین' معین ومددگار ثابت ہوں گے، اور دین' واحکام دین کو قوم کے سامنے صحیح انداز میں پیش کریں گے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۵) وأما الإلهام فلأنه لا يثق به صاحبه مالم يعلم أنه من الله تعالى وذلك بالنظر وإن لم يقدر على العبارة عنه. (شرح المقاصد في علم الكلام- سعد الدين التفتازاني (م: ۷۹۳هـ): ۱/ ۳۶، أول الكتاب، ط: دار المعارف النعمانية، باكستان)

والإلهام المفسر بالقاء المعنى في القلب بطريق الفيض... ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق... ثم الظاهر أنه أراد أن الإلهام ليس سببا يحصل به العلم لعامة الخلق ويصلح للإلزام على الغير. (نبراس ص: ۴۰، ۴۷، ط: مكتبة تهانوي، ديوبند)

وكذلك من يعتقد أن الإلهام حجة موجبة للعلم لا تقبل شهادته. (المبسوط- شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۶/ ۱۳۳، كتاب الشهادات، باب من لا تجوز شهادته، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: جلاء العينين في محاكمة الأحمدين- نعمان بن محمود، أبو البركات خير الدين، الآلوسي (م: ۱۳۱۷هـ): ۱/ ۱۲۲، الصوفي المنحرف، الفصل الرابع الخ، ط: مطبعة المدني)

(۶) عن الزبير بن عدي، قال: أتينا أنس بن مالك، فشكونا إليه مانلقى من الحجاج، فقال: اصبروا، فإنه لا يأتي عليكم زمان إلا الذي بعده شر منه، حتى تلقوا ربكم. سمعته من نبيكم صلى الله عليه وسلم. (صحيح البخاري: ۲/ ۱۰۴۷، رقم الحديث: ۷۰۶۸، كتاب الفتن، باب لا يأتي زمان إلا الذي بعده شر منه، ط: البدر- ديوبند)

(۷) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم-: "والذي نفسي بيده لا تذهب الدنيا حتى يمر الرجل على القبر فيتمرغ عليه، ويقول: يا ليتني كنت مكان صاحب هذا القبر، وليس به الدين إلا البلاء". قال المحقق فؤاد عبد الباقي: (البلاء) أي إن الحامل له على التمني ليس الدين بل البلاء وكثرة المحن والفتن وسائر الضراء. (صحيح مسلم: ۲/ ۳۹۳، رقم الحديث: ۵۴- (۱۵۷) كتاب الفتن، باب: لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل... الخ، ط: البدر- ديوبند ☆ سنن ابن ماجة: ۲۹۲، رقم الحديث: ۴۰۳۷، أبواب الفتن، باب شدة الزمان، ط: البدر، ديوبند)

[۲] کیا مشائخ کو اپنے مریدوں کے احوال کی اطلاع ہوجاتی ہے؟

۴۵-سوال: کیا پیروں کو اپنے مریدوں کی باتوں کی خبر ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اللہ تعالیٰ خبر دینا چاہے، تو کشف والہام کے ذریعے خبر ہوسکتی ہے، ورنہ تو غیب کی بات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] آں حضرت ﷺ کے حاضر وناظر اور عالم الغیب کے عقیدے کا شرعی حکم

۴۶-سوال: ایک جگہ اعلان میں اس طرح کا اشتہار (۲) تھا: ''اللہ کے آخری نبی ﷺ عالم الغیب باعلام اللہ، سید البشر افضل البشر، ہمارے جیسے نہیں، اور حاضر وناظر بقدرت اللہ ہیں۔

کیا یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے؟ سوال کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کا اشتہار درحقیقت دیوبندی علماء کے دستخط کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''عالم الغیب باعلام اللہ، سید البشر افضل البشر ہمارے جیسے بشر نہیں، حاضر وناظر بقدرۃ اللہ'' یہ

---

(۱) قال اللہ تعالى: وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا. [۶-الأنعام: ۵۹] ـــــ وقال ثناء اللہ في التفسير المظهري تحت تفسير هذه الآية: يعني لايعلم شيئاً من المغيبات إلا اللہ تعالى ولايعلم غيره فيها إلا بتوقيفه. (التفسير المظهري: ۳/ ۲۴۵، ت: غلام نبی التونسي، ط: مكتبة الرشيد، باكستان، الطبعة: ۱۴۱۲هـ)

وبالجملة العلم بالغيب أمر تفرد به اللہ تعالى لاسبيل إليه للعباد إلا باعلام منه او إلهام بطريق المعجزة أو الكرامة أو ارشاد إلى الاستدلال بالامارات فيمايمكن فيه ذلك. (شرح العقائد النسفية-عمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، أبو حفص، نجم الدين النسفي (م: ۵۳۷هـ) ص: ۱۷۰، ط: ياسر نديم-ديوبند)

ويكفر بقوله: أرواح المشائخ حاضرة تعلم. (مجمع الأنهر: ۱/ ۶۹۱، كتاب السير، باب المرتد، ألفاظ الكفر أنواع: ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) اس اشتہار کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ: ۱/ ۳۷۴، مایتعلق بعلم الغیب، عالم الغیب اور افضل البشر کی تشریح، ط: مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند۔

عبارت اہل سنت والجماعت کے عقائد کی ترجمان نہیں ہے؛ کیوں کہ حاضر وناظر اللہ ہی کی ذات ہے۔ (۱) اللہ کے سوا کوئی نہیں، علم غیب کے خداوند قدوس کے ساتھ اختصاص پر قرآن مجید کی بے شمار آیات دال ہیں؛ اللہ رب العزت کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

۱- وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا. (۲)

۲- قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ. (۳)

۳- عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (۴)

۴- عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِهٖٓ اَحَدًا. (۵)

۵- وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③. (۶)

ان تمام آیات قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کے سوا کوئی غیب کا عالم نہیں اور اس ذات کے سوا دوسرا کوئی حاضر وناظر نہیں ہے۔

''سید البشر افضل البشر ﷺ ہم جیسے بشر نہیں'' مراد اس سے اگر ذات کی نفی ہے، یعنی آپ ﷺ بشر اور گروہ انسانی سے تعلق نہیں رکھتے ہیں، تو بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ اللہ رب العزت ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

---

(۱) قال الله تعالى: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝. (۲۸-الحشر: ۲۲) وقال الله تعالى: وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝. (۳-آل عمران: ۴۴) وقال الله تعالى: لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝. (۲۲-السبا: ۳) و قال الله تعالى: اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝ (۲۴-فصلت [حم سجدة]: ۵۴)

نیز آپ ﷺ جب کسی کی نماز جنازہ پڑھاتے تو دعا پڑھتے: «اللهم اغفر لحينا وميتنا، وشاهدنا وغائبنا، وصغيرنا وكبيرنا، وذكرنا وأنثانا». (سنن الترمذي: ۱/ ۱۹۸، رقم: ۱۰۲۴، كتاب الجنائز، باب مايقول في الصلاة على الميت، ط: البدر-ديوبند)

اگر کچھ لوگ آپ سے غائب ہوتے تھے، جن کے لیے آپ دعا کررہے ہوتے، تو آپ بھی ان سے غائب ہوتے ہوں گے۔ (فرقہ بریلویت پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، ص: ۴۵۰، ط: مکتبہ مدنیہ، دیوبند)

(۲) - ۶ الأنعام: ۵۹ ـ ـــــــ (۳) - ۲۷ النمل: ۶۵ ـ

(۴) - ۶۴ التغابن: ۱۸ ـ ـــــــ (۵) - ۷۲ الجن: ۲۶ ـ ـــــــ (۶) - ۶ الانعام: ۳ ـ

رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ (۷)

"مِنۡ أَنۡفُسِكُمۡ" کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے تفصیلاً وضاحت کی ہے کہ "جنس انسان سے اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا ہے، نہ جنات سے اور نہ فرشتوں سے۔ جس کو حسب ذیل تفسیر میں دیکھا جاسکتا ہے: ۱-تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۴۰۳۔ [۸] ۲-تفسیر قرطبی: ۸/ ۳۰۱۔ [۹] ۳-تفسیر رازی: ۱۶/ ۳۳۶، [۱۰] ۴-روح المعانی: ۱۱/ ۵۲، [۱۱] ۵-تفسیر بیضاوی: ۲/ ۲۲۴۔ [۱۲]

"مِنۡ أَنۡفُسِكُمۡ" أي: مِنۡ جنسِكُمۡ ومِنۡ نسَبِكُمۡ عرَبِيٌ وقُرَيشِيٌ." (تفسیر کشاف: ۲/ ۳۲۵۔ [۱۳] تفسیر قدیر: ۲/ ۴۱۹۔ [۱۴] تفسیر بحر محیط: ۵/ ۱۱۷۔ [۱۵]

---

(۷) -۹ التوبة: ۱۲۸۔

(۸) أي: من جنسهم وعلى لغتهم، كما قال إبراهيم عليه السلام: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ [البقرة: ۱۲۹]. كما قال جعفر بن أبي طالب للنجاشي، والمغيرة بن شعبة لرسول كسرى: إن الله بعث فينا رسولا منا، نعرف نسبه وصفته، ومدخله ومخرجه، وصدقه وأمانته. (تفسير ابن كثير: ۴/ ۲۴۱، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

(۹) والخطاب للعرب في قول الجمهور، وهذا على جهة تعديد النعمة عليهم في ذلك، إذ جاء بلسانهم وبما يفهمونه، وشرفوا به غابر الأيام. وقال الزجاج: هي مخاطبة لجميع العالم والمعنى: لقد جاءكم رسول من البشر، والأول أصوب. قال ابن عباس: ما من قبيلة من العرب إلا ولدت النبي صلى الله عليه وسلم فكأنه قال: يا معشر العرب لقد جاءكم رسول من بني إسماعيل. والقول الثاني أوكد للحجة أي هو بشر مثلكم لتفهموا عنه وتأتموا به. (تفسير القرطبي: ۸/ ۳۰۱، ط: دار الكتب المصرية، القاهرة، ت: أحمد البردوني، إبراهيم اطفس)

(۱۰) قوله: من أنفسكم وفي تفسيره وجوه: الأول: يريد أنه بشر مثلكم... المقصود أنه لو كان من جنس الملائكة لصعب الأمر بسببه على الناس. (مفاتيح الغيب، المعروف بـ "تفسير الرازي": ۱۶/ ۱۷۸، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱۱) أي من جنسكم ومن نسبكم عربي مثلكم... ومعنى كونه عليه الصلاة والسلام من أنفسهم أنه من جنس البشر. (روح المعاني: ۶/ ۴۸، ت: علي عبد القادر عطية ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱۲) من أنفسكم من جنسكم عربي مثلكم. (أنوار التنزيل وأسرار التاويل، المعروف بـ "تفسير البيضاوي": ۳/ ۱۰۳، ت: محمد عبد الرحمن المرعشلي، ط: دار إحياء التراث)

(۱۳) تفسير كشاف: ۲/ ۳۲۵، ط: دار الكتاب العربي، الطبعة الثانية: ۱۴۰۷ھ)

(۱۴) والمعنى: لقد جاءكم رسول من جنسكم في البشرية. (فتح القدير - الشوكاني: ۲/ ۴۷۶، ط: دار ابن كثير، دار الكلم الطيب، دمشق - بيروت)

(۱۵) ألم يأتكم رسل منكم: أي من جنسكم، تفهمون ما ينبئونكم به، وسهل عليكم مراجعتهم. (البحر المحيط: ۹/ ۲۲۴، ت: صدقي محمد جميل، ط: دار الفكر - بيروت)

مذکورہ تمام تفسیر کی تفصیلی بحث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سے تھے، نکاح کے ذریعہ پیدا ہوئے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام تک کسی واسطے میں زنا کا عنصر شامل نہیں ہے۔[16]

لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ یہ رسول در یتیم کیسے انسانوں میں سے ہیں، ان کو تو جن یا فرشتہ ہونا چاہیے تھا، تو اللہ رب العزت نے آیت شریفہ نازل فرمائی: {أكان للنَّاس عجباً أن أوحينا إلى رجُلٍ منهُم}[17] ترجمہ: کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک آدمی پر وحی بھیجی۔ (یعنی لوگوں کو تعجب نہیں کرنا چاہیے، یہ ہماری کمال قدرت میں سے ہے کہ ہم انسانوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، صلاح وتقوی کی اعلیٰ قوت سے نواز دیتے ہیں) إنَّما أنا بَشَرٌ مِثلُكُم يُوحى إليَّ.[18] ترجمہ: میں تو محض تمہاری طرح ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ (اس آیت شریفہ میں خود آپ ﷺ کا اقرار منقول ہے)

لقدْ منَّ اللهُ عَلَى المُؤمِنِينَ إذْ بَعَثَ فيهِمْ رسُولاً مِنْ أنفُسِهِمْ.[19] ترجمہ: اللہ رب العزت نے احسان کیا مومنین پر کہ اس نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

لہٰذا دستخط کرنے والوں کا مطلب اگر یہ ہے کہ "رسول اللہ ﷺ ہم جیسے انسان نہیں؛ بل کہ ہماری جنس اور نوع سے بالکل علاحدہ کوئی اور جنس اور نوع میں سے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے اور یہ بات اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقیدے کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۱/۱/۱۹۷۷ء

[۴] اعلان مذکور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف ہے = أیضاً

۴۷-سوال: مذکورہ اشتہار میں کون سا جملہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف ہیں؟

---

(۱۶) عن علي، أن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: «خرجت من نكاح، ولم أخرج من سفاح، من لدن آدم إلى أن ولدني أبي وأمي». (المعجم الأوسط -الطبراني: ۸۰/۵، رقم: ۴۷۲۸، ط: دار الحرمين القاهرة☆ المعجم الكبير: ۳۲۹/۱۰، رقم: ۱۰۸۱۲، أبو الحويرث عن ابن عباس، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة☆الشريعة- أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجُرِّيُّ البغدادي (م:۳۶۰هـ): ۱۴۱۷/۳، رقم الحديث: ۹۵۷، ت: د. عبدالله بن عمر بن سليمان الدميجي، ط: دار الوطن -الرياض- السعودية، الطبعة الثانية: ۱۴۲۰هـ)

(۱۷) ۱۰-یونس: ۲۔

(۲۰) ۱۸-الکہف: ۱۱۰۔

(۱۹) ۳-آل عمران: ۱۶۴۔

الجواب حامداومصلیا:

اگر ''ہم جیسے بشر نہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے اخلاق ہم جیسوں کی طرح نہیں ہیں؛ بل کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو اعلی اخلاق وکردار عطا کیا ہے۔ [۱] تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ یقیناً بشر (انسان) ہیں؛ لیکن اللہ رب العزت نے آپ کو عظیم الشان اخلاق وعادات سے نوازا تھا، تب تو یہ عبارت ٹھیک ہے، لیکن اس مطلب پر یہ عبارت صراحت کے ساتھ دلالت نہیں کرتی ہے، بل کہ عوام تو اس سے یہی سمجھیں گے کہ نبی اخرالزماں ﷺ ہم جیسے انسان نہیں ہیں، یعنی نور ہیں، بشر نہیں، الغرض مذکورہ عبارت بہت زیادہ شکوک وشبہات پیدا کرنے والی ہے۔

''عالم الغیب باعلام اللہ'' کی مراد اگر یہ ہو کہ آپ ﷺ کو کلی علم غیب حاصل ہے، تو یہ عقیدہ قرآن مجید کی ذکرکردہ آیات کے خلاف ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو جتنے علوم عطا کیے ہیں، کسی انسان یا نبی کو اتنے علوم عطا نہیں کیے گئے۔ [۲] لیکن اللہ تعالی کا علم اس سے کہیں زیادہ ہے، اسی وجہ سے صرف اللہ تعالی کو ''عالم الغیب'' کہا جاتا ہے، اللہ کی ذات کے علاوہ کسی کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔ عوام اس جملہ سے یہی سمجھیں گے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب ہیں، وہ ''باعلام'' کا مطلب نہیں سمجھ پائیں گے؛ اس لیے اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

''حاضروناظر بقدرۃ اللہ'' اس عبارت میں ''بقدرۃ اللہ'' کی قید لگا کر دستخط کنندگان اپنی جان بچانا چاہتے ہیں، لیکن اس تعبیر سے عوام یہی سمجھے گی کہ اللہ کے نبی ﷺ ہرجگہ حاضروناظر ہیں۔

الغرض ان تمام جملوں سے عوام کے گمراہی میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے؛ لہٰذا ایسی عبارت سے احتراز بے حد ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۱/۱/۱۹۷۷ء

---

(۱) وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ [۶۸-القلم:۴]
وقال عطية: لعلى أدب عظيم. (تفسير ابن كثير:۸/۱۸۸، ط: دار طيبه للنشر والتوزيع)
عن سعد بن هشام، قال: سألت عائشة، فقلت: أخبريني عن خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم. فقالت: "كان خلقه القرآن". (مسند الإمام أحمد:۴۲/۱۸۳، رقم الحديث: ۲۵۳۰۲، مسند الصديقة عائشة رضي الله عنها، ط: مؤسسة الرسالة ☆ كنز العمال:۷/۲۲۲، رقم الحديث: ۱۸۷۱۸، باب شمائل الأخلاق، ط: مؤسسة الرسالة)
(۲) إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا. (صحيح البخاري:۱/۷، رقم الحديث:۲۰، كتاب الايمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: »أنا أعلمكم بالله«، وأن المعرفة فعل القلب، ط: البدر - ديوبند)

[۵] بہ درجۂ مجبوری مذکورہ عبارت کی تائید میں دستخط کرنا = أیضاً

۴۸-سوال: کیا کسی مصلحت کی بناء پر یا مجبوری کی وجہ سے علماء حضرات کے لیے ایسی عبارت کی تائید میں دستخط کرنا درست ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اکراہ کی حالت میں جان بچانے کی خاطر توریہ کی اجازت ہے، مگر اولیٰ اور انسب نہیں ہے۔ (۱)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۱۱/۱/۱۹۷۷ء

[۶] سائنسی ترقیات کی بنیاد پر علمِ غیب کے متعلق اشکال

۴۹-سوال: غیب کی باتیں صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا، مثلاً رحم مادر میں کیا ہے؟ بارش کب اور کہاں ہوگی؟ موت کب اور کہاں آئے گی؟ آئندہ کل کیا ہوگا؟ وغیرہ، ان تمام امور کے متعلق قرآنِ پاک میں ارشاد ہے کہ اُن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ (۲)

لیکن اب ان میں سے بعض امور سائنسی ترقیات کی وجہ سے معلوم ہو جاتے ہیں، مثلاً سونوگرافی کے

---

(۱) قال الله تعالى: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ . [النحل: ۱۰۶] والحال أن قلبه مطمئن بالإيمان لم تتغير عقيدته... والمراد هنا السكون، والثبات على ما كان عليه بعد إزعاج الإكراه... والآية دليل على جواز التكلم بكلمة الكفر عند الإكراه، وإن كان الأفضل أن يتجنب عن ذلك إعزاز اللدين ولو تيقن القتل... وليس ذلك من إلقا النفس إلى التهلكة، بل هو كالقتل في الغزوة... وإلا فمتى أمكنه نحو التعريض أو إخراج الكلام على نية الاستفهام الإنكاري لم يجب عليه تعريض النفس لذلك إجماعا. (روح المعاني: ۷/ ۴۷۲، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ثم هذه التقية رخصة فلو صبر على إظهار إيمانه حتى قتل كان له بذلك أجر عظيم. (لباب التاويل في معاني التنزيل المعروف بـ "تفسير الخازن": ۱/ ۲۳۷، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ أنظر: فتح القدير - الشوكاني: ۳/ ۲۳۵، ط: دار الكلم الطيب - بيروت)

وعن الحسن بن أبي الحسن قال: إنما التقية رخصة، والفضل القيام بأمر الله. (مصنف ابن ابي شيبة: ۶/ ۴۷۴، رقم الحديث: ۳۳۰۴۸، باب: ماقالوا في المشركين يدعون المسلمين إلى غير الخ، ط: مكتبة الرشد، الرياض ☆ بدائع الصنائع: ۳/ ۲۷۴، كتاب الإكراه، فصل إن أكره على أن يا كل الخ، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۲۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۱-لقمان: ۳۴﴾

ذریعہ یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ رحم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اسی طرح موسمیات کے ماہرین کی جانب سے بارش کے متعلق پیشگی خبریں دی جاتی ہیں، جو درست ثابت ہوتی ہیں، نیز ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ بچہ کی ولادت کے مراحل طے ہوتے ہیں، تو کیا اس کی وجہ سے علم غیب کا عقیدہ متاثر نہیں ہوتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غیب کی باتیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، سائنسی ترقیات کی وجہ سے بارش وغیرہ کے متعلق جو پیشگی اطلاعات اور خبریں موصول ہوتی ہیں، اُن میں اسّی فی صد غلط ثابت ہوتی ہیں، خود اُن خبر دینے والے ماہرین کا اعتراف ہے کہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۸۰ء تک ۷۵ سے ۸۰ فی صد خبریں غلط ثابت ہوئیں، جب ان کی بتائی ہوئی خبر غلط ثابت ہوتی ہے، تو وہ مختلف بہانے بناتے ہیں کہ ہوا شمال سے جنوب کی جانب چل گئی، اس لیے بارش نہیں ہوئی، لہٰذا خارجی قرائن کے ذریعہ کسی چیز کی پیشگی اطلاع دینا علم غیب میں داخل نہیں ہے۔ (۱) بل کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ قرائن بندوں کو مطلع کرنے کے لیے دکھائے جاتے ہیں، چناں چہ بارش کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ. [۷-الأعراف: ۵۷]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہواؤں کو بندوں کے لیے (بارش کے متعلق) خوش خبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔"

اب ظاہری بات ہے کہ ہواؤں کی خصوصیت اور ان کے مزاج کی وجہ سے بندوں کو بارش کے آنے کا علم ہوتا ہے، لہٰذا ان ہواؤں کی وجہ سے بارش کی خبر دینے کو علم غیب نہیں کہا جاسکتا۔

اسی طرح سونوگرافی کے ذریعہ لڑکے یا لڑکی کی جنس کا معلوم ہونا بھی علمِ غیب (جو اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے) کا مصداق نہیں ہے؛ کیوں کہ سائنس کی حیرت انگیز ترقی کے باوجود ڈاکٹر استقرارِ حمل کے چند مہینوں کے بعد ہی بتا پاتے ہیں کہ رحم مادر میں کیا ہے، انہیں تمام جزئی احوال کی خبر نہیں ہو پاتی، نیز ان کی بتائی ہوئی باتوں پر لوگوں کو؛ بل کہ خود انہیں بھی یقین کامل نہیں ہوتا کہ انہوں نے جو کچھ بتایا ہے، وہ صد فی صد

---

(۱) وأما ما علم بحاسة أو ضرورة أو دليل، فليس بغيب، ولا كفر في دعواه، ولا في تصديقه على الجزم في اليقيني والظن في الظني عند المحققين. (نبراس شرح، شرح عقائد، ص: ۳۴۳، ط: یاسر ندیم، دیوبند)

وفي موضع آخر منه: إن العلم الاستدلالي ليس من علم الغيب الخاص بالحق سبحانه. (المصدر السابق)

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف القرآن، شفیع: ۷/ ۵۳، ط: اشرفیہ- دیوبند)

درست اور صحیح ثابت ہوگا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ - جو صفت غیب کے ساتھ متصف ہے - استقرار حمل سے بھی پہلے تمام جزئیات و کیفیات کے ساتھ ازل میں بھی واقف تھا اور آئندہ بھی تمام تر تفاصیل سمیت استقرار حمل کے بعد بھی واقف ہے کہ لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی، اُس کی شکل و صورت کیسی ہوگی؟ نیک ہوگا یا بد؟ عمر کتنی ہوگی؟ کتنا رزق پائے گا؟ عالم ہوگا یا جاہل؟ حاکم ہوگا یا محکوم؟ غرض اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم تمام کلیات و جزئیات کو محیط اور شامل ہے، جس کا عشرِ عشیر بھی بندوں کو نصیب نہیں۔ (۱)

الحاصل دنیا کا کوئی بھی ماہر طبیب یا اعلیٰ معیار کی مشین مغیبات (جن کا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے) کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتی؛ لہٰذا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ قرآن مجید میں مذکور ان پانچوں امور کے متعلق یہ پختہ عقیدہ رکھے کہ اُن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، کسی پیر و مرشد یا فقیر و ولی کو بھی ان چیزوں کا علم نہیں ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فإن قلت: قد أخبر الأنبياء، والأولياء بشيء كثير من ذلك فكيف الحصر؟ قلت: الحصر باعتبار كلياتها دون جزئياتها، قال تعالى: { عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ○ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ }. [۷۲-الجن: ۲۶-۲۷] (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۶۶، كتاب الإيمان، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) عن قتادة [إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ...] الآية، أشياء من الغيب، استأثر الله بهن، فلم يطلع عليهن ملكا مقربا، ولا نبيا مرسلا [إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ] فلا يدري أحد من الناس متى تقوم الساعة، في أيّ سنة، أو في أيّ شهر، أو ليل، أو نهار (وينزلُ الغيثَ) فلا يعلم أحد متى ينزل الغيث، ليلا أو نهارا ينزل؟ [وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ] فلا يعلم أحد ما في الأرحام، أذكر أو أنثى، أحمر أو أسود، أو ما هو؟ [وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا] خير أم شرّ، ولا تدري يا ابن آدم متى تموت؟ لعلك الميت غدا، لعلك المصاب غدا؟ (وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ) ليس أحد من الناس يدري أين مضجعه من الأرض في بحر أو برّ أو سهل أو جبل، تعالى وتبارك. (جامع البيان في تأويل القرآن-محمد بن جرير الآملي، أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰ھ): ۲۰/ ۱۵۹-۱۶۲، ت: احمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

مزید دیکھیے: روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني-شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۱۱/ ۱۰۸، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ فتح القدير-محمد بن علي الشوكاني اليمني (م: ۱۲۵۰ھ): ۴/ ۲۸۲، ط: دار ابن كثير، دار الكلم الطيب-دمشق ☆ البحر المحيط في التفسير-أبو حيان محمد بن يوسف، أثير الدين الأندلسي (م: ۷۴۵ھ): ۸/ ۴۲۵، ت: صدقي محمد جميل، ط: دار الفكر-بيروت ☆ تفسير القرآن العظيم-أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۶/ ۳۵۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع ☆ زاد المسير في علم التفسير-جمال الدين أبو الفرج الجوزي (م: ۵۹۷ھ): ۳/ ۴۳۶، ت: عبد الرزاق المهدي، ط: دار الكتاب العربي-بيروت ☆ في ظلال القرآن-سيد قطب إبراهيم حسين الشاربي (م: ۱۳۸۵ھ): ۵/ ۲۷۹۹، ط: دار الشروق-بيروت)

[۷] علم غیب اور کشف: اشکال وجواب

۷-سوال: ''کشف'' کے معنیٰ لغت میں ''غیب کی باتوں کا اظہار کرنا'' لکھا ہے۔[۱] جب کہ غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہے، تو پھر کشف کے یہ معنیٰ کیوں کر درست ہو سکتا ہے، جب کہ بزرگوں کی جانب بہت سے ''کشف'' منسوب ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علمِ غیب اور کشف میں بڑا فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام کائنات کے احوال سے ہر گھڑی واقف رہتے ہیں، کائنات کی غیر متناہی جزئیات میں سے کوئی بھی جزئیہ ان کے علم سے باہر نہیں، یہاں تک کہ تحت الثراء میں چلنے والے ادنیٰ سے ادنیٰ کیڑا کے پیر کا نقش بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اُس کی آہٹ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔[۲] پھر اس علم کے لیے وہ کسی سبب کا محتاج نہیں ہے، اور کبھی اُس کا علم واقع کے خلاف نہیں ہوتا، یعنی اس میں غلطی نہیں ہوتی۔

اُس کے برخلاف کشف کوئی مستقل علم نہیں ہے، بل کہ یہ ایک قسم کی اٹکل اور اندازے کا نام ہے۔[۳] یعنی کسی امر کے متعلق دل میں ایک بات آجائے، جس کا کوئی بھی مطلب نکالا جا سکتا ہو، جیسے خواب میں بھی ہوتا ہے، پھر اس اٹکل اور اندازے میں اگر کوئی غلطی نہ ہو اور اُس کا صحیح مطلب سمجھا گیا ہو، تو اُس کی حقیقت واقعی اور سچی ہوتی ہے، ورنہ نہیں ہوتی؛ لیکن یہ بات ضروری نہیں کہ ہر کشف کا مطلب سمجھ میں بھی آجائے، یا اُس کی حقیقت بھی واقعی اور صحیح ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سچا کون ہو سکتا ہے؟ لیکن اُن کی وفات کے متعلق اُن کا کشف کلی طور پر صحیح ثابت نہ ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ آج پیر کا دن

---

(۱) کشف: عربی، مذکر (۲) غیب کی باتوں کا اظہار، جامع فیروز اللغات، ص:۱۰۱۵، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)

(۲) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۔ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ (۶-الأنعام: ۵۹) وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (۶۵-الطلاق: ۱۲)

(۳) الكشف في اللغة رفع الحجاب وعند الصوفية هو الإطلاع على وراء الحجاب من المعاني الغيبية والأمور الحقيقية وجودا أو شهودا. (قواعد الفقه -عميم الاحسان، البركتي، ص: ۴۴۳، القسم الثالث، مافيه خلاف بين الطرفين، الخ، ط: الصدف پبلشرز-كراچی ☆ وانظر كذلك: الالفاظ والمصطلحات المتعلقة بتوحيد، ص: ۴۶۱، ط: السعودية)

ہے، مجھے اُمید ہے کہ رات تک میں اللہ کی رحمت میں پہنچ جاؤں گا؛ لیکن وفات منگل کی شام کو ہوئی۔ (بخاری شریف: ۱/ ۱۸۱)[1]

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کے متعلق کشف ہوا، لیکن وقت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی، تو جب ''خلیفۃ النبی بلا فصل'' کے کشف کا یہ حال ہے تو پھر غیر صحابی کے کشف کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ اسی لیے کوئی بھی ایسا کشف، جو خلاف شرع حقائق پر مشتمل ہو، قابل اعتبار نہیں ہے۔ (۲)
کشف ایک ایسا ادراکِ خفی ہے، جو ظنی ہونے کی وجہ سے انسان کے علم کا بھی مقابل نہیں بن سکتا، چہ جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب کے قریب ہو، لہٰذا مخلوق کے کسی بھی علم و ادراک کا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ (۳) فقط، واللہ اُعلم بالصواب۔

[۸] کیا حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھنا درست ہے؟

۵۱-سوال: ــــــــ سملک سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''الاصلاح'' میں حضرت مولانا اسماعیل

(۱) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: دخلت على أبي بكر رضي الله عنه، ... قال لها: في أي يوم توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قالت: «يوم الإثنين» قال: فأي يوم هذا؟ قالت: «يوم الإثنين» قال: أرجو فيما بيني وبين الليل، ... فلم يتوف حتى أمسى من ليلة الثلاثاء، ودفن قبل أن يصبح. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸۶، رقم: ۱۳۸۷، كتاب الجنائز، باب موت يوم الإثنين، ط: البدر-ديوبند)

(۲) لأنه صرح العلماء أن الإلهام ليس من أسباب المعرفة بالأحكام وكذلك الرؤيا خصوصاً إذا خالف الكتاب وسنة سيد الأنام عليه أفضل الصلاة والسلام. (جلاء العينين في محاكمة الأحمدين-نعمان بن محمود، أبو البركات خير الدين، الآلوسي (م: ۱۳۱۷هـ) ص: ۱۲۲، الفصل الرابع: الصوفي المنحرف، ط: مطبعة المدني)
الإلهام والكشف منه ما هو حق وصواب، ومنه ما هو باطل وضلال، الإلهام الحق هو الذي توفرت فيه وفي صاحبه هذه الأمور: (أ) الاعتصام بكتاب الله وسنة رسوله ظاهراً وباطناً، وكمال الانقياد لها والتحلّي بالتقوى والإخلاص والمتابعة. ... (ج) أن يكون موافقا للكتاب والسنة، وغير متعارض معهما. (حقيقة البدعة وأحكامها-سعيد بن ناصر الغامدي: ۱/ ۲۰۵، القسم الثاني: من شبه الأدلة، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

(۳) إن الإلهام وما يراه النائم فيحقق في اليقظة، ليس من قبيل علم الغيب، لا من قريب ولا من بعيد. (هامش البراهين الإسلامية في رد الشبة الفارسية-عبد اللطيف بن عبد الرحمان آل الشيخ، ص: ۶۷، ط: المكتبة الهداية)
والإلهام المفسر بإلقاء معنى في القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشي عند أهل الحق. (شرح عقائد نسفی، ص: ۲۲، ط: زکریا، دیوبند)

منوبریؒ رقم طراز ہیں کہ جس شخص کا عقیدہ حضور پاک ﷺ کے متعلق یہ ہو کہ آپ ﷺ تمام باتوں کو سنتے اور جانتے ہیں، وہ کافر ہے، جب کہ ہمارے یہاں بھادی گاؤں کی مسجد میں ۲۴/۵/۱۹۹۱ء بروز جمعہ دارالعلوم مرکزِ اسلامی، انکلیشور سے تشریف لائے ہوئے ایک مولانا نے بیان میں فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اُن کا جنازہ اُن کی وصیت کے مطابق حضور پاک ﷺ کی قبرِ اطہر کے پاس لے جایا گیا، اور قبر مبارک کے پاس جنازہ رکھ کر یہ اجازت مانگی گئی کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ کے ساتھی ابوبکرؓ آپ کے پاس دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں، یہ سنتے ہی زنجیریں ٹوٹ گئیں، دروازہ کھل گیا اور آواز آئی کہ ''میرے ساتھی کو میرے پاس دفن ہونے کی اجازت ہے، میں اُن کے انتظار میں ہوں''۔ [1]

مولانا کے ذکر کردہ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی قبر مبارک میں دفن کی اجازت کے طلب کیے جانے کو سنا اور جواب بھی دیا، جب کہ کتاب ''الاصلاح'' میں اس طرح عقیدہ رکھنے کو کفر کہا گیا ہے، ایسا جواب عنایت فرمائیں کہ ان دونوں باتوں کے درمیان تعارض رفع ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت مولانا اسماعیل منوبریؒ نے ''الاصلاح'' میں جو لکھا ہے، اُس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ ''آپ ﷺ، اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہیں اور تمام باتوں کو سنتے اور

---

(۱) وقد روي عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه أنه لما حضرته الوفاة، قال لهم: إذا مت وفرغتم من جهازي، فاحملوني حتى تقفوا بباب البيت الذي فيه قبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقفوا بالباب وقولوا: السلام عليك يا رسول الله، هذا أبو بكر يستأذن، فإن أذن لكم وفتح الباب، وكان الباب مغلقا، فأدخلوني فادفنوني، وإن لم يؤذن لكم فأخرجوني إلى البقيع وادفنوني. ففعلوا فلما وقفوا بالباب وقالوا هذا، سقط القفل وانفتح الباب، وسمع هاتف من داخل البيت: أدخلوا الحبيب إلى الحبيب، فإن الحبيب إلى الحبيب مشتاق. (الشريعة-أبو بكر محمد بن الحسين الآجُرِّيّ (م: ۳۶۰ھ): ۵/ ۲۳۸۲، رقم: ۱۸۶۱، باب ذكر دفن أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، ت: الدكتور عبد الله بن عمر بن سليمان الدميجي، ط: دار الوطن - الرياض ☆ كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال-علاء الدين علي بن حسام الدين الهندي البرهانفوري، الشهير بالمتقي الهندي (م: ۹۷۵ھ): ۱۲/ ۵۳۸، رقم الحديث: ۳۵۷۲۹، باب فضائل الصحابة، فضل الصديق ووفاته رضي الله عنه، ت: بكري حياني - صفوة السقا، ط: مؤسسة الرسالة)

جانتے ہیں، تو وہ کافر ہے"۔ (۱) مولانا نے جمعہ کے بیان میں جو قصہ بیان فرمایا ہے، اُسے روایاتِ حدیث میں ائمہ جرح و تعدیل نے منکر قرار دیا ہے۔ (۲) جو قابلِ اعتماد نہیں۔ البتہ مختلف احادیث میں اس قسم کے خوارقِ عادات منقول ہیں، اس سے کسی کو انکار نہیں، ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ اپنی قبر مبارک میں باحیات ہیں۔ (۳) اور بہت سے اولیاء اللہ کو بہ طورِ خرقِ عادت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن کی کرامت کے طور پر روضۂ اقدس پر اُن کی جانب سے پیش کردہ سلام کے جواب کی آواز بھی سنائی دی ہے، اس کو "امر خارق للعادۃ" کہا جاتا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو کسی خاص وقت میں خاص شخص کو یہ آواز سنا سکتے ہیں؛ ورنہ ظاہر بات ہے کہ اس طرح سے کئی من مٹی کے نیچے سے آواز باہر تک سنائی دینا عادۃً ممکن نہیں ہے؛ لیکن اس سے یہ

---

(۱) قال اللہ تعالی: وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ. (۳-آل عمران: ۴۴)
حاضر وناظر... یہ دونوں عربی کے لفظ ہیں، جن کے معنی ہیں "موجود اور دیکھنے والا" اور جب ان دونوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے، تو اس سے مراد ہوتی ہے "وہ شخص جس کا وجود خاص جگہ میں نہیں" بل کہ اس کا وجود بہ یک وقت ساری کائنات کو محیط ہے اور کائنات کی ایک ایک چیز کے تمام حالات اول سے آخر تک اس کی نظر میں ہیں، میرا عقیدہ یہ ہے کہ "حاضر وناظر" کا یہ مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر صادق آتا ہے اور یہ صرف اسی کی شان ہے۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص: ۷۳، دیوبندی-بریلوی اختلاف، حاضر وناظر، ط: مکتبۃ مدنیۃ دیوبند)

(۲) قال ابن عساکر بعد ذکر ھذہ الروایة: ھذا منکر وراویہ أبو الطاھر موسی بن محمد بن عطاء المقدسي وعبد الجلیل مجھول. (تاریخ دمشق-أبو القاسم علي بن الحسن المعروف بـ "ابن عساکر" (م: ۵۷۱ھ): ۳۰/۴۳۶، حرف العین، ت: عمرو بن غرامة العمروي، ط: دار الفکر -بیروت★ر: الخصائص الکبری- جلال الدین السیوطي (م: ۹۱۱ھ): ۲/۴۹۲، ذکر آیات وقعت علی إثر وفاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم، الخ، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت ☆شرف المصطفی- عبد الملک بن محمد النیسابوري الخرکوشي، أبو سعد (م: ۴۰۷ھ): ۵/ ۴۱۳، جامع أبواب الفضائل والمناقب، فصل في فضل أبي بکر رضي اللہ عنه، ط: دار البشائر الإسلامیة-مکة المکرمة)

(۳) حیاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم في قبرہ ھو وسائر الأنبیاء معلومة عندنا، علما قطعیا لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت [بہ] الأخبار. (الحاوي للفتاوی-جلال الدین السیوطي: ۲/۱۷۸، مبحث النبوات، أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء، ط: دار الفکر-بیروت)

قال المتکلمون المحققون من أصحابنا: إن نبینا-صلی اللہ علیہ وسلم- حي بعد وفاته. (المصدر السابق: ۲/۱۸۰)
شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م: ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں: حیات انبیاء متفق علیہ است، ہیچ کس را در وے خلافے نیست۔ (اشعۃ اللمعات: ۱/ ۶۱۳، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ الفصل الثانی، ط: المکتبۃ الرشیدیۃ، سرکی روڈ، کوئٹہ، پاکستان)

ومما ھو مقرر عند المحققین أنه صلی اللہ علیہ وسلم حي یرزق ممتع بجمیع الأعمال والعبادات، غیر أنه حجب عن أبصار القاصرین عن شریف المقامات. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإیضاح: ص: ۲۸۳، کتاب الحج، في زیارة النبي، صلی اللہ علیہ وسلم، ط: المکتبة العصریة)

بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردہ شخص زندہ لوگوں کی آواز کو اپنے اختیار سے جب چاہے سن سکتا ہے، لہٰذا حضرت مولانا اسماعیل صاحبؒ کی بات بالکل درست ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار سے جب چاہیں، تمام بندوں کی آواز سن سکتے ہیں"۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں

۵۲-سوال: بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں تھا اور دوسری طرف یہ حدیث بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک کو خوش خبری دی کہ میں تمہارے ہاتھوں میں قیصر و کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، تو آپ نے کیسے یہ پیشین گوئی فرمادی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اہم امور کا اجمالی علم عطا فرمادیا تھا، اس کو بنیاد بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے، جس طرح اگر کسی کو قرآن کی ایک، دو سورت یاد ہو، اسے حافظِ قرآن نہیں کہہ سکتے، اسی طرح بعض اہم امور کے اجمالی علم کے عطا ہونے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر "عالم الغیب" کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہے، جزوی علم سے کلی علم کو ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۱) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش گوئی فرمانا، اللہ تعالیٰ کے آپ کو وحی کے ذریعے اطلاع دینے کی وجہ سے تھا؛ لہٰذا اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ لفظ "عالم الغیب" کا استعمال اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ غیب کی تعریف بھی یہی ہے کہ بہ غیر کسی واسطے کے ہر چیز کا علم ہو؛ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ (۲) واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ثم اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله أحيانا، وذكر الحنفية تصريحا بتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، لمعارضة قوله تعالى: "قل لا يعلم من في السموٰت والأرض الغيب إلا الله". (شرح الفقه الأكبر-علي بن (سلطان) محمد، الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۸۵، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

(۲) والتحقيق أن الغيب ما غاب عن الحواس والعلم الضروري والعلم الاستدلالي، وقد نطق القرآن بنفي علمه عمن سواه تعالى ... وأما ما علم بحاسة أو ضرورة أو دليل، فليس بغيب، ... وبهذا التحقيق اندفع الإشكال في الأمور التي يزعم أنها من الغيب، وليست منها، لكونها مدركة بالسمع أو البصر أو الضرورة أو الدليل، فأحدها أخبار الأنبياء، لأنها مستفاد من الوحي، و من خلق العلم الضروري فيهم، أو من انكشاف الكوائن على حواسهم. (نبراس-العلامة محمد عبد العزيز الفرهاري، ص: ۳۴۳، ط: تھانوی-دیوبند)

والغيب: وهو ما لم يقم عليه دليل ولا اطلع عليه مخلوق. (مدارك التنزيل-أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (م: ۷۱۰ھ)، ۲/ ۶۱۷، ت: یوسف علي بديوي، ط: دار الكلم الطيب-بيروت)

[۱۰] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''عالم الغیب'' ہونے کا دعویٰ کرنا

۵۳-سوال: اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھتا ہو، تو وہ کبیرہ گناہ کرنے والوں میں شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرنا کبیرہ گناہ ہے؛ بل کہ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں اس سے بڑھ کر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اس طرح کا عقیدہ رکھنا کفر ہے؛ اس لیے کہ یہ قرآن کی آیت "قل لا يعلم من في السموٰت والأرض الغيب الا الله" کے خلاف ہے۔(۱) اور جان بوجھ کر قرآن کریم کی خلاف ورزی، انکار ہے اور قرآن کریم کا انکار کفر ہے؛ لہٰذا اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا کافر ہوگا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے: ''ثم اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالى أحيانا و ذكر الحنيفة تصريحا بالتكفير باعتقادأن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى:'' قل لا يعلم من في السموات والأرض الغيب إلا الله. (ص:۱۸۵)(۲)

مذکورہ بالا تحریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنے والا کافر ہوجاتا ہے۔

[۱۱] کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے، علمِ غیب کسے کہتے ہیں اور اس کے بارے میں مسلمانوں کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

۵۴-سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے یا نہیں؟ (۲) علمِ غیب کسے کہتے ہیں؟ (۳) مسلمانوں کو علمِ غیب کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

(۴) ہمارے یہاں ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے، لیکن آپ

---

(۱) -۲۷ النمل: ۶۵.

(۲) شرح الفقه الأكبر، ص:۱۸۵، ط: یاسر ندیم-دیوبند.

ﷺ کو علم غیب وافر مقدار میں حاصل تھا، تو علم غیب اور عالم الغیب میں کیا فرق ہے؟ حضور پاک ﷺ کی نسبت اس طرح کہنا درست ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے؟ لیکن آپ ﷺ کو علم غیب حاصل تھا، مذہب حنفی کے مطابق مذکورہ سوالات کے جوابات دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) رسولِ اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے یا اس طرح کہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے، تو وہ ایمان سے نکل جائے گا۔[۱] کیوں کہ مشرک اُسی شخص کو کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں دوسروں کو شریک ٹھہرائے[۲]، "عالم الغیب" صرف اللہ تعالیٰ ہیں، قرآنِ پاک میں اِرشادِ ربانی ہے:

"وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها إلا هو".[۳]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کے پاس علمِ غیب کی کنجیاں ہیں، جنہیں صرف وہی جانتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر: ۱۸۵،[۴] فتاویٰ رشیدیہ: ۳/۳۱)[۵]

اِس لیے جو شخص آں حضرت ﷺ کو عالم الغیب جانے مانے، وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔

(۲) شرح عقائد صفحہ: ۱۰ پر لکھا ہے کہ مخلوق (انسان، فرشتہ اور جنات) کے حصولِ علم کے تین ذرائع ہیں: (۱) حواسِ ظاہر۔ (۲) خبرِ صادق۔ (سچی خبریں) (۳) عقل۔ پہلی چیز کے ماتحت پانچ چیزیں ہیں: (۱) قوتِ سامعہ (کان)۔ (۲) قوتِ شامہ (ناک)۔ (۳) قوتِ لامسہ (چھونے کے ذریعہ کسی چیز کا

---

(۱) ثم اعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله أحيانا، وذكر الحنفية تصريحا بتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، لمعارضة قوله تعالى: "قل لا يعلم من في السموٰت والأرض الغيب إلا الله". (شرح الفقه الأكبر - علي بن (سلطان) محمد، المعروف بـالملا علي القاري الهروي (م: ۱۰۱۴ھ): ۸۵، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۲) والشرك أن يثبت لغير الله من الصفات المختصة به تعالى. (الفوز الكبير - الإمام أحمد بن عبد الرحيم المعروف بـ "الشاه ولي الله الدهلوي" (م: ۱۱۷۶ھ)، ص: ۲۱، الباب الأول، الفصل الأول، بيان الشرك، ط: مكتبه حجاز ديوبند)

(۳) - ۶ الأنعام: ۵۹.

(۴) شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۸۵، الأنبياء لا يعلمون الغيب، ط: یاسر ندیم - دیوبند.

(۵) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا، نہ کبھی اس کا دعویٰ کیا، اور کلام اللہ شریف اور بہت سی احادیث میں موجود ہے کہ آپ عالم الغیب نہ تھے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔ (فتاوی رشیدیہ مع تالیفات رشیدیہ - مولانا رشید احمد گنگوہی (م: ۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ موافق ۱۱/ اگست ۱۹۰۵ء)، ص: ۱۰۴، کتاب الایمان والکفر، ط: مکتبۃ الحق، جوگیشوری)

سخت، نرم، گرم یا سرد ہونا معلوم ہو)۔ (۴) قوتِ ذائقہ (زبان)۔ (۵) قوتِ باصرہ (آنکھ)۔ [6]

یہ حواس پورے بدن میں ہر شخص میں کم وبیش موجود ہیں، ان اشیاءِ ثلاثہ کے ذریعہ علم حاصل ہوتا ہے، یہ سبب اور وسیلہ کے درجہ میں ہیں، علمِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔

(۳) علم غیب: جن باتوں تک حواس، عقل اور دلیل کی رسائی نہ ہو اور اُس کا علم حاصل ہو، آنکھ سے کسی چیز کو دیکھ لیا، یا کان سے سن لیا، عقل کے ذریعہ کسی بات کے نتیجہ تک پہنچ گئے، یہ علم غیب نہیں ہے، تھرمامیٹر سے گرمی کا علم ہوا، یا مشین کے ذریعہ عورت کے پیٹ میں دیکھ لیا کہ لڑکا ہے یا لڑکی، یا ہوا کے دباؤ اور ٹھنڈک دیکھ کر بارش کی آمد کا پیشگی علم، علم غیب نہیں ہے۔

عالم الغیب: وہ ہے جو بغیر اسباب ووسائل کے غیب کی باتوں کو جاننے والا ہو، اسباب و وسائل کی اُسے ضرورت نہ ہو، [7] جیسے ایک عالم کو عالم اُس وقت کہتے ہیں کہ جب وہ کسی دار العلوم میں پڑھ کر دینی مسائل وغیرہ سمجھا ہو اور قوم کو سمجھانے کی قدرت بھی رکھتا ہو، کسی کو ڈاکٹر اُسی وقت کہتے ہیں کہ جب کسی یونی ورسٹی میں کورس مکمل کر کے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد بیماری کے علاج کی قدرت رکھتا ہو، اگر کوئی جاہل شخص بہشتی زیور پڑھ لے، تو لوگ اُسے عالم نہیں کہیں گے، دوسو یا پانچ سو مسائل یاد کر لینے والے کو عالم نہیں کہا جاتا، کورٹ کے پانچ سو یا ہزار قوانین کے جاننے والے کو وکیل یا جج نہیں کہا جاتا، اسی طرح علمِ غیب سے مراد اس علم کا حاصل ہونا ہے، جو حواس اور عقل میں آنے والی نہ ہو، لہٰذا ہزاروں باتوں کے جاننے کی وجہ سے کوئی شخص عالم الغیب نہیں ہوگا اور اُس کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہوگا، البتہ آپ ﷺ علمِ غیب

---

(۶) وأسباب العلم للخلق ثلاثة: الحواس السليمة، والخبر الصادق، والعقل. فالحواس خمس: السمع والبصر والشم والذوق واللمس. (العقائد النسفية مع شرحه للتفتازاني - عمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، أبو حفص، نجم الدين النسفي (م: ۵۳۷ھ)، ص: ۱۰-۱۳، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۷) والتحقيق أن الغيب ما غاب عن الحواس، والعلم الضروري، والعلم الاستدلالي، وقد نطق القرآن بنفي علمه عمن سواه تعالى ... وأما ما علم بحاسة، أو ضرورة، أو دليل، فليس بغيب، ... وبهذا التحقيق اندفع الإشكال في الأمور اللتي يزعم أنها من الغيب، وليست منها، لكونها مدركة بالسمع أو البصر، أو الضرورة، أو الدليل، فأحدها أخبار الأنبياء، لأنها مستفاد من الوحي، و من خلق العلم الضروري فيهم، أو من انكشاف الكوائن على حواسهم. (نبراس - العلامة محمد عبد العزيز الفرهاري، ص: ۳۴۳، ط: تھانوی - دیوبند)

والغيب: وهو ما لم يقم عليه دليل ولا اطلع عليه مخلوق. (مدارك التنزيل - أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (م: ۷۱۰ھ): ۲/ ۶۱۷، ت: يوسف علي بديوي، ط: دار الكلم الطيب - بيروت)

جانتے تھے، اُس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی ماضی اور مستقبل کی باتیں بتائی ہیں، یہ صحیح ہے، اُس کا کوئی منکر بھی نہیں۔ (۸)

لیکن ایسی باریک باتیں عام لوگوں کے سامنے بیان کرنا، علماء کا باہمی بحث ومباحثہ کرنا اور عوام کو اُس کی ترغیب دینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، اس سے عوام گمراہ ہوتے ہیں، زمانہ نازک ہے، عوام کو مہماتِ عقائد معلوم نہیں ہیں، ہزاروں لوگ ایمان سے خارج ہو رہے ہیں، ایسے وقت میں اس طرح کی باتیں کرنا' کوئی دین ومذہب کی خدمت نہیں ہے۔

اسی لیے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ، جلد: ۳ ص: ۱۳۱، میں لکھا ہے کہ کوئی شخص اس طرح کہے کہ ہر چیز کا علمِ غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی وصف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، اس طرح کہنا باطل، غلط اور واہیات باتیں ہیں، میدانِ محشر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کو حوضِ کوثر کا پانی پلانے کے لائق سمجھیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ اے محمد! آپ نہیں جانتے کہ آپ کی وفات کے بعد ان لوگوں نے کیسی کیسی نئی باتیں دین میں پیدا کی تھیں۔ (۹)

---

(۸) قال اللہ تعالیٰ: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝. [۷۲-الجن: ۲۶-۲۷]

(ولا أعلم الغيب) أي ولا أقول لكم إني أعلم الغيب، إنما ذاك من علم الله عز وجل، ولا أطلع منه إلا على ما أطلعني عليه. (تفسير ابن كثير: ۲۳۱/۳، سورة الأنعام، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

فالله سبحانه وتعالى عالم كل غيب وحده، فلا يطلع على ذلك المختص علمه به تعالى اطلاعا كاملا أحدا من خلقه، ليكون أليق بالتفرد، وأبعد عن توهم مساواة علم خلقه لعلمه سبحانه، وإنما يطلع جل وعلا إذا اطلع من شاء على بعضه مما تقتضيه الحكمة التي هي مدار سائر أفعاله عز وجل، وما نفيت عني العلم به مما لم يطلعني الله تعالى عليه لما أن الاطلاع عليه مما لا تقتضيه الحكمة التشريعية التي يدور عليها فلك الرسالة بل هو مخل بها. (روح المعاني-شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰هـ): ۱۰۷/۱۵، سورة الجن، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۵هـ)

ثم إن الأنبياء يعلمون كثيرا من الغيب بتعريف الله تعالى إياهم. (تفسير القرطبي-أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (م: ۶۷۱هـ): ۸۲/۱۴، سورة لقمان، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية-القاهرة، الطبعة: الثانية، ۱۳۸۴هـ-۱۹۶۴م)

(۹) اور جو یہ کہتے ہیں کہ علم غیب جمیع اشیاء آں حضرت کو ذاتی نہیں؛ بل کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے، سو محض باطل اور خرافات میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محشر میں بھی بعض لوگوں کے قابل سقی ماء کوثر ہونے کا احتمال ہوگا اور باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا: "إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك. (فتاویٰ رشیدیہ مع تالیفات رشیدیہ، ص: ۹۱، کتاب الایمان والکفر، ط: مکتبۃ الحق، جوگیشوری)

تزکیۃ الایمان صفحہ: ۳۰۷ میں لکھا ہے کہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہوں، ایسے الفاظ کو دیگر کسی کے لیے استعمال کرنا کسی بھی تاویل سے شرک کے وہم سے خالی نہیں ہے۔[10] اس لیے علمِ غیب آں حضرت ﷺ جانتے تھے، اس طرح کے الفاظ کے استعمال سے بچنا ضروری ہے، اس لیے جو عالم انکار کرتے ہیں، اُن کا انکار کرنا صحیح ہے، ایسی گمراہ کن باتوں سے احتراز کرنا چاہیے، ورنہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جن باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا تھا، دنیا میں کسی اور نبی یا رسول کو نہیں دیا گیا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] آپ ﷺ کے متعلق یوں کہنا کہ آپ ﷺ علمِ غیب جانتے تھے

۵۵-سوال: زید تعلیم یا تقریر میں عوام کو مخاطب بنا کر کہتا ہے کہ حضور ﷺ علمِ غیب جانتے تھے، اس طرح کہنا کیسا ہے؟ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی، اور اُس سے تعلق رکھنا بھی حرام ہے۔[1] صحیح جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح کہنا کہ رسول اللہ ﷺ علمِ غیب جانتے تھے، لوگوں کو گمراہ کرنے کے برابر ہے، اس طرح کے الفاظ کا استعمال کرنا تقریر و تحریر میں جائز نہیں ہے، اس طرح کے الفاظ بولنے والے عالم کا عقیدہ اگر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی غیب کا جاننے والا نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ کو بہت سی غیب کی باتوں کا علم حاصل تھا[2] تو اُس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، اور ہر قسم کا تعلق رکھنا بھی جائز ہے۔[3] لیکن

---

(۱۰) لم أقف علی ذلک الکتاب.

(۱) جو شخص اللہ جل شانہ کے سوا علمِ غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے اور اللہ تعالیٰ کے برابر کسی دوسرے کا علم جانے، وہ بے شک کافر ہے۔ اس کی امامت اور اس سے میل جول، محبت، مودت؛ سب حرام ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ مع تالیفات رشیدیہ- مولانا رشید احمد گنگوہی، (م: ۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ موافق ۱۱/ اگست ۱۹۰۵ء)، ص: ۴۷، کتاب الایمان والکفر، ط: مکتبۃ الحق، جوگیشوری)

(۲) ثم إن الأنبیاء یعلمون کثیرا من الغیب بتعریف اللہ تعالی إیاھم. (تفسیر القرطبي- أبو عبد اللہ محمد بن أحمد الأنصاري الخزرجي شمس الدین القرطبي (م: ۶۷۱ھ): ۱۴/ ۸۲، سورۃ لقمان، ت: أحمد البردوني وإبراھیم أطفیش، ط: دار الکتب المصریۃ- القاھرۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۳۸۴ھ- ۱۹۶۴م)

(۳) پس اگر عقیدہ زید کا اس سبب سے ہے کہ آپ کو حق تعالیٰ نے علم دیا تھا، تو ایسا سمجھنا خطا صریح ہے اور کفر نہیں اور جو یہ عقیدہ ہے کہ خود بہ خود آپ کو علم تھا بدوں اطلاع حق تعالیٰ کے، تو اندیشہ کفر ہے؛ لہٰذا پہلی شق میں امامت درست ہے، دوسری شق میں امام =

متولی اور ٹرسٹی حضرات کی ذمہ داری ہے کہ ایسے عالم کو تاکید کرے کہ وہ اس طرح سوئے ہوئے فتنوں کو جگا کر لوگوں کو مصیبتوں میں مبتلا نہ کرے، دین کی خدمت کے اور بھی شعبے ہیں، اُن شعبوں کے ذریعے دینی خدمت انجام دے، اس طرح کی باریک، نازک اور علمی باتوں -جن سے لوگوں کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے- سے دور رہے، عوام میں اِس طرح کی باتیں کرنا بند کردے، اور دیگر علماء کرام بھی اُن سے بحث ومباحثہ کو چھوڑ دیں، اور خدمتِ دین میں لگے رہیں، فتاویٰ رشیدیہ سے جو بات نقل کی ہے اُس کا حوالہ لکھیں، پھر جواب دیا جائے گا۔ فقط، واللہ اُعلم بالصواب۔

[۱۳] کیا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے؟

۵۶-سوال: ذیل میں لکھے گئے سوال وجواب کو احقر نے یہاں (دیوا) کی مسجد کے بلیک بورڈ پر لکھا ہے، لکھنے کا قصد یہ تھا کہ میں نے تعلیم میں علمِ غیب کے مسئلہ کو ذکر کیا تھا، لیکن کچھ لوگوں کی طرف سے غلط بات پھیلنے کی وجہ سے احقر نے مذکورہ مسئلہ کو سوال جواب کی صورت میں بلیک بورڈ پر لکھ دیا ہے، گذارش یہ ہے کہ مذکور مسئلہ صحیح ہو، تو تصدیق فرمائیں، اور اگر اصلاح کی ضرورت ہو، تو اصلاح فرمائیں!

سوال: کیا سرورِ کائنات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے؟

جواب: عالم الغیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی بھی مخلوق عالم الغیب نہیں ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار غیب کی باتیں بتلائی تھیں، لیکن اُس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہو سکتے ہیں، وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، قرآن وحدیث سے یہی ثابت ہے، بزرگانِ دین، سلفِ صالحین اور بڑے اساتذۂ کرام کا بھی یہی عقیدہ ہے، حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرتے دم تک اِس عقیدے پر قائم رکھے۔ آمین۔ فقط، والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ مسئلہ جس کسی کتاب سے نقل کیا ہو، صحیح ہے؛ لیکن اس طرح کی باتیں کہ رسول اللہ

=نہیں بنانا چاہیے، اگرچہ کافر کہنے سے بھی زبان کو روکے اور تاویل کرے۔ (فتاویٰ رشیدیہ مع تالیفات رشیدیہ-مولانا رشید احمد گنگوہی، (م: ۱۳۲۳ھ- ۱۹۰۵ء)، ص: ۱۰۲، کتاب الایمان والکفر، ط: مکتبۃ الحق، جوگیشوری)
الغرض سائل نے جس بات کی نسبت عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی جانب کی ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔

ﷺ کو بہ ذریعۂ وحی بہت سی غیب کی باتیں بتائی گئی تھیں، لیکن اُس کی وجہ سے آپ ﷺ کا عالم الغیب ہونا ثابت نہیں ہوتا، [1] اُس کو ہر مسلمان جانتا ہے، اِس طرح کی باتوں کو عوام میں ظاہر کرنا خوابیدہ فتنوں کو بے دار کرنے کے برابر ہے، اس لیے اس طرح کی باتوں سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

---

(١) قال الله تعالى: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ. (٢٧-النمل: ٦٥)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: "من حدثك أن محمدا صلى الله عليه وسلم رأى ربه، فقد كذب، وهو يقول « : {لا تدركه الأبصار} [الأنعام: ١٠٣] ، »ومن حدثك أنه يعلم الغيب، فقد كذب، وهو يقول « : لا يعلم الغيب إلا الله ". (صحيح البخاري: ٢/ ١٠٩٨، رقم الحديث: ٧٣٨٠، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: {عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا}، ط: البدر-ديوبند)

وبالجملة علم الغيب بلا واسطة كلا أو بعضا مخصوص بالله جل وعلا، لا يعلمه أحد من الخلق أصلا. (روح المعاني-شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ١٢٧٠هـ): ١٠/ ٢٢٣، سورة النمل، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤١٥هـ)

لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد، ويكفر لاعتقاده أن النبي يعلم الغيب. (البحر الرائق: ٣/ ٩٤، كتاب النكاح، ط: دار الكتاب الاسلامي)

□

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۝۴۴. (۳-آل عمران:۴۴)

باب مايتعلق بالحاضر والناظر

(حاضر و ناظر کی بحث)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[حاضر وناظر کی بحث]

[۱] جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر نہیں مانتا ہے، وہ ''یا محمد'' کہہ سکتا ہے؟

۵۷-سوال: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہیں مانتا ہوں، میرا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قبر اطہر میں آرام فرما رہے ہیں، تو کیا میں ''یا محمد'' کہہ سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور شرط کے موافق محبت میں (محض تخیل کے طور پر) کہنا جائز ہے۔[۱]

[۲] عشاء کی نماز کے بعد مولود کا پروگرام رکھنا اور سلام پڑھنا

۵۸-سوال: بہت سے گاؤں میں رات کو عشاء کی نماز کے بعد مولود کا پروگرام رکھا جاتا

---

(۱) بارادۂ استعانت واستغاثہ یا باعتقاد حاضر وناظر ہونے کے منہی عنہ ہے، اور بدون اس اعتقاد کے محض شوقاً واستلذاذاً ماذون فیہ ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۳۸۵، کتاب العقائد والکلام، یارسول اللہ کہنا، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو ''یارسول اللہ'' کہنا بھی ناجائز ہوگا، اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے، تو خود کفر ہے، اور جو یہ عقیدہ نہیں، تو کفر نہیں، مگر کلمہ مشابہ بکفر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۹۲، کتاب ایمان اور کفر کے مسائل، ''یارسول اللہ'' پکارنا، ط: تھانوی، دیوبند)

(مزید دیکھیے: کفایت المفتی: ۱/ ۱۹۹، کتاب العقائد، ط: دار الاشاعت کراچی، پاکستان)

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں: نیز حاضر وناظر کے بغیر فقط جوش محبت میں یارسول اللہ کہا جائے، یہ بھی جائز ہے، کبھی غایت محبت اور شدید غم کی حالت میں حاضر وناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لیے لفظ ندا بولتے ہیں، یہ بھی جائز ہے، کبھی صرف تخیل کے طریقے کے ساتھ شاعرانہ وعاشقانہ خطاب کیا جاتا ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۱۰۹، کتاب السنۃ والبدعۃ، ط: دار الاشاعت-کراچی ☆ امداد الفتاویٰ: ۵/ ۳۸۵، کتاب العقائد والکلام ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

ہے، جس میں گاؤں کے مولوی حضرات یکے بعد دیگرے کھڑے ہوکر نظم پڑھتے ہیں، اس کے بعد وعظ ہوتا ہے یا کسی کتاب کی تعلیم ہوتی ہے، پھر تمام حاضرین ’بہ شمول مولوی حضرات‘ کھڑے ہوکر سلام پڑھتے ہیں، کوئی ایک مولوی صاحب حاضرین کو پڑھاتے ہیں اور ان کی تلقین پر دوسرے حضرات پڑھتے ہیں اور سلام کے الفاظ یہ ہیں: یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک، یا حبیب سلام علیک، صلوات اللہ علیک، اسی طرح پورا سلام پڑھتے ہیں، اس کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مولود شریف یعنی نبی کریم ﷺ کی مبارک سیرت کو بیان کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور جس مجلس میں آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو، وہ بڑی برکت والی مجلس ہوتی ہے۔[1] لیکن اس میں قیام کرنا اور دوسروں کو قیام (کھڑے ہونے) کے لیے مجبور کرنا[2] اور یہ سمجھنا کہ ہماری اس مجلس میں آں حضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں؛ یہ سب ناجائز امور ہیں۔[3] البتہ حاضر وناظر کا اعتقاد رکھے بغیر محبت

---

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تحریر فرماتے ہیں: ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے۔

قال الشاعر: وذكرك للمشتاق خير شراب　　　وكل شراب دونه كسراب.

(امداد الفتاویٰ: ۵/ ۲۴۹، کتاب البدعات، محفل مولود شریف، ط: ادارہ تالیفات اولیا، دیوبند)

(۲) سادساً: وقت ذکر ولادت کے کھڑے ہوتے ہیں، پھر اس میں بعض کا عقیدہ تو یہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس وقت تشریف رکھتے ہیں یہ تو بالکل شرک ہے، اگر علم یا قدرت بالذات کا عقیدہ ہو، ورنہ کذب وافترا علی اللہ والرسول ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۲۵۰)

’’مجلس مولود‘‘ مجلس خیر وبرکت ہے، درصورت کہ ان قیودات مذکورہ سے خالی ہو، فقط بلا قید ووقت معین وبلا قیام وبغیر روایت موضوع مجلس خیر وبرکت ہے، صورت موجودہ جو مروج ہے، بالکل خلاف شرع ہے اور بدعت ضلالہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۱۴، محمد خلیل الرحمن، ط: تھانوی، دیوبند)

عن أبي أمامة، قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم متوكئا على عصا فقمنا إليه فقال: «لا تقوموا كما تقوم الأعاجم، يعظم بعضها بعضا». (سنن أبي داود: ۲/ ۷۱۰، رقم: ۵۲۳۰، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند)

(۳) اللہ کے رسول ﷺ کے مجلس میں موجود ہونے کا عقیدہ گمراہی ہے، جیسا کہ اس پر مندرجہ ذیل قرآنی آیات ونبوی ارشادات دال ہیں:

قال اللہ تعالی: ﴿وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ (۳- آل عمران: ۴۴)=

میں کبھی کبھار 'یارسول اللہ' کہنا جائز ہے۔[۴] واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۲۸/۳/۱۹۷۷ء

[۳] حاضر وناظر کون ہیں؟

۵۹-سوال: تاریخ: ۱/۳/۸۳ء کو شہر آنند میں مولوی مدنی کچھولوی رضاخانی کا بیان ہوا، جس میں انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف باتیں لوگوں کے سامنے پیش کیں، مثلاً ''شیطان

= من صلى علي عند قبري وكل بها ملك يبلغني، وكفي أمر دنياه وآخرته، وكنت له يوم القيامة شفيعا أو شهيدا. (أمالي ابن سمعون الواعظ- ابن سمعون الواعظ، أبو الحسين البغدادي (م:۳۸۷ھ): ص:۲۲۸، رقم الحديث:۲۵۶، أول المجلس السادس عشر، ت: د. عامر حسن صبري، ط: دار البشائر الإسلامية- بيروت)

و قال البيهقي بعد ذكر هذا الحديث بهذا اللفظ: هذا لفظ حديث الأصمعي، وفي رواية الحنفي قال: عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائيا أبلغته ". (شعب الإيمان-البيهقي: ۳/۱۴۰، رقم: ۱۴۸۱، تعظيم النبي صلى الله عليه وسلم وإجلاله الخ ط: مكتبة الرشد- الرياض ☆ حياة الأنبياء صلوات الله عليهم بعد وفاتهم- البيهقي: ص: ۱۰۳، رقم الحديث: ۱۸، ت: د. أحمد بن عطية الغامدي، ط: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة ☆ الترغيب والترهيب- أبو القاسم، الملقب بقوام السنة (م:۵۳۵ھ): ۲/۳۱۷، رقم: ۱۶۶۶، باب الصاد، باب الترغيب في الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، ت: أيمن بن صالح بن شعبان، ط: دار الحديث -القاهرة:)

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: فليبلغ الشاهد الغائب. (صحيح البخاري: (ص)، رقم الحديث: ۱۷۳۹، كتاب المناسك، باب الخطبة أيام منى، عن ابن عباس رضي الله عنهما، ط: مكتبة البدر- ديوبند)

اس حدیث میں اللہ کے نبی نے بعد میں آنے والوں کو اپنے سے غائب کہا ہے؛ اگر آپ حاضر وناظر ہوتے، تو دوسروں کو خود سے غائب کیوں کہتے؟؟؟

(۴) حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب رقم فرماتے ہیں: حاضر وناظر کے عقیدے کے بغیر فقط جوش محبت میں ''یارسول اللہ'' کہا جائے، یہ بھی جائز ہے، کبھی غایت محبت اور شدید غم کی حالت میں حاضر وناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لیے لفظ ندا بولتے ہیں، یہ بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۱۰۹، یارسول اللہ کہنا کیسا ہے؟ ط: دارالاشاعت، کراچی، پاکستان)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں رقم طراز ہیں: ''یارسول اللہ'' اس عقیدے سے کہنا کہ حضور ﷺ اس آواز کو خود سنتے ہیں، ناجائز ہے، اور اس عقیدے سے کہنا کہ ملائکہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع کرتے ہیں، درست ہیں؛ لیکن عوام کے عقائد میں ضرور اس سے فساد آتا ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱/۳۴۷-۳۴۸، ما یتعلق بالاستمداد بغیر اللہ، انبیائے کرام کو پکارنا، ط: اشرفی بک ڈپو، دیوبند)

حاضر و ناظر ہے، آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) اس نے اپنی بات کو مدلل کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ عقیدے کا ذکر بہت سی قرآنی آیات اور احادیث رسول (ﷺ) میں موجود ہے، مزید اس نے علماء دیوبند اور مبلغین دین سے بہت سے چیلنج کیے، جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ نہایت پریشان اور شک وشبہ میں مبتلا ہیں، اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

کیا اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر نہیں ہے؟ اور کیا رسول اور شیطان حاضر و ناظر ہیں؟ قرآن کریم اور حدیث پاک کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ نے سوال میں جس عقیدے کا ذکر کیا ہے، وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، اس کی تردید میں شروع ہی سے بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے، اس سلسلے میں میں اپنی ایک کتاب ''عقائد اسلام''[1] بھیج رہا ہوں، اس کے مطالعہ سے حق واضح ہوجائے گا، اس کتاب کی روشنی میں لوگوں کے اصلاح کی فکر کیجیے اور ان کی غلط فہمی دور کیجیے، ان شاء اللہ نفع ہوگا۔

حاضر و ناظر کا صحیح مطلب سمجھیے! حاضر کے معنی کسی جگہ یا مکان میں موجود ہونا۔[2] یہ صرف اللہ کے لیے خاص ہے، ارشاد ہے: نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ.[3] ناظر کے معنی ہے: دیکھنا اور دیکھ کر علم حاصل کرنا۔[4] یہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، ارشاد ہے: ''عَالِمُ

---

(۱) عقائد اسلام، مترجم اردو، سن طباعت: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳ء، ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب

(۲) موجود...... جو سامنے موجود ہو۔ (جامع فیروز اللغات، ص: ۱۲۹۱، ط: نعیمیہ، دیوبند)

(۳) ۵-ق: ۱۶۔

(۴) ناظر: (عربی) دیکھنے والا۔ (جامع فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۲، ط: نعیمیہ، دیوبند)

(حاظر و ناظر) یہ دونوں عربی لفظ ہیں، جن کے معنی ہیں ''موجود اور دیکھنے والا'' اور جب ان دونوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے، تو اس سے مراد ہوتی ہے: ''وہ شخصیت جس کا وجود کسی خاص جگہ میں نہیں؛ بل کہ اس کا وجود بہ یک وقت ساری کائنات کو محیط ہے اور کائنات کی ایک ایک چیز کے تمام حالات اول سے آخر تک اس کی نظر میں ہیں''...... ''حاضر و ناظر'' کا یہ مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر صادق آتا ہے اور یہ صرف اسی کی شان ہے، (اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۱/ ۷۳، دیوبندی، بریلوی اختلاف، حاضر و ناظر، ط: مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور)

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ. (۵)، ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ''قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ''. (۶) اسی طرح اور دوسری آیات میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے، ان کی تفسیر پڑھ لیجیے، عقائد اسلام میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

آپ ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔ (۷) ہر جگہ حاضر و ناظر بھی نہیں ہیں۔ (۸) مدنی صاحب نے جس بے بنیاد اور گمراہ کن عقیدے کا اپنے بیان میں ذکر کیا ہے، اس کو ماننے سے انسان ایمان سے محروم ہوسکتا ہے، اس نے اپنی بات کو مدلل کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ اس عقیدے پر بہت سی قرآنی آیات اور احادیث رسول (ﷺ) موجود ہے، تو سوال یہ ہے کہ بخاری شریف میں مکررات چھوڑ کر تقریباً ۳۰۰۰ تین ہزار احادیث ہیں، حدیث پاک کی دوسری کتابوں میں سے صرف اسی ایک کتاب کی کوئی ایک ہی حدیث پیش کی جائے، جس میں عقیدہ مذکورہ کا ذکر ہو۔ ان کا یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے، جسے قرآن کریم کی کسی آیت مبارکہ یا کسی حدیث پاک سے ثابت نہیں کیا جاسکتا، بل کہ بہت سی آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے یہ بات صراحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ ''حاضر و ناظر'' صرف اللہ عز وجل کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۵) ۶۴ - التغابن: ۱۸ ☆ ۶۲ - الجمعة: ۸ ☆ ۵۹ - الحشر: ۲۲ ☆ ۳۹ - الزمر: ۴۶ ☆ ۳۲ - السجدة: ۶ ☆ ۲۳ - المؤمنون: ۹۲ ☆ ۱۳ - الرعد: ۹ ☆ ۹ - التوبة: ۹۴ ☆ ۶ - الأنعام: ۷۳۔

(۶) ۲۷ - النمل: ۶۵۔

(۷) ثم إعلم أن الأنبياء لم يعلموا المغيبات من الأشياء إلا ما أعلمهم الله تعالى أحياناً، وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد أن النبي - عليه الصلاة والسلام - يعلم الغيب، لمعارضة قوله تعالى: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾. (شرح فقہ اکبر: ص ۱۸۵، الناس في حق رجال الغيب ثلثة أحزاب، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۸) انظر رقم الهامش: ۴.

□

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ (۳۳-الاحزاب:۲۱)

باب السيرة والشمائل

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ]

[۱] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک معاہدہ میں شرکت اور غیر مسلموں سے عام خیر خواہی کا معاہدہ

۶۰-سوال: بعض واعظین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت سے پہلے ایک معاہدہ میں شرکت کی تھی، تو کیا اس کی کوئی اصل ہے؟ اور کیا غیر مسلموں سے محلہ، گاؤں، یا ملکی سطح پر کسی قسم کا معاہدہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت سے قبل ایک معاہدہ میں شرکت فرمائی تھی، اس معاہدہ کو "حلف الفضول" کہا جاتا ہے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۵/سال تھی۔[1] چناں چہ حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عبداللہ بن جدعان کے گھر منعقد ہونے والے معاہدہ میں شریک رہا ہوں، مجھے اس معاہدہ کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں ہیں۔ اور اگر اسلام میں مجھے دوبارہ اس معاہدہ کے لیے آواز دی جائے تو میں ضرور لبیک کہوں گا۔[2]

---

(۱) قال المحقق: قالوا: وكان حلف الفضول قبل المبعث بعشرين سنة في شهر ذي القعدة، وكان بعد حرب الفجار بأربعة أشهر. (الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان- محمد بن حبان، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البستي (م: ۳۵۴ھ): ۱۰/ ۲۱۸، برقم الحديث: ۴۳۷۴، ترتيب: الأمير علاء الدين علي بن بلبان الفارسي (م: ۷۳۹ھ) ت: شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت)

(۲) عن طلحة بن عبد الله بن عوف، أن رسول الله- صلى الله عليه وسلم -قال: "لقد شهدت في دار عبد الله بن=

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام میں جاہلیت کا حلف نہیں ہے، ہاں جو حلف زمانہ جاہلیت کے ہیں (اور وہ نیکی اور بھلائی پر مشتمل ہیں) اسلام ان کو مزید قوت بخشتا ہے اور مضبوط کرتا ہے، آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا: دار الندوہ میں جو عہد و معاہدہ ہوا تھا، اس کے توڑنے پر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جائیں، تو خوشی نہیں ہوگی۔ [٣]

قرآن شریف میں ہے: {وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى- وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ} [٤] تم ایک دوسرے کی تقویٰ اور نیکی کے کام میں مدد کرو اور گناہ اور ظلم کے کام میں مدد نہ کرو۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں غرباء و مساکین کی امداد کا حکم ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے دار الندوہ کے معاہدہ پر خوشی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا: "اگر اس کے توڑنے پر سرخ اونٹ بھی مل جائیں، تو مجھے یہ پسند نہیں"؛ کیوں کہ وہ معاہدہ جاہلیت کے ایک رواج کے موافق غریب، مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے سلسلہ میں تھا۔ اور یہ بات آپ ﷺ رسالت کے بعد ارشاد فرما رہے ہیں۔ ان تمام نصوص سے ظاہر ہے کہ اگر کافر، مشرک، یہود یا نصاریٰ کے ساتھ اس قسم کا معاہدہ محلہ، گاؤں یا ملکی سطح پر کیا جائے، تو جائز ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ [٥] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

=جدعان حلفا ما أحب أن لي به حمر النعم، ولو أدعى به في الإسلام لأجبت ". (السنن الكبرى-أبو بكر البيهقي (م:٤٥٨هـ):٦/٥٩٦، رقم الحديث:١٣٠٨٠، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب إعطاء الفيء على الديوان ومن يقع به البداية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(٣) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم-: «لا حلف في الإسلام، وكل حلف كان في الجاهلية لم يزده الإسلام إلا شدة، وما يسرني أن لي حمر النعم، وأني نقضت الحلف الذي كان في دار الندوة. (الأحاديث المختارة-ضياء الدين المقدسي (م:٦٤٣هـ):١٢/٢٥١، رقم الحديث:٢٨١، باب: محمد بن عبد الرحمن أبو الأسود أو غيره عن عكرمة، ط: دار خضر للطباعة والنشر والتوزيع- بيروت)

(٤)-٥ المائدة:٢

(٥) وقال الإمام النووي: المنفي حلف التوارث، وما يمنع منه الشرع، وأما التحالف على طاعة الله، ونصر المظلوم، والمؤاخاة في الله تعالى، فهو أمر مرغوب فيه. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م:٨٥٢هـ):١٠/٥٠٢، باب الإخاء والحلف، كتاب الأدب، ط: دار المعرفة، بيروت☆شرح النووي على صحيح مسلم:٢/٣٠٨، كتاب الفضائل، باب مواخاة النبي -صلى الله عليه وسلم- الخ، ط: البدر -ديوبند)

[۲] آپ ﷺ کی طرف جادو کے تجربے کا انتساب کرنے والے کا شرعی حکم

۶۱-سوال(۱): ایک صاحب نے یہ کہا ہے کہ ”ہمارے نبی ﷺ خود بھی جادو کی مشق کرتے تھے“ اس طرح کی بکواس کرنے والے کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

[۳] قرآنی آیات سے جادو سیکھنے کے قائل شخص کا حکم

۶۲-سوال(۲): اللہ رب العزت کے پاک کلام ’قرآن مجید‘ میں جادو کا ذکر ہے۔ (نعوذ باللہ) اور آیات قرآنی سے جادو سیکھا جا سکتا ہے۔ ایک سند یافتہ عالم نے یہ بات کہی ہے، اس کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

(عبد الرشید مولوی عبد الجلیل)

الجواب حامداً ومصلياً:

(۱-۲) جو شخص رسول اللہ ﷺ کو جادو کی مشق کرنے والا گردانتا ہو، وہ کافر و مرتد ہے۔[1] نیز جو شخص یہ کہتا ہو کہ قرآن مجید میں جادو کا بیان ہے اور اس کی آیات سے جادو سیکھ سکتے ہیں، اگر اس کی مراد اس جملے سے یہ ہو کہ نعوذ باللہ قرآن کریم میں جادو سیکھنے کے طریقے بیان کیے گئے ہیں، اور اس کی آیتوں سے جادو سیکھے جا سکتے ہیں، تو ایسا کہنے والا شخص کافر و مرتد ہے۔[2]

---

(۱) اعلم وفقنا الله وإياك أن جميع من سب النبي -صلى الله عليه وسلم- أو عابه أو ألحق به نقصا في نفسه أو نسبه، أو دينه، أو خصلة من خصاله، أو عرض به، أو شبهه بشيء على طريق السب له، أو الإزراء عليه، أو التصغير لشأنه، أو الغض منه والعيب له فهو ساب له. والحكم فيه حكم الساب يقتل... وكذلك من لعنه أو دعا عليه، أو تمنى مضرة له، أو نسب إليه ما لا يليق بمنصبه على طريق الذم، أو عبث في جهته العزيزة بسخف من الكلام، وهجر ومنكر من القول وزور. وهذا كله إجماع من العلماء وأئمة الفتوى من لدن الصحابة رضوان الله عليهم إلى هلم جرا. (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى لقاضي عياض: ۲/ ۲۱۴، الباب الأول في بيان ما هو في حقه -صلى الله وليه وسلم-... الخ، ط: دار الفكر بيروت★الصارم المسلول على شاتم الرسول: ۱/ ۵۲۵، المسئلة الثانية أنه يقتل ولا يستتاب، الخ، ط: الحرس الوطني السعودية، ت: محمد محي الدين عبد الحميد)

(۲) کیوں کہ اس جملے سے قرآن کریم کی جانب عیب کی باتوں کو منسوب کرتا ہے، جو کفر ہے: أو تسخر باية من القرآن... أو عاب كفر. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۶۶، كتاب السير، مطلب في موجبات الكفر أنواع، منها: ما يتعلق بالقرآن، ط: دار الفكر، بيروت)

ان کی عورتیں بھی نکاح سے نکل گئیں، دوبارہ کلمہ پڑھ کر اس عقیدے سے توبہ کرے، پھر نکاح کی تجدید کرے۔ [1] اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ جادو کے متعلق بیان ہے، جس طرح کہ قرآن مجید میں کافر، مشرک منافق، چور اور زانی وغیرہ کا بیان ہے، تو ایمان سے نہیں نکلے گا۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

۷/۱۰/۱۹۷۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ - چند سوالات وجوابات

[۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چشمہ پہننا ثابت نہیں ہے

۶۳-سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عینک (چشمہ) پہنتے تھے؟ اگر پہنتے تھے، تو اُس کی تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھیں طبعی نور سے بھرپور تھیں، صحیح بخاری کی روایت ہے جس کو ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چشمِ پرنور سے پیچھے کی جانب بھی اسی طرح دیکھتے تھے، جس طرح آگے کی جانب دیکھتے تھے۔ [3] لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عینک (چشمہ) وغیرہ کی

---

(۱) ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم، وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۸۳، كتاب السير، قبيل الباب العاشر في البغاة، ط: دار الفكر، بيروت)

(۲) ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم. (المصدر السابق)

(۳) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: هل ترون قبلتي ها هنا فوالله ما يخفى علي خشوعكم ولا ركوعكم إني لأراكم من وراء ظهري. (صحيح البخاري: ۱/ ۵۹، رقم: ۴۱۸، كتاب الصلوة، باب عظة الإمام الناس في إتمام الصلاة، وذكر القبلة☆ورقم: ۷۱۹، كتاب الأذان، باب إقبال الناس على الإمام ...الخ☆ ورقم: ۷۲۵، كتاب الأذان، باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف، ط: البدر، ديوبند)

انظر مرقاة المفاتيح - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۲/ ۶۷۰، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، و ۳/ ۸۴۹، كتاب الصلوة، باب تسوية الصف، ط: دار الفكر - بيروت)

کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۵] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹوپی پہننا ثابت ہے

۶۴-سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ٹوپی پہنی ہے؟ اگر پہنی ہے، تو اُس کی تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعتِ مبارکہ میں انتہائی درجہ لطافت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سر مبارک میں تیل لگایا کرتے تھے، پھر اُس پر مثل پٹی کے ایک کپڑا باندھ دیتے، پھر اُس کپڑے کے اوپر ٹوپی اور اُس پر عمامہ پہنتے تھے، محدثین نے لکھا ہے کہ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ کثرت تیل لگایا کرتے تھے؛ اس لیے بال مبارک پر اولاً کپڑا باندھ لیا کرتے تھے؛ تاکہ ٹوپی اور عمامے پر تیل نہ لگ جائے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹوپی پہنتے تھے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کی کیفیت

۶۵-سوال: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑے رہنے کے متعلق کچھ تفصیل مروی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض کھڑا رہنا کوئی اہم مقصدِ زندگی نہیں ہے، میری نظر سے اس طرح کا کوئی ذکر نہیں گزرا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم غفرلہ

(۱) عن أنس بن مالك، قال: »كان رسول الله- صلى الله عليه وسلم- يكثر دهن رأسه، وتسريح لحيته، ويكثر القناع، كأن ثوبه ثوب زيات« (شرح السنة-محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي الشافعي (م:۵۱۶ھ): ۱۲/ ۸۲، رقم: ۳۱۶۴، كتاب اللباس، باب ترجيل الشعر و تدهينه، ت: شعيب الأرنؤوط- محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي- دمشق، بيروت)

قال الملاعلي القاري في شرحه: (القناع) خرقة تلقى على الرأس تحت العمامة بعد استعمال الدهن وقاية للعمامة من أثر الدهن واتساخها به. (مرقاة المفاتيح: ۷/ ۲۸۲۴، كتاب اللباس، باب الترجل، ط: دار الفكر-بيروت)

[۷] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ

۶۶-سوال: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غضب ناک ہوتے تھے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

دین کے خلاف کسی بھی کام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے، تو لوجہ اللہ غضب ناک ہوجاتے، ورنہ عام احوال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بردباری کا یہ عالم تھا کہ روایات میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کی خاطر کسی سے انتقام نہیں لیا۔ (۱) کچھ ایسے لوگ جو دین سے ناواقف ہیں؛ غصہ کو مطلقاً معیوب سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے، جب دینی امور کی اعلانیہ پردہ دری ہورہی ہو اور مفاہمت کسی طرح کارآمد ثابت نہ ہو، اُس وقت غصے کا اظہار کرنا اور حسبِ استطاعت اُس منکر کو روکنے میں اپنی مقدور بھر طاقت صرف کرنا ایمانی تقاضہ ہے، روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غضب ناک ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور ایسا سُرخ ہوجاتا گویا اُن پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہوں۔ (۲)

ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات کا کوئی مضمون پڑھ رہے تھے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے فوراً محسوس کرلیا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمر! کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھتے نہیں کہ آپ کے تورات پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا اثر ہورہا ہے؟ چناں چہ حضرت عمرؓ فوراً متنبہ ہوئے اور پڑھنا بند کردیا معذرت کے ساتھ یہ عرض کرنے لگے کہ "**رضینا باللہ ربا، و بالإسلام دینا، و بمحمد-صلی اللہ علیہ وسلم- نبیا**". (یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، دین اسلام کو اپنا دین مان کر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی

(۱) عن عائشة -رضي الله عنها- أنها قالت: ما خير رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بين أمرين إلا أخذ أيسرهما، ما لم يكن إثما، فإن كان إثما، كان أبعد الناس منه، وما انتقم رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لنفسه إلا أن تنتهك حرمة الله فينتقم لله بها. (صحيح البخاري: ۱/ ۵۰۳، رقم: ۳۵۶۰، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند ☆ ورقم: ۶۱۲۶، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: يسروا ولا تعسروا. ☆ صحيح مسلم: ۲/ ۲۵۶، رقم: ۷۷-(۲۳۲۷)، كتاب الفضائل، باب مباعدته صلى الله عليه وسلم للآثام واختياره من المباح... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) خرج رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على أصحابه، وهم يختصمون في القدر، فكأنما يفقأ في وجهه، حب الرمان من الغضب، ...(الحديث) (سنن ابن ماجة-أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني (۲۰۹-۲۷۳ھ) ص: ۹، رقم: ۸۵، باب في القدر، ط: فيصل - ديوبند)

مان کر خوش ہیں) یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ختم ہوا۔ (۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں اس کے متعلق مستقل باب قائم فرمایا ہے اور اُس کے ماتحت تین روایتیں ذکر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ جب کوئی استاذ درس کے دوران اپنے شاگرد کی کسی ناشائستہ حرکت کو دیکھے، تو اُس کے لیے تنبیہ کے خاطر غضب کا اظہار کرنا درست ہے۔ (۴)

اِس سے ثابت ہوا کہ دینی امور کے پیشِ نظر حدود میں رہ کر نیک نیتی کے ساتھ غصہ کرنا جائز ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فعل جو بہ حالتِ غضب صادر ہوا ہو، وہ بھی ادلہ شرعیہ میں شمار ہوگا۔ (۵) یہ مرتبہ افرادِ امت میں سے کسی کے لیے نہیں ہے؛ لہٰذا فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کے لیے بہ حالتِ غضب کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (۶) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳) عن جابر، أن عمر بن الخطاب أتى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بنسخة من التوراة فقال: يا رسول الله هذه نسخة من التوراة. فسكت فجعل يقرأ ووجه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يتغير، فقال أبو بكر: ثكلتك الثواكل، أما ترى ما بوجه رسول الله - صلى الله عليه وسلم -؟ فنظر عمر إلى وجه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقال: أعوذ بالله من غضب الله ومن غضب رسوله، رضينا بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا. فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: «والذي نفس محمد بيده لو بدا لكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل، ولو كان حيا وأدرك نبوتي لاتبعني. (سنن الدارمي (م: ۲۵۵ھ): ۱/ ۴۰۳، رقم: ۴۴۹، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي - صلى الله عليه وسلم، ت: حسين سليم أسد الداراني ط: دار المغني - السعودية)

(۴) ر: صحيح البخاري: ۱/ ۲۰، كتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم، وإذا رأى ما يكره، رقم الحديث: ۹۰، ۹۱، ۹۲، ط: البدر - ديوبند.

إن المعلم إذا رأى منهم ما يكرهه يغضب عليهم وينكر عليهم. عمدة القاري: ۲/ ۱۰۵، ط: دار إحياء التراث العربي.

(۵) عن عبد الله بن عمرو قال: كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أريد حفظه فنهتني قريش وقالوا أتكتب كل شيء تسمعه ورسول الله - صلى الله عليه وسلم - بشر، يتكلم في الغضب والرضا، فأمسكت عن الكتاب، فذكرت ذلك لرسول الله - صلى الله عليه وسلم - فأومأ بأصبعه إلى فيه، فقال: اكتب، فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه إلا حق. (سنن أبي داؤد، ص: ۵۱۴، كتاب العلم، كتابة العلم، رقم: ۳۶۴۶، ط: البدر - ديوبند)

(انظر صحيح ابن خزيمة - أبو بكر، ابن خزيمة النيسابوري (م: ۳۱۱ھ): ۴/ ۲۶، رقم: ۲۲۸۰، كتاب الزكاة، باب النهي عن الجلب عند أخذ الصدقة... الخ، ت: د. محمد مصطفى الأعظمي، ط: المكتب الإسلامي - بيروت)

(۶) ويقال: أراد البخاري الفرق بين قضاء القاضي وهو غضبان، وبين تعليم العلم وتذكير الواعظ، فإنه بالغضب أجدر، وخصوصا بالموعظة. (عمدة القاري: ۲/ ۱۰۵، ط: دار إحياء التراث العربي)

عن عبد الرحمن بن أبي بكرة قال: كتب أبي وكتبت له إلى عبيد الله بن أبي بكرة وهو قاض بسجستان أن لا تحكم=

[۸] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور گھڑی

۶۷-سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھڑی پہننا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

گھڑی اُس زمانے میں نہیں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی گھڑی نہیں پہنی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور نماز اشراق

۶۸-سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشراق کی کتنی رکعت پڑھتے تھے؟

الجواب حامداومصلیا:

اشراق کی دو یا چار رکعت پڑھنا مسنون ہے۔ (زاد المعاد: ۱/ ۹۳)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صلاۃ اوابین

۶۹-سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوابین کی کتنی رکعت پڑھتے تھے؟

=بين اثنين وأنت غضبان فإني سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: لا يحكم أحد بين اثنين وهو غضبان.
(صحيح مسلم: ۲/ ۷۷، كتاب الأقضية، باب كراهة قضاء القاضي وهو غضبان، رقم: ۱۶-(۱۷۱۷)، ط: البدر-ديوبند)
(وانظر أيضا: سنن النسائي، كتاب اداب القضاة، ذكر ما ينبغي للحاكم أن يجتنبه، رقم: ۵۴۰۶☆مسند أحمد: ۱۱۶/۳۴، رقم: ۲۰۴۶۷)

فإن عرض له أي للقاضي هم أو نعاس أو غضب ... كف عن القضاء. (مجمع الأنهر: ۲/ ۱۶۰، كتاب القضاء، فصل في الحبس، ط: دار إحياء التراث العربي)

(وأيضا البحر الرائق: ۶/ ۳۰۳، كتاب القضاء، تقليد القضاء من السلطان العادل... الخ، دار الكتاب الإسلامي)

(۱) عن معاذ بن أنس الجهني أن رسول الله- صلى الله عليه و سلم- قال: من قعد في مصلاه حين ينصرف من صلاة الصبح حتى يسبح ركعتي الضحى لا يقول إلا خيرا، غفر الله له خطاياه وإن كانت مثل زبد البحر. (زاد المعاد في هدي خير العباد -ابن القيم الجوزية (م: ۷۵۱هـ): ۱/ ۳۳۵، فصل في هديه صلى الله عليه و سلم، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت☆سنن أبي داؤد، ص: ۱۸۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحى، رقم: ۱۲۸۷، ط: البدر-ديوبند)

عن نعيم بن همار قال: سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: قال الله -عز وجل-: يا ابن آدم لا تعجزن عن أربع ركعات في أول النهار أكفك آخره. (زاد المعاد: ۱/ ۳۳۶،☆سنن الترمذي: ۱/ ۱۰۸، عن أبي الدرداء، أبواب الوتر، باب ما جاء في صلوة الضحى، رقم: ۴۷۵، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

الجواب حامداومصليا:

اوّابین کی کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ (زاد المعاد: ۱/ ۲۱۸)[۱]

[۱۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افطاری

۷۰- سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سحر و افطار میں کیا کھاتے تھے؟

الجواب حامداومصليا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحر و افطار کے لیے کسی بھی چیز کا کوئی خاص اہتمام یا التزام نہیں فرماتے تھے، بروقت جو بھی چیز میسّر ہو جاتی، اُسی کو تناول فرما لیتے، عمومی احوال میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہی تھی، امام بخاریؒ نے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی اور کھجور کے ذریعہ یا جو کوئی بھی چیز میسر ہو جاتی، اُسی سے افطار فرما لیتے تھے؛ البتہ کھجور یا چھوہارے کو پسند فرماتے تھے، نیز مستدرکِ حاکم، ترمذی شریف، فتح الباری شرح بخاری شریف اور مشکوٰۃ المصابیح[۲] میں بھی اس طرح کی روایات ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر کھجور موجود ہوتیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں سے تین کھجوروں کے ذریعہ افطار فرماتے، ورنہ ایسی چیز سے افطار فرماتے جو آگ پر پکائی نہ گئی ہو۔ (بخاری شریف: ۱/ ۲۶۲)[۳] واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أنس مرفوعا "من صلى الضحى ثنتي عشرة ركعة، بنى الله له قصرا من ذهب في الجنة". (زاد المعاد: ۱/ ۳۳۶، ط: مؤسسة الرسالة☆سنن الترمذي: ۱/ ۱۰۸، أبواب الوتر، باب ما جاء في صلاة الضحى، ط: ياسر نديم- ديوبند☆سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب ما جاء في صلاة الضحى، رقم: ۱۳۸۰)

(۲) عن أنس بن مالك قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يفطر قبل أن يصلي على رطبات، فإن لم تكن رطبات، فتميرات، فإن لم تكن تميرات، حسا حسوات من ماء. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۵۰، أبواب الصوم، باب ما جاء ما يستحب عليه الإفطار، رقم: ۶۹۶، ۶۹۴، ط: ياسر نديم- ديوبند)

(مشكاة المصابيح، ص: ۱۷۵، كتاب الصوم، باب: الفصل الثاني، رقم: ۱۹۹۱، ط: فيصل- ديوبند)

(المستدرك على الصحيحين -الحاكم النيسابوري: ۱/ ۵۹۶، رقم: ۱۵۷۴، كتاب الصوم، و أما حديث شعبة)

(صحيح ابن حبان: ۸/ ۲۸۱، رقم: ۳۵۱۴، ذكر الإخبار عما يستحب للصائم الإفطار عليه، باب الإفطار وتعجيله)

(فتح الباري- ابن حجر العسقلاني: ۴/ ۱۹۸، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۳) باب: يفطر بما تيسر بالماء وغيره.

عبد الله بن أبي أوفى -رضي الله عنه- قال: سرنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وهو صائم فلما غربت الشمس، قال انزل فاجدح لنا، قال: يا رسول الله! لو أمسيت، قال: انزل فاجدح لنا. قال: يا رسول الله! إن عليك نهارا. قال:=

[۱۲] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور نوافل

۷۱-سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون کون سی سنن ونوافل گھر میں پڑھتے تھے؟

الجواب حامداومصلیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے علاوہ دوسری تمام سنن ونوافل گھر ہی میں پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ''تم اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھتے رہو اور اُن کو قبرستان نہ بناؤ'' (زادالمعاد: ۱/ ۸۲)(۱)

یعنی قبرستان میں جس طرح مُردے کوئی عمل نہیں کر سکتے؛ اس طرح اپنے گھروں کو عبادت سے خالی نہ رکھو؛ بل کہ نماز کے ذریعہ اُنہیں آباد رکھو۔ البتہ موجودہ دور میں مسجد ہی میں سنن ونوافل پڑھنا بہتر ہے، اس لیے کہ اگر گھر میں پڑھنے کے لیے کہا جائے، تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ آدمی فرض نماز کے بعد مسجد سے نکل کر دنیوی مشاغل میں لگ جائے، اور سنن ونوافل سے بالکل غافل ہو جائے، نتیجہ یہ ہو کہ نہ گھر میں پڑھ سکے اور نہ مسجد میں۔(۲) واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسواک

۷۲-سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کب فرماتے تھے؟ صرف صبح میں یا ہر نماز کے وقت؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خصوصی طور سے ہر نماز کے لیے وضو فرض تھا، اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم

=انزل فاجدح لنا. فنزل، فجدح، ثم قال: إذا رأيتم الليل أقبل من ها هنا، فقد أفطر الصائم، وأشار بإصبعه قبل المشرق. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۶۲، كتاب الصوم، رقم: ۱۹۵۶، البدر - ديوبند)

(۱) أيها الناس صلوا في بيوتكم؛ فإن أفضل صلوة المرء في بيته، إلا المكتوبة. (زادالمعاد: ۱/ ۳۰۵، فصول في هديه- صلى الله عليه وسلم- في العبادات، فصل: في هديه- صلى الله عليه وسلم- في السنن والرواتب، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

عن ابن عمر عن النبي- صلى الله عليه وسلم- قال: صلوا في بيوتكم ولا تتخذوها قبورا. (صحيح مسلم: ۱/ ۲۶۵، رقم: ۲۰۹- (۷۷۷) كتاب الصلوة، باب استحباب صلاة النافلة في بيته، ط: البدر - ديوبند)

(۲) وفي الدر المختار: والأفضل في النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها، والأصح أفضلية ما كان أخشع وأخلص. قال ابن عابدين: وحيث كان هذا أفضل يراعى ما لم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته، أو كان في بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه، فيصليها حينئذ في المسجد؛ لأن اعتبار الخشوع أرجح. (رد المحتار مع الدر المختار: ۲/ ۲۲، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر - بيروت)

کے لیے ہر نماز سے پہلے مسواک لازم قرار دیا گیا۔[1] اس کے علاوہ قرآن پاک پڑھنے کے لیے، سونے سے پہلے، نیند سے بیدار ہونے کے بعد اور گھر میں داخل ہوتے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسواک کرنا ثابت ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناشتہ

۷۳-سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ''ناشتہ'' کرتے تھے؟ اگر کرتے تھے، تو اُس

---

(۱) إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بالوضوء لكل صلاة، طاهرا، وغير طاهر، فلما شق ذلك عليه، أمر بالسواك لكل صلاة. (سنن أبي داؤد: ۱/ ۷، رقم: ۴۸، كتاب الطهارة، باب السواك، ط: البدر - ديوبند☆ وانظر: شرح معاني الآثار: ۱/ ۴۲، رقم: ۲۲۴، باب الوضوء هل يجب لكل صلاة أم لا؟ ط: عالم الكتب☆ السنن الكبرى - ابو بكر البيهقي: ۷/ ۷۹، رقم: ۱۳۳۲۸)

(۲) عن حذيفة أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كان إذا قام من الليل يشوص فاه بالسواك. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۸، رقم الحديث: ۲۴۵، كتاب الوضوء، باب السواك، ط: البدر - ديوبند☆ رقم: ۸۸۹، كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة☆ و رقم: ۱۱۳۶، كتاب الجمعة، باب طول القيام في صلاة الليل☆ صحيح مسلم: ۱/ ۱۲۸، رقم: ۴۶-(۲۵۵)، و ۴۷-(۲۵۵) كتاب الطهارة، باب السواك، ط: البدر - ديوبند☆ سنن أبي داود: ۱/ ۸، رقم: ۵۵، كتاب الطهارة، باب السواك لمن قام من الليل، ط: البدر - ديوبند)

عن المقدام بن شريح، عن أبيه، قال: سألت عائشة، قلت: بأي شيء كان يبدأ النبي صلى الله عليه وسلم إذا دخل بيته؟ قالت: بالسواك. (صحيح مسلم: ۱/ ۱۲۸، رقم: ۴۳-(۲۵۳)، كتاب الطهارة، باب السواك، ط: البدر - ديوبند☆ سنن أبي داود: ۱/ ۸، رقم: ۵۱، كتاب الطهارة، باب في الرجل يستاك بسواك غيره، ط: البدر - ديوبند☆ سنن النسائي، رقم: ۸، كتاب الطهارة، السواك في كل حين)

ويستحب لتغير الفم، والقيام من النوم، وإلى الصلوة، ودخول البيت، واجتماع الناس، وقراءة القرآن. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار الشرنبلالي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۳۲، كتاب الطهارة، فصل: في سنن الوضوء، ط: المكتبة العصرية)

عبد الله بن عباس قال: بت ليلة عند النبي صلى الله عليه وسلم فلما استيقظ من منامه، أتى طهوره، فأخذ سواكه، فاستاك ثم تلا هذه الآيات { إن في خلق السموات والأرض واختلاف الليل والنهار لآيات لأولي الألباب } حتى قارب أن يختم السورة أو ختمها، ثم توضأ فأتى مصلاه، فصلى ركعتين، ثم رجع إلى فراشه، فنام ما شاء الله ثم استيقظ ففعل مثل ذلك ثم رجع إلى فراشه، فنام ثم استيقظ، ففعل مثل ذلك، ثم رجع إلى فراشه فنام، ثم استيقظ ففعل مثل ذلك، كل ذلك يستاك ويصلي ركعتين ثم أوتر. (سنن أبي داؤد: ۱/ ۸، رقم: ۵۸، كتاب الطهارة، باب السواك لمن قام بالليل، ط: البدر - ديوبند)

وقت کیا تناول فرماتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کے تیرہ سال اور ہجرت کے بعد سات سال آپ ﷺ پر بہت تنگی اور تکالیف ومصائب کے گزرے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین مہینے کا طویل عرصہ گزر جاتا؛ مگر گھر میں چولہا نہ جلتا تھا، صرف ''اسودین'' یعنی کھجور اور پانی پر آپ ﷺ گذر بسر فرما لیتے، گھر میں اناج یا غلہ وغیرہ کوئی چیز نہ ہوتی' جسے پکایا جائے، آپ ﷺ کے فقرِ اختیاری کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی صحابیؓ کھجور یا دودھ وغیرہ لے آتے، تو اُسے تناول فرما لیتے۔ (۱) اور یہی حال ازواجِ مطہرات کا بھی تھا، کہ آپ ﷺ اُن تمام کو سالانہ اخراجات کے لیے جو کچھ بھی دیتے، اکثر ازواجِ مطہرات اُس کو غرباء اور حاجت مندوں میں خرچ فرما دیتیں، آپ ﷺ کی سخاوت کا بحرِ ذخار تو اُس سے بھی کہیں بڑھ کر تھا، اس لیے کسی بھی چیز کی ذخیرہ اندوزی آپ ﷺ کو پسند نہ تھی۔ (۲) چائے اور ناشتہ تو درکنار؛ ضروری کھانے پینے کے لیے بھی آپ ﷺ کوئی خاص انتظام نہیں فرماتے تھے، وقت پر جو کچھ بھی میسر ہوتا، اُسے بہ خوشی تناول فرماتے، چائے کا رواج اُس زمانے میں نہ تھا، میرے علم کے مطابق چائے کی ایجاد تقریباً دو صدی قبل کی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ چائے کی کمپنی کے ملازمین مجھے چائے کے پیکٹ بیچنے کے لیے دیتے اور چائے بنا کر مفت پلاتے تھے، ہندوستان میں اُسے آئے سو/ ۱۰۰ سال ہوئے ہوں گے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چائے کا وجود ہی نہ تھا، صبح میں بھی آپ ﷺ کی جانب سے کوئی کھانا پہلے سے طے نہ ہوتا، جو کچھ بھی میسر ہوتا، آپ ﷺ تناول فرما لیتے۔

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها، أنها قالت لعروة: ابن أختي »إن كنا لننظر إلى الهلال، ثم الهلال، ثلاثة أهلة في شهرين، وما أوقدت في أبيات رسول الله -صلى الله عليه وسلم- نار« . فقلت يا خالة: ما كان يعيشكم؟ قالت: "الأسودان: التمر والماء، إلا أنه قد كان لرسول الله -صلى الله عليه وسلم- جيران من الأنصار، كانت لهم منائح، وكانوا يمنحون رسول الله -صلى الله عليه وسلم -من ألبانهم، فيسقينا". (صحيح البخاري: ۱/ ۳۴۹، كتاب الهبة، رقم: ۲۵۶۷، ۶۴۵۹، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن أنس قال: كان النبي -صلى الله عليه وسلم- لا يدخر شيئا لغد. (سنن الترمذي: ۲/ ۶۱، رقم: ۲۳۶۲، أبواب الزهد، باب ما جاء في معيشة النبي -صلى الله عليه وسلم- وأهله، ط: ياسر نديم - ديوبند)

"مختصر شمائل ترمذی" صفحہ نمبر: ۲/۱۷ پڑھیں، تمام تفصیلات مذکور ہیں۔ (1) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات کی تقسیم

۷۴-سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوقات کی تقسیم کس طرح فرماتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص تھا، دوسرا حصہ اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی کے لیے، جس میں ازواجِ مطہرات کی خبر پرسی، اُن کے ساتھ نشست وبرخاست اور دیگر امورِ خانہ داری میں اُن کا تعاون فرماتے اور تیسرے حصے میں سے کچھ وقت آرام فرماتے، اور بقیہ وقت تبلیغِ دین اور ارشادِ امت کے لیے وقف تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت مندوں کی حاجت، دینی مسائل کے متعلق سوال کرنے والوں کے تشفی بخش جوابات اور مسلمانوں کے دینی و دنیوی اہم امور کے متعلق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خاص جماعت سے مشورہ فرماتے۔ (نشر الطیب) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی

۷۵-سوال: بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسبِ معاش کے لیے کیا کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسبِ معاش کے لیے کوئی خاص انتظام نہیں فرمایا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفریح

۷۶-سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تفریح کے لیے کہاں تشریف لے جاتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان کو تھکن دور کرنے اور اکتاہٹ ختم کرنے کے لیے تفریح کی ضرورت ہوتی ہے، اور حضور

(۱) شمائل ترمذی گجراتی (از: صاحب فتاویٰ حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ) کا اردو ترجمہ صاحب زادۂ محترم جناب حافظ امجد صاحب (خادم مسجد عمر، کینیڈا) کی کوشش سے مکمل کرلیا گیا ہے اور طباعت کے مرحلے میں ہے۔

[۲] کتاب نہیں ملی۔

پاک ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کو ایک روایت کے مطابق تیس جنتی[1] اور ایک روایت کے مطابق چالیس جنتی آدمی کی طاقت دی گئی تھی۔[2] اور اہل جنت میں سے ایک آدمی کی طاقت ایک سو عام انسانوں کے برابر ہے۔[3] لہٰذا آپ ﷺ کے قویٰ اس اعتبار سے تین یا چار ہزار آدمیوں کے قویٰ کے برابر ہوئے، حاصل یہ ہے کہ جس شخصیتِ عظمیٰ میں اتنی طاقت ہو، اُسے تھکن یا اکتاہٹ چھو بھی نہیں سکتی؛ پھر تفریح کی ضرورت ہی کیا ہے۔

دیگر یہ کہ آپ ﷺ کے تمام اوقات ذکرِ الٰہی اور ارشادِ انام میں صرف ہوتے تھے، مخلوق کی رہنمائی کے بعد جو بھی وقت ملتا، آپ ﷺ اُسے ''توجہ الی الخالق'' میں صرف فرماتے، چناں چہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ **"جعلت قرة عيني في الصلاة"**.[4] یعنی نماز تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے،

---

(۱) أنس بن مالك قال: كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يدور على نسائه في الساعة الواحدة، من الليل والنهار، وهن إحدى عشرة. قال: قلت لأنس أو كان يطيقه؟ قال: كنا نتحدث أنه أعطي قوة ثلاثين. وقال سعيد، عن قتادة، إن أنسا، حدثهم: تسع نسوة. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۱، رقم: ۲۶۸، كتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد، ط: البدر - ديوبند☆ انظر مسند الإمام أحمد: ۲۱/ ۲۷۴، رقم: ۱۳۱۰۹، مسند المكثرين من الصحابة، مسند انس بن مالك رضي الله تعالى عنه)

(۲) عن ابن طاوس، عن أبيه، قال: أعطي رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قوة أربعين رجلا في الجماع. (بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث-أبو محمد الحارث بن محمد المعروف بابن أبي أسامة (م: ۲۸۲ھ): ۲/ ۸۷۷، كتاب علامات النبوة، باب فيما فضله الله به وأجله صلى الله عليه وسلم، ت: د. حسين أحمد صالح الباكري، ط: مركز خدمة السنة والسيرة النبوية - المدينة المنورة☆انظر: كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال-علاء الدين المتقي الهندي (م: ۹۷۵ھ): ۱۱/ ۳۰۶، رقم: ۳۱۸۹۶، ۳۱۸۹۷، حرف الفاء، ت: بكري حياني-صفوة السقا، ط: مؤسسة الرسالة)

عن مجاهد قال: أعطي رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قوة بضع وأربعين رجلا، كل رجل من أهل الجنة. (بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث: ۲/ ۸۷۸، رقم: ۹۳۴، كتاب علامات النبوة)

(۳) عن زيد بن أرقم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الرجل من أهل الجنة ليعطى قوة مائة رجل في الأكل والشرب والجماع والشهوة... الخ ☆ مصنف ابن أبي شيبة: ۷/ ۳۳، ما ذكر في الجنة وما فيها مما أعد لأهلها، رقم: ۳۳۹۹۴، ط: مكتبة الرشد- رياض☆ مسند الإمام أحمد: ۳۲/ ۱۹، رقم: ۱۹۲۶۹، ط: موسسة الرسالة- بيروت☆ وسنن الدارمي: ۳/ ۱۸۶۵، رقم: ۲۸۶۷، باب: في أهل الجنة ونعيمها. ط: دار المغني-السعودية)

(۴) الآثار-أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصاري (م: ۱۸۲ھ): ۵۷، رقم: ۲۸۳، باب السهو، ت: أبو الوفا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆ المعجم الكبير-أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۲۰/ ۴۲۰، رقم: ۱۰۱۲)

جسے یادِ الٰہی میں اس قدر مزہ آرہا ہو، اُسے تفریح کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار

۷۷-سوال: کیا ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ملک کا سفر فرمایا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ جہاد کے علاوہ اور کوئی سفر نہیں فرمایا، جہاد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر [۱] (جسے اب خُبر کہا جاتا ہے) اور تبوک [۲] (جو ملک شام کی جانب ہے) کا سفر کرنا ثابت ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۱۹] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ اور خچر پر سواری کرنا

۷۸-سوال: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے علاوہ گھوڑے یا خچر پر سواری فرمائی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے علاوہ گھوڑے اور خچر پر بھی سواری فرمائی ہے، گھوڑوں کے رنگ اور خصوصیات کے اعتبار سے اُن کے نام بھی روایات میں مذکور ہیں، ایک روایت میں دس اور دوسری میں

---

(۱) فقال معاذ: غزونا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- خيبر، فأصبنا فيها غنما، فقسم فينا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- طائفة، وجعل بقيتها في المغنم. (سنن أبي داؤد،ص:۳۷۰، رقم: ۲۷۰۷، كتاب الجهاد، باب في بيع الطعام إذا فضل عن الناس في أرض العدو، ط: البدر- ديوبند*السنن الكبرى-أبوبكر البيهقي(م:۴۵۸ھ): ۹/ ۱۰۳، رقم: ۱۸۰۰۳، كتاب السير، باب ما فضل في يده من الطعام والعلف في دار الحرب، ط:دار الكتب العلمية-بيروت)

(انظر مسند الشاميين-أبو القاسم الطبراني (م:۳۶۰ھ): ۲/ ۱۸۳، رقم: ۱۱۵۴، ط:مؤسسة الرسالة-بيروت)

(۲) عن أبي حميد الساعدي، قال: غزونا مع النبي -صلى الله عليه وسلم- غزوة تبوك، ... الحديث. (صحيح البخاري:۱/ ۲۰۰، رقم:۱۴۸۱، كتاب الزكاة، باب خرص التمر، ط:البدر-ديوبند)

عن مصعب بن سعد عن أبيه أن رسول الله-صلى الله عليه وسلم- خرج إلى تبوك، واستخلف عليا ... الحديث. (صحيح البخاري:۲/ ۶۳۳، رقم:۴۴۱۶، كتاب المغازي، باب غزوة تبوك وهي غزوة العسرة، ط:البدر-ديوبند)

پندرہ گھوڑوں پر سواری کا بیان ہے۔ (زاد المعاد: ۱/ ۳۴)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات

[۲۰] حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پنکھا

۷۹-سوال: کیا گرمی کی شدت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنکھے کا استعمال کیا ہے؟ اگر استعمال منقول ہے، تو وہ پنکھا کیسا تھا؟

الجواب حامداومصلیا:

جواب: پنکھے کے متعلق احادیث میں کہیں کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"ما بین بیتي و منبري روضة من ریاض الجنة". (۲)

یعنی میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغات میں کا ایک ٹکڑا ہے، اب غور کیجئے کہ جب جنت میں گرمی نہیں ہے، تو اس جگہ بھی گرمی نہیں ہوسکتی، لہذا پنکھے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم (یعنی تمام گناہوں سے پاک) تھے، علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معصوم ہونے کی وجہ سے جنتی آدمی کی طرح دنیا میں بھیجا گیا

---

(۱) فمن الخيل: السكب. قيل: وهو أول فرس ملكه، وكان اسمه عند الأعرابي الذي اشتراه منه بعشر أواق الضرس، وكان أغر محجلا طلق اليمين كميتا. وقيل كان أدهم.ــــــ والمرتجز، وكان أشهب وهو الذي شهد فيه خزيمة بن ثابت. ــــــ واللحيف، واللزاز، والظرب، وسبحة، والورد. فهذه سبعة متفق عليها، . . . وقيل: كانت له أفراس أخر خمسة عشر، ولكن مختلف فيها، وكان دفتا سرجه من ليف.
وكان له من البغال دلدل، وكانت شهباء أهداها له المقوقس. وبغلة أخرى. يقال لها: "فضة". أهداها له فروة الجذامي، وبغلة شهباء أهداها له صاحب أيلة، وأخرى أهداها له صاحب دومة الجندل، وقد قيل: إن النجاشي أهدى له بغلة فكان يركبها.ــــــ ومن الحمير عفير وكان أشهب، أهداه له المقوقس ملك القبط، وحمار آخر أهداه له فروة الجذامي. وذكر أن سعد بن عبادة أعطى النبي صلى الله عليه وسلم حمارا فركبه. (زاد المعاد في هدي خير العباد - ابن القيم الجوزية (م:۷۵۱ھ): ۱/ ۱۲۸ - ۱۲۹، فصل في دوابه صلى الله عليه وسلم، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

(۲) صحيح البخاري: ۱/ ۱۵۹، رقم: ۱۱۹۵، كتاب العمل في الصلاة، باب فضل ما بين القبر والمنبر، عن عبد الله بن زيد المازني، ط: البدر- ديوبند ☆ انظر صحيح مسلم، رقم: ۵۰۰- (۱۳۹۰) و ۵۰۱- (۱۳۹۰) باب ما بين القبر والمنبر روضة من رياض الجنة ☆ سنن الترمذي، رقم: ۳۹۱۶، أبواب المناقب، باب ما جاء في فضل المدينة)

تھا۔ (۱) اور جنتی کو جنت میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نہایت سادہ تھی، جو امت کے لیے سادگی کا سبق تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سادگی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی کہ روایات میں منقول ہے کہ سخت کھردرے بچھونے کے اثرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر نمایاں بھی ہوجاتے۔ (۲) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نرم گدا یا تکیہ وغیرہ استعمال نہیں فرمایا، لہٰذا پنکھے کے استعمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط، واعلم بالصواب۔

[۲۱] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرم پانی استعمال کرنا

۸۰-سوال: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی گرم پانی سے غسل فرمایا ہے؟ اور وہ گرم پانی کتنا ہوتا تھا؟

الجواب حامداومصلیا:

پانی کے گرم ہونے کی صراحت میری نظر سے نہیں گذری ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں دو رطل پانی استعمال فرماتے تھے۔ (ابوداود: ۱/ ۱۳، ترمذی: ۱/ ۹) [۳]

اور غسل میں آٹھ رطل پانی استعمال فرماتے تھے۔ (ابوداود: ۱/ ۱۳، بخاری: ۱/ ۳۹، ترمذی: ۱/ ۹) [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) لم أجده.

(۲) الحديث طويل، والجزء المقصود منه ... فلما بلغت حديث أم سلمة تبسم رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وإنه لعلى حصير ما بينه وبينه شيء، وتحت رأسه وسادة من أدم حشوها ليف، وإن عند رجليه قرظا مصبوبا، وعند رأسه أهب معلقة، فرأيت أثر الحصير في جنبه فبكيت، فقال: »ما يبكيك؟« فقلت: يا رسول الله إن كسرى وقيصر فيما هما فيه، وأنت رسول الله، فقال: »أما ترضى أن تكون لهم الدنيا ولنا الآخرة«. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۳۰، رقم: ۴۹۱۳، كتاب التفسير، باب قوله تعالى: قد فرض الله... الخ، ط: البدر-ديوبند)

(۳) عن أنس، قال: كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يتوضأ بإناء يسع رطلين، ويغتسل بالصاع. قال أبو داود: ... وسمعت أحمد بن حنبل، يقول: الصاع خمسة أرطال، وهو صاع ابن أبي ذئب، وهو صاع النبي صلى الله عليه وسلم. (سنن أبي داود: ۱/ ۱۳، رقم: ۹۵، كتاب الطهارة، باب ما يجزئ من الماء في الوضوء، ط: البدر-ديوبند)

(سنن الترمذي: ۱/ ۱۸، رقم: ۵۶، أبواب الطهارة، باب الوضوء من المد، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(۴) المصادر السابقة.

قال سمعت أبا سلمة يقول دخلت أنا وأخو عائشة على عائشة فسألها أخوها عن غسل النبي -صلى الله عليه وسلم- فدعت بإناء نحوا من صاع، فاغتسلت وأفاضت على رأسها وبيننا وبينها حجاب. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۹، =

[۲۲] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شکار

۸۱-سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی جانور کا شکار کیا تھا؟ اگر کیا تھا، تو کون سے ہتھیار سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شکار کے متعلق روایات میں کوئی ثبوت نہیں ملتا؛ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اونٹ کی قربانی فرمائی ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے وضو فرما کر مسجد جاتے تھے

۸۲-سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو گھر میں کرنے کے بعد مسجد میں جاتے تھے، یا مسجد میں وضوء فرماتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ گھر سے وضو کر کے مسجد تشریف لاتے، اُس وقت عام مسجدوں میں یا مسجدِ نبوی کے باہر وضو کے لیے کوئی باقاعدہ نظم نہیں تھا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا

۸۳-سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ و نصیحت کے لیے کوئی وقت مقرر فرمایا تھا؟

=رقم:۲۵۱، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه، ط: البدر - دیوبند)

(وانظر: صحيح مسلم: ۱/۱۴۸، رقم: ۵۱-(۳۲۵)، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة... الخ ☆ سنن النسائي، رقم: ۳۲۶، كتاب المياه، باب القدر الذي يكتفي به الإنسان من الماء للوضوء والغسل)

(۱) في حديث طويل: ثم انصرف إلى المنحر، فنحر ثلاثا وستين بيده، ثم أعطى عليا، فنحر ما غبر. (صحيح مسلم: ۱/۳۹۹، رقم: ۱۴۷-۱۲۱۸، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند)

نوٹ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈھے کی قربانی کرنا بھی ثابت ہے، ملاحظہ ہو:

عن أنس قال ضحى النبي - صلى الله عليه وسلم - بكبشين أملحين، فرأيته واضعا قدمه على صفاحهما، يسمي ويكبر فذبحهما بيده. (صحيح البخاري، رقم: ۵۵۵۸، كتاب الأضاحي، باب من ذبح الأضاحي بيده، ط: البدر - ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وعظ ونصیحت کے لیے آپ ﷺ کی جانب سے کوئی وقت مقرر نہیں تھا، امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں اس کے متعلق دو باب قائم فرمائے ہیں:

(۱) باب ما كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يتخولهم بالموعظة والعلم، كي لا ينفروا. (۱)

(۲) باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة. (۲)

پہلے باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابۂ کرامؓ سے متعدد روایات منقول ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرامؓ کے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے کچھ دن ناغہ کرتے اور کچھ دن نصیحت فرماتے تھے۔ (۳) دوسرے باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ان سے ایک تلمیذ نے یہ درخواست کی کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے روزانہ نصائح سنیں، تو آپؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے کچھ دن ناغہ کرتا ہوں، جیسا کہ آپ ﷺ بھی اسی طرح ہمارے نشاط کا خیال رکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ (۴) واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲۵] حضور ﷺ کا بنیان پہننا ثابت نہیں ہے

۸۴-سوال: کیا آپ ﷺ بنیان پہنتے تھے؟

---

(۱) صحيح البخاري: ۱/ ۱۶، ط: البدر - ديوبند.

(۲) المصدر السالف.

(۳) عن ابن مسعود قال: كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يتخولنا بالموعظة في الأيام، كراهة السآمة علينا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶، رقم: ۶۸، كتاب العلم، باب: ما كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يتخولنا ... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۴) عن أبي وائل، قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن لوددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي -صلى الله عليه وسلم- يتخولنا بها، مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶، رقم: ۷۰، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة، ط: البدر - ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بنیان پہننا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] حضور ﷺ سے لنگوٹ پہننا ثابت نہیں ہے

۸۵-سوال: کیا آپ ﷺ چڈی یا لنگوٹ پہنتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چڈی یا لنگوٹ پہننا بھی ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] حضور ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا

۸۶-سوال: رسول اللہ ﷺ کون سی نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ ﷺ نے بہ حالت مرض فرض نماز بیٹھ کر پڑھی ہے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کمزور ہو گئے تھے، تو بیٹھ کر نوافل پڑھتے تھے۔ (بخاری شریف)[۱]

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔[۲] لیکن آپ ﷺ نے تعلیم امت کے خاطر بھی بیٹھ کر نماز پڑھی ہے، لہٰذا آپ ﷺ کو اُس نماز کا پورا ثواب ملے گا۔[۳] وتر کے

---

(۱) عن عائشة أم المؤمنين أنها قالت: صلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- في بيته وهو شاك، فصلى جالسا وصلى وراءه قوم قياما، فأشار إليهم أن اجلسوا، فلما انصرف قال: »إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا ركع، فاركعوا، وإذا رفع، فارفعوا، وإذا صلى جالسا، فصلوا جلوسا«. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۵، رقم الحديث: ۶۸۸، كتاب الأذان، باب: إنما جعل الإمام ليؤتم به... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن عمران بن حصين، قال: سألت النبي -صلى الله عليه وسلم- عن صلاة الرجل وهو قاعد، فقال: »من صلى قائما فهو أفضل، ومن صلى قاعدا فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائما فله نصف أجر القاعد«. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۵۰، رقم: ۱۱۱۶، كتاب تقصير الصلوة، باب صلاة القاعد بالإيماء، ط: البدر - ديوبند)

(۳) يستثنى منه صاحب الشرع -صلى الله عليه وسلم- كما ورد عنه صلى الله عليه وسلم؛ فإن أجر صلاته قاعدا كأجر صلاته قائما، فهو من خصوصياته. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد الطحطاوي الحنفي (۱۲۳۱هـ)، ص: ۴۰۳، فصل في صلاة النفل جالسا... الخ، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

بعد کی دو رکعات کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان کو اگر کوئی اس نیت سے بیٹھ کر پڑھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھی ہے، تو اُسے پورا ثواب ملے گا۔ (۱) اور بعض فرماتے ہیں کہ اُسے آدھا ثواب ملے گا۔ (۲) واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۲۸] کیا نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا؟

۸۷-سوال: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں کوئی صحیح روایت ثابت نہیں ہے، اور جس روایت سے ثابت ہے، وہ روایت مرسل اور ضعیف ہے، مزید تفصیل کے لیے مطالعہ کریں: (فتاویٰ دارالعلوم :۵-۶/۱۰۶-۱۰۵)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اگر کوئی متبع سنت وتر کے بعد کی دو رکعات گاہے گاہے اس نیت سے بیٹھ کر پڑھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ادا فرماتے تھے، تو عجب نہیں کہ اُس کو اُس کی نیت کے مطابق پورا اجر وثواب ملے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۲۲۴، کتاب الصلوۃ، باب النوافل والسنن، ط: دارالاشاعت کراچی)

یہی رجحان حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، مالا بدمنہ میں ہے: "وبعد وتر دو رکعات نشستہ خواندن مستحب است"۔ (مالا بدمنہ، کتاب الصلوۃ، فصل در نوافل)

اور یہی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کی رائے ہے، فیض الباری میں ہے:

و ركعتين جالسا ... أن الجلوس فيهما اتفاقي أو قصدي؟ فاختار النووي رحمه الله تعالى الأول، وعندي المختار هو الثاني؛ لأنهما لم تثبتا عنه قائما قط. فحمل فعله في جميع عمره على الاتفاق مما يصادم البداهة. (فيض الباري: ۲/ ۴۲۶، كتاب التهجد، باب المداومة على ركعتي الفجر، ط: تحت إشراف المجلس العلمي بدابيل-سورت)

(۲) انظر رقم الهامش: (۲)، ص: ۱۶۳۔

(۳) حضرت تھانوی فرماتے ہیں: "سایہ نہ ہونے کی ایک روایت صریح بھی نہ گزری، صرف بعض نے "واجعلنی نورا" سے استدلال کیا ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ سایہ ظلمت ہے، مگر ضعف اس کا ظاہر ہے، شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ابر رہنا اس کی اصل ہو؛ کیوں کہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ سایہ نہ ہوگا؛ لیکن خود صحاح میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر بعض اوقات سفر میں صحابہ کپڑے کا سایہ کیے ہوئے تھے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابر کا رہنا بھی دائمی نہ تھا۔ (امداد الفتاوی-مولانا اشرف علی تھانوی (م: ۱۳۸۰ھ): ۵/ ۴۱۱، کتاب العقائد والکلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی تحقیق، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

سایہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکمل ومدلل تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیں، کفایت المفتی: ۱/ ۸۶، ۸۷، کتاب العقائد، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کی تحقیق، ط: دارالاشاعت، کراچی۔

[۲۹] کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا سایہ زمین پر پڑتا تھا

۸۸-سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیا یہ صحیح بات ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کی خصوصیات میں یہ ہے کہ دھوپ اور چاندنی رات میں آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا؛ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''مدارج النبوۃ''[۱] میں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''خصائص کبریٰ''[۲] میں اور ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب ''شرح شفاء''[۳] میں لکھا ہے، ان کی تحریر کا مدار دو احادیث پر ہے، جن میں ایک روایت حکیم ترمذی کی ہے، ان کی اس روایت میں ایک راوی (عبد الملک بن عبد اللہ بن الولید) کے متعلق ''نوادر العلوم'' میں لکھا ہے کہ وہ مجہول ہے اور دوسرے راوی (عبدالرحمان بن قیس)[۴] مطعون (جن کے

---

(۱) مدارج النبوۃ ۱/۲۶۔

(۲) اخرج الحكيم الترمذي عن ذكوان أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لم يكن يرى له ظل في شمس، ولا قمر. قال ابن سبع من خصائصه أن ظله كان لا يقع على الأرض، وأنه كان نورا، فكان إذا مشى في الشمس، أو القمر، لا ينظر له ظل. قال بعضهم: ويشهد له حديث قوله -صلى الله عليه وسلم -في دعائه واجعلني نورا. (الخصائص الكبرى- عبد الرحمان بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م:۹۱۱ھ): ۱/۱۱۶، ذكر المعجزات والخصائص في خلقه الشريف صلى الله عليه وسلم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۳) (حتى أظلته وما ذكر) أي ومن ذلك ما ذكره الحكيم الترمذي في نوادر الأصول عن عبد الرحمن بن قيس وهو مطعون عن عبد الملك بن عبد الله بن الوليد وهو مجهول عن ذكوان (من أنه كان لا ظل لشخصه في شمس ولا قمر لأنه كان نورا) أي بنفسه والنور لا ظل له لعدم جرمه، وهذا معنى ما في النوادر، ولفظها لم يكن له ظل في شمس، ولا قمر ونقله الحلبي عن ابن سبع أيضا. (شرح الشفا- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱/ ۷۵۵، فصل: ومن ذلك ما ظهر من الآيات عند مولده عليه الصلاة والسلام، ط: دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ)

(۴) عبد الرحمن بن قيس الضبي بصري يعرف بأبي معاوية الزعفراني. عبد الله بن أحمد سألت أبي عن عبد الرحمان بن قيس الزعفراني، فقال ليس بشيء، كان جار الحماد بن مسعدة يحدث، عن ابن عون قد رأيته بالبصرة، وقدم علينا إلى بغداد وكان واسطيا، وليس حديثه بشيء حديثه حديث ضعيف، ثم خرج إلى نيسابور، وهو متروك الحديث. (الكامل في ضعفاء الرجال- أبو أحمد بن عدي الجرجاني (م: ۳۶۵ھ): ۵/ ۴۷۳، ت: عادل أحمد عبد الموجود - علي محمد معوض، ط: الكتب العلمية - بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م)

دینی امور ٹھیک نہ ہو) ہے؛ دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ہے، جس کو علامہ خفاجی نے ''شرح شفاء'' میں نقل کیا ہے۔ (۵) لیکن اس کی سند کے متعلق معلومات نہ ہو سکی۔ (کفایت المفتی: ۱/۶۷) [۶]

اس لیے اس مسئلہ میں صحیح حدیث کے نہ ہونے کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا ہے، اگر مذکور بات صحیح ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اصحاب اس کو بیان کرتے، لہٰذا اس مسئلہ میں زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں ہے؛ اگر کوئی کہتا ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا'' تو یہ ضعیف روایت کی روشنی میں ہوگا اور اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے، تو اس سے کفر لازم نہیں آئے گا؛ کیوں کہ صحیح احادیث سے یہ ثابت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۱/۲/۱۹۷۷ء

[۳۰] موئے مبارک کی زیارت کرنا

۸۹-سوال: بہت سے لوگ موئے مبارک کی زیارت کرتے ہیں ان کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ بال حقیقۃً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور صحیح سند ہو، تو زیارت کرنا جائز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر حلق کروا کر ایک جانب کے بال حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیے تھے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیے تھے اور ان سے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تک پہونچے تھے۔ اور دوسری جانب کے بال دوسرے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرمائے تھے۔ (بخاری شریف)۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۵) وفي حديث ابن عباس قال: لم يكن لرسول الله - صلى الله عليه وسلم - ظل، ولم يقم مع شمس قط إلا غلب ضوءه ضوء الشمس، ولم يقم مع سراج قط إلا غلب ضوءه ضوء السراج، ذكره ابن الجوزي. (جمع الوسائل في شرح الشمائل - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱/۱۷۶، باب ما جاء في مشية رسول الله صلى الله عليه وسلم، ط: المطبعة الشرفية - مصر)

(۶) کفایت المفتی - مفتی کفایت اللہ، دہلوی: ۱/۸۶، ۸۷، کتاب العقائد، دوسرا باب: انبیاء علیہم السلام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کی تحقیق، ط: دار الاشاعت، کراچی۔

(۱) عن ابن سيرين، قال: قلت لعبيدة «عندنا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم أصبناه من قبل أنس أو من قبل أهل أنس، فقال: لأن تكون عندي شعرة منه أحب إلي من الدنيا وما فيها. (صحيح البخاري: ۱/۲۹، رقم الحديث: ۱۷۰، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، ط: البدر - ديوبند)

عن ابن سيرين، عن أنس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم «لما حلق رأسه كان أبو طلحة أول من أخذ من شعره. (صحيح البخاري: ۱/۲۹، رقم الحديث: ۱۷۱، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، ط: البدر - ديوبند) =

[۳۱] ابوجہل آپ ﷺ کا چچا نہیں تھا

۹۰-سوال: کیا ابوجہل آپ ﷺ کا حقیقی چچا تھا یا آپ ﷺ کے خاندان میں ہونے کی وجہ سے کسی دور کے رشتے سے چچا تھا؟

الجواب حامداومصلیا:

ابو لہب تو نبی کریم ﷺ کا حقیقی چچا تھا؛ لیکن ابوجہل چچا نہیں تھا، اس کا نسب نبی ﷺ کے پردادا کے اوپر سے ملتا ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

=فإن النبي - صلى الله عليه وسلم - حلق رأسه وأعطى نصفه لأبي طلحة، ونصفه قسمه بين الناس. (الفتاوى الكبرى - أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي (م:۷۲۸هـ):۱/ ۲۷۳، كتاب الطهارة، مسألة في السواك وتسريح اللحية في المسجد، ط: دار الكتب العلمية)

فتاوی رحیمیہ - (م: ۱۴۲۲ھ): ۳/ ۴۰-۴۲، کتاب الانبیاء والاولیاء، ط: دار الاشاعت، کراچی۔

(۱) واسم أبي جهل عمرو بن هشام بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم بن يقظة بن مرة بن كعب بن لؤي =القرشي المخزومي. (الاستيعاب في معرفة الأصحاب - أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (م: ۴۶۳هـ): ۳/ ۱۰۸۲، عكرمة بن ابي جهل، ط: دار الجيل - بيروت)

محمد بن عبد الله بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصي بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤي بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر بن كنانة بن خزيمة بن مدركة بن إلياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان. إلى هنا معلوم الصحة. (مختصر سيرة الرسول صلى الله عليه وسلم - محمد بن عبد الوهاب بن سليمان التميمي النجدي (م:۱۲۰٦، قصة الفيل، ط: وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف - المملكة العربية السعودية)

پیش نظر عبارت سے واضح ہے کہ ابوجہل کا نسب ساتویں پشت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، اسی لیے کسی بھی معتبر سیرت کی کتاب میں آپ ﷺ کے چچا کے ناموں میں ابوجہل کا نام مذکور نہیں ہے۔

وكان له اثنا عشر عما بنو عبد المطلب أبوه صلى الله عليه وسلم ثالث عشرهم: الحارث وأبو طالب واسمه عبد مناف والزبير ويكنى أبا الحارث وحمزة وأبو لهب واسمه عبد العزى والغيداق والمقوم وضرار والعباس وقثم وعبد الكعبة وحجل ويسمى المغيرة، وقيل كانوا إحدى عشر فأسقط المقوم، وقيل هو عبد الكعبة، وقيل عشرة وأسقط الغيداق وحجلا، وقيل تسعة، ولم يذكر ابن قتيبة وابن إسحق وأبو سعيد غيره فأسقط قثم. (ذخائر العقبى في مناقب ذوى القربى - محب الدين أحمد بن عبد الله الطبري (م: ۶۹۴هـ) ص: ۱۷۲، أولاد عبد المطلب بن هاشم، ط: مكتبة القدسي - القاهرة)

[۳۲] ''نام احمد تو وہ نام ہے'' ان اشعار کا پڑھنا کیسا ہے؟

۹۱-سوال: ہمارے یہاں ایک مدرسہ کے جلسہ میں ایک نعت پڑھی جاتی ہے، اس میں کچھ اشعار میں مستقبل کا زمانہ مذکور ہے جو آپ ﷺ کے بارے میں ہے؛ اس لیے ان اشعار کو پڑھنا کیسا ہے؟

نام احمد تو وہ نام ہے اگر		بے ارادہ بھی منہ سے نکل جائے گا
راہ کے سنگ ریزے بکھر جائیں گے		اھل بے داد کا دل پگھل جائے گا
آمنہ کی گود ذرا بھرنے تو دو		ساری دنیا کا نقشہ بدل جائے گا
سنتے ہی آیت بت شکن کی خبر		کفر ایمان کے سائے میں ڈھل جائے گا

آگے نعت بہت لمبی ہے، اس میں خط کشیدہ شعر مستقبل کو بتاتا ہے، حالاں کہ آپ کی پیدائش ہو چکی ہے، اس میں انکار نبوت کا شائبہ تو نہیں ہے، لہٰذا ان اشعار کا پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ اشعار میں انکار نبوت کا شائبہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ وہ حقیقت بن چکی ہے اور شاعر نے نبی کریم ﷺ کی شان کا مطالعہ کر کے جو تورات اور انجیل میں لکھا ہے، ان دونوں زمانوں (زمانہ جاہلیت اور حضور ﷺ کی بعثت کے بعد) کا نقشہ کھینچا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] کیا آپ ﷺ کے گھر میں سال بھر کی جو تھی؟

۹۲-سوال: بعد از سلام آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا حضور ﷺ کے گھر میں پورے سال کی جو بھری ہوئی تھی یا نہیں؟ ایک شخص نے یوں بیان کیا تھا کہ حضور ﷺ کے گھر میں کسی وقت پورے سال کا اناج بھرا ہوا تھا؛ لہٰذا اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ اس شخص نے حدیث بیان کی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ ﷺ کے مبارک گھر میں سال کا نہیں، مہینہ کا نہیں، ہفتہ کا بھی نہیں، حتی کہ شام کے

کھانے کے لیے اناج نہیں ہوتا تھا۔[۱] وقت پر اللہ تعالیٰ جو دیتے، اسے کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، یا فاقہ کشی کرتے؛ البتہ ازواج مطہرات کا خرچ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ فرض تھا؛ اس لیے ہر بیوی کو ان کا سال بھر کا نان ونفقہ دے دیتے تھے؛ لیکن وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی برکت سے سارا مال صدقہ وخیرات کر دیتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اسٹاک نہیں کیا، بل کہ جو کچھ آ جاتا، اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ وخیرات کر دیتے تھے۔[۲] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۳۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی ضروریات کے تمام طریقے بیان کر دیے ہیں

۹۳-سوال: اکثر علماء سے سنا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے زندگی کے ہر شعبہ کا عمل بتلا دیا ہے؛ حتی کہ بیت الخلاء میں آنے جانے کا طریقہ بھی بتلا دیا ہے، تو اب سوال ہے کہ سردی یا گرمی میں پیشاب کس طرح سے کیا جائے؟ اس کا طریقہ بیان فرمادیں۔

الجواب حامداومصليا:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو زندگی کے ہر شعبے کا طریقہ بتلا دیا ہے؛ لیکن پیشاب کا طریقہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کر کے بتاتے، تو ناجائز امر کا ارتکاب لازم آتا، اس لیے کہ اس میں کشف ستر ہے اور یہ حرام ہے اور اگر زبان سے بیان کرتے، تو اس کو سمجھنا دشوار ہوتا؛ لہٰذا اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول بتادیا کہ گرمی ہو یا سردی بہر صورت اس طریقہ پر پیشاب کیا جائے کہ اس کے چھینٹے بدن یا کپڑے پر

---

(۱) عن أنس رضي الله عنه: أنه مشى إلى النبي صلى الله عليه وسلم بخبز شعير، وإهالة سنخة، ولقد «رهن النبي صلى الله عليه وسلم درعا له بالمدينة عند يهودي، وأخذ منه شعيرا لأهله» ولقد سمعته يقول: «ما أمسى عند آل محمد صلى الله عليه وسلم صاع بر، ولا صاع حب، وإن عنده لتسع نسوة. (صحيح البخاري: ۲۷۸/۱، رقم الحديث: ۲۰۶۹، كتاب البيوع، باب شراء النبي صلى الله عليه وسلم بالنسيئة، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن عمر، قال: «كانت أموال بني النضير مما أفاء الله على رسوله، مما لم يوجف عليه المسلمون بخيل ولا ركاب، فكانت للنبي صلى الله عليه وسلم خاصة، فكان ينفق على أهله نفقة سنة، وما بقي يجعله في الكراع والسلاح، عدة في سبيل الله. (صحيح المسلم: ۸۹/۲، رقم الحديث: ۴۸-(۱۷۵۷)، كتاب الجهاد والسير، باب الفيء، ط: البدر - ديوبند)

قال الإمام النووي في شرح الحديث المذكور: وقوله ينفق على أهله نفقة سنة أي يعزل لهم نفقة سنة ولكنه كان ينفقه قبل انقضاء السنة في وجوه الخير فلا تتم عليه السنة ولهذا توفي صلى الله عليه وسلم ودرعه مرهونة على شعير استدانه لأهله ولم يشبع ثلاثة أيام تباعا وقد تظاهرت الأحاديث الصحيحة بكثرة جوعه صلى الله عليه وسلم وجوع عياله. (المصدر السابق)

نہ اڑیں، جیسا کہ مشکوۃ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، اور نرم زمین پر حاجت پوری فرمائی، پھر قضائے حاجت سے واپس لوٹے، تو فرمایا: جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے آئے، تو ایسی ہی جگہ حاجت پوری کرے۔[1] مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ پیشاب ایسی جگہ کیا جائے کہ اپنے بدن یا کپڑے پر چھینٹے نہ اڑنے پائیں؛ اس لیے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **استنزهوا من البول فإن عامة عذاب القبر منه.**[2] واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(١) لما قدم عبد الله بن عباس البصرة، فكان يحدث عن أبي موسى، فكتب عبد الله إلى أبي موسى يسأله عن أشياء، فكتب إليه أبو موسى: إني كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فأراد أن يبول، فأتى دمثا في أصل جدار فبال، ثم قال صلى الله عليه وسلم: "إذا أراد أحدكم أن يبول فليرتد لبوله موضعا". (سنن ابی داؤد، ص: ٢، رقم الحديث: ٣، كتاب الطهارة، باب الرجل يتبوأ لبوله، ط: البدر - ديوبند)

مشكاة المصابيح، ص: ٤٢، رقم الحديث: ٣٤٥، كتاب الطهارة، باب اداب الخلاء، الفصل الثاني، ط: فيصل - ديوبند.

(٢) سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي البغدادي الدارقطني (م: ٣٨٥هـ): ١/ ٢٣٢، رقم الحديث: ٤٦٤، كتاب الطهارة، باب نجاسة البول، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ. (۴۰-غافر:۷۸)

باب الأنبياء وأتباعهم

(انبیاء کرام اور ان کے متبعین)

٥

انبیاء کرام اور ان کے متبعین

[۱] کیا ہندو مذہب کے پیشوا رام اور لکشمن نبی تھے؟

۹۴-سوال: ہندو مذہب کی مقدس ہستی ''شری رام چندر جی'' اور ''شری لکشمن'' نبی تھے؟ اگر تھے، تو کس زمانے میں تھے، بعض حضرات ان کو نبی ماننے پر اصرار کرتے ہیں، اس سلسلے میں ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے ان کا نبی ہونا ثابت نہیں ہے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء انسانوں کی ہدایت کے لیے آئے''۔ (حدیث)[۱] قرآن کریم میں

---

(۱) قال: قلت: يا رسول الله، كم وفى عدة الأنبياء؟ قال: "مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا الرسل من ذلك ثلاث مائة وخمسة عشر جما غفيرا". (مسند أحمد: ۳۶/۶۱۹، رقم: ۲۲۲۸۸، حديث أبي أمامة الباهلي، ورواه الطبراني في المعجم الكبير، برقم: ۷۸۷۱، والبيهقي في السنن الكبرى برقم: ۱۷۷۱۱، والجزء الاخيرة عنده: قلت: كم المرسلون منهم؟ قال ثلاثمائة وثلاثة عشر، وفي شعب الإيمان، برقم: ۱۳۱)

وورد في مسند أحمد أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الانبياء، فقال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا، والرسل منهم ثلث مائة وثلاثة عشر، أولهم ادم وأخرهم محمد - صلى الله عليه وسلم - وهو لاينافي قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾. فإن ثبوت الاجمال لاينافي تفصيل الأحوال، نعم الأولى أن لا يقتصر على الأعداد؛ فإن الاحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد؛ بل يجب كما قال الله تعالى: ﴿كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ﴾. أن يؤمن إيمانا إجماليا من غير تعرض لتعدد الصفات، وعدد=

ہے کہ ہر قوم میں نبی ان کی زبان میں بھیجا گیا۔ (قرآن کریم)[1]

اب قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں غور کرنے سے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں لوگوں کی ہدایت کے لیے کیا انبیاء کرام کی بعثت ہوئی یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء فرماتے ہیں کہ ہندو حضرات جن کو بزرگ مانتے ہیں، ان کی تعلیم میں بھی سچائی، ہمدردی اور خدا کی بندگی کی تعلیمات موجود ہیں اور قرآن کریم میں ہے کہ امم سابقہ نے اپنے نبیوں کی تعلیم کو بدل دیا ہے۔[2] اس لیے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ بھی نبی ہو؛ لیکن یقینی طور پر ان کی نبوت کا ثبوت نہیں ہے، اس لیے ان کے تعلق سے کفِ لسان (کسی طرح کا تبصرہ کرنے سے پرہیز کرنا) لازم ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲] کیا شری کرشن اور گوتم بودھ نبی تھے؟

۹۵-سوال: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: { ولکل أمة رسول } ہر امت میں اللہ پاک نے پیغمبر بھیجے ہیں۔ (۱۰-یونس: ۴۷)

سورۂ ابراہیم (آیت: ۴) میں ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ.

''میں نے (اللہ نے) تمام قوموں اور امتوں میں صحیح راستہ بتلانے کے لیے انہیں کی زبان میں پیغمبروں کو بھیجا ہے؛ تاکہ وہ پیغمبران ہی کی زبان میں (حق کی باتیں) کھول کھول کر سمجھا سکیں''۔

ان آیات کے پیش نظر یقیناً ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں بھی کوئی نہ کوئی نبی ضرور تشریف لائے ہوں گے؛ اور اس ملک کو توحید کی تعلیم سے روشناس کرایا ہوگا، اس لیے امکان ہے کہ شری کرشن اور گوتم بودھ (ذوالکفل) پیغمبر ہوں۔

مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری اپنی کتاب ''شری ویدیک درشن'' کے صفحہ/ ۶ پر لکھتے ہیں'' دہلی

=الملائکة، والکتب، والأنبیاء، وأرباب الرسالة من الأصفیاء. (شرح الفقه الأکبر: ص۲۹، یاسر ندیم-دیوبند) (ورسله) بأن تعرف أنهم بلغوا ما أنزل الله إلیهم، وأنهم معصومون، وتؤمن بوجودهم فیمن علم بنص، أو تواتر تفصیلا، وفي غیرهم إجمالا. (مرقاة المفاتیح: ۱/ ۵۸، کتاب الإیمان، ط: دار الفکر، بیروت☆شرح العقائد النسفیة، ص: ۱۳۸، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

(۱) وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ. [۱۴-ابراهیم: ۴]

(۲) مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ. [۴-النساء: ۴۶ و ۵-المائدة: ۱۳]

میں ایک ولی حضرت شاہ عبدالعزیز گذرے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ شری رام چندر جی اور شری کرشن جی بھی پیغمبر تھے، ہمارے زمانے میں مولانا آزاد سبحانی نے ہمیں بتلایا تھا کہ انہوں نے (مولانا سبحانی نے) بہ ذریعہ کشف شری کرشن کو دیکھا ہے، جو سورج کی طرح روشن تھے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ دونوں پیغمبر ہیں یا نہیں؟ کیا ہم انہیں نبی مان سکتے ہیں یا نہیں؟

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بت پرستی کی مخالفت اور توحید کی حمایت کی بھی بہت ساری باتیں مذکور ہیں اور چاروں ویدوں میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس روئے زمین پر پوری قوم کے ایک بڑے رہبر و رہنما بن کر تشریف لائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہر گھر میں پہنچے گا، آپ کے خاص صحابی دس ہوں گے، تین سو تیرہ آپ کے منتخب وفادار فوجی ہوں گے، آپ کی بارہ ازواج (مطہرات) ہوں گی، آپ ریگستان میں پیدا ہوں گے، اونٹ پر سواری کریں گے''۔ اس طرح کی پیشین گوئیاں چاروں ویدوں میں مذکور ہیں؛ لہٰذا ممکن ہے کہ یہ وید بھی کوئی ہندوستان میں پیدا ہونے والے سنکرت زبان والے پیغمبر کا کلام ہو، تو وید کی ایسی باتیں، جو اسلام سے قریب ہوں، کیا ان کی تعلیم دی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بات تو صحیح ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں پیغمبر آئے ہیں، تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے ہیں، ان میں سے تین سو تیرہ رسالت کے درجہ پر فائز تھے۔ (۱)

قرآن وحدیث میں ان میں سے صرف بعض کے ناموں کا تذکرہ ہے، بعض کے نام اور مقام کو نہیں بتلایا گیا۔ (۲)

---

(۱) قال: قلت: یا رسول اللہ، کم وفی عدة الأنبیاء؟ قال: "مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا الرسل من ذلك ثلاث مائة و خمسة عشر جما غفیرا". (مسند أحمد: ٦٩١٩/٣٦، رقم: ٢٢٢٨٨، حدیث أبي أمامة الباهلي، ورواه الطبراني في المعجم الكبير، برقم: ٧٨٧١، والبيهقي في السنن الكبرى برقم: ١٧٧١١، والجزء الاخيرة عنده: قلت: كم المرسلون منهم؟ قال ثلاثمائة وثلاثة عشر، وفي شعب الإيمان، برقم: ١٣١)

(۲) إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَـٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ [النساء: ١٦٣-١٦٥]

مگر کسی بھی شخص کو اللہ کا نبی و پیغمبر کہہ دینا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے، لہٰذا کسی متعین شخص کو قطعی طور پر نبی و پیغمبر تسلیم کر لینا اس وقت تک درست نہیں، جب تک قرآن وحدیث سے ان کی نبوت و پیغمبری ثابت نہ ہو جائے؛ کیوں کہ جب حلال وحرام اور دین کے دوسرے عقائد بغیر صحیح دلیل کے قابل قبول نہیں ہوتے، تو نبوت جیسے اہم عقیدے کو بغیر ثبوت اور قوی دلیل کے کیسے تسلیم کر لیا جائے۔ (۳)

لہٰذا مجملاً ایمان کافی ہے کہ ہم اللہ کے تمام پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں، کسی خاص شخص کے لیے نبوت ثابت کرنے کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی بلا دلیل اس کی اجازت، اسی طرح کسی خاص شخص سے یقین کے ساتھ نبوت کی نفی کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیزؒ وغیرہ کے حوالہ جات، جو آپ نے دیے ہیں، وہ صحیح ہیں، اس سے انکار نہیں، اس کے علاوہ ایک حوالہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ اور دیگر بزرگان دین کا کشف ہے کہ گنگا ندی جہاں سے نکلتی ہے، اس جگہ کسی نبی کی قبر ہے اور وہاں پانی میں اس کے انوار بھی محسوس ہوتے ہیں۔ (۴)

ممکن ہے ہندوؤں کا گنگا کے پانی کے متبرک ہونے کے بارے میں جو عقیدہ ہے، اس کا تعلق بھی اسی حقیقت کے ساتھ ہو۔ نیز حضرت مرزا جان جاناںؒ نے اپنے مکتوب (خط) میں اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ ہندوؤں کو بھی اہل کتاب کہا جا سکتا ہے۔ (۵) اگر چہ درحقیقت اہل کتاب تو صرف تورات، زبور اور انجیل والے ہی ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے پتہ چلا کہ شری کرشن، گوتم بودھ اور زرتشت کی نبوت کا ہم قطعیت کے ساتھ انکار بھی نہیں کر سکتے اور قطعیت کے ساتھ ان کی نبوت کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتے، بزرگوں کا کشف قطعی دلیل (مضبوط

---

(۳) وورد في مسند أحمد أنه عليه الصلاة والسلام سئل عن عدد الانبياء، فقال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا، والرسل منهم ثلث مائة وثلاثة عشر، أولهم ادم وآخرهم محمد - صلى الله عليه وسلم - وهو لاينافي قوله تعالى: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ. فإن ثبوت الاجمال لاينافي تفصيل الأحوال، نعم الأولى أن لا يقتصر على الأعداد؛ فإن الاحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد؛ بل يجب كما قال الله تعالى: كُلٌّ آمَنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ . أن يؤمن إيمانا إجماليا من غير تعرض لتعدد الصفات، وعدد الملائكة، والكتب والانبياء، وأرباب الرسالة من الأصفياء. (شرح الفقه الأكبر ،ص:۶۹ ،ياسر نديم-ديوبند)

(و رسله) بأن تعرف أنهم بلغوا ما أنزل الله إليهم، وأنهم معصومون، وتؤمن بوجودهم فيمن علم بنص، أو تواتر تفصيلا، وفي غيرهم إجمالا. (مرقاة المفاتيح: ۵۸/۱، كتاب الإيمان، ط: دار الفكر، بيروت☆شرح العقائد النسفية،ص:۱۳۸، ط:ياسر نديم - ديوبند)

(۴-۵) لم أقف عليهما؛ لأن الكتب المتعلقة بهما لم توجد عندي.

دلیل) نہیں ہے کہ جس سے کسی کی نبوت کو ثابت کیا جا سکے، ہاں اہل کشف کے لیے اپنے کشف کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے؛ مگر دوسرے لوگوں کے لیے کشف، حجت (دلیل شرعی) نہیں ہے، وید کے بارے میں بھی صرف اتنا کافی ہے کہ ہم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، وید بھی اگر ان میں سے ہو، تو اس کی حق باتوں پر ہمارا ایمان ہے؛ لہٰذا نہ تو تعظیم کی ضرورت ہے اور نہ توہین کی حاجت۔[۲] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۳] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک واقعہ کی تحقیق

۹۶-سوال: تبلیغی جماعت سے منسلک ایک شخص نے درج ذیل واقعہ بیان کیا ہے:

''ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے دربار میں تشریف لے جارہے تھے، تو ایک مریض نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ کے پاس جارہے ہیں، ان کی خدمت میں میرا اسلام عرض کردیجیے گا اور کہیے گا کہ ''وہ مجھے موت دے دے''۔

موسیٰ علیہ السلام گئے اور اللہ کو اس مریض کا پیغام پہنچایا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس مریض سے کہو کہ ابھی تیری شادی باقی ہے، جب تیری شادی ہوجائے گی، تب تجھے موت آئے گی اور پہلی ہی رات میں تیری بیوی بیوہ ہوجائے گی، تو شادی سے قبل نہیں مرے گا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا کہ کون ہے، جو اس مریض کو اپنی لڑکی دے گا؟ لیکن یاد رہے کہ وہ پہلی ہی رات میں بیوہ ہوجائے گی، ایک لڑکی تیار ہوگئی، لڑکی کے باپ نے انکار کیا، تو لڑکی نے کہا: کہ موسیٰ علیہ السلام پیغام لے کر آئے ہیں، اس لیے انکار کی گنجائش نہیں۔ مجبوراً بیٹی کے باپ راضی ہوگئے۔ پھر لڑکی کی شادی ہوئی، لڑکی شوہر کی خدمت کررہی تھی کہ ایک فقیر آیا، اس نے صدا لگائی، چناں چہ لڑکی اپنا ہار دینے گئی۔ فقیر نے پوچھا: لڑکی! کیوں غمگین ہو؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ''میری آج شادی ہوئی اور آج رات کو ہی میں بیوہ ہوجاؤں گی''۔ اس فقیر نے دعا کی، جس کے نتیجے میں اس کا بیمار شوہر اچھا ہوگیا۔

---

(۲) (وکتبه) أي: ونعتقد بوجود كتبه المنزلة على رسله تفصيلا فيما علم يقينا كالقرآن، والتوراة، والزبور، والإنجيل، وإجمالا فيما عداه، وأنها منسوخة بالقرآن... قيل: الكتب المنزلة مائة وأربعة كتب، منها عشر صحائف نزلت على آدم، وخمسون على شيث، وثلاثون على إدريس، وعشرة على إبراهيم، والأربعة السابقة، وأفضلها القرآن. (مرقاة المفاتيح: ۱/۵۸، كتاب الإيمان، ط: دار الفكر، بيروت☆شرح العقائد النسفية، ص: ۱۳۸، ط: یاسر ندیم- دیوبند)

کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ تبلیغی احباب بہت سی مرتبہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، تو مخالفین کو اختلاف واعتراض کا موقع ملتا ہے۔

الجواب حامداو مصلیا:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی واقعہ ہے، قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "یہودیوں نے تورات کی بہت سی باتوں کو تبدیل کر دیا ہے"۔ [۱] اس لیے ہم نہ تو اس کی تکذیب کریں گے اور نہ ہی تصدیق۔

مذکورہ قصے سے تقدیر پر اشکال واعتراض لازم آتا ہے، تقدیر بدلتی نہیں ہے۔ [۲] فقیر تو موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں۔ اس لیے ماننے کے لائق نہیں۔ آپ کا لکھنا صحیح ہے، بعض جہال ایسے بے اصل قصوں کو بیان کرتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے تبلیغی احباب کو اعتراض کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لوگوں کو اس جانب متوجہ کرنے کی ضرورت ہے، ان کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جائے کہ لوگوں کی ترغیب وترہیب کے لیے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تعلیمات کافی ہیں، بس ان کو ہی بیان کیا جائے اور بے اصل واقعات کو بالکل نہ بیان کیا جائے، کہ اس سے غلط بات کو راہ ملتی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] حضرت داؤد علیہ السلام پر غیر موزوں تبصرہ

۷۹-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس شخص کے بارے میں، جو حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ "ان کا امتحان دراصل اس بات میں تھا کہ انھوں نے ایک دن عبادت کے لیے اس طرح خاص کر لیا تھا کہ اُس دن وہ مخلوق سے بے تعلق ہوجاتے تھے۔ ایک صوفی مرتاض کی ایسی گوشہ نشینی

---

(۱) مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ [۴-النساء: ۴۶]

(۲) {وكان أمر الله قدرا مقدورا} . . . أي: حكما مقطوعا بوقوعه، وقال المهلب: غرضه في الباب أن يبين أن جميع مخلوقات الله عز وجل بأمره بكلمة: كن، من حيوان أو غيره وحركات العباد واختلاف إرادتهم وأعمالهم من المعاصي أو الطاعات كل مقدر بالأزمان والأوقات، لا زيادة في شيء منها، ولا نقصان عنها، ولا تأخير لشيء منها عن وقته، ولا يقدم قبل وقته. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۲۳/۱۵۰، كتاب القدر، باب: وكان أمر الله قدرا مقدورا، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

اور ترک علائق کو تو پسندیدہ کہا جا سکتا ہے؛ لیکن ایک خلیفۂ وقت اور مسلمانوں کے سیاسی امور کے ذمہ دار کے لیے اس طرح کی گوشہ نشینی اور وہ بھی پورے ایک دن کے لیے، کسی طرح موزوں نہیں کہی جا سکتی''۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سورۂ ص، پارہ نمبر: ۲۳، رکوع نمبر: ۲ میں آیت کریمہ {وَهَلْ أَتٰـكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ} کی تفسیر کے تحت ''روح المعانی ۲۳/ ۱۶۲'' میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ اثر منقول ہے۔ (۱) جس کو آپ نے اجمال کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ (۲) اور اس کو عقیدہ ہونا بتلایا ہے؛ لیکن تقسیم اوقات کی وجہ سے انقطاع عن الخلق (مخلوق سے کٹ جانے) پر جب حضرت داؤد علیہ السلام کو من جانب اللہ تنبہ ہوا، تو بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور استغفار فرمایا، جس کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نواز کر ان کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی؛ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ. الآية} اس

---

(۱) قال ابن عباس: جزأ زمانه أربعة أجزاء: يوما للعبادة، ويوما للقضاء، ويوما للاشتغال بخواص أموره، ويوما لجميع بني إسرائيل، فيعظهم ويبكيهم. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني -شهاب الدين محمود الالوسي [م: ۱۲۷۰ھ]: ۲۳/ ۱۷۸، ط: دار الإحياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

(۲) اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے تقسیم کار کے پیش نظر اپنے معمولات کو چار دنوں پر اس طرح تقسیم کر دیا تھا کہ ایک دن خالص عبادت الٰہی کے لیے، ایک دن فصل مقدمات کے لیے، ایک دن ذاتی امور کی انجام دہی کے لیے اور ایک دن بنی اسرائیل کی اصلاح اور رہنمائی کے لیے عام تھے (حوالۂ سابق) حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ تقسیم ایام اگر چہ زندگی کے نظم ونسق اور تقسیم کار کے لحاظ سے ہر طرح قابل ستائش تھی؛ لیکن اس میں ایک دن کو عبادت الٰہی کے لیے اس طرح خاص کر لینا کہ ان کا تعلق خلق خدا سے منقطع ہو جائے ''منصب نبوت'' اور ''منصب خلافت'' کے منافی تھا، چناں چہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس روش کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں اس طرح مبتلا کر دیا کہ دو شخص -جن کے درمیان خاص مناقشہ تھا- عبادت کے خاص دن میں حجرہ کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے، حضرت داؤد علیہ السلام نے اچانک خلاف عادت اس طرح دو انسانوں کو موجود پایا، تو بہ تقاضائے بشری گھبرا گئے۔ دونوں نے صورت حال کا اندازہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ خوف نہ کریں، ہمارے اس طرح داخل ہونے کی وجہ یہ قضیہ (معاملہ) ہے اور ہم اس کا فیصلہ چاہتے ہیں، تب حضرت داؤد علیہ السلام نے واقعات کو سنا...... الغرض فریقین کا فیصلہ کرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو فوراً تنبہ ہوا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے آزمائش میں کس لیے ڈالا ہے اور وہ حقیقتِ حال کو سمجھ کر خدا کی بارگاہ میں سر بہ سجود ہوئے اور استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے استغفار کو شرف قبولیت عطا فرما کر ان کی عظمت کو اور دو بالا کر دیا اور پھر یہ نصیحت فرمائی کہ اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے؛ اس لیے تمہارا فرض ہے کہ خدا کی اس نیابت کا پورا حق ادا کرو اور یہ خیال رکھو کہ اس راہ میں عدل وانصاف بنیادی کار ہے اور صراط مستقیم سے ہٹ کر کبھی بھی افراط وتفریط کی راہ اختیار نہ کرو۔ (قصص القرآن: ۲/ ۹۰-۸۸)

کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی ادا فرمایا۔ یہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا اثر ہے، یہ موجب کفر نہیں ہے۔ (قصص القرآن: ۲/ ۹۰-۸۸)

مگر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ امتی ہونے کی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ زندگی کے خلاف اس قسم کے عقائد- جو موجب تنقیص ہوں- رکھنا کیا ہمیں زیب دیتا ہے؟ لہٰذا ہمارے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ کسی نبی ورسول کو ایک معمولی انسان کا درجہ دیں اور انھیں خلیفۂ وقت اور مسلمانوں کے صرف سیاسی امور کے ذمہ دار کی حیثیت سے تحریر کریں، یہ بالکل غلط ہے؛ بل کہ ہم جیسے نااہل (جو صبح سے شام تک گناہوں میں ملوث رہتے ہوں، اتباع سنت سے کوسوں دور ہوں اور فاسق وفاجر کی طرح زندگی بسر کرتے ہوں) کو ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا کہ قاضی، مفتی اور مجسٹریٹ بن کر انبیاء علیہم السلام کی مقدس زندگانی پر ناموزوں تبصرہ کرتے رہیں، العیاذ باللہ۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] حضرت حسین کے متعلق غلط عقیدہ رکھنا اور شادی میں ناچ گانے کو جائز بتلانا

۹۸-سوال: ایک شخص اصرار کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ بچپن میں قرآن شریف پر بیٹھ گئے تھے، ان کے اس عمل پر حضور ﷺ نے کوئی نکیر نہیں کی، جب صحابہؓ نے اس سلسلے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خود قرآن ہے۔ (لہٰذا ان کے قرآن پر بیٹھنے سے قرآن کی بے ادبی نہیں ہوگی)

یہ شخص اس طرح کی غلط روایت بیان کر کے لوگوں کے عقائد خراب کرتا ہے۔ اس کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ شادی بیاہ میں گانا بجانا اور ناچنا؛ سب کچھ جائز اور درست ہے، اس پر وہ حدیث سے دلیل پیش کرتا ہے کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ آئے، تو دف بجا کر لڑکیوں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دف بجانا، ناچنا اور گانا؛ سب کچھ درست ہے۔

ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور دف بجانے والی روایت کا صحیح مصداق کیا ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں کے عقیدے کی بنیاد ''خواہشات'' پر ہو اور غلط و بے بنیاد طریقے سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہوں، ان کی اصلاح بہت مشکل ہے؛ لہٰذا احقر کا مشورہ ہے کہ ایسے لوگوں سے الجھنے

کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد پر اظہار خوشی کے لیے بچیوں کا دف بجانا اور اشعار گانا ثابت ہے۔[۱] نیز شادی کو موقع سے بھی دف بجانا صحیح روایت سے ثابت ہے۔[۲]

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر دف بجانے کی گنجائش ہے۔[۳] البتہ رقص اور ناچ تو ہر حال میں حرام ہے۔[۴]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری اور حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء کی شادی کے موقع پر دف بجایا گیا؛ لیکن ان روایات سے بالغ لڑکیوں کے گانے اور ناچنے پر کیسے استدلال درست ہوسکتا ہے؟[۵]

---

(۱) وأخرج الحاكم... عن أنس فخرجت جوار من بني النجار يضربن بالدف وهن يقلن: نحن جوار من بني النجار، يا حبذا محمد من جار. وأخرج أبو سعيد في شرف المصطفى... منقطعا لما دخل النبي- صلى الله عليه وسلم- المدينة جعل الولائد يقلن: طلع البدر علينا من ثنية الوداع وجب الشكر علينا ما دعا لله داع. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۲۶۱/۷، باب مقدم النبي -صلى الله عليه وسلم- وأصحابه المدينة، بذيل رقم الحديث: ۳۹۵۲، ط: دار المعرفة، بيروت)

(۲) قالت الربيع بنت معوذ ابن عفراء: جاء النبي -صلى الله عليه وسلم- فدخل حين بني علي، فجلس على فراشي كمجلسك مني، فجعلت جويريات لنا، يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائي يوم بدر. (صحيح البخاري: ۷۷۳/۲، رقم الحديث: ۵۱۴۷، كتاب النكاح، باب ضرب الدف في النكاح والوليمة، ط: مكتبة البدر- ديوبند)

(۳) وفي المعراج: الملاهي نوعان: محرم، وهو الآلات المطربة من غير الغناء... والنوع الثاني مباح وهو الدف في النكاح وفي معناه ما كان من حادث سرور... وهو مكروه للرجال على كل حال للتشبه بالنساء اهـ. (البحر الرائق: ۸۸/۷، كتاب الشهادات، باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل، ط: دار الكتاب الإسلامي)

دف کی اجازت ہے، بہ شرطے کہ اس میں جلاجل (جھانجھ) نہ ہو اور ہیئت تطرب پر نہ بجایا جائے: وفي السراجية هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب اهـ. (رد المحتار: ۳۵۰/۶، قبيل فصل في اللبس ☆ البحر الرائق: ۸۶/۳، أول كتاب النكاح ☆ فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۷/۱۱، باب ما یتعلق بالرسوم عند الزفاف)

(۴) (قوله وكره كل لهو) أي كل لعب وعبث فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات والإطلاق شامل لنفس الفعل، واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة لأنها زي الكفار. (رد المحتار: ۳۹۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: بيروت)

(۵) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بخاری شریف کی حدیث ربیع بنت معوذ سے ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ لڑکیوں نے بعد زفاف کے دف بجایا تھا، اس حدیث سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت کر کے جواز سمجھنا ثابت اور صحیح کیوں کر ہوسکتا ہے؟ کیوں کہ لڑکیاں (تو) غیر مکلف تھیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۲۴۸/۲، کتاب النکاح، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

۴۔ یہ کہنا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ قرآن شریف پر بیٹھ گئے تھے؛ سراسر بہتان اور الزام ہے؛ کیوں کہ یہ بات کہیں سے ثابت نہیں ہے، اور بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ قرآن شریف کا موجودہ نسخہ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں سامنے آیا، وہ بھی چند نسخوں میں۔ (۶)

دراصل عہد نبوت میں قرآن کریم کی بیشتر آیات چمڑے کے پارچوں، پتھر کی سلوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، ایسا کم ہوتا تھا کہ اسے کاغذ پر لکھا جائے؛ کیوں کہ عرب میں کاغذ کم یاب تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریک پر اس کو جمع فرمایا (۷) اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک خاص مقصد کے پیش نظر اس کے متعدد نسخے تیار کروائے۔ (۸)

---

(۶) واختلفوا في عدة المصاحف التي أرسل بها عثمان إلى الآفاق، فالمشهور أنها خمسة، وأخرج ابن أبي داود في كتاب المصاحف من طريق حمزة الزيات قال أرسل عثمان أربعة مصاحف ... قال ابن أبي داود: سمعت أبا حاتم السجستاني يقول: كتبت سبعة مصاحف إلى مكة، وإلى الشام، وإلى اليمن، وإلى البحرين، وإلى البصرة، وإلى الكوفة، وحبس بالمدينة واحدا. (فتح الباري - العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۹/ ۲۰، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۷) عن عبيد بن السباق، أن زيد بن ثابت - رضي الله عنه - قال: أرسل إلي أبو بكر مقتل أهل اليمامة، فإذا عمر بن الخطاب عنده، قال أبو بكر - رضي الله عنه -: إن عمر أتاني فقال: إن القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن، وإني أخشى أن يستحر القتل بالقراء بالمواطن، فيذهب كثير من القرآن، وإني أرى أن تأمر بجمع القرآن، قلت لعمر: كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله - صلى الله عليه وسلم -؟ قال عمر: هذا والله خير. فلم يزل عمر يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك، ورأيت في ذلك الذي رأى عمر، قال زيد: قال أبو بكر: إنك رجل شاب عاقل لا نتهمك، وقد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فتتبع القرآن فاجمعه. فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي مما أمرني به من جمع القرآن. قلت: كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله - صلى الله عليه وسلم -؟ قال: هو والله خير. "فلم يزل أبو بكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، فتتبعت القرآن أجمعه من العسب واللخاف، وصدور الرجال... وكانت الصحف عند أبي بكر حياته، حتى توفاه الله عز وجل، ثم عند عمر حياته، حتى توفاه الله، ثم عند حفصة بنت عمر. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۴۵، رقم الحديث: ۴۹۸۶، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

(۸) حذيفة بن اليمان، قدم على عثمان وكان يغازي أهل الشأم في فتح أرمينية، وأذربيجان مع أهل العراق، فأفزع حذيفة اختلافهم في القراءة، فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين! أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى، فأرسل عثمان إلى حفصة: أن أرسلي إلينا بالصحف ننسخها في المصاحف، ثم نردها=

ایسے لوگ (جن کے عقیدے کی بنیاد خواہشات پر ہوتی ہے) غلط قصے اور واقعات پیش کرتے ہیں، جو کسی بھی طرح لائق اعتبار نہیں ہوتے، اس طرح کے واقعات پیش کر کے درحقیقت ''دین'' اور ''قرآن کریم'' کی بے ادبی پر لوگوں کو ابھارنا ہوتا ہے، مسلمانوں کو خوب ہوشیار رہنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] حضرت علیؓ کی قبر کی جگہ کہاں ہے؟

۹۹-سوال: مسلم معاشرے میں یہ بات مشہور ہے کہ حضرت علیؓ کی قبر مبارک اس دنیا میں نہیں ہے، ان کی نعش مبارک اونٹنی پر کہیں غائب ہوگئی تھی، جس کا آج تک کوئی پتہ نہیں چلا؛ تو کیا یہ بات صحیح ہے؛ اور اگر ان کی قبر ہے، تو کہاں ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

(ایم رحمن پٹیل، لاجپوری)

الجواب حامداً ومصلياً:

تاریخ کی مشہور کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں حضرت علیؓ کی قبر کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، کوفہ شہر (جو کہ اس وقت دار الخلافہ تھا) میں دفن کیے گئے، یہی مشہور ہے۔[۱] اس کے علاوہ بھی بعض اقوال ہیں، مثلاً حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ''رات کے وقت کوفہ کی جامع مسجد کے قریب دفن کیے گئے تھے''۔ حضرت ابوجعفر فرماتے ہیں کہ ''رات کے وقت کوفہ میں دفن کیے گئے تھے؛ مگر جگہ یاد نہ رہی''۔ علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ ''مشہور یہ ہے کہ دار الامارۃ میں آپؓ کو دفن کیا گیا''۔[۲] خطیب

= إليك، فأرسلت بها حفصة إلى عثمان، فأمر زيد بن ثابت، وعبد الله بن الزبير، وسعيد بن العاص، وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف. وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة: إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم. ففعلوا حتى إذا نسخوا الصحف في المصاحف، رد عثمان الصحف إلى حفصة، وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف، أن يحرق. (صحيح البخاري: ۲/۷۴۶، رقم الحديث: ۴۹۸۷، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن ☆ جمع قرآن کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مقدمہ معارف القرآن، از: مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، ۱/۳۷ تا ۴۳، ط: دیوبند ☆ علوم القرآن - مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، باب پنجم، تاریخ حفاظت قرآن، ط: مکتبہ نعیمیہ - دیوبند)

(۱) والمقصود أن عليا - رضي الله عنه - لما مات صلى عليه ابنه الحسن فكبر عليه تسع تكبيرات ودفن بدار الإمارة بالكوفة خوفا عليه من الخوارج أن ينبشوا عن جثته، هذا هو المشهور. (البداية والنهاية: ۷/۳۶۵، ت: علي شيري، ذكر مقتل أمير المؤمنين علي بن أبي طالب، الخ، سنة أربعين من الهجرة، صفة مقتله رضي الله عنه، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) ان تمام اقوال کا حاصل ایک ہی ہے۔

بغدادیؒ کی ایک نقل کے مطابق آپ کو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے مدینہ منورہ میں حضرت فاطمہؓ کے پڑوس میں دفن کیا تھا۔ (۱) یہ بھی ایک روایت ہے کہ ''اونٹنی پر آپ کی نعش مبارک کو رکھا گیا، بعد میں وہ اونٹنی گم ہوگئی''۔ (۲) تاہم اس روایت پر نقد کرتے ہوئے ابن کثیر دمشقیؒ نے فرمایا ہے کہ ''یہ عقل ونقل کے خلاف ہے؛ اس لیے قابل قبول نہیں ہے''۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۷] قرآن کریم میں صرف چند انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیوں؟

۱۰۰-سوال: یہ بات مشہور ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب ہے۔ (۴) لیکن قرآنِ پاک میں صرف چند انبیاء کرام ہی کا ذکر ہے، اُن کے علاوہ کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ انگریز اور یہود کہتے ہیں کہ ویٹر، سیموئیل اور جون وغیرہ ہمارے نبی تھے، بت پرست ہنود کہتے ہیں کہ رام اور کرشن ہمارے نبی تھے، اسی طرح مجوسی آتش پرست لوگوں کا کہنا ہے کہ زرتشت ہمارے نبی تھے، تو ان لوگوں کے رد میں ہمارے پاس کیا دلائل ہیں؟

(۱ - ۲) عن إسحاق بن عبد الله بن أبي فروة قال: سألت أبا جعفر محمد بن علي الباقر . . . قلت: أين دفن؟ قال: دفن بالكوفة ليلا وقد غبي عن دفنه. وفي رواية عن جعفر الصادق . . . وقد قيل إن عليا دفن قبلي المسجد الجامع من الكوفة. قاله الواقدي، والمشهور بدار الإمارة. وقد حكى الخطيب البغدادي عن أبي نعيم الفضل بن دكين، أن الحسن والحسين حولاه فنقلاه إلى المدينة فدفناه بالبقيع عند قبر فاطمة، وقيل إنهم لما حملوه على البعير ضل منهم فأخذته طي يظنونه مالا، فلما رأوا أن الذي في الصندوق ميت ولم يعرفوه دفنوا الصندوق بما فيه فلا يعلم أحد أين قبره، حكاه الخطيب أيضا. وروى الحافظ ابن عساكر عن الحسن قال: دفنت عليا في حجرة من دور آل جعدة. وعن جعفر بن محمد الصادق: قال: صلي على علي ليلا ودفن بالكوفة وعمي موضع قبره ولكنه عند قصر الإمارة. (البداية والنهاية: ۷/ ۳۶۵-۳۶۶)

(۳) ومن قال إنه حمل على راحلته فذهبت به فلا يدري أين ذهب فقد أخطأ وتكلف ما لا علم له به ولا يسيغه عقل ولا شرع. (البداية والنهاية: ۷/ ۳۶۵، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۴) الحديث طويل والجزء المقصود منه: قلت يا نبي الله، فأي الأنبياء كان أول؟ قال: "آدم". قال: قلت يا نبي الله: أو نبي كان آدم قال: "نعم. نبي مكلم خلقه الله بيده، ثم نفخ فيه روحه، ثم قال له: يا آدم قبلا". قال: قلت: يا رسول الله، كم وفى عدة الأنبياء؟ قال: "مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا الرسل من ذلك ثلاث مائة وخمسة عشر جما غفيرا". (مسند الإمام احمد بن حنبل: ۳۶/ ۶۱۹، رقم: ۲۲۲۸۸، عن أبي أمامة، ط: مؤسسة الرسالة ☆ المعجم الكبير - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۸/ ۲۱۷، رقم: ۷۸۷۱، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة ☆ المستدرك على الصحيحين - أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله النيسابوري (م: ۴۰۵ھ)=

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کا بیان قرآنِ پاک میں ہوتا تو قرآنِ پاک قصہ وکہانی کی کتاب بن کر رہ جاتا، جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن کا نزول بطور کتابِ ہدایت ہوا ہے۔(۱) لہٰذا اُس میں اولو العزم انبیاء کا ذکر کیا گیا اور دیگر بہت سے انبیاء کا ذکر نہیں ہے، اُسے ایک مثال سے سمجھیے کہ ''وہورا سوسائٹی'' کا سنگِ بنیاد مثلاً ۱۹۶۴ء میں ڈالا گیا، اب بعد میں جب بھی تاریخ مرتب ہوگی، تو اُس میں اِس تنظیم کے صدر اور خاص لوگوں ہی کا ذکر ہوگا، عام افراد کا ذکر چھوڑ دیا جائے گا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے جن انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر کو ضروری سمجھا، اُن کو بیان فرمایا، چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۔(۲)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ بعض انبیاء کرام کے احوال آپ کے سامنے بیان نہیں کیے گئے۔

اس کی اصل حکمت صرف اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اسی وجہ سے انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق اجمالی ایمان ہی کافی ہے، کسی ایک عددِ خاص کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، بہت سے غیر مسلمین جن کو نبی مانتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ نبی ہوں؛ لیکن چوں کہ اُن کے بارے میں کوئی نص قطعی مروی نہیں ہے؛ اس لیے ہم نہ اس باب میں اُن کی تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب؛ بل کہ اِس میں توقف بہتر ہے۔(۳)

=: ۲/ ۶۵۴، رقم: ۴۱۶۶، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ السنن الكبرى-أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۹/ ۷، رقم: ۱۱۷۷۱، كتاب السير، باب مبتدأ الخلق، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

قال الملا علي القاري: ورد في مسند أحمد أنه -عليه الصلاة والسلام- سئل عن عدد الأنبياء، فقال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا، والرسل من هم ثلاث مائة وخمسة عشر، أولهم آدم وآخرهم محمد صلى الله عليه وسلم. وهو لا ينافي قوله تعالى: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ. فإن ثبوت الإجمال لا ينافي تفصيل الأحوال، نعم الأولى أن لا يقتصر على الأعداد؛ فإن الآحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد؛ بل يجب كما قال الله تعالى: كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ أن يؤمن إيمانا إجماليا من غير تعرض متعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الأصفياء. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۹، ط: یاسر ندیم-دیوبند ☆ مزید دیکھیے: شرح عقائد نسفی، ص: ۱۳۸، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

(۱) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۔ (۲-البقرة: ۱۸۵)

(۲) -۴۰ غافر: ۷۸۔

(۳) [ورسله] بأن تعرف أنهم بلغوا ما أنزل الله إليهم، وأنهم معصومون، وتؤمن بوجودهم فيمن علم بنص، أو تواتر تفصيلا، وفي غيرهم إجمالا. (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۵۸، كتاب الإيمان، ط: دار الفكر-بيروت)

اللہ تعالیٰ نے تمام ادیانِ سماویہ میں بنیادی عقائد یعنی توحید و رسالت اور بعث بعد الموت جیسے امور پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا ہے، نیز باہمی اخلاق و مروت کی پابندی بھی ہر دین سماوی میں لازم ہوتی ہے، غرض یہ کہ تمام ادیانِ سماویہ کی تعلیمات اچھی ہوتی ہیں، یہ تعلیمات اگلی اُمتوں کو جن انبیاء کے ذریعہ پہنچیں، مرورِ زمانہ کے ساتھ اُن انبیاء اور صلحاء کے بارے میں اُن کی اُمتوں کا عقیدہ اعتدال پر قائم نہیں رہا، چناں چہ نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔ (۱) اور بعض نصاریٰ ان ہی کو خدا ماننے لگے۔ (۲) اسی طرح یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں حدود کی پاسداری نہیں کی اور ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ (۳) الحاصل کوئی بھی اُمت اپنے اصل عقائد و احکام پر برقرار نہیں رہی، تمام نے اپنی نبوی تعلیمات کو بدل دیا۔ (۴) لہٰذا اُن کے عقائد کا کوئی اعتبار نہیں، ہنود کا اپنے صلحاء کے متعلق کہنا کہ وہ نبی تھے، اُس کی کوئی اصل نہیں ہے، بل کہ اُن کے متعلق وہ جن کرامات کو بیان کرتے ہیں؛ اُن سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنات ہوں گے۔ (۵) اسی طرح یہود و نصاریٰ جن کے متعلق نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اُن کا ذکر کسی نص قطعی میں نہ ہو، ہم اُن کے انکار کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوں گے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] حضرت آدم علیہ السلام کی وِلادت کب ہوئی تھی؟

۱۰۱-سوال: حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت کو اب تک کتنے سال گذر چکے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اِس سلسلے میں کوئی آیتِ قرآنی یا حدیثِ صحیح مروی نہیں ہے، لہٰذا تعیین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا

---

(۱) وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللهِ. (۹-التوبة: ۳۰)

(۲) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔ الآية. (۵-المائدة: ۱۷)

(۳) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللهِ. (۹-التوبة: ۳۰)

(۴) مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ. (۴-النساء: ۴۶)

(۵) ومن هاهنا يظهر أن مايدعو أهل الهند من البرازخ ويسمونهم أوتارا ويذكرون في تواريخهم ألوف ومائة ألوف من السنين لعلهم كانوا من الجن برازخ مبعوثين إلى الجن ،ولعل لأهل الهند دين منزل من الله تعالى على الجن استفاد منهم الأنس قيل لأجل كونهم مولودين من بطن الجنية منسوخ بشرائع منزلة بعد ذلك، فإن أصول دينهم يوافق الكتاب والسنة غالبا وما يخالف منه فهو من عمل الشيطان مردود. والله أعلم. (التفسير المظهري- المظهري ،محمد ثناء الله(م:۱۲۲۵هـ): ۳/۲۸۹ - ۲۹۰ ،تحت قوله تعالى: يا معشر الجن والإنس ألم يأتكم رسل منكم. الآية (۶-الأنعام: ۱۳۰) ،ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية-الباكستان)

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کب ہوئی تھی۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] اسلام سے قبل ہر ملک کے لیے مستقل نبی کی ضرورت تھی یا نہیں؟

۱۰۲-سوال: پہلے زمانے میں ایک ہی وقت میں مختلف علاقوں میں متعدد نبی ہوا کرتے تھے، مثلاً ملک شام، عراق، مصر، یمن اور حجاز وغیرہ میں مستقل نبی تھے، تو سوال یہ ہے کہ کیا اُس وقت اِن ممالک کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی نبی کی ضرورت تھی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دنیا کے مختلف خطوں میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے ضرورت کے مطابق انبیاء

---

(۱) تاہم مستدرک حاکم کی مندرجہ ذیل روایت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم کی ولادت کو چودھویں صدی ہجری تک کم بیش ۶۲۰۰ سال گزر چکے ہیں، روایت ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «كان عمر آدم ألف سنة» قال ابن عباس: «وبين آدم ونوح ألف سنة، وبين نوح وإبراهيم ألف سنة، وبين إبراهيم وموسى سبع مائة سنة، وبين موسى وعيسى خمس مائة سنة، وبين عيسى ومحمد صلى الله عليه وسلم ست مائة سنة». المستدرك على الصحيحين: أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله النيسابوري (م: ۴۰۵ھ): ۲/ ۶۵۴، رقم: ۴۱۷۲، كتاب تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام سے آپ ﷺ تک ۴۸۰۰/ سال ہوئے، اس کے ساتھ قبل ہجرت ۵۳/ سال اور چودھویں صدی ہجری تک کے ۱۴۰۰/ سال کو شامل کر لیا جائے تو ۶۲۰۰/ سال سے کچھ زیادہ ہوئے۔

طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت آدم کو زمین پر آئے، چودھویں صدی ہجری تک ۶۸۶۹/ سال ہو گئے، اور حضرت آدم کی عمر ۱۰۰۰/ سال تھی، جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت بالا میں مذکور ہے، اس لحاظ سے حضرت آدم کی ولادت کو ۷۸۶۹/ سال گذر گئے، روایت ملاحظہ ہو:

عن أبيه عن عكرمة قال: كان بين آدم ونوح عشرة قرون، كلهم على الإسلام. قال: أخبرنا محمد بن عمر بن واقد الأسلمي عن غير واحد من أهل العلم قالوا: كان بين آدم ونوح عشرة قرون، والقرن مائة سنة. وبين نوح وإبراهيم عشرة قرون. والقرن مائة سنة. وبين إبراهيم وموسى بن عمران عشرة قرون. والقرن مائة سنة. قال: أخبرنا هشام بن محمد بن السائب عن أبيه عن أبي صالح عن ابن عباس قال: كان بين موسى بن عمران وعيسى ابن مريم ألف سنة وتسعمائة سنة، ولم تكن بينهما فترة. وأنه أرسل بينهما ألف نبي من بني إسرائيل سوى من أرسل من غيرهم. وكان بين ميلاد عيسى والنبي - عليه الصلاة والسلام - خمسمائة سنة وتسع وستون سنة. (الطبقات الكبرى-أبو عبد الله محمد بن سعد البصري، البغدادي المعروف بـ "ابن سعد" (م: ۲۳۰ھ): ۱/ ۴۴، ذكر القرون والسنين التي بين آدم ومحمد، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

مبعوث فرمائے تھے، اللہ تعالیٰ انسانوں کی ضرورت سے بہ خوبی واقف ہیں، لہٰذا مختلف خطوں میں رسولوں کے بھیجنے اور کتبِ سماویہ کے نازل کرنے میں بھی حکمتِ الٰہیہ کو خاص دخل ہے، خواہ ہماری ناقص عقل وفکر کی رسائی اس حکمت تک نہ ہو۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] قرآنِ پاک میں کتنے انبیاء کا ذکر ہے؟ اور ان کے نام کیا ہیں؟

۱۰۳-سوال: قرآنِ پاک میں کتنے انبیاء کا ذکر ہے؟ اور ان کے نام کیا ہیں؟ اُن کے علاوہ دیگر انبیاء کے بارے تفصیلات معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قرآن پاک میں مندرجہ ذیل انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر ملتا ہے:

حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ایوب، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یونس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ذوالکفل علیہم الصلاۃ والسلام اور سردارِ دو جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۸۵) (۲)

نبوت و رسالت وہبی شئے ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اپنے فضل سے نبی بناتا ہے۔ (۳) اُس میں بندے کے کسب کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یعنی بندہ جس طرح اپنے کسب و اختیار سے عبادت و ریاضت کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے، اس طرح اپنے کسب و اختیار سے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی محنت و ریاضت کے باوجود نبی نہیں بن سکتا، نبی بنائے جانے میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت کار فرما ہوتی ہے، وہ جسے چاہے نبی بنائے۔ چوں کہ نبوت مکمل طور پر امرِ وہبی ہے، اس لیے کوئی متعین شخصیت نبی ہے یا نہیں، اس کا علم قرآن و حدیث کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے نہیں ہو سکتا، لہٰذا قرآن کریم اور حدیث پاک

---

(۱) وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (۴-النساء: ۱۷)

(۲) الإتقان في علوم القرآن-جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۴/ ۶۴-۷۷، النوع التاسع والعشرون فيما وقع في القرآن من الاسماء والكنى والألقاب، ط: الهيئة المصرية العامة للكتاب ☆ ر: تفسير القرآن العظيم-ابن كثير القرشي (م: ۷۷۴ھ): ۲/ ۴۱۷، النساء: ۱۶۳، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ. (۱۴-ابراهيم: ۱۱)

میں جن انبیاء کرام کا ذکر ہے، اُن کے علاوہ کسی اور کو نبی نہیں مان سکتے؛ اِسی لیے تمام انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق اجمالی ایمان ہی لازم ہے۔ (۱) ورنہ غیر نبی کو نبی ماننا یا اُس کے برخلاف نبی کی نبوت کا انکار لازم آئے گا۔ واللہ اُعلم بالصواب۔

[۱۱] قرآنِ پاک میں مذکور انبیاء کے علاوہ دیگر انبیاء کے حالات کیسے معلوم کیے جائیں؟

۱۰۴-سوال: قرآنِ پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ اُس نے ہر قوم کی جانب نبی بھیجا ہے۔ (۲) اور قرآنِ پاک میں جن انبیاء کا ذکر ہے، اُن میں سے اکثر مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں مبعوث تھے، تو اُن کے علاوہ دیگر ممالک میں مبعوث انبیاء کے حالات کیسے معلوم ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احادیثِ مبارکہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ (۳) لیکن اُن میں سے تمام انبیاء کرام کے متعلق تفصیلی حالات مروی نہیں ہیں کہ وہ

---

(۱) [ورسله] بأن تعرف أنهم بلغوا ما أنزل الله إليهم، وأنهم معصومون، وتؤمن بوجودهم فيمن علم بنص، أو تواتر تفصيلاً، وفي غيرهم إجمالاً. (مرقاة المفاتيح: ۱/۵۸، كتاب الإيمان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (۳۵-فاطر: ۲۴)

(۳) الحديث طويل والجزء المقصود منه: قلت يا نبي الله، فأي الأنبياء كان أول؟ قال: "آدم". قال: قلت يا نبي الله: أو نبي كان آدم قال: "نعم. نبي مكلم خلقه الله بيده، ثم نفخ فيه روحه، ثم قال له: يا آدم قبلا". قال: قلت: يا رسول الله، كم وفى عدة الأنبياء؟ قال: "مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا الرسل من ذلك ثلاث مائة وخمسة عشر جما غفيرا". (مسند الإمام احمد بن حنبل: ۳۶/۶۱۹، رقم: ۲۲۲۸۸، عن أبي أمامة الباهلي، ط: مؤسسة الرسالة ★ المعجم الكبير - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۸/۲۱۷، رقم: ۷۸۷۱، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة ☆ المستدرك على الصحيحين: أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله النيسابوري (م: ۴۰۵ھ): ۲/۶۵۲، رقم: ۴۱۶۶، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۹/۷، رقم: ۱۱۷۷۱، كتاب السير، باب مبتدأ الخلق، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال الملا علي القاري: ورد في مسند أحمد أنه - عليه الصلاة والسلام - سئل عن عدد الأنبياء، فقال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا، والرسل من هم ثلاث مائة وخمسة عشر، أولهم آدم وآخرهم محمد صلى الله عليه وسلم. وهو لا ينافي قوله تعالى: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ. فإن ثبوت الإجمال لا ينافي تفصيل الأحوال، نعم الأولى أن لا يقتصر على الأعداد؛ فإن الآحاد لا تفيد الاعتماد في الاعتقاد؛ بل يجب كما قال الله تعالى: كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ أن يؤمن إيمانا إجماليا من غير تعرض متعدد الصفات وعدد الملائكة والكتب والأنبياء وأرباب الرسالة من الأصفياء. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۶۹، ط: یاسر ندیم - دیوبند ☆ مزید دیکھیے: شرح عقائد نسفی، ص: ۱۳۸، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

کہاں کب اور کس قوم کی جانب مبعوث ہوئے، البتہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کچھ تفصیلات قرآنِ پاک میں اور کچھ احادیثِ مبارکہ میں ملتی ہیں، قرآنِ پاک میں اللہ رب العزت نے خود نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کے سامنے بعض انبیاء کرام کی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے۔ (۱) لہٰذا اُن تفصیل کے معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، تمام انبیاء کرام پر اجمالی ایمان ہی کافی ہے، اگر تفصیل ضروری ہوتی، تو اللہ تعالیٰ خود بیان فرما دیتے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] غیر مسلمین جن کو اپنا نبی مانتے ہیں، اُن کے متعلق ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیے؟

۱۰۵-سوال: بعض غیر مسلم اقوام کا اپنے قومی رہبروں کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ نبی تھے، مثلاً مجوس کا عقیدہ زرتشت کے متعلق، چینی لوگوں کا عقیدہ کنفیوشس کے متعلق، ہنود کا عقیدہ رام اور کرشن کے متعلق، جین لوگوں کا عقیدہ مہاویر کے متعلق اور بودھ مت والوں کا عقیدہ گوتم بودھ کے متعلق یہ ہے کہ وہ نبی تھے، تو شریعتِ مطہرہ کے حکم کے مطابق ان کے بارے میں ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات حق ہے کہ پچھلی بہت سی اقوام میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے تھے، اُن پر کتابیں اور صحائف بھی نازل ہوئے تھے؛ لیکن بعد میں آنے والے لوگوں نے اُن میں تحریف سے کام لیا، جیسا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتبِ سماویہ: تورات و انجیل میں تحریف کر دیا۔ (۲) اور اصل تعلیماتِ نبویہ سے دور ہو گئے، جس کی وجہ سے اُن کے عقائد، عبادات اور معاملات؛ تمام چیزوں میں ایسا فساد آ گیا کہ اُن کے دین اور غیر سماوی ادیان میں کوئی فرق ہی نہیں رہا، اس قدر تحریف کے بعد اُن کی کوئی بھی روایت اور خبر کیسے صحیح مانی جا سکتی ہے؟ لہٰذا نصوصِ قطعیہ میں جن انبیاء کا ذکر ہے، اُن کے علاوہ دیگر تمام انبیاء کے متعلق ہمارا اجمالی ایمان اس طرح ہونا چاہیے کہ ''میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتا ہوں''۔ (۳) تاکہ کسی نبی کی نبوت کا انکار بھی نہ ہو، اور کسی غیر نبی کو نبی ماننا بھی لازم نہ آئے، نیز ہمیں اُن کے ان بزرگوں کی

---

(۱) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ. (۴۰-غافر ۷۸)

(۲) مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ (۴-النساء: ۴۶)

(۳) [ورسله] بأن تعرف أنهم بلغوا ما أنزل الله إليهم، وأنهم معصومون، وتؤمن بوجودهم فيمن علم بنص، أو تواتر تفصيلا، وفي غيرهم إجمالا. (مرقاة المفاتيح: ۱/۵۸، كتاب الإيمان، ط: دار الفكر-بيروت)

تو ہین بھی نہیں کرنی چاہیے؛ کیوں کہ امکان ہے کہ وہ واقعۃً نبی ہوں۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] انبیاءِ کرام علیہم السلام کواُن کی موت سے پہلے اختیار دیا جاتا ہے

۱۰۶-سوال: حضرت مفتی احمد بیماتؔ صاحب کی ایک گجراتی کتاب "موت، قبر؟ اور برزخ کے احوال" میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ اُن کی موت ایک فرشتہ کے پروں پر آسمان میں ہوئی۔ [۲]

اِسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام، [۳] حضرت زکریا علیہ السلام [۴] اور حضرت یحییٰ

---

(۱) ومن هاهنا يظهر أن مايدعو أهل الهند من البرازخ ويسمونهم أوتارا ويذكرون في تواريخهم ألوف ومائة ألوف من السنين لعلهم كانوا من الجن برازخ مبعوثين إلى الجن، ولعل لأهل الهند دين منزل من الله تعالى على الجن استفاد منهم الأنس قبل لأجل كونهم مولودين من بطن الجنية منسوخ بشرائع منزلة بعد ذلك، فإن أصول دينهم يوافق الكتاب والسنة غالبا وما يخالف منه فهو من عمل الشيطان مردود. والله أعلم. (التفسير المظهري- المظهري، محمد ثناء الله (م:۱۲۲۵ھ): ۲۸۹/۳-۲۹۰، تحت قوله تعالى: يا معشر الجن والإنس ألم يأتكم رسل منكم. الآية (-۶ الأنعام: ۱۳۰)، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية- الباكستان)

(۲) وأخرج ابن أبي حاتم عن ابن عباس في قوله: {ورفعناه مكانا عليا} قال: كان إدريس خياطا، وكان لا يغرز إلا قال: سبحان الله فكان يمسي حين يمسي وليس في الأرض أحد أفضل منه عملا، فاستأذن ملك من الملائكة ربه، فقال: يا رب! ائذن لي فاهبط إلى إدريس. فأذن له، فأتي إدريس فسلم عليه وقال: إني جئتك لأحدثك فقال: كيف تحدثني وأنت ملك وأنا إنسان، ثم قال إدريس هل بينك وبين ملك الموت شيء، قال الملك: ذاك أخي من الملائكة، فقال: هل يستطيع أن ينسئني عند الموت قال: أما أن يؤخر شيئا أو يقدمه فلا ولكن سأكلمه لك فيرفق بك عند الموت، فقال: اركب على جناحي، فركب إدريس، فصعد إلى السماء العليا، فلقي ملك الموت إدريس بين جناحيه، فقال له الملك إن لي إليك حاجة، قال: علمت حاجتك تكلمني في إدريس وقد محي اسمه من الصحيفة ولم يبق من أجله إلا نصف طرفة عين فمات إدريس بين جناحي الملك. (الدر المنثور في التفسير بالمأثور- عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م:۹۱۱ھ): ۵/ ۵۱۸-۵۱۷، تحت آية: ورفعناه مكانا عليا. (مريم: ۵۷)، ط: دار الفكر- بيروت☆ ر: المصنف- أبو بكر بن أبي شيبة (م:۲۳۵ھ): ۳۴۱/۶، رقم: ۳۱۸۸۳، ماذكر من فضل إدريس، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض)

(۳) عن ابن عباس- رضي الله عنهما- قال: " مات سليمان بن داود- عليهما السلام- وهو قائم يصلي، ولم تعلم الشياطين بذلك حتى أكلت الأرضة عصاه، فخر، وكان إذا نبتت شجرة سألها لأي داء أنت؟ قال: فتخبره». الحديث، هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. (المستدرك على الصحيحين- أبو عبد الله الحاكم النيسابوري المعروف بابن البيع (م:۴۰۵ھ): ۴۵۹/۲، رقم: ۳۵۸۴، تفسير سورة سبأ، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ مزید دیکھیے: الدر المنثور في التفسير بالماثور: ۶/ ۶۸۴، ط: دار الفكر- بيروت☆ البداية والنهاية- أبو الفداء إسماعيل بن كثير القرشي (م:۷۷۴ھ): ۳۰/۲، باب ذكر جماعة من أنبياء بني=

علیہ السلام (۵) کو بھی مہلت نہیں دی گئی، جب کہ ایک دوسری کتاب ''موت کا منظر'' میں بخاری شریف کے حوالے سے ایک حدیث شریف ذکر کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمام انبیاء کو اُن کی وفات سے قبل اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں، تو دنیا میں رہنا پسند کریں یا ملاٴ اعلیٰ کو ترجیح دیں؛ سوال یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی کتاب میں مذکور چاروں انبیاء کے قصوں میں انہیں مہلت کیوں نہیں دی گئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتاب ''موت کا منظر'' میں جو حدیث لکھی گئی ہے، وہ بالکل صحیح ہے، بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ بہ حالتِ صحت فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی نبی کی موت اُس وقت تک نہیں آتی، جب تک کہ وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے، اُس کے بعد نبی کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں، تو دنیا میں رہنا پسند کریں یا آخرت کو اختیار فرمائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر جب آپ ﷺ پر حیاتِ مبارکہ کے اخیری وقت غشی طاری ہوئی، اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا، آپ ﷺ نے جب غشی سے افاقہ پایا، تو چھت کی جانب چہرۂ انور اٹھا کر یہ دعاء فرمائی: ''اللّٰهم الرفيق الأعلى'' (اے بلند و بالا مرتبہ والے اللہ! میں تیرے پاس رہنا پسند کرتا ہوں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں یہ دعاء سن کر سمجھ گئی کہ اب حضورِ اکرم ﷺ ہمارے ساتھ رہنا پسند نہیں فرمائیں گے اور یہ وہی بات ہے، جسے آپ ﷺ اپنی حیاتِ مبارکہ میں صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے، یہ دعاء حضورِ پاک ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا اخیری کلمہ تھا۔ (بخاری شریف: ۲/ ۶۴۱)[1]

=إسرائيل، قصة سليمان، ذكر وفاته، الخ)

(۴ - ۵) عن وهب بن منبه أنه قال: هرب من قومه فدخل شجرة، فجاءوا، فوضعوا المنشار عليهما، فلما وصل المنشار إلى أضلاعه أنَّ، فأوحى الله إليه لئن لم يسكن أنينك لأقلبن الأرض ومن عليها، فسكن أنينه حتى قطع باثنتين. (البداية والنهاية: ۲/ ۵۲، قصة زكريا ويحيى عليهما السلام، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) أخبرني سعيد بن المسيب، في رجال من أهل العلم: أن عائشة قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول وهو صحيح: «إنه لم يقبض نبي حتى يرى مقعده من الجنة، ثم يخير» فلما نزل به، ورأسه على فخذي غشي عليه، ثم أفاق فأشخص بصره إلى سقف البيت، ثم قال: «اللهم الرفيق الأعلى». فقلت: إذا لا يختارنا، وعرفت أنه الحديث الذي كان يحدثنا وهو صحيح، قالت: فكانت آخر كلمة تكلم بها: «اللهم الرفيق الأعلى». (صحيح البخاري: ۲/ ۶۴۱، رقم: ۴۴۶۳، كتاب المغازي، باب آخر ما تكلم النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند)

''موت، قبر اور برزخ کے احوال'' نامی گجراتی کتاب میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے، اُس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ قبض روح کے لیے جس وقت فرشتہ آ پہنچا، اُس وقت مہلت نہیں دی گئی، البتہ اُس سے پہلے اختیار دیا گیا تھا، اور اُس اختیار کے موقع پر کسی بھی نبی نے دنیا میں رہنا پسند نہیں فرمایا اور اُن کی روح قبض ہوگئی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] کیا عورت نبی ہوسکتی ہے؟ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ تھیں یا نہیں؟

۱۰۷-سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مندرجۂ ذیل مسائل کے متعلق کہ

(۱) کیا عورت نبی ہوسکتی ہے؟

(۲) کیا حضرت مریم علیہا السلام نبی تھیں؟

(۳) کیا ابن حزمؒ عورتوں کے نبی ہونے کے قائل تھے؟ اِس باب میں جمہور کی رائے کیا ہے؟

(۴) کسی عورت کے پاس وحی آئی ہو، تو کیا اُس سے اُن کی نبوت ثابت ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) حضرت مریم علیہا السلام نبی تھیں یا نہیں، اس بارے میں بحث وکلام عہدِ صحابہؓ وتابعینؒ کے بعد ہوا۔[۱] مفسرین کرام اور محدثین عظام میں اختلاف رہا ہے، کچھ لوگ حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت کے قائل ہیں۔

حضرت امام نوویؒ اور ملا علی قاریؒ نے بعض علماء سے حضرت مریم علیہا السلام کی عدم نبوّت پر اجماع نقل کیا ہے۔[۲] لیکن دیگر مفسرین اور شراح حدیث نے اس اجماع کے

(۱) قال أبو محمد: هذا فصل لا نعلمه حدث التنازع العظيم فيه إلا عندنا بقرطبة وفي زماننا. (الفصل في الملل والأهواء والنحل-أبو محمد علي بن أحمد ابن حزم الأندلسي القرطبي (م:۴۵۶هـ):۵/ ۱۲، نبوة النساء، ط: مكتبة الخانجي-القاهرة)

(۲) وقد نقل جماعة الإجماع على عدمها، والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ حاشية النووي- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:۶۷۶هـ) :۲/ ۲۸۴، رقم الحديث: ۲۴۳۱، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل خديجة، ط: البدر-ديوبند)

ملا علی قاریؒ (م:۱۰۱۴ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: وذلك لما نقل العلماء من الإجماع على عدم نبوة النساء، ولما يدل عليه قوله تعالى: {وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا} [يوسف: ۱۰۹]. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۹/ ۳۶۵۸، باب بدء الخلق، وذكر الانبياء، تحت رقم الحديث: ۵۷۲۴، ط: دار الفكر، بيروت)

نقل کرنے کو قابل اشکال قرار دیا ہے۔ [(۳)]

بہر حال حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت کے قائلین کی دلیل درج ذیل آیت کریمہ ہے:

(۱) وَ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ. [(۴)]

اس آیت کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام پر وحی آئی ہے اور یہ نبوّت کی دلیل ہے۔

(۲) ان حضرات کی دوسری دلیل یہ حدیث پاک ہے:

عن أبي موسى رضي الله عنه، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: " كمل من الرجال كثير، ولم يكمل من النساء: إلا آسية امرأة فرعون، ومريم بنت عمران، وإن فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام ". [(۵)]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں سے بہت سے لوگ درجۂ کمال کو پہنچے، اور عورتوں میں سے سوائے فرعون کی بیوی آسیہ اور حضرت عمران کی بیٹی حضرت مریم کے علاوہ کوئی کمال کو نہیں پہنچیں، اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی کہ ثرید کی فضیلت بقیہ کھانوں پر۔

حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت کے اثبات میں علامہ ابوعبداللہ القرطبیؒ (صاحب تفسیر الجامع لاحکام القرآن معروف بہ تفسیر قرطبی) پیش پیش ہیں، اس لیے ابومحمد علی بن احمد القرطبی الظاہری معروف بہ ابن حزم ظاہریؒ بھی یہ مذہب رکھتے ہوں تو بعید نہیں۔ علامہ قرطبیؒ کے پیش پیش ہونے کی وجہ فتح الباری شرح بخاری سے معلوم ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ ان کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوا۔ [(۶)] اور ابن حزمؒ کا رجحان

---

(۳) ذهب بعض العلماء إلى أن الله أنعم على بعض النساء بالنبوة، فمن هؤلاء أبو الحسن الأشعري والقرطبي وابن حزم. (الرسل والرسالات - عمر بن سليمان بن عبد الله الأشقر العتيبي، ص: ۸۶، الباب الأول، الرسل والأنبياء، ط: مكتبة الفلاح - الكويت)

(۴) (۳-آل عمران: ۴۲)

(۵) صحيح البخاري: ۱/ ۴۸۳، رقم: ۳۴۱۱، ۳۴۳۳، ۳۷۶۹، ۵۴۱۸، كتاب الأنبياء، باب قول الله عز وجل: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ... إلى قوله: وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ، ط: البدر - ديوبند)

(۶) وذكر ابن حزم في الملل والنحل: أن هذه المسألة لم يحدث التنازع فيها إلا في عصره بقرطبة. (فتح الباري - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۶/ ۴۴۷، كتاب الجهاد، باب قوله تعالى: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ، ط: دار المعرفة - بيروت)

بھی اس باب میں نبوّت کی طرف ہے۔ (۷)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ صور پھونکے جانے یعنی قیامت تک کی سبھی عورتوں پر حضرت مریم علیہا السلام کو برگزیدہ بنایا، پھر مذکورہ بالا حدیث کو بہ طریق مسلم ذکر فرما کر رقم طراز ہیں کہ ''کمال کے معنی کسی شئے کا اپنی نہایت اور حد کو پہنچ کر پورا ہوجانا ہے''، کمالِ مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہے؛ لیکن اس میں شک نہیں کہ بنی نوعِ انسان میں اکمل' انبیاء پھر اولیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، تو حدیث شریف میں حضرت مریم علیہا السلام کی جانب جو کمال منسوب ہے، اس سے نبوت مراد ہے اور صحیح یہی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے واسطے سے اُن تک وحی بھیجی، جس طرح بقیہ نبیوں پر بھیجی۔ (۸)

علامہ قرطبیؒ نے مذکورہ روایت کے علاوہ بھی بعض روایت حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت سے متعلق ذکر فرمائی ہے، جن میں ایک روایت یہ بھی ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

---

(۷) اس سوال کا حاشیہ نمبر ۳۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۸) وقيل: "على نساء العالمين" أجمع إلى يوم الصور، وهو الصحيح ... وروى مسلم عن أبي موسى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (كمل من الرجال كثير ولم يكمل من النساء غير مريم بنت عمران وآسية امرأة فرعون وإن فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام.)

قال علماؤنا رحمة الله عليهم: الكمال هو التناهي والتمام... والكمال المطلق إنما هو لله تعالى خاصة. ولا شك أن أكمل نوع الإنسان الأنبياء، ثم يليهم الأولياء؛ من الصديقين والشهداء والصالحين. وإذا تقرر هذا فقد قيل: إن الكمال المذكور في الحديث يعني به النبوة... والصحيح أن مريم نبية؛ لأن الله تعالى أوحى إليها بواسطة الملك كما أوحى إلى سائر النبيين... وروي من طرق صحيحة أنه - عليه السلام - قال فيما رواه عنه أبو هريرة: (خير نساء العالمين أربع مريم بنت عمران وآسية بنت مزاحم امرأة فرعون وخديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد). ومن حديث ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم: (أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد و مريم بنت عمران وآسية بنت مزاحم امرأة فرعون. (وفي طريق آخر عنه:) سيدة نساء أهل الجنة بعد مريم فاطمة و خديجة. ———— فظاهر القرآن والأحاديث يقتضي أن مريم أفضل من جميع نساء العالم من حواء إلى آخر امرأة تقوم عليها الساعة، فإن الملائكة قد بلغتها الوحي عن الله - عز وجل - بالتكليف والإخبار والبشارة كما بلغت سائر الأنبياء، فهي إذا نبية والنبي أفضل من الولي فهي أفضل من كل النساء: الأولين والآخرين مطلقا. ثم بعدها في الفضيلة فاطمة، ثم خديجة، ثم آسية. وكذلك رواه موسى بن عقبة عن كريب عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (سيدة نساء العالمين مريم ثم فاطمة ثم خديجة ثم آسية). وهذا حديث حسن يرفع الإشكال. وقد خص الله مريم بما لم يؤته أحدا من النساء،... ولذلك روي أنها سبقت السابقين مع الرسل إلى الجنة. (تفسير القرطبي: ۴/ ۸۲-۸۴، (-۱۳آل عمران: ۴۲-۴۳) ط: دار الكتب المصرية-القاهرة)

»سیدات نساء أهل الجنة، بعد مریم ابنة عمران: فاطمة و خدیجة، ثم آسیة امرأة فرعون«.[9]

پس ظاہر قرآن و حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام، حضرت حوا علیہا السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام عورتوں سے افضل ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی، فرشتوں نے بحیثیت تکلیف (نماز کا حکم) "یمریم اقنتی لربك" اور بحیثیت اخبار بشارت، دیگر انبیاء کرام کی طرح آپ تک پہنچائی ہے؛ لہٰذا آپ نبیہ ہیں، اور دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں، ان کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت آسیہؓ کا مقام ہے:

عن ابن عباس قال قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم- "سیدة نساء أهل الجنة مریم بنت عمران، ثم فاطمة، ثم خدیجة، ثم آسیا امرأة فرعون.[10]

علامہ قرطبی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث حسن ہے، جس سے اشکال خود بہ خود رفع ہو جاتے ہیں"۔

علامہ قرطبی مزید فرماتے ہیں کہ "بنی آدم میں کوئی عورت ایسی نہیں جس کو حضرت مریم کی مانند مناقب حاصل ہوں، نیز یہ کہ وہ انبیاء و رسل کے زمرہ میں دخولِ جنت کے وقت شریک ہوں گی، غرض انہوں نے حدیث شریف وغیرہ سے اس بات پر پرزور استدلال کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ ہیں۔

علامہ قرطبیؒ کے ہم نواؤں میں حضرت حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی بھی ہیں، جو علامہ قرطبیؒ کے زورِ استدلال سے متاثر ہیں، بل کہ حدیثِ مذکور پر انہوں نے ایک بات ایسی بھی لکھی ہے جس سے وہ علامہ قرطبیؒ سے بھی آگے معلوم ہوتے ہیں، کہ قائلین نبوّت کا استدلال اس طرح سے ہو رہا ہے کہ حدیث شریف میں مذکورہ عورتوں کے علاوہ کسی اور کے کمال تک نہ پہنچنے سے مراد نبوّت کے مقام تک نہ پہنچنا ہے؛ کیوں کہ اگر

---

(۹) المعجم الاوسط- أبو القاسم الطبراني (م:۳۶۰ھ): ۴/ ۲۳، رقم: ۱۱۰۷، من اسمه أحمد، ت: طارق بن عوض الله، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة ☆ المعجم الكبير: ۱۱/ ۳۱۵، رقم: ۱۲۱۷۹، كريب عن ابن عباس، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة ☆ كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال- علاء الدين علي بن حسام الدين الهندي البرهانفوري، الشهير بالمتقي الهندي (م:۹۷۵ھ): ۱۲/ ۱۴۵، رقم الحديث: ۳۴۴۰۹، ت: بكري حياني - صفوة السقا، ط: مؤسسة الرسالة)

(۱۰) تاريخ دمشق- أبو القاسم علي بن الحسن المعروف بابن عساكر (م: ۵۷۱ھ): ۷۰/ ۱۰۷، رقم: ۱۳۸۰۳، ت: عمرو بن غرامة العمروي، ط: دار الفكر - بيروت)

اُس سے صدیقیت یا ولایت کی دیگر اقسام مراد ہوں، تو حدیث شریف کے حصر سے یہ لازم آئے گا کہ مذکورہ فی الحدیث عورتوں کے علاوہ کوئی بھی عورت مقامِ صدیقیت و ولایت کو نہیں پہنچی، حالاں کہ کئی عورتیں اِس مقام پر سرفراز ہوئی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ''کمال'' سے ''نبوت'' ہی مراد ہے۔ اُس کے بعد وہی روایات پیش کی ہیں، جن کو علامہ قرطبی نے ذکر فرمایا ہے، یہ تمام روایات افضلیت مریم علیہا السلام، وفاطمہؓ وخدیجہؓ رضی اللہ عنہن پر دلالت کرتی ہیں، اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے خواتین کے لیے عدمِ نبوّت کے قائلین کی ایک دلیل ذکر فرما کر اُس کا رد فرمایا ہے۔

آخر میں حافظؒ نے علامہ ابن حزمؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نبوّت کے بارے میں صریح دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بلا تامل اُس بچہ کو وحی کی بنیاد پر دریا میں ڈال دیا، اور حضرت مریم علیہا السلام کا انبیاء کے ساتھ ذکر فرما کر ''أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين'' فرمایا۔ اس میں حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت پر دلیل اس طور پر ہے کہ لفظ ''أولئك'' کے عموم میں حضرت مریم بھی داخل ہیں۔ (۱۱)

خلاصہ یہ کہ حافظ ابن حجرؒ نے عدمِ نبوّت کے قائلین کی حمایت میں کچھ نہیں کہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا رجحان بھی علامہ قرطبیؒ اور ابن حزمؒ کے قول کی طرف ہے، اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ جمہور کے خلاف ہیں، بل کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس باب میں توقف کو پسند کرتے ہیں۔ (فتح الباری: ۶/ ۴۴۷) (۱۲)

---

(۱۱) ر: الفصل في الملل والأهواء والنحل - ابن حزم الظاهري: ۵/ ۱۳، نبوة النساء، ط: مكتبة الخانجي، القاهرة)

(۱۲) قوله: ولم يكمل من النساء إلا آسية امرأة فرعون ومريم بنت عمران. استدل بهذا الحصر على أنهما نبيتان؛ لأن أكمل النوع الإنساني الأنبياء، ثم الأولياء، والصديقون، والشهداء، فلو كانتا غير نبيتين، للزم ألا يكون في النساء ولية، ولا صديقة، ولا شهيدة، والواقع أن هذه الصفات في كثير منهن موجودة، فكأنه قال: ولم ينبأ من النساء إلا فلانة وفلانة ولو قال لم تثبت صفة الصديقية أو الولاية أو الشهادة إلا لفلانة وفلانة لم يصح؛ لوجود ذلك في غيرهن إلا أن يكون المراد في الحديث كمال غير الأنبياء فلا يتم الدليل على ذلك لأجل ذلك. والله أعلم. (ثم سرد الروايات الواردة في فضائل مريم وخديجة وفاطمة - رضي الله عنهن) . . . وحجة المانعين قوله تعالى: وما أرسلنا من قبلك إلا رجالا. قال وهذا لا حجة فيه، فإن أحدا لم يدع فيهن الرسالة، وإنما الكلام في النبوة فقط، قال وأصرح ما ورد في ذلك قصة مريم وفي قصة أم موسى ما يدل على ثبوت ذلك لها من مبادرتها بالقاء ولدها في البحر بمجرد الوحي إليها بذلك قال وقد قال الله تعالى بعد أن ذكر مريم والأنبياء بعدها أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين، فدخلت في عمومه، والله أعلم. (فتح الباري - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۶/ ۴۴۷، كتاب الجهاد، باب قول الله تعالى: وضرب الله مثلا للذين آمنوا امرأة فرعون إلى قوله وكانت من القانتين. ط: دار المعرفة - بيروت)

حضرت علامہ بدالدین عینیؒ نے حافظ ابن حجرؒ کے استدلال کو رد فرمایا ہے، اور فرمایا کہ کمال کے معنیٰ وہی ہیں، جو علامہ قرطبیؒ و ابن حجرؒ نے بیان کیے ہیں، مگر اُس سے نبوّت کا مراد ہونا لازم نہیں آتا؛ اِس لیے کہ ہر شئے کا تمام وکمال اُس کی شایانِ شان ہوتا ہے، اِس لیے اس جملے (کمل من النساء الخ) سے عورتوں کے ساتھ جو کمالات مخصوص ہیں، اُن کی نہایت کو پہنچنا مراد ہے۔ (اور نبی ہونا اُن کمالات میں سے نہیں' جو عورتوں کی شایانِ شان ہو) اس لیے اس سے نبوت مراد نہیں ہوسکتی۔ ـــــــ ظاہر ہے کہ یہ مصادرت علی المطلوب ہے؛ اس لیے علامہ عینیؒ کے مذکورہ استدلال کو قوی نہیں کہا جاسکتا۔ [۱۳]

علامہ عینیؒ نے بھی امام ابوالحسن اشعریؒ اور علامہ قرطبیؒ کے اقوال کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، اُن کا پر زور رد نہیں فرمایا، البتہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت خدیجہؓ کا افضل النساء ہونا متعدد روایات سے ثابت کیا ہے؛ لیکن آخر میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت ذکر فرمائی ہے:

فاطمة سيدة نساء أهل الجنة، إلا ما كان من مريم بنت عمران. (مسند أحمد)

کہ حضرت فاطمہ حضرت مریم علیہا السلام کے علاوہ دیگر تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ اس سے کم از کم حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مساوات ثابت ہوتی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی صحت ثابت ہوجائے تو پھر حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت حضرت فاطمہؓ پر متعین ہوجاتی ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا ہی کی یہ روایت واوِ عطف کے ساتھ بھی مروی ہے، جو درج ذیل ہے:

سيدة نساء أهل الجنة مريم بن عمران و فاطمة و خديجة و آسية امرأة فرعون.

اِس لیے فضیلت حضرت مریم علیہا السلام کی تعیین مشکوک ہوجاتی ہے۔ فیصلہ کن بات نہیں فرمائی، غالباً یہ بھی توقف کرتے ہیں۔ (عینی: ۵/۳۰۹) [۱۴]

(۱۳) المصادرة على المطلوب: تطلق على قسم من الخطاء في البرهان لخطاء مادته من جهة المبني وهي جعل النتيجة مقدمة من مقدمتي البرهان بتغير ما. (قواعد الفقه-عميم الإحسان: ص۴۸۹، ط: الصدف - باكستان)

(۱۴) قال العيني: بعد ذكر مستدلات ابن حجر و القرطبي رداعليهما: ومنع بأنه لا يلزم من لفظها الكمال نبوتهما إذ هو يطلق على إتمام الشيء وتناهيه في بابه، فالمراد تناهيهما في جميع الفضائل التي للنساء،... وروى الإمام أحمد من حديث أبي سعيد، قال: قال رسول الله-صلى الله عليه وسلم-: (فاطمة سيدة نساء أهل الجنة إلا ما كان من مريم بنت عمران). وهذا يدل على أن فاطمة و مريم أفضل هذه الأربع، ثم يحتمل الاستثناء أن تكون مريم أفضل من=

قائلین عدمِ نبوّت میں حضرت امام نوویؒ نے بہ صراحت رد فرمایا ہے، چناں چہ آپؒ قاضی عیاضؒ کے نبوت کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ''غریب ضعیف''، نیز فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کی عدم نبوت پر ایک جماعت نے اجماع نقل کیا ہے۔(۱۵)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ (صاحب تفسیر روح المعانی) نے اس بات کی تردید کی ہے کہ مریم علیہا السلام کی عدمِ نبوّت پر اجماع ہے، بل کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت کا قول مشہور ہے اور شیخ تقی الدین سبکی اور ابن سید الناس نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے۔(۱۶) البتہ حضرت مریم علیہا السلام کی نبوّت کے قول کی تردید فرمائی ہے، اور اللقانی کا قول نقل فرمایا ہے کہ ''اس پر اجماع ہے کہ غیر نبی سے فرشتوں کا کلام ثابت ہے اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محض فرشتہ کے کلام کی بنا پر یا محض وحی کی بنا پر نبوّت ثابت ہو جاتی ہے، تو وہ جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے''۔(۱۷)

=فاطمة، ويحتمل أن تكونا على السواء في الفضيلة، لكن ورد حديث، إن صح عين الاحتمال الأول، وهو ما روي: أن ابن عباس قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: (سيدة نساء أهل الجنة مريم بنت عمران، ثم فاطمة، ثم خديجة، ثم آسية امرأة فرعون). رواه ابن عساكر، فإن كان هذا اللفظ محفوظا: بثم، التي للترتيب فهو مبين لأحد الإحتمالين اللذين دل عليهما الاستثناء، ويقدم على ما تقدم من الألفاظ التي وردت: بواو العطف التي لا تقتضي الترتيب ولا تنفيه. (عمدة القاري: ۱۵/ ۳۰۹، تحت رقم الحديث: ۱۱۳۳، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱۵) والجمهور على أنهما ليستا نبيتين؛ بل هما صديقتان، وولیتان من أولياء الله تعالى... قال القاضي: فإن قلنا هما نبيتان فلا شك أن غيرهما لا يلحق بهما، وإن قلنا وليتان لم يمتنع أن يشاركهما من هذه الأمة غيرهما. هذا كلام القاضي وهذا الذي نقله من القول بنبوتهما "غريب ضعيف". وقد نقل جماعة الإجماع على عدمها. والله اعلم. (شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/ ۲۸۴، باب: من فضائل خديجة كتاب الفضائل، ط: البدر- ديوبند)

(۱۶) ومن الناس من استدل على عدم استنباء النساء بالإجماع، وبقوله تعالى: وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا. [۲۱-الأنبياء: ۷] ولا يخفى ما فيه، أما أولا: فلأن حكاية الإجماع في غاية الغرابة؛ فإن الخلاف في نبوة نسوة: كحواء، وآسية، وأم موسى، وسارة، وهاجر، ومريم- موجود خصوصا مريم؛ فإن القول بنبوتها شهير؛ بل مال الشيخ تقي الدين السبكي في الحلبيات، وابن السيد إلى ترجيحه، وذكر أن ذكرها مع الأنبياء في سورتهم قرينة قوية لذلك. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني- شهاب الدين محمود الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۲/ ۱۴۹، تفسير سورة آل عمران: ۴۲، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱۷) واستدل بهذه الآية من ذهب إلى نبوة مريم؛ لأن تكليم الملائكة يقتضيها، ومنعه اللقاني بأن الملائكة قد كلموا من ليس بنبي إجماعا... وادعى أن من توهم أن النبوة مجرد الوحي ومكالمة الملك فقد حاد عن الصواب. (روح المعاني: ۲/ ۱۴۸-۱۴۹)

پھر صاحب روح المعانی نے اُن روایات پر بحث فرمائی ہے جو علامہ قرطبیؒ، ابن حجرؒ اور عینیؒ نے ''فضیلت حضرت مریم علیہا السلام بر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا'' کے سلسلہ میں پیش فرمائی ہیں، لیکن ان روایات کے ساتھ ابن عساکرؒ کی وہ روایت پیش کی ہے، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس میں حضرت فاطمہ کی علی الاطلاق افضلیت کی تصریح ہے، روایت ہے:

أربع نسوة سادات عالمهن، مريم بنت عمران، و آسية بن مزاحم، و خديجة بنت خويلد، و فاطمة بنت محمد، و أفضلهن عالما فاطمة. (۱۸)

اس کے بعد صاحب روح المعانیؒ نے حارث بن اُسامہ کی روایت مرسلا سندِ صحیح کے ساتھ ذکر کر کے لکھا ہے کہ ابوجعفر ائمہ اہلِ بیت میں سے مشہور شخصیت ہیں، اُن کا مذہب یہی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے زمانہ کی عورتوں کے لحاظ سے افضل ہیں۔

صاحبِ روح المعانیؒ مزید فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگلی پچھلی تمام عورتوں سے افضل ہیں، حتیٰ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہیں، اس حیثیت سے کہ وہ سرورِ کائنات ﷺ کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا ہیں، جس کے مقابل میں کسی شئے کو نہیں سمجھتا؛ بل کہ وہ ''بضعة الرسول'' ہونے کی حیثیت سے حضرت مریم علیہا السلام سے بھی افضل ہیں، اگر حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت کو مان لیا جائے، تب بھی حیثیت کے لحاظ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت مسلم ہے۔ (۱۹) سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اِس لحاظ سے جملہ بناتِ نبی ﷺ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

آخر میں آپؒ حضرت مریم کی حضرت فاطمہ پر فضیلت کے تعلق سے فیصلہ کن بات فرماتے ہیں کہ فضیلتِ مطلقہ کے لحاظ سے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان فیصلہ سے توقف

---

(۱۸) ر: روح المعانی: ۱۴۹/۲۔

(۱۹) وإلى هذا (افضلية مريم) ذهب أبو جعفر - رضي الله تعالى عنه - عن أئمة أهل البيت - والذي أميل إليه - أن الفاطمة البتول أفضل النساء المتقدمات والمتأخرات من حيث أنها بضعة رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - بل ومن حيثيات أخر أيضاً . . . وهذا سائغ على القول بنوة مريم أيضاً إذا البضعية من روح الوجود وسيد كل موجود لا أراها تقابل بشيء. (المصدر السالف)

کرتا ہوں، تائید میں ذکر کرتے ہیں کہ قاضی ابوجعفر اور ابن جماعہ سے بھی توقف مروی ہے؛ بل کہ ابن جماعہ نے اسی قول کو ''بہتر و اسلم'' قرار دیا ہے۔ (۲۰)

(فیصلہ کن بات)

البتہ عماد الدین اسماعیل ابن کثیرؒ اس باب میں فیصلہ کن اور دوٹوک بات کہی ہے کہ آیت کریمہ ''و ما أرسلنا من قبلك إلا رجالا . . . الخ'' سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف مردوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، عورتوں میں سے کسی کو نبوّت نہیں ملی اور یہی جمہور کا قول ہے؛ کیوں کہ آیتِ کریمہ کا سیاق یہی تقاضہ کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے حضرت سارہ امراۃ خلیلؑ، اُمِ موسیٰ اور مریم بنت عمران کو ''نبیہ'' کہا ہے، اور حضرات ملائکہ کے کلام وسلام یا بشارت ومطلق وحی سے استدلال کیا ہے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے اُن خواتین کو حاصل ہونے کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کو نبیات قرار دیا جائے، اگر نبوّت سے مراد قائلین نبوت کی صرف اس قدر ہے کہ ایک دو مرتبہ کلامِ ملائکہ سے مشرف ہوگئیں، تو شرافت کے حصول میں تو کوئی کلام نہیں؛ لیکن کیا صرف اِس قدر کلام، سلسلۂ نبوت کی لڑی میں شامل ہوجانے کے لیے کافی ہے؟؟؟

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ عورتوں میں کوئی نبیہ نہیں ہیں، چناں چہ وہ شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعریؒ سے نقل کرتے ہیں:

أنه ليس في النساء نبية، وإنما فيهن صديقات، كما قال تعالى مخبرا عن أشرفهن مريم بنت عمران حيث قال: {مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ} [المائدة: ٧٥] فوصفها في أشرف مقاماتها بالصديقية، فلو كانت نبية لذكر ذلك في مقام التشريف والإعظام، فهي صديقة بنص القرآن.

کہ عورتوں میں کوئی نبی نہیں ہیں، اُن میں صرف صدیقات ہیں، چناں چہ اُن عورتوں میں سے جن

---

(۲۰) وبعد هذا كله الذي يدور في خلدي أن أفضل النساء فاطمة، ثم أمها، ثم عائشة، بل لو قال قائل: إن سائر بنات النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- أفضل من عائشة لا أرى عليه بأسا، وعندي بين مريم وفاطمة توقف نظر اللأفضلية المطلقة ... وإلى التوقف مال القاضي أبو جعفر الستروشني منا- وذهب ابن جماعة إلى أنه المذهب الأسلم. (روح المعاني: ۱۵۰/۳، ط: دار الكتب العلمية)

کے متعلق نبوت کا خیال ہے، اُن میں سب سے اعلیٰ مقام حضرت مریم علیہا السلام کا ہے، اُن کو قرآن کریم نے صدیقہ کے لقب سے نوازا، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسیح ابن مریم صرف نبی ہیں، اُن سے پہلے بہت سے رسول گزرے، اور اُن کی ماں صدیقہ ہیں، دونوں عام انسانوں کی طرح کھانا کھاتے تھے، تو اس اظہارِ عظمت وشرافت کے مقام میں حضرت مریم علیہا السلام کے اعلیٰ مقامات میں سے جس رتبہ کا ذکر فرمایا، وہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام صدیقہ ہیں، اگر وہ نبیہ ہوتیں، تو اس مقامِ مدح میں انہیں ضرور نبیہ کہا جاتا، پس وہ نص قرآنی سے صدیقہ ٹھہرتی ہیں۔ (۲۱)

بندہ کی ناقص رائے میں علامہ ابن کثیرؒ کی یہ بات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور فیصلہ کن بات ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ نہیں ہیں، ان کی ذکر کردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کسی عورت کو کبھی نبوت نہیں ملی، اگر صرف کلامِ ملائکہ کا نام نبوّت ہے، تو اگرچہ اُس کو نبوّت کہا جائے؛ لیکن اُس سے مراد نبوّتِ تشریعی نہیں ہے، اور نہ کسی عورت کے لیے اُس کا ثبوت ہے، قائلین نبوت صاحب روح المعانی، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ قرطبیؒ نے مذکورہ بالا آیت سے عدم نبوت نساء پر استدلال کو رد کیا ہے کہ یہاں آیت میں رسالت کو مردوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اور عورتوں سے رسالت کی نفی کی گئی ہے، لیکن خاص

---

(۲۱) يخبر تعالى أنه إنما أرسل رسله من الرجال لا من النساء، وهذا قول جمهور العلماء، كما دل عليه سياق هذه الآية الكريمة أن الله تعالى لم يوح إلى امرأة من بنات بني آدم وحي تشريع.

وزعم بعضهم أن سارة امرأة الخليل وأم موسى ومريم بنت عمران أم عيسى نبيات، واحتجوا بأن الملائكة بشرت سارة بإسحاق ومن وراء إسحاق يعقوب، وبقوله: وأوحينا إلى أم موسى أن أرضعيه [القصص: ۷] الآية. وبأن الملك جاء إلى مريم فبشرها بعيسى عليه السلام، وبقوله تعالى: إذ قالت الملائكة يا مريم إن الله اصطفاك وطهرك واصطفاك على نساء العالمين يا مريم اقنتي لربك واسجدي واركعي مع الراكعين [آل عمران: ۴۲-۴۳].

وهذا القدر حاصل لهن، ولكن لا يلزم من هذا أن يكن نبيات بذلك، فإن أراد القائل بنبوتهن هذا القدر من التشريف، فهذا لا شك فيه، ويبقى الكلام معه في أن هذا هل يكفي في الانتظام في سلك النبوة بمجرده أم لا؟ الذي عليه أهل السنة والجماعة، وهو الذي نقله الشيخ أبو الحسن علي بن إسماعيل الأشعري عنهم أنه ليس في النساء نبية، وإنما فيهن صديقات، كما قال تعالى مخبرا عن أشرفهن مريم بنت عمران حيث قال تعالى: ما المسيح ابن مريم إلا رسول قد خلت من قبله الرسل وأمه صديقة كانا يأكلان الطعام [المائدة: ۷۵] فوصفها في أشرف مقاماتها بالصديقية، فلو كانت نبية لذكر ذلك في مقام التشريف والإعظام، فهي صديقة بنص القرآن. (تفسير القرآن العظيم-أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۴ھ): ۴/ ۳۶۲، سورة يوسف، وما ارسلنا من قبلك الخ (الآية: ۹)، ت: محمد حسين شمس الدين، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں، چناں چہ عورتوں سے نبوت کی نفی اس آیت سے ثابت نہ ہوگی۔ (۲۲)

لیکن آیتِ کریمہ کو رسالت بہ مقابلہ نبوت کے معنیٰ میں لے کر نبوت کو "أرسلنا" کے مفہوم سے خارج قرار دینے پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیا قرآنِ کریم میں جہاں "أرسلنا" کا لفظ آیا ہے، وہاں صرف رسول ہی مراد لیے گئے ہیں؟ نبی مراد نہیں لیے گئے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔

چناں چہ آیتِ کریمہ: وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝. [-۱۳النساء: ۱۶۴-۱۶۵]

اور ایسے پیغمبروں کو (صاحب وحی بنایا) جن کا حال اس کے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ایسے پیغمبروں کو، جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔ (ان سب کو) خوش خبری دینے والے اور خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر (اس لیے بھیجا) تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ پورے زور والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔ (ترجمہ بیان القرآن)

تو کیا جن کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا ہے یا احادیث نبویہ میں، وہ سب کے سب رسول تھے؟؟؟ کیا ان میں کوئی صرف نبی نہیں تھے، کیا حضرت یسع اور حضرت یحییٰ (علیہما السلام) رسول ہیں؟ ذوالکفل علیہ السلام رسول ہیں، یہ ظاہر ہے کہ رسول کی اصطلاحی تعریف مختلف فیہ ہے، اور یہ حضرات اس معنیٰ کر رسول نہیں ہیں۔ (۲۳) پھر رسلاً میں وہ بھی شامل ہیں، جن کا بیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں کیا گیا، ظاہر بات ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے جن کا بیان نہیں آیا، وہ سب اصطلاحی معنیٰ میں رسول ہیں، ہرگز نہیں۔

---

(۲۲) وأما ثانيا فلأن الاستدلال بالآية لا يصح؛ لأن المذكور فيها الإرسال، وهو أخص من الاستنباء على الصحيح المشهور، ولا يلزم من نفي الأخص نفي الأعم. (روح المعاني: ۱۴۹/۲، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)
وانظر: فتح الباري: ۴۴۷/۶، كتاب الجهاد، قوله باب: قول الله تعالى: وضرب الله مثلاً. ط: دار المعرفة - بيروت ☆ الرسل والرسالات: ۸۶/۱، الباب الأول الرسل والأنبياء، ط: مكتبة الفلاح - الكويت ☆ الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۱۲/۵، نبوة النساء، ط: مكتبة الخانجي - القاهرة)

(۲۳) والرسول: انسان بعثه الله تعالى إلى الخلق لتبليغ الأحكام وقد يشترط فيه الكتاب، بخلاف النبي فانه أعم. (شرح عقائد نسفي ص: ۱۶، ط: ياسر نديم - ديوبند)

"رسلاً مبشرین و منذرین" میں بھی خاص رسول مراد نہیں، لہٰذا قرآن کریم میں "رسلاً" کے لفظ کے تحت انبیاء و رسل سب شامل ہو سکتے ہیں، تو پھر "أرسلنا" کے صیغہ میں نبوت کے عدم شمول پر کوئی حجت ضرور چاہیے، بلا قرینہ انبیاء کو "أرسلنا" کے صیغہ سے خارج کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح علامہ ابن حزمؒ کا استدلال کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کے واقعات سورۂ مریم میں ذکر فرمائے ہیں:

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ. (۲۴)

اس آیتِ کریمہ میں لفظِ أولئك کے عموم میں حضرت مریم علیہا السلام بھی داخل ہیں، اور انبیاء کے ساتھ تذکرہ اُن کی نبوت کے دلیل ہے۔ (۲۵)

ابن حزم کا یہ کہنا کہ اس آیت کے عموم میں حضرت مریم علیہا السلام داخل ہیں۔" (۲۶) تو عرض ہے کہ مشار الیہ میں اُن کا دخول تغلیباً ہے، اثباتِ نبوت کے لیے ایسا ضعیف اشارہ کافی نہیں، پھر نہ تو فرشتہ نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا کہ آپ نبیہ ہیں، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں بھی خود کے نبی ہونے کی خبر دی، (۲۷) لیکن اپنی والدہ کے نبی ہونے کے بارے میں کچھ نہیں کہا، نہ اُس زمانہ کے لوگوں نے جانا کہ حضرت مریم علیہا السلام نبیہ ہیں، ورنہ وہ لوگ حضرت مریم علیہا السلام پر بدگمانی کیوں کرتے؟ نیز سورۂ مریم میں جب انبیاء کا تذکرہ آیا، تو اللہ تعالیٰ نے "وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا" فرمایا، (۲۸) اسی طرح ہر پیغمبر کے بارے میں اُن کے رسول و نبی ہونے کی

---

(۲۴) ۴-النساء: ۶۹۔

(۲۵) ابن حزمؒ نے سورہ نساء کی مذکورہ آیت سے استدلال نہیں کیا ہے، بلکہ سورہ مریم کی آیت: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا. (۱۹-مریم: ۵۸) سے استدلال کیا ہے، ملاحظہ ہو: الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۵/ ۱۳، نبوة النساء، ط: مكتبة الخانجي - القاهرة)

(۲۶) ووجدنا الله تعالى قد قال وقد ذكر من الأنبياء عليهم السلام في سورة كهيعص ذكر مريم في جملتهم ثم قال عز وجل {أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين من ذرية آدم وممن حملنا مع نوح} وهذا هو عموم لها معهم لا يجوز تخصيصها من جملتهم. (الفصل في الملل والأهواء والنحل - ابن حزم الأندلسي (م: ۴۵۶): ۵/ ۱۳، نبوة النساء، ط: مكتبة الخانجي، القاهرة)

(۲۷) قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ [۱۹-مریم: ۳۰]

(۲۸) ۱۹-مریم: ۴۱۔

صراحت فرمائی، مگر سیاق وسباق میں "واذکر فی الکتاب مریم إنها کانت نبیة" کا موقع ہوتے ہوئے کیوں اس طرح ذکرہ نہیں کیا گیا؟ معلوم ہوا کہ وہ نبیہ نہیں ہیں۔ ہمارا استدلال ابن حزمؒ کے اشارہ کے استدلال سے قوی ہے۔(۲۹)

دوسرا استدلال علامہ ابن حزمؒ کا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرشتہ کی وحیٔ محض پر اپنے بچے کو دریا میں ڈال دیا، یہ اُن کے نبیہ ہونے کی دلیل ہے۔(۳۰)

اول تو مذکورہ وحی کی قسم جان لینا ضروری ہے کہ وہ بہ ذریعہ ملک (فرشتہ) تھی یا الہام کی صورت میں تھی؟ اگر الہام کی صورت میں تھی اور یہی ظاہر ہے۔(۳۱) تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ بات پختہ کر دی گئی کہ ہو نہ ہو، میرا یہی لڑکا نبی ہوگا، جس کی طلب وجستجو میں سینکڑوں بچے ذبح کیے جا چکے ہیں، بچہ کی شکل وصورت، اُس کی تندرستی اور بے عیب ہونا-جو نبی کی شان ہوتی ہے-دیکھ کر حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے دِل میں یہ بات پختہ ہوگئی کہ یہی رسولِ موعود ہے، جب یہ رسولِ موعود ہے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کریں گے اور وہ ضائع نہ ہوگا، اس لیے فرعون کے ہاتھوں ذبح ہونے کے بہ نسبت اُس کو دریا میں بہ طورِ تدبیر کے ڈال دینا مناسب ہوگا۔ بس، یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں آئی، اس لیے پورے سکون کے

(۲۹) كما أشار إليه ابن كثير في تفسيره. انظر: ۳/ ۶۲ ۳، (۱۰۲ يوسف: ۹) ط: دار الكتب العلمية-بيروت.

(۳۰) ووجدنا أم موسى-عليهما الصلاة والسلام- قد أوحى الله إليها بالقاء ولدها في اليم، وأعلمها أنه سيرده إليها، ويجعله نبيا مرسلا، فهذه نبوة لا شك فيها، وبضرورة العقل يدري كل ذي تمييز صحيح أنها لو لم تكن واثقة بنبوة الله -عز وجل- لها، لكانت بالقائها ولدها في اليم برؤيا تراها، أو بما يقع في نفسها، أو قام في هاجستها في غاية الجنون والمرار الهائج، ولو فعل ذلك أحدنا لكان غاية الفسق أو في غاية الجنون، مستحقا لمعاناة دماغه في البيمارستان، لا يشك في هذا أحد، فصح يقينا أن الوحي الذي ورد لها في إلقاء ولدها في اليم كالوحي الوارد على إبراهيم في الرؤيا في ذبح ولده، لكنه ذبح ولده لرؤيا رآها أو ظن وقع في نفسه لكان بلا شك فاعل ذلك من غير الأنبياء فاسقا في نهاية الفسق أو مجنونا في غاية الجنون، هذا ما لا يشك فيه أحد من الناس، فصحت نبوتهن بيقين. (الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۵/ ۱۳، ط: مكتبة الخانجي)

(۳۱) عن قتادة قوله: (وأوحينا إلى أم موسى) وحيا جاءها من الله قذف في قلبها، وليس بوحي نبوة. (تفسير القرآن العظيم -ابن أبي حاتم الرازي (م: ۳۲۷ھ): ۹/ ۲۹۴۱، رقم: ۱۶۶۸۱، ت: أسعد محمد الطيب، ط: مكتبة نزار مصطفى الباز-المملكة العربية السعودية)

وهذا وحي إلهام بلا خوف. (تفسير القرآن العظيم- أبو الفداء، ابن كثير القرشي، الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۳/ ۲۲۴، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

ساتھ اُنہوں نے بچے کو دریا میں ڈال دیا۔ فرعون کے خوف ودہشت کی وجہ سے کوئی نامناسب حرکت سرزد نہ ہوجائے، اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں تسکین پیدا کردی گئی تھی۔

اور اگر فرشتہ نے کلام کیا تھا۔ (۳۲) تب بھی تسکین قلبی اُس وحی کی بنا پر تھی، دونوں صورتوں میں اُس سے نبوت ثابت نہیں ہوسکے گی، جیسا کہ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ صرف اتنی وحی سے کوئی نبی کی فہرست میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (۳۳)

اور اگر نبی مانا جائے، تو یہ نبوت' غیر تشریعی، تکوینی ہوگی، جیسا کہ بعض حضرات قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت غیر تشریعی، تکوینی تھی۔ (۳۴) لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی وحی تکوینی تھی، کہ بچہ کو دریا میں ڈال دیا جائے، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وحی کہ کشتی کو توڑ دی جائے، کھیلتے بچے کو قتل کردیا جائے، اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کی وحی بھی تکوینات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بلند مقام عنایت فرمایا ہے، تمہارے بطن سے بغیر شادی کے بچہ پیدا ہوگا، اس عجیب حالت کی بنا پر اپنے آپ کو کسی بلا وآفت میں مبتلا نہ سمجھنا، قرار حمل، فرشتہ کا دم کرنا وغیرہ حالات سب تکوینات میں سے ہیں، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک دو مرتبہ اس قسم کی تکوینی وحی یا الہام سے وہ مقام مل جائے جو حضرت خضر علیہ السلام کا ہے۔

---

(۳۲) وقالت فرقة: كان بملك يمثل لها. تفسير القرآن العظيم - ابن أبي حاتم الرازي (م:۳۲۷ھ): ۹/۲۹۳۱، رقم: ۱۶۶۸۲، ☆ تفسير الماوردي = النكت والعيون - أبو الحسن علي بن محمد، الشهير بالماوردي (م:۴۵۰ھ): ۴/۲۳۵، ت: السيد ابن عبد المقصود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆تفسير السمعاني - أبو المظفر السمعاني (م:۴۸۹ھ): ۵/۱۲۲، ت: ياسر بن إبراهيم وغنيم بن عباس، ط: دار الوطن - الرياض)

(۳۳) انظر: تفسير ابن كثير: ۴/۳۶۲، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

(۳۴) والجمهور على أن الخضر نبي، وكان علمه معرفة بواطن قد أوحيت إليه، وعلم موسى الأحكام والفتيا بالظاهر. (البحر المحيط في التفسير - أبو حيان الأندلسي (م:۷۴۵ھ): ۷/۲۰۴، ت: صدقي محمد جميل، ط: دار الفكر - بيروت)

ياموسى! إني على علم من الله، علمنيه لا تعلمه، يريد: علم الباطن، وأنت على علم من الله علمكه الله، لا أعلمه، يريد: علم الظاهر. (الجواهر الحسان في تفسير القرآن - أبو زيد عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبي (م:۸۷۵ھ): ۳/۵۳۵، ت: محمد علي معوض وعادل أحمد عبد الموجود، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

علم خضری تکوین سے متعلق ہے، جس کو طریقت وشریعت سے کوئی تعلق نہیں، اور وہ علوم ولایت سے ادنیٰ درجہ کا شعبہ ہے اور علم موسوی تشریع سے متعلق ہے، جس میں طریقت وشریعت سب آگئی، اور اُس میں وہ علوم ہیں جو علوم ولایت کے اعلیٰ شعبوں میں سے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/۱۴۷، کتاب السلوک، ط: ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند)

علامہ قرطبیؒ اور جن حضرات نے حدیث ”کمل من الرجال کثیر ، ولم یکمل من النساء إلا مریم بنت عمران و اٰسیۃ امرأۃ فرعون . . . الخ“ سے نبوت پر استدلال فرمایا ہے، وہ آسیہ امرأۃِ فرعون کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، چناں چہ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آسیہ کی نبوت کا قائل ہونا ضروری نہیں اور وہ نبیہ نہیں ہیں۔ (۳۵)

تو اب عرض ہے کہ حدیثِ مذکور میں جب حضرت آسیہ کا نبوت سے استثناء ہوگیا، تو آسیہ کے لیے کون سا کمال ثابت ہوا، اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے لیے کمالِ صدیقیت یا ولایت ثابت ہوا، لہٰذا حضرت مریم علیہا السلام کے لیے کمالِ نبوت مراد لینے کے لیے حدیثِ مذکور کافی نہ ہوئی؛ بل کہ ملائکہ کے کلام کو پیشِ نظر رکھ کر کمالِ نبوت مراد لیا گیا، تو پھر استدلال کا مدار ” آیتِ کریمہ“ اور ” وحی کا آنا“ بن گیا، آیتِ کریمہ کے بارے میں روح المعانی کی بحث گزر چکی ہے کہ نساء العالمین سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے دور کی عورتیں ہیں۔ (۳۶) اور اگر پورے عالم کی عورتیں مراد ہوں، تو بہ حیثیت بضعۃ سید المرسلین ہونے کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ترجیح حاصل ہے۔ (۳۷)

لیکن جس طرح کہ پوری بحث سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت مریم علیہا السلام اپنی خصوصی منقبت کی بنا پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہوں، تو افضلیت کمالِ صدیقیت کی بنا پر ہے، اُس سے حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی، حالاں کہ عام طور پر محدثین ومفسرین کرام دونوں میں سے کسی ایک کو مطلق افضل قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ (۳۸) اور یہی اصلح ہے، تو مدارِ استدلال صرف وحی وکلام رہ جاتا ہے، اور اُس کا بطلان ظاہر ہے کہ بنصِ قرآنِ پاک جب اُن کو صدیقہ کہا گیا (۳۹) تو اصطفاء کے معنیٰ متعین ہوجاتے ہیں کہ اُس سے مقامِ صدیقیت ہی مراد ہے۔

(۳۵) وأما اٰسیۃ فلم یرد ما یدل علی نبوتھا دلالۃ واضحۃ، بل علی صدیقیتھا وفضلھا. (تفسیر القرطبي: ۴/ ۸۳، ط: دار الکتب المصریۃ-القاھرۃ)

(۳۶) قیل: نساء عالمھا، فلا یلزم منہ أفضلیتھا علی فاطمۃ رضي اللہ عنھا. (روح المعاني: ۲/ ۱۴۹، ط: دار الکتب العلمیۃ-بیروت)

(۳۷) والمراد من نساء العالمین قیل: جمیع النساء في سائر الأعصار، واستدل بہ علی أفضلیتھا علی فاطمۃ، و خدیجۃ، وعائشۃ رضي اللہ تعالی عنھن، والذي أمیل إلیہ أن فاطمۃ البتول أفضل النساء المتقدمات والمتأخرات من حیث إنھا بضعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ بل ومن حیثیات أخر أیضاً، وھذا سائغ علی القول بنبوۃ مریم أیضاً إذ البضعیۃ من روح الوجود وسید کل موجود لا أراھا تقابل بشيء. (المصدر السالف)

(۳۸) وعندي بین مریم وفاطمۃ توقف نظرا للأفضلیۃ المطلقۃ. (المصدا السالف) =

خلاصۂ بحث یہ کہ وحی، کلامِ ملک اور اصطفاء سے مطلقاً نبوت کا اثبات نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ سب ظنیات ہیں، اور آیتِ کریمہ "و أمه صديقة"(۴۰) قطعی ہے، اس وجہ سے ترجیح قطعی دلیل کو دی جائے گی۔

نیز کسی آیت اور حدیث شریف میں جب نبوتِ مریم کی صراحت نہیں ہے، تو نبوت جیسے قطعی اور اہم منصب کا اثبات اس طرح تخمیناً کسی متعین شخصیت کے بارے میں نہیں کیا جاسکتا، نبوت کے اثبات کے لیے ضروری ہے کہ کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی طور پر ثابت ہو، یا کم از کم اجماعِ اُمت ہو، نبوت کا منصب قیاس سے بھی ثابت نہیں ہوسکتا، ولایت تو ایک مکتسب کمال ہے؛ لیکن نبوت ایک وہبی کمال ہے۔(۴۱) اُس کو اکتساب سے کیا واسطہ؟ اور وہبی کمالِ نبوت کے بارے میں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے کلام یا نبی کے دعویٰ کی تائید معجزہ کے ذریعہ سے نہ ہوجائے، اس وقت تک کسی کی نبوت ثابت نہیں ہوسکتی۔

آخر میں عورت کے نبیہ نہ ہونے پر عرض ہے کہ عورت امارت وخلافت کے لائق نہیں۔(۴۲) جس پر اُمت کا اجماع ہے؛ کیوں کہ عورت کی ولایت ناقصہ ہے؛ اس لیے تنہا عورت کی شہادت بھی کافی نہیں۔(۴۳) نیز عورت ناقصۃ العقل بھی ہے، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔(۴۴) تو مقامِ نبوت وولایت تو لازم و ملزوم ہے، پھر ولایتِ تامہ کے بغیر نبوت کیسے حاصل ہوگی؟ امارت وخلافت تو نبوت کی فرع ہے، نبی کے لیے جب اللہ تعالیٰ جسمانی عیب بھی پسند نہیں کرتے کہ ہر نبی صحیح سالم اور بے عیب ہوتا ہے، تو نقصانِ عقل وولایت جیسا عیب نبوت میں کیسے متصور ہوسکتا ہے؟ فقط، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب۔

(۳۹-۴۰) وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ. [-۵المائدة:۷۵]

(۴۱) قال الله تعالى: اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ. [-۶الأنعام:۱۲۴]

(۴۲) ويشترط أن يكون (الخليفة) من أهل الولاية المطلقة الكاملة، أي: مسلما، حرا، ذكرا، عاقلا، بالغا... والنساء ناقصات عقل و دين. (شرح العقائد النسفية ص:۱۵۸، ط: یاسر ندیم-دیو بند)

(۴۳) إن شهادة المرأة الواحدة ليست بحجة أصلية. (المبسوط- شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۶/ ۱۰۲، باب من الطلاق، ط: دار المعرفة-بيروت)

وإنما أقيمت المرأتان مقام الرجل لنقصان عقل المرأة. (تفسير ابن كثير: ۱/ ۵۶۱، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۴۴) عن عبد الله بن عمر عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أنه قال: يا معشر النساء تصدقن، وأكثرن الاستغفار؛ فإني رأيتكن أكثر أهل النار« فقالت امرأة منهن جزلة: وما لنا يا رسول الله أكثر أهل النار؟ قال: »تكثرن اللعن، وتكفرن العشير، وما رأيت من ناقصات عقل ودين أغلب لذي لب منكن« قالت: يا رسول الله، وما نقصان العقل والدين؟ قال: "أما نقصان العقل: فشهادة امرأتين تعدل شهادة رجل فهذا نقصان العقل، وتمكث الليالي ما تصلي، وتفطر في رمضان فهذا نقصان الدين". (صحيح مسلم: ۱/ ۶۰، رقم: ۱۳۲-(۷۹) كتاب الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بنقص الطاعات، ط: البدر-ديو بند)

[۱۵] حقانی صاحب پر دیوبند سے کفر کے فتوے کا خلاصہ

۱۰۸-سوال: پالن حقانی صاحب پر دارالعلوم دیوبند کے مفتی سید احمد علی سعید (نائب مفتی دارالعلوم، دیوبند) اور سید مفتی مہدی حسن صاحب (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) نے کفر کا فتوی دیا ہے، ایسا لوگ کہتے ہیں؛ کیا یہ بات سچی ہے؟ اس کا جواب دے کر احسان فرمائیں گے۔

مجیب عثمان بردولی

الجواب حامداومصلیا:

دیوبند کے کسی بھی مفتی صاحب نے ان پر کفر کا فتوی نہیں لگایا ہے اور گجرات کے تمام مفتیان کرام نے بھی بیان دیا تھا، اس میں میں بھی شریک تھا، اس کتاب میں کوئی بھی مضمون کفر اور شرک کا نہیں، اسی طرح اس میں اولیاء کرام کی بھی کوئی بے عزتی کا مواد نہیں کہ مصنف پر کفر کا فتوی عائد کیا جائے؛ مذکورہ سارے جھوٹے الزامات اہل بدعت کی طرف سے لگائے جاتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ ان کو اور ان کی کتاب کو بدنام کیا جائے اور ان کی کتابوں سے لوگ فائدہ نہ اٹھائیں؛ اس لیے مذکورہ ساری جھوٹی باتوں کی طرف دھیان دینے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] حضرت نوح کا دین کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں تکلیف برداشت کرنے کی حقیقت

۱۰۹-سوال: حضرت نوح علیہ السلام نے دین کی نشرواشاعت اور اس کی تبلیغ کے لیے بہت ہی دکھ درد اور تکالیف برداشت کیں، یہ تو اپنی جگہ پر ٹھیک ہے اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ان کو ان کی قوم اس قدر تکلیف پہنچاتی تھی اور اتنے پتھر مارتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام پتھروں کے نیچے دب جاتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر پتھر ہٹاتے تھے، پھر ہوش آنے پر آپ دوبارہ دین کا کام شروع کر دیتے، کیا یہ حقیقت ہے، قرآن وحدیث اور بزرگوں کے اقوال سے ثابت اور صحیح ہے؟ فرشتے کا آنا اور پتھروں کا دور کرنا، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

حضرت نوح علیہ السلام کو پتھر سے مارنے کی مذکورہ روایت کہیں نظر سے گذری نہیں؛ البتہ قرآنی

آیات اور صحیح روایات سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی قوم ان کو بہت ستاتی تھی اور پتھروں سے مارتی تھیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] جنت میں حضرت ابراہیم وآدم علیہما السلام کی ڈاڑھی؟

۱۱۰-سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کی ڈاڑھی ہوگی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

حدیث شریف میں ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے، تو حضرت آدم علیہ السلام کے قد کی طرح ان کا قد ہوگا، یعنی ساٹھ ذراع ہوگا، حسن حضرت یوسف جیسا ہوگا اور عمر ۳۳ رسال ہوگی۔ (اتنی ہی عمر میں حضرت عیسیٰ کو نبوت ملی ہے) اور زبان ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی یعنی عربی ہوگی، سب بے ریش ہوں گے، سر کے علاوہ بدن کے کسی حصہ پر بال نہ ہوں گے اور آنکھیں سرگیں ہوں گی، لہٰذا یہ بات کہ حضرت ابراہیم وآدم علیہما السلام کو ڈاڑھی ہوگی، صحیح

(۱) قال عبد الله: كأني أنظر إلى النبي صلى الله عليه وسلم يحكي نبيا من الأنبياء، ضربه قومه فأدموه، فهو يمسح الدم عن وجهه، ويقول: »رب اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون. (صحيح البخاري: ۲/ ۱۰۲۳، رقم الحديث: ۶۹۲۹، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين، ط: البدر - ديوبند)

عن مجاهد قال: كانوا يضربون نوحا حتى يغشى عليه، فإذا أفاق، قال: رب اغفر لقومي، فإنهم لا يعلمون ... عن مجاهد عن عبيد بن عمير قال إن كان نوحا ليضرب حتى يغشى عليه، ثم يفيق فيقول اهد قومي فإنهم لا يعلمون. وقال شقيق: قال عبد الله: لقد رأيت النبي (صلى الله عليه وسلم) وهو يمسح الدم عن وجهه، وهو يحكي نبيا من الأنبياء، وهو يقول: اللهم اهد قومي، فإنهم لا يعلمون... عن الضحاك عن ابن عباس أنه قال: إن نوحا كان يضرب ثم يلف في= لبد، فيلقى في بيته يرون أنه قد مات، ثم يخرج فيدعوهم حتى إذا يئس من إيمان قومه، جاءه رجل ومعه ابنه، وهو يتوكأ على عصا، فقال: يا بني انظر هذا الشيخ لا يغرنك قال: يا أبت أمكني من العصا، فأخذ العصا، ثم قال: ضعني في الأرض فوضعه فمشى إليه بالعصا، فضربه فشجه شجة موضحة، وسالت الدماء، قال نوح: رب قد ترى ما يفعل بي عبادك، فإن يك لك في عبادك حاجة، فاهدهم، وإن يك غير ذلك فصبرني إلى أن تحكم وأنت خير الحاكمين. الخ. (تاريخ دمشق - أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (م: ۵۷۱هـ): ۶۲/ ۲۴۸-۲۴۷، حرف النون، نوح بن لمك بن متوشلخ بن إدريس بن يرد، ت: عمرو بن غرامة العمروي، ط: دار الفكر)

فتح الباري - ابن حجر: ۱۲/ ۲۸۲، تحت رقم الحديث: ۶۹۲۹، ط: دار المعرفة.

نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] حضرت شیث علیہ السلام کہاں مدفون ہیں؟

۱۱۱-سوال: حضرت شیث علیہ السلام کہاں مدفون ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

حضرت شیث علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین تھے، خود آدم علیہ السلام کے بارے میں علماء ومؤرخین کا اختلاف ہے بعض نے ہند میں ان کا مدفن بتلایا ہے۔ بعض نے مکہ میں جبل ابی قبیس کو اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسد اطہر کو کشتی میں سوار کیا اور طوفان کے بعد بیت المقدس میں دفن کر دیا۔ (البدایہ جلد ا صفحہ ۱۰۸)[۲]

---

(۱) وقال أبو بكر بن أبي الدنيا: ...... حدثنا الأوزاعي عن هارون بن رئاب عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يدخل أهل الجنة الجنة على طول آدم ستين ذراعا بذراع الملك! على حسن يوسف، وعلى ميلاد عيسى ثلاث وثلاثين سنة، وعلى لسان محمد جرد، مرد مكحلون. (تفسير ابن كثير - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴هـ): ۸/ ۲۳، ت: محمد حسين شمس الدين، ط: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى - ۱۴۱۹هـ)

(صفة الجنة - ضياء الدين أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسي (م: ۶۴۳هـ): ص: ۱۲۰، رقم الحديث: ۱۰۷، ذكر صفة أهل الجنة وصفة كلامهم نسأل الله الجنة بفضل رحمته، ت: صبري بن سلامة شاهين، ط: دار بلنسية - الرياض، الطبعة: الأولى ۱۴۲۳هـ - ۲۰۰۲م)

(۲) واختلفوا في موضع دفنه، فالمشهور أنه دفن عند الجبل الذي أهبط منه في الهند. وقيل بجبل أبي قبيس بمكة. ويقال: إن نوحا عليه السلام لما كان زمن الطوفان، حمله هو وحواء في تابوت، فدفنهما ببيت المقدس. حكى ذلك ابن جرير وروى ابن عساكر عن بعضهم أنه قال رأسه عند مسجد إبراهيم، ورجلاه عند صخرة بيت المقدس. (البداية والنهاية - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴هـ): ۱/ ۹۸، ذكر وفاة آدم ووصيته إلى ابنه شيث عليه السلام، ط: دار الفكر)

وعن مجاهد قال: أول جبل وضعه الله على الأرض حين مادت أبو قبيس ثم حدثت منه الجبال...، وقبر آدم فيه على ما قال وهب بن منبه في غار يقال له: غار الكنز، وهو غير معروف الآن. وقيل: إن قبره بمسجد الخيف بعد أن صلى عليه جبريل عند باب الكعبة حكاه الفاكهي عن عروة بن الزبير، وذكره ابن الجوزي في "درياق القلوب" وقال "دفنته الملائكة به. وقيل: عند مسجد الخيف ذكره الذهبي، وفي منسك الفارسي. وقيل: عند منارة مسجده، وقيل: قبره في الهند في الموضع الذي أهبط إليه من الجنة. وصححه الحافظ ابن كثير. (تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف - محمد بن أحمد بن الضياء محمد القرشي الحنفي، بهاء الدين أبو البقاء، المعروف بابن الضياء (م: ۸۵۴هـ): ۱/ ۹۱، فصل: في ذكر الأماكن المباركة بمكة المشرفة وحرمها، ت: علاء إبراهيم، أيمن نصر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة: الثانية، ۱۴۲۴هـ - ۲۰۰۴م)

تاریخ سے اس قدر تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہند کے قریبی علاقے میں ہوئی ہے، حضرت شیث علیہ السلام نے ان کی صلاۃِ جنازہ پڑھائی ہے؛ اس لیے حضرت شیث علیہ السلام کا مسکن بھی یہی علاقہ ہوگا، ان کے مدفن کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے، اس لیے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جاسکتی، بہر حال ہند یا اطراف ہند میں مدفون ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] حضرت آدم علیہ السلام کو ڈاڑھی تھی یا نہیں؟

۱۱۲-سوال: ایک جماعت آسٹریلیا گئی تھی، وہاں دو تین مسجد میں امام کی داڑھی نظر نہ آئی، تو جماعت کے امیر صاحب نے امام صاحب سے پوچھا کہ تمھیں کیا عذر ہے کہ تم داڑھی نہیں رکھتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی داڑھی نہیں تھی، اس لیے میں داڑھی نہیں رکھتا، اگر چہ یہ جواب لغو ہے؛ کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت ان کے زمانے تک قابل عمل تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی پر اسلامی شریعت پر عمل کرنا لازم ہے؛ لیکن اس بارے میں پوچھنا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی داڑھی تھی یا نہیں؟ ایک جگہ پڑھا گیا کہ چار چیزیں تمام انبیاء کی سنت رہی ہے: (۱) داڑھی (۲) مسواک (۳) خوش بو (۴) نکاح۔[2]

---

(۱) لما مات آدم علیه السلام قال شیث لجبرئیل صلی الله علیهما: صل علی آدم، قال: تقدم أنت فصل علی أبیك... وقیل: إنه -شیث- لم یزل مقیما بمكة یحج ویعتمر إلی أن مات، ... وقیل: ان شیثا لما مرض أوصی ابنه أنوش ومات، فدفن مع أبویه في غار أبي قبیس. (تاریخ الطبري - محمد بن جریر بن یزید بن كثیر بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰ھ): ۱/ ۱۶۱، ۱۶۲، ط: دار التراث - بیروت، الطبعة: الثانیة - ۱۳۸۷ھ)

وفي أبي قبیس علی ما قیل: قبر شیث بن آدم وأمه حواء كذا ذكر الذهبي في جزء ألفه في تاریخ مدة آدم وبنیه، لأنه قال: ودفن شیث مع أبویه في غار أبي قبیس. (تاریخ مكة المشرفة والمسجد الحرام: ۱/ ۹۱، فصل: في ذكر الأماكن المباركة بمكة المشرفة وحرمها)

(۲) چار چیزیں تمام انبیاء کی سنت رہی ہیں، ان چار چیزوں کے شمار میں تین چیزیں: خوش بو، مسواک اور نکاح، تو اس سلسلے کی تمام روایتوں میں مذکور ہیں، البتہ چوتھی چیز کے بارے میں روایات مختلف ہیں، کسی میں "حیاء" کا ذکر ہے، تو کسی میں "حناء" کا، اور کسی میں "ختان" کا؛ لیکن کسی میں بھی داڑھی کا ذکر احقر کو نہیں مل سکا۔ بالترتیب روایات ملاحظہ فرمائیں، ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي أیوب قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أربع من سنن المرسلین: الحیاء، والتعطر، والسواك، والنكاح. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۰۶، رقم الحدیث: ۱۰۸۰، أبواب النكاح، باب ما جاء في فضل التزویج، والحث علیه، ط: البدر - دیوبند *مسند الإمام أحمد بن حنبل - (م: ۲۴۱ھ): ۳۸/ ۵۵۳، رقم الحدیث: ۲۳۵۸۱، حدیث أبي أیوب الأنصاري، ت: شعیب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولی) =

الجواب حامدا ومصليا:

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش جنت میں ہوئی تھی، وہ جنتی آدمی تھے، اس بناء پر انہیں داڑھی آئی (اُگی) ہی نہ تھی، جن انبیاء ورسل کو داڑھی اُگی تھی، ان کا طریق داڑھی رکھنے کا تھا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص: ۲۲)

[۲۰] حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانا کتھا نہیں، حقیقت ہے

۱۱۳-سوال: زید کا کہنا ہے کہ ہندو دھرم کے ''پہلا د'' کے والد ''ہرنے کشیپ'' خود کو بھگوان کہتے تھے اور اپنی عبادت کرواتے تھے، تو اس کے بیٹے پہلاد نے اس کی مخالفت کی، جس ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی، مگر اس میں پہلاد کا بچاؤ ہوا، اسی کتھا سے ملتی جلتی اسلام کی ایک کتھا ہے، کہ آزر خود کو خدا کہلواتا تھا، اس کے بیٹے حضرت ابراہیم پیغمبر علیہ السلام نے اس کی مخالفت کی، جس کی وجہ سے آزر نے اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوادیا، مگر حضرت ابرہیم علیہ السلام کا عجیب طریقہ سے بچاؤ ہوا، وہ بھی محرم کی دسویں تاریخ کا دن تھا، تو سوال یہ ہے کہ زید کی یہ بات صحیح ہے یا غلط؟ حضرت ابراہیم کا واقعہ ایک کتھا[(۱)] ہے یا حقیقت؟

الجواب حامدا ومصليا:

حضرت ابراہیم کا قصہ ایک حقیقت ہے، کتھا نہیں۔[(۲)] ممکن ہے پہلا دوغیرہ کی کہانیاں حضرت ابراہیم

= قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: أربع من سنن المرسلين: التعطير، والنكاح، والسواك، والحناء. (مصنف ابن ابي شيبة - أبو بكر بن أبي شيبة العبسي (م: ۲۳۵ھ): ۱/۱۵۶، رقم الحديث: ۱۸۰۲، ما ذكر في السواك، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۹)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أربع من سنن المرسلين، الختان والسواك والتعطر والنكاح. (أمالي المحاملي - رواية ابن يحيى البيع - أبو عبد الله البغدادي الحسين بن إسماعيل بن محمد المحاملي (م: ۳۳۰ھ)، ص: ۳۸۵، رقم الحديث: ۴۴۴، مجلس يوم الأحد لثلاث بقين من شهر ربيع الأول، ت: د. إبراهيم القيسي، ط: المكتبة الإسلامية، دار ابن القيم - عمان - الأردن، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۲)

(۱) کتھا: (۱) بیان، مقولہ، بات، (۲) قصہ، کہانی، افسانہ، (۳) ذکر، روایت، (۴) وعظ، پند، مذہبی، اپدیش۔ (فیروز اللغات، ۹۹۱، ک-ت)

(۲) قرآن کریم کا بیان ہے جو صرف حقیت ہی بیان کرتا ہے: قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ. قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ. [۲۱-الانبیاء: ۶۸-۶۹]

علیہ السلام کے واقعہ سے متاثر ہو کر بنائی گئی ہو یا حضرت ابراہیم ہی کو پہلاد کے روپ میں بتلایا گیا ہو اور بعد میں اس قصہ میں ردوبدل کر کے ایک کتھا بنائی گئی ہو، کسی مذہب کی کوئی بات مذہب اسلام سے ملتی جلتی نظر آئے، تو اس سے اس کا حق ہونا ثابت نہیں ہو جاتا، جب تک کہ اسلام کے تمام عقائد کو قبول نہ کرے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] کسی کا ذکر قرآن کریم میں نہ ہونا ان کے نبی نہ ہونے کی دلیل نہیں

۱۱۴-سوال: قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آسمانی کتب: توریت، زبور اور انجیل کا ذکر کیا گیا ہے، متعدد انبیاء و رسل کا بھی تذکرہ اس میں موجود ہے، ساتھ ہی آسمانی صحیفوں کے بارے میں بھی بتلایا گیا ہے۔ قرآن میں خطاب اس طور پر کیا گیا ہے: یآ ایھا الذین آمنوا (اے ایمان والو!) (یعنی عمومی طور پر خطاب ہے) یٰسین، مدثر اور مزمل وغیرہ القاب کے ذریعہ آپ ﷺ کو مخاطب بنایا گیا ہے، سورۂ رحمٰن میں بھی جن و انس کو خطاب کیا ہے، (الغرض اس قدر وسعت کے ساتھ قرآن کریم نے متعدد چیزوں کا ذکر کیا ہے) تو پھر اس میں گیتا جیسی کتاب اور شری کرشن جیسے پیغمبر کا تذکرہ کیوں نہیں ہے؟

اور گیتا اگر اللہ کی آسمانی کتاب ہے، تو توریت، زبور، انجیل اور قرآن کریم میں مذکور انبیاء و رسل کا اور آسمانی کتابوں کا تذکرہ کیوں نہیں ہے؟ شری کرشن نے گیتا میں صرف ارجن ہی کو کیوں نصیحت کی؟ قرآن کریم کی طرح کل مخلوق کو کیوں نہیں خطاب کیا؟ گیتا ارجن کے لیے ہے یا پوری مخلوق کے لیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گیتا کس کے لیے ہے، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، مگر کسی کا ذکر قرآن کریم میں نہ ہونا، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ نبی نہیں ہے، یہ کوئی اصول نہیں ہے، بہت سے پیغمبروں اور صحیفوں کے نام قرآن کریم اور حدیث شریف میں نہیں ہیں؛ حالاں کہ ان کی نبوت ثابت ہے۔ [۱] البتہ جن کی نبوت دلیل سے ثابت نہ ہو، ان کو نبی ماننا درست نہیں ہے، بس اجمالی ایمان کافی ہے کہ ہم تمام انبیاء کرام پر ایمان لاتے ہیں۔ [۲]

قرآن کریم کل کائنات کے لیے کتاب ہدایت ہے؛ اس لیے اس میں عمومی خطاب ہے، گیتا میں ایسا

---

(۱) قال اللہ تعالی: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ. [۴۰-غافر: ۷۸]

(۲) (ورسله) بأن تعرف أنهم بلغوا ما أنزل الله إليهم، وأنهم معصومون، وتؤمن بوجودهم فيمن علم بنص، أو تواتر تفصيلاً، وفي غيرهم إجمالاً۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۵۸، کتاب الإیمان، دار الفکر، بیروت ☆ شرح العقائد النسفیۃ ص: ۱۳۸، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

کیوں نہیں ہے؟ اگر اس کو آسمانی کتاب فرض کرلیا جائے، تو اس کی وجہ اللہ ہی جانتے ہیں، تاہم صحیح بات یہ ہے کہ کسی کتاب کو آسمانی کتاب ماننے کے لیے نص صریح اور قوی دلیل کی ضرورت ہے، گیتا کے آسمانی کتاب ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، اس کی کسی بات کا قرآن کریم کی کسی آیت کے موافق ہونا اس کے آسمانی کتاب ہونے کی دلیل کافی نہیں ہے؛ اس لیے کتب سماوی پر اجمالا ایمان کے ساتھ کسی بھی کتاب (جس کے بارے میں دعویٰ کیا جائے کہ یہ آسمانی کتاب ہے) کے سلسلے میں کف لسان لازم ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] حضرت نوح علیہ السلام کا اصل نام ''جبار'' نہیں تھا

۱۱۵-سوال: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اصل نام جبار تھا؛ لیکن آپ علیہ السلام اپنی امت کی اصلاح کے خاطر رات بھر روتے (نوحہ کرتے) تھے، اس وجہ سے ان کا صفتی نام ''نوح'' ہو گیا۔

الجواب حامدا ومصليا:

''جبار'' تو اللہ کی صفت اور ان کا نام ہے۔ [۲] لہذا یہ کسی نبی کا نام نہیں ہوسکتا، حضرت نوح علیہ السلام کا جو نام قرآن وحدیث سے ثابت ہے، وہ نوح ہی ہے، کوئی دوسری زبان میں دوسرا نام ہوسکتا ہے؛ لیکن ان کا ''جبار'' نام نہیں ہوسکتا، عبد الجبار کہہ سکتے ہیں؛ لیکن کسی بھی معتبر تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ان کا نام نوح نہیں تھا، معتبر مورخین ان کے نسب نامے میں ان کے باپ دادا کے نام کے ساتھ بھی نوح ہی لکھتے ہیں؛ لہذا معتبر یہی ہے کہ نوح نام پہلے ہی سے تھا۔ (البدایہ جلد ۱ ص: ۱۱۰، ابن سعد) [۳] واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (وكتبه) أي: ونعتقد بوجود كتبه المنزلة على رسله تفصيلا، فيما علم يقينا كالقرآن، والتوراة، والزبور، والإنجيل، وإجمالا فيما عداه، وأنها منسوخة بالقرآن، وأنه لا يجوز عليه نسخ، ولا تحريف إلى قيام الساعة، لقوله تعالى: {إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون} [الحجر: ۹] . . . . قيل: الكتب المنزلة مائة وأربعة كتب، منها عشر صحائف نزلت على آدم، وخمسون على شيث، وثلاثون على إدريس، وعشرة على إبراهيم، والأربعة السابقة، وأفضلها القرآن. (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۵۸، كتاب الإيمان، ط: دار الفكر، بيروت)

(۲) هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ. (الحشر: ۲۳)

(۳) هو نوح بن لامك بن متوشلخ بن خنوخ. وهو إدريس بن يرد بن مهلاييل بن قينن بن أنوش ابن شيث بن آدم أبي البشر عليه السلام. (البداية والنهاية- أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴هـ): ۱/ ۱۰۱، قصة نوح ﷺ، ط: دار الفكر)

الطبقات الكبرى- أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد=

[۲۳] حضرت حسنؓ وحسینؓ وغیرہ کے نام سے پہلے امام لکھنا

۱۱۲-سوال: فرقۂ اثناعشریہ امامی شیعہ کی مذہبی کتابوں میں ان کے ائمہ کی روایات ہوتی ہیں۔ جیسے امام جعفر صادق، امام باقر، امام حسنؓ، امام حسینؓ کی روایات، وغیرہ۔ کیا اہل سنت والجماعت ان کے ناموں کے ساتھ ''امام'' یا ''رضی اللہ عنہ'' یا ''رحمۃ اللہ علیہ'' جیسے القاب کا اضافہ کر سکتے ہیں، عام طور پر سنی مسلمانوں کی تصنیفات میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، تو کیا اس طرح لکھ سکتے ہیں؟

=(م: ۴۳۰ھ): ۱/ ۳۴، ذکر نوح النبي، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

نوٹ: مختلف کتابوں میں حضرت نوح کے کئی ایک نام منقول ہیں، مثلاً: (۱) السکن۔ (۲) شاکر۔ (۳) فرج۔ (۴) الشکر۔ (۵) عبد الجبار۔ اور اس نام (نوح) اور اس کے وجہ تسمیہ کا بھی ذکر موجود ہے، جسے محققین نے ذکر کیا ہے، عبارات ملاحظہ فرمائیں:

قال النقاش: اسم نوح عبد الجبار، وقال ابن الكلبي: اسمه فرج، ووصفه ب »الشكر« لأنه كان يحمد الله في كل حال وعلى كل نعمة على المطعم والمشرب والملبس والبراز وغير ذلك صلى الله عليه وسلم، قاله سلمان الفارسي وسعيد بن مسعود وابن أبي مريم وقتادة. (المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز - أبو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمان الأندلسي المحاربي (م: ۵۴۲ھ): ۳/ ۳۳۷، ت: عبد السلام عبد الشافي محمد، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وقال في البستان كان اسم نوح شاكرا وانما يسمى نوحا لكثرة نوحه وبكائه من خوف الله. (روح البيان: - إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي، المولى أبو الفداء (م: ۱۱۲۷ھ): ۴/ ۶۵، ط: دار الفكر - بيروت)

قال أبو سليمان الدمشقي: اسم نوح: السكن، وإنما سمي نوحا، لكثرة نوحه. وفي سبب نوحه خمسة أقوال: أحدها: أنه كان ينوح على نفسه، قاله يزيد الرقاشي. والثاني: أنه كان ينوح لمعاصي أهله، وقومه. والثالث: لمراجعته ربه في ولده. والرابع: لدعائه على قومه بالهلاك. والخامس: أنه مر بكلب مجذوم، فقال: اخسأ يا قبيح، فأوحى الله إليه: أعبتني يا نوح أم عبت الكلب؟. (زاد المسير في علم التفسير - جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمان بن علي بن محمد الجوزي (م: ۵۹۷ھ): ۱/ ۲۴۷، ت: عبد الرزاق المهدي، ط: دار الكتاب العربي - بيروت)

وكان اسم نوح السكن. وإنما سمي السكن، لأن الناس بعد آدم سكنوا إليه. (تفسير القرطبي - أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (م: ۶۷۱ھ): ۱۳/ ۳۳۳، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية - القاهرة)

مزید دیکھیے: لباب التأويل في معاني التنزيل - علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن، المعروف بالخازن (م: ۷۴۱ھ): ۱/ ۲۳۹، ت: تصحيح محمد علي شاهين، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

الدر المنثور - عبد الرحمان بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۳/ ۴۸۰، ط: دار الفكر - بيروت

تاريخ دمشق - أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (م: ۵۷۱ھ): ۶۲/ ۲۴۲، ت: عمرو بن غرامة العمروي، ط: دار الفكر)

کتنی نسل تک آل رسول کو اہل بیت میں شمار کر سکتے ہیں؟ اثنا عشریہ شیعہ بارہ امام کو اہل بیت میں شمار کرتے ہیں بارہویں امام مہدیؒ غائب امام ہے، یہ ان کا مذہبی عقیدہ ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ ہستیاں عظیم ترین ہیں، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تو صحابی ہیں اور دوسرے تابعین ہیں؛ لہٰذا ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' اور ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھنا چاہیے؛ بل کہ مستحب ہے۔[1] اور ان کے نام کے ساتھ اچھے اچھے القاب کا اضافہ کرنا بہتر ہے، لفظ ''امام'' بھی ایک لقب ہے؛ لیکن لفظ ''امام'' مذکورہ ہستیوں کے لیے شیعہ حضرات ایک خاص مطلب کو سامنے رکھ کر بولتے ہیں اور یہ شیعوں کی ایک خاص علامت ہے؛ اس لیے اہل سنت والجماعت کو لفظ ''امام'' استعمال نہ کرنا ہی بہتر ہے؛ کیوں کہ شیعوں کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے اور یہ مناسب نہیں۔[2] آل رسولؐ کی فضیلت اپنی جگہ پر ہے اور اہل بیت کا لفظ خاص طور پر آپ ﷺ کی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اور ان کی اولاد پر بولا جاتا ہے۔[3] اور

(۱) يستحب الترضي والترحم على الصحابة والتابعين فمن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخيار، فيقال: رضي الله عنه، أو رحمه الله، ونحو ذلك، وأما ما قاله بعض العلماء: إن قوله: رضي الله عنه مخصوص بالصحابة، ويقال في غيرهم: رحمه الله فقط، فليس كما قال، ولا يوافق عليه، بل الصحيح الذي عليه الجمهور استحبابه، ودلائله أكثر من أن تحصر. فإن كان المذكور صحابيا ابن صحابي قال: قال ابن عمر رضي الله عنهما، وكذا ابن عباس، وابن الزبير، وابن جعفر، وأسامة بن زيد ونحوهم لتشمله وأباه جميعا. (الأذكار - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ٦٧٦هـ)، ص: ١١٩: كتاب الصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب الصلاة على الأنبياء وآلهم تبعا لهم صلى الله عليه وسلم، ط: دار الفكر - بيروت)

ويستحب الترضي للصحابة والترحم للتابعين ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الأخيار، وكذا يجوز الترحم على الصحابة والترضي للتابعين ومن بعدهم من العلماء والعباد. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمان بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ١٠٧٨هـ): ٧٤٥/٢، مسائل شتى، ط: دار إحياء التراث العربي)

رد المحتار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ١٢٥٢هـ): ٧٥٣/٦، مسائل شتى، ط: دار الفكر - بيروت.

(۲) وأما إذا أفرد غيره من أهل البيت بالصلاة فمكروه وهو من شعائر الروافض. تفسير النسفي (مدارك التنزيل - أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (م: ٧١٠هـ): ٣/ ٤٤، ط: دار الكلم الطيب - بيروت)

(۳) س: من أهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم ومن أفضلهم وما الواجب نحوهم؟

ج- هم الذين حرمت عليهم الصدقة وهم آل علي وآل جعفر وآل عقيل وآل عباس وبنو الحارث بن عبد المطلب وكذلك أزواجه صلى الله عليه وسلم من أهل بيته كما دل عليه سياق آية الأحزاب وأفضلهم علي وفاطمة والحسن=

آپ ﷺ کی تمام نسلوں کو آل نبی کہا جاتا ہے۔[1] اور اہل بیت صرف پہلی نسل کو کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲۴] حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام دنیا میں کون سی جگہ اترے تھے؟

۱۱۷-سوال: حضرت آدم وحوا علیہما السلام دنیا میں کون سی جگہ اترے تھے؟

الجواب حامداومصلیا:

حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان (سری لنکا) سراندیپ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ''جبل نوذ'' پر اترے تھے اور حضرت حوا 'جدہ' میں اتری تھیں۔ (طبقات الکبری ج:۱ص:۳۵)۔[2] واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] حضرت علیؓ کی تدفین عراق میں کیوں ہوئی؟

۱۱۸-سوال: اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تدفین مدینہ سے اتنی دور عراق میں کیوں ہوئی؟

الجواب حامداومصلیا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو فتنے اٹھے، تو مدینہ کی سرزمین پر جنگ وجدال اور

= والحسين الذين أدار عليهم الكساء وخصهم بالدعاء والواجب نحوهم هو محبتهم وتوليهم وإكرامهم لله ولقرابتهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولإسلامهم وسبقهم وحسن بلائهم في نصرة دين الله وغير ذلك من فضائلهم. (مختصر الأسئلة والأجوبة الأصولية على العقيدة الواسطية- أبو محمد عبد العزيز بن محمد بن عبد الرحمان (م:۱۴۲۲ھ)، ص:۱۳۷، ط:دار الفكر)

(۱) (وعلى آله) اختلف في المراد بهم في مثل هذا الموضع؛ فالأكثرون أنهم قرابته - صلى الله عليه وسلم - الذين حرمت عليهم الصدقة على الاختلاف فيهم، وقيل جميع أمة الإجابة، وإليه مال مالك، واختاره الأزهري والنووي في شرح مسلم، وقيل غير ذلك. شرح التحرير. وذكر القهستاني أن الثاني مختار المحققين. (رد المحتار :۱/۱۳، ط:دار الفكر-بيروت)

(۲) فأهبط آدم على جبل بالهند يقال له نوذ. وأهبطت حواء بجدة. (الطبقات الكبرى-أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بـ ''ابن سعد'' (م:۲۳۰ھ):۱/۳۰، ذكر من ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم من الأنبياء، ط:دار الكتب العلمية-بيروت)

خون ریزی نہ ہو، اس وجہ سے اور بعض دوسری سیاسی وجوہات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی راجدھانی (دار الخلافہ) کوفہ کو بنالیا تھا، ان کی شہادت وہاں ہوئی، اس لیے وہیں مدفون ہوئے۔ [1]
واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] کیا حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک حسین عورت سے شادی کرنا حدیث سے ثابت ہے؟

۱۱۹-سوال: کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک خوب صورت عورت کو دیکھ کر اس کے ساتھ نکاح کرلیا تھا، یہ بات صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق آپ نے جو پوچھا ہے، یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، یہ اسرائیلی روایت ہے، جو قابل قبول نہیں ہے، امام رازیؒ، اور دوسرے مفسروں کا کہنا ہے کہ ''یہ سب جھوٹ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے''۔ [2] واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) أن عليا رضي الله عنه لما مات صلى عليه ابنه الحسن فكبر عليه تسع تكبيرات و دفن بدار الإمارة بالكوفة خوفا عليه من الخوارج أن ينبشوا عن جثته ، هذا هو المشهور . (البداية والنهاية- أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۷/ ۳۲۹، صفة مقتله رضي الله عنه، ط: دار الفكر)

(۲) أن داود عشق امرأة أوريا ، فاحتال بالوجوه الكثيرة حتى قتل زوجها ثم تزوج بها فأرسل الله إليه ملكين في صورة المتخاصمين في واقعة ... وعرضا تلك الواقعة عليه. فحكم داود بحكم لزم منه اعترافه بكونه مذنبا ، ثم تنبه لذلك فاشتغل بالتوبة. والذي أدين به وأذهب إليه أن ذلك باطل ويدل عليه وجوه ... عن سعيد بن المسيب أن علي بن أبي طالب عليه السلام قال: »من حدثكم بحديث داود على ما يرويه القصاص جلدته مائة وستين... فثبت بهذه الوجوه التي ذكرناها أن القصة التي ذكروها فاسدة باطلة. التفسير الكبير -فخر الدين الرازي خطيب الري (م:۶۰۶ھ) :۲۶/ ۳۷۷،ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

تفسير القرطبي- أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر شمس الدين القرطبي (م :۶۷۱ھ): ۱۵/ ۱۲۶،ط: دار الكتب المصرية- القاهرة.

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝۴۰ (۳۳-الاحزاب:۴۰)

باب مایتعلق بالنبوة

(نبوت کی بحث)

٥

[نبوت کی بحث]

[۱] مدعی نبوت اور منکر ختم نبوت کا حکم

۱۲۰-سوال: سلام مسنون کے بعد عرض یہ ہے کہ ''بھاؤنگر'' میں ''یعقوب'' نامی ایک شخص رہتا ہے، ذات کے اعتبار سے گھانچی ہے، پنج وقتہ نمازوں کا پابند ہے، بہ ظاہر شریعت کے احکام کی پیروی کرتا ہے؛ لیکن وہ کہتا ہے کہ میں محمد ہوں اور جو پہلے گذر گئے ہیں، وہ احمد مصطفی ﷺ تھے، یعنی جن کو ہم لوگ محمد ﷺ کہتے ہیں ان کو یعقوب بھائی احمد مصطفی ﷺ کہتے ہیں، نیز یعقوب بھائی کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ (محمد عربی ﷺ) صرف ملک عرب کے نبی تھے اور میں پوری دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

وہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ مجھ پر ایمان نہ لانے والے لوگ حیران و پریشان ہوں گے۔ الغرض اس طرح کی غلط باتیں اس کے دل ودماغ پر مسلط ہیں، ایسے شخص کا کیا حکم ہے، تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

قریشی حیدر، رام پورا، بھاؤنگر

الجواب حامدا ومصليا:

امت مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ پوری دنیا کے لیے نبی اور رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔[1] آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول قیامت تک آنے والا نہیں ہے۔[2] حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا

---

(۱) قال الله تعالى: وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (۳۴-سبا: ۲۸) قال الله تعالى: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (۳۳-الأحزاب: ۴۰)

(۲) وقد أخبر تعالى في كتابه، ورسوله في السنة المتواترة عنه: أنه لا نبي بعده، ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام=

اقرار کیے بغیر کوئی شخص اسلام کے اندر داخل ہو ہی نہیں ہوسکتا۔[۳] جو شخص حضور ﷺ کو رسول نہ مانے، یا رسول تو مانے، مگر آخری رسول نہ مانے، تو وہ کافر ہے۔[۴] اسی طرح جو شخص محمد ﷺ کو پوری دنیا کے لیے رسول نہ مانے، صرف ملک عرب ہی کے لیے ان کی رسالت کو تسلیم کرے، وہ بھی مسلمان نہیں، کافر ہے۔[۵] جو شخص اپنے رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، وہ نبی کریم ﷺ کو آخری رسول تسلیم نہیں کرتا؛ اس لیے اس کے مرتد و کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، علماء امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے، وہ کافر ہے۔[۶] مسلمان جن کو محمد ﷺ کے نام سے جانتے ہیں اور جن کے آخری نبی ہونے پر ان کا ایمان ہے، قرآن مجید میں ان کو ''محمد'' (ﷺ) کے نام سے پکارا گیا ہے، سورۂ احزاب میں ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔[۷]

ترجمہ: حضرت محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

مذکورہ آیت شریفہ میں آپ ﷺ کو ''محمد'' کہا گیا ہے اور ''رسول'' اور ''خاتم النبیین'' بھی۔

=بعده فهو كذاب أفاك، دجال ضال مضل. (تفسير ابن كثير: ٦/ ٤٣٠، ت: سامي محمد بن سلامة، ط: دار طيبة، للنشر والتوزيع) قال الطيبي: أغلق باب الوحي وقطع طريق الرسالة وسد. (مرقاة المفاتيح: ٩/ ٣٦٧٦، باب فضائل سيد المرسلين، ط: دار الفكر بيروت-لبنان)

(٣) وقال: يا محمد أخبرني عن الإسلام، فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: «الإسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله صلى الله عليه وسلم. الحديث. (صحيح مسلم: ١/ ٢٧، رقم الحديث: ١-(٨)، باب معرفة الإيمان، والإسلام، والقدر، كتاب الإيمان، ط: البدر-ديوبند)

(٤) إذا لم يعرف الرجل أن محمدا -صلى الله عليه وسلم- آخر الأنبياء عليهم وعلى نبينا السلام، فليس بمسلم كذا في اليتيمة. (الفتاوى الهندية: ٢/ ٢٦٣، كتاب السير، مطلب في موجبات الكفر، أنواع منها ما يتعلق بالإسلام والإيمان، ط: دار الفكر بيروت)

(٥) دیکھیے حاشیہ نمبر: ۱۔

(٦) ودعوى النبوة بعد نبينا -صلى الله عليه وسلم- كفر بالإجماع. (شرح فقه اكبر لملا علي القاري: ص ٢٠٢، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند)

(٧) -٣٣ الأحزاب: ٤٠.

''خاتم'' کا معنی ہوتا ہے ''آخری''[۸] حضرت محمد ﷺ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں، تمام نبیوں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد جن لوگوں (مثلاً: اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ) نے نبوت کا دعویٰ کیا، صحابہ کرام ؓ نے ان کو کافر اور مرتد گردانا اور ان کے ساتھ جہاد کیا۔[۹] عقیدۂ ختم نبوت کے سلسلے میں صحابہ کرام کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہوا؛ اس لیے قرآن کریم اور حدیث پاک کی روشنی میں پوری امت کا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی اور کوئی رسول آنے والا نہیں ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ پر غور کریں:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا.[۱۰]

ترجمہ: آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا، اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

مذکورہ دونوں آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہ امت قیامت تک رہے گی اور اس کی ہدایت کے لیے محمد عربی ﷺ ہی نبی ہیں، دوسرا کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اگلی امتوں کے لیے اس طرح کی کوئی خوش خبری اور دین و مذہب کی تکمیل کی بشارت نہیں تھی، ان کا دین ناقص تھا، جب کہ دین اسلام کامل و مکمل ہے، اور یہ دین اسی وقت کامل و مکمل ہوگا، جب کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ آئے، رسول اللہ ﷺ کی احادیث

---

(۸) والخاتم اسم آلة لما يختم به كالطابع لما يطبع به فمعنى خاتم النبيين الذي ختم النبيون به ومآله آخر النبيين. (روح المعاني: ۱۱/ ۲۱۳، ط: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان)

(۹) وقد ظهر مصداق ذلك في آخر زمن النبي- صلى الله عليه وسلم- فخرج مسيلمة باليمامة، والأسود العنسي باليمن، ثم خرج في خلافة أبي بكر طليحة بن خويلد في بني أسد بن خزيمة، وسجاح التميمية في بني تميم، وفيها يقول شبيب بن ربعي- وكان مؤذنها-: أضحت نبيتنا أنثى نطيف بها وأصبحت أنبياء الناس ذكرانا. وقتل الأسود قبل أن يموت النبي- صلى الله عليه وسلم وقتل مسيلمة في خلافة أبي بكر (قتله وحشي قاتل حمزة يوم أحد، وشاركه في قتل مسيلمة يوم اليمامة رجل من الأنصار) وتاب طليحة ومات على الإسلام على الصحيح في خلافة عمر، ونقل أن سجاح أيضا تابت وأخبار هؤلاء مشهورة عند الإخباريين. (فتح الباري: ۶/ ۶۱۷، رقم: ۳۶۰۹، ط: دار المعرفة-بيروت ☆ فتح المجيد شرح كتاب التوحيد-عبد الرحمن الهيثمي (م: ۱۲۸۵ھ)، باب ماجاء أن بعض هذه الأمة يعبد الأوثان، ص: ۲۷۵، ط: مطبعة المحمدية، القاهرة-مصر)

(۱۰)-(المائدة: ۳)

مبارکہ میں عقیدۂ ختم نبوت کا بالکل واضح بیان موجود ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری مثال اگلے انبیاء کے مقابلے میں ایسی ہے، جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا اور اس کی تعمیر خوب اچھے انداز میں کرائی، البتہ اس کے ایک کونے میں صرف ایک اینٹ کے برابر جگہ چھوڑ دی، لوگوں نے چکر لگاتے ہوئے اسے دیکھا اور کہا کہ یہاں ایک اینٹ کے برابر جگہ کیوں چھوڑ دی ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے اس مثال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ آخری اینٹ میں ہوں، مجھے خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا ہے، میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے''۔ (بخاری شریف: ۱/۵۰۱)[۱۱]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں، میں ماحی ہوں، میرے ذریعہ اللہ رب العزت کفر کو مٹائے گا، میں حاشر ہوں، لوگ میرے اٹھنے کے بعد اٹھیں گے، میں عاقب ہو، میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ (بخاری شریف: ۱/۵۰۱)[۱۲]

الغرض عقیدۂ ختم نبوت کے سلسلے میں احادیث متواتر ہیں، جن سے یقین کا فائدہ ہوتا ہے۔ [۱۳]

رسول اللہ ﷺ کے کئی مبارک نام ہیں، ان ناموں میں سے محمد اور احمد بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی۔ بہر حال یعقوب نامی شخص، لوگوں کو دھوکا دے رہا ہے، وہ کافر اور مرتد ہے، اس سے خود بھی دور رہیں اور لوگوں کو بھی دور رہنے کی تلقین کریں۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبوت اور رسالت ختم ہوگئی ہے،

---

(۱۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إن "مثلي ومثل الأنبياء من قبلي، كمثل رجل بنى بيتا فأحسنه وأجمله، إلا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به، ويعجبون له، ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال: فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين". (صحيح البخاري: ۱/۵۰۱، رقم الحديث: ۳۵۳۵، كتاب المناقب، باب خاتم النبيين صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند)

(۱۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لي خمسة أسماء: أنا محمد، وأحمد وأنا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر، وأنا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي، وأنا العاقب". (صحيح البخاري: ۱/۵۰۱، رقم: ۳۵۳۲، باب ما جاء في أسماء رسول الله صلى الله عليه وسلم ط: البدر - ديوبند ☆ صحيح مسلم، رقم: ۲۳۵۴، باب في اسمائه صلى الله عليه وسلم ☆ سنن الترمذي، رقم: ۲۸۴۰، أبواب الأدب، باب ما جاء في أسماء النبي صلى الله عليه وسلم ☆ ومصنف ابن شيبة: ۶/۳۱۱، رقم: ۳۱۶۹۱، الفضائل، باب ما أعطى الله تعالى محمدا صلى الله عليه وسلم)

(۱۳) فالأول: المتواتر المفيد للعلم اليقيني بشروطه. (نخبة الفكر، ص: ۲۱، ت: عصام الصبابطي، عماد الصيد، ط: دار الحديث القاهرة)

میرے بعد کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں ہے۔ (۱۴)

واضح رہے کہ جو لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو پیغمبر مانتے ہیں، وہ بھی کافر اور مرتد ہیں، ان کے متعلق مختلف ممالک کے معتبر و مستند علماء کرام نے دو سال قبل یہی فتویٰ دیا ہے۔ اس شخص (یعقوب) کا حال بھی ویسا ہی ہے، اس لیے یہ خود بھی مرتد ہے اور اس کے ماننے والے دیگر لوگ بھی کافر و مرتد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۵/۱۲/۱۹۷۵ء

(۱۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لا تقوم الساعة حتى تلحق قبائل من أمتي بالمشركين، وحتى يعبدوا الأوثان، وإنه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم أنه نبي وأنا خاتم النبيين لا نبي بعدي». (سنن الترمذي برقم الحديث: ۲۲۱۹، باب ما جاء لا تقوم الساعة، حتى يخرج كذابون)

□

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ.

(٥-المائدة:٣٥)

باب التوسل في الدعاء

(وسیلے سے دعاء مانگنا)

O

[وسیلے سے دعاء مانگنا]

[۱] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعاء کا حکم

۱۲۱-سوال: دعاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی دعاء میں یہ کہنا کہ ''اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور آپ کے صدقہ میں تو ہماری دعاؤں کو قبول فرما'' کیوں کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ قرآن مجید میں وسیلہ کے متعلق جو آیت [۱] نازل ہوئی ہے، اس میں وسیلہ سے مراد ''اعمال صالحہ کا وسیلہ ہے''، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعاء کرنا جائز نہیں ہے، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

مولوی ادریس کوسمبا

الجواب حامداومصليا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعاء کرنا جائز ہے: قال العلامة السبكي: يحسن التوسل بالنبي - صلى الله عليه وسلم - إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف والخلف إلا ابن تيمية. (شامی: ۵/۳۵۰) [۲]

اور اللہ رب العزت کے فرمان: {وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ} کی تفسیر میں بعض حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد آداب دعاء ہے۔ [۳] دعاء میں اللہ کے نیک، متقی اور پرہیزگار بندوں کا بھی وسیلہ

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ. (۵-المائدة: ۳۵)

(۲) رد المحتار: ۶/۳۹۷، كتاب الصلاة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت.

(۳) وكأن المعنى حينئذ اطلبوا متوجهين إليه حاجكم فإن بيده عز شأنه مقاليد السماوات والأرض ولا تطلبوها متوجهين إلى غيره فتكونوا كضعيف عاذ بقرملة. (روح المعاني: ۳/۲۹۴، (۵-سورة المائدة: ۳۵) ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

اختیار کرنا جائز ہے۔ [۴] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ قحط سالی کے زمانہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے دعاء کرتے تھے اور بارش ہوجاتی تھی۔ (بخاری شریف: ۱/ ۱۳۷) [۵]

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے نیک، متقی، صالح اور پرہیز گار لوگوں کا دعاء میں وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری: ۲/ ۳۳) [۶]

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بہ خوبی واضح ہوگئی کہ دعاء میں وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے؛ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ دعاء میں وسیلہ اختیار کرنا جائز نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲۸/ ۹/ ۱۹۷۷ء

[۲] ولی اللہ کے وسیلے سے دعا مانگنا

۱۲۲- سوال: کیا اولیاء کے مزار پر اس طرح دعاء کر سکتے ہیں: اے اللہ! تو اپنے دوست کی بزرگی اور ان کے اعمال کے طفیل ہماری دعا قبول فرما، یا صاحب مزار سے یہ کہا جائے کہ "اے ولی اللہ! آپ ہمارے لیے دعاء کر دیجیے کہ اللہ ہماری فلاں فلاں دعاء قبول فرمائیں"۔ اس طرح دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ سوال کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اس میں غیر اللہ سے مدد مانگنا لازم آتا ہے، حالاں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا منع ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ پہلی صورت کی طرح دوسری صورت میں بھی دعاء کرنے والا اللہ ہی

---

(۴) وإن التوسل بالنبي وبأحد من الأولياء العظام جائز بأن يكون السوال من الله تعالى ويتوسل بوليه ونبيه صلى الله عليه وسلم. (امداد الفتاوی: ۷/ ۶۳۲، ط: ادارہ تالیفات اولیاء- دیوبند)

(۵) عن أنس بن مالك، أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه، كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب، فقال: «اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا» ، قال: فيسقون. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۳۷، رقم الحديث: ۱۰۱۰، كتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، ط: البدر، ديوبند)

(۶) مذکورہ حدیث پاک کے تحت علامہ عینی رقم طراز ہیں: وفيه من الفوائد: استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة، الخ. (عمدة القاري: ۷/ ۳۲، رقم الحديث: ۱۰۱۰، ط: دار إحياء التراث العربي)

سے مدد مانگتا ہے اور اپنی دعائیں اللہ کے دربار ہی میں پیش کرتا ہے اور قبول ہونے کے لیے ولی اللہ کا وسیلہ اختیار کر رہا ہے، صاحب مزار ولی اللہ قبر میں زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد، دینی خدمت، اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر وغیرہ) میں قربان ہوتے ہیں، ان کو مردہ مت کہو؛ بل کہ وہ زندہ ہیں۔ [پارہ ۲ رکوع ۳] (۱)

اس لیے ولی اللہ سے کہنا آپ ہماری اللہ سے سفارش کریں کہ اللہ ہماری فلاں فلاں دعاء قبول فرمائے، یہ جائز ہے (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿﴾. (۲-البقرة: ۱۵۴)

(۲) وان التوسل بالنبي وبأحد من الأولياء العظام جائز بأن يكون السؤال من الله تعالى ويتوسل بوليه ونبيه صلى الله عليه وسلم. (امداد الفتاوى: ٦/ ۱۲ ۳، كتاب العقائد والكلام، ط: ادارة تاليفات أولياء - ديوبند)

عن أنس بن مالك، أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه، كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب، فقال: »اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا«، قال: فيسقون. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۳۷، رقم الحديث: ۱۰۱۰، كتاب الجمعة، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، ط: البدر - ديوبند)

قال ابن حجر بذيل شرح الحديث المذكور: ويستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة. (فتح الباري - ابن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م:): ۲/ ۴۹۷، ط: دار المعرفة - بيروت)

عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن من أشراط الساعة: أن يرفع العلم ويثبت الجهل، ويشرب الخمر، ويظهر الزنا". (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۸۰)

باب علامات القيامة

(قیامت کی نشانیاں)

O

[قیامت کی نشانیاں]

[۱] حضرت مہدیؒ کا ظہور: ثبوت وعلامات

۱۲۳-سوال: ہم نے سنا ہے کہ امام مہدیؒ دنیا میں آنے والے ہیں، تو کیا یہ صحیح بات ہے؟ اور اگر یہ بات صحیح ہو، تو ان کے ظہور کی کیا علامات ہیں؟ کتاب کے حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بدعت شروع ہو جائے؛ اس لیے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس سلسلے میں) دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایک مہدی آئے گا، جو پانچ سات یا نو سال تک حکومت کرے گا۔ پھر اس کے پاس ایک شخص آئے گا اور کہے گا: اے مہدی! مجھے دیجیے، مجھے دیجیے، پس وہ اسے اتنے دینار دیں گے، جتنا اس میں اٹھانے کی استطاعت ہوگی۔ (ترمذی شریف: ۲/۴۶)[۱]

''لمعات'' میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔[۲] بعض علماء نے لکھا ہے کہ حسنی (حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري قال: خشينا أن يكون بعد نبينا حدث فسألنا نبي الله صلى الله عليه وسلم فقال: إن في أمتي المهدي يخرج يعيش خمسا أو سبعا أو تسعا. -زيد الشاك- قال: قلنا: وما ذاك؟ قال: سنين. قال: "فيجيء إليه رجل فيقول: يا مهدي! أعطني أعطني" قال: فيحثي له في ثوبه ما استطاع أن يحمله. (سنن الترمذي: ۲/۴۷، رقم الحديث: ۲۲۳۲، أبواب الفتن، باب في المهدي، ط: البدر - ديوبند☆سنن ابن ماجة، ص: ۳۰۰، رقم الحديث: ۴۰۸۳، كتاب الفتن، باب خروج المهدي، ط: البدر، ديوبند☆مسند أبي يعلى: ۲/ ۳۷۴-۳۷۵، رقم الحديث: ۹۸۷، من مسند أبي سعيد الخدري، ت: حسين سليم أسد، ط: دار المأمون للتراث بيروت)

(۲) عن أم سلمة قالت: سمعت رسول الله- صلى الله عليه وسلم- يقول: المهدي من عترتي، من ولد فاطمة. (سنن أبي داؤد، ص: ۵۸۸، رقم الحديث: ۴۲۸۴، كتاب الفتن و الملاحم، كتاب المهدي، ط: البدر، ديوبند ☆ المستدرك على الصحيحين- الحاكم: ۴/ ۶۰۱، رقم الحديث: ۸۶۷۲، كتاب الفتن و الملاحم، وأما حديث عقيل بن خالد، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

سے) ہوں گے۔ [۳] بعض نے لکھا ہے کہ حسینی (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل سے) ہوں گے۔
(حاشیہ: ۴/ ترمذی شریف: ۲/ ۴۷، ابواب الفتن، باب ماجاء فی المهدی، ط: البدر – دیوبند) [۴]

جب دنیا فسق، بلاء، محن و پریشانیوں سے بھر جاوے گی، اس وقت ان کا ظہور ہوگا۔ [۵] عوام (پبلک) ان کو اپنے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے پر مجبور کریں گے، وہ خود عوام کو بیعت پر مجبور نہیں کریں گے۔ [۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] جھوٹ کا عام ہوجانا علاماتِ قیامت میں سے ہے

۱۲۴–سوال: ادھر کچھ دِنوں سے ایک خبر لوگوں کے درمیان گردش کر رہی ہے کہ قرآنِ پاک کے

(۳) عن أبي إسحاق، قال: قال علي رضي الله عنه، ونظر إلى ابنه الحسن، فقال: «إن ابني هذا سيد كما سماه النبي -صلى الله عليه وسلم-، وسيخرج من صلبه رجل يسمى باسم نبيكم، يشبهه في الخلق، ولا يشبهه في الخلق -ثم ذكر قصة- يملأ الأرض عدلا. (سنن أبي داؤد، ص: ۵۸۹، رقم الحديث: ۴۲۹۰، كتاب المهدي، كتاب الفتن والملاحم.
قال الملا علي القاري في شرح هذا الحديث: فهذا الحديث دليل صريح على ما قدمناه من أن المهدي من أولاد الحسن، ويكون له انتساب من جهة الأم في الحسين جمعا بين الأدلة. (مرقاة المفاتيح: ۱۰/ ۱۰۱، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، في ذيل: رقم الحديث: ۵۴۶۲، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۴) واختلف في أنه من بني الحسن، أو من بني الحسين، ويمكن أن يكون جامعا بين النسبتين الحسنيين، والأظهر أنه من جهة الأب حسني، ومن جانب الأم حسيني. (مرقاة المفاتيح: ۱۰/ ۹۰، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة شرح: رقم الحديث: ۵۴۵۴، ت: الشيخ جمال عيتاني، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۵) عن أبي سعيد الخدري، قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: "لا تقوم الساعة حتى تمتلئ الأرض ظلما وعدوانا" قال: "ثم يخرج رجل من عترتي -أو من أهل بيتي- من يملؤها قسطا وعدلا، كما ملئت ظلما وعدوانا".
(مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۷/ ۴۱۶، رقم الحديث: ۱۱۳۱۳، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، مسند المكثرين من الصحابة، ت: شعيب الأرنؤوط، عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة ☆ سنن أبي داؤد، ص: ۵۸۸، رقم الحديث: ۴۲۸۲، كتاب المهدي، ط: البدر- ديوبند ☆ جامع معمر بن راشد: ۱۱/ ۳۷۲، باب المهدي، رقم الحديث: ۲۰۷۷۰، ت: الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المكتب الإسلامي ☆ المستدرك للحاكم: ۵/ ۱۹، كتاب الفتن والملاحم، رقم الحديث: ۸۷۳۳۰، ط: دار الحرمين للطباعة والنشر)

(۶) عن أم سلمة، زوج النبي صلى الله عليه وسلم، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «يكون اختلاف عند موت خليفة، فيخرج رجل من أهل المدينة هاربا إلى مكة، فيأتيه ناس من أهل مكة فيخرجونه وهو كاره، فيبايعونه بين الركن والمقام. -الحديث- (سنن أبي داؤد، ص ۵۸۹، رقم الحديث: ۴۲۸۶، كتاب المهدي)
قال الطيبي: وهو المهدي بدليل إيراد هذا الحديث أبو داؤد في باب المهدي. (مرقاة المفاتيح: ۱۰/ ۹۲، كتاب الفتن، باب أشراط الساعة، دار الفكر-بيروت)

صفحات کے درمیان سے بال نکل رہے ہیں، اور بمبئی میں ایک داڑھی والے بچے کا تولد ہوا، جس نے یہ کہا تھا کہ قرآنِ پاک سے بال نکلیں گے، پھر تین دنوں میں اُس کا انتقال ہوگیا، ایسی جاہلانہ خبروں کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ ایسی جھوٹی باتیں پھیلائیں گے، جسے سلفِ صالحین نے کبھی نہیں سنا ہوگا۔[1] اِس طرح کی خبریں صرف شیطانی دھوکے ہیں، بچے کا داڑھی والا پیدا ہونا ایک نامعقول بات تو ہے ہی، مزید برآں جب اُس کے بال قرآنِ پاک میں سے نکلے، تو وہ بغیر داڑھی کے مرا، اور ایسا شخص کبھی ولی نہیں ہوسکتا، علاوہ ازیں مردار اِنسان کے بال امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ناپاک ہیں۔[2] تو ناپاک چیز قرآنِ پاک میں کیسے آسکتی ہے؟ اس قسم کی جھوٹی خبریں ۱۹۴۵ء میں بھی شائع ہوئی تھیں، جو ہرگز قابلِ تسلیم نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] جہتِ مغرب کی تعیین

(قربِ قیامت سورج جہتِ مغرب سے نکلے گا تو کیا وہی جہتِ مغرب مراد ہے، جو ہمارے ذہن میں ہے؟)

۱۲۵–سوال: قیامت کے دِن سورج مغرب سے طلوع ہوگا، عوام یہ سمجھتے ہیں کہ سائنسی تحقیقات کے مطابق جو جہتیں مقرر ہیں، وہی مشرق ومغرب ہیں، یہی جہتیں ہمارے اذہان میں راسخ ہوچکی ہیں، تو اب میں دریافت یہ کرنا چاہتا ہوں کہ قیامت کے دِن کیا اُسی جہتِ مغرب سے سورج طلوع ہوگا، یا مغرب سے کوئی اور جہت مراد ہے؟ برائے کرم احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اصل مشرق ومغرب کے معنیٰ اور اُس کی حقیقت واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشرق ومغرب کی حقیقت وہی ہے، جو ہمارے ذہنوں میں ہے، مشرق یعنی طلوعِ شمس کی جہت اور مغرب یعنی غروبِ شمس کی جہت، اُس کے علاوہ اور کوئی معنیٰ نہیں ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ

---

(۱) عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنه قال: سيكون في آخر أمتي أناس يحدثونكم ما لم تسمعوا أنتم، ولا آباؤكم، فإياكم وإياهم. (صحيح المسلم: ۹/۱، رقم: ۶-(۶)، مقدمة الإمام مسلم، باب النهي عن الرواية عن الضعفاء... الخ، ط: البدر-ديوبند☆مسند الإمام أحمد: ۱۹/۱۴، رقم: ۸۲۶۷، ط: مؤسسة الرسالة☆ مسند أبي يعلى الموصلي: ۲۷۰/۱۱، رقم: ۶۳۸۴، مسند أبي هريرة، الأعرج عن أبي هريرة، ط: دار المأمون للتراث-دمشق، واللفظ لمسلم)

(۲) قال الشافعية: أما لو أخذ (أي الشعر والصوف والريش ووبر الحيوان) بعد الموت فنجس. (الفقه الإسلامي وأدلته-الزحيلي: ۲۵۱/۱، الباب الأول: الطهارات، المبحث السادس، ط: دار الفكر)

''رب المشرق والمغرب''، دوسری جگہ ''رب المشرقین ورب المغربین'' اور تیسری جگہ ''رب المشارق والمغارب'' فرمایا ہے، ان تمام آیتوں میں یہی معنیٰ مراد ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ قربِ قیامت آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اُس میں بھی یہی معنیٰ مراد ہے۔ (۱)

آپ کو شاید اِس بات سے غلط فہمی ہوگئی ہے جو حدیث میں منقول ہے کہ ''قیامت کے دِن آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا''۔ واضح رہے کہ آفتاب قیامت کے دِن مغرب سے طلوع نہیں ہوگا؛ بل کہ قربِ قیامت غروب ہوکر فوراً بہ حکمِ خداوندی مغرب سے طلوع ہوگا، اور جہتِ مغرب سے طلوع ہونے کے بعد توبہ، ایمان واسلام کا دروازہ بند ہوجائے گا، پھر نہ کسی بندے کی توبہ قبول ہوگی نہ ایمان واسلام، جیسا کہ بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں اس کا ذکر ہے، مختصراً اس کا ایک جز نقل کرتا ہوں:

حتی تطلع الشمس من مغربها، فإذا طلعت و رأها الناس أمنوا أجمعين، فذلك حين لا ينفع نفسا إيمانها لم تكن أمنت من قبل، أو كسبت في إيمانها خيرا. (مشکوۃ المصابیح: ۴۶۵) [۲]

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه: بادروا بالأعمال ستا، الدخان، والدجال، ودابة الأرض، وطلوع الشمس من مغربها. (رواه مسلم) [۳]

حشر کے میدان میں آفتاب کے طلوع وغروب یا جہت کو بیان نہیں کیا ہے، بل کہ آفتاب کے قرب کو

---

(۱) (رب المشارق والمغارب)، وقال في موضع: {رب المشرقين ورب المغربين} [الرحمن: ۱۷] وقال في موضع: {رب المشرق والمغرب} [الشعراء: ۲۸] فكيف وجه التوفيق بين هذه الآيات؟ قيل: أما قوله: {رب المشرق والمغرب} [الشعراء: ۲۸] أراد به جهة المشرق وجهة المغرب. وقوله: {رب المشرقين ورب المغربين} [الرحمن: ۱۷] أراد مشرق الشتاء ومشرق الصيف، وأراد بالمغربين: مغرب الشتاء ومغرب الصيف. وقوله: {برب المشارق والمغارب} [المعارج: ۴۰] أراد الله تعالى أنه خلق للشمس ثلثمائة وستين كوة في المشرق وثلثمائة وستين كوة في المغرب على عدد أيام السنة، تطلع الشمس كل يوم من كوة منها، وتغرب في كوة منها، لا ترجع إلى الكوة التي تطلع الشمس منها من ذلك اليوم إلى العام المقبل، فهي المشارق والمغارب، وقيل: كل موضع شرقت عليه الشمس فهو مشرق، وكل موضع غربت عليه الشمس فهو مغرب، كأنه أراد رب جميع ما شرقت عليه الشمس وغربت. (مختصر تفسير البغوي: ۸۹۱/۵، سورة الصافات، ط: دار السلام للنشر والتوزيع - الرياض)

[۲] مشكوة المصابيح، ص: ۴۶۵، باب الملاحم، الفصل الأول، ط: فيصل پبليكشنز ديوبند.

(۳) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "بادروا بالأعمال ستا: الدجال، والدخان، ودابة الأرض، وطلوع الشمس من مغربها، وأمر العامة، وخويصة أحدكم. (صحيح مسلم: ۴۰۶/۲، رقم الحديث: ۱۲۹ - (۲۹۴۷)، كتاب الفتن، باب في بقية من أحاديث الدجال، ط: البدر - ديوبند)

بیان کیا گیا ہے کہ آفتاب مقدار میل دور ہوگا، جس کی گرمی سے شدید تپش ہوگی، اور لوگ اپنے گناہوں کے بہ قدر پسینے میں غرق ہوں گے:

عن المقداد قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول: تدني الشمس يوم القيامة من الخلق، حتى تكون منهم كمقدار ميل فيكون الناس على قدر أعمالهم في العرق، فمنهم من يكون إلى كعبيه، و منهم من يكون إلى ركبتيه، و منهم من يكون إلى حقويه، و منهم من يلجمهم العرق إلجاما، و أشار رسول الله صلى الله عليه و سلم بيده إلى فيه. رواه مسلم. (مشکوۃ شریف: ۴۸۳، باب الحشر) [۴]

حشر کے میدان میں قیامت کے دن آفتاب قریب ہوگا، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، طلوع وغروب کو بیان نہیں فرمایا، لہٰذا جہتِ مغرب سے طلوع ہونے کو قربِ قیامت کی علامات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اور وہ قیامت کی آخری نشانیوں میں سے بڑی نشانی ہوگی، جس پر توبہ، ایمان و اسلام کی قبولیت بند ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] کیا علامات کبریٰ کے ظہور سے پہلے قیامت قائم ہوسکتی ہے؟

۱۲۶-سوال: آج کل گناہ اپنی انتہا کو پہونچ چکے ہیں، دن بہ دن گناہ: چوری، زنا، عریانیت، بے حیائی اور بے شرمی بڑھتی جارہی ہے، اسی طرح علی الاعلان دین کے احکام توڑے جارہے ہیں اور دین کا مذاق اڑایا جاتا ہے، تو کیا قیامت کی بڑی نشانیوں: یاجوج ماجوج کا نکلنا، حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے اترنا، حضرت امام مہدیؒ کا ظاہر ہونا؛ وغیرہ کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ آج قیامت قائم کردے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے سے طے کردیا ہے کہ یہ سب کچھ ہوجانے کے بعد قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ خوب گناہ اور نافرمانی ہوگی، یعنی جو کچھ طے شدہ ہے وہ ہو کے رہے گا، اس کے بعد قیامت قائم کی جائے گی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۴] مشكاة المصابيح،ص: ۴۸۳، باب الحشر، الفصل الأول، ط: فيصل ديوبند☆ صحيح مسلم: ۲/ ۳۸۴، برقم الحديث: ۶۲ - (۲۸۶۴)، كتاب الجنة و صفة نعيمها و أهلها، باب في صفة يوم القيامة أعاننا الله على أهوالها، ط: البدر - ديوبند)

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ.

(۶-الانعام: ۱۶۴)

باب الجزاء والعقوبة

باب الجنة ونعيمها

(جزا و سزا - جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان)

0

[جزاوسزا]

[۱] کیا ایک آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے کو ہوسکتی ہے؟

۱۲۷-سوال: ایک آدمی کے گناہ کی سزا کیا اس کے علاوہ کسی دوسرے کو ہوسکتی ہے یا صرف اسی کو ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یا کسی گناہ کا سبب بنتا ہے، تو اس کا گناہ اسی کو ہوگا، اس کے گناہ کی سزا کسی دوسرے کو نہیں ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾[1]

ترجمہ: اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے، وہ اسی کے ذمہ پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] نابالغ بچے کو گناہ کا کام کرنے پر عذاب کا حکم

۱۲۸-سوال: نابالغ بچہ اگر کوئی گناہ کا کام بے خبری اور لاعلمی میں کرے تو اس کو کوئی عذاب لاحق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ بچہ اگر ناسمجھی میں کوئی گناہ کا کام کرلے، تو اس پر کوئی سزا عائد نہیں ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ اس

(۳)-۶ الأنعام: ۱۶۴.

کو عذاب نہیں دیں گے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۳] کیا والدین کے گناہ کی وجہ سے اولاد کا مؤاخذہ ہوگا؟

۱۲۹-سوال: کسی شخص کو اس کے ماں باپ کے گناہ کی سزا دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کسی مرد و عورت نے زنا کا ارتکاب کیا، جس کے نتیجے میں لڑکے کی ولادت ہوئی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے منصب امامت پر فائز کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے اولاد کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، لڑکا اگر عاقل بالغ، حافظ قرآن اور عالم ہے، نیز صحیح قرآن مجید پڑھنے والا ہے، تو اس کا امامت کرنا بھی جائز ہے (جب کہ اسے معاشرے میں حقیر نہ سمجھا جاتا ہو) اور اس کے نیک اعمال بھی عند اللہ مقبول ہوں گے (ان شاء اللہ)۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

(۱) عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل". (سنن أبي داود: ص:۲۰۶، رقم الحديث: ۴۴۰۳، وبمعناه برقم: ۴۳۹۸☆۴۴۰۱☆۴۴۰۲، كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، ط: البدر - ديوبند☆سنن الترمذي: ۱/ ۲۶۳، رقم الحديث: ۱۴۲۳، كتاب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، ط: البدر - ديوبند☆سنن ابن ماجة، ص: ۱۴۷، رقم الحديث: ۲۰۴۱، كتاب الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغير والنائم، ط: البدر - ديوبند)

(۲) وينبغي أن يكون كذلك في العبد وولد الزنا، إذا كان أفضل القوم فلا كراهة إذا لم يكونا محتقرين بين الناس لعدم العلة للكراهة. (البحر الرائق: ۱/ ۳۷۰، إمامة العبد والأعرابي الخ، ط: دار الكتاب الإسلامي)

"وولد الزنا" الذي لا علم عنده ولا تقوى فلذا قيده مع ما قبله بقوله "الجاهل" إذ لو كان عالما تقيا لا تكره إمامته، لأن الكراهة للنقائص. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح: ۱۱۵، فصل في الأحق بالإمامة، ط: المكتبة العصرية)

وقال ابو حنيفة رضي الله عنه: لا باس بان يؤم ولد الزنا إذا كان فقيها، قارئا للقران، وأن يؤم غيره أحب إلي. (الحجة على أهل المدينة - أبو عبد الله محمد بن الحسن الشيباني (م: ۱۸۹هـ): ۱/ ۱۲۹، باب متابعة الامام في الجلوس والقيام، ت: مهدي حسن الكيلاني القادري، ط: عالم الكتب - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الأصل المعروف بالمبسوط - أبو عبد الله محمد بن الحسن الشيباني: ۱/ ۲۰، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة وما يصنع الإمام، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية - كراتشي.

[۴] حیلۂ گناہ کا حکم

۱۳۰-سوال: ''حیلہ'' کے وقت گیہوں، رقم اور قرآن مجید رکھنے میں کلام مجید نہ ہو، تو اس کا ہدیہ لیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (حیلہ، گناہ کی معافی کا ایک طریقہ ہے، جس میں گناہ کرنے والا کسی کو گیہوں، کچھ رقم اور قرآن کریم دیتا ہے، تا کہ اس کے گناہ کا وہ ذمہ دار ہو جائے اور اس کا بوجھ اپنے سر لے لے)

الجواب حامداومصليا:

مذکور صورت ناجائز ہے، حرام ہے، ایسا کرنے والا گنہ گار ہوگا، حیلہ کرنے سے کوئی کسی کا گناہ اپنے سر نہیں لے سکتا ہے، جو کرے گا، وہی بھرے گا، اس طرح کا حیلہ کرنا، کرانا حکم قرآنی کے خلاف ہے۔(۱)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ"[۲] پس اس حرام کام سے بچنا ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فالحاصل: أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن، وإنما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله، أو في باطل حتى يموهه، أو في حق حتى يدخل فيه شبهة، فما كان على هذا السبيل، فهو مكروه، وما كان على السبيل الذي قلنا أو لا، فلا بأس به. (المبسوط للسرخسي - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳۰/ ۲۱۰، كتاب الحيل، ط: دار المعرفة - بيروت)

[۲] ۶-الأنعام: ۱۶۴.

مایتعلق بالجنة ونعیمها

(جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان)

[۱] کیا پہلی بیوی سے جنت میں ملاقات ہوگی؟

۱۳۱-سوال: میری پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا، اب اگر میں دوسری شادی کروں، تو جنت میں مجھے پہلی بیوی کی ملاقات نصیب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی، جن کا ہم اور آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر جنتی شخص کو جنت میں چار ہزار کنواری، آٹھ ہزار ثیبہ اور سو بڑی آنکھوں والی حوریں ملیں گی۔ أبو نعیم في الحلیة. (ترغیب: ۳۱۱/۶)[۱]

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ چار ہزار کنواری، آٹھ ہزار ثیبہ اور پانچ سو حور ملیں گی۔[۲]

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ رب العزت بہتر حوروں کو بہ طور خاص پیدا کریں گے اور دنیا کی

---

(۱) یزوج کل رجل من أهل الجنة أربعة آلاف بکر، وثمانیة آلاف أیم، ومائة حوراء. الحدیث. (الترغیب والترهیب-المنذري: ۵۳۸/۶، رقم الحدیث: ۵۶۶۷، ط: دار إحیاء التراث العربي)

نوٹ: ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء میں احقر کو مذکورہ حدیث تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی، ہاں یہ حدیث درج ذیل تفصیل کے ساتھ ان کی کتاب صفۃ الجنۃ میں موجود ہے:

عن ابن أبي أوفی، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم: یزوج الرجل من أهل الجنة أربعة آلاف بکر، وثمانیة آلاف أیم ومائة حوراء. الحدیث. (صفة الجنة - أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ بن أحمد بن إسحاق بن موسی بن مهران الأصبهاني (م: ۴۳۰ھ): ۲۱۲/۲، رقم الحدیث: ۳۷۸، ذکر نکاح أهلها وتعانقهم حورها وسکان مقاصیرها، الخ ☆ ۲۶۹/۲، رقم الحدیث: ۴۳۱، ذکر حور أهلها واجتماعهم علی الغناء والطرب، ت: علي رضا عبد اللہ، ط: دار المأمون للتراث - دمشق)

(۲) عن عبد اللہ بن أبي أوفی، قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: «إن الرجل من أهل الجنة لیزوج خمس مائة حوراء، وأربع آلاف بکر، وثمانیة آلاف ثیب، یعانق کل واحدة منهن مقدار عمره في الدنیا». (البعث والنشور للبیهقي: ۲۲۳/۱، باب ما جاء في صفة حور العین، والولدان، والغلمان، رقم الحدیث: ۳۷۳، ت: الشیخ عامر أحمد حیدر، ط: مرکز الخدمات والأبحاث الثقافیة-بیروت ☆ الترغیب والترهیب - المنذري: ۵۳۲/۶، ط: دار إحیاء التراث العربي)

عورتوں میں سے دو عورتیں جنتی کو ملے گی اور یہ دونوں عورتیں اپنے حسن و جمال اور عبادت و بندگی کی وجہ سے حورعین پر بھی فوقیت رکھتی ہوں گی۔[۳]

اس لیے آپ اگر دوسری شادی کریں گے، تو بھی ان شاء اللہ العزیز آپ کی ملاقات اپنی بیوی کے ساتھ ہوگی؛ لہٰذا دوسری شادی ضرور کریں، تا کہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) میں اضافہ ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۲۵/۴/۱۹۷۹ء)

[۲] جنت میں نیک عورت کو کون سی شئے ملے گی؟

۱۳۲-سوال: نیک مرد کو جنت میں حوریں ملیں گی، تو نیک عورت کو کون سی شئے ملے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیک عورت اپنے جنتی شوہر کے ساتھ رہے گی اور شوہر کو ملنے والی حوروں کی سردار ہوگی۔(۱) مردوں کے متعلق یہ بات مذکور ہے کہ حوریں اور دنیا کی دو دو عورتیں ملیں گی۔ (فتح الباری شرح بخاری: ۷/ ۸۳۳)[۲]

---

(۳) فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: والذي بعثني بالحق ما أنتم في الدنيا بأعرف بأزواجكم ومساكنكم من أهل الجنة بأزواجهم ومساكنهم، فيدخل رجل منهم على ثنتين وسبعين زوجة مما ينشىء الله وثنتين من ولد آدم لهما فضل على من أنشأ الله لعبادتهما الله في الدنيا. (الترغيب والترهيب -المنذري (م: ٦٥٦هـ): ٦/ ٥٣٤، رقم الحديث: ٥٦٥٦، كتاب صفة الجنة والنار، فصل في وصف نساء أهل الجنة، ط: دار إحياء التراث العربي، ورواه البيهقي في البعث والنشور، برقم الحديث: ٤٠٩)

(۱) عن ابن أنعم عن حبان بن أبي جبلة قال: "إن نساء الدنيا من دخل منهن الجنة، فضلن على العين بما عملن في الدنيا وروى مرفوعا: إن الأدميات أفضل من الحور العين بسبعين ألف ضعف. (التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة- أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (م: ٦٧١هـ)، ص: ٩٨٧، باب منه في الحور العين وكلامهن وجواب نساء الآدميات وحسنهن، ت: د. الصادق بن محمد بن إبراهيم، ط: مكتبة دار المنهاج- الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤٢٥هـ)

(۲) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " والذي بعثني بالحق، ما أنتم في الدنيا بأعرف بأزواجكم ومساكنكم من أهل الجنة بأزواجهم ومساكنهم، فيدخل كل واحد منهم على اثنتين وسبعين زوجة مما ينشئ الله عز وجل، واثنتين آدميتين من ولد آدم. (الأحاديث الطوال- سليمان بن أحمد، الشامي، أبو القاسم الطبراني (م: ٣٦٠هـ) ص: ٢٦٦، رقم الحديث: ٣٦، حديث الصور، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة الزهراء- الموصل، الطبعة: الثانية، ١٤٠٤- ١٩٨٣)

☆ صفة الجنة- ضياء الدين أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسي (م: ٦٤٣هـ)، ١٢٤، رقم الحديث: ١٢٠، ذكر نساء أهل الجنة، ت: صبري بن سلامة شاهين، ط: دار بلنسية- الرياض، الطبعة: الأولى ١٤٢٣هـ- ٢٠٠٢م.

☆ فتح الباري- أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي: ٦/ ٣٢٥، باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة، ط: دار المعرفة- بيروت.

تفرقت اليهود على إحدى وسبعين أو اثنتين وسبعين فرقة، والنصارى مثل ذلك، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة.
(سنن الترمذی: ۲۶۴۰)

باب الفرق
(فرق باطلہ کے مخصوص اعمال)

O

[باب الفرق]

[۱] قادیانی اور ہندو کو دل سے چاہنا

۱۳۳-سوال: قادیانی یا ہندوؤں میں سے کسی کو دل سے اچھا سمجھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قادیانی اور ہندو دونوں ہی کافر ہیں، البتہ مسلمان کے لیے قادیانی ہندو کے مقابلے میں زیادہ ضرر رساں ہیں؛ اس لیے کہ ہندو کو ہر شخص کافر سمجھتا ہے اور اس سے دوری اختیار کرتا ہے، جب کہ قادیانی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو فریب دیتا ہے، بسا اوقات بھولے بھالے مسلمان اس کے دام فریب میں آجاتے ہیں، ان میں سے کسی کو بھی عقیدے کے لحاظ سے اچھا سمجھنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی شخص کسی کافر کو خواہ وہ قادیانی ہو یا ہندو یا کوئی اور؛ دل سے اچھا سمجھے اور اس کے کفر کے تعلق سے دل میں کسی طرح کی نفرت محسوس نہ کرے، تو یہ اس کے لیے بالکل ناجائز ہے؛ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، جن سے دلی دوستی نہایت خطرناک امر ہے۔[1] ہاں! اگر اس کے کفر کو دل سے برا سمجھے؛ لیکن وطنی یا انسانی برادری کی

---

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا. [۴-النساء: ۱۴۴]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. [۵-المائدة: ۵۷]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا. (۳-آل عمران: ۱۱۸)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تکلیف پہونچانے والے کفار اور مشرکین سے دلی دوستی رکھنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے، ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. [۶۰-الممتحنة: ۹]

وجہ سے اس کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کا برتاؤ کرے، تو شرعاً جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، الا یہ کہ وہ مسلمانوں کو ضرر پہونچانے والوں کا تعاون کرتا ہو۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] تعزیہ نکالنا اور اس میں ناچ گانے کی محفل سجانا

۱۳۴-سوال: ہمارے یہاں محرم کے مہینہ میں تعزیہ کا جلوس نکالا جاتا ہے، جس میں اکثر بھیڑیا، بھالو اور بندر کے ناچ کے ساتھ ڈھول وباجا بھی بجایا جاتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ کھیل کھیلا جاتا تھا؛ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے، نیز اس میں مدد کرنا کیسا ہے؟ آپ دلائل کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں تعزیہ نہیں تھا، یہ تو بعد کے لوگوں نے رسم ورواج کے طور پر دین میں داخل کر دیا ہے۔ [2] یہ لوگ درحقیقت اسلام کے دشمن ہیں، جو اسلام کو بدنام کر رہے ہیں؛ لہٰذا ایسی کسی بھی رسم وبدعت میں شامل ہونا درست نہیں ہے۔ نیز اس میں جانی ومالی کسی بھی طرح کی مدد کرنا

---

(۱) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. [۶۰-الممتحنة:۸]

وقال تعالى: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ لا وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا. [۴-النساء:۳۶]

عن أبي شريح، أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: والله لا يؤمن، والله لا يؤمن، والله لا يؤمن، قيل من يا رسول الله، قال: الذي لا يأمن جاره بوائقه. (صحيح البخاري: ۸۸۹/۲، رقم: ۶۰۱۶، كتاب الأدب، باب إثم من لا يؤمن جاره بوائقه)

عن أبي هريرة، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: لا يدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه. (صحيح المسلم: ۵۰/۱، رقم الحديث: ۷۳-(۴۶) كتاب الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار، ط: البدر - ديوبند)

(۲) تعزیہ داری کی ایجاد ۳۵۲ھ کے شروع میں ہوئی، اس کا سبب یہ ہوا کہ معز الدولہ نے حکم دیا کہ ۱۰ر محرم کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے غم میں تمام دکانیں بند کر دی جائیں، بیع وشراء (خرید وفروخت) بالکل بند رہے (وغیرہ وغیرہ)... شیعوں نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی، مگر اہل سنت دم بخود اور خاموش رہے؛ کیوں کہ شیعوں کی حکومت تھی، آئندہ سال ۳۵۳ھ میں پھر اسی حکم کا اعادہ کیا گیا... اس کے بعد شیعوں نے ہر سال اس رسم کو زیر عمل لانا شروع کیا اور آج تک اس کا رواج ہندوستان میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ (ملخص از: تاریخ اسلام - مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی: ۵۱۹/۲، ط: مکتبہ علمیہ، سہارن پور، سن اشاعت: ۲۰۰۱ء)

حرام ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] صحابۂ کرام - رضوان اللہ علیہم أجمعین - قابلِ تعظیم ہیں

۱۳۵-سوال: صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیے؟ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو جنگ ہوئی ہے، اسے کیا سمجھا جائے اور مودودی صاحب نے بہت سے صحابہؓ کے متعلق گستاخانہ الفاظ استعمال کیے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں ہیں، مگر نبی کریم ﷺ کی صحبت بابرکت اور آپ ﷺ کی پاکیزہ تعلیم وتربیت کی وجہ سے ان میں ایسی صفائی آگئی تھی کہ وہ نیک کاموں کی طرف سبقت کرتے تھے اور برے کاموں سے دور رہتے تھے۔

ان کا کوئی کام اگر ہم کو بہ ظاہر گناہ معلوم ہوتا ہو، تو ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے جان بوجھ کر اسے انجام نہیں دیا ہے؛ بل کہ وہ مجتہد تھے اور اجتہاد میں ان سے چوک ہوگئی ہوگی، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''مجتہد کبھی غلطی کرتا ہے، تو کبھی صحیح راہ پر چلتا ہے، اور غلطی میں بھی اس کو ثواب ملتا ہے۔''[۲] (صحیح بخاری، حدیث: ۶۸۰۵، أجر الحاکم إذا اجتهد) لہٰذا حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جو جنگ ہوئی، اس کو اجتہادی غلطی پر محمول کیا جائے گا۔

شارح مسلم امام نوویؒ نے علامہ مازریؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہیں؛ لیکن ہم کو صحابہؓ کے ساتھ صحیح اور اچھا گمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، کہ صحابہ تمام خرابیوں اور برائیوں سے محفوظ تھے، اگر کوئی روایت ایسی ہو، جس سے صحابہؓ کی کوئی برائی ثابت ہوتی ہو، تو اس کی صحیح تاویل کی جائے گی اور اسے

---

(۱): وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ يعني لا تعاونوا على ارتكاب المنهيات، ولا على الظلم. (التفسير المظهري- محمد ثناء الله المظهري: ۲/ ۵۱۲، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية- الباكستان: ۱۴۱۲ھ)

(۲) عن عمرو بن العاص، أنه سمع رسول الله- صلى الله عليه وسلم- يقول: إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر. (صحيح البخاري: ۲/ ۱۰۹۲، رقم الحديث: ۷۳۵۲، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا أجتهد فأصاب أو أخطأ، ط: فیصل پبلیکیشنز، دیوبند * صحيح مسلم: ۲/ ۷۶، رقم الحديث: ۱۵- (۱۷۱۶)، كتاب الأقضية، باب: بيان أجر الحاكم إذا أجتهد الخ، ط: فیصل پبلیکیشنز، دیوبند)

اچھے معنیٰ پر محمول کیا جائے گا، اگر تاویل نہ ہو سکے تو وہ روایت قابل رد ہوگی۔ (نووی شرح مسلم: ۱/ ۹۰)[1]

غور کیجیے! امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ صحابہؓ کے ساتھ صحیح عقیدہ رکھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''میرا ہر صحابی ستارے کے مانند ہے''۔ (۲) ایک روایت میں ہے: ''میرے صحابہ کی بدگوئی و بدگمانی سے بچو''۔ (۳) نیز صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ بہت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ (۴) اور بھی بہت سی روایتیں صحابہؓ کے فضائل کے سلسلہ میں منقول ہیں۔ (۵) ان ساری تفصیلات کو ذہن میں رکھیے اور سوچیے کہ امت کو صحابۂ کرامؓ کے متعلق کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے۔

---

(۱) ولسنا نقطع بالعصمة إلا للنبي - صلى الله عليه وسلم - ولمن شهد له بها لكنا مأمورون بحسن الظن بالصحابة رضي الله عنهم أجمعين ونفي كل رذيلة عنهم وإذا انسدت طرق تأويلها نسبنا الكذب إلى رواتها. (شرح النووي على صحيح المسلم: ۲/ ۹۰، كتاب الجهاد والسير، باب: حكم الفيء، ط: مكتبة البدر - ديوبند)

(۲) عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما أصحابي بمنزلة النجوم، فأيهم أخذتم بقوله اهتديتم. (الإبانة الكبرى - ابن بطة العكبري (م: ۳۸۷هـ): ۲/ ۵۶۳، رقم الحديث: ۷۰۲،۷۰۱، باب التحذير من استماع كلام قوم يريدون... الخ، ط: دار الراية للنشر و التوزيع - الرياض ☆ وأخرجه الآجري في الشريعة بلفظ " أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم، رقم الحديث: ۱۱۶۲، باب ذكر فضل جميع الصحابة، ت: الدكتور عبد الرحمن بن عمر ولديجي، ط: دار الوطن - الرياض ☆ أخرجه القاضي عياض عن حذيفة بن اليمان في الشفاء بسند حسن، الشفاء: ۱/ ۱۱۸، الفصل السادس توقير أصحابه، ط: دار الفيحاء، عمان. (ضعف هذا الحديث كثير من العلماء مع تعدد طرقه)

(۳) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، قال: قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد، ذهبا ما بلغ مد أحدهم، ولا نصيفه. (صحيح البخاري: ۱/ ۵۱۸، رقم الحديث: ۳۶۷۳، كتاب المناقب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذا خليلا، ط: فیصل پبلیکیشنز، دیوبند ☆ صحيح مسلم: ۲/ ۳۱۰، رقم الحديث: ۲۲۱-(۲۵۴۰)، كتاب الفضائل، باب تحريم سب الصحابة، ط: فیصل پبلیکیشنز، دیوبند ☆ سنن الترمذي: ۲/ ۲۲۵، رقم الحديث: ۳۸۶۱، أبواب المناقب، باب فيمن سب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ط: فیصل پبلیکیشنز، دیوبند)

(۴) عن عبد الرحمن بن عوف، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أبو بكر في الجنة، وعمر في الجنة، وعثمان في الجنة، وعلي في الجنة، وطلحة في الجنة، والزبير في الجنة، وعبد الرحمن بن عوف في الجنة، وسعد في الجنة، وسعيد في الجنة، وأبو عبيدة بن الجراح في الجنة. (سنن الترمذي: ۲/ ۲۱۵، رقم الحديث: ۳۷۴۷، أبواب المناقب، باب مناقب عبد الرحمن بن عوف، ط: فیصل پبلیکیشنز، دیوبند)

(۵) منها: ما روي عن عبد الله بن مغفل، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه. (سنن الترمذي: ۲/ ۲۲۵، رقم الحديث: ۳۸۶۲، أبواب المناقب، باب في من سب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ط: فیصل پبلیکیشنز، دیوبند)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی جان، مال، عزت، آبرو اور وطن؛ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا اور دین اسلام کی مدد کی تھی، انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم وتربیت حاصل کی تھی، تو کیا استاذ کامل کی صفات کا سایہ ان پر نہیں پڑا ہوگا؟

نیز یہ بھی سوچیے!! صحابۂ کرام آپس میں ایک دوسرے کی کیسی قدر کرتے تھے، حضرت عمر فاروق اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کا نام لے کر بیان کرتے تھے کہ انہوں نے یہ کام کیا، فلاں کام کیا وغیرہ، (حالاں کہ خود بھی اس کام میں برابر کے شریک ہوتے تھے؛ لیکن غایت درجہ کا ادب تھا کہ اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں چھپاتے تھے) اور ان کے کام کو بہ غرض حجت پیش کرتے تھے۔ حضرت عمر کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنی سے شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) کے طریقہ ونہج پر حکومت کرنے کے وعدہ پر بیعت لی گئی تھی۔ (۱)

مزید غور کیجئے کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں کیسے رنگے ہوئے تھے، ان کے تقویٰ، طہارت، زہد وغیرہ کے تفصیلی واقعات سیرت کی کتابوں میں دیکھنے سے معلوم ہوں گے۔ لہٰذا صحابہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ وہ ہر قسم کی برائی وخرابی سے دور رہتے تھے، جو لوگ صحابہ کے متعلق بدگوئی کرتے تھے یا ان کو پریشان کرتے تھے، ان کا کیا حشر ہوا؟ دو تین نمونے پیش کرتا ہوں:

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تہمت لگانے والوں کا کیا حال ہوا؟ جس کو حضرت سعد نے بددعا دی تھی۔ (دیکھیے: صحیح بخاری: ۱/ ۱۰۴) [۲] اسی طرح حضرت سعید بن زید بن نوفل پر جھوٹا دعویٰ کرنے والی

---

(۱) فلما اجتمعوا تشهد عبد الرحمن، ثم قال: أما بعد، يا علي إني قد نظرت في أمر الناس، فلم أرهم يعدلون بعثمان، فلا تجعلن على نفسك سبيلا. فقال: أبايعك على سنة الله ورسوله، والخليفتين من بعده، فبايعه عبد الرحمن، وبايعه الناس المهاجرون والأنصار، وأمراء الأجناد والمسلمون. (صحيح البخاري: ۲/ ۱۰۷۰، رقم الحديث: ۷۲۰۷، كتاب الأحكام، باب: كيف يبايع الإمام الناس، ط: البدر، ديوبند)

[۲] طویل حدیث کا جزء ہے: جس کا حاصل ہے کہ جب حضرت سعد کی شکایت کی گئی اور واقعات کی تحقیق کے لیے متعدد لوگ کوفہ پہونچے، تو اسامہ بن قتادہ نامی ایک شخص نے حضرت سعد کی غلط شکایت کی، تو حضرت سعد نے بددعاء دی اور وہ حرف بہ حرف اس کا مصداق بنا، تفصیل درج ذیل ہے: فقام رجل منهم يقال له أسامة بن قتادة يكنى أبا سعدة قال: أما إذ نشدتنا فإن سعدا كان لا يسير بالسرية، ولا يقسم بالسوية، ولا يعدل في القضية، قال سعد: أما والله لأدعون بثلاث: اللهم إن كان عبدك هذا كاذبا، قام رياء وسمعة، فأطل عمره، وأطل فقره، وعرضه بالفتن، وكان بعد إذا سئل يقول: شيخ كبير مفتون، أصابتني دعوة سعد، قال عبد الملك: فأنا رأيته بعد، قد سقط حاجباه على عينيه من الكبر، وإنه ليتعرض للجواري=

عورت کا کیا حشر ہوا! دیکھیے: مسلم شریف (۲/ ۳۳)[1] علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے معتمد لوگوں سے سنا ہے کہ بعض شیعہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بدگوئی کرتے تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے مرنے سے پہلے ان کا چہرہ گدھے اور خنزیر جیسا بنادیا تھا، آگے لکھتے ہیں: جو لوگ ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہیں اور ان کو گدھا، سور یا کتا کہتے ہیں، ان کی بھی شکل وصورت اللہ تعالیٰ گدھے کی طرح بنادیتے ہیں۔ [2] حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ تحریر فرماتے ہیں: جو لوگ حضرت عثمان غنیؓ سے بغض رکھتے ہیں، ان کو قبر میں فتنۂ دجال میں مبتلا کیا جائے گا۔ [3] اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ سے بغض، عداوت، دشمنی اور ان کے متعلق غلط خیالات کا اثر قبر تک پہنچتا ہے۔

ان واقعات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حق میں گستاخانہ الفاظ کا استعمال کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

=في الطرق يغمزهن. (صحيح البخاري: ١/ ١٠٤، رقم الحديث: ٧٥٥ تا ٧٥٨، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند ☆ صحيح مسلم: ١/ ١٨٦، رقم الحديث: ١٥٨ - (٤٥٣) مختصراً، كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند)

(۱) اروی نامی ایک خاتون نے سعید بن زیدؓ سے گھر کے ایک حصے کے سلسلے میں مخاصمت کیا، تو آپؓ نے ان کو بدعاء دیتے ہوئے کہا: اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے، تو اسے اندھی کردے اور اس کی قبر اس کے گھر میں بنا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اسے اندھی اور دیواروں کو ٹٹولتے دیکھا اور کہتی تھی: مجھے سعید بن زید کی بددعا پہنچی ہے۔ ایک دن وہ گھر میں چل رہی تھی، جب گھر میں کنویں کے پاس سے گزری، تو اس میں گر پڑی اور وہی کنواں اس کے لیے قبر بن گیا: عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل، أن أروى خاصمته في بعض داره، فقال: دعوها وإياها، فإني سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: من أخذ شبرا من الأرض بغير حقه، طوقه في سبع أرضين يوم القيامة. اللهم إن كانت كاذبة فأعم بصرها، واجعل قبرها في دارها، قال: فرأيتها عمياء تلتمس الجدر تقول: أصابتني دعوة سعيد بن زيد، فبينما هي تمشي في الدار مرت على بئر في الدار، فوقعت فيها، فكانت قبرها. (صحيح مسلم: ٢/ ٣٣، رقم الحديث: ١٣٨ - (١٦١٠)، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرهما، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند ☆ صحيح البخاري: ١/ ٤٥٤، رقم الحديث: ٣١٩٨، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في سبع أرضين، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند)

(٢) وسمعنا من الثقات أن جماعة من الشيعة الذين يسبون الصحابة قد تحولت صورتهم إلى صورة حمار وخنزير عند موتهم، وكذلك جرى على من عق والديه، وخاطبهما باسم الحمار أو الخنزير أو الكلب. (عمدة القاري: ٥/ ٢٢٤، كتاب الأذان، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، ط: دار إحياء التراث العربي)

(٣) قال الكشميري: حتى رأيت في "البدور السافرة" رواية: أن من كان في قلبه بغض من عثمان -رضي الله تعالى عنه- فإنه لا يأمن في قبره من فتنة الدجال". فتبين أن أثر تلك الفتنة تسري إلى القبور أيضاً. (فيض الباري: ٢/ ٣١٣، كتاب الصلاة، باب الدعاء قبل السلام، ط: المجلس العلمي -دابهيل، سورت، الطبعة الثانية: ١٤١٠ھ-١٩٨٩ء)

[۴] اسماعیلی فرقہ اور اس کے ماننے والوں کا شرعی حکم

۱۳۶-سوال: ہمارے یہاں اسماعیلی فرقہ کے ایک شخص کا انتقال ہوا؛ اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، ہندو مذہب کے لوگ حاضر ہوئے، رام اور لکشمن کے نام کے بھجن گائے گئے، پھر اسے قبر کے پاس لے جایا گیا، قبر کے پاس دو بڑے ٹب لائے گئے، ایک خالی تھا اور دوسرے میں مٹی بھری ہوئی تھی، وہاں پر موجود تمام لوگوں نے مٹی پر دم کیا اور اسے خالی ٹب میں ڈال دیا، پھر اس مٹی کو لوگوں نے قبر میں ڈالا، وہاں پر موجود ہر ہندو بھائی نے ایک برتن میں پانی لے کر قبر پر سر کی جانب سے پیر تک ڈالا، میں بھی وہاں موجود تھا؛ لیکن میں نے ان سارے کام میں کوئی حصہ نہیں لیا، میرے ان کے اس کام میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے وہ لوگ مجھ سے ناراض بھی ہو گئے، کیا یہ فرقہ مسلمان کہلائے گا؟ امید ہے کہ اس کا جواب عنایت فرمائیں گے۔

(غلام جسات، یوگانڈا)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسماعیلی فرقہ اپنے آپ کو مسلمان گردانتا ہے؛ لیکن ان کے عقائد اسلامی عقائد سے بالکل الگ ہیں۔[۱] اگر وہ لوگ رام اور لکشمن کے نام لیتے ہوں، (جیسا کہ آپ نے لکھا ہے) ان کو خدا کے اوتار[۲] مانتے ہوں، تو وہ مسلمان نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر وہ لوگ اپنے امام کو بھی خدا کا مرتبہ دیتے ہوں کہ اگر ہمارا

---

(۱) الطرف الثالث بيان معتقدهم في الإمامة: وقد اتفقوا على أنه لا بد في كل عصر من إمام معصوم قائم بالحق يرجع إليه في تأويل الظواهر وحل الإشكالات في القرآن والأخبار والمعقولات، واتفقوا على انه المتصدي لهذا الأمر وان ذلك جار في نسبهم لا ينقطع أبد الدهر ولا يجوز أن ينقطع إذ يكون فيه إهمال الحق وتغطيته على الخلق وإبطال قوله عليه السلام كل سبب ونسب ينقطع إلا سببي ونسبي وقوله ألم أترك فيكم القرآن وعترتي واتفقوا على أن الإمام يساوي النبي في العصمة والاطلاع على حقائق الحق في كل الامور الا انه لا ينزل اليه الوحي وانما يتلقى ذلك من النبي فانه خليفته وبازاء منزلته. الخ (فضائح الباطنية-أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (م: ۵۰۵ھ)، ص، ۴۲، الباب الرابع في نقل مذاهبهم جملة وتفصيلا، ت: عبد الرحمن بدوي، ط: مؤسسة دار الكتب الثقافية - الكويت)

وشیعہ خصوصا امامیہ و اسماعیلیہ گویند کہ عصمت از خطا در علم و از گناہ در عمل بمعنی امتناع صدور کہ خاصۂ انبیاء است شرط امامت است۔ (تحفۂ اثنا عشریہ، ص: ۱۷۸، باب ہفتم در امامت، ط: سہیل اکیڈمی، لاہور)

(۲) اوتار ہندی لفظ ہے، ہندوؤں کے عقیدے میں خدا کا کسی جنم میں داخل ہو کر مخلوق کی اصلاح کے لئے دنیا میں آنا۔ (جامع فیروز اللغات: ص ۱۳۵، ط: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

امام کسی کے لیے اللہ کے نام ایک خط لکھ دے گا اور سرٹیفکیٹ دے دے گا، تو اللہ اس کو بخش دیں گے، اللہ کے فرشتے اس سے کسی قسم کا کوئی سوال نہیں کریں گے۔ اگر یہ لوگ اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں، تو مسلمان نہیں ہیں۔ (۱)

اسماعیلی اور آغاخانی فرقے بھی جناب نبی کریم ﷺ کو نبی نہیں مانتے ہیں، اس لیے یہ لوگ بھی مسلمان نہیں ہیں، اسماعیلی فرقہ اسماعیل بن جعفر کو اپنا امام مانتا ہے اور ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ان کا انتقال نہیں ہوا ہے، ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا ہے، یہ فرقہ "فرقۂ باطنہ" کی شاخ ہے۔ (۲) علماء نے لکھا ہے کہ "یہ فرقہ یہود ونصاریٰ اور مجوس کے مقابلہ میں بھی مسلمانوں کے لیے زیادہ مضرت رسا اور نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ (۳)

اس لیے آپ نے جو بھی کیا، یعنی وہاں سے الگ رہے اور تدفین کے کام میں اور مٹی پر دم کرنے میں آپ نے شرکت نہیں کی یہ اچھا کام کیا اور آئندہ بھی ایسے کاموں میں بالکل شرکت نہ کریں، عزت وذلت کا مالک اللہ رب العزت ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔

---

(۱) قال اللہ تعالی: فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (۸۵-البروج: ۱۶) أي: لا يعجزه شيء يريده. (تفسير البغوي، الفراء البغوى: ۵/ ۲۳۷، ت: عبد الرزاق المهدي، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)
وقال اللہ تعالی: وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۔ الآية. (۳۴- سبا: ۲۳)
وقال تعالى: وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. (۴۳: الزخرف: ۸۶)
(۲) الإسماعيلية: وهم يزعمون أن الإمامة صارت من جعفر إلى ابنه إسماعيل وكذبهم في هذه المقالة جميع أهل التواريخ لما صح عندهم من موت إسماعيل قبل أبيه جعفر وقوم من هذه الطائفة يقولون بإمامة محمد بن إسماعيل وهذا مذهب الإسماعيلية من الباطنية. (التبصير في الدين وتمييز الفرقة الناجية عن الفرق الهالكين - طاهر بن محمد الأسفرايني، أبو المظفر (م: ۴۷۱ھ): ۱/ ۳۸، الإسماعيلية، ت: كمال يوسف الحوت، ط: عالم الكتب - لبنان، الطبعة الأولى: ۱۴۰۳ھ - ۱۹۸۳م)
ان جعفرا نصب ابنه إسماعيل للإمامة بعده. . . وإلى هذا القول مالت الاسماعيلية من الباطنية. (الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية: عبد القاهر بن طاهر بن محمد بن عبد الله البغدادي التميمي، ص: ۴۶، ط: دار الآفاق الجديدة - بيروت)
(۳) اعلموا - أسعدكم الله -! ضرر الباطنية على فرق المسلمين أعظم من ضرر اليهود والنصارى والمجوس عليهم؛ بل أعظم من مضرة الدهرية وسائر أصناف الكفرة عليهم؛ بل أعظم من ضرر الدجال. (الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية: ص ۲۶۵، الفصل السابع عشر)

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کرنا سنت ہے۔[1] البتہ ایک ہی آدمی گھڑا دو گھڑا پانی ڈال دے، اس سے نیک فالی لی جاسکتی ہے کہ پانی اللہ رب العزت کی رحمت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ اس میت پر اپنی رحمت نازل کرے گا۔

نیز پانی ڈال دینے سے مٹی بھی سخت ہو جائے گی، جس کی وجہ سے کوئی جانور بھی قبر کو کھود نہیں سکے گا، ہر شخص کا پانی ڈالنا معروف اسلامی طریقے کے خلاف ہے، اللہ رب العزت سب کو ایمان کے ساتھ، دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور سب کا ایمان مضبوط بنائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۸/۱۱/۱۹۷۹

[۵] غیر مقلدین کے بعض اعتراضات اور ان کے جوابات

۱۳۷-سوال: حضرت مفتی صاحب! اس وقت میں آپ کی خدمت میں ''مجموعہ فتاویٰ'' کے بعض مسائل اس مقصد سے بھیج رہا ہوں کہ آپ ان پر فرصت کے اوقات میں نظر فرمالیں۔

'مجموعہ فتاویٰ' کے صفحہ نمبر چھ اور صفحہ نمبر چھتیس کے مسائل کے نیچے لکیر کھینچ دی گئی ہے، تاکہ ملاحظہ کرنے میں سہولت ہو، ان مقامات کے علاوہ پوری کتاب میں مذہب احناف پر اعتراضات بھی ہیں، قراءت

---

(۱) عن جعفر بن محمد، عن أبيه: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - رش على قبر ابنه إبراهيم ووضع عليه حصباء. [الرش: تفريق الماء، والحصباء: الحصى، ومعلوم أن إبراهيم مات طفلا، لا وزر عليه، وإنما يفعل ذلك الرسول تعليما لنا] (مسند الإمام الشافعي - رتبه على الأبواب الفقهية: محمد عابد السندي: ۱/۲۱۵، رقم: ۵۹۹، الباب الثالث والعشرون في صلاة الجنائز وأحكامها، ط: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان، عام النشر: ۱۳۷۰هـ-۱۹۵۱ء)

عن عامر بن ربيعة رضي الله عنه أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قام على قبر عثمان بن مظعون بعدما دفنه وأمر برش الماء. (مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار - أبو بكر أحمد بن عمرو العتكي المعروف بـ البزار (م: ۲۹۲هـ): ۹/۲۷۳، ما أسند عامر بن ربيعة عن النبي صلى الله عليه وسلم، ط: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة☆ كشف الأستار عن زوائد البزار - نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي: رقم الحديث: ۳۲۲۹، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، كتاب الجنائز، باب رش الماء على القبر، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت☆ السنن الكبرى - البيهقي: ۳/۵۷۶، رقم الحديث: ۶۷۳۹، باب رش الماء على القبر ووضع الحصباء عليه، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(ولا بأس برش الماء عليه) حفظا لترابه عن الاندراس. قال الشامي: بل ينبغي أن يندب. (رد المحتار: ۲/۲۳۷، كتاب الجنائز، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر - بيروت)

فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں بھی ہمارے اکابر؛ مثلاً: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ [۱] اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ [۲] وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ "باپ کے مقابلہ میں بیٹا پہلے"؛ یعنی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی بات مقلدین حضرات زیادہ مانتے ہیں اور اکثر مسئلوں میں صحیح حدیث کو چھوڑ کر ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی بے بنیاد باتیں کہتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ——————— سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے دیوبندی علمائے کرام ان کے جواب دینے پر قادر نہیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ میں مذکور تمام اعتراضات کے جوابات مختلف انداز سے دیے گئے ہیں۔ [۳] اس لیے اب اس کی ضرورت نہیں ہے، کہ ان کے اعتراضات کے جوابات دیے جائیں۔ چوں کہ غیر مقلدین حضرات رات دن ان ہی بے جا کاموں میں لگے رہتے ہیں؛ اس لیے آئے دن وہ اس طرح کی بات کرتے رہتے ہیں، ان کے اعمال ان کے ساتھ رہیں گے، آپ ان باتوں کے پیچھے نہ پڑیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ)
۱۹۷۶/۱۱/۲۶ء

---

(۱) مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی طرف سے اس بات کی نسبت غلط ہے؛ کیوں کہ حضرت کے فتاویٰ میں ہے: مذہب قوی حنفیہ کا یہ ہے کہ مقتدی کو فاتحہ پڑھنا جہریہ سکتات میں اور سریہ میں مطلقاً مکروہ ہے اور بندہ کے نزدیک بہ حسب دلیل یہی مذہب قوی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۳۰۹، نماز کی کیفیت کا بیان، مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا، ط: مکتبہ تھانوی دیوبند)

(۲) قال الشيخ ولي الله الدهلوي: وإن كان مأموما وجب عليه الإنصات والاستماع، فإن جهر الإمام لم يقرأ إلا عند الإسكاتة، وإن خافت فله الخيرة، فإن قرأ فليقرأ الفاتحة قراءة لا يشوش على الإمام، وهذا أولى الأقوال عندي. (حجة الله البالغة: ۲/ ۳۳، من أبواب الصلاة، باب: أذكار الصلاة... الخ، مقدار القراءة وسره، ت: المفتي سعيد أحمد البالن بوري، ط: مكتبة حجاز ديوبند)

(۳) ان جوابات کے لیے ملاحظہ فرمائیں "ارمغان حق": ۱/ ۱۱، مکتبہ اشرفیہ، قاسمی منزل، سیدواڑہ، غازی پور، یوپی، انڈیا ☆ مطالعہ غیر مقلدیت: ۲/ ۳۹- ۱۱۳، از: مولانا محمد صفدر صاحبؒ ط: مکتبۃ الحق، ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ☆ تجلیات صفدر: ۱/ ۱۰۷- ۱۶۹، ط: مکتبہ مدنیہ دیوبند۔

[۶] محرم کے تعزیوں کے جواز کی ایک دلیل کا جائزہ

۱۳۸-سوال: یہ بات تو ہم بھی مانتے ہیں کہ محرم کی رسمیں قابل ترک ہیں، ان پر عمل کرنا جائز نہیں؛ البتہ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ محرم کے دس دنوں میں جو لوگ تعزیہ بناتے ہیں اور کچھ کھیل کھیلتے ہیں مثلاً: ایک آدمی دوسرے کو تلوار سے وار کرتا ہے، اس کا وار خالی بھی نہیں جاتا؛ لیکن سامنے والے کو کچھ نہیں ہوتا ہے؛ بل کہ بعض جگہ تو ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ تعزیہ منانے والے لوگ آگ کے اندر چلتے ہیں اور جسم سے گردن کو بھی الگ کردیتے ہیں، اس کے باوجود ان کو کچھ نہیں ہوتا۔ اس طرح کی کیفیت صرف محرم کے مہینے میں ہوتی ہے، دیگر مہینوں میں بالکل نہیں ہوتی؛ بل کہ حال یہ ہوتا ہے کہ اگر ان مہینوں میں ذرا بھی خراش آجائے، تو جان نکل جاتی ہے۔ ان ساری تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محرم منانا اور تعزیہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الجواب حامداومصليا:

کسی کام کے جائز وناجائز ہونے کے لیے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے، دلیل یا تو کتاب اللہ سے ہو، یا سنت رسول (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) سے یا اجماع امت یا قیاس سے۔[۱]

ادلۂ اربعہ میں سے کسی سے تعزیہ بنانے اور محرم منانے کا جواز ثابت نہیں ہوتا ہے۔[۲] تعزیہ بنانے

---

(۱) اعلم أن أصول الشرع ثلثة: الكتاب، والسنة، وإجماع الامة، والأصل الرابع القياس. (المنار مع نور الأنوار، ص: ۷، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۲) بل کہ قرآن پاک میں اس کے خلاف دلیل موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ. (۲۰-الصافات: ۹۵) ترجمہ: کیا تم لوگ ان چیزوں کی پوجا (اور بندگی) کرتے ہو، جن کو تم خود (اپنے ہاتھوں سے تراش) تراش کر بناتے ہو؟

ظاہر ہے کہ آدمی تعزیہ اپنے ہاتھ سے بانس کو تراش کر بناتا ہے، پھر اس سے منت مانگی جاتی ہے، اس سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، اس کے سامنے اولاد کی صحت کی دعائیں کی جاتی ہیں، سجدہ کیا جاتا ہے اور اس کی زیارت کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت تصور کیا جاتا ہے۔ یقیناً یہ سب اسلامی تعلیمات کے خلاف اور کفر وشرک والے اعمال ہیں۔

تعزیہ داری در عشرۂ محرم یا غیر آں، وساختن ضرائح وصورت قبور، وعلم تیار کردن وغیرہ ذٰلک: ایں ہمہ امور بدعت است، نہ در قرن اول بود، نہ در قرن ثانی، نہ در قرن ثالث۔ (مجموعۃ الفتاوىٰ مع خلاصۃ الفتاوىٰ: ۴/ ۳۴۴، كتاب الكراهية، باب ما يستحل استعماله وما لا يحل، ط: امجد اکیڈمی، لاہور)

تعزیہ داری کی رسم سرتاسر ناجائز ہے، اس میں بعض چیزیں حرام اور بعض افعال شرک اور بعض بدعت محدثہ ہیں، یہ رسم واجب الترک ہے۔ (کفایت المفتی: ۱/ ۲۴۰، کتاب العقائد، نواں باب، بدعات اور اقسام شرک، تعزیہ داری کی رسم ناجائز ہے، جواب نمبر: ۲۴۳، ط: دار الاشاعت، کراچی)

اور محرم منانے والے کی تلوار، چھری، برچھی اور بھالوں کے لگنے سے اثر کا نہ ہونا ان کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے، احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے، دجال قیامت کے قریب نکلے گا، اس کے پاس روٹیوں کے پہاڑ ہوں گے۔ [۳] جنت اور جہنم دکھائے گا۔ [۴] مردوں کو زندہ کرنے کا دعوی کرے گا اور شیاطین مردوں کی شکل میں زندہ ہو کر آئیں گے۔ [۵] تو کیا ان تمام باتوں سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ دجال حق پر ہے؟

اسی طرح ہاتھ کی چالاکی کرنے والے اپنے ہاتھوں پر شکرین (ایک قسم کی میٹھی چیز ہے) لگا کر

---

(۳) عن المغيرة بن شعبة، قال: ما سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد عن الدجال أكثر مما سألته عنه، فقال لي: «أي بني وما ينصبك منه؟ إنه لن يضرك» قال قلت: إنهم يزعمون أن معه أنهار الماء وجبال الخبز، قال: «هو أهون على الله من ذلك». (صحيح مسلم: ۲/ ۲۱۰، رقم الحديث: ۳۲-(۲۱۵۲)، كتاب الآداب، باب جواز قوله لغير ابنه: يا بني واستحبابه للملاطفة، ط: مكتبة البدر - ديوبند☆مسند الإمام أحمد: ۳۰/ ۱۰۴، رقم الحديث: ۱۸۱۶۷، حديث المغيرة بن شعبة☆صحيح ابن حبان: ۱۵/ ۲۱۱، رقم الحديث: ۶۸۰۰، ذكر خبر قد يوهم غير المتبحر في صناعة العلم أنه مضاد، الخ)

(۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «الدجال أعور العين اليسرى، جفال الشعر، معه جنة ونار، فناره جنة وجنته نار». (صحيح مسلم: ۲/ ۴۰۰، رقم الحديث: ۱۰۴، ۱۰۵-(۲۹۳۴-۲۹۳۵)، عن حذيفة رضي الله تعالى عنه، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال وصفته وما معه، ط: البدر، ديوبند)

(۵) في حديث طويل: أنه يأتي الأعرابي فيقول: أرأيت إن أحييت لك إبلك، ألست تعلم أني ربك فيقول: بلى، فيتمثل له الشيطان نحو إبله كأحسن ما كانت ضروعا وأعظمها أسنمة، ويأتي الرجل قد مات أخوه ومات أبوه، فيقول: أرأيت إن أحييت لك أباك وأحييت لك أخاك ألست تعلم أني ربك؟ فيقول له: بلى، فيتمثل له الشيطان نحو أبيه ونحو أخيه. (المعجم الكبير - الطبراني: ۲۴/ ۱۵۸، رقم الحديث: ۴۰۴-۴۰۶، مسند النساء، باب الالف☆مسند الإمام أحمد: ۴۵/ ۵۶۰، رقم الحديث: ۲۷۵۷۹، من حديث أسماء بنت يزيد، ط: مؤسسة الرسالة☆شرح السنة - البغوي (م: ۵۱۶ھ) ۱۵/ ۶۰، رقم: ۴۲۶۳، كتاب الفتن باب الدجال لعنه الله، ت: شعيب الأرنؤوط - محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

قال الملا علي القاري: قد تبين لنا بإخبار الصادق المصدوق - صلوات الله تعالى وسلامه عليه - أن الدجال يبعث معه من المشبهات، ويفيض على يديه من التمويهات ما يسلب عن ذوي العقول عقولهم، ويخطف من ذوي الأبصار أبصارهم، فمن ذلك تسخير الشياطين له، ومجيئه بجنة ونار، وإحياء الميت على حسب ما يدعيه، وتقويته على من يريد إضلاله، تارة بالمطر والعشب، وتارة بالأزمة والجدب، ثم لا خفاء بأنه أسحر الناس. (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۳۴۵۹، رقم الحديث: ۵۴۷۴، باب علامات بين يدي الساعة وذكر الدجال، ط: دار الفكر - بيروت)

شربت بنانے کا دعوی کرتے ہیں۔اسی طرح ہاتھ پاؤں پر ایک مخصوص قسم کا مسالہ لگا کر آگ میں چلنے کا بھی بعض لوگ دعوی کرتے ہیں، تو کیا یہ سب لوگ سچے ہیں؟ کیا آپ ان کو سچا سمجھیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

اسی طرح محرم الحرام کے موقع سے کیا جانے والا سارا کھیل' جادو، نظر بندی، ہاتھ کی چالاکی اور شیطانی دھوکہ ہوتا ہے، جن سے کسی بھی طرح ان کے برحق ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔آج بھی اولیاء اللہ کے مزارات (جو شراب نوشی ،ناچ، گانے، زنا کاری اور گانوں باجوں کے اڈے بن چکے ہیں) پر جوڈھونگ ہوتے ہیں، کیا وہ ان (صاحب قبر/اولیاء اللہ) کی کرامات ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں ؛یہ سب شیطانی دھوکے ہیں، انسانوں نے جن غلط عقائد کو اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے، شیطان یہ چاہتا ہے کہ انسان ان میں برابر پھنسا رہے، اس کے لیے وہ (شیطان) ہمیشہ کوشش کرتا رہتا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ غیروں کے یہاں کسی کے انتقال کے بعد ان کے غلط عقائد کی بنیاد پر رسم ورواج ہوتے ہیں، جو درحقیقت شیطانی پھندے ہیں، کچھ اسی طرح کے پھندوں میں شیطان مسلمانوں کو پھنساتا ہے۔

ان ہی امور میں (جن میں شیطانی رہنمائی اور اس کی پوری محنت وکوشش ہوتی ہے) اولیاء اللہ کے مزارات پر ہونے والے عرس ہیں۔تعزیہ بنانے والے اور ان کی تعظیم کرنے والے بھی انہی لوگوں میں سے ہیں، جن کو شیطان نے گمراہ کرنے کے لیے اپنا جال بچھا رکھا ہے، جس کو وہ اپنے غلط عقائد کی بنیاد پر صحیح سمجھتے ہیں؛ اس لیے تعزیہ بنانے اور محرم منانے سے اپنے آپ کو بچانا بہت ہی ضروری ہے، شیطانی کرتب کرنے والے کو نقصان نہ پہنچنے کی وجہ سے اس کو جائز سمجھنا صحیح نہیں ہے، حرام ہے اور تعزیوں کے متعلق بعض عقائد سے ایمان سے بھی نکل جاتا ہے۔[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۹۷۶/۱۲/۱۹

[۷] محرم میں کھیلے جانے والے تلواری کرتب کی حقیقت = ایضاً

۱۳۹-سوال: دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے اس سلسلہ میں متعدد علمائے کرام سے پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ اس طرح کا کام نظر بندی سے کرتے ہیں؛ لیکن اس جواب سے دل

(۶) مثلاً تعزیہ سے منتیں ماننا، تعزیہ گاہ میں کلام پاک کی تلاوت کرنا، جس سے قرآن کی اہانت ہوتی ہو، تعزیہ کے آگے سجدہ کرنا۔

کو اطمینان اور تسلی نہیں ہوئی؛ کیوں کہ اگر یہ نظر بندی اور جادو کا اثر ہوتا، تو اس کام کو سب لوگ انجام نہ دے پاتے؛ بل کہ کچھ لوگ ہی کے بس میں ہوتا، اس لیے کہ جادو اور نظر بندی ہر ایک نہیں جانتا، جب کہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے؛ بڑے تو کیا، چھوٹے بچے بھی تلواروں سے کھیلتے ہیں، ایک دوسرے پر وار کرتے ہیں، مگر انہیں کچھ نہیں ہوتا۔

الجواب حامداو مصلیا:

آپ کا دعویٰ ہے کہ چھوٹے، بڑے تمام لوگ اس کام کو انجام دیتے ہیں، تو آپ بھی محرم کے دنوں میں شیطانی تدبیر اختیار کیے بغیر تعزیہ کی مجلس میں شرکت کیجیے اور اپنے ہاتھ پیر پر مسالہ اور اس سلسلے کی دوسری دوا استعمال کیے بغیر آگ میں چل کر اپنا تجربہ کر لیجیے اور پھر میرے نام خط لکھیے۔

آپ کا یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ اس طرح کا کام سب کے بس میں ہے اور سب لوگ اس کام کو کرتے ہیں۔ جب آپ خود اس کے متعلق معلومات حاصل کریں گے اور اس گہرائی میں اتریں گے، تو معلوم ہوگا کہ اس طرح کام کرنے والے محرم کا چاند نظر آتے ہی اپنے ناپاک علم کی بنیاد پر اپنا عمل شروع کر دیتے ہیں، شیاطین کو راضی کرنے کے لیے ان کے نام کے وظیفے پڑھتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، سرکش جن کو مالیدے کھلاتے ہیں، غرضیکہ ہر طرح سے تحفظ کا سامان مہیا کر کے اس میدان میں آتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہر چھوٹا بڑا تلواری کرتب دکھاتا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۹۷۹/۱۲/۱۶ء

[۸] ان دس دنوں کے ساتھ ہی ان کا عمل خاص کیوں ہے؟ أیضاً

• ۱۴۰-سوال: تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ لوگ نظر بندی اور جادو ہی سے اس طرح کے کام انجام دیتے ہوں، تو محرم کے دس دنوں ہی کے ساتھ اس کی تخصیص کیوں ہے؟ دوسرے دنوں میں بھی تو تلوار اور چھری وغیرہ سے کرتب دکھا سکتے ہیں؟ لیکن عام مشاہدہ ہے کہ دوسرے دنوں میں وہ کرتب نہیں دکھا پاتے، بل کہ اس طرح کھیلنے سے زخمی ہو جاتے ہیں، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تعزیہ بنانا اور محرم کے پہلے عشرہ میں ماتم کرنا جائز ہے، گناہ کا کام نہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدد نہیں ہوتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوازِ ماتم وتعزیہ پر آپ کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ لوگ اپنا یہ ناپاک علم صرف انہی دنوں کے لیے تازہ کرتے ہیں۔ احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی روشنی میں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بعض اوقات اور بعض دنوں میں شیطانی اثرات زوروں پر رہتے ہیں، شیطانؑ ان دنوں میں اپنے اثرات زیادہ دکھاتے ہیں، اسی وجہ سے سورج کے طلوع، غروب اور استواء کے وقت فرائض ونوافل کا پڑھنا مکروہ ہے۔[1] اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم لوگ استنجاء خانہ میں جاتے وقت دعاء پڑھ لیا کرو؛ کیوں کہ ان جگہوں پر شیاطین رہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمھیں نقصان پہنچائیں۔[2]

مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض دنوں میں اور بعض جگہوں پر شیاطین کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں؛ اور شیطانی علوم کے حاملین ان دنوں میں شیطانی اثرات کے ظاہر ہونے کی وجہ سے شیطانی کام انجام دیتے ہیں، دوسرے دنوں میں چوں کہ شیطانی اثرات ظاہر نہیں ہوتے؛ اس لیے ان دنوں میں اس

---

(۱) "ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب ". (سنن الترمذي: ۱/۲۰۰، رقم: ۱۰۳۰، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها، ط: البدر - ديوبند☆ مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار - أبو بكر أحمد بن عمرو العتكي المعروف بالبزار (م: ۲۹۲هـ): ۳/۸٦، رقم الحديث: ۸۵۸، ومما روى أبو إسحاق الهمداني، عن الحارث، عن علي، ت: محفوظ الرحمن زين الله، ط: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة ☆ مسند أبي يعلى الموصلي (م: ۳۰۷هـ): ۸/۳۹۰، رقم: ۴۹۷۷، ت: حسين سليم أسد، ط: دار المأمون للتراث - دمشق☆ شرح مشكل الآثار - أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (م: ۳۲۱هـ): ۱۰/۱۳۱، رقم: ۳۹۷۰، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - من نهيه عن الصلاة بعد طلوع الخ، ت: شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة)

(۲) عن زيد بن أرقم، عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: " إن هذه الحشوش محتضرة، فإذا أتى أحدكم الخلاء فليقل: أعوذ بالله من الخبث والخبائث ". (سنن أبي داؤد: ۱/۵، رقم الحديث: ٦، كتاب الطهارة، باب مايقول الرجل إذا دخل الخلاء، ط: المكتبه الأشرفية - ديوبند☆سنن ابن ماجة، ۲٦، رقم الحديث: ۲۹٦، كتاب الطهارة وسننها، باب ما يقول إذا دخل الخلاء، ط: فيصل ديوبند ☆ مسند ابن أبي شيبة - أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵هـ): ۱/۳۵۲، رقم: ۵۱۵، حديث زيد بن أرقم، عن النبي صلى الله عليه وسلم، ت: عادل بن يوسف العزازي و أحمد بن فريد المزيدي، ط: دار الوطن - الرياض، الطبعة الأولى: ۱۹۹۷م)

طرح کے کام انجام دینے کی ان کو قدرت نہیں ہوتی ہے۔ تاہم یہاں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ ان ہی ایام میں شیطانی اثرات ظاہر کیوں ہوتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطانی علوم کے سیکھنے والے اپنے شیطانی علوم کی مدد سے ان کے اثرات کے ظاہر ہونے کے لیے انہی ایام کی تحدید کر دیتے ہیں۔

الغرض تعزیہ کے جواز کی جتنی بھی عقلی دلیلیں آپ نے ذکر کی ہیں، ان میں سے کسی دلیل سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ تعزیہ بنانا اور محرم منانا جائز ہے؛ اس لیے تعزیہ بنانا، اس میں ساتھ دینا، اس کے لیے چندہ کرنا اور اس میں شرکت کرنا بالکل حرام ہے۔ (۳) نیز تعزیہ سازی کا دل سے عقیدہ رکھنے والا ایمان سے بھی نکل جاتا ہے۔ (۴) لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۹/۱۲/۱۹۷۶ء

[۹] اہل سنت والجماعت سے علاحدہ ہو کر شیعیت اختیار کرنے والے کا حکم

۱۴۱-سوال: ہمارے بڑے بھائی پہلے اہل سنت والجماعت یعنی دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے؛ لیکن فی الحال اُنہوں نے مجھے ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی ہے کہ اب اُنہوں نے شیعیت اختیار کر لی ہے، اور ایران میں آیت اللہ روح اللہ خمینی والے اثنا عشری جعفری فرقے میں شامل ہو گئے ہیں اور اُسی فرقے کے داعی بن چکے ہیں، اُن کی اِس حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مندرجۂ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) ایسے شخص کا معاشرتی بائیکاٹ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) اگر ایسا شخص بیمار ہو، تو عیادت کے لیے یا مر جائے تو غم خواری کے طور پر اُس کے گھر جا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) ایسے شخص کے ساتھ مکمل قطعِ تعلق ضروری ہے؟

(۴) ایسا شخص مر جائے اور اُس نے وصیت کی ہو کہ مجھے اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں دفنایا

---

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾. (۵-المائدۃ: ۲)

(۴) تعزیہ داری کی رسم سرتاسر ناجائز ہے، اس میں بعض چیزیں حرام اور بعض افعال شرک اور بعض بدعت محدثہ ہیں، یہ رسم واجب الترک ہے۔ (کفایت المفتی: ۱/ ۲۴۰، کتاب العقائد، نواں باب، بدعات اور اقسام شرک، ط: دار الاشاعت، کراچی)

جائے، تو کیا اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا؟ اگر اُس نے تدفین کے بارے میں کوئی وصیت نہ کی ہو، تو کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص اہلِ سنت والجماعت کا مذہب چھوڑ کر اثنا عشری بن چکا ہو، وہ سخت گنہ گار ہے، اور اُس کے کفر کا اندیشہ ہے، اگر یہ شخص صحابۂ کرامؓ کو برا بھلا کہتا ہو یا حضرت عائشہؓ کی شان میں گستاخی کرتا ہو، اُن کی عفت و پاک دامنی کا قائل نہ ہو، تو وہ خارج از اسلام ہے، ایسے شخص کے ساتھ قطعِ تعلق کرنا اور اُس کا معاشرتی بائیکاٹ کرنا جائز ہے۔ (شامی: ۳۴۸/۶) [۱]

(۲) اگر ایسا شخص بیمار ہو، تو اُس کی عیادت کے لیے جانا جائز ہے، اسلام عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، حسنِ اخلاق کی ترغیب دیتا ہے؛ لیکن کسی دینی مقتدیٰ کو اُس کی عیادت کے لیے نہیں جانا چاہیے، کہ اُس میں فاسق کی تعظیم ہے، اور اندیشہ ہے کہ عوام کا عقیدہ خراب نہ ہو جائے، وہ اس گمان میں رہیں گے کہ اُس آدمی کے عقائد درست ہیں، تب ہی تو اتنے بڑے عالم اُس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں؛ لہٰذا اس سے پرہیز اولیٰ ہے۔ (درمختار) [۲]

(۳) ایسے شخص کا مکمل معاشرتی بائیکاٹ جائز ہے۔

(۴) ایسے شخص نے اگر مرنے کے بعد شیعہ کے قبرستان میں دفن ہونے کی وصیت کی ہو، تو اُن ہی کے سپرد کر دیا جائے، اور اگر کوئی وصیت نہ کی ہو، تو پھر اُس کے احوال دیکھے جائیں کہ اگر اخیری دم تک وہ اپنے غالی تشیع پر قائم رہا تھا، اور توبہ نہیں کی تھی تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) إن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي، أو إن جبرئيل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة، فهو كافر؛ لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة. (ردالمحتار على الدر المختار: ۴۶/۳، كتاب النكاح، فروع طلق امرأته... الخ، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) وجاز عيادته (أي الذمي) بالإجماع، وفي عيادة المجوسي قولان، وجاز عيادة فاسق على الأصح؛ لأنه مسلم، والعيادة من حقوق المسلمين. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۸۸/۶، فصل في البيع، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) فتاویٰ رحیمیہ: ۴۷/۷، کتاب الجنائز، مسلمانوں کے قبرستان میں روافض کو دفن کرنا، ط: دارالاشاعت، کراچی۔

[۱۰] بوہروں کے ذبیحے اور ان کی دعوت کا حکم

۱۴۲-سوال: بوہرے لوگوں کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ انہوں نے "بسم اللہ، اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کیا ہے، ہم نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا تھا کہ تم کیا پڑھ کر ذبح کرتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم ذبح کے وقت "بسم اللہ، اللہ اکبر" پڑھتے ہیں۔ عقائد میں یہ لوگ شیعہ سے بھی زیادہ خراب اور گندے ہیں، نیز ان کی دعوت قبول کرنا اور انہیں سلام کرنے میں پہل کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر کسی شخص یا فرقے کے متعلق یہ یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ یہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے، تو وہ شخص فرقہ اسلام سے خارج شمار کیا جائے گا، اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا، جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چند ضروریات دین یہ ہیں: قرآن کریم کا مکمل صحیح سالم غیر محرف ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا، حضرت عائشہؓ کی عفت و پاک دامنی کا اعتقاد رکھنا، اس بات کا ماننا کہ کوئی انسان الوہیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا؛ اب اگر اس کے خلاف کوئی اعتقاد رکھے، تو اسے ضروریات دین کا منکر کہا جائے گا اور ایسا شخص ایمان سے نکل جائے گا، مثلاً: تحریف قرآن کا عقیدہ، حضرات شیخینؓ کی خلافت کا انکار، حضرت عائشہؓ پر (نعوذ باللہ) بدکاری کی تہمت، یا حضرت علیؓ کے متعلق الوہیت کا اعتقاد، یا یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی۔[۱]

شیعہ کے ۲۲/ بائیس فرقے ہیں (مظاہر حق: ۱/ ۸۷)۔[۲] ان میں سے ایک یا دو فقط مسلمان ہیں، بقیہ فرقے مذکورہ باتوں کی بنا پر ایمان سے خارج ہیں، ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا، جو مرتدین اور کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے، "عالم گیری" میں ہے "**وهؤلاء القوم خارجون عن الاسلام، وأحكامهم أحكام المرتدين**".[۳]

---

(۱) وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي، أو أن جبريل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة، بخلاف ما إذا كان يفضل عليا أو يسب الصحابة فإنه مبتدع لا كافر. (رد المحتار: ۳/ ۴۶، كتاب النكاح، فروع: طلّق امرأته تطليقتين ...الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) مظاہر حق جدید: ۱/ ۲۳۲، بہتر گمراہ فرقوں کا اجمالی تذکرہ، ط: ادارۂ اسلامیات، دیوبند۔

(۳) وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الإسلام وأحكامهم أحكام المرتدين. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۶۴، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب في موجبات الكفر، ط: دار الفكر - بيروت)

لہٰذا ان سے ملاقات کے وقت سلام میں پہل نہ کرنا چاہیے۔ (۴) اور جواب میں بھی قدر ضرورت پر اکتفا کرنا چاہیے۔ (۵) سلام کے علاوہ کوئی فعل تعظیم وہ خود کریں، تو اس کی مکافات بہ قدر مشروع کرنا چاہیے، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اگر چہ "بسم اللہ، اللہ اکبر" پڑھ کر ذبح کریں۔ (۶) نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (۷) اور نہ ان سے نکاح کیا جائے گا۔ (۸)

ایسے ہی عیادت، تعزیت، تہنیت ومبارک بادی اور دعوت قبول کرنے میں صرف اسی قدر مکافات اور برابری کا لحاظ رکھنا چاہیے، جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، یہی حکم دوسرے عام کافروں کے بارے میں ہے اور یہی حکم خوارج اور نواصب کے بارے میں بھی ہے۔ "شامی" میں ہے: "**لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة - رضي الله تعالى عنها - أو أنكر صحبة الصديق، أو اعتقد الألوهية في علي أو أن جبريل غلط في الوحي، أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن.**" (۹) نیز "عالم گیری" میں ہے: **الرافضي إذا كان يسب الشيخين ويلعنهما والعياذ بالله، فهو كافر، وإن كان يفضل عليا - كرم الله تعالى وجهه - على أبي بكر - رضي الله تعالى عنه - لا يكون كافرا إلا أنه مبتدع ... ولو قذف عائشة - رضي الله تعالى عنها - بالزنا كفر بالله ... من أنكر إمامة أبي بكر الصديق - رضي الله**

---

(۴) عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا تبدءوا اليهود، والنصارى بالسلام، وإذا لقيتم أحدهم في الطريق فاضطروهم إلى أضيقه. (سنن الترمذي: ۱/۲۸۹، رقم الحديث: ۱۶۰۲، أبواب السير، باب ما جاء في التسليم على أهل الكتاب، ط: البدر - ديوبند)

(۵) إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا سلم عليكم أهل الكتاب، فقولوا وعليكم". (صحيح المسلم: ۲/ ۲۱۴، رقم الحديث: ۶ - (۲۱۶۳)، كتاب الأدب، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام ... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۶) (لا) تحل (ذبيحة) غير كتابي من (وثني ومجوسي ومرتد). (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۲۹۸، كتاب الذبائح، ط: دار الفكر)

(۷) وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (۸۴) (التوبة: ۸۴)

(۸) وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ (البقرة: ۲۲۱)

(۹) رد المحتار: ۴/ ۲۳۷، كتاب الجهاد، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس، ط: دار الفكر - بيروت.

عنه -، فهو كافر، وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر والصحيح أنه كافر، وكذلك من أنكر خلافة عمر - رضي الله عنه - في أصح الأقوال.[۱۰] (اکثرھا نقلاعن جواھر الفقہ :۱/۶۰ ☆ فتاویٰ عزیزیہ، ص:۳۶۹)

[۱۱] رفاعی فرقہ کی حقیقت

۱۴۳-سوال: ہمارے یہاں "دنیادارفقیر" مسلم قوم کی ایک جماعت رہتی ہے، وہ اپنے آپ کورفاعی فرقہ میں شمار کرتے ہیں اور رفاعی فرقہ میں داخل ہونے والے کے لیے سر سے لے کر پاؤں تک بدن کے بال لینے ہوتے ہیں؛ حتی کہ ابرو کے بال بھی کھینچ لینے ہوتے ہیں؛ حالاں کہ ابرو کے بال کھینچنا شرعاً حرام ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب حامداومصليا:

حضرت شیخ رفاعیؒ اللہ کے ولی اور بزرگ ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے زمانہ میں گزرے ہیں عمر میں حضرت غوث اعظم سے بڑے تھے۔ حضرت غوث اعظم بھی ان کا لحاظ کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت شیخ رفاعیؒ نے مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس پر سلام پیش کر کے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ کی دست بوسی کی تمنا ہے، تو قبر اطہر سے ایک نورانی ہاتھ باہر نکلا اور حضرت شیخ نے اس کا بوسہ لیا، اس وقت موجود سب لوگوں نے یہ منظر دیکھا، غوث اعظم بھی موجود تھے، خود انہوں نے یہ قصہ بیان کیا ہے۔[۱]

جن لوگوں کا نسب نامہ ان بزرگ سے صحیح طور پر ثابت ہے، یا جو لوگ ان کے سلسلۂ بیعت میں شامل ہیں، ان کو رفاعی کہا جاتا ہے؛ لیکن آج ان کی اولاد اور سلسلہ والے راہ حق پر قائم نہیں رہے اور جیسا کہ قرآن کریم میں اگلے انبیاء اور اولیاء کی تعریف کرنے کے بعد اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: **فخلف من بعد**

---

(۱۰) الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۶۴، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع، منها: مايتعلق بالإيمان والإسلام، ط: دار الفكر.

(۱) وفي بعض المجاميع: حج سيدي أحمد الرفاعي فلما وقف تجاه الحجرة الشريفة أنشد: في حالة البعد روحي كنت أرسلها ... تقبل الأرض عني فهي نائبتي، وهذه نوبة الأشباح قد حضرت ... فامدد يمينك كي تحظى بها شفتي. فخرجت اليد الشريفة من القبر الشريف فقبلها. (الحاوي للفتاوي - عبد الرحمان بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱هـ): ۲/ ۳۱۴، تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك، ط: دار الفكر - بيروت)

هم خلف اضاعو الصلوٰة واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا. (سورمریم)[1]

(پھر ان انبیاء و اولیاء کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے، جنھوں نے نماز (عبادت) کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کی، ایسے لوگ عنقریب جہنم کے گڑھے میں گریں گے)

ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا؛ لہٰذا مذکورہ فرقہ جن کے مذکورہ عقائد ہیں، وہ حق پر قائم نہیں ہے، اور اس طرح بال منڈانے کا طریقہ رفاعی سلسلہ کا نہیں ہے اور اس طرح کرنا جائز بھی نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۱۲] شیعہ اور سنی کی وضاحت

۱۴۴- سوال: شیعہ اور سنی کی وضاحت فرما دیجیے؟

الجواب حامداومصليا:

سنی: وہ جماعت ہے، جو نبی کریم ﷺ کے طریقہ اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب کے طریقے پر چلے۔[۲]

شیعہ: وہ فرقہ ہے، جو صحابہ کو نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر نہیں مانتا، خصوصاً خلفائے راشدین، نبی کریم ﷺ کے خاص اصحاب اور جانشین چار صحابہؓ میں سے تین کو جانشین نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خلافت کا حق حضرت علیؓ سے چھین لیا، خلافت بلافصل کے اصل حق دار حضرت علیؓ تھے۔[۳] یہ بنیادی طور پر شیعہ مانتے ہیں، پھر ان کے بہت سے فرقے ہیں، ہر ایک کے عقائد جدا ہیں۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (۱۹-مریم:۵۹)

(۲) عن عبد الله بن عمرو، قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم: »ليأتين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة« ، قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: »ما أنا عليه وأصحابي. (سنن الترمذي: ۲/ ۹۲، رقم الحديث: ۲۶۴۱، أبواب الايمان، باب افتراق هذه الأمة، ط: البدر-ديوبند)

(۳) فإن أول أصولهم (الشيعة) أن عليا رضي الله عنه أفضل الكل يفرعون عليه أنه أشبه الصحابة بالنبي صلى الله عليه وسلم فهو الخليفة وان مذهبه هو الحق لا مذهب غيره وان الصحابة ظلموه حيث استخلفوا غيره مع أنه أفضل وأعلم وأشجع. (نبراس، شرح شرح العقائد-عبد العزيز الفرهاري، ص: ۳۰۲، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(۴) شیعہ کے بائیس فرقے ہیں۔ (مظاہر حق جدید، ص: ۲۳۲، بہتر فرقوں کا اجمالی تذکرہ، ط: ادارہ اسلامیات-دیوبند)

ولا يخرج العبد بالإيمان إلا بجحود ما أدخله فيه.

(عقیدۃ الطحاوی: ۶۱، بیروت)

باب الكفريات

(اعمال کفر و شرک)

۵

اعمال کفر و شرک

[۱] مسلمان کا راکھی بندھوانا اور ٹیکا لگوانا

۱۴۵-سوال: ہندوؤں کا ''رکشابندھن'' نامی ایک تہوار ہوتا ہے، جس میں بہن اپنے بھائی کے ہاتھ پر ''راکھی'' (ایک قسم کا دھاگہ) باندھتی ہے، اس تہوار میں اتفاق سے ایک مسلمان شخص اپنے ہندو دوست کے یہاں گیا، تو اس کی بیوی نے اس مسلمان کے ہاتھ پر راکھی باندھ دی اور ساتھ ہی اس کی پیشانی پر ہندوانہ رسم کے موافق سندور کا ایک ٹیکا بھی لگا دیا اور کہنے لگی کہ میرا بھائی بہت دور ہے؛ اس لیے میں تجھے اپنے بھائی کی حیثیت سے راکھی باندھتی ہوں۔ اس مسلمان نے ماتھے کے ٹیکے کو تو پندرہ منٹ میں مٹا دیا؛ لیکن ''راکھی'' سات آٹھ گھنٹے تک باندھے رکھی، پھر نکال دی؛ حالاں کہ اس مسلمان نے اس سے پہلے (جب یہ ہندو گھرانا اس کے محلہ میں رہتا تھا) کبھی بھی اس طرح کا کام نہیں کیا تھا، تو اب سوال یہ ہے کہ اس عمل سے کیا وہ شخص ایمان سے خارج ہو جائے گا؟ اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ دلائل کی روشنی میں تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی آدمی کے مسلمان ہونے کے لیے اصل چیز ہے: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا زبان سے اقرار اور دل سے یقین رکھنا۔[۱] پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو احکامات بتلائے ہیں، ان پر عمل کرے، حرام امور سے اجتناب کرے اور کفار، یہود اور نصاریٰ کے اعمال سے دور رہے، خصوصاً جو چیزیں ان کے مذہب کی پہچان ہیں، ان سے قطعی طور پر گریز کرے۔ اگر کوئی مسلمان ایسے امور کا ارتکاب کرے، مثلاً

---

(۱) الایمان هو الإقرار باللسان والاعتقاد بالجنان وذلك أن يقروا بوحدانية الله تعالى وصفاته الأزلية وبجميع ما جاء من عنده من كتب ويعتقد بقلبه ذلك. (البحر الرائق: ۸/ ۲۰۵، كتاب الكراهية، ط: دار المعرفة-بيروت)

ایسا لباس پہنے، جو غیر قوم کے لیے مخصوص ہے (یعنی ان کا مذہبی لباس ہے) اور وہ لباس ان کی پہچان ہے، تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا، جیسے مجوس کی ٹوپی، کافروں کا زنار، اسی طرح یہود و نصاریٰ کا کوئی مخصوص (مذہبی) لباس پہنے گا، تو ایمان سے نکل جائے گا۔ (۲)

شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ جس مسلمان نے مجوس کی ٹوپی پہنی، یا پیلا دھاگا باندھا اور یہ چیز ان لوگوں کی مذہبی پہچان ہے، تو اس سے وہ مشرک ہو جائے گا۔ (صفحہ:۲۲۷) اسی طرح یہود و نصاریٰ کی (مذہبی) شکل وصورت اختیار کرے؛ خواہ مزاحاً ہو (جیسا کہ ایکٹر کرتا ہے) تب بھی کافر ہو جائے گا، ہاں شرط یہ ہے کہ یہ کام اپنی رضا اور رغبت سے کیا ہو، اگر جبر و اکراہ سے اپنی جان بچانے کی خاطر بادل ناخواستہ کیا ہو تو کافر نہ ہوگا۔ (صفحہ ۲۲۸)

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر اس شخص نے اپنی رضامندی سے ماتھے پر ٹیکا لگوایا اور ہاتھ پر راکھی بندھوائی، تو چوں کہ یہ ہندوؤں کی مذہبی پہچان ہے؛ اس لیے وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ (۳)

صوبہ ایم، پی (راجپور) سے بھی اس طرح کا ایک سوال آیا ہے، جس میں لکھا ہے کہ ایک تھالی میں جلتا ہوا چراغ، ناریل، کنکوم (سرخ سفوف) اور راکھی لے کر ہندو عورت آتی ہے اور سب سے پہلے راکھی باندھتی ہے، پھر کنکوم سے ماتھے پر ٹیکا کرتی ہے، اس کے بعد ہاتھ میں ناریل پکڑاتی ہے، اس سے دونوں بھائی بہن بن جاتے ہیں، تو جاننا چاہیے کہ یہ سب کفریہ امور ہیں، اگر کوئی مسلمان بالاختیار کرے گا، جب کہ جان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ (۴) تو ایمان سے خارج ہو جائے گا اور مشرک بن جائے گا، اس کی بیوی نکاح

(۲-۳) من تقلنس بقلنسوة المجوس، أي لبسها، و تشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق أي و هو من شعارهم، أو شد في الوسط خيطا كفر، إذا كان متشابها بخيطهم أو ربطهم أو سماه زنارا . . . و لو شد الزنار على وسطه، أو وضع الغل على كتفه فقد كفر، أي إذا لم يكن مكرها في فعله. (شرح الفقه الأكبر، ص:۲۲۷-۲۲۸، فصل في الكفر صريحا و كناية، ط: ياسر نديم - ديوبند☆ الفتاوی الهندية: ۲/۲۷۶، كتاب السير، باب في أحكام المرتدين موجبات الكفر أنواع، و منها: ما يتعلق بتلقين الكفر و الأمر بالارتداد. الخ، ط: دار الفكر☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۵/۱۳۳، باب أحكام المرتدين، كتاب السير، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱/۶۹۸، ألفاظ الكفر أنواع، باب المرتد، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۴) اگر جان کا خطرہ ہو تو جائز ہے: وإن أكره على الكفر بالله تعالى أو سب النبي - صلى الله عليه وسلم - بقتل أو قطع رخص له إظهار كلمة الكفر والسب، فإن أظهر ذلك وقلبه مطمئن بالإيمان فلا يأثم، وإن صبر حتى قتل كان مثابا. (الفتاوى الهندية: ۵/۴۸، كتاب الإكراه، باب فيما يحل للمكره أن يفعل، ط: دار الكتب العلمية بيروت- لبنان، الطبعة الأولى: ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۰م)

سے نکل جائے گی۔ (۵) پھر سے کلمہ پڑھ کر توبہ کر کے نئے سرے سے اس عورت کو نکاح میں لائے گا، تب وہ اس مرد پر حلال ہوگی۔ (۶) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ہندو مسلم اتحاد کے لیے مسلمانوں کا راکھی بندھوانا اور ماتھے پر ٹیکا لگوانا

۱۳۶-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دینؒ مندرجہ ذیل صورت میں کہ ہندوستان میں ہندو قوم میں راکھی باندھنے کا تہوار منایا جاتا ہے، جس میں بعض ہندو عورتیں مسلمانوں کو بھی راکھی باندھتی ہیں اور بھائی بناتی ہیں، راکھی باندھنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تھالی ہوتی ہے، اس تھالی میں ایک ناریل، راکھی، جلتا ہوا چراغ اور ٹیکا لگانے کے لیے لال رنگ کا کنکو (کنکوم) ہوتا ہے، وہ عورت پہلے راکھی باندھتی ہے، پھر سر پر ٹیکا لگاتی ہے، پھر ناریل ہاتھ میں دیتی ہے، اس کے بعد مسلمان (راکھی بندھوانے والا) اس تھالی میں روپیہ ڈالتا ہے، اس طرح سے وہ ہندو عورت اور مسلمان جس کو راکھی باندھی گئی ہے، بھائی بہن بن جاتے ہیں۔ ہندو-مسلم اتفاق قائم رکھنے کے لیے ایسا کیا جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مومن کی شان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے۔ (۱) جان، مال، عزت وآبرو اور نفع ونقصان کا مالک اللہ کو جانے۔ (۲) اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ (۳) الغرض مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا چاہیے۔

مسلمانؒ کفر یا شعار کفر (شعار کفر کا معنی ہے: وہ چیز جس سے کافر کی پہچان ہو، جیسے زنار باندھنا، راکھی بندھوانا،

---

(۵) ومنها: ردة أحد الزوجين؛ لأن الردة بمنزلة الموت... لأنها سبب مفض إليه والميت لايكون محلا للنكاح، ولأنه لاعصمة مع الردة وملك النكاح لايبقي مع زوال العصمة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۳۳۷، كتاب النكاح، فصل بيان مايرفع حكم النكاح، ط: دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان، الطبعة الثانية: ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء)

(۶) وتوبته أن يأتي بالشهادتين، ويبرأ عن الدين الذي انتقل إليه. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۷/ ۱۳۵، كتاب السير، فصل بيان أحكام المرتدين، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) قال الله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ. (۸-الأنفال: ۲۰)

(۲) قال الله تعالى: وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (۳-آل عمران: ۲۶)

(۳) قال الله تعالى: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ. (۶-الأنعام: ۵۹)

پیشانی یا سر پر ٹیکا لگانا اور سر پر چوٹی رکھنا وغیرہ) کا ارتکاب بہ خوشی کرے، تو ایمان سے خارج ہوجائے گا۔ شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ مجوس کی ٹوپی یا زنار (جو مذہبی پہچان ہے) پہنے گا، تو ایمان سے خارج ہوجائے گا، ہاں اگر مجبوری ہو یا جان کا خوف ہو، پھر ان امور کا ارتکاب کرلے، تو ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ (شرح فقہ اکبر ص: ۲۲۷)[۴]

لہٰذا جن مسلمانوں نے یہ کام کیا ہے، ایمان سے نکل جائیں گے، ان کے لیے لازم ہے کہ ایمان کی تجدید کر کے نکاح کی تجدید کریں؛ کیوں کہ ایمان سے نکل جانے کی وجہ سے ''نکاح'' ٹوٹ گیا۔[۵] لہٰذا تجدید نکاح ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] مصلحت کی بناء پر کسی غیر مسلم کی ''آخری رسم'' میں شرکت موجب کفر ہے؟

۱۴۷-سوال: ہمارا ملک ساؤتھ افریقہ فی الوقت سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے نہایت سنگین حالات سے گذر رہا ہے، ملک کی اکثریت سیاہ فاموں (کالوں) کی ہے، جو تقریباً ۹۳ فی صد ہیں؛ تقریباً چار سو سال تک سفید فاموں (گوروں) نے حکومت کی اور کالوں پر ظلم واستبداد کی انتہاء کردی، گوروں نے ایک قانون بنایا تھا، جس کے تحت ملک پر گورے ہی حکومت کرسکتے تھے، کالوں سے حق رائے دہی بھی سلب کرلیا گیا تھا، اسکولوں اور کالجوں میں بھی کالوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا، ملک کے بڑے بڑے اور زرق برق شہر صرف گوروں کے لیے خاص تھے، بے چارے کالوں کو وہاں گھر بسانا تو دور، سر شام ٹھہرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

بہر کیف اس وقت ملک عبوری دور سے گذر رہا ہے، موجودہ حالات ایک نئے انقلاب کی پیشین گوئی کررہے ہیں اور امید ہے کہ قریبی مدت میں عام انتخاب عمل میں آئے، جس میں ملک کے ہر طبقے کو یکساں حقوق حاصل ہوں، عام انتخاب میں حصہ لینے والی پارٹیوں میں ایک پارٹی ای این سی (E.N.C) ہے، مستقبل کو دیکھتے ہوئے ملک کے بعض علماء اس پارٹی کی تائید کررہے ہیں، آزادی کی تحریک چلانے کے جرم میں گوروں نے اس پارٹی کے ایک اہم لیڈر کو قتل کردیا، جس کی وجہ سے پورے ملک میں ایک شور برپا ہوا، اس

(۴) تفصیل تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں: مسلمان کا راکھی بندھوانا اور ٹیکہ لگوانا، ص: ۲۶۵۔

(۵) ومنها ردة أحد الزوجين؛ لأن الردة بمنزلة الموت... والميت لايكون محلاً للنكاح، ولأنه لا عصمة مع الردة، وملك النكاح لايبقى مع زوال العصمة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۳۳۷، كتاب النكاح، فصل: بيان مايرفع حكم النكاح، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

کے ''آخری رسوم'' میں شرکت کے لیے بلاتفریق ہر طبقے کے لوگوں کو مدعو کیا گیا، مصلحتاً اس میں بعض علمائے کرام نے بھی شرکت کی؛ تاکہ آئندہ اگر اس کی حکومت بن گئی، جیسا کہ حالات سے کچھ ایسا ہی اندازہ ہو رہا ہے، تو مسلمانوں کو دشمن سمجھ کر انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچائیں، جب کہ ملک کے دوسرے علمائے کرام کافر کے اس ''آخری رسم'' میں علماء کی اس شرکت کو لے کر سخت موقف اختیار کیے ہوئے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ کافر کے جنازے میں شرکت حرام اور کفر ہے، جو لوگ جنازے میں شریک ہوئے، انہیں اپنے ایمان اور نکاح دونوں کی تجدید کرنا چاہیے، قرآن کریم کا صاف حکم ہے ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾[1] جہاں تک مسلمانوں کے تحفظ کی بات ہے، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت کے لیے کافی ہے۔

بہر حال اس مسئلے میں یہاں مسلمانوں میں شدید انتشار ہے کہ علماء کا کون سا گروہ حق پر ہے؟ کس جماعت کی بات تسلیم کی جائے؟ اطمینان بخش جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جواب کو سمجھنے کے لیے تمہیدی طور پر دو فقہی اصول کا سمجھنا ضروری ہے، وہ اصول یہ ہیں: [۱] ''اليقين لا يزول بالشك''[2] یعنی جس چیز کا ثبوت یقینی اور قطعی دلیل سے ہو، اسے محض شک کی بنیاد پر کالعدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ [۲] ''الإسلام يعلو ولا يعلى''[3] اسلام غالب ہی رہتا ہے، اس پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی۔

مذکورہ دونوں اصولوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ جن لوگوں نے غیر مسلم لیڈر کے جنازے میں

---

(۱) ۹-التوبة: ۱۱۳۔

(۲) الأشباه والنظائر على مذهب أبي حنيفة النعمان-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ)، ص: ۴۷، القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك، ط: دار الفكر بيروت-لبنان۔

(۳) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات، هل يصلى عليه؟ وهل يعرض على الصبي الإسلام، عن ابن عباس تعليقاً ☆ مسند الروياني-أبو بكر محمد بن هارون الرُّوياني (م: ۳۰۷ھ)، ۲/۳۷، رقم: ۷۸۳، عن عائذ بن عمرو، ت: أيمن علي أبو يماني، ط: مؤسسة قرطبة - القاهرة ☆ سنن الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۴/۳۷۱، رقم: ۳۶۲۰، تحقيق وتعليق: شعيب الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي وغيرهما، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

شرکت کی ہے، ان کا اس میں شامل ہونا ملی مصلحت کے پیش نظر ہے، اگر بالفرض کوئی مصلحت ان کے پیش نظر نہ ہوتی، تو بھی ان کے اس طرز عمل کو مذکورہ اصول کی روشنی میں گناہ کا کام تو ضرور قرار دیا جائے گا؛ البتہ انہیں کافر نہیں قرار دیا جاسکتا؛ اس لیے کہ ان کا ایمان قطعیت کے ساتھ ثابت ہے اور کافر کے جنازے میں شریک ہونے میں بہت سے احتمالات ہیں۔ اور محض احتمال کی وجہ سے کوئی قطعی الثبوت شئے کالعدم قرار نہیں دی جاسکتی، "اليقين لايزول بالشك"۔ کیوں کہ کفر آخری درجے کا گناہ ہے اس کے بعد کوئی گناہ نہیں جیسا کہ اس کی سزا آخری درجے کی ہے اور آخری درجے کے گناہ کا تحقق محض شک کی وجہ سے نہیں ہوگا۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تکفیر کا معاملہ انتہائی نازک ہے، اگر کسی کے اندر ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال ایمان کا ہو، تو بھی اسے مومن ہی سمجھا جائے گا؛ اس لیے کہ "الإسلام يعلو و لا يعلى عليه" اسلام غالب ہی رہتا ہے، اس پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی۔

حالاں کہ ان علمائے کرام نے غیر مسلم لیڈر کی "آخری رسم" میں ملی مفاد کی خاطر شرکت کی ہے، جس کا مقصد بھی نیک ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کو عمومی ضرر سے محفوظ رکھا جائے، اور ان کے جان و مال کے تحفظ کا سامان فراہم کیا جائے۔ شریعت اسلامی میں اکراہ کے موقع پر کلمۂ کفر اور اعمال کفر کی بھی اجازت ہے۔[۳] بشرطیکہ دل ایمان سے مطمئن ہو؛ لہٰذا ان حضرات کے لیے کافر کے آخری رسوم میں شرکت کی گنجائش ہے، ممنوع نہیں ہے، ان کی شرکت کو موجب کفر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

---

(۳) مسئلۂ مذکورہ کی نظیر میں اکراہ کے مسئلے کو پیش کرنا قابل غور معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ کلمۂ کفر زبان پر لانے کی اجازت صرف اکراہ کامل کی صورت میں دی گئی ہے، فقہائے کرام نے اکراہ کامل کی جو تعریف لکھی ہے، وہ تعریف صورت مسئول میں مفقود ہے، اکراہ کامل کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب بدائع نے تحریر فرمایا ہے: "إنه نوعان، نوع يوجب الإلجاء و الاضطرار طبعا كالقتل و القطع و الضرب يخاف فيه تلف النفس أو العضو قل الضرب أو كثر" (بدائع الصنائع: ۷/۱۷۵، كتاب الإكراه، فصل في بيان أنواع الإكراه، ط: دار لكتب العلمية- بيروت) اکراہ اگر اس قسم کا ہو، تو زبان سے کلمۂ کفر کا تکلم کرنے کی اجازت ہے، جب کہ دل ایمان پر مطمئن ہو، صاحب بدائع علامہ کاسانیؒ مزید لکھتے ہیں: "أما النوع الذي هو مرخص: فهو إجراء كلمة الكفر على اللسان مع اطمئنان بالإيمان، إذا كان الإكراه تاما وهو محرم في نفسه مع ثبوت الرخصة. (المصدر السابق)
تاہم خیال ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے صرف اس مقصد سے یہ نظیر پیش کی ہے کہ "مخصوص حالات" احکام کی تبدیلی کا سبب ہوتے ہیں، جیسا کہ دونوں مسئلے کے حکم سے واضح ہے۔

اب زیادہ سے زیادہ حدیث پاک "**من کثر سواد قوم فهو منهم**"[۴] اور "**من تشبه بقوم فهو منهم**"[۵] سے اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ حدیث اول میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جوشخص کسی مجمع کی کثرت کا سبب بنے، وہ ان ہی میں سے ہے۔ دوسری حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جوشخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ ان ہی میں سے ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جوبھی کسی قوم کی کثرت کا سبب بنے یا ان کی مشابہت اختیار کرے، ان کا شمار ان ہی میں ہوگا۔ کافر کی آخری رسم میں شرکت ان کے مجمع میں کثرت کی موجب ہے اور ساتھ ساتھ ان کی مشابہت بھی اختیار کرنا ہے؛ لہٰذا ایسے لوگوں کو ان ہی میں شمار کیا جانا چاہیے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی ممنوعات ضرورت کے وقت اور کسی نیک مقصد کے تحت مباح ہوجاتی ہیں جیسا کہ فقہ کا ایک اصول ہے "**الضرورات تبيح المحظورات**"[۶] یعنی ضرورت کی وجہ سے بعض ممنوع چیزیں مباح ہوجاتی ہیں۔ ایک دوسرا اصول ہے "**الأمور بمقاصدها**"[۷] یعنی بعض کاموں کے جواز اور عدم جواز کا تعلق ان کے مقاصد سے ہے، اگر مقصد نیک ہے، تو وہ کام بھی جائز اور درست ہے، اور مقصد صحیح نہیں ہے تو وہ کام بھی ناجائز ہے۔

آیت پاک ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾[۸] میں جو ممانعت آئی ہے، وہ ممانعت دراصل کافر کے لیے دعاء واستغفار سے کی گئی ہے، یعنی ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ کافر کے لیے دعاء واستغفار کرے۔

جہاں تک کفار کے قبور پر جانے اور زیارت کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلے میں خود علماء کے درمیان اختلاف ہے، لہٰذا اس کا ارتکاب موجب کفر کیسے ہوسکتا ہے؟ صاحب روح المعانی علامہ آلوسی لکھتے

---

(۴) جامع الأحاديث-السيوطي (م:۹۱۱ھ): حرف الميم قسم الأقوال، رقم: ۲۳۶۹۹، طبع على نفقة: د حسن عباس زكي.

(۵) سنن أبي داؤد: ۲/۵۵۹، رقم الحديث: ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ط: مكتبة الاتحاد-ديوبند ☆ جامع الأحاديث، رقم: ۲۰۴۷۸، حرف الميم قسم الأقوال، عن ابن عمر و حذيفة رضي الله تعالى عنهما، ط: دار الفكر للنشر و الطباعة-بيروت.

(۶) الأشباه و النظائر-ابن نجيم، ص: ۷۳، تحت القاعدة الخامسة: الضرر يزال.

(۷) الأشباه و النظائر: ۲۳، القاعدة الثانية.

(۸) -۹ التوبة: ۱۱۳.

ہیں: ''احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ کافر کی قبر کی زیارت نہ کرے۔[۹]

خلاصہ یہ کہ جن علماء نے غیر مسلم سیاسی لیڈر کے آخری رسوم کی ادائیگی میں شرکت کی ہے، انہوں نے دینی اور ملی تقاضے کی بنیاد پر یہ کام کیا ہے، ان کی یہ شرکت شرعاً جائز ہے، بلا وجہ ان کی تکفیر اور تفسیق ناجائز ہے، اس سے قطعی احتراز کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] شعائر کفر کی تشہیر جائز نہیں

۱۴۸-سوال: میرے ایک دوست ہیں، جن کی دکان ہے، وہ ہر سال کیلنڈر چھپوا کر اپنے گاہکوں کو مفت میں تقسیم کرتے ہیں، گاہکوں میں مسلم اور ہندو؛ دونوں ہوتے ہیں، مسلمانوں کو اسلامی شعائر: کعبہ، مساجد وغیرہ کی تصویر والا کیلنڈر دیتے ہیں، جب کہ ہندوؤں کو ہندوانہ شعائر مثلاً: مندر، گن پتی، سائیں بابا اور دوسری مورتیوں کی تصویر والا کیلنڈر دیتے ہیں، تو ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے، کفر اور شعائر کفر کا اشتہار بھی حرام ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

(۹) والاحتياط عندي عدم زيارة قبور الكفار. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني - شهاب الدين محمود الآلوسي (م: ۱۲۷۰هـ): ۵/ ۳۴۳، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) وقال ابن تيمية (۶۶۱-۷۲۸هـ): وقال ابن تيمية: هذا الحديث (أي: من تشبه بقوم فهو منهم) أقل أحواله أن يقتضي تحريم التشبه بأهل الكتاب، وإن كان ظاهره يقتضي كفر المتشبه بهم، فكما في قوله تعالى {ومن يتولهم منكم فإنه منهم}، وهو نظير قول ابن عمرو من بنى بأرض المشركين، وصنع نيروزهم ومهرجانهم، وتشبه بهم؛ حتى يموت حشر يوم القيامة معهم، فقد حمل هذا على التشبه المطلق؛ فإنه يوجب الكفر ويقتضي تحريم أبعاض ذلك، وقد يحمل منهم في القدر المشترك الذي شابههم فيه، فإن كان كفرا أو معصية أو شعارا لها كان حكمه كذلك. (فيض القدير شرح الجامع الصغير - زين العابدين المناوي (م: ۱۰۳۱هـ): ۶/ ۱۰۴، رقم: ۸۵۹۳، ط: المكتبة التجارية الكبرى - مصر ☆ واقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم - ابن تيمية (م: ۷۲۸هـ): ۱/ ۲۷۱، باب التشبه مفهومه ومقتضاه، ط: دار عالم الكتب، بيروت)

[۵] گانے کی تعریف کرنا

۱۴۹-سوال: ریڈیو پر گانا آرہا تھا، ایک شخص نے کہا: ''واہ! کتنا بہترین گانا ہے، دل خوش ہوگیا''۔ اس طرح گانے کی تعریف کرنا یا کسی بھی گناہ کے کام کی تعریف کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اس سے ایمان میں کوئی خرابی تو نہیں آئے گی؟ تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

گناہ کے کاموں کی تعریف کرنا گناہ ہے، اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ آدمی گناہ کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں وہ شخص ایمان سے خارج نہ ہوگا۔ ایمان تو بہت ہی قوی شئے ہے، اگر کوئی شخص گناہِ صغیرہ (چھوٹے گناہ) کا ارتکاب کرلے یا گناہِ کبیرہ کا' گناہ اور حرام سمجھ کر مرتکب ہوجائے، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ [۱] البتہ گناہوں کا ارتکاب کرنا بہت ہی بری چیز ہے، اللہ کی ناراضگی کو دعوت دینے والی ہے، اس سے اجتناب حد درجہ ضروری ہے، اگر کبھی ارتکاب ہوجائے، تو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہیے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولا نكفر أحداً من أهل القبلة بذنب مالم يستحله. . . ولايخرج العبد من الإيمان إلا بجحود ما أدخله فيه. (العقيدة الطحاوية-أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الأزدي المصري المعروف بالطحاوي (م: ۳۲۱هـ)، ص: ۲۱ ط: دار ابن حزم، الطبعة الأولى: ۱۴۱۶هـ-۱۹۹۵ء)

روى الطحاوي عن أصحابنا: لا يخرج الرجل من الإيمان إلا بجحود ما أدخله فيه ثم ما تيقن أنه ردة يحكم بها وما يشك أنه ردة لا يحكم بها إذ الإسلام الثابت لا يزول بالشك مع أن الإسلام يعلو وينبغي للعالم إذا رفع إليه هذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام. . . وفي الفتاوى الصغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر اهـ وفي الخلاصة وغيرها: إذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم. زاد في البزازية إلا إذا صرح بإرادة موجب الكفر فلا ينفعه التأويل. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۲۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: بيروت ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: شرح عقائد، ص: ۱۲۶ ☆ شرح المقاصد في علم الكلام- التفتازاني (م: ۷۹۳هـ): ۲/ ۲۷۰، ط: دار المعارف النعمانية - باكستان ☆ البحر الرائق: ۵/ ۱۳۲، باب أحكام المرتدين، ط: دار المعرفة-بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۸۳، كتاب السير، الباب العاشر في البغاة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون. (سنن ابن ماجة، ص: ۳۱۳، رقم الحديث: ۴۲۵۱، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة ☆ مسند أبي يعلى -الموصلي (م: ۳۰۷هـ): =

[۲] فال نکالنا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا

۱۵۰-سوال: ایک گھر میں خوشی کا موقع تھا، رشتہ دار اور اڑوس پڑوس کے بہت سے لوگ جمع تھے، اس موقع پر گھر سے ایک سامان کی چوری ہوگئی، گھر والوں نے چور کا نام معلوم کرنے کے لیے فال نکلوایا، جس میں دو شخص کا نام آیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم نے چوری نہیں کی ہے۔ گھر والے کہنے لگے: ہم تمہیں درگاہ پر لے جا کر بیڑی پہنائیں گے، اگر تمہاری بات سچ اور صحیح ہوگی، تو بیڑی چھوٹ جائے گی، ورنہ یہ بیڑی تمہارے گوشت پوست میں پیوست ہوجائے گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کا عقیدہ رکھنا اور فال نکالنا اور اس کے موافق عمل کرنا شرعاً جائز ہے؟ یہ عقیدہ لوگوں میں گھر کر گیا ہے، کیا اس سے ایمان اور نکاح میں کوئی فرق آئے گا؟ تفصیل سے جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فال دیکھنا اور دکھانا حرام ہے اور فال کی بات کو سچ جاننا جائز نہیں، زمانہ جاہلیت میں ''کہانت، ''نجوم'' اور ''عرافہ'' کا علم جاری تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کے متعلق ہدایت دی کہ یہ لائق اعتبار نہیں اور ان چیزوں پر یقین کرنے والا محمد (ﷺ) کے لائے ہوئے دین کا (گویا) منکر ہے۔[1]

''کہانت'' کہتے ہیں: شیطان کی مدد سے مستقبل میں ہونے والی باتوں کو بتلانا۔ اور ''نجوم'' کہتے

=۳۰۱/۵، رقم: ۲۹۲۲، مسند أنس بن مالك، قتادة عن أنس، ت: حسين سليم أسد، ط: دار المأمون للتراث-دمشق ☆سنن الدارمي: ۱۷۹۳/۳، رقم الحديث: ۲۷۶۹، باب في التوبة، ط: دار المغني-السعودية)

(۱) عن عبد الله أنه قال: من أتى عرافا أو ساحرا أو كاهنا فسأله فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم. (مسند أبي يعلى الموصلي: ۲۸۰/۹، رقم الحديث: ۵۴۰۸، مسند عبد الله بن مسعود، ت: حسين سليم أسد، ط: دار المأمون للتراث، دمشق، طبع اول☆ مسند أحمد بن حنبل: ۳۳۱/۱۵، رقم الحديث: ۹۵۳۶، مسند أبي هريرة، ت: شعيب الأرنؤوط، عادل مرشد، ط: مؤسسة الرسالة☆سنن أبي داؤد: ۵۴۵/۲، رقم الحديث: ۳۹۰۵، كتاب الطب، باب النهي عن إتيان الكهان، ط: مكتبة الاتحاد، ديوبند☆سنن الترمذي: ۳۵/۱، رقم الحديث: ۱۳۵، باب ماجاء في كراهية إتيان الحائض، أبواب الطهارة، ط: ديوبند)

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم-: من اقتبس علما من النجوم، اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد. (سنن أبي داؤد: ۵۴۵/۲، رقم الحديث: ۳۹۰۵، كتاب الطب، باب في النجوم، ط: مكتبة الاتحاد- ديوبند☆ سنن ابن ماجة، ص: ۲۶۴، رقم الحديث: ۳۷۲۶، كتاب الأدب، باب تعلم النجوم، ط: مكتبة الاتحاد- ديوبند)

ہیں: ستاروں اور برجوں کی چال دیکھ کر مستقبل میں ہونے والی باتوں کو جاننا اور دوسروں کو بتلانا۔ عرافہ کہتے ہیں: زمانہ ماضی (گزشتہ زمانہ) میں ہونے والے واقعات اور امور کو جاننے کے لیے کوئی علم حاصل کرنا، کہ کس نے چوری کی تھی؟ فلاں چیز گم ہوگئی، وہ کس کے پاس ہے؟ بھاگا ہوا لڑکا کہاں ہے؟ وغیرہ، غرض اس طرح کی چیزوں کو جاننے کے لیے شیطانی علم سیکھنا۔ ان تینوں علوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز کہا ہے۔ [۲]

فال کا تعلق ''عرافہ'' سے ہے، فال نکالنے والا (عریف) ماضی میں ہونے والی کسی بھی

---

(۲) قال العلماء: إنما نهي عن إتيان الكهان؛ لأنهم يتكلمون في مغيبات قد يصادف بعضها الإصابة فيخاف الفتنة على الإنسان بسبب ذلك؛ لأنهم يلبسون على الناس كثيرا من أمر الشرائع وقد تظاهرت الأحاديث الصحيحة بالنهي عن إتيان الكهان وتصديقهم فيما يقولون . . . وهو حرام بإجماع المسلمين وقد نقل الإجماع في تحريمه جماعة . . . وقال الخطابي - رحمه الله تعالى -: كان في العرب كهنة يدعون أنهم يعرفون كثيرا من الأمور فمنهم من يزعم أن له رئيا من الجن يلقي إليه الأخبار ومنهم من يدعي استدراك ذلك بفهم أعطيه ومنهم من يسمى عرافا وهو الذي يزعم معرفة الأمور بمقدمات أسباب استدل بها كمعرفة من سرق الشيء الفلاني ومعرفة من يتهم به المرأة ونحو ذلك ومنهم من يسمي المنجم كاهنا قال والحديث يشتمل على النهي عن إتيان هؤلاء كلهم والرجوع إلى قولهم وتصديقهم فيما يدعونه هذا كلام الخطابي وهو نفيس. (شرح النووي على مسلم :۱/ ۲۰۳، كتاب الصلاة، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحته. مزید دیکھیے: كتاب البيوع، كتاب المساقاة و المزارعة، باب تحريم ثمن الكلب و حلوان الكاهن الخ :۲/ ۱۹، البدر، ديوبند☆لسان العرب - ابن منظور الأنصاري الرويفعي الإفريقي (م: ۷۱۱هـ): ۱۳/ ۳۶۳، مادہ: كهن، ط: دار صادر - بيروت)

قال الطيبي: الفرق بين الكاهن و العراف: أن الكاهن يتعاطى الأخبار عن الكوائن في المستقبل، والعراف يتعاطى معرفة الشيء المسروق ومكان الضالة ونحوهما، ومن الكهنة من زعم أن جنيا يلقي إليه الأخبار، ومنهم من يدعي إدراك الغيب بفهم أعطيه وأمارات يستدل بها عليه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲/ ۷۷۷، كتاب الصلاة، باب ما لا يجوز من العمل في الصلاة وما يباح منه، ط: دار الفكر - بيروت ☆ تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي - أبو العلاء محمد عبد الرحمن المباركفوري (م: ۱۳۵۳هـ): ۴/ ۴۱۳، أبواب البيوع، باب ما جاء في ثمن الكلب، في ذيل حديث: ۱۲۷۵، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال ابن عابدين: والحاصل أن الكاهن من يدعي معرفة الغيب بأسباب وهي مختلفة فلذا انقسم إلى أنواع متعددة كالعراف. والرمال والمنجم: وهو الذي يخبر عن المستقبل بطلوع النجم وغروبه، والذي يضرب بالحصى، والذي يدعي أن له صاحبا من الجن يخبره عما سيكون، والكل مذموم شرعا، محكوم عليهم وعلى مصدقهم بالكفر. وفي البزازية: يكفر بادعاء علم الغيب وبإتيان الكاهن وتصديقه. وفي التتارخانية: يكفر بقوله أنا أعلم المسروقات أو أنا أخبر عن إخبار الجن إياي اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۴۲، مطلب في الكاهن والعراف، كتاب الجهاد، ط: بيروت)

بات (مثلاً: چوری کرنے والا کون ہے؟ فلاں لڑکا کہاں بھاگ گیا؟ وغیرہ) کو شیطان کی مدد سے بتلاتا ہے، اور یہ حرام ہے؛ کیوں کہ شیطان غیب کی باتوں کو نہیں جانتا۔ [۳] شیطان کس طرح بتا سکتا ہے کہ چوری کرنے والا کون ہے؟ حضرت حفصہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ''عـــریـــف'' کے پاس جا کر کسی چیز کے جاننے کی کوشش کی (اس سے کسی چیز کے متعلق استفسار کیا) تو اس کی چالیس دنوں کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ (مسلم شریف: ۲/ ۲۹۳) [۴] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ جو شخص کاہن یا عریف کے پاس گیا اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کو سچ جانا، تو اس نے محمد ﷺ پر اتارے ہوئے احکامات کا انکار کیا۔ (مشکوٰۃ: ۱/ ۱۷۱) [۵]

پس مذکورہ احادیث کی بنا پر صورت مسئولہ میں فال نکالنے والے کے پاس جا کر اس کی کہی ہوئی باتوں کو سچ جاننا حرام ہوگا، اس کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرنے والے کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہوگی، اور جس کسی نے اس کے سچ ہونے کا یقین کیا، تو اس کے دائرۂ اسلام سے نکل جانے کا اندیشہ ہے۔

فال نکالنے والے کی بتائی ہوئی باتوں کو سچ جاننا اس لیے حرام ہے کہ کسی پر چوری کا جرم ثابت کرنے کے لیے مدعی کا دو گواہ پیش کرنا ضروری ہے، جب کوئی گواہ نہیں ہے، تو بغیر کسی دلیل شرعی کے کسی کو چور کہنا اور اس پر چوری کا الزام لگانا درحقیقت اس کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرنا ہے؛ جو حرام اور ناجائز ہے۔

نیز شیطان یا فال نکالنے والے کی بات کے سچ ہونے کا یقین کرنا تو اور ہی خطرناک بات ہے، اس سے ایمان سے نکل جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ [۶]

پھر اسی فال کی بناء پر مزید دوسرے گناہ کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے، اس طور پر کہ متعلقہ شخص کو درگاہ پر اس نیت سے لے جایا جاتا ہے کہ صاحب قبر اس کے چور ہونے کی اطلاع دیں گے؛ حالاں کہ اولیاء غیب

---

(۳) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ. (۲۷- النمل: ۶۵)

(۴) عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: من أتى عرافاً فسأله عن شيء لم تقبل له صلاة أربعين ليلة. (صحيح مسلم: ۲/ ۲۳۳، رقم الحديث: ۱۲۵-(۲۲۳۰)، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، ط: ديوبند ☆المعجم الكبير -الطبراني: ۲۳/ ۲۱۵، رقم الحديث: ۳۹۱، ط: مكتبة ابن تيمية، ت:: حمدى عبد المجيد السلفي)

[۵] دیکھیے اسی جواب کا حاشیہ نمبر: ۱۔

(۶) وتصديق الكاهن بما يخبره عن الغيب كفر. (شرح عقائد نسفی ص: ۱۷۰، ط: دیوبند)

کی باتوں کو نہیں جانتے ہیں۔ [۷] پس درگاہ پر اس نیت سے کسی کو لے جانا بھی حرام ہے، یہ کام شیطان کی طرف سے ہے، جو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، شیطان بہت سی بے بنیاد باتوں کو پھیلا کر لوگوں کے ایمان کو برباد کرتا ہے، لہٰذا بیڑی پہنا کر چوری کی حقیقت جاننا ہرگز جائز نہیں ہے۔

''بیڑی پہنا کر چور کو جاننے کا طریقہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا ہے، بل کہ یہ نبوی تعلیم کے خلاف ہے۔

چور کے معلوم کرنے کے مذکورہ بالا طریقے میں ولی کو عالم الغیب سمجھنا لازم آتا ہے اور کسی ولی کو عالم الغیب سمجھنا' ایمان سے نکل جانے کا سبب ہے، اور جب کوئی ایمان سے نکل جائے (مرتد ہوجائے) تو اس کی بیوی بھی نکاح سے نکل جائے گی اور دوبارہ ایمان لا کر تجدید نکاح ضروری ہوگا۔ [۸]

بہت سی قبروں پر جو خرافات اور کرشماتی کام ہوتے ہیں، وہ یا تو شیطانی کام ہوتے ہیں یا مجاورین کی ہاتھ صفائی ہوتی ہے، شیطان انسان کو گمراہ کرنے اور اس کے ایمان کو برباد کرنے کے لیے مختلف حربے اپناتا ہے، لہٰذا بیڑی پہنا کر چوری کی تفتیش کرنا حرام ہے۔

فی زمانہ قبروں پر جو شرکیہ وکفریہ خرافات ہوتے ہیں، ان کو دیکھ کر اس طرح کے کرشماتی چیزوں کو اولیاء کی کرامات کہنا بہت مشکل ہے، یہ تو شیطانی ہتھکنڈے ہیں، جن سے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے، لہٰذا ان چیزوں سے قطعاً دور رہنے کی ضرورت ہے، ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ: اس سلسلے کی مزید تفصیل کے لیے میری کتاب ''عقائد اسلام'' کا مطالعہ کریں۔ [۹]

---

(۷) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ. (۲۷- النمل: ۶۵)

(۸) وفي شرح الوهبانية للشرنبلالي: ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح وأولاده أولاد زنا، وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۴۶/۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۸۳، كتاب السير، الباب العاشر في البغاة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۵/ ۱۳۴، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۶۸۸، كتاب السير، باب المرتد، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۹) یہ کتاب گجراتی میں تھی، الحمد للہ صاحب زادۂ محترم حافظ امجد بیات صاحب کے زیر اہتمام اب اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے۔

[۷] فال معلوم کروانا جائز ہے یا نہیں؟

۱۵۱-سوال: اِس وقت جو لوگ فال کھولتے [۱] ہیں، خواہ مسلمان ہوں یا کفار، فال کھلوانا جائز ہے یا نہیں؟ جیسے غیر مسلم اناج کے دانے سے فال کھولتے ہیں، اسی طرح مسلمان بھی یہ عمل کرتے ہیں، اور بعض مسلمان چھوٹے بچے کو بٹھا کر ناخون میں دیکھتے ہیں، یا اس طرح کا شیشہ رکھتے ہیں، جس میں چوری کرنے والے یا بھاگنے والے کی تصویر دکھاتے ہیں، ان چیزوں کی کیا حقیقت ہے؟ شریعت میں ان چیزوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اور نہ ماننے میں کیا فوائد ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور فی السوال کاموں میں (درج ذیل) تین قسم کے لوگ مشغول ہیں، یہ سب کام حرام ہیں، اور بعض کام اُن میں وہ ہیں، جن کی وجہ سے آدمی خارج از اسلام ہو جاتا ہے، اس طرح کے لوگوں کی صحبت میں رہنے والے بہت سے بھولے بھالے مسلمان اپنے ایمان برباد کر لیتے ہیں۔

(۱) نجومی: چاند اور ستاروں کی گردش اور اُس کے برجوں سے مستقبل کی باتیں بتاتے ہیں، بارش کے لیے پیشین گوئی کرتے ہیں، غلہ واناج کے بھاؤ کی گرانی وارزانی کو بتاتے ہیں، اگر ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہو کہ یہ سب چاند اور ستارے ہی کے دنیا میں اثر انداز ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے تو اس طرح کا اعتقاد رکھنے والا مسلمان دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اُس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے چند درج کرتا ہوں:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان سے برکت (بارش) برساتے ہیں، تو کچھ لوگ کافر بن جاتے ہیں، جن لوگوں کا کہنا ہوتا ہے کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں تھا، اس لیے بارش ہوئی ہے۔ (مسلم شریف) [۲]

---

(۱) فال دیکھنا، فال کھولنا، فال لینا: (اردو-محاورہ) کسی کتاب یا پانسے وغیرہ کے ذریعے نیک اور بدشگون معلوم کرنا، غیب کی بات دریافت کرنا۔ (فیروز اللغات: ۹۲۳، ف-۱، ط: فیروز سنز پرائیوٹ لمٹیڈ، کراچی، پاکستان)

(۲) عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ما أنزل الله من السماء من بركة إلا أصبح فريق من الناس بها كافرين، ينزل الله الغيث فيقولون: الكوكب كذا وكذا. (صحيح مسلم: ۱/ ۵۹، رقم الحديث: ۷۲، كتاب الإيمان، باب بيان كفر من قال: مطرنا بالنوء، ط: البدر - ديوبند)

دوسری حدیث میں ہے کہ مقامِ حدیبیہ کے موقع پر فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ صحابۂ کرامؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بعض بندے مسلمان رہے، اور بعض کافر ہوئے، جن لوگوں نے کہا کہ اللہ کے حکم اور فضل ورحمت سے بارش ہوئی، تو وہ لوگ مجھ پر ایمان لائے، اور ستاروں کا انکار کیا، اور جن لوگوں نے کہا کہ ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی، تو وہ لوگ ستاروں پر ایمان لائے اور میرا انکار کیا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف)[۳]

اور ایک روایت میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پانچ سال تک بارش کو روکے رکھیں، پھر بارش ہو تو کچھ لوگ کافر ہو جائیں گے، کیوں کہ وہ یہ کہنے والے ہوتے ہیں کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ (نسائی شریف)[۴]

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کا انکار کر کے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ستاروں کی وجہ سے دنیا میں بارش ہوئی ہے، اسی طرح قحط سالی، سردی، گرمی، یا گرانی اور ارزانی میں ستاروں کو مؤثر مانتے ہیں، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتے ہیں اور اُس کی قدرت وطاقت میں دوسروں کو شریک گردانتے ہیں، اس سے اُن کا ایمان باقی نہیں رہتا اور ایمان سے خارج ہو جاتے ہیں۔

(۲) کاہن: یہ لوگ شیاطین وجنات سے تعلق رکھ کر اُن کی بتائی ہوئی باتیں لوگوں کو بتاتے ہیں، یہ

---

[۳] عن زيد بن خالد الجهني، قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الصبح بالحديبية في إثر السماء كانت من الليل، فلما انصرف أقبل على الناس فقال: هل تدرون ماذا قال ربكم؟ قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: "قال: أصبح من عبادي مؤمن بي وكافر، فأما من قال: مطرنا بفضل الله ورحمته، فذلك مؤمن بي كافر بالكوكب، وأما من قال: مطرنا بنوء كذا وكذا فذلك كافر بي مؤمن بالكوكب. (صحيح البخاري: ۱/۱۱۷، رقم الحديث: ۸۴۶، كتاب الإيمان، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم، ط: البدر - ديوبند)

(وكذا في صحيح مسلم: ۱/۵۹، رقم الحديث: ۷۱، كتاب الإيمان، باب بيان كفر من قال: مطرنا بالنوء، ط: البدر - ديوبند)

[۴] عن أبي سعيد الخدري، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو أمسك الله عز وجل المطر عن عباده خمس سنين ثم أرسله، لأصبحت طائفة من الناس كافرين يقولون: سقينا بنوء المجدح. (سنن النسائي: ۳/۱۶۵، رقم الحديث: ۱۵۲۶، كتاب الاستسقاء، كراهية الاستمطار بالكوكب، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب ☆ وراجع إلى النسخة الهندية: ۱/۱۷۴، ط: البدر - ديوبند)

بھی حرام ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو لوگ کاہنوں کے پاس جاکر اُن کی باتوں کو سنتے اور مانتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئے ہیں، اُن کا انکار کرنے والے ہیں۔ (احمد و ابوداؤد)[۵]

پس جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جناتوں نے اس طرح بتایا ہے، چناں چہ ایسا ہی ہوگا، تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انکار کی وجہ سے اسلام سے خارج ہوجائے گا۔

(۳) **عریف:** تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں، جو دانوں یا ناخون میں دیکھ کر چور کی نشان دہی کرتے ہیں یا بیماری کا علاج کرتے ہیں، نیز اس کے ذریعہ بھوت پریت وغیرہ دور کرتے ہیں، یہ سب چیزیں بھی حرام ہیں، اِن لوگوں کو ''عریف'' کہا جاتا ہے، شریعت میں کسی کو چور ثابت کرنے کے لیے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔[۶]

دانے دیکھ کر بتانے میں بہت سے اچھے لوگوں پر بھی شک ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں بدظنی، فتنہ، فساد اور دشمنی پیدا ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص عریف کے پاس گیا اور اُس سے کسی بارے میں سوال کیا، اُس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ (مسلم شریف)[۷]

---

(۵) عن أبي هريرة، والحسن، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أتى كاهنا، أو عرافا، فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل على محمد. (مسند أحمد: ۱۵/ ۳۳۱، رقم الحديث: ۹۵۳۶، مسند أبي هريرة رضي الله عنه، ط: مؤسسة الرسالة)
وفي سنن أبي داؤد: عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أتى كاهنا فصدقه بما يقول أو أتى امرأته في دبرها فقد برئ مما أنزل على محمد. (سنن أبي داؤد: ۲/ ۵۳۵، رقم الحديث: ۳۹۰۴، كتاب الطب، باب النهي عن إتيان الكاهن، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند)

(۶) والعراف: هو الذي يدعي معرفة الشيء المسروق، ومكان الضالة، ونحوهما من الأمور، هكذا ذكره الخطابي في معالم السنن. (شرح النووي على صحيح مسلم: ۱۰/ ۲۳۲، باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)
ومنهم من كان يزعم أنه يعرف الأمور بمقدمات أسباب يستدل بها على مواقعها من كلام من يسأله أو فعله أو حاله وهذا يخصونه باسم العراف كالذي يدعي معرفة الشيء المسروق ومكان الضالة ونحوهما. (عمدة القاري شرح البخاري: ۱۸/ ۲۰۷، باب ثمن الكلب، دار الكتاب، بيروت)

(۷) عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: من أتى عرافاً فسأله عن شيء، لم تقبل له صلاة أربعين ليلة. (صحيح مسلم: ۲/ ۲۳۳، رقم الحديث: ۱۲۵-(۲۲۳۰)، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، ط: ديوبند ☆ المعجم الكبير - الطبراني: ۲۳/ ۲۱۵، رقم الحديث: ۳۹۱، ط: مكتبة ابن تيمية، ت:: حمدى عبد المجيد السلفي)

الحاصل اس قسم کے افراد کے پاس جانا اور فال نکلوانا یا اپنی حاجات اُن سے حل کروانا جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] صوفی کی صوفیت پر مذاق اڑانا

۱۵۲-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید پابند صوم وصلاۃ ہے، عمامہ باندھتا ہے اور ہاتھ میں عصا بھی لیے رہتا ہے، خالد اس پر ہمیشہ ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ ’’ماشاء اللہ آپ تو صوفی صاحب ہیں، بڑے عابد وزاہد معلوم ہوتے ہیں، لگتا ہے آپ سفر معراج سے تشریف لائے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کے الفاظ کہنا جائز ہے یا ناجائز؟ ایسے الفاظ استعمال کرنے والے شخص کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں دیکھا جائے گا کہ ان الفاظ کے کہنے سے زید کا استہزاء مقصود ہے یا اس کی تعریف، عصا، عمامہ اور سنت ودین کے استخفاف کی نیت ہے یا کچھ اور؟ یعنی زید یہ الفاظ کیوں کہتا ہے؟ اگر نفس زید کا استہزاء مقصود ہے، تو یہ ناجائز ہے، قرآن کریم میں ہے کہ ’’ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے‘‘ ہوسکتا ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے، وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہو‘‘ (سورۂ حجرات)[۱] اس آیت کے تحت صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ’’جس کا تمسخر ہورہا ہے، اس کو تنقیص کی نگاہ سے دیکھنا بھی جائز نہیں‘‘۔ اور علامہ قرطبی کا قول نقل کیا ہے کہ تمسخر سے مراد استحقار اور توہین ہے، یعنی مسخور منہ (جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے) کی غلطی یا اس کی شکل وصورت پر ہنسنا یا قولاً، فعلاً، اشارۃً وایماءً اس کو تکلیف دینا ہے اور یہ سب ناجائز ہیں۔ (روح المعانی)[۲] اور احکام القرآن میں ہے کہ مسلمان کو اذیت دینا فسق ہے اور فسق ناجائز ہے، وأذية

---

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ. [۴۹-الحجرات: ۱۱]

(۲) وفي الزواجر: النظر إلي المسخور منه بعين النقص، وقال القرطبي: السخرية الاستحقار والاستهانة والتنبيه علي العيوب والنقائص بوجه يضحك منه، وقد تكون بالمحاكاة بالفعل والقول أو الإشارة أو الإيماء أو الضحك علي كلام المسخور منه إذا تخبط فيه أو غلط أو علي صنعته أو قبيح صورته. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني- شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۱۳/ ۳۰۳، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت، الطبعة الأولي: ۱۴۱۵ھ)

المسلم فسوق و ذلك لايجوز. (احکام القرآن)[۳] لہٰذا ایسا شخص فاسق وگنہگار ہوگا، اس کو اپنے اس فعل شنیع سے توبہ کرنا چاہیے اور اس سے باز آنا چاہیے۔

اور اگر قائل کا مذکورہ قول سے عصا، عمامہ اور سنت و دین کا استہزاء مقصود ہے، تو یہ کفر ہے، ملا علی قاریؒ نے ظہیریہ سے نقل فرمایا ہے: "من قال لفقيه أخذ شاربه ما أعجب قبحاً أو أشد قبحاً أخذ الشارب ولف طرف العمامة تحت الذقن يكفر يعني وهو مستلزم لاستخفاف الانبياء لأن العلماء ورثة الانبياء وقص الشارب من سنن الأنبياء فتقبيحه كفر بلا اختلاف بين العلماء". (شرح الفقه الأكبر - ملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۲۱۳، فصل في العلم و العلماء، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی سنتوں میں سے کسی بھی سنت کا استخفاف کفر ہے اور عصا، عمامہ وغیرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؛ لہٰذا ان کا استخفاف بھی کفر ہوگا، مسایرہ میں ہے: "ولاعتبار التعظيم المنافي للاستخفاف كفر الحنفية بألفاظ كثيرة وأفعال تصدر من المتهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمدا ؛بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافا بها، بسبب أنه إنما فعلها النبي - صلى الله عليه وسلم - زيادة أو استقباحها كمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه أو إحفاء شاربه اهـ. (البحر الرائق: ۱۱۹/۵، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ سنت کو برا سمجھنا کفر ہے، عمدۃ الفقہ میں ہے کہ: "ہمارے امام صاحب امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس (کفر و عدم کفر) کا ضابطہ یہ ہے کہ سنت، حدیث قولی وفعلی یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حال شریف کو کوئی شخص حقارت یا انکار کرے تو کافر ہو جاتا ہے" ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "کسی نبی کی اہانت مثلاً اس کی کسی بات پر عیب لگایا یا اس کے کسی فعل پر ہنسی کی ...... الی قولہ، ان سب صورتوں میں کافر ہو گیا۔ (عمدۃ الفقہ: ۵۹/۱)[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳) المسألة الثالثة قوله: {بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان} [الحجرات: ۱۱] يعني أنك إذا ذكرت صاحبك بما يكره فقد آذيته، وإذاية المسلم فسوق، وذلك لا يجوز. (أحكام القرآن - القاضي أبو بكر بن العربي المعافري الاشبيلي المالكي (م: ۵۴۳هـ): ۱۵۵/۴، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة الثالثة: ۱۴۲۴هـ - ۲۰۰۳م)

[۴] "عمدة الفقه: ۴۲/۱، کتاب الایمان بکلمات کفر اور اس کے موجبات، ط: مکتبہ تھانوی - دیوبند۔

[۹] بدعات پھیلانے والے اور اکابر دیوبند کو کافر کہنے والے امام کا حکم

۱۵۳-سوال: ہمارے یہاں بڑودہ کی جامع مسجد میں ایک عالم دین، جمعہ اور عیدین کے خطیب و امام ہیں، نیز وہ اپنے محلہ کی مسجد میں پنج وقتہ نماز کے امام بھی ہیں؛ لیکن ان کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد سے مختلف ہیں۔

۱۹۷۱ء میں بڑودہ میں جب پہلی مرتبہ جماعت اسلامی کا جلسہ ہوا، تو ان امام صاحب نے اس میں کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مدعوئین میں ان کا نام سرفہرست تھا اور وہ اس میں شریک بھی ہوئے۔ اور نومبر ۱۹۸۳ء میں جماعت اسلامی نے ایک کانفرنس کی تھی، اس میں بھی ان کو دعوت دی گئی، ان کے محلہ ہی میں جماعت اسلامی کا یہ پروگرام تھا، اس میں تقریر کرنے والوں کی فہرست میں ان کا نام تھا؛ لیکن کسی عذر کی وجہ سے وہ شریک نہیں ہوسکے اور اپنی جگہ اپنے ایک لڑکے کو بھیجا، چناں چہ ان کے لڑکے نے اپنے والد کے بدلہ میں تقریر کی۔

گجرات کے علماء نے جماعت اسلامی کے دینی انحراف اور اعتقادی کج روی کے بارے جو متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے، مذکورہ امام اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں، علاوہ ازیں جن چیزوں کو علمائے حق، دلائل کی روشنی میں بدعت کہتے ہیں، ان کو یہ شخص جائز سمجھتے ہیں اور اپنی تقریر میں بھی بہت سی بدعات کو بیان کرکے ان کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت تھانویؒ اور مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ وغیرہ بزرگان دین کو کھلے عام کافر کہتے ہیں اور ان کے کفر کے متعلق متعدد مرتبہ فتویٰ بھی دے چکے ہیں، جس پر ہمارے پاس گواہ بھی موجود ہیں، ان سب احوال کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوالات کا حل مطلوب ہے:

(۱) مذکورہ اوصاف کا حامل شخص پنج وقتہ نماز اور جمعہ وعیدین کی امامت کراتا ہو، تو اس کی امامت کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص ان سب حالات کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور دوسری مسجد میں کسی صحیح العقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھے، تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

(۳) مسئلہ جاننے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس کے پیچھے نماز پڑھے، تو گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اور اس کے لیے نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

(۴) مقامی علماء اور دین دار طبقہ شخص مذکور کی امامت سے خوش نہیں ہیں، ایسی صورت میں ان کا امام

بننا شرعاً کیسا ہے؟

(۵) متقی، پرہیزگار اور متبع سنت علماء کو کافر کہنا کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں شریعت کی حدود کیا ہیں؟ امید ہے کہ بہ حوالہ تمام سوالوں کے جوابات عنایت فرمائیں گے۔

فاروق آئی شیخ (بڑودہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) جس شخص کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہو اور ایسی جماعت کا متبع اور حامی ہو، جس کے اصول "ماأناعليه وأصحابي" کے خلاف ہوں، اس جماعت کے اجلاس میں شریک ہو کر تقریر کرتا ہو اور غیر اسلامی احکام کو صحیح جانتا ہو، تو وہ فقہ کی اصطلاح میں بدعتی ہے۔[1]

جو بات قرآن کریم، احادیث نبویہ اور قرون مشہود لہا بالخیر (وہ عہد جس کے بہتر ہونے کی خبر خود نبی کریم ﷺ نے دی ہو) سے ثابت نہ ہو، اس کی ترویج واشاعت کرنے والا بدعتی ہی ہوسکتا ہے اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا دوسری مسجد میں جا کر جمعہ اور عیدین کی نماز ادا کرنا چاہیے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کی اقتداء کرنا درحقیقت اس کی عزت کرنا ہے، جب بدعتی کی تعظیم وتکریم ممنوع ہے۔[2] (عالم گیری: ۱/ ۱۰۸، عمدۃ الفقہ: ۱/ ۲۰۱، بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۷)[3]

---

(۱) وأما المبتدع فهو صاحب البدعة وهي كما في المغرب اسم من ابتدع الأمر إذا ابتدأه وأحدثه كالرفقة من الارتفاق والخلفة من الاختلاف ثم غلبت على ما هو زيادة في الدين أو نقصان منه اهـ. ـــــ وعرفها الشمني بأنها ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما اهـ. (البحر الرائق: ۱/ ۳۷۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب الإسلامي)

وقال الحصكفي [م: ۱۰۸۸هـ]: (ومبتدع) أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۶۰-۵۶۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام. (الشريعة - أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجرِيّ البغدادي (م: ۳۶۰هـ): ۵/ ۲۵۴۳، رقم الحديث: ۲۰۴۰، باب ذكر هجرة أهل البدع والأهواء، ت: د. عبدالله بن عمر بن سليمان الدميجي، ط: دار الوطن - الرياض / السعودية)

(۳) والصحيح أنه (المبتدع) إن كان يكفر لا تجوز، وإن كان لا يكفر تجوز مع الكراهة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل: بيان من هو حق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ عمدة الفقه: ۲/ ۵۵، ط: مكتبه تهانوي - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۴، كتاب الصلاة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) متبع سنت امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب حاصل ہوگا؛ اس لیے اسی مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے، جس کا امام صحیح العقیدہ اور متبع سنت ہو۔

(۳) جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہوئی ہو، اسے دوبارہ پڑھنا چاہیے۔ (عمدۃ الفقہ: ۲۰۱/۱)[۴] فاسق کے پیچھے ادا کی گئی نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (۵) ہاں اگر وقت نکل گیا، تو اعادہ کرنا واجب نہیں ہے، اور بدعتی تو فاسق سے بھی زیادہ گنہ گار ہے؛ لہٰذا اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اگر وقت باقی ہو، تو لوٹانا ضروری ہے۔ اگر دوسری مسجد ہے، تو وہاں نماز پڑھیں، اگر دوسری کوئی مسجد نہ ہو، تو اسی کے پیچھے پڑھ لیں، مقتدیوں کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (۶) مسجد کے متولیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ متبع سنت اور صحیح العقیدہ امام کا تقرر کریں اور ایسے امام کو مسجد کی امامت سے علاحدہ کردیں، البتہ اگر اس میں فتنہ کا اندیشہ ہو، تو ذمہ داران ومتولیان گنہ گار نہ ہوں گے۔ تاہم گھر میں نماز ادا کرنے کے بجائے مسجد میں اس امام کی اقتدا میں نماز ادا کی جائے، تاکہ جماعت کے ثواب سے محرومی نہ ہو۔ (۷)

(۴) جس امام میں دینی اعتبار سے کوئی خرابی ہو اور لوگ اس سے ناراض ہوں، تو اس کی ذمہ داری ہے کہ منصب امامت سے سبک دوش ہوجائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی ہے: ایک وہ شخص ہے "جو امامت کراتا ہو اور لوگ اس کے کسی دینی امر پر ناراض ہوں" (ابوداؤد شریف)[۸]

---

(۴) عمدۃ الفقہ: ۵۶/۲، تحت عنوان: قضا نماز کو پڑھنے کا بیان، ط: مکتبہ تھانوی-دیوبند۔

(۵) عمـــدۃ الفقہ: ۵۶/۲، تحت عنوان: جن لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

(۶) دیکھیے: عمـــدۃ الفقہ: ۵۶/۲، تحت عنوان مذکور۔

(۷) صلي خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۶۲/۱، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت ☆البحر الرائق: ۳۷۰/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۱۳۴/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: المطبعة الأميرية-القاهرة)

(۸) عن عبد الله بن عمرو، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: »ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة، من تقدم قوما وهم له كارهون، ورجل أتى الصلاة دبارا« والدبار: أن يأتيها بعد أن تفوته، »ورجل اعتبد محرره«. (سنن أبي داؤد: ۸۸، رقم الحديث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر-ديوبند ☆سنن ابن ماجة، ص: ۶۹، رقم الحديث: ۹۷۰، كتاب الصلاة، باب من أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر-ديوبند ☆المعجم الكبير-سليمان بن أحمد، أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۱۳/۱۷، رقم الحديث: ۱۷۶، عمران بن عبد المعافري، عن عبد الله بن عمرو، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية-القاهرة)

دوسری حدیث میں ہے کہ: تین شخصوں کی نماز ان کے سر سے اوپر نہیں جاتی ہے: ایک وہ شخص ہے: جو امامت کرائے اور لوگ اس کی کسی دینی بات پر ناراض ہوں۔ (ابن ماجہ)[۹] پس ایسے امام کے لیے ضروری ہے کہ امامت سے الگ ہوجائے، اگر وہ خود استعفیٰ نہیں دیتا ہے، تو متولی اس کو علاحدہ کردے؛ البتہ اس کا خیال رکھے کہ فتنہ وفساد پیدا نہ ہو۔ [۱۰]

(۵) کسی مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں، حرام ہے، جب تک وہ کسی دینی عقیدے یا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے۔ [۱۱] اور متقی و پرہیزگار اور متبع سنت علماء پر- جنھوں نے اپنی زندگی دین کی خدمت کے لیے وقف کردی ہو- ان کی عبارتوں میں تحریف وترمیم کر کے کفر کا فتویٰ لگانا تو سخت حرام ہے؛ بلکہ ایسے فتویٰ لگانے والے کے ایمان کا خطرہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے، تو یہ کفر کا لفظ دونوں میں سے کسی کی طرف لوٹے گا، یا تو جس کو کہا گیا اس کی طرف (جب کہ وہ واقعی کافر ہو) اور اگر وہ کافر نہ ہو، تو کہنے والے کی طرف (کہ اس نے ایک مسلمان کو کافر کہا)۔ (مسلم شریف: ۱/۵۷) [۱۲] اس لیے کسی بھی مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگانا حرام ہے اور اس میں خود فتویٰ دینے والے کے کفر کا اندیشہ ہے۔

شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایسا لفظ بولے، جس میں کفر اور غیر کفر دونوں کا احتمال

---

(۹) عن ابن عباس، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رءوسهم شبرا: رجل أم قوما وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وأخوان متصارمان". (سنن ابن ماجة، ص: ۶۹، رقم الحديث: ۹۷۱، كتاب الصلاة، باب من أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند)

(۱۰) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۱۳۹-۱۴۰، ط: دار الاشاعت کراچی- پاکستان۔

(۱۱) ولا نخرج العبد من الإيمان إلا بجحود ما أدخله فيه. (عقيدة الطحاوي، ص: ۹۳، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۱۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أيما امرئ قال لأخيه: يا كافر، فقد باء بها أحدهما، إن كان كما قال، وإلا رجعت عليه". (الصحيح لمسلم: ۱/۵۷، رقم الحديث: ۶۰، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر، كتاب الإيمان، ط: البدر - ديوبند☆صحيح البخاري، رقم الحديث: ۶۱۰۳-۶۱۰۴، كتاب الأدب، باب من كفر أخاه بغير تأويل فهو كما قال☆شعب الإيمان-أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۹/۴۴، رقم الحديث: ۶۲۳۷، تحريم اعراض الناس وما يلزم من ترك الوقوع فيها☆مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ): ۹/۳۷، رقم الحديث: ۵۰۳۵، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة)

ہو، تو اس کو مسلمان ہی تسلیم کیا جائے گا۔ (۱۳) کہ ایک ہزار کافر کو کفر پر باقی رکھنا سہل ہے بہ مقابلہ اس بات کے، کہ ایک مسلمان پر بلا وجہ کفر کا حکم لگایا جائے۔

علماء دیوبند-جن کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے-رات ودن اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتے تھے، اللہ کے احکام کے پابند اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے متبع اور نوافل ومستحبات کے خوگر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ تعلق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول وفعل پر اپنی ساری کائنات فدا کردینے والے تھے، جیسا اس پر ان کی لکھی ہوئی قرآن کریم کی تفاسیر، احادیث کی شرحیں اور مختلف فنون کی قیمتی تصنیفات شاہد عدل ہیں، ان کے متعلق کفر کا فتویٰ صادر کرنے والے کے کفر کا اندیشہ ہے۔

شرح مسلم میں لکھا ہے کہ تم ظاہر کے مکلف ہو اور دل کی باتیں اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں، پس آدمی زبان سے جو کچھ بولے، اس پر اعتماد کرلو اور جو کلمہ پڑھ لے، اس پر مسلمان ہونے کا حکم لگادو۔ (نووی: ۱/۶۸) (۱۴)

لہٰذا مذکورہ بزرگان دین کی کتابوں کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر غلط اعتراض کرنا اور ان پر کفر کا فتویٰ لگانا حرام ہے، جو امام ایسا کرے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] کسی کو محض اردو داں ہونے کی وجہ سے ''مفتیٔ سخن'' کا لقب دینا

۱۵۴-سوال: ''انجمن ترقی اردو'' سورت کی جانب سے ۱۷/اگست ۱۹۷۵ء کو منعقد مشاعرہ میں مجھے ''مفتیٔ سخن'' کا خطاب دیا گیا، یہاں مخالفین حضرات لفظ ''مفتی'' کے لغوی معنی کا سہارا لے کر اعتراض

(۱۳) وقد ذکروا أن المسئلة المتعلقة بالکفر إذا کان لها تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد في نفیه فالأولی للمفتي والقاضي أن یعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطأ في إبقاء ألف کافر أهون من الخطأ في افناء مسلم واحد. (شرح الفقه الأکبر-الملا علي القاري ص:۱۹۹، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند ☆ رد المحتار: ۶/۳۶۷، کتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفکر-دیوبند)

(۱۴) ومعناه أنك إنما کلفت بالعمل بالظاهر وما ینطق به اللسان، وأما القلب فلیس لك طریق إلی معرفة ما فیه... یعني وأنت لست بقادر علی هذا، فاقتصر علی اللسان فحسب یعني ولا تطلب غیره. (المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج المعروف بہ "حاشیة النووي علی مسلم"-: أبو زکریا النووي (م:۶۷۶ھ): ۱/۶۸-۶۹، بذیل حدیث باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا إله إلا الله، ط: البدر- دیوبند ☆ فتح الملهم-العلامة شبیر أحمد العثماني: ۱/۲۶۰، ط: المکتبة الأشرفیة-دیوبند)

کرتے ہیں کہ انجمن کے اراکین نے مفتی کے ساتھ ''سخن'' کا لفظ شامل کر کے تخصیص کر دی ہے کہ آپ دینی معاملات کے فیصلہ کرنے والے نہیں ہیں؛ بل کہ صرف شعر و شاعری کے معاملات کے فیصلہ کرنے والے ہیں؛ اس لیے خواہش ہے کہ درج ذیل سوال کا مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

سوال یہ ہے کہ کسی شاعر کو محض اس کی فنی معلومات کی بنیاد پر ''مفتی سخن'' کا خطاب دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ''مفتی سخن'' سے ''سخن اور شعر و شاعری میں فیصلہ کرنے والا'' مراد ہے، ایسا خطاب حاصل کرنے یا دینے سے ایمان پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(عامر سورتی، سید پورہ، سورت)

الجواب حامداومصلیا:

اگر کسی شاعر کو محض اس کی فنی معلومات کی بنیاد پر ''مفتی سخن'' کا خطاب دیا گیا ہے، تو اس سے نہ تو خطاب دینے والوں کے ایمان پر کوئی منفی اثر پڑے گا اور نہ شاعر کے ایمان پر۔ البتہ لفظ ''مفتی'' کا شریعت کی اصطلاح میں ایک مخصوص معنی پر اطلاق ہوتا ہے۔[1] لہٰذا اس قسم کے اصطلاحی الفاظ کو ''سخن'' کے ساتھ لاحق نہیں کرنا چاہیے، اس سے احتراز کی ضرورت ہے، ورنہ آپ مطمئن رہیں، آپ نے اور آپ کے رفقاء نے کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، جس سے آپ کے یا ان کے ایمان میں کوئی خلل واقع ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۱۱] مکمل ملکیت پر تنہا قبضہ جمانے والا وارث کافر ہے؟

۱۵۵-سوال: ایسا سننے میں آیا ہے کہ مختلف ورثاء کی موجودگی میں کوئی ایک وارث پوری ملکیت اور زمین و جائداد پر تنہا غاصبانہ قبضہ کر لے اور دوسرے ورثاء کو ان کا حق دینے سے انکار کر دے، تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

سید عبدالرحمن سید نصیر الدین، انکلیشور

---

(۱) علامہ نوویؒ شرح مہذب میں تحریر فرماتے ہیں: شرط المفتي كونه مكلفا، مسلما، ثقة، مأمونا، متنزها عن أسباب الفسق و خوارم المرؤة فقيه النفس سليم الذهن رصين الفكر صحيح التصرف و الاستنباط متيقظا. (المجموع شرح المهذب- النووي (٦٧٦هـ): ١/٤١، باب اداب الفتوى و المفتي و المستفتي، ط: دار الفكر بيروت)

نوٹ:- دور حاضر میں اس شخص کو مفتی کہا جاتا ہے، جس نے ماہر فن علماء کی نگرانی میں افتا کے مخصوص کورس کی تکمیل کی ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص کافر تو نہیں ہوگا۔[۱] البتہ اس طرح حرام کام کرنے، دین کی بے عزتی کرنے اور رات دن اسی فکر میں رہنے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں ایمان سے نہ ہاتھ دھو بیٹھے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہٗ
۱۹۶۹/۱/۲۹ء

[۱۲] غیروں کی مشابہت اختیار کرنے والے کا شرعی حکم

۱۵۶-سوال: ہمارے گاؤں میں ایک بہروپیہ (نقال ومکار) ہے، جو غیر مسلموں کے تمام کام اور ان کے رسوم ورواج وغیرہ ادا کرتا ہے اور ہندوانہ لباس بھی پہنتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وہ مسلمان ہے؟ اگر اس کے یہاں کسی کا انتقال ہوجائے، تو تعزیت کے لیے جانا، اس کی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے یہاں میت میں نہیں جانا چاہیے، میرے مطالعے میں یہ بات آئی ہے کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، قیامت کے دن وہ اسی قوم کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ تو اس سلسلے میں آپ سے جواب مطلوب ہے۔

احمد محمد ماسٹر (اولاڑی، بلساڑ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی مسلمان اپنی مرضی سے ہندوانہ لباس پہنے، غیروں کی مشابہت اختیار کرے اور ان کے جیسا کام کرے، تو وہ اسلام سے نکل جائے گا۔[۲]

اس کی عورت اس کے لیے حرام ہوجائے گی، ان تمام کاموں سے توبہ کرے اور دوبارہ کلمہ پڑھے، تو اسلام میں داخل ہوگا اور نئے نکاح کرے گا، تو بیوی دوبارہ نکاح میں آئے گی۔[۳]

---

(۱) ولا یخرج العبد من الإیمان إلا بجحود ما أدخله فیه. (العقیدة الطحاویة: ص۶۱، ط: المکتب الإسلامي-بیروت)

(۲) فیکفر . . . بوضع قلنسوة المجوسي علی رأسه علی الصحیح . . . وبشد الزنار في وسطه. (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۳، باب أحکام المرتدین، ط: دار الکتاب الإسلامي☆الفتاوی الهندیة: ۲/ ۲۷۶، کتاب السیر، مطلب في موجبات الکفر أنواع، منها: ما یتعلق بالإیمان والإسلام، ط: دار الفکر-بیروت☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۶۹۸، کتاب السیر، باب المرتد، ألفاظ الکفر أنواع، ط: دار إحیاء التراث العربي)

(۳) وإن کانت نیته الوجه الذي یوجب التکفیر لا تنفعه فتوی المفتي، ویؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجدید=

شرح فقہ اکبر میں ہے کہ ”اگر کوئی مسلمان مذاق میں یا لوگوں کو ہنسانے کی لیے یہود و نصاریٰ کا لباس پہنے، تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح وہ مجوسیوں کی ٹوپی پہنے، تو بھی کافر ہو جائے گا اور کافروں کا زنار باندھے، تو بھی کافر ہو جائے گا۔“ (۱)

اس لیے مذکور آدمی کافروں جیسا کام کرنے کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے نکل گیا ہے، اس کے یہاں اگر کسی کا انتقال ہو گیا اور وہ لوگ کافروں جیسا کام نہیں کرتے تھے، تو وہ اپنے اسلام پر باقی رہیں گے، اس کی بیوی اور بچے اگر اس طرح کا کام نہیں کرتے تھے، تو وہ بھی دائرۂ اسلام سے نہیں نکلیں گے، چھوٹے نابالغ بچے اپنے والدین میں سے جس کا مذہب بہتر ہوگا، اس کے تابع مانے جائیں گے۔ (۲) لہٰذا ان کو مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا جائے گا، ان کے انتقال کے بعد ان کو مسلمانوں کے طریقے کے مطابق غسل بھی دیا جائے گا، کفن بھی پہنایا جائے گا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کیا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲۶/۱۰/۱۹۷۷ء

[۱۳] مذہبی جلوس میں استعمال کے لیے غیر مسلم کو قرآن مجید دینا

۱۵۷-سوال: ”حسن موٹروالا“ نامی ایک مسلمان نے قرآن مجید ایک غیر مسلم کو دیا اس مقصد

=النكاح بينه وبين امرأته كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۸۳، كتاب السير، الباب العاشر في البغاة)
(وارتداد أحد الزوجين) أي تبدل اعتقاد الإسلام بالكفر حقيقة على أحدهما كما إذا تمجس، أو تنصر، أو حكما كما إذا قال بالاختيار ما هو كفر بالاتفاق (فسخ) أي رفع لعقد النكاح حتى لا ينتقص به عدد الطلاق سواء كانت موطوءة، أو غيرها (في الحال). [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد المدعو بـ"شيخي زاده" و يعرف بـ"داماد أفندي" (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۵۴۶-۵۴۷، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: مكتبة فقيه الأمة-ديوبند ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۲۴۷، كتاب النكاح، باب الولي)

(۱) وفي الفتاوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس أي: لبسها وتشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق أي وهو من شعارهم أو شد في الوسط خيطا كفر إذا كان متشابها بخيطهم أو ربطهم أو سماه زنارا... ولو شبه نفسه باليهود والنصارى أي صورة أو سيرة على طريق المزاح والهزل أي: ولو على هذا المنوال كفر. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۷، ۲۲۸، فصل في الكفر صريحا وكناية، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(۲) لأن الولد يتبع خير الأبوين دينا. (رد المحتار على الدر: ۲/ ۲۲۹، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۰۵، كتاب الجنائز، الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ بدائع الصنائع: ۷/ ۱۰۴، كتاب السير، فصل: في بيان ما يعترض من الأسباب المحرمة... الخ، ط: دار الكتب العلمية)

سے دیا کہ وہ گوکوڑ آٹھم (ایک مورتی کا نام) اور گنیش کی مورتی کا جب جلوس نکالے، تو اس کی کھٹیا (جس پر مورتی کو رکھا گیا ہو) میں اسے (قرآن کریم کو) رکھ دے۔ وہ شخص اپنے اس عمل کی وجہ سے مسلمان رہے گا یا دائرہ اسلام سے خارج مانا جائے گا؟

حاجی محمد سلیمان بوڑیات، دوسا

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو غیر مسلم قرآن مجید، عقائد اسلام اور دینی احکام کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہو، اس کو قرآن مجید اس شرط کے ساتھ دینا جائز ہے کہ وہ اس کی بے حرمتی اور بے ادبی نہیں کرے گا، اس کا احترام کرے گا، اس کو ادھر ادھر نہیں پھینکے گا۔[1]

لیکن جو مسلمان قرآن مجید کی خود بے ادبی کرے یا دوسروں سے بے ادبی کروائے۔ (مثلاً وہ عمل، جس کا ذکر آپ نے سوال میں کیا ہے) تو وہ ایمان سے نکل جائے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۱۹۷۷/۱۱/۹ء

[۱۴] جھوٹے عاملوں اور پیروں کو ماننا اور ان کی باتوں پر عمل کرنا

۱۵۸-سوال: ہمارے پرکھوں نے جن باپوؤں اور پیروں کی باتوں کو مانا اور ان پر عمل کیا ہے، کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم بھی ان کی باتوں کو مانیں اور ان پر عمل کریں؟

---

(۱) والحاصل مما سبق أن وقوع المصحف بأيدي الكفار إنما يمنع منه إذا خيف منهم إهانته، أما إذا لم يكن مثل هذا الخوف فلا بأس بذلك لا سيما لتعليم القرآن وتبليغه، والله أعلم. (تكملة فتح الملهم: ۳۸۶/۳، باب النهي أن يسافر بالمصحف... الخ، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

(۲) من استخف بالقرآن... كفر. (شرح الفقه الأكبر ص: ۲۰۵، فصل: في القراءة والصلاة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

وفي الفتح: من هزل بلفظ كفر ارتد وإن لم يعتقده للاستخفاف فهو ككفر العناد. (الدر المختار) قال ابن عابدين الشامي: (قوله من هزل بلفظ كفر) أي تكلم به باختياره غير قاصد معناه، وهذا لا ينافي ما مر من أن الإيمان هو التصديق فقط أو مع الإقرار؛ لأن التصديق، وإن كان موجودا حقيقة، لكنه زائل حكما، لأن الشارع جعل بعض المعاصي أمارة على عدم وجوده كالهزل المذكور، وكما لو سجد لصنم أو وضع مصحفا في قاذورة فإنه يكفر، وإن كان مصدقا، لأن ذلك في حكم التكذيب، كما أفاده في شرح العقائد،... ويظهر من هذا أن ما كان دليل الاستخفاف يكفر به، وإن لم يقصد الاستخفاف. (رد المحتار على الدر: ۲۲۲/۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر - بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ عاملوں (باپوؤں)، پیروں اور سادھوؤں؛ سب سے آپ مکمل کنارہ کشی اختیار کریں؛ کیوں کہ یہ لوگ ناجائز اور حرام کاموں کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں، اس سلسلے میں مزید معلومات کے لیے میری کتاب عقائد اسلام [1] اگر مل جائے، تو اس کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] مندر کے باپو، جوگی اور سادھوسنت سے علاج کرانا جائز ہے یا نہیں؟

۱۵۹-سوال: ایک جگہ ایک بھگت (غیر مسلم باپو) کئی بیماریوں کا علاج کرتا ہے، بہت سے مسلمان بھی اس کے پاس علاج کے لیے جاتے ہیں، وہ باپوان کو پڑھ کر کچھ دانے دیتا ہے، اور مندر میں ہندو رسم و رواج کے مطابق عمل کراتا ہے، جیسے ناریل پیسے رکھواتا ہے، اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ان سے رکھواتا ہے، جو مسلمان علاج کے لیے جاتے ہیں، وہ اس مندر کے باپو کو پیسے بھی دیتے ہیں، تو کیا اس سے ان مسلمانوں کا ایمان سلامت رہے گا؟ اگر نہیں، تو دوبارہ ایمان میں داخل ہونے کے لیے ان کو کلمہ پڑھنا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں بھگت خود اگر دھاگے یا پانی پر دم کر کے دیتا ہے اور مسلمان کچھ بھی نہیں کرتے ہیں، تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہوں گے، اس لیے ان کو دوبارہ کلمہ پڑھنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ [2] لیکن ایک مسلمان کا مندر میں جا کر غیر اسلامی اور شرکیہ کام کرنا؛ مثلاً: وہاں جا کر ناریل چڑھانا یا مندر میں پیسے دینا سب ناجائز ہے، اس سے ایمان کا خطرہ ہے، ان کاموں سے ایک مسلمان کا بچنا ضروری ہے۔ [3]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عقائد اسلام، مترجم اُردو (ترجمہ: محمد ارشد پالن پوری فلاحی) ناشر: حافظ امجد کینیڈا۔

(۲) وفيه إشارة إلى أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيما عدا إبطال العبادة. (ردالمحتار: ۲/ ۴۲۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ط: دار الفكر-بيروت)

رقية فيها اسم صنم أو شيطان أو كلمة كفر أو غيرها مما لا يجوز شرعا، ومنها مالم يعرف معناها. (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۳۱۸، كتاب الطب والرقى: ط: رشيديه، كوئٹه)

(۳) لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين. [۳-ال عمران: ۲۸]

أن كل ما عداه العرف تعظيما وحسبه المسلمون موالاة فهو منهي عنه، ولو مع أهل الذمة، لاسيما إذا أوقع شيئاً في قلوب ضعفاء المؤمنين. (روح المعاني: ۳/ ۱۲۰، سورة آل عمران: ۲۸، دار إحياء التراث العربي-بيروت) =

[۱۶] نامناسب کلمہ کا بے اختیار زبان سے نکل جانا
[۱۷] محرم کے پہلے عشرہ میں شادی کرنے کا حکم
[۱۸] تعزیہ بنانا

۱۶۰-سوال: کاٹھیاواڑ کے شرک و بدعت کے علاقہ میں ایک مولانا صاحب شرک و بدعت کے خلاف تقریر فرمارہے تھے، تقریر کا موضوع ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت'' تھا، اپنی تقریر میں مولانا صاحب یزید کے دربار میں عبداللہ بن زیاد کے منہ سے سانپ نکلنے کا واقعہ [۱] بیان کررہے تھے، تو ان کی زبان سے غلطی سے یہ جملہ نکل گیا کہ سانپ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے نکلا۔ ایک ذمہ دار شخص نے کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے منہ سے سانپ ہرگز نہیں نکل سکتا، اس کے بعد اس ذمہ دار شخص نے مولوی صاحب سے اپنے اعلان کی تصدیق کراتے ہوئے دریافت کیا کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ تو جواب

=وفي الفتاوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس، أي لبسه، و تشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق، أي وهو من شعارهم، أو شد في الوسط خيطا كفر، إذا كان متشابها بخيطهم أو ربطهم، أو سماه زنارا. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۷-۲۲۸، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داؤد، ص: ۵۵۹، رقم: ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ط: البدر - دیوبند)

(۱) عن يزيد بن أبي زياد قال: لما جيء برأس ابن مرجانة (أي ابن زياد) وأصحابه طرحت بين يدي المختار، فجاءت حية رقيقة، ثم تخللت الرؤوس حتى دخلت في فم ابن مرجانة، وخرجت من منخره، ودخلت في منخره، وخرجت من فمه، وجعلت تدخل وتخرج من رأسه من بين الرؤوس. (البداية والنهاية - ابن كثير الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۳۱۵/۸، مقتل المختار بن أبي عبيد على يدي مصعب بن الزبير، ت: علي شيري، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ تاريخ دمشق - ابو القاسم ابن عساكر (م: ۵۷۱ھ): ۴۶۱/۳۷، عبد الله بن زياد بن عبيد المعروف بابن أبي سفيان، ت: عمرو بن غرامة العمروي، ط: دار الفكر - بيروت)

عن عمارة بن عمير، قال: "لما جيء برأس عبيد الله بن زياد وأصحابه نضدت في المسجد في الرحبة، فانتهيت إليهم وهم يقولون: قد جاءت، قد جاءت، فإذا حية قد جاءت تخلل الرءوس، حتى دخلت في منخري عبيد الله بن زياد فمكثت هنيهة، ثم خرجت فذهبت حتى تغيبت، ثم قالوا: قد جاءت، قد جاءت، ففعلت ذلك مرتين أو ثلاثا. «هذا حديث حسن صحيح». (سنن الترمذي: ۲۱۸/۲، رقم: ۳۷۸۰، أبواب المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي بن أبي طالب والحسين بن علي بن أبي طالب، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

ملا: جی ہاں! بالکل صحیح ہے، ساتھ یہ بھی کہا کہ اگلے بیان میں اس کا اعلان ہوگا اور مزید باتیں ہوں گی، ان شاء اللہ۔

دوسرے دن بیان میں مولوی صاحب نے خود ہی صاف صاف اعلان کیا کہ ''سانپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے منہ سے نہیں نکلا ہے؛ بل کہ عبداللہ بن زیاد کے منہ سے نکلا'' یہ بات اس نے تین مرتبہ کہی۔

مذکورہ مولوی صاحب نے کبھی کسی صحابی یا ولی یا بزرگ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی نہیں کی، اس کے باوجود بعض لوگ ان کو فاسق و فاجر اور کافر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی'' آپ سے درخواست ہے کہ مندرجہ بالا تفصیلات کے پیش نظر درج ذیل سوالات کے جوابات مدلل طور پر عنایت فرمائیں:

(۱) کیا مذکورہ مولوی صاحب شرعی اعتبار سے فاسق و کافر ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر فاسق یا کافر نہیں ہیں، تو کیا ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

(۳) کسی مسلمان کو کافر کہنے کا کیا حکم ہے؟ ماہ محرم کے اول عشرہ میں شادی کرنا کیسا ہے؟ حرام یا جائز؟

(۴) تعزیہ وغیرہ بنانا کیسا ہے؟ اس کو دیکھنا اس کی منت ماننا وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے مذکورہ سوالات کو پڑھ کر دکھ اور افسوس ہوا کہ آخر مسلم قوم کب جہالت و ضلالت کی تاریکیوں سے نکل کر سنت وہدایت کے راستہ پر گامزن ہوگی۔

مذکورہ سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے قبل بعض بنیادی باتیں تحریر کر رہا ہوں:

(۱) انسان کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لیے صرف اٹکل و اندازے اور عقل سے کام لے اور فقہاء نے جو قیود و شرائط لکھی ہیں، ان کا لحاظ نہ کرے، یہ قطعاً جائز نہیں، حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نے اپنے بھائی کو کہا اے کافر! تو یہ جملہ دونوں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹے گا۔ (مسلم شریف)[1]

یعنی جس کے لیے کفر کا لفظ استعمال کیا ہے، اگر وہ واقعتاً کافر ہے، تو ٹھیک، ورنہ تو اسی کہنے والے ہی

(۱) عن عبد اللہ بن عمر رضي اللہ عنہما: أن رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - قال: «أیما رجل قال لأخیہ یا کافر، فقد باء بہا أحدہما». (صحیح البخاري: ۹۰۱/۲، رقم الحدیث: ۶۱۰۴، کتاب الأدب، باب من کفر أخاہ بغیر تاویل فہو کما قال، ط: البدر - دیوبند☆ صحیح مسلم: ۵۷/۱، رقم الحدیث: ۱۱۱ - (۶۰)، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من قال لأخیہ المسلم: یا کافر، ط: البدر - دیوبند)

کی طرف لفظ کفر لوٹ آئے گا؛ اس لیے جو لوگ لفظ ''کافر'' کو اپنا تکیہ کلام بنا لیتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر کفر کا فتویٰ داغتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو حدیث میں بیان کی ہوئی وعید سے ڈرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس نے جس کے لیے کفر کا لفظ استعمال کیا ہے، اگر اس نے کفریہ کام نہیں کیا ہے؛ تو کہنے والے کی طرف وہ لفظ واپس لوٹے گا۔ چناں چہ فقہاء لکھتے ہیں کہ کسی نے کوئی ایسا لفظ استعمال کیا، جس کے ننانوے احتمالات کفر کے ہیں اور صرف ایک ایمان کا، تو اس صورت میں بھی اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ عقائد کی کتاب ''شرح فقہ اکبر'' میں لکھا ہے کہ ایک ہزار کافروں کو اپنی حالت پر باقی رکھنا نسبتاً آسان ہے، اس سے کہ کسی مسلمان کو کافر کہا جائے۔ [۲] لہٰذا کسی مسلمان کو کافر کہنا بہت بری چیز ہے، جب تک کفر کی صریح اور واضح دلیل موجود نہ ہو، کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: میری امت سے غلطی اور نسیان کو اٹھالیا گیا ہے۔ (ابن ماجہ، بیہقی، مشکوۃ) [۳]

خطا: انسان بولنا کچھ چاہے اور زبان سے کچھ اور ادا ہو جائے۔ [۴] مثلاً یہاں کہنے کا ارادہ تھا کہ

---

(۲) وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر واحتمال واحد في نفيه، فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي لان الخطأ في إبقاء ألف كافر أهون من الخطا في افناء مسلم واحد. (شرح الفقه الأكبر: ص۱۹۹، المسئلة المتعلقة بالكفر، الخ، ط: ياسر نديم - ديوبند)

ويكفر... بقوله لمسلم يا كافر عند البعض... والمختار للفتوى أن يكفر إن اعتقده كافرا الا إن أراد شتمه. (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۳، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ رد المحتار: ۴/ ۶۹، كتاب الحدود، باب التعزير، فرع: من عليه التعزير لو قال لرجل، الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) «إن الله قد تجاوز عن أمتي الخطأ، والنسيان، وما استكرهوا عليه». (سنن ابن ماجة، ص: ۱۴۷، رقم: ۲۰۴۳ و ۲۰۴۵، كتاب الطلاق، باب طلاق المكره الناسي، ط: فيصل - ديوبند☆ شرح معاني الآثار - أبو جعفر الطحاوي (م: ۳۲۱ھ): ۳/ ۹۵، رقم الحديث: ۴۶۴۹، كتاب الطلاق، باب طلاق المكره، ط: عالم الكتب☆ صحيح ابن حبان: ۱۶/ ۲۰۲، برقم: ۷۲۱۹، كتاب التاريخ، باب فضل الأمة، ذكر الإخبار عما وضع الله بفضله عن هذه الأمة، مؤسسة الرسالة ☆ ورواه ابن ابي شيبة في مصنفه، برقم: ۱۸۰۳۶، ۱۹۰۵۱، والطبراني في المعجم الأوسط، برقم: ۲۱۳۷، ۸۲۷۳، وفي المعجم الصغير، برقم: ۷۶۵، وفي الكبير برقم: ۱۳۳۰، ۱۱۲۷۴)

(۴) (قوله: ومنها الخطأ، وهو أن يفعل فعلا من غير أن يقصده قصدا تاما)، وذلك أن تمام قصد الفعل بقصد محله، وفي الخطأ يوجد قصد الفعل دون قصد المحل، وهذا مراد من قال: إنه فعل يصدر بلا قصد إليه عند مباشرة أمر مقصود سواه. (شرح التلويح على التوضيح - سعد الدين التفتازاني (م: ۷۹۳ھ): ۲/ ۳۸۸، باب المحكوم عليه، العوارض المكتسبة من نفسه، الخطأ، ط: مكتبة صبيح - مصر)

سانپ عبداللہ بن زیاد کے منہ سے نکلا؛ لیکن سبقت لسانی کی وجہ سے زبان سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نام نکل گیا، تو اس کو خطا کہیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ نہیں ہوگا۔

انسان ضعیف و ناتواں اور غلطیوں کا پتلا ہے، کبھی کبھی بے اختیار اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں، اس پر گناہ نہیں ہوتا ہے۔

(۳) انسان سے غلطی ہوجاتی ہے، مولانا صاحب نے جان بوجھ کر نہیں کہا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ مولانا صاحب نے اس کے بعد اعلان کرکے اپنی غلطی کا اقرار کرلیا؛ لہٰذا لوگوں کو ان کی بات قبول کرنا چاہیے، مولانا موصوف کے بارے میں بدظن ہونا اور ان کے لیے کفر وفسق جیسے الفاظ کا استعمال کرنا ہرگز درست نہیں؛ حرام ہے۔

(۱) سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے لحاظ سے مولانا صاحب گنہ گار نہیں ہوں گے، انہوں نے غلطی کا اقرار کیا ہے، لوگوں کے لیے اس کا قبول کرنا ضروری ہے، فاسق وفاجر تو وہ لوگ ہوں گے، جو مولانا صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا رہے ہیں۔

(۲) مولانا موصوف کے پیچھے نماز جائز ہے، مذکورہ وضاحت کے مطابق انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ [(۵)] بعض لوگ پھر بھی اس کو گناہ سمجھتے ہوں، حالاں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک گناہ نہیں ہے، تو لوگوں کی اس سمجھ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

(۳) بغیر کسی شرعی وجہ اور قوی دلیل کے کسی کو کافر کہنا حرام ہے، جن جن لوگوں نے مولانا موصوف کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کیے ہیں، ان کے لیے مولانا سے معافی مانگنا لازم ہے۔

(۴) محرم کے پہلے عشرہ میں شادی بیاہ کرنا جائز ہے۔ [(۶)] آج کل لوگ محرم کے پہلے عشرہ میں شادی

---

(۵) فقد صرح قاضي خان في فتاواه بأن الخاطئ إذا جرى على لسانه كلمة الكفر خطأً، لم يكن ذلك كفراً عند الكل. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۹۹، ط: یاسر ندیم، دیوبند)

(۶) اہل بدعت محرم میں اس لیے شادی نہیں کرتے ہیں کہ یہ سوگ کا مہینہ ہے، اسی مہینہ میں حضرت حسین کو شہید کیا گیا تھا؛ لیکن یہ استدلال قطعاً غلط ہے، حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خویش واقارب کی موت پر تین دن اور شوہر کی موت پر بیوی کو چار مہینے دس دن سوگ منانے کی اجازت دی ہے: «لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد فوق ثلاث، إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا». (صحیح مسلم: ۱/۴۸۶، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها الخ، رقم: ۵۹-(۱۴۸۶)، ط: البدر، دیوبند)

اس کے علاوہ شریعت میں سوگ کا کوئی تصور نہیں ہے، نیز اس میں اعتقاداً یا عملاً محرم میں شادی کو ناجائز سمجھنا ہے، جو جائز نہیں: قال اللہ =

کرنے کو برا خیال کرتے ہیں، اور اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے تقاضۂ محبت کے خلاف گردانتے ہیں؛ لہٰذا جو شخص اس مہینے کے پہلے عشرہ میں شادی کر کے مذکورہ رسم و رواج کو ختم کرے گا اور اسلام کی حقیقی تصویر لوگوں کے سامنے پیش کرے گا، وہ عند اللہ اجر عظیم کا مستحق ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری امت کے فساد و بگاڑ کے زمانہ میں میری ایک سنت کو زندہ کرے گا، تو اس کو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (۷)

(۵) تعزیہ بنانا، اس کے لیے چندہ وصول کرنا اور اس کا دیکھنا؛ سب ناجائز و حرام ہیں۔ (۸)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی منت ماننے، تعزیہ وغیرہ کے نیچے سے نکلنے اور اس کو مؤثر بالذات سمجھنے سے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ (۹) ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ نفع و نقصان، عزت و ذلت صحت و مرض اور اولاد دینا؛ وغیرہ غرض سب کچھ کرنے والی ذات اللہ کی ہے، کسی ولی کو

=تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. (۵-المائدة:۸۷)
قال المظهري: ويجوز أن يراد به ولا تعتدوا حدود ما أحل الله لكم إلى ما حرم عليكم. (التفسير المظهري- المظهري، محمد ثناء الله (م:۱۲۲۵ھ): ۳/۱۵۷، فضابط البدعة المكفرة: . . . أو إحلال محرم أو تحريم حلال. ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية - الباكستان ☆ معارج القبول بشرح سلم الوصول إلى علم الأصول- حافظ بن أحمد بن علي الحكمي (م:۱۳۷۷ھ): ۳/۱۲۲۸، البدع كلها مردودة، ت: عمر بن محمود أبو عمر، ط: دار ابن القيم - الدمام)

(۷) عن يحيى، رفعه قال: »المتمسك بسنتي عند فساد أمتي له أجر مائة شهيد«. (الإبانة الكبرى لابن بطة- أبو عبد الله العُكبري المعروف بابن بَطّة العكبري (م:۳۸۷ھ): ۱/۳۲۲، رقم: ۲۱۳، ط: دار الراية، الرياض)

(۸) قال الله تعالى: أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ. (۳۷-الصافات:۹۵) أي أتعبدون أصناما أنتم تنحتونها بأيديكم تنجرونها. (الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي- شمس الدين القرطبي (م: ۶۷۱ھ): ۱۵/۹۶، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية- القاهرة)
تعزیہ بت ہے، (فتاوی رشیدیہ: ص۲۶، ط: مکتبہ تھانوی، دیوبند)
تعزیہ کے ساتھ جو معاملے کیے جاتے ہیں، ان کا معصیت و بدعت؛ بل کہ بعض کا قریب بہ کفر و شرک ہونا ظاہر ہے، اس لیے بنانا بلا شک ناجائز ہوگا اور چوں کہ معصیت کی اعانت معصیت ہے؛ اس لیے اس میں بانچہ یعنی چندہ دینا...... اس میں شرکت کرنا؛ سب ناجائز ہوگا، بنانے والا اور اعانت کرنے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/۲۸۷، کتاب البدعات، حکم تعزیہ، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)
مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو امداد الاحکام: ۱/۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۶، کتاب السنۃ والبدعۃ، ط: زکریا، دیوبند)

(۹) اور اگر یہ لوگ اشیاء کو یا اصحاب اشیاء کو ایسا مؤثر مانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کے ہاتھ میں اختیارات دے دیتے ہیں، تو اس صورت میں یہ لوگ ایمان سے بھی باہر ہو جائیں گے، تجدید ایمان اور نکاح لازم ہوگا۔ (حوالہ سابق)

تصرف کا اختیار نہیں ہے، کسی بھی چیز کو دینے کی طاقت ان میں نہیں ہے؛ اس لیے ان سے منتیں مانگنا ایمان سے نکلنے کا سبب ہے، پس جو لوگ مذکورہ عقیدے کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اولیاء اللہ سے نفع ونقصان کے اعتقاد کے ساتھ منتیں مانیں گے، وہ ایمان سے خارج ہو جائیں گے، ان کے لیے از سر نو کلمہ پڑھ کر ایمان میں داخل ہونا ضروری ہوگا اور ارتداد کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جائے گا، نئے سرے سے اپنی بیوی سے نکاح کرنا لازم ہوگا۔[10] فقط، اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۱۹] سودی بینک کا افتتاح قرآن خوانی سے کرنا

۱۶۱-سوال: ہمارے پیش امام صاحب نے مدرسہ کے وقت میں ایک سودی بینک کا افتتاح قرآن خوانی سے کروایا، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

امام صاحب کا مذکورہ فعل حرام ہے اور اگر قرآن خوانی اس نیت سے کروایا ہے کہ اس سے سودی بینک میں برکت ہوگی، تو اس کی وجہ سے ایمان سے بھی نکل جانے کا خطرہ ہے۔ شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ کوئی شخص بسملہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) پڑھ کر جوا کھیلے، یا شراب پیئے یا زنا کرے، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (صفحہ ۲۰۸)[1] اسی طرح ڈھول، باجہ وغیرہ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے، تو بھی کافر ہو جائے گا، نیز کوئی شخص ذکر اللہ پر تالیاں بجائے، تو اس کی وجہ سے بھی خارج از اسلام ہو جائے گا۔ (صفحہ ۲۰۵)[2]

غیر اسلامی بینک-جس کا صبح سے شام تک کا پورا کاروبار ''ربا'' پر مبنی ہوتا ہے- اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، اسی طرح سود لینے، دینے اور اس میں مددگار بننے والوں پر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱۰) (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عددا (عاجل) بلا قضاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۱۹۳، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار الفكر - بيروت)

وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد النكاح بينه وبين إمرأته. (الهندية: ۲/ ۲۸۳، الباب العاشر في البغاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) من قال عند ابتداء شرب الخمر أو الزنا أو كل الحرام بسم الله كفر. (شرح الفقه الأكبر - ملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۲۰۸، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۲) من قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۰۵، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

نے لعنت فرمائی ہے۔ (۳) اس طرح کے حرام کاموں کے افتتاح کے موقع سے قرآن خوانی کرانا حرام ہوگا۔

امام صاحب نے اس فعل کو انجام دے کر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے اور حرام کام کو انجام دینے کے لیے انہوں نے اپنی ذمہ داری سے بھی پہلوتہی کی ہے، جس کی وجہ سے معصوم بچوں کا تعلیمی نقصان ہوا ہے؛ لہٰذا توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے۔ البتہ ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ شامی میں لکھا ہے کہ کوئی شخص جہالت کی وجہ سے کسی کلمۂ کفر کا تلفظ کرلے، تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک کافر نہ ہوگا اور بعض کے نزدیک کافر ہوجائے گا۔ (۴)

علامہ شامیؒ کی مذکورہ تحریر اور علماء کی یہ صراحت: کہ ''کوئی شخص ایک کلمہ کا تکلم کرے، جس میں کفر کے ننانوے احتمالات ہوں، اور عدم کفر کا صرف ایک احتمال ہو، تب بھی اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی''۔ لہٰذا امام صاحب پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا۔ (۵) لیکن چوں کہ حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے؛ اس لیے توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے۔ نیز جو لوگ اس میں شریک تھے، وہ بھی گنہ گار ہوں گے، ان کو بھی توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ (۶) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۳) عن جابر، قال: لعن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم: ۲/ ۲۷، رقم: ۱۰۶ - (۱۵۹۸)، باب الربا، ط: البدر - ديوبند☆ورواه أبو داؤد في سننه برقم: ۳۳۳۳، كتاب البيوع، باب في آكل الربا، ومؤكله☆والترمذي في سننه برقم: ۱۲۰۶، أبواب البيوع، باب ماجاء في آكل الربا)

(۴) ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۲۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر - بيروت)

ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف، والذي تحرر أنه لا يفتى بتكفير مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن، أو كان في كفره اختلاف، ولو رواية ضعيفة. (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۴، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۵) إذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۲۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۵/ ۱۳۴، كتاب السير، باب أحكام المرتدين☆شرح فقه أكبر، ص: ۱۹۹، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۶) أنه يأثم في الإعانة على المعصية. (البحر الرائق: ۸/ ۲۳، كتاب الاجارة، أخذ أجر الحجام، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆المحيط البرهاني: ۷/ ۴۸۱، كتاب الإجارات، الفصل الخامس عشر: في بيان مايجوز، الخ، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۲۰] بُت پرستی کرنے اور بتوں کے نام خرچ کرنے والے کا حکم

۱۶۲-سوال: زید مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، حالاں کہ اس نے گن پتی (کفار کے مشہور بت) کی با قاعدہ پرستش کی، پھر اس کے بعد اُن بتوں کے نام پر کچھ خرچ (دان) بھی کیا، تو ایسا کرنے والے کے متعلق شریعتِ مطہرہ کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص، غیر مسلم کی طرح کسی بھی عملِ شرک وکفر کا ارتکاب جان بوجھ کر کرے، یا ان اعمال کا ارتکاب جان بوجھ کر کرے، جو شعارِ کفر وشرک مانے جاتے ہیں، یعنی جن اعمال وافعال کے ذریعہ کسی مخصوص قوم و مذہب کو پہچانا جاتا ہے، تو ایسا شخص ایمان واسلام سے خارج ہو جائے گا۔[۱] اس کی بیوی بھی اس کے نکاح سے نکل جائے گی، خواہ وہ عملِ کفر وشرک اُس نے صرف دکھلاوے کے لیے کیا ہو یا حقیقۃً کیا ہو، اِکراہ کے علاوہ تمام صورتوں میں اعمالِ کفر وشرک کی حرمت علی حالہٖ رہے گی، لہٰذا ایسے شخص کو چاہیے کہ کلمۂ توحید پڑھ کر تجدید نکاح کرے اور توبہ کرے۔

ثم قال في البحر والحاصل: أن من تكلم بكلمة للكفر هازلا، أو لاعبا كفر عند الكل، ولا اعتبار باعتقاده، كما صرح به في الخانية. ومن تكلم بها مخطئا، أو مكرها، لا يكفر عند الكل. ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل. ومن تكلم بها اختيارا، جاهلا بأنها كفر، ففيه اختلاف. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: باب المرتد)[۲]

المرتد عرفا هو الراجع عن دين الإسلام كذا في النهر الفائق وركن الردة إجراء كلمة الكفر على اللسان بعد وجود الإيمان. (الفتاوى الهندية، الباب التاسع في أحكام المرتدين)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وفي الفتاوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس أي لبسها، وتشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق أي وهو من شعارهم، أو شد في الوسط خيطا كفر، إذا كان متشابها بخيطهم أو ربطهم أو سماه زنارا ... ولو شبه نفسه باليهود والنصارى أي صورة أو سيرة على طريق المزاح والهزل أي ولو على هذا المنوال كفر. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۷، فصل: في الكفر صريحا وكناية، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۲) رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۲۲۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر - بيروت☆البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم، ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۵/ ۱۳۴-۱۳۵، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي.

(۳) الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۵۳، الباب التاسع: في أحكام المرتدين، ط: دار الفكر - بيروت.

[۲۱] مالی مفاد کی خاطر اسلامی نام میں تبدیلی کرنا اور اولاد کو اسلامی تعلیم سے روکنا

۱۶۳-سوال: ایک عیسائی شخص نے اسلام قبول کیا، داخلِ اسلام ہونے کے پانچ سال بعد ایک مسلمان نے اس سے متاثر ہو کر اپنی لڑکی اُس کے نکاح میں دی، دس گیارہ سالہ ازدواجی زندگی کے دوران اُس کے یہاں ایک لڑکی اور دو لڑکے کی ولادت ہوئی، فی الحال بڑی لڑکی کی عمر گیارہ سال اور چھوٹے لڑکے کی عمر سات یا آٹھ سال ہے، پہلے وہ ان بچوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدرسہ بھیجتا تھا؛ لیکن اخیری دو تین سال سے مدرسہ بھیجنا بند کر رکھا ہے اور بچوں کے اسلامی نام تبدیل کر کے عیسائی اسکول میں بھیجنا شروع کر دیا ہے، پوچھے جانے پر وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میں اپنے پراویڈنٹ فنڈ (P.F) اور وراثتی حقوق حاصل کرنے کے لیے صرف دِکھلاوے کے طور پر اس طرح کر رہا ہوں، مزید تحقیق کرنے پر یہ بھی معلوم ہوا کہ ہسپتال جیسی بہت سی ایسی جگہوں پر- جہاں بیوی کا نام لکھوانے کی ضرورت ہوتی ہے- اپنی جانب سے عیسائی نام لکھواتا ہے، نیز اس کے عیسائی رشتہ داروں کی جانب سے بار ہا یہ مطالبہ ہوا کہ تیرے بچوں کو ہم اپنے مذہب میں شامل کرنے کے لیے تیار ہیں؛ لہٰذا تو بھی عیسائی بن جا، ان کے جواب میں کبھی یہ شخص کسی ردِ عمل کا اظہار تک نہیں کرتا، اسی طرح بسا اوقات گھریلو جھگڑوں کے دوران کفریہ کلمات بھی بولتا ہے۔

اس تفصیل کے مدِ نظر اس کا اسلامی نکاح برقرار رہے گا یا نہیں؟ اولاد کے اسلامی نام بدل کر غیر اسلامی نام رکھنے کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟ نکاح ٹوٹنے کی صورت میں اگر حکومت اولاد کو باپ کے حوالے کر دے، تو اُن بچوں کے ایمان کا کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں کو مدرسہ نہ بھیجنا ان کی دینی تعلیم میں رکاوٹ ڈالنا ہے، ہسپتال یا دواخانہ میں بہ غرضِ علاج بھی اسلامی نام تبدیل کر کے غلط نام لکھوانا دھوکہ ہے؛ لہٰذا یہ دونوں کام ناجائز ہیں۔ [1]

کلماتِ کفر صراحۃً سوال میں نہیں لکھے گئے ہیں، ان کلمات کے معلوم ہونے پر حکم لگایا جا سکتا ہے،

---

(۱) ابن عمر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إن لکل غادر لواء یعرف بقدر غدرتہ وإن أکبر الغدر غدر أمیر عامۃ. (مسند الإمام أحمد: ۲۶۱/۱۰، رقم الحدیث: ۶۰۹۳، ط: مؤسسۃ الرسالۃ)

اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے وراثتی حق ختم نہیں ہوتا۔[۲] اسلام قبول کرنے والا مذکورہ شخص اگر عیسائی انجمن

(۲) حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ بات محل نظر ہے؛ اس لیے کہ جب کسی نے اسلام قبول کرلیا اور مسلمان ہو گیا، تو وہ اپنے کافر رشتہ دار کا وارث نہیں ہوگا؛ کیوں کہ مسلمان، کافر کا وارث نہیں ہوتا، جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا:

عن أسامة بن زيد رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم. (صحيح البخاري: ۲/۱۰۰۱، رقم: ۶۷۶۴، كتاب الفرائض، باب: لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم... الخ، ط: البدر-ديوبند ☆صحيح مسلم: ۲/ ۳۳، رقم: ۱- (۱۶۱۴)، كتاب الفرائض، البدر- ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۲/ ۴۰۳، رقم: ۲۹۰۹، كتاب الفرائض، باب هل يرث المسلم الكافر؟، المكتبة الأشرفية- ديوبند ☆سنن الترمذي: ۲/۳۱، رقم: ۲۱۰۷، أبواب الفرائض، باب ما جاء في إبطال الميراث بين المسلم والكافر، ط: البدر- ديوبند ☆سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۵، رقم: ۲۷۲۹-۲۷۳۰، كتاب الفرائض، باب ميراث أهل الإسلام من أهل الشرك، ط: البدر-ديوبند)

واختلاف الدينين أيضا يمنع الإرث، والمراد به: الاختلاف بين الإسلام والكفر. (الفتاوى الهندية: ۶/ ۴۵۴، الباب السادس في ميراث أهل الكفر، ط: دار الفكر- بيروت)

فلا يرث الكافر من المسلم إجماعا، ولا المسلم من الكافر على قول علي و زيد و عامة الصحابة، لقوله عليه السلام: لا يتوارث أهل الملتين شيء. (هامش السراجي: ۷، ط: فيصل، ديوبند)

مسئلہ تو یہی ہے کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوگا، تاہم اسلامک فقہ اکیڈمی - انڈیا نے اپنے تیئیسویں فقہی سمینار (منعقدہ: ۱- ۳، مارچ ۲۰۱۴ء، جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، گجرات) میں اس کو موضوع بحث بنایا تھا کہ ''اس وقت غیر مسلم ممالک میں ایک صورت یہ درپیش ہے کہ بعض دفعہ مسلمان مورث کی حیثیت میں ہوتے ہیں، اور کسی غیر مسلم سے اس کی ایسی قرابت ہوتی ہے، کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے بھی حق میراث حاصل ہوتا، قانون کے ذریعے اس مسلمان کے مال سے اس غیر مسلم رشتہ دار کو متروکہ دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر مورث غیر مسلم ہو، اور اس کا مسلمان قرابت دار ہو، تو قانون اسے ترکہ میں حق دلاتا ہے، اگر وہ نہ لے تو ترکہ دوسرے غیر مسلم قرابت داروں میں تقسیم ہو جائے گا، تو کیا ایسی صورت میں جب کہ مسلمان کے مال سے غیر مسلم کو ترکہ دلایا جاتا ہو، مسلمان بھی اس قانون سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ وہ اس کے لیے کوشش کر سکتے ہیں، یا قبول کر سکتے ہیں۔

سوال نامہ میں یہ بھی مذکور تھا کہ اس مسئلہ کی دعوتی نقطہ نظر سے بھی بڑی اہمیت ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ اپنے صاحب ثروت والد یا والدہ کے ترکہ سے بالکل محروم ہو جائے گا، تو مادیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ بات قبول اسلام میں اس کے لیے رکاوٹ بن سکتی ہے۔

اس سوال کے جواب میں متعدد حضرات نے لکھا ہے کہ اگر ان ملکوں میں غیر مسلم رشتہ دار کے مسلم رشتہ داروں کی جائداد سے فائدہ اٹھانے کا قانون ہو، تو مسلمانوں کے لیے بھی دعوتی مصالح، ملکی حالات اور قانونی دشواری کی وجہ سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی۔ (واضح رہے کہ اس صورت میں مال کا لینا بہ طریق وراثت نہیں ہوگا؛ بل کہ ملکی قانون سے فائدہ اٹھانے کی ایک شکل ہوگی۔ (اس رائے کے دلائل اور حدیث: ''لا یرث المسلم الکافر'' کی وجہ اس پر وارد ہونے والے اعتراض کے تفصیلی جواب کے لیے ملاحظہ فرمائیں، تلخیص مقالات بابت: وصیت نامہ کے ذریعہ ورثاء کے شرعی حصص اور حقوق کا تعین، از: مفتی احمد نادر القاسمی، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا) =

کے جانب سے ملنے والی مالی امداد کے بند ہونے پر افسوس کرتا ہے اور مالی امداد حاصل کرنے کے لیے اپنا عیسائی نام لکھواتا ہے، تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ (شرح فقہ اکبر/صفحہ: ۲۲۲)[۳]

اس صورت میں مذکور شخص کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی، مسلمان بیوی کا اس کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہوگا۔[۴] اور اس صورت میں اولاد ''خیر الابوین'' کے تابع ہوگی، یعنی والدین میں سے چوں کہ ماں مسلمان ہے؛ لہٰذا بچے اُس کے تابع شمار ہوں گے۔[۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] عالم کا کسی کو یہ جواب دینا کہ ''ایسے موقع پر شریعت ایک طرف رکھ دینی پڑتی ہے''

۱۶۴-سوال: ایک صاحب عالم اور دین دار ہیں، کسی معاملہ میں جب اُن سے کہا گیا کہ ''یہ تو شریعت میں بالکل ناجائز اور حرام ہے'' اس کے جواب میں اُس عالمِ دین نے کہا کہ ''ایسے موقع پر تو شریعت ایک طرف رکھ دینی پڑتی ہے'' (العیاذ باللہ) تو ان الفاظ کے کہنے والے کے بارے میں حکمِ شرعی کیا ہے؟ اس کے لیے تجدیدِ نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

''یہ تو بالکل ناجائز اور حرام ہے'' کے جواب میں یہ کہنا کہ ''ایسے موقع پر شریعت ایک طرف رکھ دینی پڑتی ہے'' اِس جملے میں دو باتیں ہیں، ایک تو ناجائز اور حرام کے ارتکاب پر جرأت و بے باکی، دوسرا شریعت کا استخفاف۔

= خیال ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ بات کہ ''اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے وراثتی حق ختم نہیں ہوتا'' ان ممالک کے لیے ہے، جہاں اس طرح کا قانون ہے، سوال کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے اسی طرح کے کسی ملک کے مسئلہ کے سلسلے میں سوال کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مجتبیٰ حسن قاسمی

(۳) وفي الخلاصة: من قال: حين مات أبوه على الكفر، وترك مالا ــ ليت هو أي الولد نفسه لم يسلم إلى هذا، أي هذا الوقت، ليرث أباه الكافر، كفر، لأنه تمنى الكفر، وذلك كفر. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۲، فصل في الكفر صريحا وكناية، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(۴) (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عددا (عاجل) بلا قضاء. قال الشامي: أي بلا توقف على قضاء القاضي، وكذا بلا توقف على مضي عدة في المدخول بها، كما في البحر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۱۹۳، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار الفكر-بيروت)

(۵) والولد يتبع خير الأبوين دينا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۱۹۶، كتاب النكاح، مطلب الولد يتبع خير الأبوين دينا، ط: دار الفكر-بيروت)

اگر کوئی شخص، شئے حرام کی حرمت کا منکر نہ ہو؛ لیکن اس کا ارتکاب جرأت و بے باکی سے کر لیتا ہو، تو ایسے شخص کے فاسق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (۱)

دوسری بات کے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ شخص شریعت کو نہیں مانتا، اس صورت میں تو کفر لازم آئے گا، اور یہ معنیٰ بھی نکل سکتے ہیں کہ وہ اس موقع پر شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرنا نہیں چاہتا، اور ایک مسلمان کے بارے میں ہم یہی حسنِ ظن رکھیں کہ اس نے دوسرا معنیٰ ہی مراد لیا ہوگا، تو یہ شریعت کا استخفاف ہے، اور اِس صورت میں اندیشۂ کفر غالب ہے۔ (۲)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر مرد نے عورت سے کہا کہ یہ حکم شریعت کا ہے، تو عورت نے ڈکار لیتے ہوئے کہا کہ شریعت کو رکھ دے، تو وہ خارج از اسلام ہوگی۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے کہ اگر کسی شخص کے سامنے ائمۂ دین کا کوئی فتویٰ پیش کیا گیا اور اُس نے کہا کہ یہ کیا فتاویٰ پلیدہ لے آئے؟ تو کفر لازم آئے گا، اِس لیے کہ اُس نے حکمِ شرعی کو رد کر دیا۔ (۳) سوال میں مذکور جملہ اسی قسم کے جزئیات سے ملتا جلتا ہے، اس لیے اگر چہ کفر نہیں؛ تاہم اندیشۂ کفر سے خالی بھی نہیں، اور ایسے مواقع جہاں کفر کا شک ہو، کفر کا حکم نہیں لگتا۔ (تکفیر نہیں کی جاتی) لیکن تجدیدِ نکاح کا حکم ہوگا، اِس جملہ کے بولنے والے کو چاہیے کہ وہ تجدید نکاح کر لے، یہی احوط ہے، تاکہ گناہ میں مبتلا نہ رہے، اور چاہیے کہ وہ استغفار بھی کرے۔ (فتاویٰ قاضی خان: ۳۲۸)[۴]، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فَسَقَ فلان: خرج عن حجر الشرع، وذلك من قولهم: فَسَقَ الرُّطَبُ، إذا خرج عن قشره، وهو أعمّ من الكفر. والفِسق يقع بالقليل من الذنوب وبالكثير، لكن تعورف فيما كان كثيرا، وأكثر ما يقال الفاسق لمن التزم حكم الشرع وأقرّ به، ثم أخلّ بجميع أحكامه أو ببعضه. (المفردات في غريب القرآن-أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بـ'الراغب الأصفهاني' (م:٥٠٢هـ)، رقم:٦٣٦، مادة:"فسق"، ت: صفوان عدنان الداودي، ط: دار القلم، الدار الشامية - دمشق، بيروت ☆ تاج العروس من جواهر القاموس-محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، الزَّبيدي (م:١٢٠٥هـ):٢٦/ ٣٠٢، مادة"ف س ق"، ط: دار الهداية)

(۲) من هزل بلفظ الكفر ارتد، وإن لم يعتقده للاستخفاف، فهو ككفر العناد. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۲۲۲، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر، بيروت)

(۳) رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة، فردها، وقال: چه بارنامه فتوى آورده" قيل: يكفر؛ لأنه رد حكم الشرع. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۷۲، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب في موجبات الكفر أنواع، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار، والتوبة، وتجديد النكاح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۲۴۷، كتاب الجهاد، مطلب توبة اليأس مقبولة... الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲۳] کسی مسلمان شخص کا یہ کہنا کہ ''اس علاقہ میں اللہ کے بعد میں ہوں''

۱۶۵-سوال: ایک شخص نے اپنی زبان سے یہ کلمات بطورِ دھمکی کے کہے کہ ''اس علاقہ میں اگر خدا کے بعد کوئی ہے تو وہ میں ہوں'' شریعتِ مطہرہ میں اِن کلمات کے بولنے والے کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

''اس علاقہ میں اگر خدا کے بعد کوئی ہے تو وہ میں ہوں'' اس جملے میں چند معانی کا احتمال ہے، پہلا یہ کہ اس علاقہ میں اللہ کے حکم کے بعد میرا حکم چلتا ہے، سارا انتظام میرے منشا کے مطابق ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کے بعد میری قدرت چلتی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ کے بعد سب سے بڑا میں ہوں، حاصل یہ ہے کہ اس طرح کے جملے کہنا مناسب نہیں ہے، پہلے معنی کے مطابق اگر یہ جملہ بولنے والا اُس علاقہ کا حاکم یا بڑا عہدے دار ہو، تو وہ یوں کہنا چاہتا ہے کہ اس علاقہ میں میرے علاوہ کسی کو دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، حاکم اپنے اختیار کی بنیاد پر یہ کہہ سکتا ہے؛ لیکن اس جملے میں ناز یا گھمنڈ، تکبر اور بڑائی معلوم ہوتی ہے، جو اللہ کے نزدیک سب سے بری چیز ہے، اگر یہ شخص حاکم نہ ہو، تو اُس کے لیے یہ تکبر بھی غلط ہوگا، بقیہ دونوں معانی میں بھی صریح تکبر پایا جاتا ہے، اس لیے چاہیے کہ کسی بھی حال میں اس طرح کے کلمات نہ بولے جائیں، اور اگر غلطی سے یہ کلمات زبان سے نکل گئے ہوں، تو اُس شخص کو چاہیے کہ توبہ اور استغفار کر لے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۲/ ۲۵۸)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] ''تمہارا ڈر اللہ تعالیٰ کے ڈر کے برابر ہونا چاہیے'' بولنے سے کفر کا حکم

۱۶۶-سوال: شوہر نے اپنی بیوی کو ایک شادی میں شرکت سے منع کیا، تو بیوی نے کہا کہ ''آپ کا ڈر اللہ تعالیٰ کے ڈر کے برابر ہونا چاہیے''، تو کیا اس جملے کے بولنے سے نکاح پر کوئی منفی اثر تو نہیں پڑا۔ اسی طرح اس جملے کے بولنے سے پہلے اور بعد میں، جو نیک اعمال کیے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ نیز اس

---

(۱) یکفر إذا وصف الله تعالی بما لا یلیق به، أو سخر باسم من أسمائه، أو بأمر من أو امره، أو أنکر وعده و وعیده، أو جعل له شریکا، أو ولدا، أو زوجة، أو نسبه إلی الجهل، أو العجز، أو النقص. (الفتاوی الهندیة: ۲/ ۲۵۸، کتاب السیر، مطلب في موجبات الکفر أنواع، ط: دار الفکر- بیروت)

جملے کی ادائیگی کے بعد میاں بیوی کے وظیفہ زوجیت کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے اور اس جیسے الفاظ کا بولنا شرعاً کیسا ہے؟ برائے کرم تشفی بخش جواب مرحمت فرما کر، احقر کو ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ جملے کا زبان سے ادا کرنا ایک مسلمان کے لیے مناسب نہیں ہے، گفتگو میں بے حد احتیاط کرنا چاہیے، تاہم بیوی ایمان سے خارج نہیں ہوگی، وجہ یہ کہ علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کسی کے کلام میں کئی وجوہات کفر کی ہوں اور صرف ایک وجہ ایمان کی ہو، تو ہم اس کو مسلمان ہی کہیں گے، اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ مزید لکھا ہے کہ ایک ہزار کافر کو کفر پر باقی رکھنا سہل و آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک مسلمان کو ایمان سے خارج کر دیا جائے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۲۵] بلا وضو نماز پڑھنا موجبِ کفر نہیں ہے

۱۶۷-سوال: میمونہ یہ بات جانتی ہے کہ بلا وضو عمداً و قصداً نماز پڑھنا گناہ کبیرہ ہے؛ مگر اس کے باوجود کاہلی و سستی کی بنا پر بغیر عذر شرعی کے جان بوجھ کر بلا وضو نماز پڑھتی ہے، تو طہارت کی فرضیت کی آیت: **فاغسلوا وجوھکم.** الآیۃ کا عملاً انکار لازم آتا ہے، اور نیز فرمان نبوی ﷺ **"الطھور شطر الایمان"** و دیگر احادیث کا انکار عملی لازم آتا ہے اور قرآن کے قطعی امور کا انکار کفر ہے؛ لہٰذا بعض علماء کا قول ہے کہ جان بوجھ کر بلا وضو نماز پڑھنا کفر ہے، جب یہ تہدید عظیم جس میں خوف کفر ہے، بلا وضو نماز پڑھنے میں وارد ہوئی ہے۔ تو کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین، اس مسئلہ کے بارے میں، جو اس سے متفرع ہوتا ہے۔ یہی میمونہ عمداً و قصداً جنابت کی حالت میں بھی نماز ادا کرتی ہے، اور ایسا مسلسل تین ماہ پندرہ روز تک کیا ہے، اگر اس صورت میں کفر کا فتویٰ ہو، تو نکاح میں کچھ خلل واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر خلل واقع ہوتا ہو، تو تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر عورت زانیہ ہو، تو کیا حکم ہے؟

اور اس سے حائضہ کا مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے، یعنی تین ماہ پندرہ دن کی مدت (جن میں میمونہ نے بلا

---

(۱) وقد ذکروا أن المسئلة المتعلقة بالکفر إذا کان لها تسع و تسعون احتمالا للکفر و احتمال واحد فی نفیه، فالأولی للمفتي و القاضي أن یعمل بالاحتمال الثاني: لأن الخطأ في إبقاء ألف کافر آهون من الخطأ في إفناء مسلم واحد. (شرح الفقه الأکبر-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدین الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۱۹۹، ط: یاسر ندیم، دیوبند)

غسل و وضو کے نماز پڑھی ہے) ایام حیض بھی گزرے ہیں اور حیض اکثر مدت یعنی دس روز سے کم میں بند ہو گیا اور حائضہ کی کوئی عادت مستمرہ بھی نہیں، کبھی سات دن، کبھی پانچ دن اور حنفیہ کا مسلک ہے کہ اکثر مدت سے کم میں حیض بند ہو گیا ہو، تو بغیر طہارت کے شوہر سے وطی جائز نہیں ہے، جب کہ میمونہ نے تین ماہ پندرہ دن تک مطلق طہارت ہی حاصل نہیں کی اور مرد اس کے ساتھ جماع کرتا ہے اور مرد حقیقت سے بے خبر ہے، تو اس سے بھی قرآن شریف کی آیت "لاتقربوھن حتی یطھرن" کا انکار عملی لازم آتا ہے، اور مندرجہ بالا سطور میں گزر چکا ہے کہ قرآن کی قطعیت کا انکار کفر ہے، تو اس سے بھی نکاح میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں؟ اور اس حالت میں جو اولاد قرار پائے گی۔ تو اس کو ناجائز قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ اور اب اس عورت کا شرعی امور میں اعتبار کریں یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

سستی یا جہالت سے یا فرضیت کا اقرار کرتے ہوئے بغیر وضو کے نماز پڑھی، تو کافر نہیں ہوگی، اسی پر فتوی ہے؛ مگر وضو کی فرضیت کا کوئی انکار کرتا ہے یا نماز کے ساتھ استہزاء کرتا ہے، یا نماز کو حقیر سمجھتے ہوئے بغیر وضو کے پڑھتا ہے، تو کافر ہو جائے گا، یہی مفتی بہ ہے۔ (شامی ج ا ص ۵۷)[1]

اسی طریقہ سے وطی حالتِ حیض میں کرنا گناہ کبیرہ ہے، حرام سمجھتے ہوئے وطی کی، تو کافر نہیں ہوگا؛ لیکن حلال سمجھتے ہوئے وطی کی، تو کافر ہوگا۔ (شامی ج ا ص ۲۷) کیوں کہ نص قطعی کا انکار کرتا ہے اور یہ انکار کرنا کفر ہے۔[2]

علم کلام کی مشہور کتاب شرح عقائد (ص: ۸۳، ط: دیوبند) میں اہل سنت والجماعۃ کے مذہب کو بیان کیا ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا کافر نہیں ہوگا، اگر گناہ کبیرہ کو حلال سمجھ کر کرتا ہے، یا دین اور

---

(۱) وبه ظهر أن تعمد الصلاة بلا طهر غير مكفر كصلاته لغير القبلة أو مع ثوب نجس، وهو ظاهر المذهب كما في الخانية. (الدر المختار) و قال ابن عابدين الشامي(م: ۱۲۵۲ھ): (قوله: كما في الخانية) حيث قال بعد ذكره الخلاف في مسألة الصلاة بلا طهارة وأن الإكفار رواية النوادر. وفي ظاهر الرواية لا يكون كفرا، وإنما اختلفوا إذا صلى لا على وجه الاستخفاف بالدين، فإن كان وجه الاستخفاف ينبغي أن يكون كفرا عند الكل. (رد المحتار: ۸۱/۱، كتاب الطهارت، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) (و) وطؤها (يكفر مستحله) كما جزم به غير واحد. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۹۷/۱، باب الحيض، ط: دار الفكر-بيروت)

احکام دین کو ہلکا سمجھتا ہے، تو کافر ہوگا؛ اس لیے کہ احکام شریعت کو جھٹلانے والا ہے۔

آپ کا یہ تحریر کرنا کہ انکار عملی سے کفر لازم آئے گا وغیرہ وغیرہ، اہل سنت والجماعت کے مذہب کے خلاف ہے، عملاً گناہ کا کام کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے نہیں نکلے گا ورنہ تو نماز نہ پڑھنے والا بھی کافر ہوگا۔

رہ گیا تجدید نکاح کا مسئلہ، اگر اس نے گناہ سمجھتے ہوئے یہ کام کیا ہے، تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، ورنہ تجدید نکاح کرنا ہوگا، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں جہاں عدم علم سے ایسے ایسے کلمات زبان سے ادا ہوجاتے ہیں، جو موجب کفر ہیں اور بولنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں کیا زبان سے ادا کرتا ہوں، تو ایسے لوگوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ تجدید نکاح کرتے رہیں۔ [۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] غیر مسلموں کے مذہبی میلوں میں شرکت اور خرید و فروخت

۱۶۸-سوال: ہنود کے مذہبی تیوہار ''گوکول اشٹمی'' کے میلے میں جانا اور وہاں لگی ہوئی دوکانوں سے کوئی چیز خریدنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

ایسے میلوں میں جانا جائز نہیں ہے، گناہ کبیرہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ) [۲]

اِن میلوں میں جا کر کوئی چیز خریدنا یا بیچنا بھی جائز نہیں ہے، حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اِس طرح کی کھیل کود کی جگہوں میں جانا بھی حرام ہے، کوئی مسلمان ایسی چیزوں سے راضی رہے اور اُسے اچھی سمجھے تو یہ اُس کے کفر کا سبب ہوگا۔ [۳]

اِس لیے گوکول آٹھم کے میلے میں جانا، اس میں کسی چیز کو خریدنا جائز نہیں ہے، یہ ان کے تیوہار کو پسند کرنا اور اس کو فروغ دینے اور کفار کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) لأنك تسمع كثيرا من العوام يتكلمون بما يكفر وهم عنها غافلون، والاحتياط أن يجدد الجاهل إيمانه كل يوم ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين في كل شهر مرة أو مرتين، إذ الخطأ وإن لم يصدر من الرجل فهو من النساء كثير. (رد المحتار: ۱/ ۴۲، مقدمة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) فتاویٰ رشیدیہ: ۵۵۴، جواز و حرمت کے مسائل، ط: دار الاشاعت کراچی)

(۳) مجموعہ فتاویٰ عبدالحی: ۵۴۲، مسائل متفرقہ، (مترجم مولانا خورشید عالم صاحب مدرس دار العلوم دیوبند، ط: مکتبہ تھانوی دیوبند)

[۲۷] ''وندے ماترم'' گیت کے بارے میں حکم شرع

۱۶۹-سوال: ذیل میں وندے ماترم گیت کے الفاظ کے سامنے اُس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے، شرعاً اس گیت کی کیا حقیقت ہے؟ اس سے آں جناب ہمیں مطلع فرمائیں۔

وندے (سلام) نمسکار کرنے کا ایک لفظ

ماترم (ماتا کو یعنی ماں کو)

سجلام (اچھے پانی والی)

سفلام (خوب صورت اچھے پھل والی)

ملیجئی (چندن یعنی صندل جیسی خوشبو والی)

شیتلہ (ٹھنڈی)

سستی (اناج، غلہ)

شیاملہ (سیاہ ہے)

شبھر جیوتسنا (سفید چاندی)

پلکت (کھلی ہوئی)

یامین (راتوں والی)

فلی کسومت (کھلے ہوئے پھول اور پھل والی)

درم دل (درختوں کے جنگلوں سے)

شوبھینی (دیدہ زیب)

سُہاسینی (خوبصورت ہنسی والی، خوشنما دِکھائی دینے والی)

سومدھور بھاسنی (میٹھی زبان والی)

سکھدا (آرام اور چین دینے والی)

وردا (ارادہ اور مرضی کے مطابق دینے والی)

ماترم (ماتا، ماں نے)

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ نے وندے ماترم کے معانی لکھے ہیں، یہ صرف ملکی ترانہ نہیں ہے، بل کہ اُس میں ہندو مذہب کا رنگ غالب ہے، جو اسلامی عقائد اور تعلیم کے خلاف ہے، اسلام کا جو مزاج ہے، اُس میں بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اور اُس کی صفات میں کوئی شریک نہیں ہے۔ (۱)

اس ترانہ میں بھومی (زمین) کو ماں کہہ کر تمام صفات اور خوبیوں کو اُسی کے لیے ثابت کیا جارہا ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کے متعلق ان صفات کے حامل ہونے کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، اس میں ایسے الفاظ ہیں، جن سے کفر و شرک کا وہم پیدا ہوتا ہے، اس لیے مسلم اساتذہ اور طلبہ کا اس ترانہ کو پڑھنا، پڑھانا جائز نہیں ہے، اور عام مسلمانوں کو بھی اُس کے گانے سے احتراز ضروری ہے، بل کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ حکومت کی طرف سے مسلم اساتذہ، بچوں اور عام مسلمانوں کو اُس کے گانے سے قانوناً وعملاً مستثنیٰ کروائیں۔ (۲)

دیوبند اور سہارن پور کا فتویٰ بھی اس کے متعلق ہے، ملاحظہ فرمائیں:

الجواب: الحمد للہ رب العالمین، و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین، و علی آلہ و صحبہ أجمعین، أما بعد:

اسلام نے جہاں توحیدِ ذاتی کی تعلیم دی ہے، وہاں توحیدِ صفاتی کی بھی تعلیم دی ہے، لہٰذا اللہ جل شانہٗ

---

(۱) إن اللہ واحد لا شریك له، واحد في أسمائه وصفاته، واحد في ربوبیته، واحد في إلهیته. (شرح العقیدة الطحاویة: ۱/۱۱، عقیدة أهل السنة إفراد اللہ عز وجل في ألوهیته... الخ، ط: دار الکتاب - لبنان)

(۲) بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان میں بہ تدریج فرقہ پرستی کا غلبہ ہوتا جارہا ہے، فرقہ پرست سیاسی جماعتیں برسر اقتدار آرہی ہیں اور انہوں نے بعض ریاستوں میں ایک ایسے ترانہ کو پڑھنے کا لزوم عائد کردیا ہے، جو مشرکانہ تصور پر مبنی ہے، میری مراد "وندے ماترم" سے ہے، یہ سنسکرت زبان کا فقرہ ہے اور اس کے معنی یہ ہے کہ "میں اپنے مادر وطن کا پرستار ہوں اور اس کی عبادت کرتا ہوں"۔ حب الوطنی بری چیز نہیں اور اگر انصاف کے دائرہ میں ہو، تو اسلام اسے پسند کرتا ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہر انسان کے اندر ودیعت ہے، لیکن اسلام میں خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کی جاسکتی اور بندگی صرف خدا ہی کے لیے ہے، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح کے اشعار کا پڑھنا اور ان کو قبول کرنا جائز نہیں۔ (جدید فقہی مسائل - حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ: ۱/ ۳۱۵، متفرقات امارت وقضاء وندے ماترم، ط: زمزم)

(وکذا في کفایت المفتی: ۹/ ۲۸۵، کتاب السیاسات، مسلمان بچوں سے ہندوؤں کا گیت گانے پر احتجاج کیا جائے، دار الاشاعت - کراچی)

کی ذات با صفات میں شرکت کفر و شرک ہے۔

''وندے ماترم'' کا پہلا جملہ اے میری ماں، اسلام کے بنیادی عقیدے کے منافی ہے، کیوں کہ اُس میں خطاب ملک ہند کو ہے، اُس کو ماں کہا گیا ہے، بعد اُس کے لیے تمام صفات کمالیہ ثابت کی گئی ہیں، حالاں کہ تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے مخصوص ہیں، ما سوی اللہ کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا کفر جلی ہے۔

اس لیے بندہ کے نزدیک یہ ترانہ مسلم طلبہ اور اساتذہ کے لیے بہت ہی خطرناک ہے، اگر متکلم یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے تو اُس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

احقر عبد العزیز (مدرسہ عربیہ، سہارن پور)

الجواب: اول تو یہ ترجمہ اصل ترانہ کے انگریزی ترجمہ کا ترجمہ ہے، جب تک ترانہ کے اصل الفاظ سامنے نہ ہوں، کوئی قطعی و حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔

پیش نظر ترجمہ کے الفاظ کا جہاں تک تعلق ہے، دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترانہ محض سیاسی انداز کا نہیں ہے، بل کہ اس میں مذہبی رنگ غالب ہے، جو اسلامی عقائد و نظریات سے میل نہیں کھاتا، بلکہ متصادم ہے، اور اسلام جو مزاج بنانا چاہتا ہے، اُس کے خلاف ہے، اور بعض جملوں میں وہم شرک بھی ہے، اس لیے مسلمانوں کو اُس سے اجتناب اور پرہیز لازم ہے، بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو اُس سے قانوناً و عملاً مستثنیٰ کرائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر محمود غفرلہ
(دار العلوم دیوبند)

[۲۸] ابھی منیو کی قربانی کو حضرت حسینؓ کی قربانی کی طرح قرار دینا

۱۷۰-سوال: زید کا کہنا ہے اور وہ لکھتا ہے کہ کورووں اور پانڈووں کی مذہبی جنگ میں شری کرشن کا نوجوان بھانجا ''ابھی منیو'' شہید ہوتا ہے اور بہن ''سوبھدرا'' کی بے قراری اس سے دیکھی نہیں جاتی، تو اس وقت شری کرشن کہتا ہے کہ بہن! تیرے بیٹے اور میرے بھانجے کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی، بل کہ وہ مذہب کو اور زیادہ مضبوط کرے گی، اسی طرح کربلا کے میدان میں امام حسین اور ان کا خاندان شہید ہوا، حضرت محمد ﷺ بھی فرماتے تھے کہ میرے نواسوں کی شہادت اسلام کی بنیاد کو مزید پختہ کرے گی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا "ابھی منیو' اور حضرت حسینؓ یکساں ہیں؟ زید، شری کرشن اور محمد پیغمبر ﷺ کو یکساں سمجھتا ہے، تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر سوال میں مذکور واقعہ حقیقت کے مطابق ہو، تو اس سے آج کا ہندو مذہب کیسے حق ثابت ہوسکتا ہے؟ پھر جب یہ حقیقت کربلا میں پیش آئی ہے، تو ہندوؤں کو کربلا کو حق سمجھنا چاہیے اور مذہب اسلام کو حق سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے، نہ یہ کہ کوئی مسلمان اپنے مذہب کی صحیح حقیقت - جو قریب میں پیش آچکی ہے - کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی ہزاروں سال پہلے کی ایک کہانی (کتھا) یا حقیقت کی طرف نظر کرے، یہ تو ایسا ہوا گویا اپنے باپ کی سلطنت کو بھول کر سینکڑوں سال پہلے کی فرعون کی سلطنت کو یاد کرے۔

ایسا ہوسکتا ہے کہ سوال میں مذکور کہانی' واقعہ کربلا سے متاثر ہوکر بنائی گئی ہو، یہ سمجھنا کہ ابھی منیو اور شری کرشن بہ منزلہ حضرت حسین اور نبی کریم ﷺ کے ہیں، یہ صریح گمراہی ہے، آپ ﷺ کی نبوت صریح دلائل سے ثابت ہے، آپ واجب الاتباع ہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی واقعۂ قربانی، قابل تقلید ہے، چوں کہ شری کرشن کی نبوت کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے، اور ابھی منیو کے تحقیقی احوال تک سے لوگ ناواقف ہیں؛ اس لیے ایک کو دوسرے کے مماثل قرار دینا غیر معقول ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] یوگی اور راہ سلوک کے مسافر کو ایک جیسا سمجھنا

۱۷۱- سوال: زید کا عقیدہ ہے کہ اگر ایک ہندو بھائی یوگ (ہندوانہ مذہبی ورزش) اختیار کرے اور ایک مسلمان بھائی صوفیاء کی تعلیم اختیار کرے، تو باہم کوئی نفرت وتعصب اور بھید بھاؤ باقی نہ رہے گا، تو پوچھنا یہ ہے کہ کیا زید کا یہ عقیدہ صحیح ہے؟ اگر زید کا عقیدہ ٹھیک نہیں ہے، تو اسے کیا سمجھا جائے؟ کیا ہندو مسلمان میں کوئی فرق نہیں؟ ایمان وکفر میں کوئی فرق نہیں ہے؟ کیا شریعت اسے قبول کرے گی؟ علمائے دین اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ یوگی یوگ اختیار کرنے کی وجہ سے مسلمان کہلائے گا؟

الجواب حامداومصلیا:

تصوف کے کچھ طریقوں کے مماثل (ملتے جلتے) ہونے کی وجہ سے مقصد میں اتحاد پیدا نہیں ہوتا، یوگی اپنے عقیدے کے مطابق مقصد حاصل کرنے لیے ریاضت کرے گا تو وہ شیطان کی راہ چل کر جہنم میں

جائے گا اور صوفی اسی طریقے سے اپنے عقیدہ کے مطابق ریاضت کرے گا، تو وہ جنت میں پہونچے گا، طریقے ایک ہونے سے مقصد ایک نہیں ہوتا، اگر زید کا عقیدہ یہ ہے کہ صوفی اور یوگی دونوں حق پر ہیں اور یوگی بھی جنت میں جائے گا، تو زید ایمان سے خارج ہے، توبہ کرے اور نکاح کی تجدید کرے۔ [۱]
فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۳۰] پوری انسانیت کو اللہ کی اولاد قرار دینا

۱۷۲-سوال: زید کا کہنا اور ماننا ہے کہ گیتا اور قرآن کو دیکھنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے، کرنے دھرنے والی ذات وہی ہے، پیدا کرنے والا اور پالنے والا وہی ہے۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ پوری انسایت ایک ہی باپ (ایشور) اللہ کی معنوی اولاد ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورۂ اخلاص میں تو فرمایا گیا کہ نہ اللہ کسی کی اولاد ہے، نہ اللہ کی کوئی اولاد ہے [۱] تو پھر زید کے اس عقیدہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

محض ایشور کو ایک ماننے کی وجہ سے توحید ثابت نہیں ہوجاتی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت عرب کے مشرکین بھی اس بات کے قائل تھے کہ رب اور خالق اللہ تعالیٰ ہے، مگر بت پرستی بھی کرتے تھے۔ [۲] اگر گیتا کی تعلیم واقعۃً قرآن کریم جیسی ہی ہے، تو تمام گیتا کے ماننے والوں کو گیتا چھوڑ کر قرآن کریم کو اپنالینا چاہیے، مگر کوئی ہندو تو ایسا نہیں ہے، جو یہ کہے کہ قرآن کریم میں وہی ہے، جو گیتا میں ہے (لہٰذا تم مذہب اسلام کو قبول کرلو یا کم از کم مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھو) مگر مسلمانوں میں ایک طبقہ ہے، جس کے پاس سورج کی

---

(۱) قال اللہ تعالی: مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ. [-۱۱ ھود:۲۴]
(۲) قال اللہ تعالی: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۞ اللَّهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۞ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۞ [-۱۱۲ الاخلاص:۱-۴]
(۳) قال اللہ تعالی: وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ. (-۲۹ العنکبوت:۶۱)
قال اللہ تعالی: وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ. [-۲۹ العنکبوت:۶۳]
قال اللہ تعالی: وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ. [-۳۹ الزمر:۳۸]

روشنی ہے، اس کے باوجود وہ ستاروں کی روشنی کا طالب ہے، اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق قائم کرنا چاہتا ہے، یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں سے دوستی کو منع فرمایا ہے۔[1] اس لیے اس طبقہ کو اپنے افکار پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔ اگر زید کا واقعۃً یہ عقیدہ ہے کہ پوری انسانیت حقیقت میں اللہ کی اولاد ہے، تو وہ ایمان سے خارج ہے۔[2] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۳۱] پیر کی تصویر کو چراغاں کرنا اور اسے گھر میں رکھنا

۱۷۳-سوال: ایک شخص پیران پیر صاحب کی تصویر گھر میں رکھتے ہیں اور اس کے سامنے چراغاں

---

(۱) لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً. (۳-آل عمران: ۲۸)

قال أبو بكر الجصاص (م: ۳۷۰ھ): وقوله تعالى: لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين الآية. فيه نهي عن اتخاذ الكافرين أولياء، لأنه جزم الفعل، فهو إذا نهي، وليس بخبر. قال ابن عباس: نهى الله تعالى المؤمنين بهذه الآية أن يلاطفوا. ونظيرها من الآي قوله تعالى: لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالا. وقال تعالى لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباءهم أو أبناءهم الآية. وقال تعالى: فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين. وقال تعالى: فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره إنكم إذا مثلهم. وقال تعالى: ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار. وقال تعالى: فأعرض عن من تولى عن ذكرنا ولم يرد إلا الحياة الدنيا. وقال تعالى: وأعرض عن الجاهلين. وقال تعالى: يا أيها النبي جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم. وقال تعالى: يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم أولياء بعض. وقال تعالى: ولا تمدن عينيك إلى ما متعنا به أزواجا منهم زهرة الحياة الدنيا لنفتنهم فيه. فنهى بعد النهي عن مجالستهم وملاطفتهم عن النظر إلى أموالهم وأحوالهم في الدنيا...الخ. (أحكام القرآن: ۲/۲۸۸ - ۲۸۹، آل عمران: ۲۸، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۳۶۲ھ- ۱۹۴۳ء) آل عمران کی آیت نمبر ۲۸ کے تحت رقم طراز ہیں:

کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں: موالات، یعنی دوستی۔ مدارات، یعنی ظاہری خوش خلقی۔ مواساۃ، یعنی احسان ونفع رسانی، موالات تو کسی حال میں جائز نہیں، اور مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ایک دفع ضرر کے واسطے، دوسرے اس کافر کی مصلحت دینی یعنی توقع ہدایت کے واسطے، تیسرے اکرام ضیف کے لیے، اور اپنی مصلحت ومنفعت مال وجان کے لیے درست نہیں، اور مواسات کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز۔ (بیان القرآن: ۲۰۴، ط: المکتبۃ الاشرفیہ، دیوبند)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ [۱۱۲-الإخلاص: ۱-۴]

کرتے ہیں، اس کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور دونوں ہاتھ چراغ پر رکھ کر اس کو اپنے منہ وغیرہ پر پھیرتے ہیں، اس کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟ اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

پیر، ولی یا نبی کی تصویر گھر میں رکھنا جائز نہیں ہے، حرام ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: قیامت کے دن تصویر بنانے والے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (۱)

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ: جن گھروں میں تصویریں ہوتی ہیں، ان میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (۲)

اس قسم کی تصویروں کے سامنے مرادیں مانگنا اور اپنی حاجات پیش کر کے ان کو حاجت روا سمجھنا اسلام سے محرومی کا باعث ہے۔ (۳) مزید معلومات کے لیے ''عقائد اسلام'' اور ''مصیبتوں کے اسباب'' جیسی گجراتی کتب کا مطالعہ کریں۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن مسلم، قال: كنا مع مسروق، في دار يسار بن نمير، فرأى في صفته تماثيل، فقال: سمعت عبد الله، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۸۰، رقم الحديث: ۵۹۵۰، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ط: البدر-ديوبند)

(۲) عن عائشة... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...إن البيت الذي فيه الصور، لا تدخله الملائكة. (المصدر السابق)

(۳) وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللهِ مَنْ لا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلى يَوْمِ الْقِيامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعائِهِمْ غافِلُونَ. (۴۶-الأحقاف: ۵) ______ أي هو أضل من كل ضال، حيث ترك دعاء المجيب، القادر، المستجمع، لجميع صفات الكل، كما يشعر بذلك الاسم الجليل، ودعا من ليس شأنه الاستجابة له، وإسعافه بمطلوبه إلى يَوْمِ الْقِيامَةِ ...{ وَهُمْ عَنْ دُعائِهِمْ }... أي والذين يدعون من لا يستجيبون لهم عن دعائهم إياهم { غافلون } لا يسمعون ولا يدرون، أما إن كان المدعو جماداً فظاهر، وأما إن كان من ذوي العقول، فإن كان من المقبولين المقربين عند الله تعالى، فلاشتغاله عن ذلك بما هو فيه من الخير، أو كونه في محل ليس من شأن الذي فيه أن يسمع دعاء الداعي للبعد كعيسى عليه الصلاة والسلام اليوم. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني-شهاب الدين محمود الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۱۳/ ۱۶۴، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۴) حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں کتاب بہ زبان اردو 'عقائد اسلام' اور 'اسباب مصیبت اور ان کا حل' کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔

[٣٢] حکومتی قانون سے فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا

١٧٤-سوال: ایک غیر مسلم مرد وعورت، موجودہ حکومت کے قانون سے فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں، مذہب اسلام سے حقیقت میں ان کو کوئی دل چسپی نہیں ہے، غیر مسلم کے لیے ہندوستانی قانون کے مطابق دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ اس لیے یہ دونوں (غیر مسلم مرد وعورت) دوسری شادی کرنے کے لیے مذہب اسلام کو اختیار کر رہے ہیں، مقصود صرف اپنی شادی کو قانونی جواز فراہم کرنا ہے، تو کیا ان کو مسلمان سمجھا جائے گا؟

الجواب حامداومصلیا:

مذہب اسلام کی بنیاد مخصوص عقائد پر ہے۔[١] عبادت وبندگی کی بنیاد اخلاص پر ہے۔[٢] اور اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی کام اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیا جائے، دنیوی منفعت اور اپنے غلط مقصد کے حصول کے لیے جو بھی کام کیا جائے گا، وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہوگا۔

جس شخص کے دل میں کفر وشرک کی گندگی بھری ہوئی ہو اور ظاہر میں اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے مسلمان بتلاتا ہو، ایسا شخص منافق کہلائے گا۔[٣] جس کی قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بڑی سخت

---

(١) العقائد: مايقصد فيه نفس الاعتقاد دون العمل. (كتاب التعريفات-علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني، باب الفتن، ص: ١٥٢، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(٢) عن محمود بن لبيد، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر" قالوا: وما الشرك الأصغر يا رسول الله؟ قال: "الرياء، يقول الله عز وجل لهم يوم القيامة: إذا جزي الناس بأعمالهم: اذهبوا إلى الذين كنتم تراءون في الدنيا فانظروا هل تجدون عندهم جزاء". (مسند الإمام أحمد: ٣٩/٣٩، رقم الحديث: ٢٣٦٣٠، ط: مؤسسة الرسالة☆المعجم الكبير - الطبراني (م: ٣٦٠هـ): ٢٥٣/٤، رقم: ٤٣٠١، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة☆شعب الايمان- أبوبكر البيهقي (م: ٤٥٨هـ): ١٥٤/٩، رقم: ٦٤١٢، اخلاص العمل لله عز وجل وترك الرياء، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية بومباي بالهند☆ شرح السنة-محيي السنة، البغوي الشافعي (م: ٥١٦هـ): ٣٢٤/١٤، رقم: ٤١٣٥، ت: شعيب الأرنؤوط-محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي-دمشق-بيروت)

(٣) المنافق: هو الذي يضمر الكفر اعتقادًا ويظهر الإيمان قولًا. (كتاب التعريفات-علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (م: ٨١٦هـ): ٢٣٥، باب الميم، ط: دار الكتب العلمية بيروت-لبنان)

سئل حذيفة: من المنافق؟ قال: «الذي يصف الإسلام ولا يعمل به». (مصنف ابن شيبة: ٤٨٣/٧، رقم: ٣٧٤١٥، =

وعیدیں وارد ہوئی ہیں؛ چناں چہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (۴)

ترجمہ: اور ان (کافروں) میں سے بعضے ایسے بھی ہیں، جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر اور (حالاں کہ) وہ بالکل ایمان والے نہیں ہیں۔ چال بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے‘ جو ایمان لا چکے ہیں (یعنی محض چال بازی کی راہ سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں) اور وہ واقعی میں کسی کے ساتھ بھی چال بازی نہیں کرتے، بہ جز اپنی ذات کے‘ اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں (بڑا) مرض ہے، سو اور بھی بڑھا دیا اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض اور ان کے لیے سزائے دردناک ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

اسی طرح ’’سورۂ منافقون‘‘ میں بھی منافقین کا تفصیلی بیان آیا ہے۔ (۵) احادیث مبارکہ میں بھی ان کے متعلق بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (۶)

= کتاب الفتن، من کرہ الخروج فی الفتنة الخ، ت: کمال یوسف الحوت، ط: مکتبة الرشد - الریاض)

هو إبطان الكفر وإظهار الإسلام. (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۱۲۷، كتاب الايمان، باب الكبائر، وعلامات النفاق، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) - ۲ البقرة: ۸ تا ۱۰۔

(۵) إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (۶۳ - المنافقون: ۱ تا ۳)

ترجمہ: جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اس میں تو ان کے قول کی تکذیب نہیں کی جاتی) اور (باوجود اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال بچانے کے لیے) سپر بنا رکھا ہے پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بیشک ان کے یہ اعمال بہت ہی برے ہیں۔ (اور ہمارا) یہ (کہنا کہ ان کے اعمال بہت برے ہیں) اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (اول ظاہر میں) ایمان لائے، پھر (کلمات کفریہ کہہ کر) کافر ہو گئے، سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے۔

(۶) وأما الكافر - أو المنافق - فيقول: لا أدري، كنت أقول ما يقول الناس، فيقال: لا دريت ولا تليت، ثم يضرب =

اس لیے ایسے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مذہب اسلام کو سچے دل سے قبول کریں، صرف ملکی قانون سے بچنے کے لیے اپنے اسلام کا اظہار نہ کریں، صحیح معنوں میں اسلام لانے کے بعد مرد اپنی پرانی بیوی کو بھی اسلام کی دعوت دے، اگر وہ اسلام قبول کرلیتی ہے، توان کا سابق نکاح اپنے حال پر باقی رہے گا اور اسلام قبول کرنے سے انکار کردے، توان کا نکاح ختم ہوجائے گا، پھر اپنا دوسرا نکاح کرنے میں عجلت سے کام نہ لے، تاکہ مذہب اسلام بدنام نہ ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲/۹/ ۱۹۷۷ء

[۳۳] علامات کفر پائے جانے کی صورت میں ختنہ دلیل ایمان نہیں

۱۷۵-سوال: ہمارے یہاں آج سے تقریباً ۲۵ سال سے کسی دوسری جگہ کا ایک آدمی رہتا ہے، وہ کوئی بھی زبان نہیں بول سکتا، اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ ہندو ہے، وہ کسی مذہب کی پیروی نہیں کرتا اور اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے، ہمارے ساتھ رہ کر ہماری زبان سیکھ گیا ہے اور جب اذان ہوتی ہے تو اس طرح کے الفاظ بولتا ہے ''اللہ باوا کی جے'' اب تقریباً چھ مہینے سے وہ آدمی بیمار ہے۔

اگر اس آدمی کا انتقال ہوجائے، تو ہم کیا کریں؟ جب یہ آدمی ہمارے پاس رہنے کے لیے آیا تھا، اس وقت اس کی عمر ۲۲ رسال تھی، فی الحال اس کی عمر ۴۵ سے ۴۷ سال ہے، تو اس کو دفن کریں یا پھر دوسری قوم کے حوالہ کردیں؟ اس آدمی کو اپنا نام بھی ٹھیک سے یاد نہیں، جب اس کے گاؤں کا نام پوچھتے ہیں، تو

=بمطرقة من حديد ضربة بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه إلا الثقلين ". (صحيح البخاري: ۱/۱۷۸، رقم الحديث: ۱۳۲۲، كتاب الجنائز، باب خفق النعال، ط: البدر، دیوبند)

عن عبد الله في قوله تعالى: {إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ} [النساء: ۱۴۵] الأسفل من النار. قال: «في توابيت من حديد مبهمة عليهم». (الزهد- أبو السَري هَنّاد بن السَري الكوفي (م: ۲۴۳هـ): ۱/۱۶۱، باب الخلود في النار، رقم: ۲۲۳، ت: عبد الرحمن عبد الجبار الفريوائي، ط: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي - الكويت)

قال ابن مسعود: أي أهل النار أشد عذابا؟ فقال رجل: المنافقون، قال: صدقت. قال: فهل تدري كيف يعذبون. قال: يجعلون في توابيت من حديد، تطبق عليهم، ثم يجعلون في الدرك الأسفل من النار، في تنانير أصغر من الزج، يقال له جب الحزن، فيطبق على أقوام بأعمالهم آخر الأبد. (النهاية في الفتن والملاحم - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۴هـ): ۲/۱۷۶، ألوان من عذاب اهل النار، ت: محمد أحمد عبد العزيز، ط: دار الجيل - بيروت)

صرف رانجی بتلاتا ہے اور اس کا نام پوچھتے ہیں، تو ''کنک سنگھ'' کہتا ہے اور باپ کا نام ''پریتم'' بتلاتا ہے، جب وہ آیا، اس وقت بالکل مادرزاد ننگا تھا، جب اسے کپڑے دیے جاتے، تو پھاڑ ڈالتا تھا، فی الحال کپڑے پہنتا ہے اور جب سے یہاں آیا تھا، اسی وقت سے ختنہ شدہ ہے، اب ہم کیا سمجھیں؟ اگر اس آدمی کا اچانک انتقال ہو جائے، تو دفن کر دیں یا دوسری قوم کو سپرد کر دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی ذکر کردہ تفصیل کے مطابق مذکورہ آدمی اپنے باپ کا نام کافروں جیسا بتلاتا ہے، تو ختنہ کی وجہ سے اس کے مسلمان ہونے حکم نہیں لگایا جائے گا؛ کیوں کہ غیر مسلم حضرات بھی صحت وتندرستی کے لیے ختنہ کرواتے ہیں اور اذان کو سن کر جو لفظ وہ بول رہا ہے، اس سے بھی کفر کی بو آرہی ہے؛ لہٰذا آپ اس کے پاس کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت عربی، اردو یا گجراتی میں سمجھا کر بلوالیں، وہ اپنی رضامندی سے کہہ دے گا، تو مسلمان سمجھا جائے گا۔[1] ورنہ اسے مسلمان نہیں شمار کیا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ کو جنگ بدر وکربلا کے ساتھ تشبیہ دینا

۱۷۶-سوال: مہابھارت کے پانڈوؤں اور کوروؤں کے درمیان کی جنگ کو بدر (جو کہ حق و باطل کے درمیان کی مذہبی معرکہ آرائی تھی) اور جنگ کربلا کی طرح قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ کوروؤں اور پانڈوؤں کا وجود ہوا ہے یا نہیں؟ اور ان کی جنگ کی حقیقت دنیا میں رونما ہوئی ہے یا نہیں؟ اور ان کا کہنا کیا تھا؟ بدر اور کربلا کے مقصد کے ساتھ اس کو تشبیہ کس بنیاد پر دی جائے؟ کوروؤں اور پانڈوؤں کی جنگ کو جنگ بدر اور معرکہ کربلا سے تشبیہ دینا غلط ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] صرف کافر بننے کا ارادہ کرنے سے کوئی کافر نہیں ہوگا

۱۷۷-سوال: ایک آدمی غصہ میں ان الفاظ کا تکلم کیا کہ جب فیملی اور خاندان والے نیز رشتہ دار

---

(۱) ... فقال: ما الإيمان؟ قال: «الإيمان أن تؤمن باللہ وملائکته، وکتبه، وبلقائه، ورسله وتؤمن بالبعث. (صحیح البخاري: ۱/ ۱۲، رقم الحدیث: ۵۰، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل. الخ، ط: البدر-دیوبند)

اور دوست واحباب میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے اور میرے ساتھ سلام وکلام کا معاملہ بھی نہیں رکھتے اور مسلمان نہیں سمجھتے، تو میرے مسلمان رہنے سے کیا فائدہ؟ لہٰذا اب میں ان کی اذیتوں سے عاجز آ کر دو چار دن میں مذہب بدلنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں، تو کیا ان الفاظ کی وجہ سے مذکورہ آدمی ایمان سے نکل جائے گا؟

(۲) اگر واقعی وہ ایمان سے نکل گیا، تو کیا اس کی بیوی بھی ایمان سے نکل جائے گی؟ ان دونوں کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور آئندہ کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

ایمان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہے، ہر ایمان والے کو اس نعمت پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے اور اس نعمت کے چھین جانے سے ڈرتے بھی رہنا چاہیے، امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس کے متعلق عنوان قائم کرکے اس میں احادیث اور آیات نقل کی ہے: "باب خوف المؤمن أن یحبط عمله وهو لا یشعر"[1] (مومن کو اس بات سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ اس کے اعمال برباد ہو جائیں اور اسے خبر بھی نہ ہو)

دنیا میں ہر شخص حالات سے پریشان ہے، حالات سے مایوس ہوکر اور طیش میں آ کر تبدیلیٔ مذہب کے بارے میں سوچنا بہت ہی خطرناک چیز ہے، حقیقتاً یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے اور گناہوں کی نحوست ہے؛ لہٰذا توبہ اور استغفار کرنا ضروری ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ ایمان والوں کی جانب سے ایک مومن کو اتنا عاجز و پریشان کر دیا جائے کہ وہ مذہب بدلنے کی (نعوذ باللہ) سوچ لے، یہ بہت ہی دکھ کی بات ہے، اگر کسی آدمی سے بھول ہوگئی ہو، تو اس کو تھوڑی بہت سرزنش کی جائے، اگر کوئی آدمی مالی پریشانی کی وجہ سے ایسی خراب بات سوچ رہا ہو، تو مسلمانوں پر اس کی مدد کرنا ضروری ہے اور اگر ذاتی یا بال بچوں کی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ایسا خیال کرے، تو اس کی امداد کرنی چاہیے، کسی کو اس حد تک پریشان کرنا کہ وہ ایمان چھوڑ دینے کے بارے میں سوچنے لگے، جائز نہیں ہے؛ لہٰذا دونوں فریق کو بہت ہی زیادہ توبہ واستغفار کرنے کی ضرورت ہے، شامی میں ہے: "لا یخرج الرجل من الإیمان إلا جحود ما أدخله فیه، ثم ما تیقن أنه ردة یحکم بها، وما یشك أنه ردة لا

---

(۱) صحیح البخاري: ۱/ ۱۲، کتاب الایمان، ط: البدر - دیوبند.

يحكم بها، إذ الإسلام الثابت لا يزول بالشك مع أن الإسلام يعلو وينبغي للعالم إذا رفع إليه هذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام مع أنه يقضي بصحة إسلام المكره... وفي الفتاوى الصغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافرا متى وجدت رواية أنه لا يكفر اهـ وفي الخلاصة وغيرها: إذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم. زاد في البزازية إلا إذا صرح بإرادة موجب الكفر فلا ينفعه التأويل حينئذ. وفي التتارخانية: لا يكفر بالمحتمل، لأن الكفر نهاية في العقوبة فيستدعي نهاية في الجناية، ومع الاحتمال لا نهاية اهـ والذي تحرر أنه لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان في كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة، فعلى هذا فأكثر ألفاظ التكفير المذكورة لا يفتى بالتكفير فيها ولقد ألزمت نفسي أن لا أفتي بشيء منها. (رد المحتار: ۴/ ۲۲۳، ۲۲۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر)

مطلب یہ ہے کہ ایمان اصل میں دل سے یقین کرنے کا نام ہے اور محض شک وشبہ کی وجہ سے ایمان ختم نہیں ہوتا، مذکورہ شخص نے مذہب تبدیل نہیں کیا ہے، صرف ایسا سوچ رہا ہے، اس کی وجہ سے وہ آدمی کافر نہیں ہوگا؛ البتہ یہ سوچ بھی بہت بری ہے؛ لہٰذا خوب توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مذکور آدمی کافر نہیں ہوا؛ لہٰذا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نہیں نکلے گی۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲۹/رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۷/۱۰/۲۰۰۱ء

[۳۶] آتما، نفس اور روح کو برابر قرار دینا درست ہے؟

۱۷۸-سوال: زید کا کہنا ہے کہ آتما امر ہے، وہ تین طرح کے اوصاف سے متصف ہے: (۱) ستیہ گون۔ (۲) رجوگون۔ (۳) تموگون، ریاضت، سخاوت، خدمت، عبادت، یہ سب ستیہ گون سے کرنا چاہیے، تب ہی عمدہ ہے، یہی بات قرآن کریم میں محمد صاحب نے فرمائی ہے کہ نفس، روح، آتما امر ہے اور وہ تین اقسام پر ہے:

(۱) نفس امارہ، (رجوگونی آتما) جو ظلمت میں لپٹا ہوا ہے۔

(۲) نفس لوامہ، تموگونی آتما

(۳) نفس مطمئنہ، ستیہ گونی آتما، جو اچھے کاموں کا خیال رکھ کر اللہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرتا ہے،

اس طرح کرنے سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ قرآن کریم میں بات محمد صاحب کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ؟ زید کا آتما، نفس اور روح کو برابر قرار دینا درست ہے؟ کیا زید کا یہ عقیدہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، روح اور نفس میں فرق ہے یا نہیں، یہ بات ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔[1] اس میں بہت سارے اقوال ہیں۔

گیتا میں جو بات لکھی ہے وہ بہت اچھی ہے، انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پھر جب قرآن کریم میں یہی بات ہے، تو قرآن کریم حق ہے، اسے مان لینا چاہیے اور دو چند باتوں میں مماثلت کی وجہ سے دونوں کتابوں میں مماثلت ثابت نہیں ہوتی، تورات، زبور، انجیل بھی تو اللہ ہی کی کتابیں ہیں، ان کی بھی بہت سی باتیں باہم ملتی جلتی ہیں، تو کیا اس وقت بجائے قرآن کے توریت کو قابل عمل گردانا جاسکتا ہے؟ بس مختصر یہ کہ قرآن کریم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے بعد ہمیں کسی کی ضرورت نہیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۳۷] شری کرشن کو نبوت میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل قرار دینا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۹-سوال: زید کے دوستوں کا کہنا ہے کہ زید ہندو مذہب کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس نے ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں سے ہندو مذہب کی کتابوں کا علم حاصل کر کے PHD کی ڈگری بھی حاصل کی ہے اور ہندو مذہب پر کتابیں بھی لکھی ہیں، ان کتابوں میں اس نے قرآن کریم کو عجیب وغریب طریقے پر بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ اور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے بزرگوں کے ساتھ شری کرشن کو شریک کیا ہے، (ان کو ایک جیسا قرار دیا ہے) سوال یہ ہے کہ ایسے عقیدے کا حامل شخص دائرۂ اسلام میں داخل سمجھا جائے یا خارج؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''قرآن کریم کو عجیب وغریب طریقے پر بیان کیا ہے'' اس کی کوئی مثال سوال میں مذکور نہیں ہے۔

---

(۱) وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا. (۱۷-الاسراء: ۸۵)

(۲) وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (۳-آل عمران: ۸۵)

کتاب (زید کی کتاب) سے اس کی کوئی مثال پیش کر کے سوال کرنا چاہیے؛ تا کہ صحیح جواب دیا جا سکے، اسی طرح حضور اقدس ﷺ اور دیگر بزرگان دین کے ساتھ شری کرشن کو شریک کیا ہے، اس کا مطلب بھی بغیر مثال کے سمجھنا مشکل ہے، اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ جو شخص قرآن کریم کو اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب نہیں مانتا، وہ دائرۂ ایمان سے خارج اور مرتد ہے۔ [۱] اسی طرح تاج دار انبیاء حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کرشن جیسے شخص کو (جس کی نبوت بہ طریق صحت ثابت نہیں) شریک کرنا انتہائی بے ادبی و گستاخی ہے۔

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔　　کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۳۸] شری کرشن کو نبی اور گیتا کو آسمانی کتاب ماننا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۸۰- سوال: زید کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں اور گیتا کے شلوک میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں ہی برابر ہیں، گیتا آسمانی کتاب ہے، جو شری کرشن جیسے نبی پر اللہ نے نازل کی ہے؛ لہٰذا تمام مسلمانوں پر گیتا کو آسمانی کتاب اور شری کرشن کو انبیاء میں سے ماننا لازم ہے۔ زید کے اس خیال سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور مذکورہ اعتقاد رکھنے والے اور اس خیال کو لوگوں میں عام کرنے والے لوگوں کو کیا سمجھا جائے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قرآن کریم اور گیتا میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں برابر ہے" اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک درجے کی آسمانی کتابیں ہیں، تو اس طرح کا اعتقاد رکھنے والا اور شری کرشن کو نبی ماننے والا اور دوسروں کو نبی ماننے کی دعوت دینے والا سخت گنہگار ہے؛ کیوں کہ گیتا کا آسمانی کتاب ہونا ثابت نہیں ہے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وإن القرآن كلام الله منه بدا بلا كيفية قولا وأنزله على رسوله وحيا وصدقه المؤمنون على ذلك حقا وأيقنوا أنه كلام الله تعالى بالحقيقة ليس بمخلوق ككلام البرية فمن سمعه فزعم أنه كلام البشر فقد كفر وقد ذمه الله وعابه وأوعده بسقر حيث قال تعالى (سأصليه سقر) [المدثر: ۲۶] فلما أوعد الله بسقر لمن قال: (إن هذا إلا قول البشر) [المدثر: ۲۵] علمنا وأيقنا أنه قول خالق البشر ولا يشبه قول البشر. (العقيدة الطحاوية- أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الأزدي المصري المعروف بالطحاوي (م: ۳۲۱هـ) ص: ۴۰-۴۱، شرح وتعليق: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتب الإسلامي- بيروت)

(۲) إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۱۲- يوسف: ۲)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا. (۳۳- الأحزاب: ۴۰)

[۳۹] شری کرشن، گوتم بودھ اور رام کو نبی ماننا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۸۱-سوال: زید کہتا ہے کہ شری کرشن کے ساتھ گوتم بودھ اور رام کو بھی نبی (پیغمبر) ماننا لازم ہے، زید کے اس اعتقاد کے سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

یہ گمراہی ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] شری کرشن کو خدا اور گیتا کو اللہ کا کلام ماننا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۸۲-سوال: زید کا یہ عقیدہ ہے اور اس نے لکھا ہے کہ شری کرشن فنا فی اللہ ہونے کی حالت میں جو کچھ بولتے ہیں، وہی گیتا ہے اور گیتا کا پیغام دینے والے شری کرشن وحدۃ الوجود کی حالت میں خود بھگوان یا اشور (اللہ) بولتے ہیں، تو زید کا یہ عقیدہ کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

اس سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ زید کرشن کو خدا اور گیتا کو اللہ کا کلام مانتا ہے؛ حالاں کہ یہ صریح کفر ہے۔[2] کرشن اگر خدا ہے، تو پیغمبر کیسے ہو سکتے ہیں؟ نیز وحدۃ الوجود کا عقیدہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۱] عباس علی تائی کے معافی نامہ کے متعلق چند سوالات

۱۸۳-سوال: تاریخ ۱رجنوری ۱۹۹۳ء کے ماہ نامہ ''طیبہ'' میں سونواڑی کے باشندے عباس علی بھائی نے جو ''معافی نامہ'' شائع کروایا، اسی طرح اسی ماہ یعنی جنوری ۱۹۹۳ء کو آنند سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''التبلیغ'' میں ڈاکٹر تائی کا ''معافی نامہ'' شائع ہوا، جس سے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے؛ چناں چہ بہت

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (۴۰-غافر: ۷۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: باب ما یتعلق بالانبیاء واتباعہم۔

(۲) وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. (لقمان: ۱۳)

سے لوگوں کے ہمارے دارالاشاعت میں خطوط آئے ہیں، ان کے جوابات کے لیے ہم آپ کو اس بات کی زحمت دیتے ہیں کہ درج ذیل ۳/سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں؟

سوال: ہندی اشعار میں ''شری کرشن کے مختلف پہلو'' کے عنوان پر ایک بڑا مضمون لکھ کر مضمون نگار نے P.H.D کی ڈگری حاصل کی ہے، جس میں انہوں نے اسلام پر کچھ اعتراضات کیے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری کتابیں یہ ہیں: (۱) ہندی اشعار میں شری کرشن کا بال روپ (۲) ہندی اشعار میں کرشن راجہ کا دھرم راج (۳) ہندی اشعار میں کرشن کا درشنک روپ؛ وغیرہ، ان کتابوں کی وجہ سے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہے، اور آج وہ اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر اور مصنف جیسے القاب لکھتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ان کے ان عقائد کو کیسا سمجھنا چاہیے؟ اور اس ڈگری کو کینسل کرنا ان کے لیے لازم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

کسی بھی مسلمان پر کفر کا حکم لگانے میں شرعاً حتی الامکان احتیاط کا حکم ہے۔ [1] پہلی مرتبے کی گفتگو کے متعلق عباس بھائی نے جو معافی نامہ لکھا ہے، خواہ معافی کے بعد ان کے دل میں کچھ ہو، ان کے ایمان سے خارج ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے، اگر انہوں نے دھوکے بازی کی ہے، تو اس کا وبال ان پر ہوگا۔

ان کو اپنے بے بنیاد عقیدے اور مضمون نگاری کی بنا پر جو ڈگری ملی ہے، اسے ٹھکرا دینا چاہیے، ورنہ وہ

---

(۱) لا يفتى بالكفر بشيء منها إلا فيما اتفق المشايخ عليه كما سيجيء قال في البحر: وقد ألزمت نفسي أن لا أفتي بشيء منها.. (الدر المختار) روى الطحاوي عن أصحابنا لا يخرج الرجل من الإيمان إلا جحود ما أدخله فيه ثم ما تيقن أنه ردة يحكم بها وما يشك أنه ردة لا يحكم بها إذ الإسلام الثابت لا يزول بالشك مع أن الإسلام يعلو وينبغي للعالم إذا رفع إليه هذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام مع أنه يقضي بصحة إسلام المكره... وفي الفتاوى الصغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافرا متى وجدت رواية أنه لا يكفر وفي الخلاصة وغيرها: إذا كان في المسألة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم زاد في البزازية إلا إذا صرح بإرادة موجب الكفر فلا ينفعه التأويل ح وفي التتارخانية: لا يكفر بالمحتمل، لأن الكفر نهاية في العقوبة فيستدعي نهاية في الجناية ومع الاحتمال لا نهاية اهـ والذي تحرر أنه لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن أو كان في كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة فعلى هذا فأكثر ألفاظ التكفير المذكورة لا يفتى بالتكفير فيها ولقد ألزمت نفسي أن لا أفتي بشيء منها. (رد المحتار: ۴/ ۲۲۳، ۲۲۴، كتاب الجهاد، باب المرتد، ط: دار الفكر)

البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۵/ ۱۳۵، باب احكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي.

گنہ گار ہوں گے؛ لیکن اگر اس گمان سے اپنی ڈگری رد نہ کرتے ہوں کہ یہ ڈگری مجھے میری محنت اور لیاقت کی بنا پر ملی ہے، تو بھی ان کے ایمان سے خارج ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے؛ کیوں کہ اس عقیدے سے متعلق وہ معافی مانگ چکے ہیں؛ لیکن جو ڈگری (عہدہ) اپنے ایمان کے بارے میں لوگوں کو شک میں مبتلا کرتی ہو، اسے چھوڑ دینا چاہیے، اسلام کا تو یہ حکم ہے کہ تہمت کی جگہ سے دور رہو۔ [1] اگر کوئی آدمی تھیٹر کے پاس چکر لگاتا رہتا ہو، جس کی وجہ سے کوئی اس کو فاسق سمجھ بیٹھے، تو فاسق سمجھنے والوں کی اس میں غلطی نہیں ہے؛ بل کہ خود اس کی غلطی ہے؛ لہٰذا اس ڈگری کو (اپنے نام سے) ہٹا دینا چاہیے، ورنہ تو معافی میں شک وشبہ رہے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۲] ڈاکٹر عباس علی تائی کی معافی کے متعلق چند سوالات = ایضاً

۱۸۴-سوال: ذیل میں پوچھے گئے سوالات (مسئلہ) کے متعلق علماء دین، مفتی صاحبان شریعت کی رو سے کیا فرماتے ہیں؟ برائے کرم تفصیل سے جواب دیجیے۔

ڈاکٹر عباس علی تائی نے اپنی متعدد تصنیفات میں ایسی باتیں لکھی ہیں، جو اسلامی نقطۂ نظر سے بہت ہی بری ہیں، اس کے متعلق کچھ سوالات بھیج رہا ہوں، جواب عنایت فرمائیں۔

سوال: ڈاکٹر عباس علی تائی نے اتنی بڑی غلطی کے سلسلے میں صرف سرسری وضاحت پیش کر کے مسلم معاشرہ میں اپنے خلاف ابھرنے والے ہنگامہ کو دبانے کی ناپاک کوشش کی ہے، جب کہ اس نے جھوٹ بول کر، لوگوں کی غلط رہ نمائی کر کے شریعت کے حسین چہرے کو داغ دار کرنے کی نامسعود سعی کی ہے، میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ دین کا اتنا بڑا باغی، اتنا بڑا گنہ گار اپنے بچاؤ کے لیے صرف اتنی وضاحت پیش کرے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، تو اس کی معافی اور توبہ قابل قبول ہے یا نہیں؟

(الف) ان کی لکھی ہوئی صرف دو ہی کتابیں نہیں ہیں، تقریباً ۲۲ کتابیں ہیں، جن میں سے ہمارے مطالعہ سے گذرنے والی تقریباً ۸ سے ۱۰ کتابوں میں گستاخانہ تحریریں موجود ہیں اور وہ کتابیں

---

(۱) قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: «من أقام نفسه مقام التهمة، فلا يلومن من أساء به الظن. (مكارم الأخلاق - أبو بكر محمد بن جعفر بن محمد الخرائطي السامري (م:۳۲۷ھ)، ص:۱۶۱، رقم الحديث:۴۷۷، باب ما يستحب للمرء من التحرز أن يساء به الظن، ط: دار الآفاق العربية، القاهرة)

کثیر تعداد میں غیر مسلموں کے درمیان تقسیم کی گئی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ جب تک یہ کتابیں لائبریری یا خانگی اداروں میں یا لوگوں کے پاس رہیں گی، آنے والی نسلوں کو گمراہ اور بدظن کرتی رہیں گی اور غیر قوم حوالے کے طور پر اسے مسلمانوں کے سامنے پیش کرے گی، تو اتنے عظیم گناہ کے بارے میں صرف اتنا کہنا کہ ''مجھ سے غلطی ہوگئی، میں معافی مانگتا ہوں'' معافی کے لیے کافی ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

وہی بات جو آپ کے خط کے جواب میں پہلے لکھ چکا ہوں، وہ یہ کہ جناب عباس بھائی نے اپنا جو معافی نامہ امارت شرعیہ کے سامنے پیش کیا ہے، اسے پوری طرح شائع کرنا ضروری ہے، اگر چہ میں امارت شرعیہ میں حاضر نہ تھا اور مجھے خبر بھی نہیں تھی کہ عباس بھائی امارت شرعیہ کے روبرو معافی نامہ پیش کرنے کے لیے جانے والے ہیں اور وہ گئے ہیں یا نہیں، اس کی بھی مجھے خبر نہیں، مگر امارت شرعیہ کی جانب سے معافی نامہ کی نقل جو مجھے ملی ہے، اس کی بنا پر اس فیصلہ کو میں تسلیم کرتا ہوں، آپ کا خط ملا تھا اور اس کے جواب میں بھی میں نے یہی لکھا تھا کہ پورا معافی نامہ شائع کرنا ضروری ہے۔ اس مختصر وضاحت کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(الف) جتنی بھی کتابیں لکھی ہیں، معافی نامہ کو شائع کرنے سے وہ سب رد و باطل شمار ہوں گی اور معافی نامہ کا امارت شرعیہ کا قبول کرنا ضمناً تمام مسلمانوں کا قبول کرنا شمار ہوگا، توبہ کا تعلق دل سے ہے اور توبہ قبول کرنا اور نہ کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔[1] جب کوئی آدمی ظاہر میں توبہ کرلے، تو اسے قبول کرلیا جاتا ہے، ہاں اس کے بعد اگر اس کا عمل توبہ کے خلاف ہو، تو وہ آدمی پھر مسلم شمار نہیں ہوگا۔

اب اس مذکور توبہ کے بعد اگر وہ پرانی کتابیں چھپوائے، یا چھاپنے میں مدد کرے، یا چھاپنے پر راضی رہے، تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی توبہ غلط ہے، اس سے پہلے نہیں کہہ سکتے، جو کتابیں چھپ چکی ہیں، اس میں سے جو کتابیں مصنف کے اختیار میں ہیں، اسے آئندہ تقسیم نہ کرے۔[2] اور جو کتابیں دوسروں کے

---

(۱) وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ. (۴۲-الشوری:۲۵)

(۲) قال العلماء: التوبة واجبة من كل ذنب، فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا تتعلق بحق آدمي، فلها ثلاثة شروط: أحدها: أن يقلع عن المعصية. والثاني: أن يندم على فعلها. والثالث: أن يعزم أن لا يعود إليها أبدا. فإن فقد أحد الثلاثة لم تصح توبته. (رياض الصالحين-أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:۶۷۶ھ): ۳۳، باب التوبة، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں، اگر وہ مسلمان ہیں، تو معافی نامہ شائع ہو جانے کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اسے نہ پڑھیں، اس پر مصنف کا کیا اختیار ہے؟ اور جو کتابیں لائبریری اور غیر مسلموں کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں، ان پر مصنف کا کوئی اختیار نہیں، وہ (مصنف) اس پر کر بھی کیا سکتا ہے؟ کیا ایک آدمی جس نے مندر بنایا اور ہندوؤں کو سونپ دیا، پھر وہ اسلام قبول کرتا ہے، تو کیا اس سے یہ کہا جائے گا کہ تو پہلے اپنے مندر کو توڑ، اس کے بعد ہی تمہارا اسلام قبول کیا جائے گا؟ نہیں ایسا نہیں کہا جائے گا؛ بل کہ لازم ہے کہ اسی وقت اس کی توبہ قبول کر کے اسلام میں داخل کیا جائے پھر اگر اس کے اختیار میں ہوگا، تو مندر تڑوائے گا، ورنہ اس کے اسلام میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اسلام ماضی کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ [۳] مذکورہ شخص کے بارے میں یوں سمجھ لیں کہ وہ مرتد ہو چکا تھا، مگر جب توبہ کر لی، تو توبہ قبول کر لی جائے گی، اب جہاں تک اس کے بس میں ہے، وہ ان کتابوں کو بند کرنے کی کوشش کرتا رہے، اس کے آگے کا وہ مکلف نہیں۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۴۳] عباس علی تائی کے لیے کیا پی ایچ ڈی کی ڈگری واپس کرنا ضروری ہے؟ = ایضاً

۱۸۵-سوال: ''شری کرشن کے وِودھ روپ'' کے نام کا ایک مضمون لکھ کر اس نے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، اس میں بھی اسلام کے خلاف تحریر ہوگی، ایسا شبہ ہے، یہ مضمون بھی کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے، مذکورہ مضمون علماء و مفتیان کرام کو پڑھا کر یونیورسٹی کو اپنی غلطی کی خبر دے کر اپنی ڈگری کینسل کروانا چاہیے یا نہیں، اگر اس میں اسلام کے خلاف کوئی مضمون ہے، تو اس کی معافی کب معتبر ہوگی؟

الجواب حامداومصلیا:

اسلام کے خلاف مضمون ہوگا، ایسا شبہ ہے، تو ایسا شبہ معافی نامہ شائع ہونے سے معاف ہو جائے گا؛ لیکن اگر مستقبل میں اس کو شائع کروانا ہو، تو علماء کی رائے اور مشورے کے بغیر چھپوانا جائز نہیں ہے۔

---

(۳) قال (صلی اللہ علیہ وسلم): «أما علمت أن الإسلام یھدم ما کان قبلہ؟ وأن الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا؟ وأن الحج یھدم ما کان قبلہ؟». (صحیح المسلم: ۱/۷۶، رقم الحدیث: ۱۹۲-(۱۲۱) کتاب الایمان، باب کون الإسلام یھدم ما قبلہ وکذا الھجرۃ والحج، ط: البدر-دیوبند)

پی ایچ ڈی P.H.D کی ڈگری واپس کرنا ضروری نہیں ہے، ڈگری دینے والے ادارے کو مطلع کردینا ضروری ہے کہ ڈگری دلانے والی کتاب میں جو باتیں میں نے لکھی ہیں، ان سے میں رجوع کرتا ہوں اور اس سے میں متفق نہیں ہوں۔ [1] پھر اس کی وجہ سے اگر وہ ادارہ ڈگری واپس لے، تو مصنف کو افسوس بھی ہونا نہیں چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قال العلماء: التوبة واجبة من كل ذنب، فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا تتعلق بحق آدمي، فلها ثلاثة شروط: أحدها: أن يقلع عن المعصية. والثاني: أن يندم على فعلها. والثالث: أن يعزم أن لا يعود إليها أبدا. فإن فقد أحد الثلاثة لم تصح توبته. (رياض الصالحين - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:٦٧٦هـ)، ص: ۳۳، باب التوبة، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

وقد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر واحتمال واحد في نفيه فالأولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي؛ لأن الخطاء في إبقاء ألف كافر أهون من الخطاء في افناء مسلم واحد. (شرح فقہ اکبر: ص:۱۹۹)

باب تكفير المسلم

(تکفیر مسلم کا بیان)

0

[تکفیر مسلم کا بیان]

[۱]علماء دیو بند کے جواب کے باوجود بریلوی رہنما اپنی تکفیری مہم سے کیوں باز نہیں آتے؟

۱۸۶-سوال: بریلوی مکتب فکر کے علماء؛ مشائخ دیو بند، خصوصاً: حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا الیاس کاندھلویؒ وغیرہ کے متعلق کہتے ہیں کہ "وہ گستاخ رسول ہیں" اور ان کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور حوالے میں ان کی کتابوں کے نام اور صفحات بھی ذکر کرتے ہیں اور عوام کے سامنے مؤثر انداز میں اپنی بات پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب کافر ہیں اور ان کو مسلمان کہنے والا بھی کافر ہے۔

تو اس سلسلے میں معلوم یہ کرنا ہے کہ صحیح بات کیا ہے؟ اگر یہ علماء لوگوں کو غلط بات بتلاتے ہیں، تو ان پر قانونی کاروائی کیوں نہیں کی جاتی؟ آج تک یہ علماء مشائخ دیو بند کو برا بھلا کہتے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں؛ مگر دیو بندیوں کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں دیا جاتا، آخر اس کا راز کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر آپ صحیح اور سچ بات لکھ کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے جن علمائے دیو بند کا تذکرہ کیا ہے (اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے) انھوں نے سنتوں کو زندہ کرنے اور بدعات کو مٹانے میں انتھک محنتیں کی ہیں اور اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، جن میں بریلویوں کے اعتراضات اور بکواسوں کے

جوابات بھی دیے ہیں۔[1] اور حق یہ ہے کہ ان کو لاجواب کر دیا ہے، اسی بنا پر بریلوی حضرات ان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں؛ لیکن جوابات سے اصلاح ان کی ہوتی ہے، جن میں کچھ سنجیدگی ہو اور سنت و بدعت کی حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہوں؛ مگر جن کو سمجھنا ہی نہ ہو اور ہٹ دھرمی ہی ان کا شیوہ ہو، ان کی اصلاح انتہائی مشکل ہے۔

دیکھیے! کفار و مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کیسے کیسے سوالات کیے اور قرآن کریم نے ان کے جوابات دیے؛ یہاں تک کہ ان کے فرمائشی معجزہ پر رسول اللہ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے؛ مگر اس کے باوجود وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ ان کا جادو تو چاند پر بھی چل گیا![2]

اسی طرح بریلویوں کی موشگافیوں کے بھی جوابات دیے گئے ہیں اور آج بھی دیے جاتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ان کو یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہو؛ مگر بات دراصل یہ ہے کہ ان کے دل مردہ ہو گئے ہیں، توبہ کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہیں، ہٹ دھرمی پر اتر آئے ہیں؛ اسی وجہ سے ان کو صحیح راستہ نہیں مل پا رہا ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) دیکھیے: المهند على المفند، از: حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ (م: ۱۳۴۶ھ)، الطين اللازب على الأسود الكاذب، رسائل چاند پوری، عبارات اکابر اور رسائل مولانا سرفراز خاں صفدر، محاضرات علمیہ بر موضوع رد رضا خانیت از مفتی محمد امین صاحب پالن پوری، استاذ: دار العلوم دیو بند۔

(۲) وسبب نزولها (سورة القمر) أن مشركي قريش قالوا للرسول - صلى الله عليه وسلم - : إن كنت صادقا فشق لنا القمر فرقتين، ووعدوه بالإيمان إن فعل. وكانت ليلة بدر، فسأل ربه، فانشق القمر نصف على الصفا ونصف على قيقعان. فقال أهل مكة: آية سماوية لا يعمل فيها السحر. فقال أبو جهل: اصبروا حتى تأتينا أهل البوادي، فإن أخبروا بانشقاقه فهو صحيح، وإلا فقد سحر محمد أعيننا. فجاءوا فأخبروا بانشقاق القمر، فأعرض أبو جهل وقال: سحر مستمر. (تفسير البحر المحيط-أبو حيان الأندلسي [م: ۷۴۵ھ]: ۸/ ۱۷۲-۱۷۱، ت: عادل احمد الموجود، علي محمد معوض، ورفيقاه، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۳، وروح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني -شهاب الدين محمود الألوسي [م: ۱۲۷۰ھ]: ۲۷/ ۷۴، ط: دار الإحياء التراث العربي، بيروت، لبنان. والدر المنثور في التفسير بالمأثور للسيوطي [۸۴۹-۹۱۱ھ]: ۱۴/ ۶۸، سورة القمر، ت: الدكتور عبدالله بن عبدالمحسن التركي، ط: دار هجر - مصر، الطبعة الأولى: ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۳ء۔

(۳) القلب الحي هو الذي يعرف الحق ويقبله ويحبه ويؤثره على غيره فإذا مات القلب، لم يبق فيه إحساس ولا تمييز بين الحق والباطل، ولا إرادة للحق وكراهة للباطل. (شفاء العليل في مسائل القضاء والقدر والحكمة والتعليل- أبو بكر ابن قيم الجوزية [۶۹۱-۷۵۱ھ]: الباب الخامس عشر: في الطبع والختم والقفل والغل، ط: دار المعرفة، بيروت، لبنان، طبع اول: ۱۳۹۸ھ=۱۹۷۸ء۔

[۲] علمائے دیوبند کو زبردستی کافر کہلوایا جائے، تو کیا حکم ہے؟

۱۸۷-سوال: محترم حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون پہلے یہ مضمون ملاحظہ فرمائیں:

''میں دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا صاحب فاضل بریلویؒ کے مسلک کے موافق سنی مسلمان ہوں اور سنی مذہب پر مکمل ایمان رکھتا ہوں۔ دیوبندی، وہابی اور تبلیغی جماعت کے پیشواؤں نے، جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی ہے، وہ کتابیں درج ذیل ہیں: (۱) تقویۃ الایمان (۲) صراط مستقیم (۳) فتاویٰ رشیدیہ (۴) تحذیر الناس (۵) براہین قاطعہ (۶) حفظ الایمان (۷) بہشتی زیور۔ ان کتابوں میں اسلامی عقائد کے خلاف مسائل لکھے گئے ہیں، ان کی بہت سی تحریروں کو کفریہ ثابت کر کے مدینہ منورہ اور ہندوستان کے علماء نے ان کے لکھنے والوں کو کافر اور مرتد قرار دیا ہے، جس کی تفصیل ''حسام الحرمین'' نامی کتاب میں درج ہے، اس کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں اور میں مذکورہ فتویٰ کے بہ موجب ان سب کو- جن کا ذکر ابھی اوپر آیا ہے- کافر سمجھتا ہوں، اتنا ہی نہیں؛ بل کہ وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت والوں سے بالکل بیزاری کا اظہار کرتا ہوں اور ان سے دور رہنے کی ضمانت دیتا ہوں، میرے اس اقرار کو بوقت ضرورت برسر عام کیا جائے، اس میں مجھے کوئی حرج نہیں ہوگا، انتہی۔

حضرت مفتی صاحب! ہم اگر اس مضمون پر دستخط نہیں کرتے ہیں، تو ہماری اولاد کا رشتہ بھی نہیں ہوتا ہے اور جن کا ہو گیا ہے، وہ ٹوٹ جاتا ہے؛ بل کہ جماعت کی طرف سے ہمارا بائیکاٹ کر دیا جاتا ہے اور بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ لہٰذا آپ ہماری بلا تاخیر رہنمائی فرمائیں کہ ایسی صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اگر ہم مجبوراً، بادل ناخواستہ اس پر دستخط کریں، تو کیا ہمارے ایمان میں کوئی نقصان آئے گا؟ امید ہے کہ جلد جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال میں مذکور تمام کتابیں عقائد کی رو سے صحیح ہیں، ان میں نبی کریم ﷺ یا کسی ولی کی ذرا بھی بے ادبی نہیں کی گئی ہے؛ بل کہ اولیاء کرام کی شان کے موافق ان کتابوں میں وہ باتیں موجود ہیں، جو بریلویوں کی کسی کتاب میں نہیں مل سکتی۔ ان کتابوں کے مصنفین کو کافر کہنا جائز نہیں، حرام ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے، تو دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے، یا تو وہ شخص جس کو کافر کہا گیا ہے (اگر وہ حقیقت میں کافر ہو) یا وہ لفظ پلٹ کر کہنے والے کی طرف چلا جاتا ہے۔ (مسلم شریف: ۱/ ۵۷)[1] لہٰذا جو لوگ' مذکورہ کتابوں کے مصنفین کو- جو بڑے عالم دین ،صوفی اور ولی اللہ تھے- کافر کہتے ہیں اور دوسروں کو اس پر مجبور کرتے ہیں اور نہ کہنے پر اسے ہر طرح سے ستاتے اور بائیکاٹ کرتے ہیں، ان پر کفر کا اندیشہ ہے، یہ ان کی حد درجہ جہالت اور شرارت ہے، اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

ان کتابوں کے مصنفین کو کافر کہنا' ہرگز جائز نہیں، حرام ہے؛ البتہ اگر جان کا خطرہ ہو، تو مجبوراً کہنے کی گنجائش ہے۔[2] لیکن اس وقت بھی مذکورہ بزرگان دین کو کافر کہنے کے بجائے اس طرح کے الفاظ کہے: ''اگر مذکورہ کتابوں میں نبیوں، رسولوں اور اولیاء کرام کی شان میں گستاخی کی گئی ہے، تو ان کے لکھنے والے کافر ہیں'' اس طرح سمجھداری سے کہے گا، تو چھٹکارے کا راستہ مل جائے گا؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ ان سب کتابوں میں ذرا بھی گستاخی نہیں کی گئی ہے؛ لہٰذا اس قول کے قائل کے مطابق حقیقت میں ان کتابوں کے لکھنے والے کو کافر کہنا لازم نہیں آئے گا۔

اور بھلا ایسے حضرات کافر کیسے ہو سکتے ہیں، جو ہزاروں نہیں؛ بل کہ راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے لاکھوں انسانوں کی ہدایت اور ان کے اسلام کا سبب بنے ہیں، اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے اور صراط مستقیم پر استقامت نصیب فرمائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) عن عبد الله بن دينار أنه سمع ابن عمر، يقول: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم-: "أيما امرئ قال لأخيه: يا كافر، فقد باء بها أحدهما، إن كان كما قال، وإلا رجعت عليه". (صحيح مسلم: ۱/ ۵۷، رقم الحديث: ۶۰- (۲۶)، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند)

(۲) قال الله تعالى: إلا من أكره، وقلبه مطمئن بالإيمان، الآية...، وإن أكره على الكفر و السب بقيد أو حبس أو ضرب، لم يكن ذلك إكراها حتى يكره بأمر يخاف على نفسه أو على عضو من أعضائه يرخص له ذلك. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۴۸، كتاب الإكراه، باب في ما يحل للمكره أن يفعل، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت، طبع اول: ۱۴۲۱ھ- ۲۰۰۰ء، ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۱۳۴، كتاب الإكراه، ط: دار الفکر- بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء)

[۳] قرآن میں ولید بن مغیرہ کی مذمت - اور بریلویوں کی ہرزہ سرائی

۱۸۸-سوال: کیا قرآن کریم میں ولید بن مغیرہ - جو رسول اللہ کا دشمن تھا - کا تذکرہ اس طرح آیا ہے کہ اس کی دس برائیاں بیان کی گئیں، پھر جب اس کو اطلاع ہوئی، تو اس نے کہا: نو برائیاں تو مجھے معلوم ہے، مگر ایک برائی (میرا حرامی ہونا) معلوم نہیں تھی، پھر اس نے اپنی ماں کے سر پر تلوار رکھ کر پوچھا کہ سچ بتلا: میں حرامی ہوں یا حلالی؟ تو اس کی ماں نے کہا: نبی ﷺ نے جو فرمایا وہ سچ ہے، دراصل تیرا باپ ایک مال دار شخص تھا، مگر ساتھ ہی وہ عنین (نامرد) بھی تھا، مجھے اس کے مال کا کوئی وارث مطلوب تھا، اس لیے میں نے دوسرے کے ساتھ زنا کروایا، جس کی تو اولاد ہے اس لیے تو حرامی (ناجائز اولاد) ہے۔ بریلوی حضرات کہتے ہیں: قرآن کریم میں یہ واقعہ موجود ہے، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر موجود ہے، تو کس سورت میں ہے، وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔ مجھے کسی بریلوی نے سورت اور آیت کی بھی نشان دہی کی تھی، مگر اس وقت میرے ذہن میں نہیں ہے۔

بریلوی حضرات، دیوبندیوں کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کی اولاد ہیں؛ اس لیے ان میں وہ سب صفات ہیں، جو اُس میں تھیں، تو گویا دیوبندیوں کا تذکرہ قرآن میں برائی سے کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں آں جناب سے مفصل باحوالہ جواب کی درخواست ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور واقعہ سورہ ''ن والقلم'' کی آیت نمبر: ۱۰ تا ۱۳ میں مذکور ہے۔[۱] تفسیر مدارک اور تفسیر حقانی میں ان آیات کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں ہیں، قرآن شریف میں اس کا نام نہیں ہے، البتہ ان آیات کا شان نزول اسی کے متعلق ہے۔[۲] مزید لکھا ہے کہ ۱۸ رسال کے بعد اس کے باپ نے اس

---

(۱) وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝. [۶۸-القلم: ۱۰ تا ۱۳]

(۲) {مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ} بخيل والخير المال أو مناع أهله ... والمراد الوليد بن المغيرة عند الجمهور ... {زَنِيمٍ} دعي وكان الوليد دعيا في قريش ليس من سنخهم ادعاه أبوه بعد ثمان عشر سنة من مولده، وقيل بغت أمه ولم يعرف حتى نزلت هذه الآية ... روي أنه دخل على أمه وقال إن محمدا وصفني بعشر صفات وجدت تسعا في، فأما الزنيم فلا علم لي به فإن أخبرتني بحقيقته وإلا ضربت عنقك، فقالت: إن أباك عنين وخفت أن يموت فيصل ماله إلى غير ولده، فدعوت راعيا إلى نفسي فأنت من ذلك الراعي. (تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل) - أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود حافظ الدين النسفي (م: ۷۱۰ھ): ۳/ ۵۲۰، ت: يوسف علي بديوي، ط: دار الكلم الطيب، بيروت)

مزید دیکھیے: تفسیر حقانی: ۷/ ۱۸۶، ط: دار الاشاعت، دہلی۔

بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ میرے نطفے سے ہے۔ بچہ کے حرامی ہونے کے متعلق ماں ہی جان سکتی ہے کہ اس نے کہاں منھ کالا کیا ہے، باپ کو کیا علم ہو سکتا ہے؟

البتہ بریلویوں کا دیوبندیوں کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ولید کی اولاد ہیں صحیح نہیں ہے، وہ (ولید) تو کافر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن تھا، جب کہ دیوبندی مسلمان ہیں اور اسلام کے سچے خادم اور اور سنت کی اتباع کرنے والے ہیں۔ بریلوی حضرات جو ہرزہ سرائی کرتے ہیں، ان کے پیچھے نہ پڑیں، کل قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] تکفیر میں احتیاط سے کام لیں

۱۸۹-سوال: ایک مسلمان ہے، کلمہ پڑھتا ہے، نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، حج کرتا ہے اور متقی و پرہیزگار ہے؛ لیکن شرک کرتا ہے، کیا وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا؟

مسلمانوں میں یہ بات رائج ہے کہ امت محمدیہ میں ۷۳ر فرقے ہوں گے، ایک کے سوا ۷۲ر فرقے جہنم میں جائیں گے، کیا یہ بات درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

کیا شرک کرتا ہے، یہ تو آپ نے لکھا ہی نہیں، اس سے مطلع کریں، تو جواب دیا جائے گا۔

۷۲ر فرقے جہنم میں جائیں گے، صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا، یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ (ترمذی، احمد، ابوداؤد، مشکوۃ ص ۳۰)[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن عبد اللہ بن عمرو، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... إن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة، قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي. (سنن الترمذي: ۲/ ۹۳، رقم الحديث: ۲۶۴۱، أبواب الإيمان، ما جاء في افتراق هذه الأمة، ط: البدر - ديوبند)
(هكذا في سنن أبي داؤد: ۲/ ۶۳۰، رقم الحديث: ۴۵۹۷، كتاب السنة، باب شرح السنة، ط: فيصل - ديوبند ☆ وفي مسند أحمد: ۱۹/ ۲۴۱، رقم الحديث: ۱۲۲۰۸، مسند أنس بن مالك، ط: مؤسسة الرسالة)
حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ متقدمین ومتاخرین علماء کا اتفاق ہے کہ جب تک کوئی شخص صاف صاف شرک نہ کرے، اس پر کفر کا فتوی نہیں لگایا جائے گا۔ قرآن وحدیث کو سمجھنے کی غلطی کی ہو تو اسے فاسق تو کہہ سکتے ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۱۴۸)
شرح عقائد میں علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں کہ اپنی غلطیوں پر جو لوگ قرآن وحدیث سے غلط استدلال کرتے ہیں، وہ فاسق کہلائیں گے، =

[۵] دینی امور کی ترغیب دینے والے کے جواب میں "لا اکراہ في الدین" کہنا کیسا ہے؟

۱۹۰-سوال: ایک شخص کو دین کی باتوں کی ترغیب دی گئی اور نماز کی تلقین کی گئی، تو اس نے جواب میں کہا کہ "لا إکراہ في الدین" (یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں) تو ایمان لانے کے بعد ایک مسلمان کے لیے اس طرح کا جواب دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

"لا إکراہ في الدین"(۱) (دین میں زبردستی نہیں) یہ ان لوگوں کے لیے ہے، جنہوں ں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا۔(۲) مگر جو لوگ مسلمان ہیں، ان کے لیے تمام فرائض وواجبات کو ادا کرنا اور تمام قسم کی نافرمانیوں سے بچنا ضروری ہے؛ لہٰذا نماز اور دیگر فرائض کی دعوت کے جواب میں مذکورہ آیت پڑھنا مناسب نہیں، اگر جواب دینے والا اس سے مراد یہ لیتا ہے کہ میں نماز کو فرض نہیں مانتا، تو اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔(۳) اور اگر یہ مراد لیتا ہے کہ ٹھیک ہے، میں نماز پڑھوں گا، مگر آپ کو زور وجبر کرنے کا کوئی حق نہیں

= کافر نہیں، ص ۶۴۔ شامی میں ہے کہ ان کی گواہی بھی قبول کی جائے گی۔ وخروج مرتکب الکبیرۃ والرؤیۃ لا یصلح عذرا، لوضوح الأدلۃ من الکتاب والسنۃ الصحیحۃ، لکن لا یکفر، إذ تمسکہ بالقرآن أو الحدیث أو العقل، وللنھي عن تکفیر أھل القبلۃ والإجماع علی قبول شھادتھم. (ردالمحتار: ۱/ ۵۶۱، باب الإمامۃ، ط: دار الفکر-بیروت)

اشعۃ اللمعات میں (۱/ ۱۵۰) میں لکھا ہے کہ گمراہ جماعت کو کافر نہیں کہیں گے، قرآن وحدیث کے سمجھنے میں غلطی کی ہے، کفر نہیں کیا ہے۔ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے، ہاں جن کے عقائد کفر تک پہنچ گئے ہوں، اور دین کی ضروری چیزوں کا انکار کرتے ہوں، ان کو کافر شمار کیا جائے گا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

التعلیق الصبیح (۱/ ۴۶) میں لکھا ہے: جو اللہ اور رسول پر ایمان لایا، ایسا کوئی بھی ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں جائے گا۔

(۱)- ۲البقرۃ: ۲۵۶.

(۲) لا إکراہ في الدین... عن ابن عباس رضي اللہ تعالی عنھما »أن رجلا من الأنصار من بني سالم بن عوف یقال لہ الحصین کان لہ ابنان نصرانیان، وکان ھو رجلا مسلما، فقال للنبي صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: ألا أستکرھھما فإنھما قد أبیا إلا النصرانیۃ؟ فأنزل اللہ تعالی فیہ ذلک«. وأل في الدین للعھد، وقیل: بدل من الإضافۃ أي دین اللہ وھو ملۃ الإسلام. (روح المعاني - شھاب الدین الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۲/ ۱۳، ت: علي عبد الباري عطیۃ، ط: دار الکتب العلمیۃ-بیروت، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۱۵ھ)

(۳) (ھي فرض عین علی کل مکلف)... (ویکفر جاحدھا) لثبوتھا بدلیل قطعي. (الدر المختار: ۱/ ۳۵۱-۳۵۲، کتاب الصلاۃ، ط: دار الفکر)

اور دعوت دینے میں آپ کا یہ زور و جبر والا طریقہ ٹھیک نہیں، تو اگر چہ یہ جواب مناسب نہیں ہے، مگر اس سے کفر لازم نہیں آتا اور اگر یہ مراد لے رہا ہو کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا، تو کون ہے مجھے کہنے والا؟ تو سخت گنہ گار ہوگا اور اگر مقصد یہ ہو کہ آپ کو دعوت دینے کا طریقہ نہیں آتا، زبردستی مت کرو، تو اس میں کوئی گناہ بھی نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] گناہ کی وجہ سے کسی کا بائیکاٹ کرنا

۱۹۱-سوال: ہمارے گاؤں کی جماعت، لوگوں کو ان کی ہر چھوٹی بڑی غلطیوں کی وجہ سے اصلاح کا موقع دیئے بغیر جماعت سے خارج کر دیتی ہے، اس کے یہاں خوشی غمی کے موقعوں پر شرکت نہیں کرتی؛ حتی کہ ایک شخص کی موت کے موقع پر جنازہ اور غسل کا تختہ دینے سے بھی انکار کر دیا، تو کیا گاؤں کی جماعت کسی مسلمان کو برطرف کر کے اس طرح کا برتاؤ کر سکتی ہے؟ اور ایسا فیصلہ کرنے والے متولی یا ٹرسٹ کے افراد کس قدر گنہ گار ہوں گے اس کے متعلق مع حوالہ جواب عنایت فرمائیں، نیز مفتیان کرام کے فتاویٰ کو اہمیت نہ دینے والا کتنا بڑا گنہ گار ہوگا، اور اس کے لیے کیا وعیدیں ہیں؟ وہ بھی بیان فرمائیں۔

الجواب حامداومصليا:

گناہوں کا مرتکب مثلاً شرابی جوا کھیلنے والا، بے نمازی، لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھانے والا، اسی طرح شریعت کے خلاف کام کرنے والا ان جیسے لوگوں کو برطرف کیا جائے، تو جائز ہے جب کہ یہ اصلاح کی نیت سے ہو۔[2] اگر اصلاح کی امید نہ ہو یا برطرف کرنے سے زیادہ گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو، تو برطرف

---

(۱) عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: »إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه«. (صحيح البخاري: ۱/ ۲، رقم الحديث: ۱، باب بدء الوحي، ط: البدر-ديوبند)

(۲) عن عبد الله بن مغفل، أنه كان جالسا إلى جنبه ابن أخ له، فخذف، فنهاه، وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها وقال: »إنها لا تصيد صيدا، ولا تنكي عدوا، وإنها تكسر السن، وتفقأ العين« قال: فعاد ابن أخيه يخذف فقال: أحدثك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها، ثم عدت تخذف، لا أكلمك أبدا. (سنن ابن ماجة، ص: ۳، رقم الحديث: ۱۷، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، والتغليظ على من عارضه، ط: البدر-ديوبند)

عن عبد الله بن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا يمنعن رجل أهله أن يأتوا المساجد"، فقال ابن لعبد الله بن عمر: فإنا نمنعهن، فقال عبد الله: "أحدثك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول هذا"، قال: فما كلمه عبد الله=

کرنا ٹھیک نہیں ؛ لیکن برطرف کرنے کی صورت میں بھی اتنی سختی کرنا کہ غسل کے لیے تختہ نہ دینا اور قبرستان میں دفن نہ کرنے دینا مناسب نہیں ہے۔[۱]

کسی دنیوی امر کی وجہ سے بائیکاٹ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اور مناسب بھی نہیں کیوں کہ بعض ذمہ دار لوگ اپنا رعب و دبدبہ بٹھانے کے لیے اس طرح کا معاملہ کرکے لوگوں کو پریشان کریں گے، اور اسلام میں اس طرح غلط طریقے سے دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے۔[۲]

مفتیوں کے فتاوی کو اہمیت نہ دینا، اور نظر انداز کرنا سخت گناہ کا کام ہے اور بعض صورتوں میں ایسے شخص کا ایمان بھی خطرے میں آسکتا ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب

=حتی مات. (مسند الإمام أحمد بن حنبل - أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (م: ۲۴۱ھ): ۸/ ۵۲۷، رقم الحديث: ۴۹۳۳، مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، ط: مؤسسة الرسالة)

قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله تعالى، فيجوز فوق ذلك. قال: وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمة أحد وصلته ما يفسد عليه دينه أو يدخل مضرة في دنياه يجوز له مجانبته وبعده، ورب صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه. وفي النهاية: يريد به الهجر ضد الوصل، يعني فيما يكون بين المسلمين من عتب وموجدة، أو تقصير يقع في حقوق العشرة والصحبة دون ما كان من ذلك في جانب الدين، فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق، وهجرت عائشة ابن الزبير مدة، وهجر جماعة من الصحابة جماعة منهم، وماتوا متهاجرين. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۸/ ۳۱۴۷، باب ما ينهى عنه في التهاجر والتقاطع واتباع العورات، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) حضرت کعب بن مالک کا جب بائیکاٹ کیا گیا تھا، تو ان کو نماز میں لوگوں کے ساتھ شریک ہونے اور بازار جانے سے منع نہیں کیا گیا تھا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ بائیکاٹ میں زیادہ سختی مناسب نہیں، ملاحظہ فرمائیں:

وأما أنا، فكنت أشب القوم وأجلدهم فكنت أخرج فأشهد الصلاة مع المسلمين، وأطوف في الأسواق ولا يكلمني أحد، وآتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فأسلم عليه وهو في مجلسه بعد الصلاة، فأقول في نفسي: هل حرك شفتيه برد السلام علي أم لا؟ ثم أصلي قريبا منه، فأسارقه النظر، فإذا أقبلت على صلاتي أقبل إلي، وإذا التفت نحوه أعرض عني. (صحيح البخاري: ۲/ ۶۳۴، رقم الحديث: ۴۴۱۸، كتاب المغازي، باب حديث كعب بن مالك، ط: البدر - ديوبند)

(۲) اسی سوال کا حاشیہ نمبر ایک (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) وفي الفتاوى الصغرى "من قال أي شيء اعرف العلم كفر يعني حيث يستخف العلم أو اعتقد أنه لا حاجة إلى العلم. (شرح الفقه الأكبر - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۲۱۴، فصل في العلم والعلماء، ط: ياسر نديم - ديوبند)

[۷] یزید بن معاویہ پر لعنت کرنا؟

۱۹۲-سوال: کیا یزید بن معاویہ اور حجاج بن یوسف کو لعنت و ملامت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یزید نے اپنی حکومت میں بہن سے نکاح کو جائز قرار دیا تھا؟

(۲) یزید بن معاویہ بحر قسطنطنیہ کی لڑائی میں شریک ہوا تھا جس کی پیشن گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں کی تھی اور اسی وجہ سے اس کو کافر وملعون کہنا جائز نہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟

(۳) چاروں اماموں نے حضرات امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہ کی مابین لڑائی میں کیا فیصلہ دیا؟ خصوصاً امام اعظم نے اس بارے میں کیا فرمایا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

(۱) حتمی طور پر یزید یا حجاج بن یوسف کو جہنمی کہنا اور ان پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے والے، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ رکھنے والوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے، شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ یزید ابن معاویہ کا ایمان تواتر سے ثابت ہے؛ لیکن اس کے کفریہ افعال تواتر سے ثابت نہیں ہیں، دل کے احوال اللہ جل شانہ زیادہ جاننے والے ہیں؛ لہٰذا یزید کو کافر کہنا اور اس کے ایمان سے خارج ہونے کا حکم لگانا جائز نہیں ہے۔ (ص:۸۸-۸۷)[۱]

قتل حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کو کافر کہنا اور لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔[۲]

نکاح مع الاخت کی حلت کی نسبت کرنا یزید کی طرف یہ تہمت ہے، اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ یہ

---

(۱) ذکر في الخلاصة وغيرها أنه لا ينبغي اللعن عليه أي ولا على اليزيد ولا على الحجاج ؛لأن النبي -صلى الله عليه وسلم نهى عن لعن المصلين ومن كان أهل القبلة... فقد علم مما تقدم انه كان مسلما ولم يثبت عنه ما يخرجه عن كونه مؤمنا ...ولا يخفى ان إيمان يزيد محقق ولايثبت كفره بدليل ظني فضلا عن دليل قطعي فلايجوز لعنه بخصوصه. (شرح الفقه الأكبر-،ص:۸۷،۸۸،اختلفوا في اللعن على اليزيد،ط:ياسر نديم-ديوبند)

(نبراس-عبدالعزيز ،الفرهاري،ص:۳۳۱،ط:ياسر نديم-ديوبند)

(۲) ولأن الأمر بقتل الحسين لايوجب الكفر فإن قتل غير الأنبياء كبيرة عند أهل السنة والجماعة إلا أن يكون مستحلا. (شرح الفقه الأكبر،ص:۸۷،ط:ياسر نديم-ديوبند)

حکم یزید نے دیا تھا، تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن نے بہن کو حرام قرار دیا ہے اور قرآن کی ایک آیت کا منکر بھی کافر ہے۔[۳] اگر یزید یہ حکم کرتا تو ائمہ اربعہ اس پر کفر کا حکم لگاتے؛ لیکن امام ابوحنیفہ وشافعی نے یزید پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا ہے؛ لہٰذا جواز نکاح مع الاخت کی نسبت یزید کی طرف تہمت ہے، جو حضرات یزید پر لعنت کے جواز کے قائل ہیں، وہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ یزید نے حضرت حسین ؓ کے قتل پر خوشی کا اظہار کیا، اہل بیت وخاندان رسول ﷺ کی اہانت کی اور ظاہر بات ہے کہ اہانت رسول ﷺ اور توہین خاندان رسول ﷺ کفر ہے۔[۴] ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تواتر سے یہ بات ثابت نہیں ہے اس وجہ سے کسی مسلمان کے بارے میں گناہ کبیرہ کی وجہ سے خارج عن الاسلام ولعنت کے جواز کا حکم نہیں لگائیں گے۔ اخبار آحاد سے یہ بات ثابت ہے کہ یزید حضرت حسین کی شہادت پر ناراض ہوا اور ابن زیاد اور ان کے مددگاروں پر عتاب کیا؛ لہٰذا اس پر لعن طعن جائز نہیں ہوگا۔[۵] بعض علماء کبار نے اس کے بارے میں توقف کیا ہے؛ کیوں کہ بعض روایات سے اس کا اسلام سے خارج ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے مسلمان ہونا؛ لہٰذا ہم اس کے بارے میں جواز لعنت وعدم جواز لعنت کا فیصلہ نہیں کر سکتے؛ بل کہ تعارض کی وجہ سے توقف کرنا واجب ہے اور راجح بھی یہ ہے کہ عدم جواز لعنت کا ہی حکم لگایا جائے۔[۶]

(۴) یزید بن معاویہ پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اس کی وجوہات میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ جنگ

---

(۳) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ .(۱-۳النساء:۲۳)

(۴) وبعضهم أطلق اللعن عليه أي على اليزيد لما أنه كفر حين أمر بقتل الحسين. (شرح الفقه الأكبر، ص:۸۷، ط:ياسر نديم-ديوبند)

وبعضهم أطلق اللعن عليه منهم ابن الجوزي المحدث ومنهم الإمام أحمد بن حنبل مستدلا بقوله تعالى: فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الأرض وتقطعوا أرحامكم أولئك الذين لعنهم الله. ومنهم القاضي ابو يعلى مستدلا بقوله عليه الصلاة والسلام: من أخاف أهل المدينة ظلما أخافه الله تعالى شانه وعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين. (نبراس، ص:۱۳۳، ط:ياسر نديم-ديوبند)

(۵) قال الغزالي: ولا يجوز أن يقال أمر بقتله أو رضي به، لأنه لا يجوز نسبة المؤمن إلى كبيرة أو كفر من غير تحقيق بل الذي تولى قتاله هو أمير الكوفة عبيد الله بن زياد وكان يزيد على مسافة شهر ذهابا ورجوعا فلا يمكن أن يأتي أمره في ذلك الزمن القليل وروي أن يزيد أنكر على ابن زياد وقال زرعت لي العداوة في قلب كل بر وفاجر وقال رحمك الله يا حسين رضي الله عنه لقد قتلك رجل لم يعرف حق رحم. (نبراس، ص:۱۳۳، ط:ياسر نديم-ديوبند)

(وكذا في شرح الفقه الاكبر، ص:۸۷، ط:ياسر نديم-ديوبند)

(۶) وحقيقة الأمر التوقف فيه ومرجع أمره إلى الله سبحانه (شرح الفقه الاكبر، ص:۸۸، ط:ياسر نديم-ديوبند)

قسطنطنیہ میں شرکت وعدم شرکت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، شرح فقہ اکبر کی تحریر اوپر لکھ چکا ہوں کہ اکثر علماء عدم کفر وعدم جواز لعنت کے قائل ہیں، صرف امام احمد کا جواز لعنت کے متعلق قول ہے۔ (۷) ہوسکتا ہے ان کے نزدیک یہ بات تواتر سے ثابت ہوئی ہوگی، قسطنطنیہ کے غزوے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی اور شریک ہونے والوں کو ''فی سبیل اللہ'' فرمایا (بخاری) (۸) (مسلم شریف) (۹)

مسلم شریف میں ''فی زمن معاویۃ'' کا لفظ ہے۔

نوویؒ شرح مسلم شریف (۱۰) اور عمدۃ القاری: ج، ۱۴ ص: ۸۶۔ (۱۱) میں ہے کہ وہ بحری غزوہ، جس

---

(۷) انظر رقم الهامش: ۴، بذيل هذا السوال.

(۸) قال: عمير، فحدثتنا أم حرام: أنها سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: »أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا« ، قالت أم حرام: قلت: يا رسول الله أنا فيهم؟ قال: »أنت فيهم« ، ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: »أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم« ، فقلت: أنا فيهم يا رسول الله؟ قال: »لا. (صحيح الخاري: ۱/ ۴۰۹، رقم الحديث: ۲۹۲۴، كتاب الجهاد، باب ما قيل في قتال الروم، ط: البدر - ديوبند)

(۹) عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يدخل على أم حرام بنت ملحان فتطعمه، وكانت أم حرام تحت عبادة بن الصامت، فدخل عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما، فأطعمته، ثم جلست تفلي رأسه، فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم استيقظ وهو يضحك، قالت: فقلت: ما يضحكك يا رسول الله؟ قال: »ناس من أمتي عرضوا علي، غزاة في سبيل الله، يركبون ثبج هذا البحر، ملوكا على الأسرة« ، أو »مثل الملوك على الأسرة« يشك أيهما - قال: قالت: فقلت: يا رسول الله، ادع الله أن يجعلني منهم، فدعا لها، ثم وضع رأسه، فنام، ثم استيقظ وهو يضحك، قالت: فقلت: ما يضحكك يا رسول الله؟ قال: »ناس من أمتي عرضوا علي، غزاة في سبيل الله، كما قال في الأولى، قالت: فقلت: يا رسول الله، ادع الله أن يجعلني منهم، قال: »أنت من الأولين« ، فركبت أم حرام بنت ملحان البحر في زمن معاوية، فصرعت عن دابتها حين خرجت من البحر، فهلكت. (صحيح المسلم: ۲/ ۱۴۱، رقم الحديث: ۱۶۰- (۱۹۱۲) كتاب الامارة، باب فضل الغزو في البحر، ط: البدر - ديوبند)

(۱۰) واختلف العلماء متى جرت الغزوة التي توفيت فيها أم حرام في البحر وقد ذكر في هذه الرواية في مسلم أنها ركبت البحر في زمان معاوية فصرعت عن دابتها فهلكت قال القاضي قال أكثر أهل السير والأخبار إن ذلك كان في خلافة عثمان بن عفان رضي الله عنه وأن فيها ركبت أم حرام وزوجها إلى قبرس فصرعت عن دابتها هناك فتوفيت ودفنت هناك وعلى هذا يكون قوله في زمان معاوية معناه في زمان غزوه في البحر لا في أيام خلافته قال وقيل بل كان ذلك في خلافته قال وهو أظهر في دلالة قوله في زمانه. (شرح النووي على صحيح المسلم: ۲/ ۱۴۲، كتاب الامارة، باب فضل الغزو في البحر، ط: البدر - ديوبند)

(۱۱) وقال ابن جرير: قال بعضهم: كان ذلك في سنة سبع وعشرين، وهي غزوة قبرص في زمن عثمان بن عفان، رضي الله تعالى عنه، وقال الواقدي: كان ذلك في سنة ثمان وعشرين، وقال أبو معشر: غزاها في سنة ثلاث وثلاثين، =

کے بارے میں محسن کائنات ﷺ نے ام حرام کی شرکت کی پیشین گوئی فرمائی تھی، وہ زمانہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نہیں؛ بل کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ہے اور لشکر کے قائد حضرت معاویہؓ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بحری غزوہ کی اجازت طلب فرمائی، مگر حضرت نے عمر رضی اللہ عنہ نے راکب بحر کے متعلق سوال فرمایا، تو حضرت معاویہؓ کے جواب کے بعد اس کی اجازت نہیں دی۔

پھر بعد میں حضرت عثمانؓ نے بحری غزوے کی اجازت دی اور امیر معاویہؓ کی قیادت میں بحری غزوہ ہوا، جس میں حضرت معاویہؓ شریک تھے، ۲۷، ۲۸ھ میں یہ غزوہ ہوا؛ لہٰذا یزید پر عدم جواز لعنت کا تعلق اس واقعہ سے نہیں ہے، بل کہ بعد کے واقعہ سے ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ یزید کے متعلق منقولات' اخبار احاد کی قبیل سے ہے؛ اس لیے شخص معین کو لعنت کرنا جائز نہیں ہے، جب تک یزید کے حقیقی احوال معلوم نہ ہوں، اس وقت تک ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ (شرح فقہ اکبر)[۱۲] اس لیے ائمہ ثلاثہ نے احتیاط برتا اور عدم جواز کے قول کو پسند فرمایا۔

(۳) چاروں اماموں کی نقل علم کلام میں متفرق طریق سے ہے۔ حضرت حسین مظلوم شہید ہوئے، وہ حق پر تھے اور یزید اور اس کے رفقاء صراط مستقیم سے دور تھے اور یزید اور اس کے مددگار

=وكانت أم حرام معهم، وقال ابن الجوزي في (جامع المسانيد): أنها غزت مع عبادة بن الصامت فوقصتها بغلة لها شهباء، فوقعت فماتت، وقال هشام ابن عمار: رأيت قبرها ووقفت عليه بالساحل بفاقيس. (عمدة القاري - أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى الحنفي بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱۴/ ۱۹۸، كتاب الجهاد، باب ما قيل في قتال الروم، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

قال الشاه ولي الله الدهلوي: تمسك بعض الناس بهذا الحديث في نجاة يزيد؛ لأنه كان من جملة هذا الجيش الثاني بل كان رأسهم ورئيسهم على ما يشهد به التواريخ والصحيح أنه لا يثبت بهذا الحديث إلا كونه مغفورا له ما تقدم من ذنبه على هذه الغزوة؛ لأن الجهاد من الكفارات وشان الكفارات إزالة آثار الذنوب السابقة عليها لا الواقعة بعدها نعم لو كان معنى هذا الكلام أنه مغفور إلى يوم القيامة يدل على نجاته وإذ ليس فليس، بل أمره مفوض إلى الله تعالى فيما ارتكبه من القبائح بعد هذه الغزوة من قتل الحسين عليه السلام وتخريب المدينة والإصرار على شرب الخمر إن شاء عفى عنه وإن شاء عذبه كما هو مطرد في سائر العصاة. (شرح تراجم أبواب البخاري من شاه ولي الله الدهلوي (في بداية صحيح البخاري)، ص: ۳۱، كتاب الجهاد، ط: البدر - ديوبند)

(۱۲) فقد قال حجة الإسلام في الإحياء: "فإن قيل هل يجوز لعن يزيد لكونه قاتل الحسين أو امر ابه؟ قلنا: هذا مما لم يثبت أصلا فلا يجوز أن يقال انه قتله أو أمر به فضلا عن لعنه ولأنه لا يجوز نسبة مسلم إلى كبيرة من غير تحقيق. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۸۷، ط: ياسر نديم - ديوبند)

امداد الفتاوی: ۵/ ۴۳۱، کتاب العقائد والکلام، تحقیق لعن یزید، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند

غلط کار تھے، ظالم تھے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] یزید کو برا بھلا کہنا از روئے شرع کیسا ہے؟

۱۹۳-سوال: یزید کو برا بھلا کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ میں نے مفتی مہدی حسن صاحب کی کتاب ''حقیقت یزید'' پڑھی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ یزید بالاتفاق کافر نہیں ہے۔؛ بل کہ متفقہ طور پر فاسق ہے۔ یزید نے حضرت حسین ؓ کے قتل کا حکم دیا۔ یزید پر قسطنطینہ کی بشارت والی حدیث منطبق نہیں ہوتی؛ لیکن بشر بن علی ارطاۃ پر چسپاں ہوتی ہے۔ یزید صحابی نہیں ہے، وہ حضرت عثمان ؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوا۔

الجواب حامداو مصليا:

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ یزید کا حضرت حسین ؓ کے قتل کا حکم دینا ثابت نہیں ہے، بل کہ اس میں شک ہے؛ لہٰذا یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ (۱) کلمہ گو سے جب تک کھلم کھلا کفر ثابت نہ ہو جائے، اس وقت تک اسے کافر کہنا اور لعنت وملامت کرنا جائز نہیں ہے۔ (شرح فقہ اکبر، ص: ۸۷) (۲)

کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ ہے، اس پر بڑی سخت وعید ہے۔ اور میرے استاذ مفتی مہدی حسن نے جو لکھا ہے، وہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے میری کتاب ''عقائد اسلام''۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فقد قال حجة الإسلام في الإحياء: "فإن قيل هل يجوز لعن يزيد لكونه قاتل الحسين أو امر به؟ قلنا: هذا مما لم يثبت أصلا فلا يجوز أن يقال انه قتله أو أمر به فضلا عن لعنه ولأنه لا يجوز نسبة مسلم إلى كبيرة من غير تحقيق. (شرح فقه الأكبر، ص: ۸۷، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(۲) ذكر في الخلاصة وغيرها أنه لا ينبغي اللعن عليه أي ولا على اليزيد ولا على الحجاج؛ لأن النبي-صلى الله عليه وسلم نهى عن لعن المصلين ومن كان من أهل القبلة... فقد علم مما تقدم انه كان مسلما ولم يثبت عنه ما يخرجه عن كونه مؤمنا ... ولا يخفى ان إيمان يزيد محقق ولايثبت كفره بدليل ظني فضلا عن دليل قطعي فلايجوز لعنه بخصوصه. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۸۷، ۸۸، اختلفوا في اللعن على اليزيد، ط: ياسر نديم-ديوبند)

قال الغزالي: ولا يجوز أن يقال آمر بقتله أو رضي به ؛ لأنه لا يجوز نسبة المؤمن إلى كبيرة أو كفر من غير تحقيق بل الذى تولى قتاله هو أمير الكوفة عبيد الله بن زياد وكان يزيد على مسافة شهر ذهابا ورجوعا فلايمكن أن ياتي أمره في ذلك الزمن القليل وروي أن يزيد أنكر على ابن زياد وقال زرعت لي العداوة في قلب كل بر وفاجر وقال رحمك الله ياحسين رضي الله عنه لقد قتلك رجل لم يعرف حق رحم. (نبراس، ص: ۳۳۱، ط: ياسر نديم-ديوبند)

[۹] واضح دلائل کے باوجود یزید کے بارے میں توقف کیوں؟

گذشتہ سے پیوستہ

۱۹۴-سوال: ''یزید کو امیر المؤمنین کہنے والے کو کوڑے مارے گئے'' پھر اس کے آخر میں مولانا تھانوی وغیرہ کے فتاوی ہیں جس میں لکھا ہے کہ یزید کے بارے میں توقف کیا جائے، تو سوال یہ ہے کہ اوپر کی مذکورہ حقیقت بالکل عیاں ہو جانے کے باوجود توقف کیوں؟ بعض فضلاء نے اس کتاب کا مطالعہ کرنے کی بناء پر کہا کہ مفتی کی بات کو مت دیکھو، قرآن وحدیث کو دیکھو، مذکورہ بات تو شیعوں نے گھڑی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امیر المؤمنین کہنے والے پر کوڑے برسانا، معاشرتی جنگ ان لوگوں کا کام ہے، جو یزید سے نفرت کرتے ہیں، لہٰذا وہ دلیل وحجت نہیں بن سکتے؛ اسی لئے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ یزید کو کافر کہنا اور اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، یہی مسلک احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) انظر الهوامش تحت عنوان: یزید کو برا بھلا کہنا از روئے شرع کیسا ہے؟
نظام الفتاوی- مفتی نظام الدینؒ (م: ۱۴۲۰ھ): ۱/ ۲۷، یزید پر لعنت کی شرعی تحقیق، ط: تاج پبلشنگ، دیوبند

وفی الخلاصة : من أبغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر، قلت : الظاهر أنه یکفر. (شرح فقہ اکبر: ۲۱۳)

باب استخفاف الدین والشریعة

[استخفاف دین وشریعت]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[استخفاف دین وشریعت]

[۱] مسلمانوں سے ہر معاملہ میں اختلاف کرنے والا شخص

۱۹۵-سوال: ایک مسلمان حاجی ہے، اس کے باوجود داڑھی منڈاتا ہے۔ اس کے گھر میں غیر شرعی لباس پہنے جاتے ہیں۔ قوم کے ساتھ مل کر نہیں رہتا، ہر معاملہ میں قوم کی، قوم کے ذمہ دار حضرات اور علماء حضرات کی مخالفت کرتا ہے؛ اس نے ذمہ دار حضرات (قوم کے لیڈر اور متولی) پر کورٹ میں کیس بھی کیا ہے۔

شریعت کی رو سے فاسق و فاجر کس کو کہتے ہیں۔ کیا وہ آدمی فاسق و فاجر کہلانے کے لائق ہے یا نہیں۔ جواب جلدی تحریر فرمائیں، کرم ہوگا۔ احقر سلیمان قاسمی

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ شخص اگر قوم، متولی حضرات اور علماء کرام کی مخالفت کسی شرعی وجہ کے بغیر کرتا ہے، تو وہ فاسق ہوگا۔ (۱) اور اگر مخالفت، دین سے نفرت کی وجہ سے ہے، تو ایسا شخص دین اور شعار دین سے عداوت و دشمنی اور دین سے بے زاری کی وجہ سے دین سے نکل جائے گا۔ (۲)

اگر اس کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ متعلقہ ذمے دار اپنی ذمے داری نہیں نبھارہے ہیں، تو اس کی بات کو بہ غور سن کر کوئی قابل عمل حل نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ داڑھی منڈانے پر اصرار کرتا ہے، تو اس کے

(۱) وأکثر مایقال الفاسق لمن التزم حکم الشرع وأقر به ثم أخل بجمیع أحکامه أو ببعضه. (المفردات في غریب القرآن-أبو القاسم ،الراغب الأصفهاني (م:۵۰۲ھ) ،ص:۶۳۶ ،(فسق)، ت: صفوان عدنان الداودي،ط: دار القلم ،الدار الشامیة-دمشق)

(۲) وفي الخلاصة: من أبغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر. قلت: الظاهر أنه یکفر؛ لأنه إذا أبغض العالم من غیر سبب دنیوي أو أخروي فیکون بغضه لعلم الشریعة، ولا شك في کفر من أنکره، فضلا عمن أبغضه. (شرح الفقه الأکبر ،ص: ۲۱۳ ،فصل في العلم والعلماء، ط: یاسر ندیم- دیوبند)

فاسق وفاجر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] حدیث کے منکر اور اس پر بے جا اشکال کرنے والے کا حکم

۱۹۶-سوال: اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ ''میں احادیث کو نہیں مانتا ہوں'' یا یہ کہے کہ ''ذخیرۂ احادیث' جھوٹ کا مجموعہ ہے''، تو کیا اس کو کافر کہا جا سکتا ہے؟ حالاں کہ وہ کبھی کبھی نماز بھی پڑھتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

احادیث متواترہ ومشہورہ کا انکار کرنے والا ایمان سے نکل جائے گا، تاویل کے بعد خبرِ واحد کا منکر فاسق ہے۔[2] اور ان میں سے کسی بھی قسم کی حدیث کا تمسخر اور استہزا کرنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] شعائرِ اسلام کی توہین کرنے والے کا حکم

۱۹۷-سوال: دو آدمی کے درمیان جھگڑا ہوا، ان میں سے ایک باشرع (صاحبِ لحیہ) حافظ قرآن، مدرسے کا مدرس اور مسجد کا امام ہے اور دوسرا شخص داڑھی منڈا (بے ریش) ہے، دونوں کے درمیان

---

(۱) وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۱۸، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر - بيروت)

قال ابن الكمال: لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار. (رد المحتار: ۵/ ۴۷۳، كتاب الشهوات، باب من يجب قبول شهادته على القاضي، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) أما متواترا، وهو ما رواه جماعة لا يتصور تواطئهم على الكذب، فمن أنكره كفر، ومشهور، وهو ما رواه واحد عن واحد، ثم جمع عن جمع لا يتصور توافقهم على الكذب، فمن أنكره كفر عند الكل، إلا عيسى بن أبان، فإن عنده يضلل ولا يكفر، وهو الصحيح.

وخبر الواحد، وهو أن يرويه واحد عن واحد، فلا يكفر جاحده، غير أنه يأثم بترك القبول إذا كان صحيحا أو حسنا. (شرح الفقه الأكبر ص: ۲۰۳-۲۰۴، قبيل عنوان: لا يصلى على غير الأنبياء والملائكة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۳) وفي الفتاوى الظهيرية: من روي عنده عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: ما بين بيتي ومنبري أو ما بين قبري ومنبري روضة من رياض الجنة، فقال الآخر: ''أرى المنبر والقبر ولا أرى شيئا'' أنه يكفر، وهو محمول على أنه أراد به الاستهزاء والإنكار. (شرح الفقه الأكبر ص: ۲۰۴، ط: ياسر نديم ديوبند)

جھگڑے کی شدت اس حد تک پہنچی کہ ’’داڑھی منڈے‘‘ نے داڑھی والے (صاحب لحیہ) امام صاحب سے کہا کہ تم داڑھی منڈوالو، اور مدرسے کی خدمت اور امامت چھوڑ دو۔

سوال یہ ہے کہ اس شخص کے اس طرح کہنے والے کے ایمان پر کوئی زد تو نہیں پڑے گی؟ تفصیل سے جواب مطلوب ہے۔

حافظ رفیق احمد تشی

الجواب حامداً ومصلیاً:

قائل نے ان الفاظ کا کیوں استعمال کیا ہے؟ قائل کا اپنی زبان سے اس طرح کی خطرناک بات نکالنے کی بنیاد کیا ہے؟ کیا اس مولانا صاحب نے مذہب کے خلاف کوئی کام کیا ہے یا اس کے علاوہ دوسری کوئی اور وجہ ہے، تفصیل لکھنے کے بعد ہی اس کا جواب لکھا جا سکتا ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] حق شرعی کے مطالبہ پر کسی عورت کا یہ جواب دینا کہ ’’میں کسی فتویٰ کو نہیں مانتی‘‘

۱۹۸-سوال: ایک بیوہ نے اپنے مرحوم خاوند کی تمام جائداد پر قبضہ کر رکھا ہے، دوسرے ورثاء کا حق دینے سے انکار کر رہی ہے، ورثاء نے جب اپنے حق کا مطالبہ کیا، تو اُس نے جواب میں یہ کلمات کہے کہ ’’آپ کے ہندوستان میں ہر گھر میں فتوے ہوتے ہیں، میں کسی فتویٰ کو نہیں مانتی، میں اسلام فسلام کی کسی بات کو نہیں سمجھتی‘‘۔ تو ان کلمات کے بولنے والے کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی مسلمان یوں کہے کہ میرے آگے شریعت نہیں چلے گی، یا شریعت کی تدبیر نہیں چل سکے گی، یا میں شریعت کا کیا کروں؟ تو وہ کافر ہے، اگر کسی کے سامنے کوئی شرعی فتویٰ پیش کیا گیا، اُس نے جواب میں کہا کہ یہ کیسا فتاویٰ کی گٹھری اٹھا کر لے آئے؟ اور اس طرح اُس نے اُن فتاویٰ کو رد کر دیا، تو وہ بعض فقہاء کے نزدیک کافر ہے، اسی طرح فتویٰ کو اگر زمین پر ڈال کر کہا کہ یہ کیا شریعت ہے؟ تب بھی کافر ہے، نیز فتویٰ کے پیش کیے جانے پر اگر یہ کہا کہ فتویٰ میں جو کچھ ہے، غلط ہے، یا میں اُس پر عمل نہیں

---

(۱) والذي تحرر أنه لا يفتى بتكفير مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن، أو كان في كفره اختلاف، ولو رواية ضعيفة ،فعلى هذا فأكثر ألفاظ التكفير المذكورة لا يفتى بالتكفير بها، ولقد ألزمت نفسي أن لا أفتي بشيء منها. (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۵، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الإسلامي)

کروں گا، توسزا کا مستحق ہوگا۔ (۱)

ان مسائل کی روشنی میں مسئلۂ مذکورہ کا حکم بالکل واضح ہے کہ جب اُس عورت نے کہا کہ میں اُن فتاویٰ کو نہیں مانتی، یا میں ''اسلام فسلام کی باتوں کو نہیں سمجھتی''، تو ان کلمات کے ذریعہ اُس نے دین و مذہب کی توہین کی ہے، اور مذاق اڑایا ہے، اس کو ''شریعت اسلامیہ کا انکار'' بھی کہا جاسکتا ہے، لہٰذا یہ کلمات کفر ہیں، اگر اس عورت نے جہالت کی بنا پر غصہ میں آکر یہ کلمات کہے ہوں، تو اُسے چاہیے کہ وہ توبہ و استغفار کر کے کلمۂ توحید پڑھے۔ (۲) اور اگر وہ توبہ سے منکر ہے، تو اسلام سے خارج ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] قصداً نماز ترک کرنا گناہِ کبیرہ ہے یا نہیں؟

۱۹۹-سوال: نماز نہ پڑھنا گناہِ کبیرہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

قصداً نماز ترک کرنا سخت گناہِ کبیرہ ہے، حدیث پاک میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیتا ہے، وہ کفر سے قریب ہوجاتا ہے۔ (۳) اسلامی حکومت میں ترکِ صلوٰۃ کی عادت بنانے والے کے لیے قتل کی سزا ہے۔ (درمختار) [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولو قال: بامن شريعت واين حيلها سود ندارد، أو قال: بيش نرود، أو قال: مراد بوس هست شريعت جكنم، فهذا كله كفر . . . رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة، فردها، وقال: جه بار نامه فتوى آورده، قيل يكفر، لأنه رد حكم الشرع، وكذا لو لم يقل شيئا لكن ألقى الفتوى على الأرض، وقال أين جه شرع است كفر . . . إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة، فقال صاحبه: ليس كما أفتوه، أو قال: لا نعمل بهذا، كان عليه التعزير، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۷۲، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، مطلب في موجبات الكفر، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) (قوله وإسلامه أن يتبرأ عن الأديان كلها أو عما انتقل إليه) أي إسلام المرتد بذلك، ومراده أن يتبرأ عن الأديان كلها سوى دين الإسلام ... وفي شرح الطحاوي: سأل أبو يوسف كيف يسلم، فقال أن يقول أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، ويقر بما جاء من عند الله ويتبرأ من الذي انتحله. (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۸، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، توبة الزنديق، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ترك الصلاة متعمدا فقد كفر جهارا. (المعجم الأوسط-أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ): ۳/ ۳۴۳، رقم: ۳۳۴۸، ط: دار الحرمين-القاهرة ☆ تعظيم قدر الصلاة-أبو عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِي (م: ۲۹۴هـ): ۲/ ۸۸۹، رقم: ۹۱۹، باب ذكر إكفار تارك الصلاة، ت: د. عبد الرحمن عبد الجبار الفريوائي، ط: مكتبة الدار-المدينة المنورة)

(۴) (ويكفر جاحدها) لثبوتها بدليل قطعي (وتاركها عمدا مجانة) أي تكاسلا فاسق (يحبس حتى يصلي)؛ لأنه=

[۶] نماز کے منکر اور داعیانِ دین کو حقیر سمجھنے والے کے ساتھ دشمنی رکھنا

۲۰۰-سوال: اگر کوئی شخص دین کا دشمن ہو، نماز کا منکر ہو اور دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کو حقیر سمجھتا ہو، تو اُسے حقیر سمجھنا اور اُس کے ساتھ دشمنی رکھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دین سے دشمنی رکھنے والے اور دعوت وتبلیغ کے مخالفین سے نفرت کرنا ایمانی غیرت کا تقاضہ ہے، حدیثِ پاک میں وارد ہے کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی، وہ ایمان کی لذت محسوس کرے گا، پہلی خصلت یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول اُسے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہو۔ دوسری یہ کہ وہ جس کسی بندے سے محبت رکھے، صرف دین کے خاطر محبت رکھے۔ تیسری یہ کہ وہ کفر سے ایسی نفرت کرے، جیسی کہ وہ آگ میں ڈالے جانے سے نفرت کرتا ہے۔ (بخاری شریف: ۱/۷)[1]

اس سے معلوم ہوا کہ بے دین، ملحد شخص سے اُس کے الحاد کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار کرنا درست ہے، تاہم اُسے حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔[2] اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہے، اور بندوں میں سے کوئی کسی کے انجام سے باخبر نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بے دین اور ملحد کو توفیق سے نواز دے اور وہ توبہ کرلے، اور اُسے حقیر سمجھنے والے کا مؤاخذہ ہوجائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=يحبس لحق العبد فحق الحق أحق، وقيل يضرب حتى يسيل منه الدم. وعند الشافعي: يقتل بصلاة واحدة حدا، وقيل: كفرا. (الدر المختار-الحصفكي (م: ۱۰۸۸ھ): ۱/ ۳۵۳، كتاب الصلوة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) عن أنس بن مالك-رضي الله عنه- عن النبي-صلى الله عليه وسلم- قال: "ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الإيمان: أن يكون الله ورسوله أحب إليه مما سواهما، وأن يحب المرء لا يحبه إلا لله، وأن يكره أن يعود في الكفر كما يكره أن يقذف في النار". (صحيح البخاري: ۱/ ۷، باب حلاوة الإيمان، و: ۱/ ۸ كتاب الإيمان، باب من كره أن يعود في الكفر... الخ، رقم: ۱۶، ۲۱، ۶۹۴۱، ط: البدر-ديوبند☆ صحيح مسلم، ۶۷، ۶۸-(۴۳)، كتاب الإيمان، باب بيان خصال من اتصف بهن وجد حلاوة الإيمان)

(۲) عن زيد بن أسلم، أن رسول الله عليه السلام قال: المؤمن على المؤمن حرام، دمه، وماله، وعرضه، المؤمن أخو المؤمن، لا يخذله، ولا يظلمه، التقوى هاهنا، وأشار إلى صدره، حسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المؤمن. (الجامع في الحديث-ابن وهب، أبو محمد عبد الله بن وهب المصري القرشي (م: ۱۹۷ھ): ۱/ ۳۱۲، الإخاء في الله، رقم: ۲۱۴، ت: د مصطفى حسن حسين محمد أبو الخير، ط: دار ابن الجوزي-الرياض)

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝.

(۲-البقرۃ:۲۱۷)

باب أحكام المرتدين

(مرتد کا حکم)

0

[مرتد کا حکم]

[۱] رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا واجب القتل ہے

۲۰۱-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور گالی کے الفاظ مسلمانوں کے سامنے استعمال کیے، اس سلسلہ میں درج ذیل سوال کے جواب مطلوب ہیں:

۱-ایسا شخص مسلمان باقی رہے گا یا مرتد ہو جائے گا؟

۲-اگر ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا، تو اس سے مسلمانوں کو نکاح، جنازہ اور مسجد میں داخل ہونے اور ان جیسے امور میں قطع تعلق کر لینا ضروری ہے یا نہیں؟

۳-اگر یہ شخص مرتد ہو گیا ہے، تو اس کے لیے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ اور اس قبیح فعل کی تلافی کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟

۴-ایک مفتی صاحب کا کہنا ہے: ''اگر یہ شخص توبہ کر بھی لے، تو عند اللہ اس کی توبہ قبول ہوگی، عند الناس نہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو بڑے بخشنے والے اور بڑے معاف کرنے والے ہیں؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا' حق العباد کا ضیاع ہے، جس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں''۔ سوال یہ ہے کہ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا، آپ ﷺ کی ذات پر تہمت لگانا اور آپ کی شان میں

گستاخی کرنا شدید ترین گناہ ہے، ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔[۱]

۲- ایسے شخص کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں، حرام ہے۔[۲] نہ تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، حتی کہ اسے مساجد میں آنے سے بھی روک دیا جائے گا۔[۳]

۳- ایسے شخص کے لیے توبہ و تلافی کی شکل یہ ہے کہ عوام کے سامنے اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کرے، اس فعل پر اللہ سے معافی مانگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے تعریفی کلمات عوام کے سامنے کہے کہ عوام کو یقین ہو جائے کہ وہ حقیقتاً اپنی گستاخانہ حرکت پر نادم و پشیماں ہے اور واقعتاً اپنے

---

(۱) اتفق العلماء على أن الاستخفاف بالأنبياء حرام، وأن المستخف بهم مرتد، وهذا فيمن ثبتت نبوته بدليل قطعي؛ لقوله تعالى: ﴿وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ﴾ الآية. [۹-التوبة: ۶۱]، وقوله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا﴾ [۳۳-الأحزاب: ۵۷] وقوله تعالى: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ. لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ الآية. [۹-التوبة: ۶۶-۶۵]. وسواء أكان المستخف هازلا أم كان جادا، لقوله تعالى: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ. لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ (۹-التوبة: ۶۵-۶۶). (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳/۲۴۹، حكم الاستخفاف بالأنبياء، مادة: استخفاف، ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت ☆ مزید دیکھیے: السيف المسلول على من سب الرسول: ۱۳۳، أدلة وجوب قتل الساب من الكتاب الخ، ☆ الصارم المسلول على شاتم الرسول، ص: ۳، المسألة الأولى: أن من سب النبي صلى الله عليه وسلم من مسلم أو كافر فإنه يجب قتله. ط: الحرس الوطني السعودي، المملكة العربية السعودية ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۲۳۱-۲۳۳، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب مهم في حكم ساب الأنبياء، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق، فإنه - صلى الله عليه وسلم - لما خاف على كعب بن مالك وأصحابه النفاق حين تخلفوا عن غزوة تبوك أمر بهجرانهم خمسين يوما، وقد هجر نساءه شهرا وهجرت عائشة ابن الزبير مدة، وهجر جماعة من الصحابة جماعة منهم، وماتوا متهاجرين. (مرقاة المفاتيح: ۸/۷۵۹، باب ما ينهي عنه من التهاجر. الخ، الفصل الأول، ت: محمد جميل العطار، ط: بنگلہ اسلامک اکیڈمی دیوبند)

(۳) أما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله فيلقى في حفرة) أي ولا يغسل، ولا يكفن، ولا يدفع إلى من انتقل إلى دينهم، بحر عن الفتح. (رد المحتار: ۲/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد. الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

گناہ سے توبہ کر رہا ہے۔ (۴) تو توبہ کرنے کے بعد (اگر وہ شادی شدہ ہے، تو) بیوی سے تجدید نکاح ضروری ہوگا؛ کیوں کہ پہلا نکاح (اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے) ختم ہو گیا تھا۔ (۵)

۴-مفتی صاحب کی بات تقریباً صحیح ہے، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا انسان معافی کے قابل نہیں، اس کی توبہ کسی حال میں قبول نہیں ہوگی، اگر اسلامی سلطنت ہے، تو اسے قتل کیا جائے گا۔ (۶) چناں چہ شامی میں ہے کہ وہ معافی کے قابل نہیں ہے، اگر اسلامی سلطنت ہے، تو ایسا شخص قتل کا مستحق ہوگا؛ لیکن اس کی توبہ آخرت کے معاملہ میں قبول ہوگی اور آخرت کے عذاب سے نجات حاصل کر لے گا؛ لیکن اس کا دنیوی معاملہ معافی کے قابل نہیں ہے: **(قوله فانه يقتل حداً)... أفاد أنه حكم الدنيا، أما عند الله فهي مقبولة كما في البحر. (شامي: ۴/ ۲۳۲، باب المرتد، كتاب الجهاد، ط: بيروت)** [۷] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۴) (قوله وإسلامه أن يتبرأ عن الأديان كلها أو عما انتقل إليه) أي إسلام المرتد بذلك ومراده أن يتبرأ عن الأديان كلها سوى دين الإسلام وتركه لظهوره ولم يذكر الشهادتين، وصرح في العناية بأن التبرؤ بعد الإتيان بالشهادتين وفي شرح الطحاوي: سئل أبو يوسف كيف يسلم؟ فقال: أن يقول أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله ويقر بما جاء من عند الله ويتبرأ من الذي انتحله. (البحر الرائق: ۵/ ۲۱۶، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب- ديوبند)

(۵) وفي شرح الوهبانية للشرنبلالي: ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح وأولاده أولاد زنا، وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۲۴۶، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۸۳، كتاب السير، الباب العاشر في البغاة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۶) إن مشهور مذهب مالك وأصحابه وقول السلف وجمهور العلماء أنه لاتقبل توبته وأنه يقتل حداً. (السيف المسلول على من سب الرسول- تقي الدين السبكي (۶۸۳-۷۵۶ھ)، ص: ۱۶۱، الفصل الثاني في توبته واستتابته، ط: دار الفتح- عمان)

(۷) جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اور آپ کو برا بھلا کہے، نعوذ باللہ گالی دے، وہ واجب القتل ہے، لیکن اگر وہ توبہ کر لے، تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی یا نہیں؟ راجح قول یہ ہے کہ احناف کے نزدیک اس کی توبہ مقبول ہوگی، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے بحث کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ توبہ سے قبل اس کو قتل کر دیا جائے گا، لیکن اگر وہ توبہ کر لے، تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اصل میں اس مسئلہ میں صاحب بزازیہ کو امام ابو حنیفہؒ کا مذہب نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے، اور بعض لوگوں نے ان ہی کے نقل پر اعتماد کر کے یہ لکھ دیا کہ احناف کے نزدیک بھی شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، جب کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں: =

[۲] توبہ کا وقت غرغرہ سے پہلے ہے

۲۰۲-سوال: (۱) مجھ پر ایک سفلی سحر (جادو) کیا گیا ہے، شفا کے لیے میں نے دو مرتبہ ایک مزار کا طواف کیا اور وہاں یہ الفاظ کہے کہ: اس کو ختم کردو، اس کو جلا دو وغیرہ۔ یہ جو کچھ بھی میں نے کیا ہے، یہ سمجھ کر کیا ہے کہ صاحب مزار بزرگ مجھے اپنی کرامت سے ٹھیک کردیں گے۔

پھر میں اپنے اس عمل کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کی تحقیق کرتا رہا، بالآخر مجھے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ کی ایک کتاب ''مرنے کے بعد کیا ہوگا؟'' ہاتھ لگی، جس میں اللہ کے رسول ﷺ کی یہ حدیث شریف

= قال الحصكفي: (وكل مسلم ارتد فتوبته مقبولة إلا) ... (الكافر بسب نبي) من الأنبياء فإنه يقتل حدا ولا تقبل توبته مطلقا ... ومن شك في عذابه وكفره كفر، وتمامه في الدرر في فصل الجزية معزيا للبزازية ... وفيها: من نقص مقام الرسالة بقوله بأن سبه - صلى الله عليه وسلم - أو بفعله بأن بغضه بقلبه قتل حدا كما مر التصريح به، لكن صرح في آخر الشفاء بأن حكمه كالمرتد، ومفاده قبول التوبة كما لا يخفى، زاد المصنف في شرحه: وقد سمعت من مفتي الحنفية بمصر شيخ الإسلام ابن عبد العال أن الكمال وغيره تبعوا البزازي، والبزازي تبع صاحب [السيف المسلول] عزاه إليه ولم يعزه لأحد من علماء الحنفية وقد صرح في النتف ومعين الحكام وشرح الطحاوي وحاوي الزاهدي وغيرها بأن حكمه كالمرتد ولفظ النتف من سب الرسول - صلى الله عليه وسلم - فإنه مرتد وحكمه حكم المرتد ويفعل به ما يفعل بالمرتد انتهى.

قال ابن عابدين: (قوله والبزازي تبع صاحب السيف المسلول) الذي قاله البزازي إنه يقتل حدا، ولا توبة له أصلا، سواء بعد القدرة عليه والشهادة أو جاء تائبا من قبل نفسه كالزنديق لأنه حد وجب، فلا يسقط بالتوبة ولا يتصور فيه خلاف لأحد لأنه تعلق به حق العبد إلى أن قال ودلائل المسألة تعرف في كتاب [الصارم المسلول على شاتم الرسول] اهـ. وهذا كلام يقتضي منه غاية العجب، كيف يقول لا يتصور فيه خلاف لأحد بعد ما وقع فيه اختلاف الأئمة المجتهدين مع صدق الناقلين عنهم كما أسمعناك وعزوه المسألة إلى كتاب [الصارم المسلول] وهو لابن تيمية الحنبلي يدل على أنه لم يتصفح ما نقلناه عنه من التصريح بأن مذهب الحنفية والشافعية قبول التوبة في مواضع متعددة، وكذلك صرح به السبكي في السيف المسلول والقاضي عياض في الشفاء كما سمعته مع أن عبارة البزازي بطولها أكثرها مأخوذ من الشفاء.

فقد علم أن البزازي قد تساهل غاية التساهل في نقل هذه المسألة وليته حيث لم ينقلها عن أحد من أهل مذهبنا بل استند إلى ما في الشفاء والصارم أمعن النظر في المراجعة حتى يرى ما هو صريح في خلاف ما فهمه ممن نقل المسألة عنهم ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. فلقد صار هذا التساهل سببا لوقوع عامة المتأخرين عنه في الخطأ حيث اعتمدوا على نقله وقلدوه في ذلك ولم ينقل أحد منهم المسألة عن كتاب من كتب الحنفية، بل المنقول قبل حدوث هذا القول من البزازي في كتبنا وكتب غيرنا خلافه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۳۱/۴-۲۳۵، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب توبة اليأس مقبولة دون إيمان اليأس، ط: دار الفكر - بيروت)

مذکور ہے کہ: میری شفاعت اس کے حق میں مفید ہوگی، جس نے شرک نہیں کیا ہے۔[(۱)]

(۲) اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف کردوں گا۔[(۲)]

(۳) اور گجراتی بہشتی زیور میں لکھا ہوا ہے کہ توبہ سے کفر اور شرک کی توبہ مراد نہیں ہے؛ بل کہ دوسرے گناہوں سے توبہ مراد ہے، اب اشکال یہ ہے کہ ایمان کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ کفر وشرک سے توبہ کرکے اسلام میں داخل ہوجائے؛ لہٰذا آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس انداز میں جواب مرحمت فرمائیں کہ مذکورہ اشکال رفع ہوجائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) ایسا لگتا ہے کہ آپ کی نظر سے صرف ایک دو حدیث ہی گذری ہے، آپ نے کتابوں کا تفصیلی مطالعہ نہیں کیا ہے؛ اس لیے آپ کو خلجان پیدا ہوا ہے، اگر آپ نے مزار پر جا کر یہ دعا کی کہ ''یا اللہ اس بزرگ کے وسیلہ سے میرے سحر کو ختم کردیجیے اور مجھے شفاء عطا فرمادیجیے'' تو آپ مسلمان ہیں، اسلام سے نہیں نکلے۔[(۳)]

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »أشهد كم أن شفاعتي لكل من مات لا يشرك بالله شيئا«. (جامع معمر بن راشد (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق) - معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي (م: ۱۵۳هـ): ۱۱/ ۴۱۳، باب من يخرج من النار، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي - باكستان، وتوزيع المكتب الإسلامي - بيروت ☆مسند أبي داود الطيالسي - أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصرى (م: ۲۰۴هـ): ۳۳۹/۴، برقم الحديث: ۱۰۹۱، ت: د. محمد بن عبد المحسن التركي، ط: دار هجر - مصر ط: دار هجر - مصر)

(۲) قال الله تعالى: إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا. [۴- النساء: ۴۸]

(۳) قال ابن عابدين: (قوله لأنه لا حق للخلق على الخالق) قد يقال: إنه لا حق لهم وجوبا على الله تعالى، لكن الله سبحانه وتعالى جعل لهم حقا من فضله، أو يراد بالحق الحرمة والعظمة، فيكون من باب الوسيلة، وقد قال تعالى: {وابتغوا إليه الوسيلة} [۵- المائدة: ۳۵] وقد عد من آداب الدعاء التوسل على ما في الحصن، وجاء في رواية: »اللهم إني أسألك بحق السائلين عليك، وبحق ممشاي إليك، فإني لم أخرج أشرا ولا بطرا« الحديث اهـ ط عن شرح النقاية لمنلا علي القاري. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۶/ ۳۹۷، الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت)

پس انبیاء واولیاء کے ساتھ توسل جائز ہے، ہاں استعانت جائز نہیں۔ (امداد الاحکام: ۱/ ۱۳۴، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند ☆نظام الفتاویٰ ۱/ ۷۱، ط: تاج پبلشنگ ہاؤس - دیوبند)

اور اگر آپ نے مزار کا طواف کیا اور کہا: ''اے اللہ کے ولی! آپ اس تکلیف کو دور کر دیجیے'' اور یہ عقیدہ رکھا کہ تکلیف کو دور کرنے والے صاحب مزار ہی ہیں، تو اس عمل کی وجہ سے آپ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو گئے۔[۱] البتہ اس کے بعد آپ نے توبہ و استغفار کیا اور کلمہ پڑھ لیا اور اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگ لی اور عقیدہ صحیح کر لیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، تو آپ اسلام میں دوبارہ داخل ہو گئے؛ لیکن اب بیوی سے نکاح کی تجدید لازم ہے۔[۲]

(۲) مشرکین میں جو شرک پر مر گئے، ان کو سفارش سے فائدہ نہیں ہوگا، آپ تو زندہ ہیں اور شرک سے توبہ کر رہے ہیں؛ آپ کو اس سے فائدہ ہوگا۔[۳] اس لیے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ

---

(۱) قال العلامة الوسي في تفسيره: إن الناس قد أكثروا من دعاء غير الله تعالى من الأولياء الأحياء منهم والأموات وغيرهم، مثل يا سيدي فلان أغثني، وليس ذلك من التوسل المباح في شيء، واللائق بحال المؤمن عدم التفوه بذلك وأن لا يحوم حول حماه، وقد عدّه أناس من العلماء شركا... ولا أرى أحدا ممن يقول ذلك إلا وهو يعتقد أن المدعو الحي الغائب أو الميت المغيب يعلم الغيب أو يسمع النداء ويقدر بالذات أو بالغير على جلب الخير ودفع الأذى وإلا لما دعاه ولا فتح فاه، وفي ذلك بلاء من ربكم عظيم، فالحزم التجنب عن ذلك وعدم الطلب إلا من الله تعالى القوي الغني الفعال لما يريد... لم يشك في أن الاستغاثة بأصحاب القبور - الذين هم بين سعيد شغله نعيمه وتقلبه في الجنان عن الالتفات إلى ما في هذا العالم، وبين شقي ألهاه عذابه وحبسه في النيران عن إجابة مناديه والإصاخة إلى أهل ناديه - أمر يجب اجتنابه ولا يليق بأرباب العقول ارتكابه. ولا يغرنك أن المستغيث بمخلوق قد تقضى حاجته وتنجح طلبته، فإن ذلك ابتلاء وفتنة منه عز وجل، وقد يتمثل الشيطان للمستغيث في صورة الذي استغاث به فيظن أن ذلك كرامة لمن استغاث به، هيهات هيهات إنما هو شيطان أضله وأغواه وزين له هواه. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني - شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۳/ ۲۹۷-۲۹۸، المائدة: ۳۵، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

توسل کیا جا سکتا ہے؛ لیکن خود ان سے حاجت طلب کرنا حرام ہے۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/ ۷۳، کتب خانہ نعیمیہ - دیوبند☆ نظام الفتاویٰ: ۱/ ۷۰، ط: تاج پبلشنگ - دیوبند)

(۲) إذا كان في المسألة وجوه توجب الكفر، ووجه واحد يمنع، فعلى المفتي أن يميل إلى ذلك الوجه كذا في الخلاصة. في البزازية إلا إذا صرح بإرادة توجب الكفر، فلا ينفعه التأويل حينئذ كذا في البحر الرائق. ثم إن كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير، فهو مسلم، وإن كانت نيته الوجه الذي يوجب التكفير لا تنفعه فتوى المفتي، ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته كذا في المحيط.. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۸۳، كتاب السير، الباب العاشر في البغاة☆ الفتاوى التاتارخانية: ۵/ ۴۵۸، كتاب احكام المرتدين، ط: ادارة القرآن - پاکستان☆ رد المحتار على الدر: ۳/ ۱۹۳-۱۹۴، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: »إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر«. (سنن ابن ماجة=

فرماتے ہیں: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ.[۵] ہر مسلمان کا اس بات پر ایمان ہے کہ جس کا انتقال شرک پر ہوا ہے، اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔

(۳) اور جب تک آدمی سکرات کی حالت میں نہ پہنچا ہو، اس کی کفر سے توبہ قبول ہوگی، خواہ وہ کافر ہو یا یہودی وعیسائی، توبہ کا دروازہ غرغرہ سے پہلے پہلے ہر انسان کے لیے قیامت تک کھلا ہوا ہے۔[۶] پس کافر کی کفر سے توبہ قبول ہوگی، ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد (صحابہ کرام؄) نے[۷] نبی ﷺ کے زمانہ میں کفر سے توبہ کی اور ایمان میں داخل ہوئے اور ان کی توبہ قبول کی گئی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] مسلمان لڑکی کسی ہندو کے ساتھ بھاگ کر مذہب بدل لے تو کیا اس کو قتل کرنا جائز ہے؟

۲۰۳-سوال: ہمارے گاؤں میں ایک مسلمان وہرا سماج کی لڑکی کو ہندو ہریجن لڑکے کے

=ص: ۳۱۴، = رقم الحديث: ۴۲۵۳، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ط: البدر-ديوبند☆مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۰/ ۳۰۰، رقم الحديث: ۶۱۶۰، مسند عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه☆سنن الترمذي: ۲/ ۱۹۴، رقم الحديث: ۳۵۳۷، أبواب الدعوات، باب: بعد باب في فضل التوبة والاستغفار وما ذكر من رحمة الله بعباده، ط: البدر-ديوبند)

(۵) (۴-النساء: ۴۸)

(۶) دیکھیے حاشیہ نمبر: ۴۔

(۷) صحابہ کی صحیح تعداد کی کوئی حتمی تعیین نہیں، البتہ بعض عبارت سے ایک لاکھ چوبیس ہزار کا پتہ چلتا ہے:

وأما عددهم على القول الأكثر فروي أنه سار عام فتح مكة في عشرة آلاف مسلم، وفي حنين في اثني عشر ألفا، وفي حجة الوداع في أربعين ألفا، وكانوا عند وفاته مائة ألف وأربعة وعشرين ألفا. (تاريخ ابن الوردي- عمر بن مظفر بن عمر بن محمد ابن أبي الفوارس، أبو حفص، زين الدين ابن الوردي المعري الكندي (م: ۷۴۹هـ): ۱/ ۱۳۲، ذكر أصحابه" ط:: دار الكتب العلمية- بيروت)

وأما عدد أصحاب النبي - صلى الله عليه وسلم- فمن رام حصر ذلك رام أمرا بعيدا، ولا يعلم ذلك حقيقة إلا الله عز وجل لكثرة من أسلم من أول البعث إلى أن مات رسول الله - صلى الله عليه وسلم-، . . . وقد ورد أنه سار عام الفتح في عشرة آلاف من المقاتلة، وإلى حنين في اثني عشر ألفا، وإلى حجة الوداع في أربعين ألفا، وإلى تبوك في سبعين ألفا.
وقد روي أنه قبض رسول الله - صلى الله عليه وسلم- عن مائة ألف وأربعة وعشرين ألفا، والله أعلم بحقيقة ذلك. (جامع الأصول في أحاديث الرسول- مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد الشيباني الجزري ابن الأثير (م: ۶۰۶هـ): ۱۲/ ۱۱۸، الباب الثالث في ذكر العشرة من الصحابة، ط: مكتبة الحلواني - مطبعة الملاح - مكتبة دار البيان)

ساتھ عشق ہوگیا اور وہ اس کے ساتھ بھاگ گئی ہے، سننے میں آیا ہے کہ اس لڑکی نے مذہب بھی بدل لیا ہے اور ساڑی پہننا اور تلک لگانا شروع کردیا ہے، اس کو تلاش کیا گیا؛ لیکن اب تک اس کا سراغ نہیں ملا ہے۔ اس کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ وہ جب بھی گاؤں میں قدم رکھے گی، تو اس کو جان سے ختم کردیں گے، اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ مرتد لڑکی مل جائے، تو کیا اس کو قتل کرنا جائز ہوگا؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان لڑکی نے جو کیا ہے، بہت ہی غلط، خراب اور گناہ کا کام کیا ہے، کہ تلک لگانے اور کفار کے مذہبی عمل کو اختیار کرنے سے ایمان بھی ختم ہوگیا اور زنا کا گناہ مستزاد ہے۔ البتہ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے لیے اس لڑکی کو مار ڈالنے کی اجازت نہیں ہوگی، اگر اسلامی حکومت ہوتی، تو مقدمہ (کیس) قاضی کی عدالت میں پیش کرکے ان کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوتا؛ لیکن یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے، تو قانون اپنے ہاتھ میں لے کر کسی کا از خود قتل کرنا جائز نہیں، حرام ہے، اس میں دین ودنیا دونوں کا نقصان ہوگا، پس ماں باپ یا رشتہ داروں کا اس لڑکی کو مار ڈالنے کی فکر کرنا جائز نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] کلمۂ کفر کا تکلم کرنے کے بعد نکاح کی تجدید کا حکم

۲۰۴-سوال: اگر کسی عورت نے کلمۂ کفر کا تکلم کیا، تو کیا حکم ہے؟ کیا اس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا، نکاح میں واپس لانے کے لیے کیا کرنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کفریہ عقائد کا ماننا یا کفریہ اعمال کا ارتکاب کرنا، اسلام سے محرومی کا سبب ہے، خواہ ارتکاب کرنے

---

(۱) وأما شرائط جواز إقامتها، فمنها ما يعم الحدود كلها، ومنها ما يخص البعض دون البعض، أما الذي يعم الحدود كلها فهو الإمامة: وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام، وهذا عندنا... وبيان ذلك أن ولاية إقامة الحد إنما ثبتت للإمام؛ لمصلحة العباد وهي صيانة أنفسهم وأموالهم وأعراضهم... والإمام قادر على الإقامة؛ لشوكته ومنعته وانقياد الرعية له قهرا وجبرا، ولا يخاف تبعة الجناة وأتباعهم؛ لانعدام المعارضة بينهم وبين الإمام، وتهمة الميل، والمحاباة، والتواني عن الإقامة منتفية في حقه، فيقيم على وجهها فيحصل الغرض المشروع له الولاية بيقين. (بدائع الصنائع: ۷/ ۵۷، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامة الحدود، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

والا مرد ہو یا عورت؛ اس سے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو جاتا ہے، ارتداد کی وجہ سے نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔[1]

صورت مذکورہ میں جب کہ کسی عورت نے کلمہ کفر کا تکلم کیا ہے، تو اولاً کلمہ شہادت، ایمان مجمل اور ایمان مفصل پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کرے اور کفر سے براءت کا اظہار کرے۔[2] تجدید ایمان کے بعد دو گواہوں کی موجودگی میں اپنے سابق شوہر سے نکاح کرے۔[3] اور بہتر یہ ہے کہ مسجد میں اعلان کر دیا جائے اور دوبارہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عددا (عاجل) بلا قضاء. (الدر المختار)
قال ابن عابدين الشامي: (قوله بلا قضاء) أي بلا توقف على قضاء القاضي، وكذا بلا توقف على مضي عدة في المدخول بها كما في البحر. (رد المحتار: ۳/ ۱۹۳-۱۹۴، باب نكاح الكافر، ط: دار الفكر -بيروت)

(۲) (وإسلامه أن يتبرأ عن الأديان) سوى الإسلام (أو عما انتقل إليه) بعد نطقه بالشهادتين. (الدر المختار مع الرد: ۴/ ۲۲۶، باب المرتد، ط: دار الفكر -بيروت)
انظر للتوسع: البحر الرائق: ۵/ ۱۳۸، توبة الزنديق، ط: دار الكتاب الإسلامي. والمبسوط للسرخسي: ۱۰/ ۹۹، باب المرتدين، ط: دار المعرفة -بيروت.

(۳) (وشرط حضور شاهدين) قال الشامي: أي يشهدان على العقد. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۲۱، كتاب النكاح، ط: دار الفكر -بيروت)

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۵۹-الحشر:۷)

باب السنة والبدعة

(سنن و بدعات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[سنن وبدعات]

[۱] سنت چھوٹ جانے سے دِل کا غمگین اور پریشان ہونا

۲۰۵-سوال: سنت چھوڑ دینے یا چھوٹ جانے کی وجہ سے دل میں خلش پیدا ہوتی ہے، دل غمگین اور پریشان ہوجاتا ہے، جیسے جیب میں مسواک ہے؛ مگر مسواک کرنا بھول گیا، یا سوتے وقت قبلہ رُخ نہیں سویا، دسترخوان نہیں بچھایا، پانی پیتے وقت برتن ہی میں سانس لیا، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

سنت کے چھوٹنے پر دل کا پریشان اور مضطرب ہونا ایمانِ کامل کی علامت ہے۔ (۱) اللہ تعالی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] بدعت کسے کہتے ہیں؟ کیا فضائل اعمال کی تعلیم بدعت ہے؟

۲۰۶-سوال: بدعت کسے کہتے ہیں؟ کیا فضائل اعمال کی تعلیم بدعت نہیں ہے؟ فضائل اعمال

---

(۱) سأل رجل النبي -صلى الله عليه وسلم- فقال: ما الإثم؟ فقال: " إذا حك في نفسك شيء فدعه ". قال: فما الإيمان؟ قال: " إذا ساءتك سيئتك، وسرتك حسنتك فأنت مؤمن ". (مسند أحمد بن حنبل:۳۶/ ۴۸۴، رقم: ۲۲۱۵۹، عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه، ط: مؤسسة الرسالة)

عن أنس قال قال النبي صلى الله عليه وسلم : لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده، وولده، والناس أجمعين. (صحيح البخاري:۱/ ۷، رقم الحديث:۱۵، حب الرسول -صلى الله عليه وسلم- من الإيمان، ط: البدر -ديوبند)

ومن محبته وحقه نصرة سنته، والذب عن شريعته، وقمع مخالفيها، وامتثال أوامره، وتمني إدراكه في حياته، ليبذل نفسه وماله دونه، والحديث صريح في أن محبة الرسول من أمور الإيمان، والناس فيها متفاوتون وهو يستلزم زيادة الإيمان ونقصانه. (مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح-عبيد الله الرحماني المباركفوري (م: ۱۴۱۴هـ):۱/ ۱۷۴، دار الكتاب، بيروت)

کی تعلیم کے بجائے درس قرآن یا درس حدیث کا سلسلہ کیوں شروع نہیں کیا جاتا؟ جواب دے کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بدعت کے لغوی معنیٰ "نئی اور انوکھی چیز" کے ہیں اور اصطلاح شرع میں ہر وہ کام بدعت ہے، جسے دین سمجھ کر انجام دیا جائے، حالاں کہ اس کا ثبوت نہ تو قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سے صراحۃً یا کنایۃً ہو اور نہ ہی وہ اجتہاد امت سے ثابت ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۲۷)[1]

آں حضرت ﷺ کے مبارک زمانے میں ہمارے زمانے کی طرح دار العلوم (مدارس ومکاتب) کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا؛ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ آں حضرت ﷺ سے صحابۂ کرام مسجد نبوی ﷺ کے صفہ نامی چبوترے پر تعلیم حاصل کرتے تھے۔[2]

آں حضرت ﷺ کے زمانے میں ہمارے زمانے کی طرح کورٹ کچہری یا اسمبلی نہیں تھی؛ البتہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آں حضرت ﷺ مدعی اور مدعا علیہ کی فریاد کو مسجد نبوی میں سنتے تھے اور فیصلہ صادر فرماتے تھے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے امور کی انجام دہی کے لیے مسجد میں مشورے ہوا کرتے تھے۔

آں حضرت ﷺ کے زمانے میں صرف ونحو کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی، کیوں کہ آپ ﷺ کے اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) عربی زبان کے بڑے ماہر ہوتے تھے؛ البتہ ہمارے زمانے میں عربی زبان پر قدرت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کا سیکھنا فرض کفایہ قرار دیا گیا؛ کیوں کہ اس کے بغیر قرآن واحادیث کا صحیح علم حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔[3]

---

(۱) قال النووي: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق، وفي الشرع: إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مرقاة المفاتيح: ۱/ ۲۲۳، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، دار الفكر - بيروت)

ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - من علم أو عمل أو حال، بنوع شبهة واستحسان، وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما. (رد المحتار: ۱/ ۵۶۰، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وقال ابن الأثير في ذكر أهل الصفة: هم فقراء المهاجرين ولم يكن لواحد منهم منزل يسكنه فكانوا يأوون إلى موضع مظلل في مسجد المدينة يسكنونه. (عمدة القاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۷/ ۸۱، باب صلوة الكسوف جماعة. ط: دار إحياء التراث العربي)

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۱۹۰، کیا ہر نئی چیز بدعت ہے؟ ط: دار الاشاعت دیوبند۔

(ومبتدع) أي: صاحب بدعة، قال الشامي: أي: محرمة، وإلا فقد تكون واجبة، كنصب الأدلة للرد على أهل =

اسی طرح دین اور احکام دین پر عمل کی ترغیب دینے کے لیے اگر فضائل اعمال کی تعلیم کی جائے، تو اس سے عبادت و بندگی کا ثواب حاصل ہوگا؛ کیوں کہ اس میں اعمال صالحہ کی فضیلت کا بیان اور بدعملی یا کوتاہی پر وعید کا ذکر ہے، اس کتاب کے پڑھنے سے انسان میں اعمال صالحہ کی انجام دہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور منکرات سے بچنے کا حوصلہ ملتا ہے؛ البتہ اسی کتاب کے پڑھنے کو لازم اور ضروری سمجھنا اور نہ پڑھنے والے کو برا بھلا کہنا، دوسری کتاب کے پڑھنے والے کو روکنا، اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنا غلط اور بدعت ہے، جس سے احتراز لازمی ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کرنا صرف ذی استعداد عالم اور مفسر کا حق ہے، یہ عظیم منصب انہیں کے ساتھ خاص ہے، کسی ڈاکٹر یا وکیل کا قرآن مجید کا ترجمہ کر کے اپنی مرضی کے مطابق اس کا مطلب بیان کرنا حرام ہے، ایک حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی عقل اور رائے سے کرے، تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے"۔ (۴)

اس لیے آپ کسی عالم کو مناسب وظیفہ دے کر قرآن مجید کی تفسیر کا انتظام کیجیے، یہ بڑے ثواب کا

=الفرق الضالة، وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

البدعة: طريقة ابتدعت على غير مثال تقدمها من الشارع، ...وبهذا القيد انفصلت عن كل ما ظهر لبادي الرأي أنه مخترع مما هو متعلق بالدين، كعلم النحو والتصريف، ومفردات اللغة، وأصول الفقه، وأصول الدين، وسائر العلوم الخادمة للشريعة، فإنها وإن لم توجد في الزمان الأول، فأصولها موجودة في الشرع، ...فعلى هذا لا ينبغي أن يسمى علم النحو أو غيره من علوم اللسان أو علم الأصول أو ما أشبه ذلك من العلوم الخادمة للشريعة بدعة أصلاً. (الاعتصام -إبراهيم بن موسى اللخمي الغرناطي الشهير بـ 'الشاطبي' (م: ۷۹۰ھ): ۱/ ۵۱- ۵۳، تعريف البدعة ومعناها، ت: سليم بن عيد الهلالي، ط: دار ابن عفان، السعودية)

(۴) عن ابن عباس، عن النبي - صلى الله عليه وسلم- قال: اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم، فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار، ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار. هذا حديث حسن. (سنن الترمذي: ۲/ ۱۲۳، رقم الحديث: ۲۹۵۱، أبواب تفسير القران، باب ما جاء في الذي يفسر القران برأيه☆السنن الكبرى-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۷/ ۲۸۶، رقم الحديث: ۸۰۳۱، كتابة القران، باب من قال في القرآن بغير علم، ت: حسن عبد المنعم شلبي، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت☆شرح السنة-: محيي السنة، أبو محمد البغوي الشافعي (م: ۵۱۶ھ): ۱/ ۲۵۸، رقم: ۱۱۸، كتاب العلم، باب من قال في القرآن بغير علم، ت: شعيب الأرنؤوط-محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

کام ہے، جماعت کے احباب اپنی صلاحیت اور لیاقت کے مطابق فضائل اعمال کی تعلیم کرتے ہیں، یہ ان کے لیے جائز ہے، اس میں نہ تو کوئی حرج ہے، نہ بدعت ہے، بل کہ دین سیکھنے اور سکھانے کے لیے موثر اور مجرب طریقہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] مروجہ صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم

۲۰۷-سوال: ہمارے گاؤں میں تین سال قبل مسجد بنی ہے، اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں صلاۃ وسلام پڑھنا چاہیے، تو سوال یہ ہے کہ مسجد میں مروجہ صلاۃ وسلام پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جلد جواب عنایت فرمائیں۔

(مولوی) ابراہیم اچھوڑوی

الجواب حامداً ومصلياً:

آپ عالم ہیں، اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔[۱] لوگوں کو ان کتابوں کے ذریعہ سمجھائیں۔ ایسا کون مسلمان ہوگا، جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت اور پاک زندگی پر بیان، وعظ، نعت اور درود شریف پڑھنے اور سننے کی خواہش نہ ہو؛ بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ (بخاری شریف: ۱/۷)[۲]

اس میں کوئی شک نہیں کہ "ذکر رسول" بہت ہی ثواب کا کام ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ذکر سن کر اپنے ایمان میں تازگی محسوس کرتا ہے۔[۳] لیکن موجودہ دور میں

(۱) دیکھیے: مروجہ محفل میلاد۔

(۲) عن أنس، قال: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: لا يؤمن أحدكم، حتى أكون أحب إليه من والده، وولده، والناس أجمعين. (صحيح البخاري ۱/۷، باب: حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، كتاب الإيمان، رقم: ۱۵، ط: البدر - ديوبند☆ صحيح مسلم: ۱/۴۹، كتاب الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أكثر من الأهل والولد والوالد، ط: البدر - ديوبند)

(۳) جیسا کہ عربی شاعر کہتا ہے: وذكرك للمشتاق خير شراب ... وكل شراب دونه كسراب

امداد الفتاویٰ میں ہے: ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے، اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو۔ (۵/۲۴۹، کتاب البدعات، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

مندرجہ ذیل قباحتوں کی وجہ سے علماء مروجہ صلاۃ وسلام کی اجازت نہیں دیتے ہیں:

۱- بہت سے لوگ نماز، روزہ اور حج وغیرہ اہم عبادات کو چھوڑ کر صرف ذکر مولود کو ہی نجات کا ذریعہ مانتے ہیں۔(۴)

۲- اس کام کے لیے لوگوں سے جبراً چندہ لیا جاتا ہے، جو درحقیقت ظلم ہے۔(۵)

۳- اس کے انتظام میں بہت سے لوگ فرض نماز بھی ادا نہیں کرتے ہیں۔(۶)

۴- بے پردہ عورتیں اس میں شریک ہوتی ہیں، جو حرام ہے۔(۷)

---

(۴) عن الأسود قال: قال عبد الله (بن مسعود): لا يجعل أحدكم للشيطان شيئا من صلاته، يرى أن حقا عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا ينصرف عن يساره. (صحيح البخاري: ۱/۱۱۸، رقم الحديث: ۸۵۲، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال)

قال ابن حجر في شرحه: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء، أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته، والله أعلم. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۲/۳۳۸، قوله باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، رقم الحديث: ۸۵۲، ط: دار المعرفة-بيروت، ۱۳۷۹)

(۵) قال الله تعالى: ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم، الآية (النساء: ۲۹) وقال النبي صلى الله عليه وسلم: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مسند أحمد: ۳۴/۲۹۹، رقم: ۲۰۶۹۵، ت: شعيب أرناؤط، ط: مؤسسة الرسالة عام ۱۴۲۱هـ)، ومسند أبويعلى: ۳/۱۴۰، رقم: ۱۵۷۰، ت: حسين سليم، ط: دار المأمون للتراث-دمشق عام ۱۴۰۴هـ)

قال المظهري في تفسير "الباطل" أي بوجه ممنوع شرعاً، كالغصب، و السرقة، و الخيانة، والقمار، والرباء، والعقود الفاسدة. (التفسير المظهري: ۲/۲۹۸، ت: أحمد عزو عناية، ط: زکریا-دیوبند)

(۶) بلا عذر اور فضول کاموں میں مشغول ہو کر نماز کا چھوڑنا گناہِ کبیرہ ہے، احادیث میں اس پر بڑی وعید وارد ہوئی ہے، كما روي عن جابر بن عبد الله يقول: سمعت رسول الله-صلى الله عليه وسلم-يقول: بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة. (صحيح مسلم: ۱/۶۱، رقم: ۸۲، كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، البدر-ديوبند)

(۷) عن عبد الله عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (سنن الترمذي: ۱/۲۲۲، رقم: ۱۱۷۳، أبواب الرضاع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب المرأة عورة، قبيل أبواب الطلاق واللعان، ط: فيصل-ديوبند)

وفي الدر المختار: (وتمنع) المرأة الشابة (من كشف الوجه بين الرجال) لا لأنه عورة، بل (لخوف الفتنة) كمسه وإن أمن الشهوة؛ لأنه أغلظ. وقال ابن عابدين في حاشيته: والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة؛ لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۷۹، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة، ط: دار عالم الکتب، الریاض، طبع خاص: ۱۴۲۳ھ=۲۰۰۳ء)

۵- اس کام میں اسراف اور فضول خرچی کی جاتی ہے، جو حرام ہے۔ (٨)

٦- رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر تصور کر کے، اس میں قیام کرتے ہیں، جو کفریہ عقیدہ ہے۔ (٩)

٧- جو لوگ قیام نہیں کرتے ہیں، انھیں برا بھلا کہا جاتا ہے، جو حرام ہے۔ (١٠)

٨- رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں جب باحیات تھے، تو اپنے لیے قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے، جس کی وجہ سے صحابۂ کرام (جنھیں آپ علیہ السلام سے بے پناہ محبت تھی) آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ (١١)

٩- آپ ﷺ کے مبارک دور میں قیام نہیں تھا؛ بل کہ جہالت کی وجہ سے بعد کے لوگوں نے اس

---

(٨) ﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾. (٦- الأنعام: ١٤١) وقال الآلوسي: وقال الزهري: المعنى لا تنفقوا في معصية الله تعالى... وعن مجاهد أنه قال: لو كان أبو قبيس ذهبا فأنفقه رجل في طاعة الله تعالى، لم يكن مسرفا، ولو أنفق درهما في معصية الله تعالى كان مسرفا. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني: ٨/ ٣٨، إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان)

(٩) حاضر و ناظر کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف ہے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس کی سختی سے نفی کی گئی ہے۔ قال الله تعالى: ﴿وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ﴾. (القصص: ٤٦) وقال تعالى: ﴿وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾. (القصص: ٤٤) وقال تعالى: ﴿وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾. (آل عمران: ٤٤) قال ابن كثير: أي: ما كنت حاضرا لذلك، ولكن الله أوحاه إليك. (تفسير القرآن العظيم: ٦/ ٢٤٠، سورة القصص: ٤٤، ط: دار طيبه للنشر والتوزيع، طبع دوم: ١٤٢٠ھ- ١٩٩٩ء)

نیز حدیث میں خود اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے آپ کو غائب کہا ہے، جو عقیدۂ حاضر و ناظر کے خلاف ہے، مسند بزار میں یہ واقعہ مفصلاً مذکور ہے، اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے واقعہ کا شاہد اور اپنے لیے لفظ غائب کا استعمال فرمایا ہے۔ (مسند البزار: ٢/ ٧ ٢٣، رقم الحديث: ٤ ٦٣ ، ط: مكتبة العلوم والحكم، مدینہ منورہ، طبع اول: ١٩٨٨ء)

(١٠) عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر. (صحيح البخاري: ١/ ١٢، رقم: ٤٨ و ٦٠٤٤، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، كتاب الإيمان، ط: البدر- ديوبند ☆ صحيح مسلم: ١/ ٥٨، رقم الحديث: ١١٦- ٦٤، باب بيان قول النبي صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، كتاب الإيمان، ط: فيصل- ديوبند)

(١١) عن أنس قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك. (سنن الترمذي: ٢/ ١٠٤، رقم: ٢٧٥٤، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل، ط: مكتبة الاتحاد- ديوبند)

کو دین میں داخل کر دیا ہے، جو قطعاً حرام ہے۔ (۱۲)

۱۰- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو کوئی اس دین میں نئی چیز پیدا کرے، تو وہ مردود ہے۔ (۱۳)

مذکورہ بالا برائیوں اور قباحتوں کی وجہ سے مروجہ صلاۃ وسلام پڑھنا قطعاً جائز نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] جمعہ کے روز ''إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ الآية'' پڑھنا

۲۰۸-سوال: کئی گاؤں میں جمعہ کے روز جمعہ کی نماز کے بعد بہت سے لوگ "إن الله و ملائكته يصلون... الآية" پڑھتے ہیں، اس کا پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ کے روز جمعہ کی نماز کے بعد "إن الله و ملائكته يصلون الآية" پڑھنا ایک نیا امر ہے، جو شرعاً ثابت نہیں ہے؛ اس لیے بدعت ہے۔ (۱) اور اگر اس کے پڑھنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہوتا ہو، (اور یقیناً ہوتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے) تو اس کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا اور بدعت کے ساتھ ساتھ نمازیوں کی نماز میں خلل پیدا کرنے کا بھی گناہ ہوگا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱۲) عن أبي أمامة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم متوكئا على عصا فقمنا إليه فقال: لا تقوموا كما تقوم الأعاجم، يعظم بعضها بعضا. (سنن أبي داؤد: ۵/ ۳۲۲، رقم الحديث: ۵۱۸۷، كتاب الأدب، باب في قيام الرجل للرجل، ت: محمد عوامة، ط: موسسۃ الريان، بيروت، طبع اول: ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸ء، وفی النسخ الہندیۃ: ۲/ ۷۱۰، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك)

(۱۳) عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ☆ صحيح مسلم: ۲/ ۷۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ط: فيصل - ديوبند)

(۱) عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، كتاب الصلح ★ صحيح مسلم: ۲/ ۷۷، رقم الحديث: ۱۷-۱۷۱۸، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور)

(۲) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَا إِلَّا خَآئِفِيْنَ=

[۵] گیارہویں اور مولود شریف کا حکم

۲۰۹-سوال: گیارہویں اور مولود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گیارہویں کا تعلق ایصال ثواب سے ہے، جو کہ فی نفسہ جائز ہے؛(۱) مگر چوں کہ 'التزام مالا یلتزم' کے قبیل سے ہے کہ اس میں حتمی طور پر تاریخ متعین ہوتی ہے، آگے پیچھے کرنا' جائز تصور نہیں کیا جاتا؛ اس لیے درست نہیں ہے۔[۲]

رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک' بلا شبہ قابل ثواب اور ایمان افروز عمل ہے؛ لیکن اس میں اس طرح اشتغال کہ دیگر اعمال نبویہ اور فرائض اسلام: نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کو ترک کر کے محض اسی پر بھروسہ کر کے نجات کی امید رکھنا سخت گمراہی ہے، نیز ذکر ولادت مبارک میں اس طرح لگنا کہ اس میں فرائض کا ترک ہو، امر مندوب کی خاطر فرائض کا ترک کرنا ہے، جو سخت جہالت اور نادانی کی بات ہے، علاوہ ازیں ذکر مولود شریف میں قیام ہوتا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں اپنی ذات اقدس کے لیے کسی دوسرے کے کھڑے ہونے کو گوارہ نہیں فرمایا اور سختی سے اس پر نکیر فرمائی، تو سوچنے کی بات ہے کہ محض

=لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ. (۲- البقرة:۱۱۴) قال محمد بن جرير الآملي، أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰ھ): إن كل مانع مصليا في مسجد لله- فرضا كانت صلاته فيه أو تطوعا- وكل ساع في إخرابه فهو من المعتدين الظالمين. (جامع البيان في تأويل القرآن المعروف بـ تفسير الطبري:۲/۴۴۶، ت:د:عبد الله بن عبدالمحسن التركي، ط: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان، طبع اول:۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱ء)

(۱) فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: اور ایصال ثواب بروح حضرت قدس سرہ (عبد القادر جیلانی) درست ہے اور تعیین تاریخ کہ پس وپیش نہ کرے، بدعت ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۳۹، ط: تھانوی، دیوبند)

(۲) یعنی جو چیز شریعت میں لازم نہ ہو، اسے اپنے اوپر لازم وضروری سمجھنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے: عن أبي هريرة قال: خطبنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فقال: أيها الناس قد فرض الله عليكم الحج، فحجوا، فقال رجل: أكل عام يا رسول الله؟ فسكت حتى قالها ثلاثا، فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: "لو قلت: نعم لوجبت، ولما استطعتم"، ثم قال: ذروني ما تركتكم، فإنما هلك من كان قبلكم بكثرة سؤالهم واختلافهم على أنبيائهم، فإذا أمرتكم بشيء، فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فدعوه. (صحيح مسلم:۱/۴۳۲، رقم الحديث:۷-۱۳۳۲-۴۱۲، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ط: البدر-ديوبند)

ذکر رسول پر قیام کس قدر امر منکر ہوگا! اس لیے یہ ایک الگ بدعت ہے، پس مروجہ ذکر مولود متعدد گناہ کبیرہ کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] گیارہویں شریف اور اس کی دعوت کا حکم

۲۱۰-سوال: بڑے پیر صاحب کی گیارہویں شریف میں شرعی طور پر کیا اعتراض ہے؟ نیز گیارہویں کی دعوت کھانا اور اس کو رواج دینا کیسا ہے؟ اور اس کھانے پر حق کس کا ہے؟ تفصیل سے جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سوال کے جواب میں تین باتیں جان لینی چاہیے:

(۱) گیارہویں کا کھانا خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا؛ دونوں جائز نہیں؛ کیوں کہ اس کے متعلق جواز کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ (۱) جن پیر کے نام سے کھانا کھلایا جاتا ہے، وہ تو ولی کامل تھے، سنت کی پیروی کرنے والے اور اس کے موافق زندگی گزارنے والے تھے اور ان کے مقابل میں ہمارے آباء واجداد- جو گنہ گار تھے- ایصال ثواب کے زیادہ مستحق ہیں، پہلے ان کو ثواب پہنچانا چاہیے۔ (جب کہ اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتا ہے)

(۲) گیارہویں کو ضروری سمجھ کر کیا جاتا ہے؛ لہٰذا بدعت ہے۔ (اس سلسلے میں مکمل تفصیل کے لیے میری کتاب: احکام میت [سکرات سے فاتحہ تک کی سنن وبدعات] ملاحظہ کیجیے۔ (۲)

(۳) ایسی دعوت' جس میں ایصال ثواب مقصود ہو، غریبوں، مسکینوں اور یتیموں (یعنی مستحقین) کو

---

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: مروجہ صلاۃ وسلام کا حکم۔

(۱) اس لیے کہ گیارہویں منانے والوں کے یہاں دن، تاریخ اور مہینہ؛ سب متعین ہوتے ہیں اور کسی چیز کو محض اپنی طرف سے اس طرح متعین کر لینا کہ لوگ اس کے خلاف کرنے کو برا سمجھتے ہوں؛ بدعت ہے۔ حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک لمبی بحث کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''رہا ایصال ثواب، تو جائز طریقے پر بلا تعیین تاریخ ویوم وماہ کے جب چاہے، کر سکتے ہیں ہمیشہ کے لیے ایک ہی تاریخ متعین کرنا کہ کبھی بھی اس کے خلاف نہ کیا جائے تو یہ اپنی طرف سے زیادتی اور ایجاد فی الدین ہے''۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۷۷، ط: دار الاشاعت، کراچی، پاکستان۔ مزید دیکھیے: فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۶۴، ط: مکتبہ تھانوی دیوبند)۔

(۲) یہ کتاب ''احکام میت'' کے نام سے صاحب زادۂ محترم جناب حافظ احمد بیات صاحب کی کوشش سے اردو میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

کھلانا ضروری ہوتا ہے۔ (۳) حالاں کہ دیکھا جاتا ہے کہ عموماً اس پر عمل نہیں ہوتا ہے؛ بل کہ زیادہ تر اس دعوت میں مال داروں کو شریک کیا جاتا ہے؛ لہٰذا خلاف شریعت عمل کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

اگر ایصال ثواب ہی مقصود ہو، تو سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ کوئی دن و تاریخ طے کیے بغیر بجائے کھلانے پلانے کے رقم ہی کسی مدرسہ یا غرباء و یتامیٰ کو دے دی جائے، کہ اس میں ثواب زیادہ ملے گا۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] ربیع الاول اور ربیع الآخر میں رسول اللہ ﷺ اور پیران پیر کے نام پر دعوت کرنا

۲۱۱-سوال: ہمارے گاؤں میں ۱۲-۱۳/سال سے ربیع الاول کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ کی یاد میں دن اور تاریخ کی تعیین کے بغیر کھانا پکا کر امیر اور غریب سب کھاتے رہے ہیں، اس دعوت کے لیے لوگوں میں چندہ بھی کیا جاتا ہے، اسی طرح ربیع الآخر میں بھی اس قسم کی دعوت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر کی جاتی رہی ہے؛ لیکن حال ہی میں ایک صاحب -جو 'ڈربن' سے آئے ہیں- کا کہنا ہے کہ ہمارے یہاں' علمائے کرام اس قسم کی دعوت سے منع کرتے ہیں، ہمارے یہاں کے علماء کا کہنا ہے کہ چندہ کر کے کھانا پکانا اور لوگوں کی دعوت کرنا جائز نہیں، کوئی ایک دو شخص اپنی رضامندی سے لوگوں کو کھلائے، تو اس میں حرج نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ اور اب تک بارہ تیرہ سال سے امیر غریب سب لوگوں نے مل کر جو کھانا کھایا ہے اور گھر میں بھی عورتوں کو بھیجا گیا ہے، اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

---

(۳) وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا، إذا كانت الورثة بالغين، فإن كان في الورثة صغير، لم يتخذوا ذلك من التركة، كذا في التتارخانية. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۴۴، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، طبع اول: ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء، ☆رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۱۴۸، باب في صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار عالم الكتب، الرياض، طبع خاص: ۱۴۲۳ھ= ۲۰۰۳ء)

(۴) کیوں کہ اس میں دین اور طالبانِ علم دین کی اعانت ہے اور شہرت و نام و نمود اور ریا سے دوری بھی: وقال أبو هريرة رضي الله عنه عن النبي -صلى الله عليه وسلم- ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما صنعت (تنفق) يمينه وقال الله تعالى [وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم. البقرة: ۲۷۱] (رواه البخاري تعليقا: ۱/ ۱۹۱، كتاب الزكاة، باب صدقة السر، ط: البدر - ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ ﷺ کی یاد اور آپ ﷺ کا پاک ذکر دلوں میں نور اور ایمان میں تازگی پیدا کرتا ہے؛ تاہم امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی اہم ذمہ داری آپ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرنا ہے۔ [۱] سنت کی راہ چھوڑنے سے گمراہی پھیلتی ہے، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ کوئی سنت اگر (اپنی حیثیت سے بڑھ کر) بدعت بن جائے، تو اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ [۲]

۱۲ ربیع الاول کو چندہ کر کے امیر وغریب سب کو کھلانا جائز نہیں ہے؛ جس کی مختلف وجہ ہے:

۱۔ چندہ دینے والے نے اگر غریب کی نیت سے دیا ہے یا صدقۂ واجبہ ادا کیا ہے، تو اس کا مال داروں کے لیے کھانا جائز نہیں ہوگا۔ [۳]

---

(۱) أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: من أحيا سنة من سنتي، فعمل بها الناس، كان له مثل أجر من عمل بها، لا ينقص من أجورهم شيئا، ومن ابتدع بدعة، فعمل بها، كان عليه أوزار من عمل بها، لا ينقص من أوزار من عمل بها شيئا. (سنن ابن ماجة، ص:۱۹، رقم الحديث:۲۰۹، ۲۱۰، المقدمة، باب من أحيا سنة قد أميتت، ط: مكتبۃ الاتحاد، دیوبند☆سنن الترمذي: ۹۶/۲، رقم الحديث: ۲۶۷۷، ۲۶۷۸، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ط: فیصل پبلیکیشنز دیوبند)

(۲) وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع أن المصافحة سنة، وما ذاك إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع، فالمواظبة عليها فيه توهم العوام بأنها سنة فيه، ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاة الرغائب التي أحدثها بعض المتعبدين؛ لأنها لم تؤثر على هذه الكيفية في تلك الليالي المخصوصة وإن كانت الصلاة خير موضوع. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۵-۲۳۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: بيروت)

(۳) قال الله تعالى: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ. الآية (۹- التوبة: ۶۰)

وعن عبد الله بن عمرو، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: لا تحل الصدقة لغني، ولا لذي مرة سوي. (سنن أبي داؤد، ص: ۲۳۱، رقم الحديث: ۱۶۳۴، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، ط: البدر، دیوبند☆سنن الترمذي: ۱/ ۱۴۱، رقم الحديث: ۶۵۲، كتاب الزكاة باب من لا تحل له الصدقة، ط: البدر، دیوبند.

وفي الدر المختار: (الوصية المطلقة) كقوله هذا القدر من مالي أو ثلث مالي وصية (لا تحل للغني) لأنها صدقة، وهي على الغني حرام (وإن عممت) كقوله: يأكل منها الغني والفقير؛ لأن أكل الغني منها إنما يصح بطريق التمليك والتمليك إنما يصح لمعين والغني لا يعين ولا يحصى. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۶۹۸، كتاب الوصايا، باب الوصية بالخدمة والسكنى الخ، فروع أوصى بثلث ماله للصلوات، ط: بيروت☆درر الحكام شرح غرر الأحكام - ملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵ھ): ۴۴۶/۲، فصل وصايا الذمي، كتاب الوصايا، ط: دار إحياء الكتب العربية)

۲۔ عموماً اس طرح کی دعوت کے لیے عام لوگوں سے زبردستی چندہ لیا جاتا ہے، حالاں کہ چندہ میں کسی پر دباؤ ڈالنا اور مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ (۴)

۳۔ جو رسم سالوں سے چلی آ رہی ہو، آہستہ آہستہ لوگ اسے ضروری سمجھنے لگیں گے اور اسے فرض اور واجب کا درجہ دینے لگیں گے، جس کی ہمارے پاس بہت سی مثالیں ہیں کہ شروع میں تو ایک چیز کو غیر ضروری سمجھ کر کیا جاتا تھا؛ لیکن جوں جوں دن گذرتے گئے، لوگوں نے اسے ضروری سمجھنا شروع کر دیا اور نہ کرنے والوں پر لعن طعن کرنے لگے؛ لہٰذا اس دعوت کو ترک کر دینا ضروری ہے، تعجب ہے کہ اس قسم کے کاموں میں حصے لینے والوں کو جب کہا جاتا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ کی یاد مناتے ہو، تو آپ ﷺ کی سنتوں پر بھی عمل کرو''، تو ان کو اس سے نفرت ہوتی ہے۔ یہ کیسی یاد اور کیسی محبت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے نفرت ہے!!!

لہٰذا مذکورہ کام رسم و رواج میں داخل ہے، اس سے اجتناب لازم ہے، البتہ اگر کوئی شخص اپنے مال سے اس مہینے میں غریبوں، مسکینوں، ضرورت مند یتیموں اور بیواؤں کو کچھ پکا کر کھلائے، تو جائز ہے؛ لیکن کھلانے کے بجائے کچا اناج دے دیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے اور زیادتیٔ ثواب کا باعث بھی، کہ اس عمل سے غرباء و مساکین کے تئیں ہمدردی ہوتی ہے، جو نبی کریم ﷺ کی اہم سنت ہے؛ لہٰذا اس عمل سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو زندہ کرنے کا ثواب بھی حاصل ہوگا، نیز کچا اناج دینے میں اخلاص بھی باقی رہے گا، پکا کر کھلانے اور دعوت کرنے میں شہرت کی وجہ سے اخلاص ختم ہونے کا اندیشہ ہے، الغرض جو بھی کام کیا جائے، صحیح طریقے سے کیا جائے، نام و نمود اور رسم و رواج سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ (۵)

---

(۴) عن عمرو بن يثربي الضمري، قال: شهدت خطبة رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بمنى، فكان فيما خطب به أن قال: "ولا يحل لامرئ من مال أخيه إلا ما طابت به نفسه". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۳۹/۲۴، رقم: ۱۵۳۸۸، حديث عمرو بن يثربي☆السنن الكبرى-ابوبكر البيهقي(م:۴۵۸ھ):۱۶۰/۶،رقم:۱۱۵۲۵، كتاب الغصب، باب لا يملك أحد بالجناية شيئاً، ط:بيروت)

(۵) اس لیے کہ کچے اناج کو فقراء حسب ضرورت اپنی ضرورتوں میں پکا کر یا فروخت کر کے صرف کر سکتے ہیں: كما يستفاد من عبارة الحسامي: وكذلك جواز الإبدال في باب الزكاة. الخ(حسامي: ۹۹ بحث القياس، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند) نیز اس میں اخفاء بھی ہے، جو شرعاً مطلوب ہے: قال الله تعالى: وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم. الآية (۲-البقرة:۲۷۱) و عن أبي هريرة - رضي الله تعالى عنه- عن النبي - صلى الله عليه وسلم- قال: سبعة يظلهم الله في ظله، يوم لا ظل إلا ظله: . . . ورجل تصدق، أخفى حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه. (صحيح البخاري: ۹۱/۱، رقم الحديث: ۶۶۰، كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند)

اسی طرح ربیع الآخر کے مہینے میں پیران پیر کے نام پر جو دیگیں پکتی ہیں اور کھانے پینے کی مجلسیں جمتی ہیں، وہ بھی جائز نہیں ہے، ان کاموں کو لوگوں نے اپنے عمل سے ''امر مباح'' سے بڑھا کر ''بدعت'' کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ ذرا سوچیے کہ پیران پیر تو اللہ تعالیٰ کے بڑے ولی، نیک، متقی اور پرہیزگار تھے، جب کہ ہمارے رشتے داران کے درجے سے انتہائی کم درجہ کے ہیں، تو ان سے زیادہ تو ہمارے مرحومین ورشتے دار ایصال ثواب کے محتاج ہیں، مگر انہیں کوئی یاد نہیں کرتا ہے، لہٰذا اپنے خیالات اور عمل کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۸] مولود اور اس کے لیے کسی ملکیت کو وقف کرنا

۲۱۲-سوال: مولود درست ہے یا نہیں، اور مولود کے لیے اگر کوئی ملکیت وقف کی جائے، تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہو، تو پھر اس کی آمدنی کو مولود کے علاوہ کسی دوسری چیز، مثلاً: افطار پارٹی، مسجد یا مدرسہ کی تعمیر اور ملازمین کی تنخواہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر وقف صحیح نہ ہو، تو یہ ملکیت واقف کے ورثاء کو مل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولود یعنی نبی کریم ﷺ کی ولادت کا تذکرہ کرنے کے لیے کسی مجلس کا منعقد کرنا اگر رسم ورواج کے طور پر نہ ہو، تو جائز ہے۔[1] اس مقصد کے لیے اگر کوئی اپنی ملکیت وقف کرے، تو صحیح ہے؛ کیوں کہ صحت وقف کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مصرف وقف (جس چیز کے لیے وقف کیا گیا ہو) باقی رہنے والی کوئی شئے ہو۔ (مجمع الانہر: ۱/ ۷۴۴)[2]

اس کی آمدنی کو واقف کی شرط کے موافق ''مولود'' کے علاوہ کسی دوسری چیز میں استعمال کرنا

(۱) عن أنس، قال: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: لا يؤمن أحدكم، حتى أكون أحب إليه من والده، وولده، والناس أجمعين. (صحيح البخاري، ۱/ ۷، رقم: ۱۵، باب: حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، كتاب الإيمان، ط: البدر، ديوبند☆صحيح مسلم:، كتاب الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله- صلى الله عليه وسلم- أكثر من الأهل والولد والوالد)

امداد الفتاویٰ میں ہے: ذکر ولادت شریف نبوی ﷺ مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے، اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، قال الشاعر: وذكرك للمشتاق خير شراب ... وكل شراب دونه كسراب

(۵/ ۲۴۹، کتاب البدعات، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

[۲] (ومنها) أن يجعل آخره بجهة لا تنقطع أبدا عند أبي حنيفة ومحمد، فإن لم يذكر ذلك لم يصح عندهما. (بدائع الصنائع: ۶/ ۲۲۰، كتاب الوقف والصدقة، ط: دار الكتب العلمية بيروت☆البناية شرح الهداية-بدر الدين العينى (م: ۸۵۵ھ): ۶/ ۹۰۳، كتاب الوقف، ط: دار الفكر - بيروت) =

درست نہیں ہوگا؛ کیوں کہ واقف کی شرط نص شارع کی طرح ہوتی ہے جب کہ خلاف شرع امر پر مشتمل نہ ہو۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] کسی کے مرنے پر مخصوص دنوں میں قرآن خوانی اور دعوت کرنا

۲۱۳-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: ہم گجرات میں کھیڑا ضلع کے رہنے والے ہیں، ہمارے یہاں برادری میں جب کسی رشتہ دار کی موت ہوجاتی ہے، تو تدفین کے تیسرے، چوتھے یا دسویں دن ''زیارت'' کے عنوان سے دوسرے گاؤں کے رشتہ داروں کو خط کے ذریعہ بلایا جاتا ہے، فی الحال اس کو ''زیارت'' کے بجائے ''مغفرت کی دعا'' کا نام دیا ہے، اس میں مقامی لوگوں کو بھی دعوت دی جاتی ہے، اور قرآن خوانی کر کے میت کے لیے مغفرت کی دعا کی جاتی ہے، اس کے بعد میت کے گھر والوں کی طرف سے سب کو کھانا کھلایا جاتا ہے، کھانے میں امیر، غریب، چھوٹے، بڑے، مرد، عورت، مقامی اور بیرونی سبھی حضرات شریک ہوتے ہیں، تو اس طرح کا پروگرام کرنا اور اس کو کسی دن کے ساتھ خاص کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس بہانے سے لوگ جمع ہوجاتے ہیں اور قرآن خوانی اور میت کے لیے دعاء مغفرت کر لیتے ہیں، اگر اس کو بھی بند کردیا جائے، تو پھر میت کے لیے نہ کوئی ایصال ثواب کرے گا اور نہ ہی دعائے مغفرت؛ لہٰذا یہ جو ہو رہا ہے، وہ صحیح ہے، لوگوں کو اس سے روکنا نہیں چاہیے۔

قران خوانی کے بعد کسی عالم کی تقریر بھی رکھی جاتی ہے، اسی طرح کے ایک پروگرام میں ایک عالم کی

=وشرط لتمامه ذكر مصرف مؤيد. (ملتقى الأبحر) وفي مجمع الأنهر: فعلم من هذا: أن التابيد شرط البتة. (مجمع الأنهر: ۲/ ۵۷۳، كتاب الوقف، ط: مكتبة فقيه الأمة، ديوبند)

(۲) إن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية وله أن يخص صنفا من الفقراء، وكذا سيأتي في فروع الفصل الأول أن قولهم شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم و الدلالة، و وجوب العمل به. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/ ۳۶۶، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول قصدا، ط: بيروت)

وفي الخانية: لو جعل حجرته لدهن سراج المسجد ولم يزد صارت وقفا على المسجد إذا سلمها إلى المتولي وعليه الفتوى وليس للمتولي أن يصرف الغلة إلى غير الدهن اهـ. (البحر الرائق: ۵/ ۲۳۲، كتاب الوقف، الاستدانة لأجل العمارة في الوقف، ط: دار الكتاب الإسلامي)

تقریر تھی، انہوں نے تقریر میں کہا کہ ’’اس طرح کی تقریب میں آنے والے مہمانوں کو جو کھانا کھلایا جاتا ہے، اس میں مہمانوں کا اکرام ہے، اس لیے یہ بلاشبہ جائز ہے‘‘۔ یہ عالم جب بھی ’’زیارت‘‘ کے موقع پر بیان کرتے ہیں، تو اس میں یہی بات کہتے ہیں، تو ان کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور ایسے عالم کو امام بنانا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں دعائے مغفرت کے عنوان سے لوگوں کو دعوت دے کر رسم ورواج؛ بل کہ نیا لیبل لگا کر ایک بدعت کو جاری کرنا ہے۔ خود بریلوی حضرات کے پیشوا امام احمد رضا خاں صاحب نے بھی احکام شریعت (حصہ سوم) میں اس کو حرام لکھا ہے۔

میں نے اپنی ایک کتاب ’’سکرات سے فاتحہ تک کی سنتیں، رسمیں، بدعتیں‘‘[1] میں اس کے ناجائز ہونے کی دس وجوہات بیان کی ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ان مولانا صاحب سے (جو اس طرح کے پروگراموں کے انعقاد کے قائل ہیں اور نہ کرنے پر لعن وطعن کی بوچھاڑ کرتے ہیں) پوچھنا چاہیے کہ میت سے اتنی ہمدردی تھی، تو مرنے کی خبر سنتے ہی ہر ایک رشتہ دار نے اپنی جگہ پر اس کے لیے دعائے مغفرت کیوں نہیں کی؟ دعاء مغفرت کے لیے اس دعوت کا انتظار کیوں کیا؟

(۲) آنے جانے کا گاڑی کرایہ خرچ کرنے کے بجائے بیوہ یا کسی محتاج غریب کو خیرات کر دیتے، تو ثواب ملتا۔

(۳) ایسی دعوت میں ہر قسم کے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، جن میں مسٹنڈے (ہٹے کٹے افراد) ڈاڑھی منڈے اور بے نمازی بھی شریک ہوتے ہیں؛ بل کہ یہی لوگ پیش پیش رہتے ہیں کیا ان کو کھانا کھلانے سے ثواب ملے گا؟ صحیح یہ ہے کہ ایسے شخص کو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

(۴) میت کے ترکہ سے عموماً اس دعوت کا نظم کیا جاتا ہے، جس سے وارث کا حق متعلق ہو چکا ہے، وارث میں یتیم بچے بھی ہوتے ہیں، یتیم کے مال سے مہمانی کرنے کی اجازت بیوہ اور بڑی اولاد کو بھی نہیں

(۱) صاحب فتاویٰ کی یہ کتاب اصلاً گجراتی زبان میں تھی، بحمد اللہ بہ زبان اردو ’احکام میت (سکرات سے فاتحہ تک کی سنن و بدعات) کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔ اس قسم کی دعوت کی ممانعت کی تمام وجوہات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں صاحب فتاویٰ کی مذکورہ کتاب، ص: ۲۵۔

ہے۔ یتیم کا مال ناحق کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا۔ [۲] بھلا اس رقم سے دعوت کی جائے گی، تو میت کو کہاں سے ثواب ملنے کی امید ہوگی۔ [۳]

(۵) اس طرح کی دعوت میں عورتیں بے پردہ آتی ہیں اور چوں کہ دعوت دینے والا اس کا سبب بنا ہے؛ اس لیے وہ بھی گنہ گار ہوگا۔ [۴]

(۶) میت کو دفن کرنے کے لیے مدد کی ضرورت آج (دفن کے دن) ابھی ہے، تیسرے، چوتھے دن اس کو کسی مدد کی ضرورت نہیں؛ تیسرے، چوتھے یا مخصوص دن میں اس دعوت کا اہتمام کرنا' درحقیقت ایک نئی بدعت کو جاری کرنا ہے۔

(۷) میت کے گھر میں غمی کا موقع ہوتا ہے، دعوت تو خوشی کے مواقع پر ہوا کرتی ہے۔ [۵] لوگوں کے دل کتنے سخت ہو گئے ہیں کہ بیوہ کے گھر دعوت کھائے بغیر میت کے لیے دعا بھی نہیں کر سکتے۔

لہٰذا مذکورہ دعوت ناجائز ہے، جو امام جائز بتلاتا ہے، وہ گنہ گار اور فاسق ہے، اس کو امامت سے الگ

---

(۲) ۴-النساء: ۱۰۔

(۳) وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اهـ وأطال في ذلك في المعراج. وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى. اهـ. وبحث هنا في شرح المنية بمعارضة حديث جرير المار بحديث آخر فيه »أنه -عليه الصلاة والسلام- دعته امرأة رجل ميت لما رجع من دفنه فجاء وجيء بالطعام«. أقول: وفيه نظر، فإنه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص، بخلاف ما في حديث جرير. على أنه بحث في المنقول في مذهبنا ومذهب غيرنا كالشافعية والحنابلة استدلالا بحديث جرير المذكور على الكراهة، ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب، مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالبا من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان، وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۱-۲۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ط: دار الفكر-بيروت)

(۴) قال الله تعالى: لا تعاونوا على الإثم والعدوان. (۵-المائدة: ۲) أي: لا يعن بعضكم بعضا على شيء من المعاصي والظلم. (روح البيان: ۲/ ۲۶۹، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۵) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. =

کر کے کسی دین دار کو عہدۂ امامت سپرد کرنا چاہیے۔ [۶] البتہ اگر میت کا کوئی عاقل بالغ لڑکا، یا بھائی، بھتیجہ وغیرہ کسی دن کو خاص کیے بغیر' میت کے لیے دعائے خیر کرائے، تو جائز ہے، منع نہیں، مگر کسی دن کو خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ [۷] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۱۰] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے تیار کیا گیا کھانا' مال داروں کو کھلانے کا حکم

۲۱۴-سوال: چند حضرات نے پیسے جمع کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے غریبوں کو کھلانے کے واسطے کچھ رقم بھیجی ہے، تو اس رقم سے کھانا پکا کر غریبوں اور ان کے بچوں کو کھلانا کیسا ہے؟ نیز اگر کھانا بچ جائے، تو کیا مال دار اس کو کھا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں دن اور مہینہ طے کیے بغیر [۱] غریبوں اور ان کے بچوں کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں، پکا کر کے بھی کھلا سکتے ہیں اور پکائے بغیر' ویسے بھی ان کو اناج اور غلہ وغیرہ دے سکتے ہیں۔ [۲] لیکن

=وروی الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال "كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة". اهـ. وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ☆مراقي الفلاح، ص: ۲۲۳، كتاب الصلاة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۶) (والأحق بالإمامة)... (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة. (رد المحتار على الدر المختار-ابن عابدين، محمد أمين بن عمر الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۱/ ۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۷) وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص. والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (حواله سابق) ☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۱۷، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) تقدم تخريجه عن رد المحتار وحاشية الطحطاوي تحت عنوان: کسی کے مرنے پر خاص دن میں قرآن خوانی و دعوت کرنا۔

(۲) پکائے بغیر اناج ہی دے دینا افضل ہے: كما سبق فيما تقدم في ذيل عنوان: ربیع الاول اور ربیع الآخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیران پیر کے نام پر دعوت کرنا۔

مال دار کے لیے خود اس کھانے کو کھانا' یا دوسرے مال داروں کو کھلانا جائز نہیں ہے۔[۳] (اس لیے کہ بھیجنے والے نے یہ رقم صرف غرباء کے لیے بھیجی ہے۔) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] ایصالِ ثواب کے لیے تیار کیا گیا کھانا' امیر و غریب سب کو کھلانا

۲۱۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم بعض افراد نے مل کر کچھ رقم جمع کی ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لیے کچھ پکا کر مدرسہ یا "گلشنِ معصوم" کے بچوں یا عوام کو کھلائیں اور جو کچھ بچ جائے، اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں آپ لوگوں نے جو نیت کی ہے، اس کے موافق کھلانا جائز ہے، یہ مصرف' صدقۂ نافلہ میں شمار ہوگا، لہٰذا اس میں غریب و امیر سب کو شامل کرنا اور کھانا کھلانا درست ہے۔[۱] لہٰذا اس میں صدقۂ واجبہ کی رقم دینا درست نہیں ہے، اگر کوئی دے گا، تو اس کا واجب صدقہ ادا نہ ہوگا۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳) تقدم تخريجه: تحت عنوان متقدم.

(۱) وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني؛ لأنها تجري مجرى الهبة. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي (م:۵۸۷ھ): ۲/ ۴۷، كتاب الزكوة، فصل الذي يرجع إلي المؤدي إليه، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيديّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/ ۱۵۸، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، ط: مکتبہ حقانیہ، ملتان، پاکستان)

(۲) وكما لايجوز صرف الزكاة إلى الغني لايجوز صرف جميع الصدقات المفروضة والواجبة إليه... لعموم قوله تعالى ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ [التوبة: ۶۰] وقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: لاتحل الصدقة لغني، ولأن الصدقة مال تمكن فيه الخبث لكونه غسالة الناس لحصول الطهارة لهم به من الذنوب، ولا يجوز الانتفاع بالخبيث إلا عند الحاجة والحاجة للفقير لا للغني. (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلي المؤدي إليه، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۵۸، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، ط: مکتبہ حقانیہ، پاکستان)

[۱۲] مولود کے نام پر پکایا ہوا کھانا، غریب و مال دار؛ ہر ایک کو کھلانا

۲۱۶-سوال: کسی دن اور تاریخ کو خاص کیے بغیر چندہ کر کے مولود کے نام پر کھانا بنایا جائے، تو اس کا کھانا اور کھلانا کیسا ہے؟ یہ کھانا مال دار بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولود کے نام پر جو کھانا کھلایا جاتا ہے، وہ ثواب کی نیت سے کھلایا جاتا ہے اور چندہ دینے والے بھی (غرباء کو) صدقہ اور خیرات کی نیت سے ہی چندہ دیتے ہیں، لہٰذا یہ کھانا صرف غرباء کو کھلایا جائے، مال داروں کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔ (کفایت المفتی: ۱/ ۱۴۴)[1]

اور کھلانا اور کھانا بھی اسی وقت جائز ہے، جب کہ اس کے لیے کوئی مہینہ اور دن مقرر و لازم نہ کیا جائے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] جشنِ مولود کے لیے زبردستی چندہ وصول کرنا

۲۱۷-سوال: مولود کے نام پر کھانا پکانے کے لیے چندہ جمع کرنا کیسا ہے؟ جب کہ چندہ وصول کرنے میں بعضوں سے زبردستی زیادہ پیسے بھی لیے جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ دینے کے لیے کسی شخص کو مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (۳) اگر زور زبردستی سے چندہ کیا گیا ہوگا، تو اس رقم سے میلاد کی محفل منعقد کرنا اور کھلانا کھانا کچھ بھی جائز نہ ہوگا۔ ہاں! اگر بہ رضاء و رغبت سب نے

---

(۱) کفایت المفتی: ۱/ ۱۵۱، کتاب العقائد، آٹھواں باب، ط: جید برقی پریس دہلی طبع دوم: ۱۴۰۲ھ - ۱۹۸۲ء۔

(۲) عنوان: تقدم تخریجه تحت: کسی کے مرنے پر خاص دن میں قرآن خوانی اور دعوت رکھنا۔

(۳) عن عمرو بن يثربي الضمري، قال: شهدت خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى، فكان فيما خطب به أن قال: "ولا يحل لامرئ من مال أخيه إلا ما طابت به نفسه". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۴/ ۲۳۹، رقم: ۱۵۴۸۸، حديث عمرو بن يثربي ☆ السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ) : ۶/ ۱۶۰، رقم: ۱۱۵۴۵، كتاب الغصب، باب: لا يملك أحد بالجناية شيئاً، ط: بيروت)

چندہ دیا ہو، تو گنجائش ہے۔[۴] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] کسی شخص کے انتقال کے تین دن یا چالیس دن کے بعد قرآن خوانی کرانا

۲۱۸-سوال: کسی شخص کے مرنے کے تین دن یا چالیس دن بعد قرآن خوانی کا نظم کیا جاتا ہے، قرآن خوانی کے بعد کچھ میٹھی چیز تقسیم کی جاتی ہے، تو کیا اس کا ثواب پڑھنے والے کو ملے گا؟ برائے مہربانی جواب باحوالہ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط والسلام (المستفتی: محمد علی یوسف)

الجواب حامداومصلیا:

انتقال کے تیسرے دن، چالیسویں دن، یا چھ مہینے کے بعد، فاتحہ اور قرآن شریف کی تلاوت کے نام سے، جو دعوت اور کھلانے پلانے کا پروگرام منعقد کیا جاتا ہے، یہ سب بدعت اور ناجائز ہے۔[۱] اس قسم کی

---

(۴) جب کہ دن، تاریخ اور مہینہ کی تعیین نہ ہو، لیکن فی زمانا احتراز اولیٰ اور احوط ہے؛ کیوں کہ اس کو واجب اور فرض کا درجہ دے دیا گیا ہے، اور اس قسم کی محفل منعقد نہ کرنے والوں اور اس میں شریک نہ ہونے والوں پر لعن وطعن کی بوچھاڑ کی جاتی ہے؛ بل کہ ان کو کافر تک کہنے سے گریز نہیں کیا جاتا ہے، جب کہ کسی امر مباح کو اس کے درجے سے بڑھا دینا ہرگز جائز نہیں ہے، شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (م: ۸۵۲ھ) رقم طراز ہیں: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. والله أعلم. (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۳۳۸/۲، كتاب الصلاة، باب الفتال و الانصراف عن اليمين، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۱) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة: وروى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال: "كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة". وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص. والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (رد المحتار: ۲۴۰/۲، باب صلاة الجنازة، مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر-بيروت)

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي-(م۱۲۳۱ھ)، ص: ۶۱۷، كتاب الصلاة، فصل في حملها ودفنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت-لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م)

دعوتوں میں شریک ہونا، ناجائز ہے، تفصیل کے لیے میری کتاب ''احکام میت'' (سکرات سے فاتحہ تک کی سنن وبدعات)[1] کا مطالعہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۱۵] تیجہ اور چالیسواں کرنا

۲۱۹-سوال: ہمارے یہاں کسی رشتہ دار کے انتقال کے کچھ دنوں مثلا: تین دن یا چالیس دن کے بعد قرآن خوانی رکھی جاتی ہے اور اس میں میٹھی چیز کھلائی جاتی ہے، تو کیا اس طرح قرآن خوانی سے پڑھنے والوں کو کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

تیسرے یا چالیسویں دن یا تین یا چھ مہینے کے بعد یعنی دن اور مہینے کا التزام کر کے جو فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی کی جاتی ہے، وہ جائز نہیں نیز اس میں کھانا کھلانا بھی جائز نہیں ہے۔[2] پس فاتحہ کے نام پر دعوت اور اس میں شرکت درست نہیں۔ مزید معلومات کے لیے میری کتاب: احکام میت [سکرات سے فاتحہ تک کی سنن وبدعات] کا مطالعہ کیجیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

۸/۲/۱۴۰۳ھ موافق: ۱۴/۱۱/۱۹۸۲ء

[۱۶] ذوالفقار علی بھٹو کے لیے ایصال ثواب کی مجلس قائم کرنا

۲۲۰-سوال: جمعہ کے دن اعلان کر کے مدرسہ میں ''ذوالفقار علی بھٹو'' کے ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''ذوالفقار علی بھٹو'' مسلمان تھے، وہ مسلم ہونے کا دعویٰ بھی کرتے تھے، اور کسی مسلمان کے انتقال

---

(۱) یہ کتاب اصلاً گجراتی زبان میں تھی، اب اس کا اردو ترجمہ بنام: ''احکام میت-سکرات سے فاتحہ تک کی سنن وبدعات'' صاحب زادۂ محترم حافظ اسجد بیات کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے۔

(۲) ویکره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ،ونقل الطعام إلى القبر في المواسم.(رد المحتار :۲/ ۲۴۰،باب صلاة الجنازه، مطلب في الثوب على المصيبة، ط:دار الفكر-بيروت☆حاشية الطحطاوي: ۱/ ۶۱۷ ،باب أحكام الجنائز ،فصل في حملها ودفنها، ط:دار الكتب العلمية-بيروت)

پر قرآن ختم کرنا اور کرانا (جب کہ اس میں منکرات نہ ہوں) جائز ہے۔[1] آپ کے شک کی وجہ شاید یہ ہے کہ مرحوم کو مسلمانوں کے ملک میں ایک مسلمان کو قتل کرنے کی وجہ سے پھانسی دی گئی ہے، تو ان کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟ اس سلسلہ میں شریعت کی رو سے چند امور قابل غور ہیں:

(۱) بھٹو نے کسی کے قتل کا حکم دیا تھا، تو کیا اس پر کوئی شرعی گواہ موجود ہے؟

(۲) کیا اسلام میں پھانسی ہے؟ اسلام میں تو شرعی گواہوں کے ثبوت سے قتل کا بدلہ قتل ہے، تلوار سے گردن کاٹ لی جائے گی، پھانسی تو اسلامی سزا نہیں ہے۔

(۳) ہاں بعض جرائم میں لوگوں کی عبرت اور تشہیر کے لیے پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے، تو اس کی اجازت ہے۔[2] (لیکن اس میں اخلاص اور اصلاح کی نیت ہونی چاہیے)

(۴) حقیقت یہ ہے کہ ہم دوسرے ملک میں رہتے ہیں، جس ملک کا یہ واقعہ ہے، وہاں کے ملکی، قومی، دینی اور سیاسی حالات کا ہمیں صحیح علم نہیں ہے، حق پر کون ہے؟ جنرل ضیاء یا بھٹو مرحوم؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

---

(۱) صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها كذا في الهداية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له. ط: بيروت ☆ شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱هـ): ۱/ ۳۰۲، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ت: عبد المجيد طعمه حلبي، ط: دار المعرفة - لبنان، ۱۴۱۷هـ ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۲۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۲) الصلب قتلة معروفة، وهي أن يرفع المراد قتله على جذع أو شجرة أو خشبة قائمة، وتمد يداه على خشبة معترضة، وتربط رجلاه بالخشبة القائمة، ويترك عليها هكذا حتى يموت. وقد تسمر يداه ورجلاه بالخشب. وقد يقتل أولا، ويصلب بعد زهوق روحه على الخشبة للتشهير به. وكانت هذه القتلة شائعة في الأمم السابقة كالفرس والرومان ومن قبلهم. ونص القرآن على أنها كانت من فعل فرعون بأعدائه... وقد حرم الإسلام هذه القتلة لما فيها من التعذيب الشديد والمثلة والتشهير، ... ويستثنى من هذا الأصل جرائم محددة جعلت عقوبتها الصلب بعد القتل لعوارض خاصة اقتضتها. (و منها) الإفساد في الأرض. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۲/ ۸۵، مادة: تصليب، ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - فخر الدين الزيلعي: ۳/ ۲۳۷، كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ط: المطبعة الكبرى - القاهرة)

رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی کی ہے کہ ایسا فتنہ پیدا ہوگا، جو بہرا، گونگا اور اندھا ہوگا۔[۳]

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فتنہ کو بہرے، گونگے اور اندھے انسان سے تشبیہ دی ہے۔ جس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ بہرہ انسان دیکھتا ہے کہ سامنے والا بول رہا ہے، مگر وہ سنتا نہیں ہے اور جب تک انسان نہیں سنے گا، تو اس کو پوری حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی اور گونگا انسان دیکھتا ہے؛ لیکن بول نہیں سکتا، اسی طرح قیامت کے قریب فتنوں پر پردے ڈال دیے جائیں گے کہ انسان حق بات بول ہی نہ سکے، جو حق بات بولے گا، اس کے لیے جیل کی کوٹھری مقدر ہوگی یا کوئی اور سزا، ان حالات میں انسان، حق بات کیوں کر بول پائے گا؟ اسی طرح فتنہ اندھا ہوگا، اور اندھا انسان نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی کسی اجنبی کو پہچان سکتا ہے، تو فتنہ کے زمانہ میں باتیں پھیلیں گی، افواہیں اڑیں گی، خوب پروپیگنڈہ وشہرت ہوگی؛ لیکن فتنہ کی لگام جن کے ہاتھ میں ہوگی، وہ نظر نہیں آئیں گے؛ اسی لیے آج دنیا میں گروپ بندی، تفرقہ بازی اور ایک دوسرے پر بہتان تراشی ہوتی ہے اور دیکھنے اور کافی غور وخوض کے بعد بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اصل مجرم کون ہے؟

لہٰذا مذکورہ فتنہ کی تہہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جو مر گیا اس کو برا نہ کہو، اس نے جو کیا ہوگا، اس کا بدلہ اسے مل جائے گا۔ (بخاری)[۴] لہٰذا مذکورہ صورت میں بنا بحث کیے کہ

---

(۳) عن أبي هريرة، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: ستكون فتنة صماء، بكماء، عمياء، من أشرف لها استشرفت له، وإشراف اللسان فيها كوقوع السيف. (سنن أبي داؤد: ۲/ ۵۸۶، رقم الحديث: ۴۲۶۴، كتاب الفتن والملاحم، باب في كف اللسان، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند)

عن أبي هريرة، ذكر النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه كان يقول: "ويل للعرب من شر قد اقترب من فتنة عمياء صماء بكماء، القاعد فيها خير من القائم، والقائم فيها خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي، ويل للساعي فيها من الله يوم القيامة. (صحيح ابن حبان: ۱۵/ ۹۸، رقم الحديث: ۶۷۰۵، كتاب التاريخ، باب أخباره - صلى الله عليه وسلم - عما يكون في أمته من الفتن والحوادث، ذكر البيان بأن الفتن.. الخ، ت: شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية: ۱۴۱۴هـ - ۱۹۹۳ء)

(۴) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: «لا تسبوا الأموات، فإنهم قد أفضوا إلى ما قدموا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸۷، رقم الحديث: ۱۳۹۳، كتاب الجنائز، باب: ما ينهى من سب الأموات، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند☆ سنن النسائي: ۱/ ۲۱۳، رقم الحديث: ۱۹۳۶، كتاب الجنائز، باب النهي عن سب الأموات، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند☆ صحيح ابن حبان: ۷/ ۲۹۱، رقم الحديث: ۳۰۲۱، كتاب الجنائز، فصل في الموت وما يتعلق به، ذكر بعض العلة التي من أجلها.. الخ، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت)

گنہ گار کون ہے اور اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے اور ختم پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جس طرح ایک مسلمان کے ایصال ثواب کے لیے ختم قران کرنا اور کرانا جائز ہے، اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو کے لیے بھی جائز ہے۔

(۶) قبر میں مذکور چیزوں کا سوال نہ ہوگا، لہٰذا ایک بے کار چیز میں بحث ومباحثہ کر کے اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہیے، قبر میں فقط تین سوال ہوں گے، ان کی تیاری کرنی چاہیے، آخرت میں جو کام فائدے کے ہیں، ان کی تیاری ضروری ہے۔ (۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] چودہویں صدی ختم ہونے پر مرحومین کے لیے ایصال ثواب کا پروگرام

۲۲۱-سوال: ہمارے یہاں کوسمبا میں ۱۴۰۰ھ آنے پر (یعنی چودہویں صدی کے اختتام پر) تمام مسلمان مرحومین کے لیے نیاز کا پروگرام رکھنے کا ارادہ ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے موقع پر اس طرح ایصال ثواب کا پروگرام رکھنا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دن اور تاریخ کے التزام کے بغیر مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے کوئی نیک کام کیا جائے، یا قرآن شریف ختم کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۵) قال: فتعاد روحه في جسده، فيأتيه ملكان، فيجلسانه، فيقولان له: من ربك؟ فيقول: ربي الله، فيقولان له: ما دينك؟ فيقول: ديني الإسلام، فيقولان له: ما هذا الرجل الذي بعث فيكم؟ فيقول: هو رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۰/ ۵۰۰، رقم الحديث: ۱۸۵۳۴، حديث البراء ابن عازب، ت: شعيب الأرنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة بيروت☆مصنف ابن شيبة: ۷/ ۳۶۸، رقم الحديث: ۱۲۱۸۵، كتاب الجنائز، باب: في نفس المؤمن كيف تخرج ونفس الكافر، ت: محمد عوامة، ط: شركة دار القبلة، الطبعة الأولى)

(۱) دن اور تاریخ طے کر کے ایصال ثواب کرنا بدعت ہے، چناں چہ علامہ شامی رقم طراز ہیں: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة: وروى الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال: كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة. اهـ. وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت☆مراقي الفلاح، ص: ۲۲۸، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ط: المكتبة العصرية، بيروت)

بریلوی حضرات کے پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں: میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتے کے بعد جو کھانے =

[١٨] پندرہویں صدی ہجری کے استقبال میں پروگرام رکھنا

٢٢٢-سوال: (١) اسلامی تاریخ کے حساب سے ''چودہویں صدی ہجری'' ختم ہو رہی ہے ، اس موقع پر گاؤں کے کچھ حضرات کا ارادہ ہے کہ لوگوں سے بہ طور چندہ 'صرف ''للہ رقم'' 'جمع کر کے' کھانے کی عام دعوت کریں ، جس میں غریب اور مال دار بھی حضرات شریک ہوں ، ساتھ میں قرآن خوانی کا بھی پروگرام ہو اور اب تک جتنے مسلم حضرات انتقال کر گئے ہیں ، ان کو ایصال ثواب کیا جائے ، تو اس طرح کا پروگرام رکھنا شرعی نقطہ سے جائز ہے یا نہیں؟

(٢) اخبار کے توسط سے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک اور خود ہندوستان' چودہویں صدی ہجری کے الوداع اور پندرہویں صدی کے استقبال کی مناسبت سے پروگرام رکھنے والے ہیں ، یعنی حکومتی سطح پر الوداع واستقبال کا پروگرام منایا جائے گا ، تو اس سلسلہ میں شریعتِ اسلامی کا کیا نظریہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(١-٢) اسلام میں نفل نماز ، خیر خیرات ، اور کھانے وغیرہ کی دعوت کے سلسلے میں کسی مخصوص دن اور تاریخ کو مقرر نہیں کیا گیا ہے ، اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی پر زور وزبردستی کیے بغیر [١] پیسہ جمع کر کے جب چاہیں' کھانے وغیرہ کی دعوت کر سکتے ہیں ، اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے ، چودہ سو سال کے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے بھی کوئی دن مقرر نہیں ہے ، یہ کام تو آج ہی کرنا چاہیے ، ابھی تو چودہویں صدی ختم ہونے میں گیارہ مہینے اور ستائیس دن باقی ہیں ، اس نیک کام میں اتنا انتظار کیوں؟ مرحومین تو ایصال ثواب اور دعاؤں کے ہر وقت محتاج ہیں ، ان کے لیے کسی دن کو خاص کرنے کا کیا معنیٰ؟ [٢]

= تیار کیے جاتے ہیں ، سب مکروہ وممنوع ہیں ، مزید لکھتے ہیں کہ اس دعوت کا کھانا بھی ممنوع ہے ۔ (جلی الصوت ، ص: ٣)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است وحرام ۔ (سفر السعادۃ: ٢٧٣)

(١) کسی سے زبردستی چندہ وصول کرنا جائز نہیں ہے اور اس طرح حاصل کیا ہوا مال حلال نہیں ہوگا: عن عمرو بن يثربي الضمري، قال: شهدت خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى، فكان فيما خطب به أن قال: " ولا يحل لامرئ من مال أخيه إلا ما طابت به نفسه ". (مسند الإمام احمد بن حنبل: ٢٣٩/٢٤، رقم: ١٥٤٨٨، حديث عمرو بن يثربي ☆ السنن الكبرى أبو بكر البيهقي: ١٦٠/٦، رقم: ١١٥٢٥، كتاب الغصب، باب: لا يملك أحد بالجناية شيئاً، ط: بيروت)

(٢) وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع... واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن =

اگر یہ منظور نہیں ہے اور اسی دن پروگرام رکھنا ہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ صرف ریاکاری یعنی دکھاوا اور شہرت کے لیے ہے، اس میں اخلاص نہیں ہے۔ [۱] اور اللہ تعالیٰ ایسے کام کو پسند نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اس پر کوئی ثواب ملے گا۔ اور کسی ملک؛ حتی کہ اسلامی ملک کا عمل بھی اس سلسلہ میں حجت نہیں ہے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] عید میلاد پر ایک واقعہ سے استدلال

۲۲۳-سوال: چند دن پہلے ایک عالم صاحب کے بیان میں یہ بات سنی کہ ابولہب نے حضور ﷺ کی پیدائش کی خبر دینے والی باندی کو آزاد کر دیا تھا اور چوں کہ اس نے آزاد کرتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا تھا؛ اس لیے جہنم میں ہر پیر کو- جو کہ آپ ﷺ کی پیدائش کا دن ہے- اس کی وہ انگلی برف کے مانند ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور وہ اس انگلی کو چوس کر پورے بدن میں ٹھنڈک حاصل کرتا ہے۔ [۳]

= وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص .... وأطال في ذالك في المعراج، وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت ☆ مراقي الفلاح، ص: ۲۲۸، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ط: المكتبة العصرية، بيروت)

(۱) عن محمود بن لبيد، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: "إن أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر" قالوا: وما الشرك الأصغر يا رسول الله؟ قال: "الرياء، يقول الله - عز وجل - لهم يوم القيامة: إذا جزي الناس بأعمالهم: اذهبوا إلى الذين كنتم تراءون في الدنيا فانظروا هل تجدون عندهم جزاء. (مسند أحمد بن حنبل: ۹/ ۳۹، رقم الحديث: ۲۳۶۳۰، مسند محمود بن لبيد رضي الله عنه، ط: مؤسسة الرسالة)

(۲) بل کہ مسلمانوں کے لیے اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت حجت ہے: مالك، أنه بلغه أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة نبيه. (موطأ الإمام مالك: ۳۶۳، رقم الحديث: ۸/ ۶۷۸، ۳۳۳۸، كتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر، ط: مكتبة ملت - ديوبند)

قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، عضوا عليها بالنواجذ. (شرح مشكل الآثار: ۳/ ۲۲۳، رقم الحديث: ۱۱۸۶، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الزمان الذي يجب على الناس... الخ، ت: شعيب الأرنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة)

(۳) قال عروة: وثويبة مولاة لأبي لهب: كان أبو لهب أعتقها، فأرضعت النبي - صلى الله عليه وسلم -، فلما مات أبو لهب، أريه بعض أهله بشر حيبة، قال له: ماذا لقيت؟ قال أبو لهب: لم ألق بعدكم غير أني سقيت في هذه بعتاقتي ثويبة. (صحيح البخاري: ۲/ ۷۶۴، رقم الحديث: ۵۱۰۱، كتاب النكاح، باب وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم)

قال السهيلي: وفي رواية غيره (اي غير الأصيلي والمذكور هو رواية الأصيلي) قال: ما لقيت بعدكم راحة غير أني=

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اس عالم صاحب نے یہ سمجھایا کہ جب ابولہب جیسے شخص کو حضور ﷺ کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کرنے کی وجہ سے اس عظیم اعزاز سے نوازا گیا، تو کیا ہم اس سے بھی گئے گذرے ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش پر کچھ بھی خوشی کا اظہار نہ کریں، پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا معمول بیان کیا کہ وہ ہر سال میلاد کے موقع پر زردہ پلاؤ بنا کر غرباء کو کھلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ کھانا حضور ﷺ کی پیدائش کی خوشی میں کھلاتا ہوں۔

ان دونوں واقعات کو بیان کر کے ہم لوگوں سے کہا: ہمیں بھی حضور ﷺ کی پیدائش کے دن لوگوں کو کھانا کھلانا چاہیے اور خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، نہیں تو کم از کم وعظ ونصیحت کا جلسہ رکھ کر دودھ اور نان کھٹائی تقسیم کرنی ہی چاہیے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سلسلے میں فقہاء امت کیا فرماتے ہیں؟ تفصیل کے ساتھ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ ﷺ کے یوم ولادت پر نام ونمود اور ریاء وشہرت کے بغیر وعظ کی محفل منعقد کرنا، جب کہ اس میں حرام امور اور رسم ورواج کا ارتکاب نہ ہو، جائز ہے۔[1] زردہ، پلاؤ اور دودھ ونان کھٹائی وغیرہ کا بھی تقسیم کرنا جب کہ استطاعت کے موافق ہو اور کوئی امر قبیح نہ ہو، درست ہے؛ لیکن استطاعت سے زیادہ

=سقيت في مثل هذه، وأشار إلى النقرة بين السبابة والإبهام بعتقي ثويبة، وفي غير البخاري أن الذي رآه من أهله هو أخوه العباس، قال: مكثت حولا بعد موت أبي لهب لا أراه في نوم، ثم رأيته في شر حال، فقال: ما لقيت بعدكم راحة إلا أن العذاب يخفف عني كل يوم اثنين، وذلك أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ولد يوم الاثنين، وكانت ثويبة قد بشرته بمولده، فقالت له: أشعرت أن آمنة ولدت غلاما لأخيك عبد الله؟ فقال لها: اذهبي، فأنت حرة فنفعه ذلك وهو في النار. (الروض الأنف في تفسير سيرة النبوية لإبن هشام-أبو القاسم عبد الرحمن السهيلي (م: ۵۸۱ھ): ۳/ ۹۸-۹۹، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس -حسين بن محمد بن الحسن الدِّيار بَكري (م:۹۶۶ھ): ۱/ ۲۲۲، ذكر ارضاع الاظآر وعددها وما وقع عند حليمة، ط: دار صادر - بيروت☆نهاية الإيجاز في سيرة ساكن الحجاز -رفاعة رافع بن بدوي بن علي الطهطاوي (م:۱۲۹۰ھ)، ص:۴۸، ط: دار الذخائر - القاهرة)

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ذکر ولادت شریف نبوی -صلی اللہ علیہ وسلم- مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے۔ اگر بدعات وقبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے، البتہ جیسے ہمارے زمانے میں قیودات وشائع کے ساتھ مروج ہے، اس طرح بے شک بدعت ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۲۴۹، کتاب البدعات، محفل مولود شریف، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

کی کوشش کرنا، یہاں تک کہ اس کے لیے سودی قرض لینا بالکل جائز نہیں، حرام ہے۔[۲]

حاصل یہ کہ شرعی حدود میں رہ کر مجلس مولود منعقد کرنا اور استطاعت کے موافق غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کو کھلانا پلانا جائز ہے، لیکن اگر ان چیزوں کو شرعی حد سے تجاوز کر کے کیا جائے، تو اجازت نہیں ہوگی۔ کسی مباح اور مستحب چیز کو "ضروری سمجھنا" بھی حد سے تجاوز کرنا ہے، مجلس مولود کو عوام لازم اور فرض و واجب سمجھتی ہے اور اس کے منعقد نہ کرنے اور اس میں شریک نہ ہونے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتی ہے؛ اس لیے علماء اس سے منع کرتے ہیں۔[۳] نیز بہ کثرت یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس کے انتظام و انصرام میں نمازوں کا ترک کرنا یا قضا ہونا بھی پایا جاتا ہے۔[۴]

---

(۲) بلا ضرورت قرض لینا شریعت میں ناپسندیدہ ہے؛ بل کہ ایک روایت کے مطابق کفر کے برابر ہے: عن أبي سعيد يقول: سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: أعوذ بالله من الكفر والدين, قال رجل: يا رسول الله؟ أتعدل الدين بالكفر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم. (سنن النسائي، ص: ۲۶۸، رقم الحدیث: ۵۴۷۴ و ۵۴۷۳، كتاب الإستعاذة، باب الاستعاذة من الدين, ط: مكتبة البدر، ديوبند)

اسی طرح سودی لین دین کرنے والوں پر نبی کریم ﷺ نے لعنت بھیجی ہے: عن جابر قال: لعن رسول الله - صلى الله عليه وسلم- آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم: ۲/۲۷، رقم الحدیث: ۱۰۶-(۱۵۹۸)، كتاب البيوع، باب الربا، ط: مكتبة البدر، ديوبند)

(۳) عن الأسود، قال: قال عبد الله: لا يجعل أحدكم للشيطان شيئا من صلاته يرى أن حقا عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت النبي -صلى الله عليه وسلم- كثيرا ينصرف عن يساره. (صحيح البخاري: ۱/۱۱۸، رقم الحديث: ۸۵۲، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، كتاب الأذان)

قال ابن حجر في شرح هذا الحديث:: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. والله أعلم. (فتح الباري (م: ۸۵۲هـ): ۲/۴۳۰، كتاب الأذان، باب الانفتال والإنصراف على اليمين والشمال، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر؟ وجاء في حديث ابن مسعود: "إن الله - عز وجل - يحب أن تؤتى رخصه كما يحب أن تؤتى عزائمه، اهـ. (مرقاة المفاتيح: ۳/۲۶، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، في ذيل رقم الحديث: ۹۴۶، الفصل الأول، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

(۴) اور ترک صلاۃ اور قضاء دونوں ہی صلاۃ بڑا گناہ ہے: عن جابر, قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: بين العبد، وبين الكفر ترك الصلاة. عن بريدة قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر. (سنن ابن ماجة، ص: ۷۵، كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب ماجاء فيمن ترك الصلاة، رقم=

پھر زردہ، پلاؤ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو تو کھلانے میں ثواب ہے، مال داروں کو کھلانے میں کون سا ثواب ہے؟[۵] انہی سب امور کی وجہ سے مفتیان کرام اسے ممنوع قرار دیتے ہیں؛ لیکن اگر دائرۂ حدود میں ہو، تو اس کی اجازت ہے؛ بل کہ وعظ ونصیحت اور سیرت وشمائل کی محفل قائم کرنا تو ثواب کا کام ہے اور آج دنیا اس کی پیاسی ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اخلاق کا بیان کرنا بھی بے حد ضروری ہے، تا کہ لوگ اسے سن کر ہدایت حاصل کریں اور اپنی زندگی کو سنواریں، اسی طرح یتیموں اور غریبوں کی امداد کرنا بھی نہایت ضروری اور اہم ہے، ان کے گھر میں جو حق دار ہیں، انہیں کھانا وغیرہ پہنچائیں اور اس طرح خرچ کریں کہ اپنے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔[۶] مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر دن اور تاریخ طے کیے بغیر شرعی حدود میں رہ کر کیا جائے، تو جائز؛ بل کہ مستحب ہے؛ لیکن عموماً شرعی حدود وخطوط کا خیال نہیں رکھا جاتا؛ اس لیے لوگوں کو اس سے منع کیا جاتا ہے۔[۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] ختم قرآن کا مروجہ طریقہ اور اس کے بعد تقسیم کردہ چیز کا حکم

۲۲۴-سوال: عام طور پر اکثر دیہاتوں میں ایصال ثواب کے لیے "ختم قرآن کریم" کی

=الحدیث: ۸۷-۱۰۷۹-۱۰۷، ط: البدر- دیوبند ☆ سنن أبي داؤد، ص: ۶۴۳، رقم الحدیث: ۴۶۷۸، باب في رد الإرجاء، کتاب السنة، ط: البدر- دیوبند ☆ سنن الترمذي، ۲/ ۹۰، رقم الحدیث: ۲۶۲۰، باب ما جاء في ترك الصلاة، أبواب الإیمان، ط: البدر- دیوبند)

(۵) یعنی مذکورہ چیزیں کھلانا اگر بہ طور نفل ہو، تو مال داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں، مگر اس میں غریبوں کو کھلانے جیسا ثواب نہ ملے گا: وأما صدقة التطوع فیجوز صرفها إلی الغني؛ لأنها تجري مجری الهبة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۸، کتاب الزکوة، فصل الذي یرجع إلی المؤدي إلیه، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت)

(۶) عن أبي هریرة رضي الله عنه عن النبي -صلی الله علیه وسلم- قال: "سبعة یظلهم الله تعالی في ظله یوم لا ظل إلا ظله: إمام عدل، وشاب نشأ في عبادة الله... ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه". (صحیح البخاري: ۱/ ۱۹۱، رقم الحدیث: ۱۴۲۳، کتاب الزکاة، باب الصدقة بالیمین، ط: مکتبة البدر، دیوبند ☆ صحیح مسلم: ۱/ ۳۳۱، رقم الحدیث: ۹۱-(۱۰۳۱)، کتاب الزکاة، باب فضل اخفاء الصدقة، ط: مکتبة البدر- دیوبند)

(۷) نوٹ: أجاب الشیخ التهانوي الاستدلال بالحدیث المذکور علی المیلاد النبوي المعهود قائلاً: جواب اس کا بھی ظاہر ہے کہ ہم نفس فرحت کے منکر نہیں ہیں؛ بل کہ اس پر ہر وقت عامل ہیں، گفتگو تو اس ہیئت کذائیہ میں ہے۔ (أشرف الجواب: ۲/ ۱۳۳، اہل بدعت کے شبہات کے جوابات، ط: دار الکتاب، دیوبند)

صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے تو لوگوں کی اطلاع کے لیے مسجد میں بلیک بورڈ پر اعلان لکھ دیا جاتا ہے، اس کے بعد مغرب یا عشاء کی نماز میں بھی ایک شخص زبانی اعلان کرتا ہے، پھر مسجد میں ختم قرآن کے بعد چائے، دودھ یا اور کوئی شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، اور مذکور اشیاء کا تقسیم کرنا ایک عام رواج بن گیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح سے ''ختم قرآن'' کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز ختم کے بعد تقسیم کی گئی مٹھائی کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ اور ایصال ثواب کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

مستفتی: یعقوب اسماعیل، کرمالی
۱۹۷۵/۳/۲۵ء

الجواب حامداو مصلیا:

ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن کی اولاً اطلاع دینا' تاکہ عوام، حفاظ اور علمائے کرام؛ سب جمع ہو کر مرحوم کو ایصال ثواب کریں، دن اور تاریخ کے التزام کے بغیر جائز ہے۔ [1] اسی طریقے سے ضروری سمجھے بغیر مرحوم کا کوئی بالغ وارث اپنی کمائی کے مال سے شیرینی کا انتظام کرے، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ مگر موجودہ دور میں رسوم ورواج نے جگہ پکڑ لی ہے، اس لیے اس سے منع کیا جاتا ہے، پھر ایصال ثواب کے لیے تیسرے دن کا انتظار کرنا (گویا خاص دن وغیرہ کو لازم سمجھنا)[2] شیرینی کا التزام [3] اور نابالغ ورثاء کے ہوتے ہوئے

---

(۱) فللإنسان أن يجعل ثواب عمله بغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة، أو صوما، أو حجا، أو صدقة، أو قراءة قرآن، أو الأذكار، أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه. (مراقي الفلاح،ص:۲۲۹، فصل في زيارة القبور، ط: المكتبة العصرية☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر بيروت)

(۲) ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص... وأطال في ذلك في المعراج. وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰-۲۴۱، باب الجنائز، مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر- بيروت)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: سوم ودہم وچہلم وغیرہ ہمہ بدعات وماخوذ از کفار ہنود است۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/ ۲۶۰، کتاب البدعات، فاتحہ رسمی، ط: ادارہ تالیفات اولیاء دیو بند)

(۳) چوں کہ شیرینی کی تقسیم اس رسم کا لازمی جزء ہے اور لوگوں کے درمیان مشہور ہے: لہٰذا ''المعروف کالمشروط'' کے تحت یہ پڑھنے کی اجرت ہوگی، جو ناجائز ہے:

قال ابن عابدين: ولا معنى أيضا لصلة القارئ؛ لأن ذلك يشبه استئجاره على قراءة القرآن، وذلك باطل، ولم يفعل ذلك أحد من الخلفاء. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۵۷، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على المعاصي، ط: دار الفكر- بيروت)

بالغ ورثاء یا بیوہ کا بے دریغ اسراف کرنا؛ اور اس جیسی بہت سی خرابی پائی جاتی ہے۔[۴] ان وجوہات کی بناء پر یہ بدعت اور ناجائز ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۱۹۷۵/۱۲/۲۵

[۲۱] میت کے لیے ایصال ثواب کا حکم

۲۲۵-سوال: یہاں عرب سے کچھ حضرات آکر یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ میت کو ایصال ثواب کرنا لاحاصل ہے، اس سے میت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے، کیا ایسے لوگ گمراہ ہیں؟

(غلام محمد جسات)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی انسان اپنے نیک عمل کا ثواب میت کو پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ فرقۂ معتزلہ (جو ایک گمراہ فرقہ ہے) اس کا منکر ہے، جب کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بدنی عبادت، مثلاً: تلاوت قرآن اور حمد وثنا کا ثواب میت کو نہیں پہنچایا جاسکتا ہے، البتہ مالی عبادت مثلاً: صدقات وخیرات اور حج وغیرہ کا ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔[۱] حنفی اور حنبلی مذہب کے مطابق بدنی اور مالی ہر طرح کی عبادت کا ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔[۲]

عرب شیوخ اگر مالکی اور شافعی مذہب کے ہوں، تو انہیں گمراہ نہیں کہا جاسکتا، وہ اہل سنت والجماعت کا اٹوٹ حصہ ہیں، البتہ اس مسئلے میں ان کا مسلک، حنفی مسلک سے مختلف ہے۔ اس لیے ان کو گمراہ کہنا جائز نہیں۔ (شامی: ۱/ عمدۃ القاری: ۶/ ۱۱۸) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

---

(۴) قال الله تعالى: وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ. (۴-النساء: ۲) وقال تعالى: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا. (۴-النساء: ۱۰)

(۱) قال في الدر: الأصل: أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره. قال ابن عابدين في شرحه: (قوله له جعل ثوابها لغيره) أي خلافا للمعتزلة في كل العبادات، ولمالك والشافعي في العبادات البدنية المحضة كالصلاة والتلاوة، فلا يقولان بوصولها بخلاف غيرها كالصدقة والحج. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر بيروت-لبنان)

(۲) فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة، صلاة، أو صوما أو حجا أو صدقة أو قراءة قرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر يصل ذلك إلى الميت وينفعه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۳،=

[۲۲] بعد نماز 'فاتحہ خوانی' جائز ہے یا ناجائز؟

۲۲۶-سوال: میں اپنے گاؤں میں نماز پڑھاتا ہوں؛ مقتدی حضرات بدعتی خیال کے ہیں؛ اس لیے فاتحہ پڑھنا پڑتا ہے؛ لیکن یہ کام (فاتحہ خوانی) میں دل سے نہیں کرتا ہوں، اگر فاتحہ نہ پڑھوں، تو لوگوں کے ساتھ مل جل کر کام نہیں کرسکتا، تو کیا اس عمل کی وجہ سے میں گنہ گار رہوں گا؟

(جی ایچ ایم ملاں لاجپڈ یا سابر کانٹھا)

الجواب حامداومصلیا:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بدعت کے کام حرام ہیں۔ [۱] البتہ آپ' لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھ کر 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کا فریضہ انجام دیتے رہیں، اللہ رب العزت کی ذات سے امید ہے کہ پانچ، چھ مہینے میں آپ کی یہ محنت اور کوشش بارآور ثابت ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ [۲]

حضرت مولانا سید مفتی مہدی حسن صاحبؒ اس صورت حال کے تعلق سے فرمایا کرتے تھے کہ بدعت کا ماحول دیکھ کر اور بدعت کہہ کر آپ اپنی ملازمت اور خدمت چھوڑ کر چلے جائیں گے، تو دین کا کام

=مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر بيروت)

وفي كلام القاضي: إذا جاز أن تقع أفعاله التي فعلها بنفسه عن غيره وهو الحج والصدقة، جاز أن يقع الثواب لغيره؛ لأن الثواب تبع للفعل، فإذا جاز أن يقع المتبوع لغيره، جاز أن يقع التبع. (النكت والفوائد السنية على مشكل المحرر- برهان الدين ابن مفلح من قضاة الحنابلة: ۱۰/ ۲۱۰، الصلاة على الميت، ط: مكتبة المعارف، الرياض ☆ عمدة القاري: ۹/ ۱۲۶، باب وجوب الحج وفضله، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

(۱) فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبي داود: ۲/ ۶۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۷، باب لزوم السنة، عن العرباض رضي الله تعالى عنه، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند)

(۲) قال القسطلاني: وفيه دليل على ارتكاب أيسر الضررين دفعا لأكبرهما؛ لأن قصور البيت أيسر من افتتان طائفة من المسلمين ورجوعهم عن دينهم... وقال الحافظ: وفيه من الفوائد... وفيه تقديم الأهم فالأهم، من دفع المفسدة وجلب المصلحة، وأنهما إذا تعارضا بدئ بدفع المفسدة. (أوجز المسالك إلى موطا الإمام مالك: ۷/ ۳۳۶- ۳۳۷، كتاب الحج، ماجاء في بناء الكعبة، رقم الحديث: ۷۹۶، ت: د: تقي الدين الندوي، ط: دار القلم- دمشق: وانظر للتفصيل، فتح الباري- ابن حجر العسقلاني: ۳/ ۴۴۸، باب فضل مكة وبنيانها، الخ، ط: دار المعرفة، بيروت)

کس طرح ہوگا؟[1] اس لیے آپ مذکورہ کام کے بدعت ہونے کے متعلق لوگوں کو سمجھاتے رہیں، نصیحت کرتے رہیں اور اپنی محنت بھی جاری رکھیں، ان شاء اللہ کامیابی ملے گی اور آپ گنہ گار بھی نہیں ہوں گے؛ لیکن اس کے لیے محنت شرط ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲۸/۱۱/۱۹۷۶ء

[۲۳] ایصال ثواب کے بعد کھانے کی دعوت کا شرعی حکم

۲۲۷-سوال: مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے کوئی شخص اپنے گھر میں محلے کے لوگوں کو اور اپنے رشتے داروں کو جمع کرے اور قرآن مجید ختم کروا کر دعوت کا پروگرام رکھے، تو یہ کھلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

دن اور تاریخ کے التزام کے بغیر[2] اگر کسی کے ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید ختم کروایا جائے، تو جائز ہے۔[3] مرحومین کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا، البتہ عورتوں کا بغیر پردے کے آنا اور نامحرم کے ساتھ بات چیت کرنا حرام ہے۔[4] جب آپ ایصال ثواب کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی بلائیں گے، تو ان حرام اور ناجائز امور کا ارتکاب ہوگا؛ اس لیے ایصال ثواب کے لیے اس طرح کی مجلس کا منعقد

---

(۱) حضرت مفتی مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی اس عبارت سے استدلال کیا جا سکتا ہے: وفيه تقديم الأهم فالأهم، من دفع المفسدة وجلب المصلحة، وأنهما إذا تعارضا بدئ بدفع المفسدة. (حوالہ سابق)

(۲) وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع... واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، كتاب الجنائز، مطلب في الثوب على المصيبة، ط: دار الفكر-بيروت☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۱۷، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة سواء كان المجعول له حيا أو ميتا من غير أن ينقص من أجره شيء. (حاشية الطحطاوي، ص: ۶۲۲، كتاب الجنائز، فصل في زيارة القبور☆ رد المحتار: ۲/ ۲۴۳، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور☆ الهداية: ۱/ ۲۷۶، كتاب الحج، باب الحج في الغير، ط: مكتبة الاتحاد-ديوبند)

(۴) عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: «المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان». (سنن الترمذي: ۱/ ۲۲۲، رقم الحديث: ۱۱۷۳، أبواب الرضاع، قبيل أبواب الطلاق واللعان، ط: ياسر نديم، ديوبند)

کرنا جائز نہیں ہے۔ [1] البتہ آپ اپنے رشتہ داروں کی عورتوں ہی کو دعوت دیں اور ہر طرح کے تمام حرام کاموں سے بچنے کا اہتمام کریں، تو اجازت ہے؛ لیکن عموماً اس کا خیال نہیں رکھا جاتا؛ اس لیے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ)
۱۰/۱۲/۱۹۷۶ء

[۲۴] عید الاضحیٰ کے دنوں میں فاتحہ دینے کا شرعی حکم

۲۲۸-سوال: عید الاضحیٰ کے دنوں میں کس کو فاتحہ دینا چاہیے اور فاتحہ دینے میں کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزانہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر مرحومین کو ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ [2] البتہ کسی مخصوص دن اور تاریخ کا التزام کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا ناجائز اور حرام ہے۔ [3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] تیجہ اور چالیسواں کا شرعی حکم

۲۲۹-سوال: تیجہ اور چالیسواں کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرنے والے پر کسی دن کی تعیین کیے بغیر اگر کوئی شخص اپنی حلال کمائی سے فی سبیل اللہ غریبوں

---

(۱) لأن الأصل أن سبب الحرام حرام. (فتح القدير - ابن الهمام: ۱۰/ ۴۷، كتاب الكراهية، فصل في الاستبراء وغيره، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعةسواء كان المجعول له حيا أو ميتا من غير أن ينقص من أجره شيء. (حاشية الطحطاوي، ص: ۶۲۲، كتاب الجنائز، فصل في زيارة القبور ☆ رد المحتار: ۲/ ۲۴۳، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور ☆ الهداية: ۱/ ۲۷۶، كتاب الحج، باب الحج في الغير، ط: مكتبة الاتحاد - ديوبند)

(۳) وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع... واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، كتاب الجنائز، مطلب في الثوب على المصيبة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۱۷، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

،یتیموں اور بیوگان پر صدقہ کرے، تو اس کو ثواب ملے گا۔[1] البتہ دوسرے ورثہ کی رضامندی کے بغیر، یا اپنے آپ کو مال دار ظاہر کرنے کے لیے، دوسرے مال داروں کو دکھانے[2] اور ان کو کھلانے کے لیے[3] اس طرح کی دعوت کرنے سے ثواب نہیں ملے گا اور پہلے سے کسی دن کو متعین کر لینے سے بدعت اور حرام کا ارتکاب کرنا لازم آئے گا۔[4] واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
٠٨/١٢/١٩٧٩

[٢٦] متعدد افراد کو ایصال ثواب کرنے کی صورت میں کیا ثواب تقسیم کیا جاتا ہے؟

٢٣٠-سوال: میں روزانہ قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کرتا ہوں، پھر دو رکعات نفل پڑھتا ہوں اور اس کے بعد اس طرح دعا کرتا ہوں کہ ”اے اللہ! قرآن کریم کی تلاوت اور نفل نماز کا ثواب رسول اللہ ﷺ کی مبارک روح کو پہنچایئے، آپ ﷺ کے بعد ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، اور دیگر ازواج مطہرات کو، ان کے بعد حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو، ان کے بعد دیگر صحابۂ کرامؓ اور خلفائے اربعہؓ کو، ان کے بعد شہدائے کربلا کو، ان کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ معین

---

(١) و الأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة. (الهداية: ١/ ٢٧٦، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبة الاتحاد، ديوبند☆ فتح القدير - كمال الدين ابن الهمام: ٣/ ١٤٣، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت)

(٢) قال الله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ. الآية. (٢-البقرة: ٢٦٤)

قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: «من سمع سمع الله به، ومن يرائي يرائي الله به». (صحيح البخاري: ٢/ ٩٦٢، رقم الحديث: ٦٤٩٩، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ط: مكتبة البدر ديوبند)

(٣) اس لیے کہ صدقہ فقراء کا حق ہے، اللہ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ. الآية. (التوبة: ٦٠)

وفي الشامي: لأنها صدقة، وهي على الغني حرام. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/ ٦٩٨، كتاب الوصايا، فروع أوصى بثلاث ماله لصلوات) وأوضح سبب الحرمة في موضع آخر عنه قائلا: لأن الصدقة على الغني هبة. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٣٥٥، كتاب الزكاة، فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر، بيروت)

(٤) ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع... وهذه الأفعال كلها للسمعة، والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٢٤٠، كتاب الجنائز، مطلب في الثواب على المصيبة، ط: دار الفكر - بيروت)

الدین چشتی اور تمام اولیائے کرام کو"۔

اخیر میں یہ کہتا ہوں کہ "اس پورے وظیفہ کا ثواب میرے مرحوم والدین کو پہنچایئے، ان کے بعد میرے قریبی رشتہ داروں کو اور تمام مسلمان مردوں کو"۔

میں جب بھی قرآن مجید پورا کر لیتا ہوں، تو دوسرے لوگوں کی طرح نہ تو کوئی میٹھی چیز سامنے رکھتا ہوں اور نہ اس کو دوسروں کے ذریعہ تقسیم کرواتا ہوں، صرف عبادت بدنی کا ثواب ان مردوں کو پہنچاتا ہوں، تو کیا اس سے مردوں کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور اس طرح مختلف حضرات کو ایصال ثواب کرنے سے میرے مرحوم والدین کے ثواب میں سے کوئی کمی تو نہیں ہوگی؟

الجواب حامداومصلیا:

صورت مذکورہ میں میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ [1] البتہ ثواب کس طرح پہنچتا ہے اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے، اس کا پورا ثواب سب کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر ایک کو پورا پورا ثواب ملتا ہے، کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، گویا کہ ثواب کو تقسیم نہیں کیا جاتا ہے۔ [2]

---

(۱) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳/ ۹۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مزید دیکھیے: حاشية الطحطاوي، ص ۶۲۲، كتاب الجنائز، فصل في زيارة القبور ☆ رد المحتار: ۲/ ۲۴۳، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور ☆ الهداية: ۱/ ۲۷۶، كتاب الحج، باب الحج في الغير، ط: مكتبة الاتحاد-ديوبند)

(۲) وفي كتاب الروح للحافظ أبي عبد الله الدمشقي الحنبلي الشهير بابن قيم الجوزية ما حاصله: . . . ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة، يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه اهـ ملخصا. قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملا. فأجاب بأنه أفتى جمع بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۴۳-۲۴۴، كتاب الصلاة، مطلب في زيارة البقور، ط: دار الفكر، بيروت)

وفي التتارخانية عن المحيط الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء اهـ. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۳، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور)

نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحيى الكحال، ووجه هذا أن الثواب ملك له فله أن يهديه جميعه وله أن يهدي بعضه، ويوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلا يحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي جاز =

نوٹ: مروجہ فاتحہ خوانی حرام ہے، اس سے ثواب نہیں ملے گا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۲۲/۲/۱۹۷۷ء

[۲۷] نذر و نیاز کا کھانا کسے کھلایا جائے؟

۲۳۱-سوال: نذر و نیاز کا کھانا کن کو کھلانا چاہیے؟ اگر کسی مال دار نے کھالیا، تو کیا اس پر ثواب ملے گا اور کیا میت کو اس کا ایصال ثواب کر سکتے ہیں؟

احقر حبیب خان

الجواب حامداً ومصلیاً:

نذر و نیاز کے کھانے کے حق دار غریب اور محتاج لوگ ہیں، مال داروں کو کھلانا جائز نہیں ہے۔[۱] اور مال دار کو کھلانے سے کوئی ثواب بھی نہیں ملے گا؛ بل کہ نذر و نیاز اگر رسم و رواج کے طور پر ہوگا، تب بھی ثواب نہیں ملے گا؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کھانا پکا کر کھلانے کے بجائے کچا اناج رشتہ داروں اور غریبوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ کسی کو پتہ نہ چلے تا کہ ریا، شہرت اور نام و نمود کی وجہ سے ثواب ختم یا کم نہ ہو جائے۔[۲] کچا اناج بغیر نام و نمود کے دیا جائے، تو اخلاص بھی باقی رہے گا اور ثواب کی بھی کثرت ہوگی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۱۷/۱۱/۱۹۷۷ء

كما لو أهداه إلى غيره. (كتاب الروح لابن القيم الجوزية: ٢/ ٣٤٧، المسألة السادسة عشرة: وهي هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل وأما قولكم لو ساغ ذلك لساغ إهداء نصف الثواب وربعه إلى الميت الخ، ت: د. بسام علي سلامه العموش، ط: دار ابن تيمية للنشر والتوزيع والاعلام، الرياض)

(٣) تقدم تخريجه.

(١) (الوصية المطلقة) (لا تحل للغني) لأنها صدقة، وهي على الغني حرام، لما قالوا: إن الصدقة على الغني هبة، ولا يمكن جعلها هبة له بعد موت الموصي. (الدر المختار مع رد المحتار، بتقدم وتاخر يسير: ٦/ ٦٩٨، كتاب الوصايا، فروع، أوصى بثلث ماله للصلوات، ط: دار الفكر - بيروت☆ وأيضاً: البحر الرائق: ٢/ ٢٦٣، كتاب الزكاة، دفع الزكاة إلى الأب والجد أو الولد... الخ، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٢) في البخاري: باب صدقة السر وقال أبو هريرة رضي الله عنه: عن النبي صلى الله عليه وسلم: «ورجل تصدق بصدقة فأخفاها، حتى لا تعلم شماله ما صنعت يمينه» وقوله: إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ [- ٢ البقرة: ٢٧١]. (١/ ١٩، كتاب الزكاة، باب صدقة السر، ط: البدر، ديوبند)

[٢٨] عاشورہ کے دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کا کھانا لوگوں کو کھلانا

٢٣٢-سوال: یوم عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کو حضرت حسینؓ کے نام پر نیاز کا کھانا؛ مثلاً: کھچڑا اور شربت وغیرہ اپنے محلے والوں اور پڑوسیوں کو اور دوست احباب کو دینا کیسا ہے؟ اور جن کو دیا گیا ہے، ان کے لیے یہ کھانا کھانا کیسا ہے؟ نیز اس طرح کے نیاز کے کھانوں کے لیے لوگوں سے چندہ حاصل کرنا کیسا ہے؟ مفصل جواب مطلوب ہے، اس لیے کہ یہ تمام حرکتیں میرے ایک بھائی نے کی ہے، میں اس کو آپ کا تحریر کردہ جواب پڑھاؤں گا، تاکہ اس کو ہدایت ملے اور وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاشورہ کے روز حضرت حسینؓ کی شہادت کے عنوان سے جتنے کام بھی کیے جاتے ہیں، وہ سب حرام اور ناجائز ہیں۔[١] کیوں کہ ان میں غلط عقائد اور متعدد رسومات و بدعات شامل ہیں:

(١) ان کاموں کے لیے پہلے ہی سے ایک وقت متعین کیا جاتا ہے، یہ التزام مالا یلزم ہے، جو صحیح نہیں ہے۔[٢]

(٢) امیر و غریب سب کو کھلایا پلایا جاتا ہے۔

(٣) نذر و نیاز کا کھانا مال داروں کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔[٣]

(٤) اس میں چندہ نہ دینے والے کو لعن طعن کیا جاتا ہے۔

(٥) اس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ کسی یتیم، مسکین، غریب اور بیوہ عورت کی مدد کی جائے، ان کی

---

(١) تعزیہ داری در عشرۂ محرم، وساختن ضرائح وصورت وغیرہ درست نیست، زیراکہ تعزیہ داری عبارت ازیں است کہ ترک لذائذ وترک زینت کند وصورت محزون وغمگین نماید...... ایں ہم بدعت است......بل کہ بدعت سیئہ است ۔ (فتاوی عزیزی (فارسی) ١/ ٥٧، مسئلہ تعزیہ داری محرم وصورت، ط: کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

(٢) قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر؟. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-الملاعلي القاري (م: ١٠١٤هـ): ٢/ ٧٥٥، رقم الحديث: ٩٤٦، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، ط: دار الفكر، بيروت-لبنان)

(٣) (الوصية المطلقة لا تحل للغني) لأنها صدقة، وهي على الغني حرام. (الدر المختار مع رد المحتار: ٦/ ٦٨٩، كتاب الوصايا، فروع أوصى بثلث ماله للصلوات، ط: دار الفكر-بيروت)

بہت سی ضروریات ہیں، اس کے باوجود لوگ ان کے کاموں کے لیے چندہ دینے سے دور بھاگتے ہیں، لہٰذا ضروری کاموں کو چھوڑ کر غیر ضروری کاموں میں مال کو خرچ کرنا فضول خرچی ہے، جو شرعاً حرام ہے۔ (۴)

(۶) حضرت حسینؓ عظیم المرتبت اور مقرب بارگاہ ہیں؛ اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ تم اپنے مال کے ذریعہ والدین، دادا، دادی اور نانا، نانی کو ثواب پہنچاؤ، تو وہ ان کاموں کے لیے خرچ کرنے میں پس وپیش کریں گے، جب کہ یہ لوگ تمہارے محسن ہیں اور وہ تمہاری طرف سے ایصال ثواب اور نیکی کرنے کے زیادہ محتاج ہیں۔

البتہ کوئی شخص پہلے سے کسی دن اور تاریخ کو متعین کیے بغیر کھلا پلا کر حضرت حسینؓ کی روح مبارک کو اس کا ثواب پہنچائے، تو جائز ہے۔ (۵)

نیز آپ نے سوال میں یہ لکھا ہے کہ "جواب تفصیل سے مطلوب ہے، تا کہ میں اپنے بھائی کو پڑھاؤں اور اس کو ہدایت ملے" سو یاد رکھیں کہ ہدایت دینا اللہ رب العزت کا کام ہے۔ (۶) انسان اپنی جانب سے کوشش کرتا رہے۔ مزید تفصیل کے لیے میری کتاب "احکام میت" (۷) پڑھ کر انہیں سنائیں، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت سے نوازے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۴) إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿۱۷-الإسراء: ۲۷﴾

وقال ابن مسعود: التبذير: الإنفاق في غير حق. وكذا قال ابن عباس. وقال مجاهد: لو أنفق إنسان ماله كله في الحق لم يكن مبذرا. ولو أنفق مدا في غير حقه كان تبذيرا. (التفسير الوسيط -الطنطاوي: ۸/ ۳۳۳، سورة الاسراء، ط: دار نهضة مصر للطباعة والنشر والتوزيع، الفجالة-القاهرة)

(۵) پس ایصال ثواب اگر اس طور پر کرے ...... کہ نہ دن اور تاریخ کی تخصیص کرے، نہ کسی خاص چیز کی، اور اغنیاء اور گھر والوں کو نہ دے اور اعلان کر کے نہ دے اور کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر کچھ نہ پڑھے، اور یہ عقیدہ نہ رکھے کہ حضرت ہماری مدد فرمائیں گے، اور یہ نیت نہ رکھے کہ اس عمل کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت وترقی ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۰۱، کتاب البدعات، ط: ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند)

فإن للعمل المتقبل شرطين، أحدهما: أن يكون خالصا لله وحده، والآخر: أن يكون صوابا موافقا للشريعة. فمتى كان خالصا، ولم يكن صوابا لم يتقبل؛ ولهذا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد". رواه مسلم من حديث عائشة، عنه، عليه السلام. (تفسير القرآن العظيم-ابن كثير القرشي، الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۱/ ۳۸۵، البقرة: ۱۱۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

(۶) لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ. [۲-البقرة: ۲۷۲]

(۷) احکام میت (سکرات سے فاتحہ تک کی سنن وبدعات) اردو ترجمہ، باہتمام: حافظ احمد بیمات کینیڈا، ناشر: مدنی دار التربیت، کرمالی۔

[۲۹] محرم، میلاد النبی اور گیارہویں کو کھانا پکانا

۲۳۳-سوال: محرم الحرام کی بارہویں تاریخ کو زیارت کا پروگرام رکھا جاتا ہے، نیز بارہ ربیع الاول اور بارہ ربیع الآخر کو جو نیاز کا کھانا بنایا جاتا ہے، اس میں مارے شرم کے 'مجبوراً پیسے دینے پڑتے ہیں اور اگر پیسے نہیں دیے، تو جھگڑے کا اندیشہ ہوتا ہے، تو ان حالات میں ہمیں شرعاً کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

محرم اور ربیع الاول اور ربیع الآخر کے مہینوں کی مخصوص تاریخ میں نیاز کے نام پر جو کھانا پکایا جاتا ہے، وہ جائز نہیں ہے۔ (۱) کیوں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہیں اور نیاز کا کھانا پکانے والے لوگوں کا 'پیسہ نہ دینے والے لوگوں پر دباؤ ڈالنا اور ان کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنا، ان کو برے الفاظ سے مخاطب کرنا اور ان کی بے عزتی کرنا ناجائز اور حرام ہے؛ البتہ کوئی صاحب خیر' دن اور مہینہ کے التزام کے بغیر اپنی جانب سے یتیموں اور غریبوں کو کھانا پکا کر کھلائے، تو اس کو ثواب ملے گا۔ (۲)
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا

۲۳۴-سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ویکرہ اتخاذ الضیافة في أیام المصیبة، لأنها أیام غم، فلا یلیق فیها ما یختص بإظهار السرور، وإن اتخذ طعاما للفقراء کان حسناً. (الفتاوی البزازیة مع الهندیة: ۶/۳۷۹، کتاب الکراهیة، رشیدیه کوئٹه)

وفي البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع... الخ. (رد المحتار مع الدر: ۲/۲۴۰، مطلب في الثواب علی المعصیة، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) پس ایصال ثواب اگر اس طور پر کرے...... کہ نہ دن اور تاریخ کی تخصیص کرے، نہ کسی خاص چیز کی، اور اغنیاء اور گھر والوں کو نہ دے اور اعلان کر کے نہ دے اور کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر کچھ نہ پڑھے، اور یہ عقیدہ نہ رکھے کہ حضرت ہماری مدد فرمائیں گے، اور یہ نیت نہ رکھے کہ اس عمل کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت وترقی ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ ۵/۳۰۱، کتاب البدعات، ط: ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان کوئی بھی نیک کام کر کے اس کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے۔ [۱] اس لیے قرآن پڑھ کر اس کا ثواب آپ ﷺ کی ذات اقدس کو پہنچانا جائز ہے؛ مگر بہتر یہ ہے کہ انبیاء ورسل کے ساتھ ساتھ دیگر مرحومین اور اپنے رشتہ داروں کو ایصال ثواب کیا جائے؛ اس لیے کہ یہ لوگ اس کے زیادہ محتاج ہیں۔

آپ ﷺ کے ایصال ثواب کے لیے اذان کے بعد پابندی سے "اذان کے بعد کی دعا" پڑھنا چاہیے۔ [۲] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۳۱] غوث پاک کی گیارہویں منانا بدعت ہے

۲۳۵-سوال: اس زمانہ میں لوگ غوث پاکؒ کی گیارہویں بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں؛ حالاں کہ غوث پاک کی اس مہینہ کی اس تاریخ کو وفات نہیں ہوئی ہے، گیارہویں منانے والے بہ طور دلیل یہ کہتے ہیں کہ غوث پاک اپنے شیخ کی گیارہویں منایا کرتے تھے۔

آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا غوث پاکؒ اپنے شیخ کی گیارہویں مناتے تھے؟ اگر مناتے تھے، تو کیوں؟ نیز انہوں نے گیارہویں منانے کے سلسلے میں کوئی وصیت یا تاکید فرمائی ہے؟ باحوالہ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

---

(۱) أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أو صوما ،أو صدقة، أو غيرها عند أهل السنة والجماعة. (الهداية شرح بداية المبتدي:۱/ ۲۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير ،ط:مكتبة الاتحاد-ديوبند☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ رد المحتار مع الدر المختار: ۲/ ۲۴۳، كتاب الجنائز، مطلب: في زيارة القبور ،ط: دار الفكر - بيروت☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ هـ): ۲/ ۸۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير ،ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق-القاهرة)

(۲) عن جابر بن عبد الله: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمدا الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة". (صحيح البخاري:۱/ ۸۶، رقم الحديث: ۶۱۴، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ورقم الحديث: ۴۷۱۹، كتاب تفسير القرآن ،باب قوله: {عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا} [الإسراء: ۷۹] ،ط: البدر - ديوبند☆ سنن أبي داود، رقم الحديث: ۵۲۹، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الدعاء عند الأذان☆ سنن الترمذي، رقم الحديث: ۲۱۱، أبواب الصلاة، باب بعد: باب ما يقول إذا أذن المؤذن)

الجواب حامداومصلیا:

غوث پاکؒ کی گیارہویں منانا فضول اور بے بنیاد کام ہے۔ [1] اولیاء اللہ سے اس قسم کی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔ان نیکوکار اور صالحین کی زندگی اتباعِ سنت رسول (ﷺ) میں گذری ہے؛ لہٰذا بہتر تو یہ ہے کہ ہم گیارہویں پر خرچ کیے جانے والے سارے پیسے اپنے آباء واجداد- جو اولیاء اللہ کے مقابلے میں گنہ گار تھے- کے ایصالِ ثواب میں خرچ کریں، کیوں کہ اولیاء اللہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی باتوں پر عمل کر کے اپنی دنیا وآخرت سنوار گئے، لازم ہے کہ ہم بھی ان کی طرح زندگی بسر کر کے دنیا اور آخرت میں سرخ روئی حاصل کریں، اس سلسلہ میں مزید معلومات کے لیے میری کتاب: احکام میت (سکرات سے فاتحہ تک کی سنن وبدعات) کا مطالعہ کریں۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] زیارت کی بدعات کو روکنے کے لیے میت کے گھر مجلس وعظ میں شرکت

۲۳۶-سوال: ہمارے ضلع کھیڑا میں ۵۰/سال قبل موت کے بعد میت کے گھر مہمانی کا رواج عام تھا، جس میں دور دراز سے میت کے رشتہ دار اور متعلقین آکر شریک ہوتے تھے، اِس رسم میں ریا کاری اور فضول خرچی بھی تھی، اصلاح کی کوشش کرنے سے آہستہ آہستہ یہ رسم تو بند ہوگئی؛ لیکن ابھی بھی انتقال کے تیسرے دِن زیارت کی رسم جاری ہے، اس میں سو، دوسو یا تین سو خطوط روانہ کر کے میت کے رشتہ داروں اور متعلقین کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ طے شدہ دِن صبح نو بجے تشریف لا کر مسجد میں قرآن خوانی کی مجلس میں

---

(۱) پس ایصالِ ثواب اگر اس طور سے کرے، جس میں فسادِ عقیدہ کا احتمال نہ ہو تو مضائقہ نہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ دن اور تاریخ کی تخصیص کرے نہ کسی خاص چیز کی اور اغنیاء اور گھر والوں کو نہ دے اور اعلان کر کے نہ دے اور کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر کچھ نہ پڑھے اور عقیدہ نہ کرے کہ حضرت ہماری امداد فرمائیں گے اور یہ نیت نہ رکھے کہ اس عمل کی برکت سے ہمارے مال واولاد میں برکت وترقی ہوگی، محض یوں سمجھے کہ انہوں نے ہم پر دین کا احسان کیا ہے، کہ سیدھا راستہ کتابوں میں بتلائے گئے، ہم ان کو نفع پہنچاتے ہیں کہ ثواب سے ان کے درجات بلند ہوں گے، بس اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۳۰۱/۵، کتاب البدعات، پیران پیر کی گیارہویں، الخ، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷۶/۲-۷۷)

(۲) احکام میت [سکرات سے فاتحہ تک کی سنن اور بدعات] مترجم اردو، سن طباعت: ربیع الاول: ۱۴۳۴ھ موافق=فروری: ۲۰۱۳ء)

(۳) فتاویٰ رحیمیہ میں فتاویٰ سمرقندی کے حوالہ سے منقول ہے: قراءة الفاتحة والإخلاص والكافرون على الطعام بدعة. (فتاوی رحیمیہ: ۱۱۶/۲، کتاب السنة والبدعة، ط: دار الاشاعت، کراچی)

بیٹھیں یا مجلسِ وعظ میں شامل ہوں، پھر دعاء کے بعد میت کے گھر کھانا کھائیں، یہ رسم بالکل لازمی تھی، اور آج بھی کچھ نہ کچھ جاری ہے۔

آخری چار پانچ سال سے ایک دین دار طبقے نے اصلاح کی غرض سے لوگوں کو یہ بات سمجھائی کہ اس ''زیارت'' کی رسم میں کئی مرتبہ صغیر اور یتیم کا مال بھی خرچ ہوتا ہے، جو حرام ہے، اس کے علاوہ دیگر کئی خرافات ہوتے ہیں، غرض اس زیارت کے کھانے کے خلاف گویا ایک تحریک چلائی گئی اور یہ طے ہوا کہ اس کے بجائے میت کے گھر بعد ظہر ۲ / بجے سے ۴ / بجے تک قرآن خوانی کی جائے، اب یہ مجلس کسی کے انتقال کے بعد پانچ یا سات دنوں ہی میں کوئی ایک دن طے کر کے رکھی جاتی ہے، جس کے لیے خطوط روانہ کیے جاتے ہیں، مردوں کے علاوہ اُس میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں، اس قرآن خوانی کی مجلس میں کھانے کا کوئی موقعہ نہیں رہتا۔

اب اس مجلس میں شریک تمام لوگ تلاوت ہی کریں' یہ ممکن نہ تھا، نیز عورتیں اس موقع پر فضول باتیں اور غیبت وغیرہ میں اپنا وقت ضائع کرتی تھیں؛ اس کے بجائے ایک نیک مخلص آدمی نے علماءِ حق میں سے ایک عالم کو دعوت دے کر مجلس وعظ منعقد کی، جس میں عورتوں کے لیے علاحدہ نشست کا انتظام بھی کیا گیا، تمام لوگوں کو یہ مجلس اچھی معلوم ہوئی، اور اب اس طرح سے لوگ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک علماءِ حق سے دین کی باتیں سنتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کے اکثر و بیشتر خاندان ایسے ہیں جن کے رشتے داروں میں کچھ اہل بدعت بھی ہیں؛ لیکن رشتہ داری کی وجہ سے وہ لوگ بھی میت کے گھر آتے ہیں اور اس موقع پر دو گھنٹے تک علماءِ حق کی تقاریر سنتے ہیں، جس کا یہ فائدہ بھی دیکھا گیا کہ اُن میں سے بہت سے لوگوں کی اہل سنت والجماعت کے متعلق غلط فہمیاں دور ہوئیں، اور حق بات سمجھ کر اُس کا اعتراف بھی کیا۔

تقریر کی صورت اب بھی جاری ہے، اس کو بند کرنے کے لیے بھی دین دار طبقے کی جانب سے فہمائش کی گئی، جس پر عوام کا کہنا یہ ہے کہ ہم زیارت کے نام پر کھانا کھلانے کی بدعات تو کرتے نہیں؛ پھر یہ کیا غلط ہے کہ ایک دن تقریر کے لیے متعین ہو، جس میں تمام رشتہ دار جمع ہو جائیں، اگر اس طرح نہیں کیا گیا، تو

چالیس دن تک متفرق طور پر میت کے رشتہ دار آتے رہیں گے، جس کی وجہ سے ہمارے روزانہ کے معاشی مشاغل میں پریشانی کھڑی ہوگی؛ لہٰذا سہولت اسی میں ہے کہ اس تقریری رسم کے لیے ایک ہی دن متعین ہو جائے، اور تمام لوگ اُسی میں شرکت کرلیں۔

تاہم دین دار حضرات کا ایک بڑا طبقہ اس رسم کو بھی پسند نہیں کرتا اور حکمت و مصلحت کے ساتھ عوام کو سمجھا کر اس رسم کو بھی بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے، الحمدللہ! کافی حد تک کامیابی بھی ملی، اُن کی فہمائش کی وجہ سے بہت سے دیہاتوں میں میت کے رشتہ داروں نے اس رسم کو چھوڑ دیا؛ لیکن اب اصل مصیبت علاقے کی مساجد کے ائمہ کے لیے کھڑی ہوگئی ہے، ایک عالم کا کہنا ہے کہ یہ رسم صرف رسم نہیں؛ بلکہ بدعت ہے، اور بدعتی کو حوضِ کوثر سے آپ ﷺ کے ہاتھوں جامِ کوثر نصیب نہ ہوگا اور جسے جامِ کوثر نصیب نہیں ہوگا، اُسے جنت میں داخلہ بھی نصیب نہ ہوگا، لہٰذا علماء، ائمۂ مساجد اور مدرّسینِ مدرسہ میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس قسم کی مجلسِ وعظ میں شرکت کریں، یہ مجلس غیر شرعی اور منکر (گناہ) کی مجلس ہے۔

اگر اس بات کو مان کر علماءِ حق اس تقریری رسم میں جانا چھوڑ دیں گے، تو بڑے فتنے اور خرافات کا اندیشہ ہے، جس گاؤں یا جس محلے میں ائمہ و علماء بستے ہیں، اُن کے لیے مشکلات کھڑی ہوں گی؛ بل کہ بعض جگہوں پر تو فتنے رونما ہو چکے ہیں، یعنی علماءِ حق کے اس قسم کی مجلس میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے متبادل کے طور پر اہلِ بدعت کے علماء سو پہنچ گئے ہیں، جن کے عقائد صحیح نہیں ہیں، ابھی جس وقت یہ تحریر لکھی جارہی ہے، اُسی دوران ۱۰۰ رفٹ کے فاصلے پر ایک سوسائٹی میں سے ایک بدعتی عالم کی تقریر کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

لہٰذا یہ تو ہوگا نہیں کہ علماءِ حق کے شرکت نہ کرنے کی وجہ سے یہ رسم بالکلیہ بند ہوجائے؛ کیوں کہ اُن کی جگہ غلط قسم کے لوگ بیان کریں گے، لہٰذا ہم نے مناسب سمجھا کہ علماءِ حق اس قسم کی مجالس میں جائیں؛ البتہ حکمت و مصلحت کے ساتھ اپنے گاؤں یا محلہ کی اصلاح کرتے رہیں، اور وقتاً فوقتاً جب بھی کسی کا انتقال ہو، تو میت کے رشتہ داروں کے پاس جاکر سمجھانے کی کوشش کریں کہ اگر یہ مجلس منعقد نہ کریں، تو بہتر ہوگا، اگر وہ مان جائیں، فبہا، ورنہ مجلسِ وعظ میں شریک ہوں، اس طرح کی فہمائش سے ماضی قریب ہی میں تین گاؤں کے لوگ مان گئے اور مجلس منعقد نہیں ہوئی، تاہم ابھی کافی محنت اور اصلاحی جد و جہد کی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلم عوام میں سے کوئی شخص علماءِ حق میں سے کسی عالم کو پورے اکرام کے ساتھ اس مجلسِ وعظ میں تقریر کی دعوت دے، تو کیا اُس عالم کے لیے اصلاح کی نیت سے اُس مجلس میں شریک ہونا درست ہے؟ شریک ہونے پر اُسے کوئی گناہ ہوگا؟ کیا اس بدعت کے اختیار کرنے کی وجہ سے وہ جنت سے محروم ہوگا؟ برائے کرم شرعی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت میں جس چیز کا ثبوت نہ ہو، اس کو دین سمجھ کر انجام دینا بدعت ہے؛ اس لیے آج کل وہ اعمال، جو حزن وغم کے مواقع پر ثواب سمجھ کر کیے جاتے ہیں، بدعت ہیں۔ [1] اُن کے برخلاف شادی، ختنہ اور عقیقہ جیسے خوشی کے مواقع پر کیے جانے والے افعال، کہ وہ بدعت میں شامل نہیں ہیں، وجہ یہ ہے کہ خوشی و مسرت کے موقع پر انجام دیے جانے والے اعمال درحقیقت لہو و لعب کی قبیل سے ہوتے ہیں اور انہیں کوئی دین کا حصہ نہیں سمجھتا، جب کہ حزن وغم کے موقع پر کیے جانے والے اعمال کو ہر شخص دین کا حصہ سمجھتا ہے، حالاں کہ ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جیسا کہ محدّث العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"و البدعة عندي: ما لا تكون مستندة إلى الشرع، و تكون ملتبسة بالدّين، و لذا يقال: إن الرسوم التي جرت في المصائب بدعة، دون التي في مواضع السرور، كالانكحة و غيرها؛ فإن الأولى تعد كأنها من الدين، فتلتبس به، بخلاف الثانية، و السر فيه: أن رسوم المسرات أكثرها تكون من باب اللّهو و اللعب، فلا تلتبس بالدين عند سليم الفطرة، بخلاف رسوم نحو الموت، فإن غالبها يكون من جنس العبادات، فيتحقق فيها الالتباس." (فيض الباري شرح صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة. [2])

سوال میں ذکر کردہ احوال کے پیشِ نظر اگر علماءِ حق اصلاح کی نیت سے اِس جیسی مجالس میں شریک

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ط: البدر - ديوبند ☆ صحيح مسلم، ۲/۷۷، ۱۸-(۱۷۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور ☆ سنن أبي داود: ۲/۶۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۶، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، مكتبة الاتحاد - ديوبند)
(۲) فيض الباري: ۱/۲۰۷، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة، ط: المجلس العلمي بدابيل - سورت) و قد تقدم تخريجه عن: (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۴۰، كتاب الجنائز، مطلب في الثواب على المصيبة، بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۶۱۷، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، بيروت)

ہوں، تو جائز ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔''(۳)

لہٰذا میں اہلِ سنت والجماعت کے اُن علماء اور برادرانِ قوم وملت سے توقع رکھتا ہوں، جو ہمہ وقت قوم وملت کی دینی فکر میں مشغول ہیں؛ کہ ان مجالس میں اگر شرکت کرنی ہی پڑے، تو اپنے گھر سے کھانے وغیرہ کی تمام ضروریات سے فارغ ہو کر جائیں، یا دوسری شکل یہ بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ میت کے گھر اور رشتہ داروں کے علاوہ اور کسی متعلق کے گھر ان مجالس کا انتظام کیا جائے، بہر صورت اس بات کی مکمل کوشش کی جائے کہ عوام غلط قسم کے لوگوں کو اپنا مقتدیٰ بنا کر اُن کی پیروی نہ کریں، علماء حق کے شریک نہ ہونے کی وجہ سے غلط قسم کے لوگ ان مجالس کو ذریعہ بنا کر عوام کو گمراہ کریں گے، لہٰذا علماء حق کو چاہیے کہ اصلاح کی نیت سے شرکت کر کے عوام کے ساتھ جڑے رہیں، اور وقتاً فوقتاً مناسب موقع پر اُن کی فہمائش کرتے رہیں، ان شاء اللہ کامیابی ضرور ملے گی، جس کے بعض مثبت نتائج آپ نے خود محسوس بھی کیے ہیں۔

ذکر کردہ احوال کے پیش نظر اگر کوئی بھی عالم برحق اور امام مسجد اس جیسی مجلس میں بہ غرضِ اصلاح شرکت کر کے تقریر کرے، تو وہ گنہگار نہ ہوگا؛ البتہ اس بات کا خوب خیال رہے کہ اس مجلسِ وعظ کی وجہ سے میت کے گھر پر کسی قسم کا بوجھ نہ آئے، ان شاء اللہ آپ حضرات کی دینی جدوجہد ضرور رنگ لائے گی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] میت کے گھر قرآن خوانی کا حکم

۲۳۷-سوال: بہت سے گھروں میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو میت کے رشتے داروں کی جانب سے کچھ حفاظ وعلماء کو بلا کر میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کروائی جاتی ہے، جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین کی وفات پر اس طرح کی قرآن خوانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کی، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے؛ بل کہ اُس کے بدعت ہونے کا وہم ہوتا ہے، تو کیا اس طرح بہ

(۳) عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى. (صحيح البخاري: ۱/۲، رقم الحديث: ۱، باب بدء الوحي، ط: البدر- ديوبند ☆صحيح مسلم، رقم الحديث: ۱۵۵-(۱۹۰۷)، كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: إنما الأعمال بالنية... الخ ☆سنن أبي داود: ۱/۳۰۰، رقم: ۲۲۰۱، كتاب الطلاق، باب فيما عني به الطلاق والنيات، ط: مكتبة الاتحاد- ديوبند)

غرضِ ایصالِ ثواب قرآن خوانی جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلياً:

جب کسی دن یا تاریخ کو لازم نہ کیا جائے۔[1] کھانے پینے کا مستقل انتظام نہ کیا جائے، نیز اُسے ایسا ضروری اور لازم نہ سمجھا جائے کہ اُس قرآن خوانی میں شریک نہ ہونے والے پر طعن وتشنیع کی جائے، تو بہ غرضِ ایصالِ ثواب جائز ہے۔[2] اس لیے کہ ایصالِ ثواب کا ثبوت متعدد احادیث پاک سے ہے۔[3] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) تقدم تخريجه عن: (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، كتاب الجنائز، مطلب في الثواب على المصيبة، بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص۶۱۷، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، بيروت)

(۲) إن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة، أو صوما، أو صدقة، أو غيرها عند أهل السنة والجماعة. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ) :۱/ ۲۷۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: الاتحاد- ديوبند)

(۳) أنس بن مالك، قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم بأبي وأمي يا رسول الله، إنا لندعوا لموتانا ونتصدق ونحج عنهم فهل يصل ذلك إليهم؟ فقال: (إنه يصل إليهم ويفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدي إليه). (هدية الأحياء للأموات وما يصل إليهم من النفع والثواب على ممر الأوقات- أبو الحسن عليّ بن أحمد الهكّاري (م:۴۸۶هـ) ص: ۱۷۷، باب الدليل على أن ثواب قراءة القرآن ... الخ، ★ الكلام على وصول القراءة للميت- محمد بن إبراهيم، ابن أبي السرور المقدسي الحنبلي (م:۶۷۶هـ) ص: ۲۲۳، ☆ نفحات النسمات في وصول إهداء الثواب للأموات- أحمد بن إبراهيم السروجي، (م:۷۱۰هـ) ص:۲۹۱،) یہ تینوں رسالے "أبو عبد الرحمن شوكت بن رفقي شحالتوغ" کی تحقیق کے ساتھ "الدار الأثرية" سے شائع کیے گئے ہیں، جو اس موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس میں ایصالِ ثواب پر متعدد دلائل جمع کیے گئے ہیں، فمن شاء التفصيل يطالع ثمة.)

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م:۸۵۵هـ): ۳/ ۱۱۹، كتاب الوضوء، باب بعد: باب الوضوء من غير حدث، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت ☆ فتح القدير- ابن همام: ۳/ ۱۴۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر- بيروت)

إن سعد بن عبادة رضي الله عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله، إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها، قال: نعم، قال فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۸۶، كتاب الوصايا، باب إذا قال: أرضي أو بستاني صدقة، ط: البدر- ديوبند)

(وانظر سنن أبي داود: ۲/ ۳۹۹، رقم: ۲۸۸۲، كتاب الوصايا، باب ما جاء فيمن مات عن غير وصية يتصدق عنه، ط: مكتبة الاتحاد- ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/ ۴۵، رقم: ۶۶۹، أبواب الزكاة، باب ما جاء في الصدقة عن =

[۳۴] قرآن خوانی کے بعد ناشتہ کروانا

۲۳۸-سوال: بہت سی جگہوں پر ایصالِ ثواب کے لیے ختم قرآن کی مجلس کے بعد قرآن پڑھنے والوں کو دودھ اور بسکٹ وغیرہ کا ناشتہ کرایا جاتا ہے، قرآن خوانی کروانے والا اگر پڑھنے کا عوض سمجھ کر نہ کھلائے، بل کہ اپنے گھر کا مہمان سمجھ کر کھلائے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناشتہ اگر کسی خاص رسم کی بنیاد پر نہ ہو اور میت کے مال میں سے بھی نہ ہو؛ بل کہ عاقل، بالغ آدمی اپنی مرضی سے اپنے مال سے غرباء کو یہ ناشتہ کروا رہا ہو، تو جائز ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ قرآن خوانی کی مجلس میں اس طرح کھانے پینے اور کھلانے پلانے سے احتراز کیا جائے؛ اس لیے کہ یہ موقع غم وحزن کا ہے؛ خوشی و مسرت کا نہیں ہے، اور کھانا پینا خوشی و مسرت کے موقعوں پر ہوا کرتا ہے۔[۱] اگر ناشتہ وغیرہ نہ کروا کر اتنی رقم تنگدستوں، یتیموں اور بیواؤں پر بہ نیت ایصالِ ثواب صدقہ کردے، تو زیادہ بہتر ہوگا، ناشتہ اور اس طرح کی غیر ضروری چیزیں ہی آگے چل کر معاشرے میں غلط رسومات کا سبب بن جاتی ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] مجلس مولود میں عورتوں کی شرکت

۲۳۹-سوال: میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دن چند عورتیں جمع ہو کر میلاد پڑھتی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر سلام پڑھتی ہوں اور زور سے پڑھتی ہوں، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نماز جیسی عبادت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عورت کی نماز اس کے گھر میں ہی

= المیت، ط: فیصل - دیوبند ☆ سنن ابن ماجۃ: ص ۱۵۳، رقم: ۲۱۳۲- ۲۱۳۳، کتاب الکفارات، باب من مات وعلیہ نذر، ط: مکتبۃ الاتحاد - دیوبند)

عن أبي طلحة أن النبي - صلی الله علیه وسلم - ضحی بکبشین أملحین، فقال عند الذبح الأول: "عن محمد و آل محمد" وقال عند الذبح الثاني: "عمن آمن بي و صدق من أمتي". (مسند أبي یعلی الموصلي: ۳/۱۱، رقم: ۱۴۱۷، ط: دار المامون - دمشق ☆ انظر المعجم الکبیر للطبراني، رقم: ۴۷۳۶، و کنز العمال، رقم: ۱۲۶۹۵)

(۱) و یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع في السرور، لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، باب صلاة الجنازة، مطلب في الثواب علی المصیبة، ط: دار الفکر - بیروت ☆ مراقي الفلاح، ص: ۲۲۸، باب أحکام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، ط: المکتبة العصریة)

بہتر ہے۔[1]

تو میلاد وغیرہ کے لیے، جس کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے، عورت کا نکلنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، جب کہ اس میں بے شمار مفاسد ہیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] عبد الوہاب نجدیؒ اور بدعات سے متعلق بعض سوالات

۲۴۰-سوال: جماعت المسلمین قصبہ سنگمیشور ضلع: رتنا گیری، شافعی جماعت) اس جماعت میں چند لوگوں میں تفرقہ بازی ہوچکی ہے اور گاؤں کی حالت بہت نازک ہے۔ اس جماعت میں چند لوگ حاجی ہیں، تفرقہ کی وجہ چند امور ہیں، جنہیں نیچے درج کر رہا ہوں، مجھے قوی امید ہے کہ حضرت والا ان سوالوں کے جواب دے کر جھگڑے ختم فرمائیں گے، واضح رہے کہ یہ جھگڑے آپ کے جواب ہی کی وجہ سے مٹ سکتے ہیں۔ یہاں کی آبادی کم سے کم چھ سو ہے۔ آپ جواب دے کر ممنون ومشکور فرمائیں گے:

(۱) وہابی مذہب کیا ہے؟ (۲) مذہب کی کون سی کتاب پڑھنا چاہیے؟ کتاب لکھنے والوں کے نام اور اگر وہ ممبئی سے خریدی جائیں، تو کہاں سے خریدنا چاہیے، اس کی صراحت فرمادیں۔ (۳) ولی اللہ کا عرس، نیاز کرنا، منت مانگنا، گانا بجانا (سماع) کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور عرس کرنا ہو، تو کیا نکالنا چاہیے؟ (۴) گاؤں کے امام صاحب کا ولی کی درگاہ پر جا کر نیاز کرنا (یعنی لوگوں کے لائے ہوئے ناریل اور مٹھائی پر فاتحہ دینا یعنی

---

(۱) عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داؤد: ۱/ ۸۴، رقم الحديث: ۵۷۰، باب التشديد في ذلك، ط: البدر - ديوبند)

(۲) ثم انظر رحمنا الله وإياك إلى مخالفة السنة ما أشنعها، ألا ترى أنهم لما ابتدعوا فعل المولد على ما تقدم، تشوفت نفوس النساء لفعل ذلك، وقد تقدم ما في مولد الرجال من البدع والمخالفة للسلف الماضين - رضي الله عنهم - أجمعين فكيف إذا فعله النساء لا جرم أنهن لما فعلنه ظهرت فيه عورات جملة ومفاسد عديدة، فمنها ما تقدم في مولد الرجال من أنه يكون بعض النساء ينظر إلى الرجال، فيقع ما يقع من التشويش بين الرجل وأهله بسبب ذلك كما تقدم.

الوجه الثاني: أنهن اقتدين بالرجال في الذكر جماعة برفع أصواتهن كما يفعل الرجال. وقد تقدم منع ذلك في أول الكتاب بأدلته سيما وأصوات النساء فيها من الترخيم، والنداوة، ما هو فتنة في الغالب في الواحدة منهن فكيف بالجماعة فتكثر الفتنة في قلوب من يسمعهن من الرجال أو الشبان وأصواتهن عورة... الخ. (المدخل - ابن الحاج: ۲/ ۱۰-۱۱، المرتبة الثانية، فصل في مولد النبي والبدع المحدثة فيه، ط: دار التراث)

عرس کے دن ایک قسم کی مجاور گیری کرنا) درست ہے یا نہیں؟ اور ان کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (۵) ولی اللہ کی درگاہ پر جانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر جانا درست ہے، تو وہاں جاکر فاتحہ پڑھنا یا کوئی دعا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۶) میت کو قبر میں اتارنے کے بعد قل کی مٹی دینا کیسا ہے؟ درست ہے یا سنت ہے یا واجب ہے یا ممنوع؟ (۷) میت کو کفن میں باندھنے کے بعد دوبارہ کفن کھول کر میت کا دیدار کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور قبر میں اترنے سے پہلے کفن کھول کر دیدار کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۸) قبر پر پھول چڑھانا، پانی ڈالنا، فاتحہ دینا یا کسی قسم کا پودا لگانا درست ہے یا نہیں؟ (۹) محرم میں تعزیہ نکالنا، ناچنا، بجانا درست ہے یا نہیں؟ ان سوالوں کا جواب برائے مہربانی آسان اردو میں دیں، تاکہ ہم سب بہ آسانی سمجھ سکیں، اردو ہماری مادری زبان نہیں ہے، ہماری مادری زبان مراٹھی ہے؛ اس لیے آسان اردو کا سمجھنا ممکن ہے، مجھے امید ہے کہ آپ ان سوالوں کے جواب جلد از جلد دیں گے اور جو نیچے پتے لکھے ہوئے ہیں، ان سبھوں کے نام ایک ایک کاپی روانہ کرنا آپ کی عین نوازش ہوگی۔ میں اس خط کے ہمراہ پوسٹ کے ٹکٹ بھی روانہ کر رہا ہوں، اگر اس سے بھی زیادہ خرچہ ہو، تو اطلاع دینا۔ پیسہ روانہ کردوں گا۔

اسحاق بالاسوزکر

الجواب حامداومصلیا:

اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو حق کی تحقیق کی توفیق بخشی؛ اس کے لیے آپ حضرات قابل مبارک باد ہیں، آپ کے سوالات کے جوابات کو نمبر وار لکھنے سے پہلے ایک تمہید بیان کرتا ہوں، امید ہے کہ حق تعالیٰ حق تک پہنچنے کی توفیق عنایت فرمائیں گے، آمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ۷۳ رفرقے ہوں گے، تمام جہنم میں جائیں گے، صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ صحابہ نے پوچھا کہ وہ کون سا فرقہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ (مشکوۃ صفحہ ۳۰)[1]

دوسری حدیث طویل ہے، جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے بعد

[۱] عن عبد اللہ بن عمرو، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...إن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة. قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي. (سنن الترمذي: ۲/ ۹۲، رقم الحديث: ۲۶۴۱، أبواب الإيمان، ما جاء في افتراق هذه الأمة، ط: البدر- ديوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۲/ ۶۳۱، رقم الحديث: ۴۵۹۷، كتاب السنة، باب شرح السنة، ط: الأشرفية- ديوبند)

زندہ رہے گا، وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، تو اس وقت تم لوگ میرے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنا اور مضبوطی سے تھامے رکھنا اور نئے کاموں کے ایجاد کرنے سے بچنا؛ کیوں کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوۃ صفحہ ۳۰)

حضرت عائشہؓ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ جو ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے، تو وہ مردود ہے۔ (بخاری صفحہ ۲۷ مشکوۃ مالک بن انسؓ)[۲]

موطا امام مالکؒ میں مرسلاً روایت ہے کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک انہیں پکڑے رہوگے، گمراہ نہیں ہوگے: (۱) کتاب اللہ (۲) میری سنت (مشکوۃ صفحہ ۳۱)[۳]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص سنت کی پیروی کرنا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ جو لوگ وفات پاگئے ہیں ان کے طریقے کو اختیار کرے؛ اس لیے کہ جو لوگ زندہ ہیں، ان سے ہم لوگ مامون نہیں ہیں کہ کہیں وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں، وہ کون لوگ ہیں وفات پانے والے؟ رسول اللہ کے اصحاب ہیں، ان کی بتائی ہوئی راہ کو لازم پکڑو۔ (مشکوۃ)[۴]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو خرابی، بربادی اور ہلاکت سے محفوظ رکھنے کے لیے تاکید کے ساتھ مختلف طریقوں سے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ قرآن مجید اور میری سنت کو

---

(۲) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور، فالصلح مردود، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن مالك أنه بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تركت فيكم أمرين، لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة نبيه. (موطا امام مالك: ۲/۸۹۹، كتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر)

(۴) عن ابن مسعود - رضي الله عنه - قال: من كان مستنا، فليستن بمن قد مات، فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة، أولئك أصحاب محمد - صلى الله عليه وسلم -، كانوا أفضل هذه الأمة: أبرها قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، اختارهم الله لصحبة نبيه، ولإقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم على أثرهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم. (مشكوة المصابيح: ۱/۳۲، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، بحوالہ رزين، ط: فيصل پبليكيشنز، ديوبند☆حلية الأولياء وطبقات الأصفياء-أبو نعيم الأصبهاني (م: ۴۳۰ھ): ۱/۳۰۵، مواظبته على قيام الليل، عن ابن عمر رضي الله عنه، ط: السعادة - بجوار محافظة مصر☆شرح السنة-البغوي: ۱/۲۱۴، رقم: ۱۰۵، كتاب الإيمان، باب رد البدع والأهواء)

اور اصحاب کے طریقہ کو لازم پکڑو، ان پر عمل کرنے سے تم ہلاکت سے بچ سکتے ہو، میرے طریقے کو چھوڑ کر ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

(۱) قبروں کی زیارت کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا کہ اللہ تعالی یہود ونصاری پر لعنت فرمائے؛ کیوں کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا (بخاری)[۵]

پس قبروں کی زیارت اس لیے کی جائے کہ عبرت ونصیحت حاصل ہو، تو جائز ہے، قبرستان میں جا کر کھانا، پینا یا قبروں کو بوسہ دینا یا سجدہ کرنا؛ یہ تمام مکروہ تحریمی ہے۔(۶)

عرس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ، صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ میں سے کسی سے نہیں ہے، حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے گھروں کو قبر مت بنانا اور میری قبر کو عید مت بنانا۔ (نسائی شریف)[۷]

اس حدیث کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ میری قبر کی زیارت کو عید کے مانند مت بناؤ کہ عید تو خوشی ہے اور زیارت سے مقصد آخرت کو یاد دلانا ہے، پس عرس کرنا، عرس میں جانا اور عرس کرنے والوں کی مدد کرنا ناجائز اور حرام ہے۔(۸)

---

[۵] عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال في مرضه الذي مات فيه: لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مسجدا. (صحيح البخاري: ۱/۱۷۷، رقم الحديث: ۱۳۳۰، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، ط: البدر - ديوبند)

(۶) والمستحب في زيارة القبور أن يقف مستدبر القبلة مستقبلا بوجهه الميت وأن يسلم ولا يمسح القبر ولا يمسه ولا يقبله فإن ذلك من عادة النصارى. (إحياء علوم الدين - أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (م: ۵۰۵ھ): ۴/۴۹۱، بيان زيارة القبور والدعاء للميت وما يتعلق به، ط: دار المعرفة - بيروت)

[۷] عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تجعلوا بيوتكم قبورا، ولا تجعلوا قبري عيدا. (سنن النسائي: ۲/۲۱۸، رقم الحديث: ۲۰۴۲، باب زيارة القبور، ط: المكتبة العصرية، صيدا - بيروت)

(۸) ولا تجعلوا قبري عيدا هو واحد الأعياد، أي لا تجعلوا زيارة قبري عيدا، أو لا تجعلوا قبري مظهر عيد، فإنه يوم لهو، وسرور، وحال الزيارة خلاف ذلك. (مرقاة المفاتيح: ۳/۱۲، باب الصلاة على النبي وفضلها)

(۱) محمد بن عبد الوہاب نجد میں پیدا ہوئے، مذہبا حنبلی تھے، مزاج میں شدت تھی؛ اس لیے خوارج کی طرح اکثر مسلمانوں کو مشرک کہتے تھے اور ان کی جان اور ان کے مال کو مباح قرار دیتے تھے۔ (۹)

(۲) ہماری مذہبی کتاب تو قرآن مجید ہے اور اس کے بعد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کی روشنی میں بہت سے علماء نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، بچوں کو پڑھانے کے لیے تعلیم الاسلام (مؤلفہ: مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) بہشتی زیور (از: حضرت تھانویؒ صاحب) اور تاریخ اسلام (از مولانا محمد میاںؒ) عمدہ کتابیں ہیں۔

(۳) ناجائز اور حرام ہے، تمہیدی بیان سے بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ (۱۰)

(۴) مجاوری کرنا درست نہیں، ناجائز ہے، ایسا امام فاسق ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر اس سے اچھا امام موجود ہو، ورنہ مکروہ بھی نہیں۔ (۱۱)

---

(۹) فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: محمد عبد الوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں، وہ اچھا آدمی تھا، سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا، بدعت وشرک سے روکتا تھا، مگر تشدد اس کے مزاج میں تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رشیدیہ از تالیفات رشیدیہ، مسائل منثورہ، محمد عبد الوہاب نجدی کا مذہب، ص: ۲۲۱-۲۲۲، ادارہ اسلامیات لاہور)

قال الشامي: كما وقع في زماننا في أتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد، وتغلبوا على الحرمين، وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة، لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون، وأن من خالف اعتقادهم مشركون، واستباحوا بذلك قتل أهل السنة، وقتل علمائهم حتى كسر الله تعالى شوكتهم وخرب بلادهم، وظفر بهم عساكر المسلمين، عام ثلاث وثلاثين ومائتين وألف. (رد المحتار: ۴/ ۲۶۲، كتاب الجهاد، باب البغاة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱۰) ثم انظر رحمنا الله وإياك إلى مخالفة السنة ما أشنعها ألا ترى أنهم لما ابتدعوا فعل المولد على ما تقدم تشوفت نفوس النساء لفعل ذلك، وقد تقدم ما في مولد الرجال من البدع والمخالفة للسلف الماضين - رضي الله عنهم - أجمعين، فكيف إذا فعله النساء لا جرم أنهن لما فعلنه ظهرت فيه عورات جملة ومفاسد عديدة فمنها ما تقدم في مولد الرجال من أنه يكون بعض النساء ينظر إلى الرجال فيقع ما يقع من التشويش بين الرجل وأهله بسبب ذلك كما تقدم.

الوجه الثاني: أنهن اقتدين بالرجال في الذكر جماعة برفع أصواتهن كما يفعل الرجال. وقد تقدم منع ذلك في أول الكتاب بأدلته سيما وأصوات النساء فيها من الترخيم، والنداوة ما هو فتنة في الغالب في الواحدة منهن فكيف بالجماعة فتكثر الفتنة في قلوب من يسمعهن من الرجال أو الشبان وأصواتهن عورة... الخ. (المدخل-ابن الحاج: ۲/ ۱۰-۱۱، المرتبة الثانية، فصل في مولد النبي والبدع المحدثة فيه، ط: دار التراث)

(۱۱) وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع والأعمى وولد الزنا... وفي السراج الوهاج، فإن قلت: فما الأفضلية أن يصلي خلف هؤلاء أو الانفراد؟ قيل أما في حق الفاسق فالصلاة خلفه أولى لما ذكر في الفتاوى كما=

(۵) وقت مقرر کیے بغیر مسنون طریقہ پر دعاء و فاتحہ خوانی جائز ہے۔ (۱۲)

(۶) ناجائز ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ (۱۳)

البتہ میت کو تختے یا پتھر سے ڈھانکنے کے بعد تدفین میں شریک لوگوں کو تین لپ بھر کر منقول دعا کے ساتھ مٹی ڈالنا مسنون ہے۔ (۱۴)

(۷) جائز ہے، مگر اس پر اہتمام غلط بات ہے۔ (۱۵)

(۸) پانی ڈالنا جائز ہے تاکہ برابر ہو جائے۔ (۱۶)

(۹) تعزیہ داری حرام ہے۔ (۱۷) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=قدمناه، وأما الآخرون فيمكن أن يكون الانفراد أولى لجهلهم بشروط الصلاة، ويمكن أن يكون على قياس الصلاة خلف الفاسق والأفضل أن يصلي خلف غيرهم اهـ.

فالحاصل أنه يكره لهؤلاء التقدم، ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزيه، فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم، فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد، وينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم وإلا فلا كراهة كما لا يخفى. (البحر الرائق: ۱/ ۳۶۹-۳۷۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱۲) الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة. (الهداية: ۱/ ۱۷۸، باب الحج عن الغير، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۱۳) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح ... الخ)

(۱۴) ويستحب لمن شهد دفن ميت أن يحثو في قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعا، ويكون من قبل رأس الميت، ويقول في الحثية الأولى {منها خلقناكم}، وفي الثانية {وفيها نعيدكم}، وفي الثالثة {ومنها نخرجكم تارة أخرى}. (الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۰۹، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية)

(۱۵) من أصر على أمر مندوب وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح: ۳/ ۳۱، باب الدعاء في التشهد، رشيديه كوئٹه)

(۱۶) (قوله ولا بأس برش الماء عليه) بل ينبغي أن يندب لأنه - صلى الله عليه وسلم - فعله بقبر سعد كما رواه ابن ماجة وبقبر ولده إبراهيم كما رواه أبو داود في مراسيله وأمر به في قبر عثمان بن مظعون كما رواه البزار. (رد المحتار: ۲/ ۲۳۷، كتاب الجنائز، مطلب في دفن الميت) پھول نہ ڈالے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۱۷۱)

(۱۷) تعزیہ داری در عشرۂ محرم یا غیر آں، و ساختن ضرائح و صورت قبور، و علم تیار کردن وغیر ذالک ایں ہمہ امور بدعت است، نہ در قرن اول بود، نہ در قرن ثانی، نہ در قرن ثالث۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الکراہیۃ، باب ما یحل استعمالہ وما لا یحل: ۴/ ۳۴۴، ط: امجد اکیڈمی لاہور ☆ وکذا فی فتاویٰ عزیزی (فارسی) ۱/ ۵۷، مسئلہ تعزیہ داری محرم و صورت، ط: کتب خانہ رحیمیہ- دیوبند)

[۳۷] نیاز کا کھانا اور اس کے لیے چندہ کرنا

۲۴۱-سوال: ہمارے گاؤں میں عیدِ میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دیگر بزرگوں کے نیاز کے طور پر کھانے کا انتظام ہوتا ہے، اُس کے لیے لوگوں میں چندہ کیا جاتا ہے، بعض لوگ اُس میں زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں، یا پہلے غریب کو دے کر واپس خود لے لیتے ہیں، پھر چندہ میں لکھواتے ہیں، اور اُس کھانے کے پروگرام میں مال دار اور سید لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، تو وہ اُس کو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدًا ومصلّیا:

دِن اور تاریخ طے کر کے نیاز کھلانا جائز نہیں ہے، حرام ہے، اُس کے لیے چندہ لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۸] ستائیس رمضان المبارک کی شب میں شیرینی تقسیم کرنا

۲۴۲-سوال: ستائیسویں رمضان کو شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

ثواب سمجھ کر تقسیم کی جائے، تو بدعت ہے، ورنہ کسی بھی دِن شیرینی تقسیم کی جا سکتی ہے، عوام ستائیسویں کو قرآنِ پاک ختم کرنے اور شیرینی تقسیم کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں، اس لیے یہ چیزیں جائز نہیں ہیں۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال ابن الهمام: ويكره اتخاذ الضيافة من آهل الميت، لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (فتح القدير: ۲/ ۱۴۲، قبيل باب الشهيد، ط: دار الفكر - بيروت)

سوم ودہم وچہلم وغیرہ بدعات وماخوذ از کفار ہنود است۔۔۔ ترک چنیں رسوم واجب است کہ: "من تشبه بقوم فهو منهم" وہرگاہ طعام بہ چنیں بدعات متلبس شد، بہتر آں کہ ایں چنیں طعام نہ خوردہ شود کہ: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (امداد الفتاویٰ: ۲۶۰-۲۶۱، کتاب البدعات، عنوان "فاتحہ رسمی")

(۲) كل مباح يؤدي إلى زعم الجهال سنية أمر، أو وجوبه فهو مكروه، كتعيين السورة للصلاة، وتعيين القراءة لوقت. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/ ۳۶۷، ط: حاجي عبد الغفار، قندهار، افغانستان)

وكذا الحكم في الإصرار على المندوب: كما في المرقاة على شرح المشكاة: ۳/ ۲۶، باب الصلوة، تحت حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه، في التزام الانصراف عن اليمين بعد الصلوة، ط: مكتبه فيصل - ديوبند)

[۳۹] فاتحہ خوانی، چہلم کرنا اور اس کے کھانے کے بعد دعا کرنا

۲۴۳-سوال: چہلم کرنا اور اُس کے کھانے کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟ فاتحہ خوانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چہلم کرنا، کھانا کھلانے کے بعد دعا کرنا، اُس کے لیے مجبور کرنا اور مروجہ فاتحہ کرنا؛ یہ تمام امور ناجائز ہیں، صدقات وخیرات کے لیے فاتحہ اور دعاء کی ضرورت نہیں ہوتی اور بغیر فاتحہ کے بھی ثواب ملتا ہے، اسی طرح دِن اور تاریخ کو خاص کیے بغیر کھانا کھلانے سے بھی ثواب پہنچ جاتا ہے، اس لیے تاریخ و دِن کو خاص کرنا اور اُس کے بعد فاتحہ اور دعا کرنا؛ یہ ایسے امور ہیں جو لازمی اور ضروری نہیں ہیں، لہٰذا لزوم والتزام کی وجہ سے بدعت میں داخل ہو کر حرام ہوں گے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] تدفین کے بعد دعوت اور فاتحہ خوانی

۲۴۴-سوال: میت کی تدفین کے بعد دعوت کرنا اور فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنے لوگ میت کے غسل دینے میں شریک ہوں، ان کو کھلانا جائز ہے اور جو باہر سے آنے والے مہمان ہیں، ان کو بھی کھلانا جائز ہے۔[2] البتہ میت کے مرنے کے بعد جو مال موجود ہے، اس مال

(۱) ویکره اتخاذ الضیافة في أیام المصیبة، لأنها أیام غم، فلایلیق فیها مایختص بإظهار السرور، وإن اتخذطعاما للفقراء کان حسناً. (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة: ۶/ ۳۷۹، کتاب الکراهیة، رشیدیه- کوئٹه)

وقال في البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام في الیوم الأول، والثالث، وبعد الأسبوع. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح ص: ۲۳۹، فصل في حملها، ودفنها)

قال العلامة المناوي رحمه الله تعالی تحت حدیث: من أحدث في أمرنا هذا": أي أنشأ واخترع وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه... (مالیس منه) أي رأیاً لیس له في الکتاب، أو السنة، عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد) أي مردود علی فاعله لبطلانه. (فیض القدیر: ۱۱/ ۵۵۹۲، رقم الحدیث: ۸۳۳۳، مکتبة نزار مصطفی الباز- ریاض)

(۲) حضرت مفتی نظام الدین اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دفن کے لیے باہر سے آنے والے اگر محض اتفاق سے یا اہل میت کی دل جوئی کے لیے ان کے کھانے وغیرہ میں شریک ہو جاویں، تو گنجائش ہو سکتی ہے؛ لیکن اعزہ کا دور دور سے آ کر قیام پذیر ہونا، جیسا کہ رواج ہے، مثل دعوت سرور مجتمع ہونا؛ یہ سب مکروہ وبدعت ہے۔ (نظام الفتاویٰ: ۱/ جز ۲، ص: ۱۳۶، ط: تاج پبلشنگ ہاؤس، دیوبند)

میں سے وارثین کی اجازت کے بغیر کھلانا پلانا جائز نہیں۔ (۱) اسی طرح مذکورین کے علاوہ کو میت کا کوئی رشتہ دار خود کے مال سے کھلائے تو بھی جائز نہیں۔ (۲) اور فاتحہ کا جو رواج ہے، اس میں بھی کھانا کھلانا جائز نہیں۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۱] کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ خوانی کرکے شیرینی تقسیم کرنا

۲۴۵-سوال: ایک شخص ہر جمعرات کو ایک بزرگ کے نام کی فاتحہ پڑھتا ہے، اس کے بعد وہ شیرینی تقسیم کرتا ہے، تو کیا اس طرح فاتحہ خوانی کرنا اور لوگوں میں شیرینی تقسیم کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

سورہ فاتحہ یا قرآن کریم کی کسی آیت کو پڑھ کر مرحومین کو اور بالخصوص بزرگان دین کو ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔ (۴) لیکن اس کے لیے کسی دن یا تاریخ کو پہلے سے متعین کر لینا درست نہیں ہے۔ (۵) اس موقع پر شیرینی تقسیم کرنے کا کیا مطلب؟؟؟ اگر تقسیم کرنے والا یہ سمجھتا ہو کہ شیرینی تقسیم کیے بغیر مرحومین

---

(۱) اس لیے کہ اس مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو چکا ہے اور کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں، ارشاد نبوی ہے: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه. (سنن الدار قطني-أبو الحسن علي بن عمر البغدادي الدار قطني (م:۳۸۵ھ): ۳/ ۴۲۴، كتاب البيوع، رقم الحديث: ۲۸۸۵، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت، الطبعة الأولى: ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۴ء ☆ مسند أبي يعلى-أبو يعلى أحمد بن علي التميمي، الموصلي (م: ۳۰۷ھ): ۳/ ۱۴۰، رقم الحديث: ۱۵۷۰، مسند عم أبي حرة الرقاشي، ط: دار المأمون للتراث، دمشق ☆ مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۴/ ۲۹۹، رقم الحديث: ۲۰۶۹۵، مؤسسة الرسالة)

(۲) ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰، باب صلاة الجنائز، مطلب في الثواب على المصيبة، ط دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء ☆ مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز وفصل في حملها ودفنها، ط: المكتبة العصرية، الطبعة الأولى)

(۳) دیکھئے نظام الفتاویٰ: ۱/ جزء ۲ ص: ۱۳۵، ط: تاج پبلشنگ ہاؤس دیوبند۔

(۴) والأصل فيه: أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مزید دیکھیے: حاشية الطحطاوي: ص ۶۲۲، كتاب الجنائز، فصل في زيارة القبور ☆ رد المحتار: ۲/ ۲۴۳، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور ☆ الهداية: ۱/ ۲۷۶، كتاب الحج، باب الحج في الغير، ط: مكتبة الاتحاد ديوبند)

(۵) تقدم تخريجه عن: (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۰، كتاب الجنائز، مطلب في الثواب على المصيبة، بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۶۱۷، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، بيروت)

اور بزرگانِ دین کو ثواب پہنچ ہی نہیں سکتا ہے، تو ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے؛ مرحومین کے ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر ان کو اس کا ثواب پہنچا دیا جائے۔ [۱] اور اگر مال واسباب صرف کر کے ثواب پہنچانا ہے، تو اس کے لیے مصرف یتامیٰ، غرباء، مساکین اور بیوگان ہیں۔ [۲] کہ ان کو خاموشی کے ساتھ کچھ دے دیں۔ [۳] اس سے ثواب بھی مل جائے گا، مال ودولت اور روپے پیسوں پر فاتحہ خوانی کر کے ان کی خیرات کرنا صحیح نہیں ہے، نیز اگر کوئی شخص شیرینی پر فاتحہ خوانی کو ضروری سمجھ کر کرے، تو اس کا یہ عمل ناجائز ہے۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۱۱/۶/ ۱۹۷۷ء)

---

(۱) اگر مرحوم کے ثواب کی نیت سے پڑھے، تو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر بغیر نیت کے پڑھے، تو بعد میں یہ دعا کرے: اے اللہ! اس کا ثواب فلاں مرحوم کو پہنچا دیجیے:

السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء في حديث واحد بل أطلق -صلى الله عليه وسلم- الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة ولم يقل لفاعل ذلك وقل اللهم هذا عن فلان بن فلان، والله سبحانه يعلم نية العبد وقصده بعمله، فإن ذكره جاز، وإن ترك ذكره واكتفي بالنية والقصد وصل إليه ولا يحتاج أن يقول اللهم إني صائم غدا عن فلان بن فلان. (كتاب الروح -ابن قيم: ۲/ ۴۹۶، المسألة السادسة عشرة، هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل فإن قيل فهل تشترطون في وصول الثواب الخ، ط: دار ابن تيمية للنشر والتوزيع، الرياض)

(۲) (الوصية المطلقة لا تحل للغني. (الدر المختار) لأنها صدقة، وهي على الغني حرام. (رد المحتار: ۶/ ۶۹۸، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره، فروع أوصى بثلث ماله للصلوات، ط: دار الفكر -بيروت)

(۳) قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: «من سمع سمع الله به، ومن يرائي يرائي الله به». (صحيح البخاري: ۲/ ۹۶۲، رقم الحديث: ۶۴۹۹، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، عن جندب رضي الله تعالى عنه، ط: البدر - ديوبند)

وأخرج أيضا عن ابن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعا، فليجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولا ينتقص من أجره شيئا. (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱هـ): ص: ۳۰۰، رقم الحديث: ۳۹، في نبذ من أخبار من رأى الموتى في منامه، باب ماينفع الميت في قبره، ت: عبد المجيد طعمة حلبي، ط: دار المعرفة -لبنان)

وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل {قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ} عن علي مرفوعا: من مر على المقابر، وقرأ {قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ} إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات. (المصدر السالف: ۳۰۳، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، رقم الحديث: ۴)

(۴) حضرت مولانا عبد الحیٰ فرنگی محلیؒ "مروجہ فاتحہ" کے سلسلے میں رقم فرماتے ہیں: ایں طور مخصوص نہ در زمانِ آں حضرت ﷺ بود، و نہ در زمانِ خلفاء، بل کہ وجود آں در قرونِ ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نہ شدہ، وحالاً در حرمین شریفین - زادهم الله تعالى شرفا - عادتِ خواص نیست،...... وایں را ضروری دانستن مذموم است۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/ ۱۹۵، کتاب الصلاۃ، ابواب الجنائز، ط: امجد اکیڈمی، لاہور)

[۴۲] فاتحہ خوانی کرنا

۲۴۶–سوال: قران خوانی کے بعد، دعاء سے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، جو شخص سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے وہ لفظ ''الفاتحہ'' سے آغاز کرتا ہے، اس وقت دوسرے موجود لوگوں کو کیا پڑھنا چاہیے۔ فاتحہ کا مکمل صحیح طریقہ تحریر فرما دیجیے، علاوہ ازیں اگر ہم اکیلے ہی فاتحہ پڑھنا چاہتے ہوں، اس وقت ہمیں اس سے پہلے اور بعد میں کیا پڑھنا چاہیے؟ کیا فاتحہ پڑھنے کے وقت کوئی میٹھی چیز، اگربتی، لوبان کی دھونی دینا اور پانی رکھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اسلام بے جا تکلفات سے دور، ایک سادگی پسند مذہب ہے، عبادت اور بندگی میں ہر انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کی پابندی کرنی چاہیے، عبادت کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کی ادائیگی میں کسی دوسرے کے حکم کا انتظار کیا جائے کہ جب تک وہ حکم نہ دے، اس وقت تک اسے ادا ہی نہ کیا جائے، سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ایک عظیم عبادت ہے، اس عبادت اور بندگی کے ادا کرنے کے لیے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ دوسرا شخص ''الفاتحہ'' کے ذریعے شروع کرے، اسی وقت آپ بھی پڑھیں، اس طرح کی بے جا قید و پابندی اور وقت کی تعیین قرآن کریم اور حدیث پاک سے ثابت نہیں ہے، دعائے ثانی کے وقت، ختم قرآن کے وقت، نماز جنازہ کے بعد، دفن کے بعد: ''الفاتحہ'' ثابت نہیں ہے، اس لیے جو شخص مذکورہ اوقات کے ساتھ سورۂ فاتحہ کو خاص کرے گا، اسے ثواب کے بہ جائے الٹا گناہ ہوگا، آپ کو سورۂ فاتحہ اور دوسری جو بھی سورتیں یا دعائیں یاد ہوں، پڑھتے رہیے، ان شاء اللہ ثواب ملے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۳] فجر کی نماز کے بعد فاتحہ خوانی

۲۴۷–سوال: ہمارے یہاں اہل سنت والجماعت میں تفرقہ پیدا ہوگیا ہے، چند حضرات یہ چاہتے ہیں کہ نماز فجر کے بعد دعاء میں فاتحہ پڑھی جائے اور چند اس کے بالکل مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بدعت ضالہ ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ فرمان نبوی کی روشنی میں اس مسئلہ کے جواز و عدم جواز سے مطلع فرمائیں، تاکہ ہمارے درمیان اختلاف رفع ہو سکے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

خداوند قدوس کا حکم ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.[1]

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام تم کو دیے ہیں، اس کو پکڑے رکھو اور جس سے روکا ہے، اس سے رک جاؤ، قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انسان اور اللہ کے درمیان واسطہ ہیں، لہٰذا جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے انسان کو معلوم ہو، اس پر عمل کرے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے اصلی مقام ''جنت'' کو حاصل کرے۔ حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے ہمارے دین کے معاملہ میں کوئی نئی چیز ایجاد کی، تو وہ مردود ہے''۔ (بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۲۷)[۲]

اور بھلا وہ انسان – جو دین میں نئی چیز ایجاد کرے – مردود کیوں نہ ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتي ورضیت لکم الإسلام دیناً. [-۵ المائدۃ:۳]

کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل و مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام سے میں راضی ہو گیا۔

نئی چیز کا ایجاد کرنے والا دعوے دار ہے کہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں نقص و کمی ہے، جس کی میں نے تکمیل کر دی، بتاؤ کیا حکم ہونا چاہیے اس شخص کا، جو دین محمدی میں نقص و کمی کا دعوے دار ہے۔ مردود کے علاوہ اس کا اور کوئی مقام نہیں ہو سکتا، حضرت عرباض بن ساریہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور ہماری طرف متوجہ ہوئے اور بلاغت کے ساتھ بڑی موثر انداز میں نصیحت فرمائی کہ آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور دل ڈر گئے، تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ تو ایسی نصیحت تھی کہ کوئی رخصت کرنے والا آخری بات نصیحت کے طور پر کہتا ہے، تو آپ ہمیں وصیت کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی، اس وصیت کا آخری ٹکڑا ہے: جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، اس وقت میرے طریقہ اور خلفاء راشدین – جو راہ راست پر چلنے والے ہوں گے – کے طریقہ کو لازم پکڑنا اور دانتوں سے کسی چیز کو پکڑنے کے مانند پکڑے رکھنا اور تم لوگ نئی بات کے ایجاد

(۱) ۵۹-الحشر:۷.

[۲] عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من أحدث في أمر نا هذا ما لیس فیه، فهو رد. (صحیح البخاري: ۱/۳۷۱، رقم الحدیث: ۲۶۹۷، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، ط: البدر-دیوبند)

کرنے سے بچنا؛ اس لیے کہ نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مشکوۃ شریف ص:۳۰)[۳]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا آخری جملہ ملاحظہ ہو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، تمام کے تمام دوزخی ہوں گے، مگر ایک فرقہ۔ صحابہ کرام ؓ نے سوال کیا: وہ کون سا ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب عنایت فرمایا کہ جس راستہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف ص ۳۰)

تو ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بتائے ہوئے اور اختیار کیے ہوئے راستہ کے خلاف جو راستہ اختیار کیا جائے گا، وہ راستہ ضلالت وگمراہی اور اللہ کی لعنت کا موجب ہوگا۔ (۴)

اب دیکھیے! کیا رسول اللہ ﷺ نے "مروجہ فاتحہ" پڑھی ہے؟ حجۃ اللہ البالغہ (۲/ ۱۲) میں شاہ ولی اللہ ؒ نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بعد کی مختلف دعاؤں کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آپ ﷺ

---

[۳] حدثني عبد الرحمن بن عمرو السلمي، وحجر بن حجر، قالا: أتينا العرباض بن سارية، وهو ممن نزل فيه {ولا على الذين إذا ما أتوك لتحملهم قلت لا أجد ما أحملكم عليه} فسلمنا، وقلنا: أتيناك زائرين، وعائدين، ومقتبسين، فقال العرباض: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، ثم أقبل علينا، فوعظنا موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب، فقال قائل: يا رسول الله، كأن هذه موعظة مودع، فماذا تعهد إلينا؟ فقال أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم بعدي، فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبی داؤد: ۲/ ۶۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۷، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: البدر - ديوبند)

(وكذا في سنن الترمذي: ۲/ ۹۶، رقم الحديث: ۲۶۷۶، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ط: البدر - ديوبند)

(وفي سنن ابن ماجة: ص: ۶، رقم الحديث: ۴۶، باب اجتناب البدع والجدل، مقدمة، ط: ديوبند)

(وفي مسند أحمد: ۲۸/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۱۷۱۴۱، مسند الشاميين، ط: مؤسسة الرسالة)

(۴) عن عبد الله بن عمرو، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم... إن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة. قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي. (سنن الترمذي: ۲/ ۹۲، رقم الحديث: ۲۶۴۱، أبواب الإيمان، ما جاء في افتراق هذه الأمة، البدر، ديوبند)

(هكذا في سنن أبي داؤد: ۲/ ۶۳۱، رقم الحديث: ۴۵۹۷، كتاب السنة، باب شرح السنة، ط: البدر - ديوبند)

مختلف اوقات میں مختلف طریقے سے دعائیں مانگتے تھے، تا کہ صحابہ کسی ایک دعاء کو لازم نہ سمجھیں، ان میں کسی جگہ بھی فاتحہ کا ذکر نہیں، بل کہ آپ ﷺ نے دعاؤں اور ذکر اللہ میں بھی مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں، تا کہ صحابہ ضروری نہ سمجھ لیں۔[۵]

فجر اور عصر کی نماز کے بعد بیٹھنا اور ذکر کرنا اور دعا مانگنا جائز ہے، مگر امام کو چاہیے کہ اپنا چہرہ بدل دے، دائیں یا بائیں مڑ جائے، فاتحہ کا ذکر نہ کرے، سورہ فاتحہ لوگ جب چاہیں، پڑھیں، مگر ضروری سمجھنا اور امام کا ''الفاتحہ'' کہنا بدعت ہے۔[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۴] نمازِ جنازہ کے بعد فاتحہ پڑھنا

۲۴۸-سوال: ہمارے یہاں امام صاحب نمازِ جنازہ کے بعد جہراً فاتحہ پڑھ کر دعا کرتے ہیں، شرعی اعتبار سے اُس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمازِ جنازہ کے بعد فاتحہ پڑھ کر دعا کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔[۱] رسول اللہ ﷺ سے

---

(۵) ...فيأتي بالأذكار، لئلا يظن الظان أن الأذكار من الصلاة، ومنها أنه كان حينا بعد حين يترك الأذكار غير هذه الكلمات يعلمهم أنها ليست فريضة، وإنما مقتضى كان وجود هذا الفعل كثير لا مرة، ولا مرتين، ولا المواظبة. (حجة الله البالغة: ۱/ ۴۳۹، أذكار الصلاة وهيأتها المندوب إليها، ط: دار الكتب الحديثة-مكتبة المثنى)

(۶) ويستحب للإمام بعد سلامه أن يتحول إلى يمين القبلة. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ۱/ ۳۱۳، فصل: في صفة الأذكار، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وسجدة الشكر: مستحبة، به يفتى لكنها تكره بعد الصلاة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (الدر المختار) وقال ابن عابدين: (قوله فمكروه) الظاهر أنها تحريمية، لأنه يدخل في الدين ما ليس منه. (رد المحتار: ۲/ ۱۲۰، آخر باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) إن رسول الله-صلى الله عليه-قال: من عمل عملا ليس عليه أمرنا، فهو رد. (صحيح المسلم: ۲/ ۷۷، رقم: ۱۸-(۱۷۱۸)، كتاب الأقضية، باب: نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور، ط: البدر-ديوبند)

ولا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة؛ لأنه قد دعا مرة؛ لأن أكثر صلاة الجنازة الدعاء. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن امازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۲۰۵، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۳/ ۱۲۱۳، كتاب الجنائز، المشي بالجنازة والصلاة عليها، ط: دار الفكر-بيروت)

ثابت نہیں ہے۔[1] مزید تفصیل کے لیے میری گجراتی کتاب "احکامِ میت" کا مطالعہ فرمائیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۵] حرام آمدنی سے قرآن خوانی کروانا

۲۴۹-سوال: زید ناجائز کاروبار کرتا ہے، جب کبھی اس کا قرآن خوانی کرانے کا ارادہ ہوتا ہے، تو وہ مؤذن صاحب کو یہ کہہ کر سو روپے دیتا ہے کہ "اس کی شرینی لے آیئے اور قرآن خوانی کروا کر اسے سب لوگوں میں تقسیم کر دیجیے"۔ چوں کہ زید کی آمدنی ناجائز ہے، اس لیے مؤذن صاحب قرآن خوانی کرنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ کسی سے سو روپے قرض لے کر قرآن خوانی کروا دیتے ہیں اور بعد میں زید کے دیے ہوئے سو روپے قرض خواہ کو ادا کر دیتے ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا مؤذن صاحب کا یہ عمل درست ہے؟ حیلہ کر کے قرآن خوانی کرانا شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟ حرام کام کی آمدنی سے قرآن خوانی کرنا اور اس کو کارِ ثواب سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

حرام اور ناجائز کمائی سے قرآن خوانی کرنا، کروانا اور اس کو ثواب کا کام سمجھنا قطعاً جائز نہیں۔[3] مؤذن صاحب کا ایسے حرام کاروبار کرنے والے شخص کو مذکورہ حیلہ کی رہ نمائی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔[4] شیرینی لینے والے کے لیے تو گنجائش ہے، البتہ مؤذن صاحب کے لیے ایسا حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتاویٰ رحیمیہ ۷/۱۰۹، کتاب الجنائز، ط: دار الاشاعت، کراچی۔

(۲) احکامِ میت (سکرات سے فاتحہ تک کی سنن اور بدعات) مترجم اُردو، ناشر: حافظ اسجد بیات، مقیم: کینیڈا۔

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أیھا الناس! إن اللہ طیب، لا یقبل إلا طیبا... الخ. (الصحیح لمسلم: ۱/۳۲۶، رقم: ۶۵-(۱۰۱۵)، کتاب الزکوۃ، باب بیان أن إسم الصدقة یقع علی کل... الخ، ط: البدر دیوبند)

قال شیخنا: ویستفاد من کتب فقهائنا کالهدایة وغیرها: أن من ملك بملك خبیث، ولم یمكنه الرد إلی المالك، فسبیله التصدق علی الفقراء... قال: إن المتصدق بمثله ینبغي أن ینوي به فراغ ذمته، ولا یرجو به المثوبة. (معارف السنن: ۱/۳۴، أبواب الطهارة، باب ماجاء لاتقبل صلاة بغیر طهور، م: سعیدیه)

إنما یکفر إذا تصدق بالحرام القطعي. قال الشامي: أي مع رجاء الثواب الناشي عن استحلاله. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۹۲، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، ط: دار الفکر - بیروت)

(۴) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [۵-المائدۃ: ۲]

فالحاصل: أن ما یتخلص به الرجل من الحرام أو یتوصل به إلی الحلال من الحیل فهو حسن، وإنما یکره ذلك أن یحتال في حق لرجل حتی یبطله أو في باطل حتی یموهه أو في حق حتی یدخل فیه شبهة فما کان علی هذا السبیل فهو مکروه، وما کان علی السبیل الذي قلنا أولا فلا بأس به. (المبسوط للسرخسي - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳۰/۲۱۰، کتاب الحیل، ط: دار المعرفة - بیروت)

[۴٦] میت کی تدفین کے بعد قبر پر دعا کا طریقہ

۲۵۰-سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر فاتحہ پڑھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ باحوالہ جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

قاسم یعقوب وہورا، کی بڑا ورا چھا

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کو دفن کرنے کے بعد سرہانے کی جانب کھڑے ہوکر ''پوری سورۂ فاتحہ'' اور سورۂ بقرہ ''الف، لام، میم'' (الٓمٓ) سے ''هم المفلحون'' تک پڑھے اور پاؤں کی طرف کھڑے ہوکر سورۂ بقرہ کا آخری رکوع ''آمن الرسول'' سے اخیر تک پڑھے، اس کے بعد دو یا تین گھنٹے تک دعا میں مشغول رہے؛ تدفین کے بعد کا یہ عمل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ [۱] ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کو ذبح کرکے اس کے گوشت کو تقسیم کرنے کے وقت کے برابر میت کے لیے قبر پر دعاء میں مشغول رہا کرتے تھے۔ [۲]

---

(۱) عن عثمان بن عفان، قال: كان النبي -صلى الله عليه وسلم- إذا فرغ من دفن الميت، وقف عليه، فقال: »استغفروا لأخيكم، وسلوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل« . (سنن أبي داود: ۲/ ۴۵۹، رقم الحديث: ۳۲۲۱، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ط: البدر- ديوبند☆السنة-الإمام أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (م: ۲۴۱هـ): ۲/ ۵۹۸، رقم: ۱۴۲۵، سئل عن عذاب القبر وفتنة القبر، ت: د. محمد سعيد سالم القحطاني، ط: دار ابن القيم - الدمام☆إثبات عذاب القبر وسؤال الملكين- أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ)، ص: ۱۴۵، رقم الحديث: ۲۱۱-۲۱۲، ت: د. شرف محمود القضاة، ط: دار الفرقان - عمان الأردن)

وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء، وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه. قال الشامي: لما في سنن أبي داؤد "كان النبي -صلى الله عليه وسلم- إذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال: استغفروا لأخيكم، واسألوا الله التثبيت؛ فإنه الآن يسأل، وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمها. وروي أن عمرو بن العاص قال -وهو في سياق الموت-: ... ثم أقيموا حول قبري قدر ما ينحر الجزور ويقسم لحمها حتى أستأنس بكم...الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۳۷، كتاب الصلوٰة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر- بيروت ☆الجوهرة النيرة على مختصر القدوري: ۱/ ۱۱۰، باب الشهيد، ط: المطبعة الخيرية)

عن ابن عمر رضي الله عنهما يقول: سمعت النبي -صلى الله عليه وسلم- يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب، وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره. ولفظ الخلال: وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمتها في قبره. (المعجم الكبير-أبو القاسم الطبراني (م: ۳٦۰هـ): ۱۲/ ۴۴۴، رقم: ۱۳٦۱۳ ☆شعب الإيمان-البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۱۱/ ۴۷۱، الصلوٰة على من مات من أهل القبلة، رقم: ۸۵۴، ط: مكتبة الرشد- رياض ☆القراءة عند القبور-أبو بكر بن الخلال الحنبلي (م: ۳۱۱هـ)، ص: ۸۸، إذا مات أحدكم فلا تجلسوا... الخ، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اس عاجز کو نہیں مل سکا، البتہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے=

نوٹ: میت کے لیے ایصالِ ثواب کے کسی طریقے کو "فاتحہ" کا نام نہیں دینا چاہیے، اس کے بجائے "دعاء کرنے یا ایصالِ ثواب" کا لفظ استعمال کرنا چاہیے، اس لیے کہ اہلِ بدعت اس کو غیر شرعی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۷] عاشورہ کے دن حضرت حسینؓ کی یاد میں روزہ رکھنا

۲۵۱-سوال: زید کا کہنا ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کو حضرت حسینؓ کی یاد میں روزہ رکھنا، عاشورہ کی نماز پڑھنا، بچوں سے محبت کرنا، دل سے کسی کو کھانا کھلانا، غریب اور محتاج کی مدد کرنا؛ یہی ان کی سچی اقتدا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت حسین کی یاد میں روزہ رکھا جائے؟ کیا کسی کی یاد میں روزہ رکھ سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

عاشورہ (دسویں محرم کا دن) پہلے ہی سے عظمت والا دن ہے۔[2] حضرت حسینؓ کی خوش قسمتی تھی کہ اس مبارک دن میں انہیں شہادت نصیب ہوئی، اس دن میں روزہ رکھنے کا تو پہلے ہی سے حکم ہے اور کوئی بھی روزہ ہو، وہ اللہ کے نام کا اور اللہ ہی کے لیے ہوسکتا ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۴۸] محرم میں لوگوں کو شربت پلانا

۲۵۲-سوال: ہمارے یہاں پندرہ بیس دن پہلے جمعہ کی نماز میں ایک مولانا صاحب کتاب

= انتقال کے وقت اس کی وصیت فرمائی تھی، طویل حدیث ہے، جزءِ مقصود ملاحظہ فرمائیں: فإذا دفنتموني فشنوا علي التراب شنا، ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها، حتى أستأنس بكم، وأنظر ماذا أراجع به رسل ربي. (صحيح المسلم: ۱/۷۶، رقم: ۱۹۲-(۱۲۱)، كتاب الإيمان، باب بيان حكم عمل الكافر إذا أسلم بعده، ط: البدر ديوبند)

(۱) اس لیے کہ "فاتحہ" کا استعمال اہلِ بدعت کے یہاں اُس موقع پر ہوتا ہے، جب کہ سامنے کھانا یا مٹھائی رکھی جائے، اگربتی جلائی جائے اور اُس کے سامنے بیٹھ کر قرآنِ کریم کی مخصوص سورت یا آیت پڑھی جائے، اور ان سب میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا ہے کہ مردے کی روح گھر میں ہر جمعرات کو آتی ہے، اور صاحبِ خانہ سے فریاد کرتی ہے، حالاں کہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔

ضابطہ یہ ہے کہ ایک لفظ کے کئی مفہوم ہوں، ایک صحیح اور دوسرا غلط تو احوط یہ ہے کہ اس لفظ کو استعمال ہی نہ کیا جائے، كما يفهم من قوله تعالى: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا. (۲-البقرة: ۱۰۴)

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن النبي صلى الله عليه وسلم لما قدم المدينة، وجدهم يصومون يوما، يعني عاشوراء، فقالوا: هذا يوم عظيم، وهو يوم نجى الله فيه موسى، وأغرق آل فرعون، فصام موسى شكرا لله، فقال «أنا أولى بموسى منهم» فصامه وأمر بصيامه. (صحيح البخاري: ۱/۴۸۱، رقم الحديث: ۳۳۹۷، كتاب الانبياء، باب قول الله تعالى: {وهل أتاك حديث موسى}، ط: البدر-ديوبند)

دیکھ کر تعلیم کر رہے تھے، ماہ محرم کا پہلا خطبہ تھا، تعلیم کے دوران مولانا صاحب نے محرم کی بدعات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دسویں محرم کو شربت پلانا جائز نہیں، اس دن بہت سے لوگ کثرت کے ساتھ شربت تقسیم کرتے ہیں، اس کی اجازت نہیں ہے، یہ سن کر مجمع میں سے ایک پکا بدعتی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ مولانا صاحب! کس کتاب میں ناجائز لکھا ہے؟ اس پر دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور ایک ہنگامہ اور فتنہ شروع ہو گیا، پھر چند دن کے بعد میری ملاقات ایک دوسرے بدعتی سے ہوئی، تو اس نے کہا کہ عاشورہ کے دن جو شربت پلایا جاتا ہے، وہ حضرت حسینؓ کے ایصال ثواب کے لیے ہوتا ہے اور یہ شربت تو بہت سے لوگ پلاتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟ تو میں نے کہا: میں اپنے بڑے علماء سے پوچھ کر اس کا تحقیقی جواب دوں گا، لہٰذا آپ اس کا مسکت اور تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لوگوں کو شربت، کھچڑا، زردا، یا بریانی کھلانا، دن اور مہینے کی تعیین وتخصیص کیے بغیر ثواب کا کام ہے۔[1] میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے جو بھی صدقہ کیا جائے، میت کو اس کا ثواب ملتا ہے۔[2] حضرت

---

(۱) نہ دن اور تاریخ کی تخصیص کرے، نہ کسی خاص چیز کی، اور اغنیاء اور گھر والوں کو نہ دے، اور اعلان کر کے نہ دے، اور کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر کچھ نہ پڑھے، اور یہ عقیدہ نہ کرے کہ حضرت ہماری مدد فرمائیں گے، اور نہ یہ نیت رکھے کہ اس عمل کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت وترقی ہوگی۔ (امداد الفتاویٰ: ۵/۳۰۱، کتاب البدعات، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

(۲) إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة والجماعة. (الهداية-علي بن أبي بكر، الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۲۷۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: اتحاد- ديوبند)

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة، أو صوما، أو حجا، أو صدقة، أو قراءة قرآن أو الأذكار، أو غير ذلك من أنواع البر ويصل ذلك إلى الميت وينفعه. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹هـ): ۲۲۴، كتاب الصلاة باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور ط: دار الكتب العلمية-بيروت، الطبعة الثانية: ۱۴۲۴هـ-۲۰۰۴م)

منها (البدعة): وضع الحدود؛ كالناذر للصيام قائما لا يقعد، ضاحيا لا يستظل،...ومنها: التزام الكيفيات والهيئات المعينة، كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد، واتخاذ يوم ولادة النبي صلى الله عليه وسلم عيدا، وما أشبه ذلك. ومنها: التزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة، كالتزام صيام يوم النصف من شعبان وقيام ليلته. (الاعتصام-إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي (م: ۷۹۰هـ): ۱/۵۳، تعريف البدعة وبيان معناها، ت: سليم بن عيد الهلالي، ط: دار ابن عفان، السعودية، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۲هـ-۱۹۹۲م)

حسینؓ کو ثواب پہنچانا بھی جائز ہے۔ البتہ سوال میں مذکور کام (شربت پلانے) کو صرف یوم عاشورہ کے ساتھ خاص کر لینا اور اس دن اس عمل کی انجام دہی کو ضروری سمجھنا جائز نہیں ہے۔ [۳] یہ سمجھنا کہ حضرت حسینؓ بھوکے پیاسے شہید کیے گئے تھے؛ اس لیے اس دن شربت پلا کر ان کو ثواب پہنچایا جائے، یہ غلط ہے۔ شربت پینے پلانے والے نماز روزے سے غافل ہو کر ثواب کا عنوان دے ایک قسم کا ڈھونگ کرتے ہیں؛ اس لیے حدیث کی روشنی میں ان کاموں سے لوگوں کو منع کیا جاتا ہے۔ مباح امر کو ضروری سمجھ کر اس میں اس قدر دلچسپی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ فرائض تک سے انسان غافل ہو جاتا ہے، اگر کوئی اس پر نکیر کرے، تو لوگ اس سے جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

سوال کی تحریر کے موافق کہ عالم صاحب کے نکیر کرنے پر ''مسجد میں شور شرابہ ہوا اور فتنہ شروع ہو گیا'' سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کام کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کا کرنا جائز نہیں۔ [۴]

ان دنوں میں رسول اللہ ﷺ سے جو عمل منقول ہے، وہ 'نو اور دس' یا دس اور گیارہ کا روزہ رکھنا ہے۔ [۵] شربت پینے پلانے والے لوگ اس سے غافل رہتے ہیں، اسی طرح حضرت حسینؓ کی شہادت کے

(۳) قال ابن المنير: إن المندبات تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء: أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م:۸۵۲ھ): ۲/ ۳۳۰، كتاب الآذان، باب الانفتال والانصراف على اليمين والشمال، ط: دار الكتب العلمية، بيروت ☆ وقال الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح: ۳/ ۲۶، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۴) قال العلامة الحصكفي (م: ۱۰۸۸ھ): والمكروه تنزيهاً كعاشوراء وحده. قال ابن عابدين: ويستحب أن يصوم يوم عاشوراء بصوم يوم قبله أو يوم بعده ليكون مخالفاً لأهل الكتاب. (الدر المختار: ۲/ ۳۷۵، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر بيروت: الطبعة الثانية: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء)

(۵) ابن عباس يقول في يوم عاشوراء: "خالفوا اليهود وصوموا التاسع والعاشر". (مصنف عبد الرزاق-أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (م: ۲۱۱ھ): ۴/ ۲۸۷، رقم الحديث: ۷۸۳۹، باب صيام يوم عاشوراء، ت: حبيب الرحمان الأعظمي، ط: المكتب الإسلامي، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۳)
وقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: صوموا يوم عاشوراء، وخالفوا فيه اليهود، صوموا قبله يوما، أو بعده يوما. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۴/ ۵۲، مسند عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ۲۱۵۴، ت: شعيب الأرنؤوط=

واقعہ سے جو عبرت حاصل کرنی چاہیے تھی، اس سے بے خبر رہتے ہیں اور لغویات میں مشغول ہوجاتے ہیں، اس لیے ایسے کام جائز نہیں۔

بدعتی لوگوں کا کہنا کہ "شربت تو بہت سے لوگ پلاتے ہیں" یہ کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک حق کے حامی کم اور مخالف زیادہ رہے ہیں، لہٰذا شربت پلانے والوں کی اکثریت یہ کوئی حجت نہیں ہے۔ دلیل قرآن اور حدیث سے دکھائی جائے کہ دسویں محرم کو شربت پلانا ثواب کا کام ہے، ایک بھی دلیل وہ نہیں پیش کر سکتے؛ کیوں کہ اس پر کوئی دلیل موجود ہی نہیں ہے؛ اسی لیے وہ مارے غیض وغضب کے مسجد کا احترام تک ملحوظ نہیں رکھتے اور جھگڑا کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے)۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۹] یوم عاشوراء کو مدارسِ عربیہ میں تعطیل کا حکم

۲۵۳-سوال: عامۃً دیکھا گیا ہے کہ مدارسِ عربیہ میں عاشوراء کے دن تعطیل ہوتی ہے، تو کیا اس دن مدارس عربیہ کی تعطیل درست ہے؟ سوال کی وجہ یہ ہے کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہمارے دیوبندی مسلک کے کسی بزرگ کی رائے یہ تھی کہ مدارس میں عاشوراء کی تعطیل نہیں ہونی چاہیے، آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس طرح شدّت اختیار کرنا غلو فی الدین نہیں ہے؟ جلد از جلد جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یوم عاشوراء میں دو پہلو ہیں، ایک شہادتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔[1] دوسرا عاشوراء کی اصل

=وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى: ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱ء)

قال المحقق شعيب الأرنؤوط وآخرون: إسناده ضعيف، ابن أبي ليلى -واسمه محمد بن عبد الرحمن- سيء الحفظ، وداود بن علي -وهو ابن عبد الله بن عباس الهاشمي- روى عنه جمع، وذكره ابن حبان في "الثقات"، وقال: يخطىء، وقال الإمام الذهبي: وليس حديثه بحجة... (المصدر السابق)

وفي معناه حديث صحيح عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لئن بقيت إلى قابل لأصومن اليوم التاسع". (المصدر السابق: ۵/۲۸۰، رقم: ۳۲۱۳)

(۱) قال الجماعة: مات يوم عاشوراء، سنة إحدى وستين. (سير أعلام النبلاء: ۴/۳۷۲، الحسين الشهيد، ط: دار الحديث- القاهرة)

فضیلت، کہ بڑے بڑے واقعات اسی دن میں ہوئے۔ [۲] اور قیامت کبریٰ کے لیے نفخ صور کا واقعہ بھی اسی روز پیش آئے گا۔ [۳]

---

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قدم النبي -صلى الله عليه وسلم- المدينة، فرأى اليهود تصوم يوم عاشوراء، فقال: ما هذا؟، قالوا: هذا يوم صالح هذا يوم نجى الله بني إسرائيل من عدوهم، فصامه موسى، قال: فأنا أحق بموسى منكم، فصامه، وأمر بصيامه. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۶۸، رقم: ۲۰۰۴، كتاب الصوم، باب صيام يوم عاشوراء، ط: البدر-ديوبند ☆صحيح مسلم: ۱/ ۳۵۷، رقم الحديث: ۱۲۷-۱۲۸ (۱۱۳۰)، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ط: فيصل- ديوبند ☆سنن ابن ماجة: ۱۲۴، رقم: ۱۷۳۴، كتاب الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، ط: مكتبة الاتحاد-ديوبند)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: يوم عاشوراء اليوم الذي تاب الله فيه على آدم، واليوم الذي استوت فيه سفينة نوح على الجودي، واليوم الذي فرق الله فيه البحر لبني إسرائيل، واليوم الذي ولد فيه عيسى، صيامه يعدل سنة مبرورة. (الترغيب و الترهيب-قوام السنة (م: ۵۳۵ھ): ۲/ ۴۰۰، رقم: ۱۸۶۸، فصل في فضل صوم عاشوراء، ط: دار الحديث-القاهرة)

(۳) ابن الجوزیؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں: باب في ذكر عاشوراء، وقد تمذهب قوم من الجهال بمذهب أهل السنة، فقصدوا غيظ الرافضة، فوضعوا أحاديث في فضل عاشوراء، ونحن براء من الفريقين.

ابن الجوزیؒ نے اس تمہید کے بعد ایک حدیث ذکر کی ہے، جو کافی طویل ہے، جن کی بعض باتیں یہ ہیں:

(۱) حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن بلند مقام پر فائز کیا۔ (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی دن آتش نمرود سے نجات دی۔ (۳) اسی دن نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری اور آپ علیہ السلام اس سے اترے۔ (۴) اسی دن موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی۔ (۵) اسی دن اسماعیل علیہ السلام کو ذبح ہونے سے بچایا گیا۔ (۶) اسی دن یوسف علیہ السلام کو جیل سے نجات ملی۔ (۷) اسی دن یعقوب علیہ السلام کی بصارت و بینائی لوٹا دی گئی۔ (۸) حضرت ایوب علیہ السلام سے اسی دن بلاء کو دور کیا گیا۔ (۹) دنیا میں سب سے پہلے یوم عاشورہ کو پیدا کیا گیا۔ (۱۰) اسی دن یونس علیہ السلام کی توبہ قبول کی گئی۔ (۱۱) اس دن کا روزہ چالیس سال کے گناہوں کے کفارہ کا سبب ہے۔ (۱۲) آسمان سے پہلی بارش یوم عاشورہ کو برسائی گئی۔ (۱۳) پہلی رحمت یوم عاشورہ میں نازل کی گئی۔ (۱۴) یوم عاشورہ کا روزہ صوم الدہر ہے۔ (۱۵) عاشورہ کی رات کو عبادت کرنے والا ساتوں آسمان کے عبادت کرنے والوں کی طرح ہے۔ (۱۶) جس شخص نے اس دن اس طور پر نماز ادا کی کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ الحمد شریف اور اکاون مرتبہ سورہ اخلاص پڑھا، تو اس کے اگلے پچھلے پچاس سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے، اور ملاء اعلیٰ میں اس کے لیے نور کا منبر بنایا جائے گا۔ (۱۷) جس نے عاشورہ کے دن صدقہ کیا، وہ کبھی تنگ دست نہیں ہوگا۔ (۱۸) جس نے اس دن سرمہ لگایا، اس کی آنکھ خراب نہیں ہوگی۔ (۱۹) جس نے اس دن کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا، گویا اس نے دنیا کے تمام یتیموں کے ساتھ صلہ رحمی کی۔ جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا، اس کو ایک ہزار فرشتوں کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ (۲۰) جبریل علیہ السلام، لوح وقلم، عرش و کرسی، زمین و آسمان اور سمندر کو اسی دن پیدا کیا گیا۔ (۲۱) اس دن جو غسل کرے گا، وہ مرض الموت کے علاوہ کسی مرض میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (۲۲) جبریل نے یوم عاشورہ کو پیدا کیا ہے۔

اور بھی اس طرح کی بہت سی بے بنیاد باتوں کا اس روایت میں تذکرہ ہے، علامہ ابن الجوزی نے اس روایت کو بجا طور =

عاشوراء کے روزے کی فضیلت اس پر مستزاد ہے۔[۴] اُس کے روزے میں یہود کی مشابہت سے احتراز کے لیے ایک اور روزے کے اضافہ کا حکم ہے۔[۵] گویا عاشوراء کا دِن ایک طرح سے خوشی کا دِن ہے؛ اِس پہلو کے پیشِ نظر اُس دِن طلبہ واساتذہ کے روزہ رکھنے کی وجہ سے مدارس میں تعطیل رکھی جائے، تو ممنوع نہیں ہے، جس طرح رمضان المبارک میں چھٹی رکھی جاتی ہے۔

اگر اکابر میں سے کسی سے یہ صحیح طور پر ثابت ہوجائے کہ وہ اِس تعطیل کو پسند نہیں فرماتے تھے، تو اُس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ فرقۂ روافض سے تشبہ ہوتا ہے، لیکن جیسا کہ معلوم ہوا کہ ہمارے مدارس میں یہ پہلو پیشِ نظر نہیں ہوتا، نہ اُس دِن کوئی مجلس ہوتی ہے، اِس لیے عام اکابر سے اِس بارے میں کوئی ممانعت منقول نہیں ہے۔

اگر اِس دِن مجلسِ شہادت کا انعقاد ہو، تو تشبہ کا شبہ ہوسکتا ہے، چناں چہ ان ہی خاص ایام میں اِسی مجلس کے انعقاد میں شہادت کا تذکرہ ہو، تو بعض نے شیعہ کے ساتھ مشابہت کی بناء پر ممنوع قرار دیا ہے۔[۶]

= پر موضوع قرار دیا ہے۔ (الموضوعات - جمال الدين عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (م:۵۹۷ھ) : ۲/ ۲۰۱-۲۰۲، كتاب الصيام، ت: عبد الرحمن محمد عثمان، ط: المكتبة السلفية بالمدينة المنورة)

نوٹ: الغرض یوم عاشوراء میں جن بڑے بڑے واقعات کے وقوع کا ذکر کیا جاتا ہے، تقریباً سب موضوع ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

الموضوعات لابن الجوزي: ۲/ ۲۰۰-۲۰۱ ☆اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة -السيوطي (م:۹۱۱ھ): ۲/ ۹۲-۹۳، كتاب الصيام، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ٭ تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة - نور الدين، ابن عراق الكناني (م:۹۶۳ھ): ۲/ ۱۴۹-۱۵۰، كتاب الصوم، الفصل الأول، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، عبد الله محمد الصديق الغماري، ط: دار الكتب العلمية ☆ الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة - محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم اللكنوي، أبو الحسنات (م:۱۳۰۴ھ): ۱/ ۹۴-۹۵، فضل يوم عاشوراء وصيامه، ت: محمد السعيد بسيوني زغلول، ط: مكتبة الشرق الجديد - بغداد)

(۴) ... وصيام يوم عاشوراء احتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله. (صحيح مسلم: ۱/ ۳۶۷، رقم: ۱۹۶-(۱۱۶۲)، كتاب الصوم، باب: استحباب ثلاثة أيام من كل شهر ... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۵) عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع. (صحيح مسلم: ۱/ ۳۵۹، رقم: ۱۳۴-(۱۱۳۴)، كتاب الصوم، باب صوم عاشوراء، ط: البدر - ديوبند)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صوموا يوم عاشوراء، وخالفوا اليهود، صوموا قبله يوما، أو بعده يوما". (صحيح ابن خزيمة: ۳/ ۲۹۰، رقم: ۲۰۹۵، باب الأمر بأن يصام قبل عاشوراء ... الخ، ط: المكتب الإسلامي - بيروت)

(۶) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داؤد، ص: ۵۵۹، رقم: ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ط: البدر - ديوبند)

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ سادہ مجلس میں شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر صحابۂ کرامؓ کی شہادت اور دین کی خاطر اُن کی دی ہوئی قربانیوں کا تذکرہ ہو، تو جائز ہے، اس لیے عاشوراء کی تعطیل مباح ہے، اُس میں کوئی حرج نہیں، مگر خاص احوال مثلاً کوئی شیعیت کے زور اور اُن کے ماحول میں رہتا ہو اور تشبہ کی بنا پر اُسے منع کر دے، تو یہ غلو فی الدین نہیں کہلائے گا، بل کہ اسے ''صلابت و استقامت فی الدین'' کا نام دیا جائے گا، جہاں شیعیت کا زور زیادہ ہو وہاں اسی منع والے قول پر عمل ہونا چاہیے۔ (علامۃ المتقویٰ، از: مولانا عبدالحی صاحب برحاشیہ محمود الفتاویٰ لکھنؤ: ۴/ ۲۳۰)[۷] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۵۰] عید الفطر کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا

۲۵۴-سوال: یہ درست ہے کہ عید الفطر کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا شرعی اعتبار سے بدعت ہے؛ لیکن کسی شخص کی یہ نیت ہو کہ سال کے دوران ساتھیوں اور دوست واحباب سے جو کبھی کبھار لڑائی، جھگڑے ہو گئے ہیں، جن کی وجہ سے دل میں ایک طرح کی کدورت پیدا ہو گئی ہے، اس موقع پر مصافحہ اور معانقہ کر کے دلی کدورت اور رنجش دور ہو جائے اور دشمنی ختم ہو جائے اور ایک دوسرے کے دل صاف ہو جائیں، تو کیا اس نیت سے مصافحہ اور معانقہ کرنے میں بھی کوئی حرج لاحق ہوگا یا نہیں؟ میرے خیال سے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ اس صورت میں اجتماعی اور معاشرتی زندگی پر سکون اور خیر و برکت کا ذریعہ بنے گی اور لوگوں کے تعلقات مزید مستحکم اور مضبوط ہوں گے۔

قاسم یعقوب داھورا جی بزادرا چھا

الجواب حامداً ومصلیا:

ہمارا خیال آپ سے جداگانہ ہے؛ کیوں کہ رسمی ملاقات سے دلوں کی صفائی نہیں ہوگی اور نہ ہی کدورتیں ختم ہوں گی اور خاص بات یہ ہے کہ جس کے ساتھ دشمنی ہوتی ہے، وہ لوگ ایسے موقع پر بھی آپس میں نہیں ملتے ہیں؛ لہٰذا لوگوں کا ان دنوں یعنی عیدین کی نماز کے بعد ملاقات کو ضروری سمجھ لینا اور مصافحہ و معانقہ کرنا بدعت سے خالی نہیں ہے؛ یہ رسم ناجائز ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۷) ما وجدت هذا الكتاب.

(۱) ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال، لأن الصحابة - رضي الله تعالى عنهم - ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض اهـ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة=

[۵۱] عیدین کی نماز کے بعد عیدگاہ یا راستے میں ملاقات کرنا؟

۲۵۵-سوال: عیدین کی نماز سے فراغت کے بعد عیدگاہ یا راستے میں ملاقات ومصافحہ اور معانقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات کسی حدیث سے ثابت ہے؟ باحوالہ تحریر فرما کر بندہ پر احسان فرمائیں۔

(المستفتی: خاکسار یوسف احمد بنیا، کھلود، ۱۹/ ۱۲/ ۱۴۰۳ھ، ۲۷/ ۹/ ۱۹۸۳ء)

الجواب حامداومصليا:

عیدین کی نماز کے بعد عیدگاہ یا راستے میں ان لوگوں کا آپس میں مصافحہ وملاقات کرنا درست نہیں ہے، جو روزانہ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں، ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ ملاقات ہوتی رہتی ہے، اور ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہتا ہے۔

البتہ جن حضرات سے کبھی کبھار ملاقات ہوجاتی ہے، ان سے اس وقت ملاقات، مصافحہ اور معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، وجہ یہ ہے کہ جو حضرات روزانہ ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں، جن کا اٹھنا بیٹھنا اکثر وبیشتر ایک ساتھ ہوتا ہے، انہیں اس سے پہلے کی ملاقاتوں میں کبھی مصافحہ ومعانقہ، حتی کہ سلام مسنون کی بھی توفیق نہیں ہوتی ہے اور عیدین کے دن بس رسم ورواج کے طور پر ملاقات اور معانقہ کرنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں؛ لہٰذا اگر اس عمل کو ضروری سمجھ کر کیا جائے اور ملاقات نہ کرنے والوں کو برا بھلا کہا جائے، انہیں لعنت وملامت کا نشانہ بنایا جائے، تو اس صورت میں حرام ہوجائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=مكروهة لا أصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعلها أولا ويعزر ثانيا، ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع، إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في أدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۸۱، باب الاستبراء وغيره، ط: دار الفكر بيروت)

وانظر أيضا: فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۱۱۱، کتاب السنۃ والبدعۃ، ط: دار الاشاعت کراچی۔

(۱) قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. والله أعلم. (فتح الباري- ابن حجر (م: ۸۵۲هـ): ۲/ ۳۳۸، كتاب الأذان، باب الانتقال والانصراف عن اليمين والشمال، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

دیکھیے فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۱۱۱، کتاب السنۃ والبدعۃ، ط: دار الاشاعت، کراچی۔

فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۴۸، کتاب البدعات، ط: مکتبۂ تھانوی، دیوبند۔

[۵۲] جمعہ اور فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا

۲۵۶-سوال: مسجد کے جماعت خانے میں بعد نماز جمعہ اور بعد نماز فجر لوگوں کا مصافحہ کرنا کیسا ہے؟ مذہب احناف میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

مصافحہ کرنا سنت ہے۔ (۱) لیکن اس کے لیے اول ملاقات کے علاوہ دیگر اوقات کو مخصوص و متعین اور لازم کرنا جائز نہیں۔ (۲) لہٰذا مذکورہ بالا دونوں اوقات میں مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۵/ ۱۰/ ۱۹۷۷ء

[۵۳] عید کے دن مسجد میں مصافحہ کرنا

۲۵۷-سوال: عید اور بقرعید کے دن مسجد یا عیدگاہ میں نماز کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

احقر سعید احمد محمد سیدات

---

(۱) قال لأبي ذر: هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصافحكم إذا لقيتموه؟ قال: " ما لقيني قط إلا صافحني ولقد جئت مرة فقبل لي: إن النبي صلى الله عليه وسلم طلبك فجئته فلقيني فاعتنقني فكان ذلك أجود وأجود ". (مسند أبي داود الطيالسي - أبو داود سليمان بن داود الطيالسي البصرى (م: ۲۰۴ھ): ۱/ ۳۸۰، رقم: ۴۷۵، أحاديث أبي ذر الغفاري، ت: د. محمد بن عبد المحسن التركي، ط: دار هجر - مصر * المعجم الأوسط - الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۷/ ۲۸۶، رقم: ۷۵۰۹، بتغير يسير)

(۲) ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة - رضي الله تعالى عنهم - ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض اهـ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة، لا أصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعلها أولا، ويعزر ثانيا، ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في أدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۸۱، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، وغيره ☆ المدخل - ابن الحاج المالكي (م: ۷۳۷ھ): ۲/ ۲۱۹، فصل: المصافحة بعد صلاة الصبح وبعد صلاة العصر، ط: دار التراث العربي)

نیز ملاحظہ فرمائیں: امداد الفتاویٰ: ۵/ ۲۶۰، کتاب البدعات، مصافحہ بعد نماز، ط: ادارہ تالیفات اولیاء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عید کی نماز کے بعد گاؤں والوں سے مصافحہ و معانقہ کرنا جائز ہے [(۱)] اور ضروری سمجھ کر ایسا کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے، اس لیے ضروری سمجھ کر ایسا کرنے والا حرام کام کا ارتکاب کرنے والا ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۸/۱/۱۹۷۶ء

[۵۴] عیدین کے علاوہ دوسرے دنوں میں مسجد کے اندر مصافحہ کرنا

۲۵۸-سوال: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ دوسرے دنوں میں اگر کوئی شخص مسجد میں مصافحہ کرے، تو یہ کیسا ہے؟ احقر سعید احمد محمد سیدات

الجواب حامداً و مصلیاً:

عادت بنائے بغیر کبھی کبھی جماعت خانے میں ملاقات کر لینا جائز ہے۔ [(۲)] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ
(۱۸/۱/۱۹۷۶ء)

---

(۱) لیکن فی زماننا ایسا ہوتا ہے کہ لوگ عیدین کی نماز کے لیے گھر سے ایک ساتھ جاتے ہیں، ایک دوسرے کے بغل میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں، ساتھ بیٹھ کر خطبہ بھی سنتے ہیں، اسی دوران آپس میں مختلف طرح کی گفتگو بھی ہوتی رہتی ہے؛ لیکن جیسے ہی خطبہ ختم ہوا، سب ایک دوسرے سے مصافحہ اور معانقہ کرتے ہیں، یہ یقیناً بدعت ہے؛ اس لیے کہ شریعت میں مصافحہ کا محل 'اول ملاقات' ہے، چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة، ولهذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذ، وأنها من البدع المذمومة. (مرقاة المفاتيح -الملا علي القاري: ۷/ ۲۹۶۳، باب المصافحة والمعانقة، ط: دار الفكر بيروت)

وقال ابن الحاج في المدخل: وأما المصافحة فإنها وضعت في الشرع عند لقاء المؤمن لأخيه، وأما في العيدين على ما اعتاده بعضهم عند الفراغ من الصلاة يتصافحون فلا أعرفه. (المدخل - ابن الحاج: ۲/ ۲۸۸، فصل في انصراف الناس من صلاة العيد، ط: دار التراث العربي)

مزید دیکھیے: (فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۴۸، کتاب البدعت، ط: مکتبہ تھانوی دیوبند ☆ امداد الفتاویٰ: ۵/ ۲۶۰، کتاب البدعات، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند ☆ رد المحتار: ۶/ ۳۸۱، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ، ط: دار الفکر بیروت)

(۲) إن المواظبة عليها بعد الصلوات خاصة قد يؤدي الجهلة إلى اعتقاد سنيتها في خصوص هذه المواضع، وأن=

[۵۵] عیدین کے بعد مصافحہ ومعانقہ کا حکم

۲۵۹-سوال: دعا کے بعد گھر جانے سے پہلے مسلمان عید کی خوشی میں ایک دوسرے سے مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں۔عموماً یہ جماعت خانہ میں ہی ہوتا ہے؟ کیا شریعت میں کوئی اس کی اہمیت ہے؟ جماعت خانہ کے باہر ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کے دن خطبہ کے بعد مسجد میں ان مسلمانوں سے مصافحہ یا معانقہ کرنا، جن سے روزانہ ملاقات ہوتی ہو، اور اس کو ضروری سمجھنا، اور مصافحہ نہ کرنے والے پر لعن وطعن جائز نہیں؛ بدعت ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۶] عید کی نماز کے بعد یا مسجد میں جلسہ کے بعد مصافحہ کرنا

۲۶۰-سوال: عید کے خطبے کے بعد یا کسی جلسہ کے موقع پر- جب کہ جلسہ مسجد میں رکھا گیا ہو- مسجد کے اندر معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس طریقے سے سال میں صرف دو تین دفعہ اس طرح کے موقعے آتے ہیں کہ جس میں مسجد کے اندر لوگ مصافحہ کرتے ہیں، تو کیا یہ بدعت کے دائرے میں داخل ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ کرنا سنت ہے۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ کرنے والوں کے لیے مغفرت کی خبر

=لها خصوصية زائدة على غيرها مع أن ظاهر كلامهم أنه لم يفعلها أحد من السلف في هذه المواضع. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۱/۶، الحظر والإباحة، باب الاستبراء، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة - رضي الله تعالى عنهم - ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض اهـ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعلها أولا، ويعزر ثانيا. ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في أدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك، ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة اهـ. (رد المحتار: ۳۸۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، ط: دار الفكر، بيروت)

(۲) عن قتادة، قال: قلت لأنس: أكانت المصافحة في أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: «نعم». (صحيح=

وبشارت دی ہے۔[1] لیکن جب کوئی امر مستحب ومباح' بدعت کی شکل اختیار کرلے، اس کے مرتبے کو بڑھا دیا جائے اور لوگ اسے ضروری سمجھنے لگیں، جو لوگ مصافحہ نہ کریں، ان کو لعن طعن کیا جائے اور برا بھلا کہا جائے، تو ایسی صورت میں وہ امر مستحب' مستحب نہیں رہتا، بدعت کے حکم میں ہوجاتا ہے۔[2] عید کے دن اور دیگر جلسے جلوس کے موقع پر اگر مصافحہ کو ضروری سمجھ لیا جائے، اس کے لیے دوسروں کو تکلیف دی جائے، تو اس صورت میں مصافحہ کرنا جائز نہیں، بدعت کہلائے گا، اس لیے اس کو ترک کردینا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۸/۱۲/۱۹۷۵ء

[۵۷] رسم بسم اللہ

۲۶۱-سوال: میمن برادری میں یہ رواج ہے کہ جب لڑکا چند سال کا ہوجاتا ہے، تو اس کے رشتہ داروں کو دعوت دی جاتی ہے، اور ان کے سامنے بچے کو ایک مولانا صاحب ''اعوذ باللہ، بسم اللہ، اور سورہ فاتحہ'' پڑھاتے ہیں، اس کے بعد مٹھائی تقسیم ہوتی ہے اور بچہ کو بخشش دی جاتی ہے۔ تو مذکور کام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ رسم قرآن مجید اور حدیث نبوی سے ثابت نہیں ہے، اس کا شمار بدعت کی باتوں میں ہوتا

=البخاري: ۲/ ۹۲۶، رقم الحديث: ۶۲۶۳، كتاب الاستئذان، باب المصافحة، ط: البدر - ديوبند)

عن رجل من عنزة، أنه قال لأبي ذر -في حديث طويل-: هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصافحكم إذا لقيتموه؟ قال: »ما لقيته قط إلا صافحني. (سنن أبي داؤد: ۲/ ۷۰۸، رقم الحديث: ۵۲۱۴، كتاب الأدب، باب في المعانقة، ط: البدر - ديوبند)

(۱) عن البراء، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: »ما من مسلمين يلتقيان، فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يفترقا«. (سنن أبي داؤد: ۲/ ۷۰۸، كتاب الأدب، باب في المعانقة، رقم الحديث: ۵۲۱۲، ط: البدر - ديوبند ☆سنن الترمذي: ۲/ ۱۰۲، رقم الحديث: ۲۷۲۷، باب ما جاء في المصافحة، أبواب الاستئذان و الآداب، ط: فيصل - ديوبند ☆سنن ابن ماجة، ص: ۲۶۳، رقم الحديث: ۳۷۰۳، باب المصافحة، كتاب الأدب، مكتبة الاتحاد - ديوبند)

(۲) قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء، لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته. (فتح الباري: ۲/ ۳۳۰، باب الانفتال والانصراف عن اليمين، ط: دار المعرفة بيروت ☆نيل الأوطار - محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني (م: ۱۲۵۰هـ): ۲/ ۳۶۴، باب جواز الانحراف عن اليمين والشمال، أبواب صفة الصلاة، ت: عصام الدين الصبابطي، ط: دار الحديث، مصر، الطبعة الأولى، ۱۴۱۳هـ)

ہے۔اس لیے شریعت میں جائز نہیں ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۸] شب براءت میں کوئی مخصوص نماز ثابت نہیں ہے

۲۶۲-سوال: شب براءت میں نمازِ مغرب کے بعد دو رکعت درازیِ عمر کے لیے، دو رکعت قبر کے عذاب سے نجات پانے کے لیے اور دو رکعت قرض وغیرہ سے محفوظ رہنے کی نیت سے پڑھتے ہیں اور ہر دو رکعت کے درمیان سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہیں، تو یہ کیسا ہے؟ ہمارے یہاں بہت سے لوگ قرآن کریم پڑھنا نہیں جانتے ہیں؛ اس لیے ہر دو رکعت کے درمیان ایک صاحب بلند آواز سے سورۂ یٰسین پڑھتے ہیں اور دوسرے حضرات سنتے ہیں، اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور طریقہ سے نماز پڑھنا احادیث مبارکہ سے ثابت نہیں ہے، اس رات میں قبرستان جاکر مرحومین کے لیے دعائیں کریں۔[۲] اور رات عبادت میں گزاریں اور دن میں روزہ رکھیں۔[۳] حدیث

---

(۱) عن جابر بن عبد الله، قال: كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- إذا خطب احمرت عيناه، وعلا صوته، واشتد غضبه، حتى كأنه منذر جيش يقول: صبحكم ومساكم، ويقول: بعثت أنا والساعة كهاتين، ويقرن بين إصبعيه السبابة، والوسطى، ويقول: أما بعد، فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة. ثم يقول: أنا أولى بكل مؤمن من نفسه، من ترك مالا فلأهله، ومن ترك دينا أو ضياعا فإلي وعلي. (صحيح المسلم: ۱/ ۲۸۴، رقم: ۴۳-(۸۶۷)، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة)

''بہشتی زیور'' میں ہے: ان رسموں سے ایک ''بسم اللہ'' کی رسم ہے، جو بڑے اہتمام اور پابندی کے ساتھ لوگوں میں جاری ہے، اُس میں یہ خرابیاں ہیں: چار برس، چار مہینے، چار دن کا ہونا اپنی طرف سے مقرر کیا ہے، جو محض بے اصل اور لغو ہے، پھر اُس کی اتنی پابندی کہ چاہے جو کچھ ہو اُس کے خلاف نہ ہونے پائے، اور اَن پڑھ لوگ تو اُس کو شریعت ہی کی بات سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے عقیدے میں خرابی اور شریعت کے حکم میں ایک پیچڑ لگانا لازم آتا ہے۔ وغير ذلك من المفاسد المذكورة، فليرجع ثمة. (بہشتی زیور: ۶/ ۳۳۷، مکتب یعنی بسم اللہ کی رسموں کا بیان۔ ط: مقیم بک ڈپو، دیوبند)

(۲) عن عائشة أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم (كلما كان ليلتها من رسول الله- صلى الله عليه وسلم) يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ماتوعدون غدا، مؤجلون، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد. (مسلم: ۱/ ۳۱۳، رقم الحديث: ۱۰۲-(۹۷۴)، كتاب الجنائز، فصل في التسليم على أهل القبور والدعاء والاستغفار لهم، ط: البدر- ديوبند)

(۳) عن علي بن أبي طالب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا. الخ. (ابن ماجة: ۱/ ۴۴۴، كتاب إقامة الصلاة=

سے بس اتنا ثابت ہے، اس کے علاوہ کوئی مخصوص نماز وغیرہ ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس طرح کی رسموں کو ترک کر کے ہر آدمی کو اپنی استطاعت کے موافق اللہ تعالیٰ کی صحیح عبادت کرنی چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۹] شب برأت میں چھ رکعات نماز کا حکم (أیضاً)

۲۶۳-سوال: بہت سے آدمی ۱۵؍شعبان کی رات میں ۶؍ رکعات نماز پڑھتے ہیں۔ دو رکعات درازیٔ عمر کے لیے، دو رکعات محتاجی دور کرنے کے لیے اور دو رکعات مصائب سے حفاظت کے لیے، کیا اس طرح کی نماز صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ نماز کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مبارک ماہ اور مبارک راتوں میں حضور ﷺ سے ثابت اعمال کی تفصیل ہے، اس کتاب میں مذکورہ نماز کے متعلق لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔ (۱) واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۰] شب برأت کا انکار کرنا

۲۶۴-سوال: عرب علماء کہتے ہیں کہ شب براءت اور اس کی فضیلت کا قرآن کریم اور حدیث پاک سے کوئی ثبوت نہیں ہے اور جن احادیث مبارکہ سے فضیلت کا پتہ چلتا ہے، وہ سب کی سب ضعیف ہیں؛ اس لیے وہ حضرات شب براءت کا بالکل انکار کرتے ہیں، آپ اس بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عرب حضرات کا اس طرح کی بات کرنا بالکل صحیح نہیں ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= والسنة فيها، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، رقم الحديث: ۱۳۸۸، ت: محمد فؤاد عبد الباقي، في الزوائد: إسناده ضعيف لضعف ابن بسرة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۱) لم أجد هذا الكتاب. مسئلہ کی تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے ''شب برأت میں کوئی مخصوص نماز ثابت نہیں''۔

(۲) قال الإمام الرازي: اختلفوا في هذه الليلة المباركة، فقال الأكثرون: إنها ليلة القدر، فقال عكرمة وطائفة آخرون: إنها ليلة البراءة وهي الليلة النصف من شعبان۔ (التفسير الكبير: ۲۷/ ۶۵۲، ط: دار إحياء التراث العربي، الطبعة الثانية: ۱۴۲۰ھ)

عن علي بن أبي طالب، قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: " إذا كانت ليلة النصف من شعبان، =

= فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له ألا مسترزق فأرزقه ألا مبتلى فأعافيه ألا كذا ألا كذا، حتى يطلع الفجر ". (ابن ماجة: ۱/ ۴۴۴، رقم: ۱۳۸۸، كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، ت: فؤاد عبد الباقي، قال تعليقا على هذا الحديث: إسناده ضعيف لضعف ابن يسرة - ص: ۹۹، اتحاد - ديوبند - ☆ وأخرجه أحمد في مسنده عن "عبد الله بن عمرو (۶۶۴۲) وعن عائشة (۲۶۰۱۸) وابن حبان في صحيحه عن معاذ بن جبل (۵۶۶۵) والبيهقي في شعب الإيمان (۳۵۵۰) و(۳۵۵۱) و(۳۵۵۲) و (۶۲۰۴) و (۳۵۵۴) و(۳۵۵۵) و(۳۵۵۹) والبزار في مسنده عن أبي بكر (۸۰) وعن أبي هريرة (۹۲۶۸) وعوف ابن مالك (۲۷۵۴) والترمذي في سننه عن عائشة (۷۳۹) والطبراني في المعجم الكبير عن أبي ثعلبة (۶۷۸) و(۵۹۳) و(۵۹۰) و(۲۱۵) وفي الأوسط عن معاذ بن جبل (۶۷۷۶) وإسحاق بن راهوية في مسنده (۱۷۰۲) و (۱۷۰۰) وابن أبي شيبة في مصنفه، عن كثير بن مرة الحضرمي (۲۹۸۵۹) وعن عائشة (۲۹۸۵۸) وغيرها (۷۹۲۳) و(۷۹۲۷) و(۷۹۲۸).

قال العلامة الألباني: رداً مؤلف "إصلاح المساجد من البدع والعوائد" الشيخ محمد جمال الدين القاسمي السلفي على ما ذكر: "أنه ليس في فضل ليلة النصف حديث يصح" أخرجه (أي حديث مكحول) أخرجه ابن أبي عاصم في "السنة" "ق: ۱/ ۴۳" وابن حبان في "صحيحه" "۱۹۸۰" ورجاله ثقات، والحديث صحيح، وله طرق وشواهد خرجتها في "الصحيحة" "۲۱۴۴" فلا تلتفت إلى ما سينقله المصنف أنه ليس في فضل ليلة النصف حديث يصح، نعم لا يلزم من ثبوت هذا الحديث اتخاذ هذه الليلة موسما يجتمع الناس فيها، ويفعلون فيها من البدع ما ذكره المؤلف يرحمه الله تعالى. (إصلاح المساجد من البدع والعوائد ص: ۹۹ الفصل الثاني، زيادة التنوير ليلة النصف من شعبان... الخ، ت: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتب الإسلامي، الطبعة الخامسة، ۱۴۰۳هـ - ۱۹۸۳ء)

قال المباركفوري في تحفة الأحوذي: اعلم أنه قد ورد في فضيلة ليلة النصف من شعبان عدة أحاديث، مجموعها يدل على أن لها أصلا، فمنها حديث الباب، وهو منقطع، ومنها حديث عائشة قالت: قام رسول الله - صلى الله عليه وسلم - من الليل، فصلى، فأطال السجود، حتى ظننت أنه قد قبض، فلما رأيت ذلك قمت حتى حركت إبهامه، فتحرك فرجع فلما رفع رأسه من السجود وفرغ من صلاته، قال: يا عائشة أو يا حميراء، أظننت أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قد خاس بك، قلت: لا والله يا رسول الله، ولكني ظننت أنك قبضت طول سجودك، فقال أتدري أي ليلة هذه، قلت: الله ورسوله أعلم، قال: هذه ليلة النصف من شعبان، إن الله - عز وجل - يطلع على عباده في ليلة النصف من شعبان، فيغفر للمستغفرين، ويرحم المسترحمين، ويؤخر أهل الحقد كما هم رواه البيهقي، وقال: هذا مرسل جيد، ويحتمل أن يكون العلاء أخذه من مكحول. (ثم ذكر حديث معاذ و حديث علي و غير ذلك من الصحابة الوارد في فضيلة ليلة النصف من شعبان، وقال بعده:) فهذه الأحاديث مجموعها حجة على من زعم أنه لم يثبت في فضيلة النصف من شعبان شيء، والله تعالى أعلم. (تحفة الأحوذي: ۳/ ۳۶۵ ۷۴۶، أبواب الصوم، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

مزید دیکھیے: نظام الفتاوی: ۱/ ۴۳-۴۷ تحت عنوان: شب برأت کیا ہے؟ ط: تاج پبلشنگ ہاؤس دیوبند، سن طباعت: ۲۰۰۱ء)

[۶۱] بڑی راتوں میں مساجد میں چراغاں کرنا

۲۶۵-سوال: بڑی راتوں[۱] میں مساجد میں روشنی کا خاص اہتمام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ پوری مسجد کو قمقموں سے بھر دینا اور روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ہونے والے خرچ کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

احقر حبیب خان

الجواب حامداومصلیا:

یہ اسراف اور فضول خرچی ہے اور یہ حرام ہے۔[۲] مسجد میں ضرورت کے مطابق ہی روشنی کا انتظام کرنا چاہیے، ضرورت سے زائد روشنی کرنا حرام ہے اور اس میں جو حضرات ذمہ دار ہیں، وہ گنہگار ہوں گے۔

بڑی راتوں میں بھی ضرورت سے زائد روشنی کرنا جائز نہیں؛ حرام ہے۔[۳] اور اس طرح کی روشنی

---

(۱) بڑی راتیں: یعنی، شب قدر، شب براءت، شب معراج وغیرہ۔

(۲) وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ. [۱۷-الإسراء: ۲۷]

إن الإسراف حرام. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۱۴۷، كتاب الحجر، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) من قبيل البدع التي أنكرها السلف الصالح . كزخرفة المساجد. (الاعتصام-إبراهيم بن موسى الغرناطي الشهير بالشاطبي (م: ۷۹۰هـ) ص: ۶۳۳، الباب الثامن في الفرق بين البدع والمصالح المرسلة والاستحسان، فصل الأمور المعتبرة في المصالح المرسلة، ت: سليم بن عيد الهلالي، ط: دار ابن عفان-السعودية)

وحاصله أن النار ليس إيقادها في المساجد من شأن السلف الصالح، ولا كانت مما تزين بها المساجد ألبتة، ثم أحدث التزيين بها حتى صارت من جملة ما يعظم به رمضان، واعتقد العامة هذا كما اعتقدوا طلب البوق في رمضان في المساجد، حتى لقد سأل بعض عنه: أهو سنة أم لا؟ ولا يشك أحد أن غالب العوام يعتقدون أن مثل هذه الأمور مشروعة على الجملة في المساجد، ... وكذلك أيضا لما لم يتخذ الناقوس للإعلام، حاول الشيطان فيه بمكيدة أخرى فعلق بالمساجد واعتد به في جملة الآلات التي توقد عليها النيران وتزخرف بها المساجد، زيادة إلى زخرفتها بغير ذلك، كما تزخرف الكنائس والبيع.

ومثله إيقاد الشمع بعرفة ليلة الثامن، ذكر النووي أنها من البدع القبيحة، وأنها ضلالة فاحشة جمع فيها أنواع من القبائح. منها إضاعة المال في غير وجهه، ومنها إظهار شعائر المجوس... الخ. (المصدر السابق: ص: ۶۰۰، الباب السابع في الابتداع هل يدخل في الأمور العادية أم يختص بالأمور العبادية... الخ، فصل فشو المعاصي والمنكرات والمكروهات والعمل بها هل يعد بدعة)

وأما أمثلة البدع المكروهة، فعد منها: زخرفة المساجد. (المصدر السابق، ص: ۲۶۹، الباب الثالث: ذم البدع والمحدثات... الخ، فصل: الرد على ما قاله الشيخ عز الدين... الخ)

ہندوانہ تہوار دیوالی سے بھی مشابہت رکھتی ہے؛ اس لیے بھی حرام ہوگی۔[1] بڑی راتیں خصوصیت سے عبادت کی ہیں، روشنی کی راتیں نہیں ہیں؛ لہٰذا ایسے لایعنی کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

۱۷/۱۱/۱۹۷۷ء

[۶۲] جمعہ کے روز ایک شخص کا سورۂ کہف پڑھنا اور باقی لوگوں کا سننا

۲۶۶-سوال: کتنے ہی گاؤں میں جمعہ کے دن مسجد میں بارہ (۱۲) آدمی باری باری سورۂ کہف بہ آواز بلند ایک ایک رکوع پڑھتے ہیں، اس طریقے سے بارہ رکوع پڑھتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس کے پڑھنے کے لیے باضابطہ وقت نکالتے ہیں، اگر ان کو اس طرح پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ اس میں وقت ہی کتنا لگتا ہے؟ اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں، وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے، وہ اسے سنیں؛ کیوں کہ پڑھنے والے کے مقابلے میں سننے والے کا ثواب زیادہ ہے، تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سورۂ کہف کا اس انداز سے پڑھنا ثابت نہیں ہے۔[2] اور جو لوگ اس کے جواز میں دلیل پیش کرتے ہیں، آپ ان سے کہیے کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانہ میں تمام لوگ حافظ قرآن نہیں تھے، صرف چار یا چھ صحابۂ کرام کے نام آتے ہیں، جن کو حضور ﷺ کی وفات کے وقت پورا قرآن مجید یاد تھا۔[3] نیز آپ ﷺ کے زمانے میں بعض نومسلم صحابہ بھی

---

(۱) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: «من تشبه بقوم فهو منهم». (سنن أبي داؤد: ۲/۵۵۹، رقم الحديث: ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ط: البدر - ديوبند)

(۲) فينبغي له أن ينهى الناس عما أحدثوه من قراءة سورة الكهف يوم الجمعة جماعة في المسجد أو غيره. . . فيقرأها سرا في نفسه في المسجد أو جهرا في غيره أو فيه إن كان المسجد مهجورا ما لم يكن فيه من يتشوش بقراءته والسر أفضل، وأما اجتماعهم لذلك فبدعة كما تقدم. والله تعالى أعلم. (المدخل - ابن الحاج المالكي (م: ۷۳۷هـ): ۲/۲۸۱، فصل في الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار التراث العربي)

(۳) قتادة، قال: سألت أنس بن مالك رضي الله عنه: من جمع القرآن على عهد النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: "أربعة، كلهم من الأنصار: أبي بن كعب، ومعاذ بن جبل، وزيد بن ثابت، وأبو زيد". (صحيح البخاري: ۲/۷۴۸، رقم الحديث: ۴۸۱۲، كتاب فضائل القرآن، باب القراء من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند)

نوٹ: حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں: اس روایت سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ=

تھے؛ (گویا اکثر صحابہ کرام حافظ قرآن نہ تھے) اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ طریقے پر سورۂ کہف پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

مذکورہ طریقے سے بارہ آدمیوں کے باری باری بہ آواز بلند پڑھنے کی صورت میں تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھنے والوں کی نماز میں خلل واقع ہوگا؛ اس لیے اس طریقے سے سورۂ کہف پڑھنا جائز نہیں ہے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھتا ہو، تو کسی دوسرے شخص کے لیے بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۳) مساجد بنانے کے مقاصد میں سے یہ ہے کہ ان میں اللہ رب العزت کا ذکر کیا جائے۔ (۴) تو جو حضرات تسبیح تحمید، استغفار اور درود شریف وغیرہ پڑھنے میں مشغول ہوں گے، اس طریقے سے سورہ کہف پڑھنے کی وجہ سے ان کے معمولات میں خلل واقع ہوگا، لہٰذا مذکورہ طریقے سے سورۂ کہف پڑھنا جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کے حافظ بس یہی چار حضرات تھے، حال آں کہ یہ خیال درست نہیں...... بل کہ مذکورہ بالا حدیث میں قرآن کریم کو جمع کرنے کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کا صحیح مفہوم قرآن کریم کو لکھنا ہے اور حضرت انس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چار حضرات وہ ہیں، جن کے پاس آں حضرت کے عہد مبارک ہی میں قرآن کریم پورا پورا لکھا ہوا موجود تھا...... اس ارشاد کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اوس اور خزرج میں قرآن کریم کو جمع کرنے والے یہی چار تھے، حضرت عثمانی مدظلہ ۴۳ حفاظ صحابہ کے اسماء گرامی نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: یہ تو صرف ان صحابہ کرام کے اسماء گرامی ہیں، جن کا نام حافظ قرآن کی حیثیت سے روایات میں محفوظ رہ گیا، ورنہ تو ایسے صحابہ تو بے شمار ہوں گے، جنھوں نے پورا قرآن کریم یاد کیا تھا؛ لیکن اس حیثیت سے ان کا نام روایات میں محفوظ نہیں رہ سکا۔ اس کی شہادت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات ایک قبیلے میں ستر ستر قاری تعلیم کے لیے بھیجے ہیں، چناں چہ صرف غزوۂ بیر معونہ کے موقع پر ستر (۷۰) قراء صحابہ شہید ہوئے، اور حفاظ کی تقریبا اتنی ہی تعداد آپ کے بعد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی، بل کہ ایک روایت تو یہ ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر سات سو قراء صحابہ شہید ہوئے تھے، اس کے علاوہ یہ تو صرف ان صحابہ کا ذکر ہے، جن کو پورا قرآن یاد تھا اور ایسے صحابہ کا تو کوئی شمار ہی نہیں، جنہوں نے قرآن کریم کے متفرق حصے یاد کر رکھے تھے۔ (علوم القرآن- مفتی محمد تقی عثمانی: ص ۱۷۶، ۲۲۲، ط: مکتبہ دار العلوم دیوبند) ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (فتح الباری: ۹/ ۶۲ - ۶۳، کتاب فضائل القرآن، باب القراء...... الخ، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(۳) فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذي المصلين أو النيام. (رد المحتار على مع الدر: ۶/ ۳۹۸، فصل في البيع، الحظر والإباحة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) عن بريدة أن رجلا نشد في المسجد فقال: من دعا إلى الجمل الأحمر، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: »لا وجدت، إنما بنيت المساجد لما بنيت له. «(صحيح مسلم: ۱/ ۲۱۰، رقم الحديث: ۸۰-(۵۶۹)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد وما يقوله من سمع الناشد)

قال الشيخ محمد فؤاد عبد الباقي: (إنما بنيت المساجد لما بنيت له) معناه لذكر الله تعالى والصلاة والعلم والمذاكرة في الخير ونحوها. (المصدر السابق في نسخة بيروت)

[۶۳] جمعہ کے روز بہ آواز بلند باری باری سورۂ کہف پڑھنا

۲۶۷-سوال: جمعہ کے روز بہت سے لوگ اذان کے بعد مسجد میں بآواز بلند باری باری سورۂ کہف کی تلاوت کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھنے کا بڑا ثواب ہے، پڑھنے والے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی بشارت سنائی ہے۔ (۱) لیکن واضح رہے کہ اس کے پڑھنے کے لیے کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے، اگر کوئی غروب آفتاب تک بھی پڑھ لے، تو اس کو ثواب مل جائے گا، آپ نے لوگوں کے پڑھنے کا جو طریقہ لکھا ہے، وہ سراسر غلط ہے، اس میں خلاف شرع بہت سی باتیں ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اذان کے بعد پڑھنے کو لوگ ضروری سمجھتے ہیں، حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

(۲) مسجد کو اللہ رب العزت کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے، اذان کے بعد متصلاً لوگ سنن قبلیہ پڑھنے میں مشغول ہوں گے، بعض لوگ ذکر واذکار اور تسبیحات پڑھنے میں مشغول ہوں گے اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا ثواب مل جائے گا؛ لیکن جو لوگ قرآن مجید بہ آواز بلند پڑھ رہے ہوں گے، ان کی وجہ سے نماز اور ذکر واذکار میں مشغول لوگوں کی نمازوں اور ذکر میں خلل لازم آئے گا، گویا بلند آواز سے قرآن کی

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري، قال: «من قرأ سورة الكهف ليلة الجمعة، أضاء له من النور فيما بينه وبين البيت العتيق». (مسند الدارمي المعروف بـ (سنن الدارمي) -أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، التميمي (م:۲۵۵ھ): ۴/ ۲۱۴۳، رقم: ۳۴۵۰، ومن كتاب فضائل القرآن، باب في فضل سورة الكهف، ت: حسين سليم أسد الداراني، ط: دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية)

«إن من قرأ سورة الكهف يوم الجمعة أضاء له من النور ما بين الجمعتين». (المستدرك على الصحيحين -الحاكم النيسابوري (م:۴۰۵ھ): ۲/ ۳۹۹، رقم: ۳۳۹۲، كتاب التفسير، تفسير سورة الكهف، ط: دار الكتب العلمية☆ الدعوات الكبير -أبو بكر البيهقي (م:۴۵۸ھ): ۲/ ۱۳۳، رقم الحديث: ۵۲۶، باب القول والدعاء يوم الجمعة☆ السنن الصغير: ۱/ ۲۳۳، رقم الحديث: ۶۰۶، ۹۶۷، باب فضل الجمعة☆ السنن الكبرى: ۳/ ۳۵۳، رقم: ۵۹۹۶، كتاب الجمعة، باب ما يؤمر به في ليلة الجمعة ويومها من كثرة الصلاة على رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وقراءة سورة الكهف الخ ☆ روح المعاني: ۸/ ۱۹۰، دار الكتب العلمية)

تلاوت کرنے والے ان لوگوں کے حقوق باطل کر رہے ہیں۔ (۲)

(۳) قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (۳)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو، امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

اس آیت شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن مجید کی جب تلاوت کی جائے، تو ضروری ہے کہ اسے غور سے سنا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے؛ جب ایک آدمی جمعہ کے روز اذان کے بعد سورۂ کہف کی بہ آواز بلند تلاوت کرے گا، تو اس سے نماز پڑھنے والے حضرات کی نماز میں خلل لازم آئے گا اور نہ سننے کی صورت میں وہ لوگ گنہ گار ہوں گے، جس کا سبب تلاوت کرنے والا شخص بنے گا۔

(۴) مذکور طریقے سے پڑھنا اسلاف واخلاف کسی سے ثابت نہیں ہے؛ اس لیے اس طریق پر پڑھنا اور اس کو سنت سمجھنا جائز نہیں ہے۔ (۴)

(۵) اس کو ضروری سمجھنا بدعت میں داخل ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔ (۵)

---

(۲) وقد تقدم النهي عن القراءة جماعة والذكر جماعة. وإذا كان ذلك كذلك فينبغي له أن ينهى الناس عما أحدثوه من قراءة سورة الكهف يوم الجمعة جماعة في المسجد أو غيره... فيقرأها سرا في نفسه في المسجد أو جهرا في غيره أو فيه إن كان المسجد مهجورا ما لم يكن فيه من يتشوش بقراءته، والسر أفضل، وأما اجتماعهم لذلك فبدعة كما تقدم والله تعالى أعلم. (المدخل-ابن الحاج المالكي (م: ۷۳۷ھ): ۲/۲۸۱، فصل في الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار التراث العربي)

(۳) ۷-الأعراف: ۲۰۴.

(۴) وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم، أو مصل، أو قارئ إلخ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۶۰، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف، فروع: أفضل المساجد، ط: دار الفكر بيروت)

(۵) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد». (صحيح البخاري: ۱/۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود. ط: البدر-ديوبند)

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبي داؤد: ۲/۶۳۵، رقم: ۴۶۰۷، كتاب السنة، باب لزوم السنة، ط: البدر-ديوبند)

(۶) مذکور طریق کے مطابق پڑھنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے حضرات علما نہیں پڑھیں گے، تو ناواقف لوگ ان پر لعن طعن کریں گے اور ان کے لعن طعن کا سبب یہی پڑھنے والے لوگ بنیں گے؛ لہٰذا یہ ناجائز اور حرام ہے۔ (۱)

لہٰذا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے جمعہ کے روز غروب آفتاب سے پہلے پہلے جب کبھی اس کی تلاوت کر لے گا، تو اس کو اس کا ثواب مل جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات عفرلہ
۸/۸/۱۹۷۷ء

[۶۴] مکان، دوکان اور کاروبار کے افتتاح کے لیے کوئی اصلِ شرعی ہے؟

۲۶۸-سوال: نیا مکان، نئی دکان یا اور کوئی کاروبار شروع کرنے سے پہلے افتتاح کے موقع پر قرآن پاک کی تلاوت اور دعاء کے بعد کچھ کھانے پینے کا پروگرام منعقد کیا جا سکتا ہے؟ افتتاح کی شریعت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، اس کے متعلق شرعی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاویٰ شامی اور عالمگیری میں لکھا ہے کہ گیارہ مواقع ایسے ہیں، جن میں دعوتِ طعام مستحب ہے، ان میں سے ایک "وکیرة" ہے۔ (۲) "وکیرة" اس کھانے کو کہا جاتا ہے، جسے نئے مکان کے افتتاح کے موقع پر

---

(۱) لأن الأصل أن سبب الحرام حرام. (فتح القدير -ابن الهمام: ۱۰/۴۷، كتاب الكراهة، فصل في الاستبراء وغيره، ط: دار الفكر)

(۲)

إن الولائم عشرة مع واحد	من عدها قد عز في أقرانه
فالخرس عند نفاسها وعقيقة	للطفل والإعذار عند ختانه
ولحفظ قرآن وآداب لقد	قالوا الحذاق لحذقه وبيانه
ثم الملاك لعقده ووليمة	في عرسه فاحرص على إعلانه
وكذاك مأدبة بلا سبب يرى	و وكيرة لبنائه لمكانه
ونقيعة لقدومه ووضيمة	لمصيبة وتكون من جيرانه
ولأول الشهر الأصم عتيرة	بذبيحة جاءت لرفعة شأنه

(رد المحتار: ۶/۱۶، كتاب الإجارة، شروط الإجارة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۷/۳۰۲، كتاب الإجارة، طلب الأجر... الخ، ط: دار الكتاب الإسلامي)

کھلایا جائے۔ [۱] بخاری شریف کی دوسری جلد کے حاشیہ نمبر: ۵ میں ہے کہ دوکان یا مکان کے افتتاح کے موقع پر دوست واحباب وغیرہ کو دعوتِ طعام دینا جائز ہے۔ [۲] البتہ یہ دعوتِ طعام قرآن خوانی کے عوض میں نہ ہونی چاہیے۔ [۳] اس موقع پر قرآن خوانی کو ضروری سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۵] روضۂ اقدس کی جانب ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

۲۶۹-سوال: مسجد نبوی میں روضۂ اقدس کی جانب ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ حکومتِ سعودی کی جانب سے وہاں نگراں متعین ہوتے ہیں، جو ہاتھ اٹھانے سے منع کرتے ہیں، اگر اس دعاء کے دوران روضۂ اقدس کی جانب پشت ہوجائے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت صلاۃ وسلام کے بعد دعاء مانگنا ہو، تو بہتر یہی ہے کہ ہاتھ نہ اٹھائے، قبلہ رُخ ہوکر دعاء کرے، یا روضۂ اقدس سے کچھ ہٹ کر قبلہ رُخ ہوکر دعاء کرے، ہاتھ اٹھائے

---

(۱) والتوكير: أن يدعو الناس إلى طعام يتخذه إذا فرغ من بناء بيته أو داره، وكر توكيرا، واسم الطعام: الوكيرة. (جمهرة اللغة-ابن دريد الأزدي (م:۳۲۱هـ): ۲/ ۸۰۰، باب الراء والكاف، مع ما بعدهما من الحروف، ت: رمزي منير بعلبكي، ط: دار العلم للملايين - بيروت☆ لسان العرب-محمد بن مكرم، ابن منظور الأنصاري، الإفريقي (م:۷۱۱هـ): ۵/ ۲۹۳، باب الراء، فصل الياء، ط: دار صادر - بيروت☆الزاهر في معاني كلمات الناس - أبو بكر الأنباري المعروف بابن الأنباري (م:۳۲۸هـ): ۱/ ۳۱۶، باب: وقولهم: دعي فلان إلى الوليمة، ت: د. حاتم صالح الضامن، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

الضيافات ثمانية أنواع: الوليمة للعرس، والخرس بضم الخاء المعجمة، ويقال الخرص أيضا بالصاد المهملة للولادة، والاعذار بكسر الهمزة، وبالعين المهملة، والذال المعجمة للختان، والوكيرة للبناء، والنقيعة لقدوم المسافر، مأخوذة من النقع وهو الغبار. (شرح النووي على صحيح مسلم: ۹/ ۲۱۷، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(۲) صحيح البخاري: ۲/ ۷۷۶، كتاب النكاح، تحت باب: الوليمة حق، رقم الهامش: ۵، ط: البدر-ديوبند.

(۳) قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان ...فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان؛ بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا، ووسيلة إلى جمع الدنيا. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۵۶، كتاب الإجارة، مطلب في الاستيجار على المعاصي، ط: دار الفكر-بيروت)

بغیر روضۂ اقدس کی جانب رُخ کر کے دعاء کرنا بہتر ہے، اگر چہ اِس صورت میں پشت قبلہ کی جانب ہو، ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن چوں کہ اِس شکل میں مبتدعین - جو قبروں سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں - سے مشابہت لازم آتی ہے، اِس وجہ سے وہاں ہاتھ اٹھانے سے روکا جاتا ہے۔ [۱] (مراقی الفلاح: ۴۰۶) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۶] دسویں محرّم یا اور کسی دِن فاتحہ دینا

۲۷۰-سوال: دسویں محرّم کو یا اور عام دنوں میں شربت یا کھانا کھلانے سے پہلے فاتحہ دینا (یعنی کھانا اور شربت پر فاتحہ پڑھنا) جائز ہے یا بدعت؟ اگر کوئی امام اِس طرح فاتحہ دے، تو اُس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً

مروجہ فاتحہ خوانی بدعت اور ناجائز ہے۔ [۳]

اس کے متعلق مزید تفصیل کے لیے گجراتی کتاب: احکام میت کا مطالعہ کریں۔

[۶۷] ۱- دولہے کا ہار پہننا

[۶۸] ۲- دولہا کو شادی کی تقریب پر سونے کی انگوٹھی ہدیہ دینا

۲۷۱-سوال: اگر دولہن کے رشتہ داروں میں سے کوئی دولہا کو ہدیہ کے طور پر سونے کی انگوٹھی

---

(۱) اگر ہاتھ اُٹھانا ہی ہو، تو قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اُٹھا کے دعا مانگے، تا کہ صاحبِ قبر سے مانگنے کا شبہ نہ ہو:

عن عبد الله، قال: " والله لكأني أرى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في غزوة تبوك، وهو في قبر عبد الله ذي البجادين وأبو بكر وعمر رضي الله تعالى عنهم، يقول: أدليا مني أخاكما، وأخذه من قبل القبلة حتى أسنده في لحده، ثم خرج النبي - صلى الله عليه وسلم - وولاهما العمل، فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه يقول: اللهم إني أمسيت عنه راضيا فارض عنه، وكان ذلك ليلا. فوالله لقد رأيتني ولوددت أني مكانه، ولقد أسلمت قبله بخمسة عشر سنة ". (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء - أبو نعيم أحمد بن عبد الله، الأصبهاني (م: ۴۳۰ھ): ۱/ ۱۲۲، المهاجرون من الصحابة، ط: دار الفكر، بيروت)

(۲) ثم تدعو بما شئت، ثم انهض متوجها إلى القبر الشريف فتقف بمقدار أربعة أذرع بعيدا عن المقصورة الشريفة بغاية الأدب، مستدبر القبلة. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - الشرنبلالي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۲۸۳، في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: المكتبة العصرية)

(۳) فتاویٰ رحیمیہ میں فتاویٰ سمرقندی کے حوالہ سے منقول ہے: قراءة الفاتحة والإخلاص والكافرون على الطعام بدعة. (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۱۱۶، کتاب السنۃ والبدعۃ، ط: دار الاشاعت، کراچی)

دے، تو اس کا قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ لے لے، تو اس کا کیا کرے؟ کیا وہ کسی کو بہ طور عطیہ دے سکتا ہے، یا اسے بیچ کر قیمت حاصل کر سکتا ہے؟

اسی طرح دولہا کو سہرا پہنانا یا پھولوں کا ہار پہنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہار پہنانا جائز ہو تو ہار کون سا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (۱) لیکن اگر کوئی اُسے سونے کی انگوٹھی بطور ہدیہ دے، تو اُس کا لینا جائز ہے، البتہ اُسے چاہیے کہ وہ انگوٹھی اپنی کسی رشتہ دار عورت کو دے دے، یا فروخت کر کے اُس کی قیمت حاصل کر لے۔

حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک مرتبہ ایک ریشمی قباء بہ طور ہدیہ آئی، آپ ﷺ نے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ تو اس کو ناپسند فرماتے ہیں، تو پھر میرے پاس کیسے بھیج دیا؟ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ میں نے آپ کے پاس پہننے کے لیے نہیں بھیجا ہے؛ بل کہ اس لیے بھیجا ہے کہ آپ اُسے فروخت کریں اور اس کی قیمت استعمال کر لیں، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے دو ہزار درہم میں بیچ دیا۔ (مختصر مفہوم از مسلم: ۲/ ۱۹۲)[۲]

شادی کی تقریب میں دولہے کو سہرا پہنانا ہندوانہ رواج ہے، اس لیے اُس کا پہننا جائز نہیں ہے،

---

(۱) إن نبي الله صلى الله عليه وسلم: أخذ حريرا فجعله في يمينه، وأخذ ذهبا، فجعله في شماله ثم قال: إن هذين حرام على ذكور أمتي. (سنن أبي داود، ص: ۵۶۱، رقم: ۴۰۵۷، كتاب اللباس، باب في الحرير للنساء، عن علي رضي الله تعالى عنه، ط: البدر - ديوبند☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۸/ ۱۶۰، رقم: ۵۱۴۴، ۵۱۴۵، ۵۱۴۶، كتاب الزينة، تحريم الذهب على الرجال، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(۲) جابر بن عبد الله، يقول: لبس النبي - صلى الله عليه وسلم - يوما قباء من ديباج أهدي له، ثم أوشك أن نزعه، فأرسل به إلى عمر بن الخطاب، فقيل له: قد أوشك ما نزعته يا رسول الله، فقال: نهاني عنه جبريل، فجاءه عمر يبكي، فقال: يا رسول الله، كرهت أمرا، وأعطيتنيه فما لي؟ قال: إني لم أعطكه لتلبسه، إنما أعطيتكه تبيعه، فباعه بألفي درهم. (صحيح مسلم: ۲/ ۱۹۲، رقم: ۱۲ - (۲۰۷۰)، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء... الخ، ط: البدر - ديوبند)

آپ ﷺ کا فرمان ہے: "من تشبه بقوم فهو منهم". (۳) کہ جو شخص کسی غیر مسلم قوم کی وضع اختیار کرے، اُس کا شمار اُن ہی میں ہوگا۔ نیز اُس میں فضول خرچی بھی ہے، اس لیے بھی جائز نہیں، پھولوں کا ہار خلافِ سنت ہے، اُس میں بھی فضول خرچی اور غیروں سے مشابہت ہے، مگر اُس کی قباحت سہرا کے مقابلہ میں کم ہے، تاہم مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر اُس سے بچنا اولیٰ ہے۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۹] ایک مہینے میں تین نکاح کرنے سے کوئی مصیبت آسکتی ہے؟

۲۷۲-سوال: میرے ایک چھوٹے بھائی اور دو بہنوں کا رشتہ طے ہوا ہے، دونوں بہنوں کے سسرال کے رشتہ داروں کا اصرار یہ ہے کہ ربیع الآخر ہی میں نکاح ہو جائے، اور ہم بھی اپنے بھائی کا نکاح اُسی مہینے میں کرنے کی سوچ رہے ہیں؛ لیکن ہمارے گھر کی عورتیں اور بعض جاہل رشتہ داروں کا یہ کہنا ہے کہ ایک ہی دن ایک شامیانے میں تین نکاح نہیں ہو سکتے، اگر ایسا کیا گیا، تو آفات آئیں گی، اِن بے بنیاد باتوں کی وجہ سے گھر کی عورتوں میں اختلاف بڑھتا جا رہا ہے، تو کیا ایک ہی مہینے میں اگر تین نکاح پڑھے گئے، تو اُس کی وجہ سے کوئی مصیبت کھڑی ہو سکتی ہے؟ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ ربیع الآخر کے بعد جمادیٰ الاولیٰ میں تین نکاح ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں، تا کہ گھر کی عورتوں کی غلط فہمی دور ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مسئولہ میں عورتوں کا عقیدہ بالکل غلط ہے، ایک مہینہ، ایک ہفتہ بل کہ ایک ہی دن میں تین، تیرہ یا تئیس نکاح کرانا بھی جائز ہے، از روئے شریعت میرا مشورہ یہ ہے کہ بہنوں کے نکاح سے ایک دن

(۳) سنن أبي داؤد ص:۵۵۹، رقم:۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ط: البدر - ديوبند.

سہرا ہندوانہ رسم ہے، اُن ہی سے لی گئی ہے، وہ تاروں کو باندھتے ہیں، مسلمانوں نے پھولوں کا بنانا شروع کر دیا ہے؛ مگر رسم اُن ہی کی ہے اور قابلِ ترک ہے۔ (کفایت المفتی، کتاب الحظر والاباحۃ، تیسرا باب: رسوم مروجہ، ۸۸/۹، ط: نعمانی پریس، دہلی)

(۴) وفي الفتاوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس أي لبسها، و تشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق أي وهو من شعارهم، أو شد في الوسط خيطا كفر، إذا كان متشابها بخيطهم أو ربطهم أو سماه زنارا ... ولو شبه نفسه باليهود و النصارى أي صورة أو سيرة على طريق المزاح والهزل أي ولو على هذا المنوال كفر. (شرح الفقه الأكبر ص:۲۲۷، فصل: في الكفر صريحا و كناية، ط: ياسر نديم - ديوبند)

چوں کہ ہار پہننے میں غیروں کی مشابہت لازم آتی ہے، البتہ یہ ان کا مذہبی شعار نہیں ہے، اس لیے تکفیر نہیں کی جائے گی، البتہ مشابہت کی بناء پر اس سے احتراز لازم ہوگا۔

پہلے اپنے بھائی کا نکاح کروادیں، میاں بیوی کی خلوت بھی ہوجائے، پھر ولیمہ کردیں، جس میں بہنوں کی شادی میں آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی بھی ہوجائے گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس نکاح میں خرچ کم ہو، اُس میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔ (حدیث شریف)[1]

سوال میں مذکور عقیدے کے علاوہ اور بھی بہت سے مہینے اور دِنوں کے متعلق عورتوں میں یہ غلط بات پھیلی ہوئی ہے کہ وہ منحوس ہیں، حالاں کہ یہ عقیدہ بالکل خلافِ شریعت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ہے کہ کسی بھی چیز میں نحوست نہیں ہوتی۔ (بخاری شریف)[2]

بعض عورتیں بعض مہینوں کو خالی مانتی ہیں، یعنی وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اس میں کوئی بھی کارِ خیر یا بڑا اہم کام نہیں ہوسکتا، یہ عقیدہ رکھنا ناجائز ہے، اس طرح کے عقائد غیر مسلمین سے اختلاط ومخالطت کی وجہ سے ہمارے معارے میں پھیل گئے ہیں۔

بعض عورتیں شوال کے مہینے کو نحوست والا مانتی ہیں، حالاں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا نکاح شوال میں ہوا، رخصتی بھی شوال میں ہوئی، رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے جتنی محبت تھی، ازواجِ مطہرات میں سے کسی اور سے اتنی نہیں تھی۔ (حدیث شریف)[3]

آپ اگر تینوں نکاح ربیع الآخر ہی میں کریں، تو آپ کو ایک سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، اُس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ہے کہ ”جو شخص میری امت میں فتنہ وفساد کے موقع پر میری کسی ایک سنت کو زندہ کرے گا، تو اُسے سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔“ (حدیث شریف)[4]

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها قالت: أعظم النكاح بركة أيسرها مؤنة. (مسند أبي داود الطيالسي (م: ۲۰۴ھ): ۳/ ۴۶، رقم: ۱۵۳۰، ط: دار هجر - مصر)

(وانظر مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۲/ ۳۴۶، رقم: ۲۴۵۲۹، ☆ شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي: ۸/ ۵۰۱، رقم: ۶۱۴۶، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا عدوى، ولا طيرة، ولا هامة، ولا صفر، وفر من المجذوم كما تفر من الأسد. صحيح البخاري: ۲/ ۸۵۰، رقم: ۵۷۰۷، كتاب الطب، باب الجذام، ط: البدر، ديوبند)

(۳) عن عائشة رضي الله عنها قالت: تزوجني رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في شوال، وبنى بي في شوال، فأي نساء رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كان أحظى عنده مني. قال: وكانت عائشة تستحب أن تدخل نساءها في شوال. (صحيح مسلم: ۱/ ۴۵۶، رقم: ۷۳ - (۱۴۲۳)، كتاب النكاح، باب استحباب التزوج والتزويج في شوال... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۴) من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد. (أمالي ابن بشران - أبو القاسم عبد الملك بن محمد ابن=

لہٰذا دیگر اقوام کے رسوم و رواج اور اُن کے غلط عقائد پر کاری ضرب لگائیں، اپنے عقائد درست کریں اور اصلاح کی خاطر تینوں نکاح اسی مہینے میں پڑھا کر ایک سو شہیدوں کا ثواب حاصل کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۰] قبر پر چادر چڑھانا

۲۷۳-سوال: حضرت مفتی صاحب میرے پاس لندن سے ایک صاحب کا خط آیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ کسی بزرگ کی درگاہ پر ہرے رنگ کی چادر چڑھا دینا؛ لیکن مجھے علم نہیں کہ شریعت کے احکام کی رو سے چادر چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ لہٰذا اس کا جواب بالتفصیل اسی کاغذ کے پیچھے تحریر فرمادیں؛ تاکہ میں اسے لندن بھیج سکوں۔

الجواب حامداومصلیا:

مرنے کے بعد میت کو اگر وہ نیک ہے، تو اس کے اعمال نیک کی وجہ سے سکون واطمینان اور راحت حاصل ہوتی ہے؛ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔“[1] اگر میت کے اعمال اچھے نہ ہوں، تو قبر پر گنبد بنانے یا چادر چڑھانے سے میت کو رتی برابر بھی فائدہ نہیں ہوگا؛ بل کہ چادر چڑھانے والے کا مال برباد ہوگا اور مال کو برباد کرنا فضول خرچی اور حرام ہے۔[2] فضول خرچی کا بھی گناہ ہوگا اور چادر چڑھانے والے کے عقیدے میں بھی خرابی آئے گی، یہ دوسرا گناہ ہوگا؛ اس لیے چادر چڑھانا جائز نہیں ہے۔[3] مذکورہ شخص نے چادر

بشران بن مهران البغدادي (م: ۴۳۰هـ): ۱/ ۲۱۸، رقم: ۵۰۱، ضبط نصه: أبو عبد الرحمن عادل بن يوسف العزازي، ط: دار الوطن - الرياض)

المتمسك بسنتي عند فساد أمتي، له أجر مائة شهيد. (الإبانة الكبرى - ابن بطة العكبري (م: ۳۸۷هـ): ۱/ ۳۴۲، رقم: ۲۱۳، باب ما أمر به من التمسك بالسنة والجماعة ... الخ، ت: رضا معطي، وعثمان الأثيوبي، ويوسف الوابل، ط: دار الراية للنشر والتوزيع - الرياض ☆ المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ): ۵/ ۳۱۵، رقم: ۵۴۱۴، ت: طارق بن عوض الله، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة)

(۱) قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: ”إنما القبر روضة من رياض الجنة أو حفرة من حفر النار.“ (سنن الترمذي: ۲/ ۷۳، رقم الحديث: ۲۴۶۰، أبواب صفة القيامة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۲) ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [۶- الأنعام: ۱۴۱]

(۳) تكره الستور على القبور. (رد المحتار: ۲/ ۲۳۸، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ط: دار الفكر)

چڑھانے کی منت مانی ہو، تو وہ منت بھی صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ منت صرف عبادت و بندگی کی ہوتی ہے، گناہ کے کام کی منت جائز نہیں ہے۔[1] لہٰذا چادر چڑھانا جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۱] قبر پر پھول چڑھانا، اگربتی جلانا اور روشنی کرنا

۲۷۴-سوال: قبر پر پھول چڑھانا کیسا ہے؟ اسی طرح اگربتی اور دیئے وغیرہ روشن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

قبر پر اگربتی جلانا اور روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچی کی وجہ سے حرام ہے اور پھول چڑھانا بھی چوں کہ مال برباد کرنا ہے؛ اس لیے ناجائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۰۸/۱۲/۱۹۷۶ء

[۷۲] قبر پر اذان دینا، فاتحہ کرانا اور پھول چڑھانا

۲۷۵-سوال: ہمارے یہاں میت کے دفن کے وقت قبر میں اذان دی جاتی ہے، اسی طرح

---

(۱) (أن لا يكون معصية لذاته) قال ابن عابدين:" قال في الفتح : وأما كون المنذور معصية يمنع انعقاد النذر، فيجب أن يكون معناه إذا كان حراما لعينه أو ليس فيه جهة قربة. (رد المحتار: ۳/۷۳۶، كتاب الإيمان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن ابن عباس، قال: «لعن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج». (سنن أبي داؤد: ۲/۴۶۱، رقم الحديث: ۳۲۳۶، كتاب الجنائز، باب في زيارة النساء القبور، ط: الكتبة الأشرفية - ديوبند☆سنن الترمذي: ۱/۷۳، رقم الحديث: ۳۲۰، أبواب الصلاة، باب ماجاء في كراهية أن يتخذ على القبر مسجداً، ط: البدر - ديوبند☆سنن النسائي: ۴/۹۴، رقم الحديث: ۲۰۴۳، كتاب الجنائز، التغليظ في اتخاذ السرج على القبور، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

قال علي القاري بذيل هذا الحديث: والنهي عن اتخاذ السرج لما فيه من تضييع المال؛ لأنه لا نفع لأحد من السراج، ولأنها من آثار جهنم، وإما للاحتراز عن تعظيم القبور. (مرقاة المفاتيح: ۲/ ۶۱۹، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، رقم الحديث: ۷۴۰، ط: دار الفكر - بيروت)

وفي الدر المختار: وما يؤخذ من الدراهم، والشمع، والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقربا إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۳۹، كتاب الصوم، مطلب في صوم الست من الشوال، بيروت)

قبر پر پھول چڑھانے کے سلسلے میں تفصیلی فتویٰ ملاحظہ ہو: امداد الاحکام: ۱/ ۱۸۴، کتاب السنۃ والبدعۃ، ط: زکریا بک ڈپو، دیوبند۔

دفن کے بعد فاتحہ نیز چالیس قدمی فاتحہ اور قبر میں پھول، صندل ڈالنے اور اس طرح کی بہت سی چیزوں کے کرنے کا رواج ہے، آپ رہنمائی فرمائیں کہ ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر میں یا قبر کے اوپر اذان دینا[(۱)] اور دفن کے بعد فاتحہ یا چالیس قدمی فاتحہ، اسی طرح قبر میں پھول اور صندل ڈالنا؛ ان میں سے کچھ بھی نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا یہ سب امور ناجائز و بدعت ہیں۔[(۲)] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جو شخص دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے، وہ مردود ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی خلاف سنت چیزیں لوگ 'سنت' سمجھ کر کرتے ہیں، یہ سب امور ناجائز اور بدعت ہیں۔[(۳)] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۳] قبر کے پاس اگربتی جلانا

۲۷۶-سوال: قبرستان میں کچی یا پکی قبر کے پاس لوبان یا اگربتی جلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبروں پر چراغاں کرنا یا اگربتی جلانا جائز نہیں، حرام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ایسے انسان پر، جو قبروں کو مسجد بنادے (کہ قبر کو سجدہ کرتا ہو) اور

---

(۱) لا يسن الأذان عند إدخال الميت في قبره، كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة. وقال: ومن ظن أنه سنة قياسا على ندبهما للمولود إلحاقا لخاتمة الأمر بابتدائه فلم يصب. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۱۳۹، باب في صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، كتاب الصلاة، ت: عادل أحمد الموجود، علي محمد معوض، ط: دار عالم الکتب، الریاض، طبع خاص: ۱۴۲۳ھ= ۲۰۰۳ء)

(۲) ويكره النوم عند القبر... وكل ما لم يعهد في السنة، والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائما، كما كان يفعل صلى الله عليه وسلم في الخروج إلى البقيع. (فتح القدير: ۲/ ۱۴۲، فصل في الدفن قوله ويلحد السنة عندنا اللحد الخ، ط: دار الفكر، بيروت. والفتاوى الهندية: ۱/ ۱۸۳، كتاب الصلاة، باب في الجنائز والنقل من مكان إلى مكان آخر، الفصل السادس في القبر والدفن، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول: ۱۴۲۱ھ= ۲۰۰۰ء)

(۳) من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ط: البدر-ديوبند ☆ صحيح مسلم: ۲/ ۷۷، رقم: ۱۷-(۱۷۱۸)، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ط: فيصل-ديوبند)

دیے (چراغ) جلاتا ہو۔ (ابوداؤد شریف، ترمذی، نسائی شریف، مشکوۃ شریف: ۱/۷۱)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۴] حقانی صاحب اور قبروں پر پھول چڑھانا

۲۷۷-سوال: جناب محمد پالن حقانی صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے، لوگوں کا خیال ہے کہ اس کتاب سے قبروں پر پھول چڑھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور کیا حقانی صاحب مستند عالم ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

حقانی صاحب نے خود لکھا ہے کہ میں عالم نہیں ہوں، اس مسئلہ میں ان سے تسامح ہوا ہے، بعض علماء نے پھول کی چادر چڑھانے کو جائز کہا ہے، لیکن علماءِ محققین نے منع کیا ہے، درمختار میں ہے کہ پھول کی چادر چڑھانے کا مقصد یہ ہو کہ میت مجھ سے راضی ہوجائے، تو پھول چڑھانا حرام ہے، اگر مقصد قبر کی زینت ہو، تو مکروہ ہے؛ کیوں کہ قبر کو مزین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، قبرستان میں جانے کا اصل مقصد آخرت کو یاد کرنا ہے۔ (ماۃ مسائل: ص۵۷)[2] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن ابن عباس، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج. (سنن الترمذي: ۱/ ۷۳، رقم الحديث: ۳۲۰، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يتخذ على القبر مسجدا، ط: البدر - ديوبند☆سنن أبي داؤد: ۲/ ۴۶۱، رقم الحديث: ۳۲۳۶، كتاب الجنائز، باب في زيارة النساء القبور، ط: البدر - ديوبند☆سنن النسائي: ۴/ ۹۴، رقم الحديث: ۲۰۴۳، التغليظ في اتخاذ السرج على القبور، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

قال الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): (والسرج): جمع سراج، والنهي عن اتخاذ السرج لما فيه من تضييع المال، لأنه لا نفع لأحد من السراج، ولأنها من آثار جهنم، وإما للاحتراز عن تعظيم القبور، كالنهي عن اتخاذ القبور مساجد، كذا قاله بعض علمائنا. (مرقاة المفاتيح: ۲/ ۶۱۹، رقم الحديث: ۷۱۰، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے، فتاویٰ رحیمیہ جدید: ۲/ ۲۱۶، ط: دارالاشاعت کراچی، بہ حوالہ ماۃ مسائل، وامداد المسائل ترجمہ ماۃ مسائل۔

وكذلك ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشيء. (عمدة القاري: ۳/ ۱۲۱، كتاب الوضوء، من الكبائر أن لا يستتر من بوله، ط: دار إحياء التراث العربي)

في الأحكام عن الحجة: تكره الستور على القبور. اھ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۳۸، مطلب في دفن الميت، باب صلاة الجنازة، ط: بيروت)

[۷۵] پختہ قبر کو توڑ کر کچی قبر بنانا

۲۷۸-سوال: ''صوفی باغ'' مدرسہ میں حضرت شاہ صوفی صاحب لاجپوریؒ کا مزار ہے، اس مزار کو ان کے عقیدت مندوں نے برسوں پہلے پختہ بنایا تھا، قبر زمین سے تین فٹ لمبی، پانچ فٹ چوڑی ہے اور سنگ مرمر کے پتھروں سے پختہ بنائی گئی ہے، تو اگر شرعاً اس طرح کی قبر نا جائز ہو، تو پتھر اکھاڑ کر اس قبر کو مٹی کی بنا دینا کیسا ہے؟ اگر ان کے مزار کو اسی طرح پختہ رہنے دیا جائے، تو اس کے جو ذمہ داران و متولیان ہیں، وہ گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟

نیز ان بزرگ کی تاریخ وفات پر مدرسہ کے بچوں سے تقریر کرانا، ایصال ثواب کرانا اور کوئی پروگرام رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر جس حالت میں ہے، اسی حالت میں رہنے دیجیے، ورنہ صاحب قبر کی بے حرمتی کی جائے گی، کوئی کہے گا کہ قبر کو مٹی کی بنا دو، تو کوئی کہے گا کہ اس پر سنگ مرمر لگاؤ؛ لہٰذا ان اختلافات سے بچنے کے لیے'' قبر'' جس حالت میں ہے، اسی حالت پر برقرار رکھی جائے، اس کو توڑ پھوڑ کر کے بے حرمتی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ پختہ قبر کو منہدم کر کے کچی قبر کا نشان باقی رکھا جائے، چناں چہ مروی ہے: عن أبي الهياج الأسدي، قال: قال لي علي بن أبي طالب: ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ «أن لا تدع تمثالا إلا طمسته ولا قبرا مشرفا إلا سويته». (صحيح مسلم: ۱/ ۳۱۲، رقم الحديث: ۹۳-(۹۶۹)، كتاب الجنائز، باب: الأمر بتسوية القبر، ط: فیصل پبلیکیشنز، دیوبند)

قال علي القاري في شرحه: (ولا قبرا مشرفا) هو الذي بني عليه حتى ارتفع دون الذي أعلم عليه بالرمل والحصباء، أو محسومة بالحجارة ليعرف ولا يوطأ. (إلا سويته) في الأزهار قال العلماء: يستحب أن يرفع القبر قدر شبر، ويكره فوق ذلك، ويستحب الهدم، ففي قدره خلاف، قيل إلى الأرض تغليظا، وهذا أقرب إلى اللفظ، أي: لفظ الحديث من التسوية، وقال ابن الهمام: هذا الحديث محمول على ما كانوا يفعلونه من تعلية القبور بالبناء العالي، وليس مرادنا ذلك بتسنيم القبر بل بقدر ما يبدو من الأرض، ويتميز عنها، والله سبحانه أعلم. (مرقاة المفاتيح: ۴/ ۱۵۵، رقم الحديث: ۱۶۹۶، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

لیکن اگر قبر کو منہدم کرنے میں فتنہ، فساد اور قبر کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو، تو اس سے اجتناب لازم ہے۔ (خیال ہوتا ہے کہ=

[۷۶] شب براءت میں قبروں پر پانی ڈالنا

۲۷۹-سوال: بہت سے لوگ شب براءت (۱۵؍شعبان کی رات) میں قبرستان جاکر قبر پر پانی ڈالتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شب براءت میں قبر پر پانی چھڑکنا ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔[1] البتہ قبر کی مٹی اگر ہٹ گئی ہو، تو نئی مٹی ڈال کر پانی چھڑکنا جائز ہے۔[2] لیکن اسی رات میں یہ کام کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا جائز نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۷] قبروں پر رسم ورواج کے طور پر روپیہ پیسہ ڈالے جانے کا مسئلہ

۲۸۰-سوال: ہمارے گاؤں میں ایک ہندو مزدور مرگیا، ہندوانہ رسم کے موافق اس کی آخری رسومات ادا کی گئیں، آخری رسومات میں شرکت کی غرض سے آئے ہوئے لوگوں نے اس کی سمادھی (قبر) پر

= حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کی بنیاد وحکمت یہی ہے) چناں چہ ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں: ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراما وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروها ندب، والأمر بالمعروف أيضا تبع لما يؤمر به... وشرطهما أن لا يؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث (من رأى منكم منكرا، الخ) وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لا يقبل فيستحسن إظهار شعار الإسلام. (مرقاة المفاتيح: ۳۲۶/۹، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، رقم الحديث: ۵۱۳۷)

وكره أبو حنيفة - رحمه الله - أن يوطأ على قبر، أو يجلس عليه، أو ينام عليه أو تقضى عليه حاجة من بول أو غائط لما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه نهى عن الجلوس على القبور. (بدائع الصنائع: ۳۲۰/۱، كتاب الصلاة، فصل: في سنة الدفن، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۳۷۱/۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ط: البدر - ديوبند)

(۲) وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها، كذا في التتارخانية، وهو الأصح وعليه الفتوى، كذا في جواهر الأخلاطي. (الفتاوى الهندية: ۱۸۲/۱، كتاب الصلاة، باب في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

ولا بأس برش الماء على القبر؛ لأنه تسوية. (بدائع الصنائع: ۳۲۰/۱، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل في سنة الدفن، ط: دار الكتب العلمية بيروت- لبنان الطبعة الثانية: ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء)

پانچ پیسے، دس پیسے، ۲۵ / پیسے، اسی طرح سکے ڈالنے لگے، سادھی پر چڑھائی گئی کل رقم پانچ روپے، پچاس پیسہ ہوئی، تین دن کے بعد میں اسے لے آیا اور خرچ کر دیا، جب گھر والوں کو پتہ چلا، تو کہنے لگے کہ وہ پیسے نہیں لینے چاہیے، اب کوئی نہ کوئی بلا ضرور آئے گی، کسی بھی طرح وہ پیسے تجھ کو نقصان پہنچائیں گے، سوال یہ ہے کہ اس پیسے کے لینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفع ونقصان کا مالک اللہ ہے، شیاطین وجن نہیں ہیں؛ ''مذکورہ پیسے سے آپ کو شیطان کچھ نہ کچھ نقصان پہنچائے گا'' یہ من گھڑت باتیں ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، جن لوگوں کا اس طرح کا عقیدہ ہے، انہیں اپنے عقیدے کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، اس سلسلے میں میری کتاب ''عقائد اسلام''[1] ٹکٹ بھیج کر منگوالیں اور مطالعہ کریں۔

البتہ جو پیسے قبر پر ڈالے گئے تھے، ان کا استعمال کرنا آپ کے لیے جائز نہیں تھا؛ اس لیے کہ وہ ان ہی کی ملکیت میں تھے، جنہوں نے ڈالے تھے، قبر پر ڈالنے سے ان کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگئے، ان کی اجازت کے بغیر آپ نے ان رقوم کو استعمال کیا، جو بلا شبہ ایک ناجائز کام ہوا۔[2] لہٰذا جو پیسے آپ نے قبر سے اٹھائے ہیں، وہ ان کے مالک کے حوالے کردیں، تو آپ ذمہ داری سے سبک دوش ہوجائیں گے۔ اور اگر مالک لینے سے انکار کردے، اور آپ غریب ومحتاج ہیں، تو خود آپ کے لیے بھی استعمال کرنا صحیح ہے اور اگر غنی ہیں، تو پھر کسی غریب ومحتاج کو دینے سے آپ بری الذمہ ہوجائیں گے۔[3] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۱) الحمدللہ اب یہ کتاب بزبان اردو ''عقائد اسلام'' کے نام سے حافظ امجد مفتی احمد بیمات صاحب کے زیر اہتمام شائع ہوچکی ہے۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ [۲-البقرة:۱۸۸]

لأنه لا حق له في مال الغير حتى يكون الإذن إسقاطا لحقه. (رد المحتار على الدر المختار: ۶ / ۱۷۵، كتاب المأذون، فروع أقر الصبي والمعتوه الخ، ط: دار الفكر-بيروت)

لأن الإنفاق من مال الغير، لا يجوز إلا بإذنه نصا. (بدائع الصنائع-علاء الدين، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۶ / ۷۲، كتاب الشركة، أنواع الشركة، فصل في حكم الشركة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

والتصرف في مال الغير حرام فيجب التحرز عنه. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۶ / ۱۲۸، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، فصل في بيان التصرف في المبيع الخ، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) (الوصية المطلقة)... (لا تحل للغني) لأنها صدقة، وهي على الغني حرام. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶ / ۶۹۸، كتاب الوصايا، فصل في وصايا الذمي وغيره، فروع: أوصى بثلث ماله، ط: دار الفكر-بيروت)

[۷۸] دعاءِ ثانی (فاتحہ) جہراً پڑھ کر دیگر نمازیوں کو خلل پہنچانا

۲۸۱-سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد میں پنج وقتہ نماز کے بعد امام صاحب بالجہر دعاء کراتے ہیں، بعض لوگ اُس وقت اپنی سنن ونوافل وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں، اُن کو اس عمل کی وجہ سے نماز میں خلل ہوتا ہے، تو کیا اِن کی رعایت کرتے ہوئے اس کو موخر نہیں کیا جاسکتا ہے؟ یا ہر نمازی اپنی جانب سے انفرادی طور پر پڑھ لے، تو اس میں کوئی حرج ہے؟ دعاء کو ضروری سمجھ لیا جائے، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دعاء کے معنی ہیں: بندے کا اللہ تعالیٰ سے مانگنا۔ [۱] نماز چوں کہ ایک عبادت ہے، اور ہر عبادت اور نیک عمل کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے۔ [۲] اس لیے نماز کے بعد بھی دعاء مانگی جاتی ہے، جو کہ ایک مسنون عمل ہے۔ [۳] نماز کی صحت اُس پر موقوف نہیں ہے، چوں کہ ہر ایک کی حاجت مختلف ہوتی ہے؛ اس لیے یہ (دعاء) ہر نمازی کا انفرادی عمل ہے، اجتماعی نہیں۔ [۴] لہٰذا مجمع کا ایک ساتھ پڑھنا، جس سے دوسرے

---

(۱) وقد قال الخطابي: حقيقة الدعاء استدعاء العبد من ربه العناية واستمداده إياه المعونة، وحقيقته إظهار الافتقار إليه، والبراءة من الحول والقوة التي له، وهو سمة العبودية وإظهار الذلة البشرية، وفيه معنى الثناء على الله، وإضافة الجود والكرم إليه. (إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين: ۵/ ۲۷-۲۸، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) عن عثمان بن حنيف، أن رجلا ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ادع الله لي أن يعافيني فقال: إن شئت أخرت لك وهو خير، وإن شئت دعوت، فقال: ادعه، فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، ويصلي ركعتين، ويدعو بهذا الدعاء: اللهم إني أسألك، وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة، يا محمد إني قد توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى، اللهم فشفعه في. (سنن ابن ماجة، ص:۹۹، رقم: ۱۳۸۵، كتاب الصلوة، ما جاء في صلاة الحاجة، ط: فيصل-ديوبند)

(۳) عن أبي أمامة قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي: ۲/ ۱۸۷، رقم: ۳۴۹۹، أبواب الدعوات، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(۴) واعلم أن السنة الأكثرية بعد الصلوات: الانصراف إلى البيوت بدون مكث إلا بقدر خروج النساء. وكان في الأذكار والأدعية كلّ أمير نفسه، ولم تثبت شاكلة الجماعة فيها، كما هو المعروف الآن، إلا في نزر من المواضع. (فيض الباري: ۲/ ۳۱۷، كتاب الأذان، باب مكث الإمام في مصلاه بعد السلام، ط: تحت إشراف المجلس العلمي بدابيل، سورت-غجرات)

نمازیوں کو خلل ہو، جائز نہیں ہے، نیز اس عمل کو ضروری سمجھ لینا بھی جائز نہیں، اگر ضروری سمجھ کر پڑھا جارہا ہے، تو یہ بدعت میں شامل ہو کر گناہ کا باعث ہوگا، دعاء کے متعلق قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ : "اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (۵) یعنی تم اپنے رب سے عاجزی اور آہستگی سے دعاء مانگو۔ اس ارشادِ ربانی کے پیش نظر دعاء بالجہر کو ضروری سمجھنا بدعت ہے، جو حرام ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷۹] فرض نماز کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر بہ آواز بلند دعا کرنا

۲۸۲-سوال: فرض نماز اور سنن ونوافل سے فراغت کے بعد امام صاحب دعاء مانگتے ہیں اور مقتدی حضرات اس پر آہستہ سے آمین کہتے ہیں، دعا کے اختتام پر امام صاحب بہ آواز بلند "الفاتحة" کہتے ہیں، پھر امام اور مقتدی حضرات سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں، اس کے بعد امام صاحب مختصر دعا کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا پانچوں نماز کے بعد ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دعا کا مطلب ہے "اپنے آپ کو عاجز اور کمزور سمجھ کر اپنے رب سے اپنی ضروریات کو مانگنا"۔ (۱) نماز سے فراغت کے بعد امام کو زور زور سے دعا کرنے کے لیے مجبور کرنا، (۲) دعا کیے بغیر مسجد سے

---

(۵)-۷الأعراف:۵۵.

(۱) قال ابن حجر معزيا إلى الطيبي: الدعاء هو إظهار غاية التذلل والافتقار إلى الله والاستكانة له. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني: ۱۱/۹۵، كتاب الدعوات، ط: دار المعرفة-بيروت☆فيض القدير-المناوي: ۴/۴۲، حرف الهمزة، ط: المكتبة التجارية الكبرى، مصر)

(۲) گرچہ بعض وجوہات کی بناء پر بلند آواز سے دعا کرنا جائز ہے: وقيل الجهر أفضل لأحاديث كثيرة، منها ما رواه ابن الزبير كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم- إذا سلم من صلاته قال بصوته الأعلى: لا إله إلا الله وحده لا شريك له... ولأنه أكثر عملا وأبلغ في التدبر ونفعه متعد لإيقاظ قلوب الغافلين. لیکن آہستہ دعا کرنا افضل ہے: اختلف هل الإسرار في الذكر أفضل؟ فقيل: نعم لأحاديث كثيرة تدل عليه، منها: خير الذكر الخفي، وخير الرزق ما يكفي، ولأن الإسرار أبلغ في الإخلاص وأقرب إلى الإجابة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۱۸، فصل في صفة الأذكار، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وفي المرقاة: وحمل الشافعي- رحمه الله تعالى- جهره هذا على أنه كان لأجل تعلم المأمومين لقوله تعالى: ولا تجهر بصلاتك. الآية، [۱۷-الإسراء: ۱۱۰] نزلت في الدعاء كما في الصحيحين، واستدل البيهقي وغيره لطلب الإسرار بخبر الصحيحين: أنه عليه السلام أمرهم بترك ما كانوا عليه من رفع الصوت بالتهليل والتكبير، =

نکلنے پر پابندی لگانا، یا اتنی بلند آواز سے دعا کرنا کہ سنن ونوافل پڑھنے والوں کی نمازوں میں خلل واقع ہو؛ یہ سب ناجائز ہیں؛ اس لیے اس طریقے سے دعا نہیں کرنی چاہیے۔ (۳)

نیز دعا میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اس بناء پر اس طریقے سے دعا کرنا بدعت ہوگا اور ہر بدعت حرام ہے۔ اس صورت میں امام خود بھی گنہ گار ہوگا اور مقتدی حضرات بھی، نیز ایسے امام کو (جو بدعت کو رواج دے) منصب امامت سے الگ کرنا بھی متولی حضرات کی ذمہ داری ہے، ورنہ وہ بھی گنہ گار ہوں گے، ہاں! دعا کی جائز صورت یہ ہے کہ ہر شخص سنن اور نوافل سے فراغت کے بعد اپنی ضروریات اپنے رب کے حضور پیش کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

= وقال: " «إنكم لا تدعون أصم ولا غائبا إنه معكم إنه سميع قريب »" اهـ. (مرقاة المفاتيح: ۲/ ۷۶۰، رقم الحديث: ۹۵۹، باب الذكر بعد الصلاة، ط: دار الفكر بيروت)

وقال الله تعالى: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ. [۷- الأعراف: ۲۰۵] قال الألوسي تفسيرا لهذه الآية الكريمة: فيه تجريد الخطاب إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وهو عام لكل ذكر، فإن الإخفاء أدخل في الإخلاص وأقرب من القبول... والمراد بالجهر رفع الصوت وبما دونه نوع آخر من الجهر، قال ابن عباس -رضي الله تعالى عنهما- هو أن يسمع نفسه. (روح المعاني: ۵/ ۱۴۳، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وفي الدر المختار: هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل نعم. وفي شرحه لابن عابدين: وعن النبي -صلى الله عليه وسلم- أنه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنازة... وقد حرر المسألة في الخيرية وحمل ما في فتاوى القاضي على الجهر المضر، وقال: إن هناك أحاديث اقتضت طلب الجهر، وأحاديث طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص، والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذي المصلين أو النيام، والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر. (رد المحتار: ۶/ ۳۹۸، الحظر والإباحة، ط: دار الفكر بيروت)

(۳) ورحم الله طائفة من المبتدعة في بعض أقطار الهند، حيث واظبوا على أن الإمام ومن معه يقومون بعد المكتوبة بعد قراءتهم: اللهم أنت السلام ومنك السلام... الخ، ثم إذا فرغوا من فعل السنن والنوافل، يدعوا الإمام عقب الفاتحة جهرا بدعاء مرة ثانية، والمقتدون يؤمنون على ذلك، وقد جرى العمل منهم بذلك على سبيل الالتزام والدوام؛ حتى أن بعض العوام اعتقدوا أن الدعاء بعد السنن والنوافل باجتماع الإمام والمأمومين ضروري واجب... ومن لم يرض بذلك يعزلونه عن الإمامة، ويطعنونه، ولا يصلون خلف من لا يصنع بمثل صنيعهم. وأيم الله إن هذا أمر محدث في الدين. (إعلاء السنن: ۳/ ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب الانحراف بعد السلام وكيفية سنية الدعاء والذكر بعد الصلاة، ط: إدارة القرآن- كراتشي)

[۸۰] قرآنِ پاک ہاتھ سے گر جانے پر سوا سیر گیہوں کے صدقے کا عقیدہ

۲۸۳-سوال: ہمارے گاؤں میں یہ رواج ہے کہ جب کسی کے ہاتھ سے قرآن پاک گر جائے تو اُس کو سوا سیر گیہوں دینا پڑتا ہے، ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸۱] دولہا، دولہن کو ہلدی اور ابٹن لگانا کیسا ہے؟

۲۸۴-سوال: شادی سے چند دنوں قبل دولہا اور دلہن کے بدن اور چہرے پر ہلدی لگائی جاتی ہے، ہلدی لگانے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی رسوم ادا کی جاتی ہیں، تو کیا ہلدی لگانے کی درج ذیل شکل پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ لڑکا کو اس کے دوست واحباب ایک ایسے کمرے میں لے جا کر ہلدی لگائیں، جہاں ان دوستوں کے علاوہ کوئی نہ آ سکے، اسی طرح لڑکی کی سہیلیاں اسے ایک کمرے میں لے جائیں، اور ہلدی لگا دیں، اس صورت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہلدی بھی لگ جائے گی اور دوسرے لوگ، جو مختلف رسم ورواج ادا کرتے ہیں، ان سے بھی حفاظت ہو جائے گی؟

الجواب حامداومصلیا:

''ہلدی'' دولہا ہو یا دولہن، دونوں کو لگانا حرام ہے؛ اس لیے کہ:

(۱) غیر قوم کی مشابہت لازم آتی ہے۔ [۲]

(۲) اسراف (فضول خرچی) ہے۔ [۳]

---

(۱) قال العلامة المناوي رحمه الله تعالى تحت حديث: من أحدث في أمرنا هذا ": أي أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه... (ماليس منه) اي رأيا ليس له في الكتاب، أو السنة، عاضد ظاهر أو خفي، ملفوظ أو مستنبط (فهو رد) أي مردود على فاعله لبطلانه. (فيض القدير: ۱۱/ ۵۵۹۳، رقم الحديث: ۳۳۸۳، مكتبة نزار مصطفى الباز، رياض)

(۲) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من تشبه بقوم فهو منهم». (سنن أبي داؤد، ص: ۵۵۹، رقم: ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ط: البدر - ديوبند)

(۳) {والذين إذا أنفقوا} الآية فذلك دليل على أن الإسراف والتقتير حرام. (الكسب - أبو عبد الله محمد بن الحسن الشيباني، ص: ۷۹، الناشر: عبد الهادي حرصوني - دمشق)

(۳) اس حالت میں نماز کا ترک لازم آتا ہے۔[۱]

(۴) چہرے پر لگانے سے چہرے کی ساخت بدل جاتی ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔[۲]

(۵) غیر قوم کی رسم ورواج کو اپنانے کا گناہ لازم آئے گا۔ جو شخص کافروں کے مذہبی کام کرے گا، تو وہ ایمان سے نکل جائے گا۔[۳] لہٰذا مذکور رسم ورواج میں ساتھ دینا اور ایسی مجلس ونکاح خوانی میں جانا حرام ہے۔[۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے فساد کے زمانہ میں اگر کوئی میری ایک سنت کو زندہ کریگا، تو اس کو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (مشکوۃ)[۵] لہٰذا ان دونوں (دولہا اور دلہن) کو تاکیداً ایسی رسم ورواج سے بچانا چاہئے۔[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸۲] بسم اللہ کے عدد ۷۸۶ کے نیچے ۹۲ کا عدد لکھنا

۲۸۵-سوال: ہمارے یہاں غریب ومحتاج لوگوں کے علاج ومعالجہ میں تعاون کے لیے ایک

---

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «من ترك الصلاة متعمدا فقد كفر جهارا». (المعجم الأوسط، رقم: ۳۳۴۸، وأخرجه ابن نصر المروزي في تعظيم قدر الصلاة، برقم: ۹۱۹)

(۴) «كان نبي الله صلى الله عليه وسلم يحثنا على الصدقة، وينهانا عن المثلة». (سنن أبي داؤد، ص: ۳۶۲، كتاب الجهاد، باب النهي عن المثلة، رقم: ۲۶۶۷، ط: البدر - ديوبند☆ وأخرجه ابن أبي شيبه في مصنفه، برقم: ۲۷۹۳۰، ۲۷۹۳۴، ۲۷۹۳۵)

(۵) فيكفر ... بوضع قلنسوة المجوسي على رأسه على الصحيح. (البحر الرائق: ۵/ ۱۳۳، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ط: دار الكتاب الاسلامي)

و في الفتاوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس، أي لبسها و تشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق، أي و هو من شعارهم، أو شد في الوسط خيطا كفر. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۷، فصل في الكفر صريحا و كناية، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۶) وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (۵-المائدة: ۲)

(۷) عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: «من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد». (أمالي ابن بشران: ۱/ ۲۱۸، ۳۰۶، ط: دار الوطن، الرياض، رقم: ۵۰۱، ۷۰۰)

(۸) حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں: یہ (شادی سے کچھ دن پہلے لڑکے کو ابٹن لگانا) بھی کوئی شرعی چیز نہیں ہے، قابل ترک رسم ہے، اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ بھی ہے، جس کی ممانعت آئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/ ۱۹۴، باب ما یتعلق بالرسوم عند الزفاف لڑکے کو ابٹن لگانا، ط: اشرفی بک ڈپو - دیوبند)

تنظیم قائم ہے، جو زکوٰۃ کی رقم جمع کرتی ہے اور محتاج و نادار کی دوا اور اُن کے علاج میں خرچ کرتی ہے، اس تنظیم کا چندہ بمبئی شہر سے بھی جمع کیا جاتا ہے، ہماری اِس تنظیم کی رسید کے کاغذ پر بسم اللہ کا عدد ۷۸۶ چھپا ہوا ہے، اُسے دیکھ کر بہت سے چندہ دہندہ یہ سوال کرتے ہیں کہ تم لوگوں نے ۷۸۶ کے عدد کے نیچے ۹۲ کا عدد کیوں نہیں لکھا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ وہابڑے (وہابی و دیوبندی) ہو، ظاہری بات ہے کہ مذکور عدد اور چندہ میں کیا مناسبت ہے؟ یہ ایک قسم کی جہالت ہے۔ چندہ جمع کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے؛ اس لیے حکمت عملی اور موقع شناسی کے لحاظ سے کیا ہم ۷۸۶ کے عدد کے نیچے ۹۲ کا عدد- جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا عدد ہے- [1] چھپوا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۷۸۶ کا عدد بسم اللہ کا ہے، اور ہر نیک کام بسم اللہ سے شروع کیا جاتا ہے؛ اس لیے بہت سے لوگ کچھ چیزوں پر یہ عدد لکھتے ہیں۔ [2] جس سے نیک فالی مقصود ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کو وجود بخشنے والے ہیں، وہی ہمارے تمام نیک مقاصد پورا فرمائیں گے؛ لیکن ہر چیز کی تاثیر اُس کے صحیح موقع اور مقام پر ہی ہوتی ہے، مثلاً درود شریف پڑھنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص اُسے نماز میں قعدہ کے بجائے قیام یا رکوع میں پڑھے، تو غلط ہوگا، اس لیے کہ اُس نے درود شریف کو اُس کے مقام سے ہٹا دیا، اسی طرح نیک کام کی ابتداء کے موقع پر مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی سے چاہی جاتی ہے، اس لیے اُس موقع پر بسم اللہ کے عدد ۷۸۶ کے لکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے مدد نہیں چاہی جاتی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اللہ کی مدد کے محتاج ہیں۔ [3] اس لیے ایسے مواقع میں ۹۲ کا عدد لکھنا مناسب نہیں ہے۔

---

(۱) محمد کا عدد ۹۲ اس طرح بنتا ہے: "م" کے ۴۰، "ح" کے ۸، "م" کے ۴۰، اور دال کے ۴، مجموعی ۹۲ ہوئے۔

(۲) ۷۸۶، بسم اللہ شریف کے عدد ہیں، بزرگوں سے اس کے لکھنے کا معمول چلا آتا ہے، غالباً اس کو رواج اس لیے ہوا کہ خطوط عام طور پر پھاڑ کر پھینک دیے جاتے ہیں، جس سے بسم اللہ شریف کی بے ادبی ہوتی ہے، اس بے ادبی سے بچانے کے لیے غالباً بزرگوں نے بسم اللہ شریف کے اعداد لکھنے شروع کیے،...... البتہ اگر بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو، تو بسم اللہ شریف ہی لکھنا بہتر ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۴۸/۸، ط: نعیمیہ، دیوبند☆ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، معارف القرآن: ۵۷۹،۵۷۸/۶، سورۃ نمل، ط: اعتقاد پبلشنگ، دہلی)

(۳) وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ. (۳-آل عمران: ۱۲۶)

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. (۸-الأنفال: ۱۰)

وقال اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ. (۳۵-فاطر: ۱۵)

ابتداء کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ پاک کی سب سے پہلی آیت میں حضورِ پاک ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے رب کے نام سے پڑھنا شروع کیجیے، جو کہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ (۴) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نیک کام کی ابتداء میں صرف اللہ ہی کا نام لیا جائے گا، وہی ایک ذات ہے جو ہر نیک کام کی ابتداء اور انتہاء میں مدد چاہے جانے کے قابل ہے، مخلوق - خواہ کتنے ہی بلند مقام پر کیوں نہ ہو - خالقِ کائنات کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی؛ لہٰذا اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگنا یا کوئی ایسا فال لینا، جس میں استعانت بغیر اللہ کا شبہ ہو، درست نہیں ہے، خود حضورِ پاک ﷺ نے اپنے تمام نیک کام اللہ کے نام سے شروع فرمائے ہیں، آپ ﷺ نے کبھی کسی کام کے آغاز میں اپنا نام نہیں لیا۔

اگر چہ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس عدد کو بہ طورِ تبرک لکھا گیا ہے؛ لیکن چوں کہ ابتداء جیسے مواقع میں معنیٰ متبادر کی جانب ذہن کی رسائی پہلے ہوتی ہے، اس لیے مناسب نہیں۔

اس عدد کے لکھنے میں دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ اہلِ بدعت نے اس عدد کو اپنا لازمی شعار بنا لیا ہے، جو لوگ حضورِ پاک ﷺ سے محبت کا صرف زبانی دعویٰ کرتے ہیں، اور اُن کے اعمال طریقۂ سنت کے برخلاف ہیں، (اللہ تعالیٰ اُنھیں ہدایت دے) حدیثِ پاک میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اُن ہی میں سے ہوگا۔ (۵) لہٰذا اہلِ بدعت کی مشابہت سے بچنے کے لیے بھی اس سے احتراز لازمی ہے۔

موقع شناسی کا لحاظ کرتے ہوئے اس عددِ مخصوص کے بجائے آپ درود شریف بھی لکھ سکتے ہیں، اس موقع پر درود شریف لکھنے میں کوئی حرج نہیں، اگر آپ نے اس عددِ مخصوص کو لکھ بھی دیا، تو ظاہری بات ہے کہ اہلِ بدعت میں سے جو لوگ بھی آپ کو چندہ دیں گے، وہ اس عدد سے آپ کو اپنے مکتبِ فکر کا فرد سمجھ کر

---

(۴) اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ. [۹۶-العلق:۱-۳]

(۵) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من تشبه بقوم فهو منهم». (سنن أبي داؤد: ۲/۵۵۹، رقم: ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ط: البدر - ديوبند☆الجامع - معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي، أبو عروة البصري (م: ۱۵۳ھ): ۱۱/ ۴۵۳، رقم الحديث: ۲۰۹۸۶، باب حلق القفا والزهد، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي، باكستان، وتوزيع المكتب الإسلامي بيروت☆سنن سعيد بن منصور - أبو عثمان سعيد بن منصور الخراساني الجوزجاني (م: ۲۲۷ھ): ۲/ ۱۷۷، رقم: ۲۳۷۰، كتاب الجهاد، باب من قال الجهاد ماض، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: الدار السلفية - الهند)

دیں گے، اور یہ صریح دھوکہ بازی ہے، بلکہ راز فاش ہوجانے کی صورت میں اُن اہلِ بدعت کو یہ کہنے کا بھی موقع ملے گا کہ دیکھو! یہ وہابڑے چندہ جمع کرنے کے لیے دھوکہ دینے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں، اور بہت سے اہلِ حق اس عددِ مخصوص کو دیکھ کر آپ کو حق پرست ہونے کے باوجود بدعتی خیال کریں گے اور چندہ دینے سے رُک جائیں گے، تو بجائے فائدہ کے نقصان ہی نقصان ہوگا، لہٰذا صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اُسی سے مدد مانگتے ہوئے چندہ جمع کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸۳] خط و کتابت میں ۷۸۶ کے عدد کے نیچے ۹۲ کا عدد لکھنا

۲۸۶-سوال: خط و کتابت کی ابتداء میں ۷۸۶ کے نیچے ۹۲ کا عدد لکھنے میں شرعاً کوئی ممانعت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۷۸۶ کے عدد کے نیچے ۹۲ کا عدد لکھنے میں اولاً تو اہلِ بدعت کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، کہ یہ اُن کا لازمی شعار بن چکا ہے، کوئی بھی مباح عمل جب کسی فرقۂ باطلہ کا شعار اور علامت بن جائے اور وہ اُسی کے ذریعہ پہچانے جاتے ہوں، تو اُس کا اختیار کرنا ممنوع ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ)[1]

دوسری قباحت یہ کہ اگر لکھنے والے کی نیت یہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ابتداء کر رہا ہوں، تو یہ شرک صریح ہے، اس وجہ سے بھی جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۸۴] قوالی کا حکم

۲۸۷-سوال: قوالی سننا کیسا ہے؟ سماع کے بارے میں بعض حضرات صوفیاء سے جواز منقول ہے، گانا بھی تو قوالی ہی کی طرح ہے، تو کیا گانے کی بھی شرعاً اجازت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قوالی جو ڈھول اور طبلے کے ساتھ ہوتی ہے وہ جائز نہیں ہے، یہی حکم گانا کا ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ولا يخفى أن التشبه الممنوع إنما هو فيما يكون شعارا لهم مختصا بهم. (مرقاة الفاتيح-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۶/ ۲۶۴۸، كتاب الصيد والذبائح، ط: دار الفكر، بيروت-لبنان)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں: بسم اللہ کے عدد ۷۸۶ کے نیچے ۹۲ کا عدد لکھنا۔

(۱) اگر بغیر ڈھول طبلے اور مزامیر کے اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پڑھنا، جب کہ صحیح مضامین پر مشتمل ہو تو درست ہے، ورنہ نہیں: جاء في الحديث: ولكن نهيت عن صوتين أحمقين فاجرين: صوت عند مصيبة، خمش وجوه، =

[۸۵] جس بستر پر مردہ کو لٹایا گیا ہو، اسے مسجد میں دینا

۲۸۸-سوال: ہمارے گاؤں میں یہ رواج ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے، تو اس کے گھر والے اس کو ایک بستر پر لٹاتے ہیں اور جب اس کو دفن کر دیا جاتا ہے، تو اس بستر کو گھر والے اپنے استعمال میں نہیں لاتے؛ بل کہ مسجد میں بھیج دیتے ہیں، تو کیا اس بستر کا مسجد میں دینا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آدمی کے انتقال کے بعد اس کے مال سے (تجہیز وتکفین، -اگر دین ہو، تو- ادائے دیون اور -اگر میت نے وصیت کی ہو، تو- ثلث مال میں اجرائے وصیت کے بعد باقی ماندہ مال میں) اس کے ورثاء کا حق متعلق ہوتا ہے، اگر وہ بستر مردہ کی ملکیت میں تھا، تو اس کا مسجد میں دینا ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا؛ کیوں

= وشق جيوب، ورنة شيطان. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۹۶، أبواب الجنائز، باب ماجاء في الرخصة في البكاء علي الميت، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند)

وفي الفتاوى الهندية: قال رحمه الله تعالى: السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه وهو والغناء والمزامير سواء. (۵/ ۳۳۱، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر في الغناء واللهو وسائر المعاصي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وفي البناية شرح الهداية: التغني للهو ولجمع المال حرام بلاخلاف. (۸/ ۱۷۳، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لايقبل، ط: دار الفكر، الطبعة الثانية: ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۰ء)

وفي حياة الحيوان للعلامة الدميري: نقل القرطبي عن أبي بكر الطر طوشي رحمهما الله تعالى -أنه سئل عن قوم- يجتمعون في مكان يقرؤون شيئا من القرآن ثم ينشد لهم منشد شيئا من الشعر، فيرقصون ويطربون ويضربون بالدف والشبابة هل الحضور معهم حلال ام لا؟ فأجاب: مذهب السادة الصوفية أن هذا بطالة وجهالة وضلالة إلي أخر كلامه، قلت: وقد رأيت أنه أجاب بلفظ غير هذا، وهو أنه قال: مذهب الصوفية بطالة وجهالة وضلالة، وما الإسلام إلا كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأما الرقص، والتواجد فأول من أحدثه أصحاب السامري لما اتخذلهم عجلا جسداً له خوار قاموا يرقصون حوله ويتواجدون، فهو دين الكفار وعباد العجل... وإنما كان مجلس النبي صلى الله عليه وسلم -مع أصحابه "كأنما علي رؤوسهم الطير" من الوقار... ولايحل لأحد يؤمن بالله واليوم الاخر أن يحضر معهم ولا يعينهم علي باطلهم، هذا مذهب مالك والشافعي وأبي حنيفة وأحمد وغيرهم من أئمة المسلمين. (حياة الحيوان للدميري: ۲/ ۱۵۴، في ذيل: باب العين المهملة "العجل" ط: دار الكتب العلمية-بيروت، الطبعة الثانية، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳ء)

کہ اس سے ورثاء کا حق متعلق ہوگیا ہے۔[۱] اگر تمام ورثاء کی اجازت حاصل کرلی جائے، پھر بہ نیت ثواب دیا جائے، تو جائز ہے، اگر ایک بھی وارث منع کردے، یا ورثاء میں کوئی نابالغ ہو، تو اس بستر کو مسجد میں نہیں دیا جاسکتا۔[۲] جو دے گا، وہ گنہ گار ہوگا، عموماً اس بستر کو رواج سمجھ کر دیا جاتا ہے، اس صورت میں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸۶] مُردے کے سر کے نیچے ایسی مٹی رکھنا، جس پر ''چاروں قل'' پڑھا گیا ہو

۲۸۹-سوال: ہمارے یہاں لوگوں میں یہ رواج ہے کہ جب مردے کو دفن کرتے ہیں، تو پہلے کچھ لوگ ''چاروں قل'' پڑھ کر مٹی پر دم کرتے ہیں، پھر وہ مٹی مردے کے سر کے نیچے رکھتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تدفین سے قبل مذکور طریقے پر چاروں قل پڑھنا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا چاروں قل پڑھی ہوئی مٹی مردے کے سرہانے میں رکھنا جائز نہیں ہوگا، اس سے میت کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سنت کے خلاف کسی بھی چیز کا ایجاد کرنا حرام ہے۔[۱]

---

(۱) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي، ثم يقسم الباقي بين الورثة. (السراجي في الميراث، ص: ۳، ط: ديوبند ☆ الدر المختار مع رد المحتار - ابن عابدين، محمد أمين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۶/ ۷۵۹، كتاب الفرائض، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) " لا يحل لامرئ من مال أخيه إلا ما أعطاه من طيب نفس، ولا تظلموا ... الخ ". (السنن الكبرى - البيهقي: ۶/ ۱۶۰، رقم الحديث: ۱۱۵۲۴، كتاب الغصب، باب لا يملك أحد بالجناية شيئا ... الخ، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

ولا تجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۶/ ۹۰، كتاب الوصايا، الباب الأول في تفسير الوصية، وشرط جوازها، وحكمها، ط: دار الفكر - بيروت، الطبعة الثانية: ۱۳۱۰ھ)

(۳) فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبي داؤد: ۲/ ۶۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۷، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

(۴) عن عائشة - رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور ... الخ، ط: البدر - ديوبند)

مذکورہ رواج سے اجتناب ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۸۷] نیا مکان بنانے پر ختم قرآن کی مجلس اور اُس میں کھانا

۲۹۰-سوال: کوئی شخص نیا مکان بنانے کے بعد برکت کے طور پر ختم قرآن کرواتا ہے، اور ختم کے بعد کھانا یا کوئی میٹھی چیز کھلاتا ہے، تو اُس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

صورتِ مسئولہ میں میٹھی چیز یا کوئی بھی دوسری چیز ہو، کھلانا جائز ہے، مسلم شریف کی شرح میں آٹھ قسم کی مہمانی کو مستحب بتایا گیا ہے، اُن میں سے ایک ''وکیرہ'' یعنی نیا گھر تعمیر ہوجانے کی خوشی میں کھانا کھلانا ہے۔ (جلد:۱/ ۴۵۸)۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۸۸] وفات پانے والے متعین شخص کے بارے میں جنتی یا جہنمی کہنا

۲۹۱-سوال: شہر بڑودہ میں ۱۳/رمضان المبارک کو جماعت اسلامی کے رہنما وفات پاگئے، تو کیا وہ جنتی ہوگئے؟ ان کے لڑکوں کا کہنا ہے کہ ان کے ابا جنتی ہیں؟ ان کے جنازہ پر پھول چڑھائے گئے اور بلند آواز سے کلمے پڑھے گئے، ان کا تیجا بھی زور و شور سے کیا گیا کیا یہ جائز ہے؟ اور مولانا کی قبر پر ہفتہ میں دو تین بار عورتیں عربی مولود پڑھتی ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

کسی بھی شخص معین کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ وہ جنتی ہے یا نہیں؟ یہ ہمارا کام نہیں ہے، اللہ تعالی کے اختیار کی بات ہے، ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالی سے امید ہے کہ وہ جنتی ہوگا، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک بچہ کی وفات ہوگئی، تو میں نے کہا کہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالی نے جنت اور دوزخ بنائی اور دونوں کے لیے

---

(۱) الضيافات ثمانية أنواع: الوليمة للعرس، والخرس بضم الخاء المعجمة، ويقال الخرص أيضا بالصاد المهملة للولادة، والاعذار بكسر الهمزة، وبالعين المهملة، والذال المعجمة للختان، والوكيرة للبناء، والنقيعة لقدوم المسافر، مأخوذة من النقع وهو الغبار. (شرح النووي على صحيح مسلم :۹/ ۲۱۷، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

مخلوق پیدا کی ہے۔ (مسلم شریف ج، ۲ ص: ۳۳۷)۔[1]

حضرت امام نوویؒ اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علمائے مسلمین کا اجماع ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنتی ہیں، پھر حضرت عائشہؓ کو اس طرح کہنے سے کیوں روکا، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بہت جلد پکا فیصلہ کر دیا کہ یہ جنتی ہے اور ایسا فیصلہ کرنے کا حق کسی کو نہیں۔[2]

اور کسی شخص معین کے بارے میں جہنمی ہونے کا فیصلہ بھی نہیں کر سکتے، صرف میت کے اعمال کو سامنے رکھ کر کوئی خیال قائم کر سکتے ہیں، حقیقت حال تو اللہ پاک ہی جانتے ہیں، خاتمہ ایمان پر ہوا ہو تو مغفرت کی امید ہے، اگر خاتمہ ہی ایمان پر نہ ہوا ہو تو مغفرت کی کوئی شکل نہیں ہے۔

قبر پر پھول چڑھانا، تیجہ کرنا یہ سب بدعت اور ہندوانہ رسم و رواج ہیں؛ لہٰذا ناجائز ہیں، علمائے اہل حق اس سے منع کرتے ہیں، حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے، اس کو کرنے والا گنہ گار ہے اور جس کو معلوم ہو کہ میرے مرنے پر میرے رشتے داران سب خرافات کا ارتکاب کریں گے اور اس نے ان کو وصیت نہ کی ہو کہ ایسا نہ کرنا یا وہ خود یہ سب کچھ کرتا تھا اور اس پر خوش تھا، تو وہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہے (فتاویٰ رشیدیہ جلد،۱ ص:۹۱)۔[3]

خود مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے فتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۳۱۰ پر لکھا ہے:

(سوال) تین برس کے بچہ کی فاتحہ دوجا کی ہونی چاہیے یا تیجا کی (سوم) ہونا چاہیے؟

---

(۱) عن عائشة أم المؤمنين، قالت: دعي رسول الله -صلى الله عليه وسلم إلى جنازة صبي من الأنصار، فقلت: يا رسول الله طوبى لهذا، عصفور من عصافير الجنة لم يعمل السوء ولم يدركه، قال: »أو غير ذلك، يا عائشة إن الله خلق للجنة أهلا، خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم، وخلق للنار أهلا، خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم. (صحيح المسلم : ۲/ ۳۳۷، رقم الحديث: ۳۱-(۲۶۶۲) كتاب القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة، ط: البدر-ديوبند)

(۲) أجمع من يعتد به من علماء المسلمين على أن من مات من أطفال المسلمين فهو من أهل الجنة لأنه ليس مكلفا وتوقف فيه بعض من لا يعتد به لحديث عائشة هذا وأجاب العلماء بأنه لعله نهاها عن المسارعة إلى القطع من غير أن يكون عندها دليل قاطع كما أنكر على سعد بن أبي وقاص في قوله أعطه إني لأراه مؤمنا قال أو مسلما الحديث (حاشية النووي على صحيح مسلم: ۲/ ۳۳۷، كتاب القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة، ط: البدر-ديوبند)

وللاستزادة راجع: مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۷/ ۳۰۴۲، باب حفظ اللسان، ط: دار الفكر-بيروت.

(۳) فتاویٰ رشیدیہ مع تالیفات رشیدیہ، ص: ۱۴۵، کتاب البدعات، ط: مکتبہ الحق، جوگیشوری، ممبئی۔

(جواب) شریعت میں ثواب پہونچاتا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن باقی یہ تعیین عرفی ہماری آپس کی ہے جب چاہے کرے انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت اور بدعت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لکھا اس کو گنہ گار بندے احمد رضا بریلوی نے، اللہ اس کو محمد نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے معاف کرے۔ (فتاوی رضویہ)[۱]

عورتوں کا قبر پر جانا اور بلند آواز سے پڑھنا جائز نہیں۔[۲] اور عربی مولود کی کوئی اصل نہیں ہے نہ اس کے پڑھنے میں کچھ ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۸۹] کتابی تعلیم سے پہلے درود شریف پڑھنا اور ''ان اللہ و ملائکته'' کے ذریعہ درود شریف کی تلقین کرنا

۲۹۲-سوال: مسجد میں فرض نماز کی دعا کے بعد کتاب کی تعلیم ہوتی ہے اور دعا میں درود شریف کا ذکر آجاتا ہے، تو اب تعلیم شروع کرتے وقت درود شریف پڑھنا یا ''ان اللہ و ملائکته'' کے ذریعہ درود شریف کی تلقین کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

کسی بھی اہم کام کی ابتداء اللہ پاک کی حمد وثناء اور درود شریف کے ذریعہ کرنا برکت کا سبب ہے۔[۳]

---

(۱) کتاب حقیر کے پاس موجود نہیں ہے۔

(۲) (قوله: ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن. والأصح أن الرخصة ثابتة لهن. وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنازة. وقال الخير الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث »لعن الله زائرات القبور« وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذا كن عجائز. ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد. وهو توفيق حسن. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۲، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر) ★البحر الرائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۱۰، كتاب الجنائز، ط: دار الكتاب الإسلامي★حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي - (م: ۱۲۳۱ هـ)، ص: ۶۲۰، فصل في زيارة القبور، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم: كل أمر ذي بال، لا يبدأ فيه بالحمد، أقطع. (سنن ابن ماجة، ص: ۱۳۶، رقم الحديث: ۱۸۹۴، كتاب النكاح، باب خطبة النكاح، ط: البدر - ديوبند)

لہٰذا درود شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ لازم نہ سمجھے آیت پڑھنے میں بھی حرج نہیں ہے۔[۱] لیکن یہ بدعتیوں کی علامت بن گئی ہے؛ لہٰذا اس کو پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹۰] بہ آواز بلند درود شریف پڑھنا

۲۹۳-سوال: امام صاحب عصر یا فجر کی نماز کے بعد آیت پاک - ان اللہ و ملائکتہ الآیۃ. پڑھتے ہیں، تو عوام حضرات بہ آواز بلند درود شریف پڑھتے ہیں، اسی طرح تقریری پروگراموں میں بھی ہوتا ہے، تو درود شریف بلند آواز سے پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ شریعت کی نظر میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

دعا اور درود شریف عبادت ہے؛ لیکن اس عبادت کو ادا کرنے کا طریقہ سنت کے مطابق اصول وضوابط کی رعایت کے ساتھ ہونا چاہیے، اپنی مرضی سے یا غیر واجب کو واجب ولازم سمجھ کر، امام پر جبر کر کے دعا اور درود شریف پڑھانا ناجائز ہوگا، ثواب سے محروم ہوں گے، علاوہ ازیں بہ آواز بلند دعا اور درود شریف پڑھنے سے نماز پڑھنے والوں کی نماز میں خلل واقع ہوگا، اس لیے جہراً دعا اور درود شریف پڑھنے سے منع کیا جائے۔

اسی لیے علامہ شامیؒ نے جہری وسری دعا میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ جہراً پڑھنے سے ریاء کا خوف ہے، یا نمازیوں کو تکلیف کا اندیشہ ہے یا نیند میں مشغول حضرات کو تکلیف ہوتی ہے، تو اس سے منع کیا جائے گا اور سراً افضل ہوگا اور جہاں ان امور کا خطرہ نہیں ہے، اور جہر کا مقتضا ہے، اس جگہ جہراً افضل ہے۔ (شامی ج:۲، ص:۲۸۴)[۲]

---

(۱) قال ابن المنير فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. (فتح الباري - أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي: ۲/ ۳۳۸، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۲) وفي الفتاوى الخيرية من الكراهية والاستحسان: جاء في الحديث به اقتضى طلب الجهر به نحو " «وإن ذكرني في ملإ ذكرته في ملإ خير منهم» رواه الشيخان. وهناك أحاديث اقتضت طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال كما جمع بذلك بين أحاديث الجهر والإخفاء بالقراءة ولا يعارض ذلك حديث «خير الذكر الخفي» لأنه حيث خيف الرياء أو تأذي المصلين أو النيام. فإن خلا مما ذكر؛ فقال بعض أهل العلم: إن الجهر أفضل لأنه أكثر عملا ولتعدي فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط. وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ. (رد المحتار: ۱/ ۶۶۰، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر، ط: دار الفكر)

کیوں کہ بہ آواز بلند پڑھنے سے غافل قلوب بیدار ہوں گے، سونے والوں کی نینداڑ جائے گی اور وعظ وتقریر کی محفل میں جہراً درود شریف پڑھا جائے، تو جائز ہے، نماز کے بعد جہراً پڑھنے سے نمازیوں کو تکلیف ہوگی اس لیے منع کیا جاوے؛ البتہ مصلی حضرات نماز سے فارغ ہوجائیں، تو جہراً بھی جائز ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹۱] مبارک راتوں میں اجتماعی طور پر قرآن خوانی کرنا

۲۹۴-سوال: اسلامی مہینوں کی مبارک راتوں میں بعد عشاء اجتماعی طور پر قرآن خوانی ہوتی ہے، دیگر عبادات، یعنی تسبیح، درود شریف، ذکر وغیرہ نہیں ہوتا اور یہ عمل ہر مبارک رات میں کیا جاتا ہے، کیا یہ طریقۂ ایصال ثواب درست ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

صرف قرآن خوانی ہو، ایصال ثواب ہو مگر دیگر خرافات نہ ہو تو جائز ہے۔[1] البتہ فقط قرآن خوانی پر اکتفا نہ کیا جائے مختلف عبادات: تہجد، نفل نماز، تسبیح وتحمید، درود شریف میں بھی وقت صرف کیا جاوے، ایک عبادت سے جی اکتا جائے، تو دوسری عبادتوں میں مشغول ہوجائے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹۲] بسملہ کی جگہ ۷۸۶ لکھنا اور کیا اس کی بے ادبی بسملہ کی بے ادبی کے مرادف ہوگی؟

۲۹۵-سوال: مسلم معاشرہ میں جو ۷۸۶ لکھنے کا رواج ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی اس طرح صحابہ لکھتے تھے؟ زید کا کہنا ہے کہ ۷۸۶ بسملہ کا عدد ہے، بسملہ لکھنے سے بے ادبی ہوتی ہے؛ اس لیے ۷۸۶ لکھتے ہیں، بکر کہتا ہے کہ کیا اگر کوئی ۷۸۶ کو پاؤں تلے روندے، تو بے ادبی نہیں ہوگی؟ بکر کا یہ بھی کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہ سب نہیں تھا، جس طرح ہندو اپنے معبود کی عبادت میں خشوع خضوع کے لیے سامنے بت رکھتے ہیں، اسی طرح تم نے ۷۸۶ کو بسم اللہ کے لیے گھڑ لیا ہے؛ لہٰذا میں اس کو نہیں مانتا ہوں، یہ بدعت ہے، اگر ۷۸۶ بسم اللہ کا عدد ہے اور بسم اللہ کے بہ جائے

---

(۱) تفصیلی تخریج گذر چکی ہے۔

(۲) عن علي بن أبي طالب، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن اللہ ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له ألا مسترزق فأرزقه ألا مبتلى فأعافيه ألا كذا ألا كذا، حتى يطلع الفجر. (سنن ابن ماجة، ص:۹۹، رقم الحديث:۱۳۲۸، أبواب إقامة الصلاة، ما جاء في ليلة النصف من شعبان، ط: البدر - ديوبند)

۷۸۶ سے ہی برکت حاصل ہو جاتی ہے، تو پھر قرآن کی بھی کیا ضرورت ہے؟ پورے قرآن کے عدد بنالو! آج لوگ سورۂ یٰسین واخلاص کے عدد کے نقشے بنا کر فروخت کرتے ہیں، تو اس کے بارے میں بھی بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں گے کہ اس طرح کے نقشے بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

آیت یا سورۃ یا بسملہ کی عبارت کی جگہ اس کا عدد لکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا اس کا شریعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ۷۸۶ کی بے ادبی کو بسملہ کی بے ادبی نہیں کہا جائے گا، یہ طریقہ بعد میں لوگوں نے اپنی سہولت کے لیے اور خاص کر تعویذ وغیرہ بنانے والوں نے ایجاد کیا ہے؛ لہٰذا اس کا شریعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تاہم ۷۸۶ لکھنا جائز ہے، منع نہیں ہے۔ (1) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹۳] بدعتی رشتہ داروں کی خوشی وغم میں شریک ہونا

۲۹۶-سوال: یہاں لوگ ہمیں وہابی سمجھتے ہیں، ہمارے رشتے دار شادی یا انتقال وغیرہ کا موقع ہو، تو دعوت دیتے ہیں؛ لیکن جب ہم ان کو مدعو کرتے ہیں، تو وہ لوگ آتے نہیں ہیں۔ ہم سے بہت نفرت کرتے ہیں اور ہمارے یہاں جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوتے، تو ہمیں ان کی دعوت یا جنازے میں حاضر ہونا چاہیے یا نہیں؟ نیز دوسرے اعتبار سے بھی ہم پر بہت ظلم کرتے ہیں اور ہماری ۵۰۰۰ کی بستی ہے، اس میں ہم ۵۰ / ہیں، وہ حضرات ہم کو بعض مساجد سے بھی نکالتے ہیں اور ہماری بے عزتی کرتے ہیں، اسی طرح ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ اپنی لڑکیاں ولڑکوں کا رشتہ بھی قبول نہیں کرتے، تو آپ ہمارے حق میں دعا فرما کر مذکور مسائل کا حل مرحمت فرمائیں گے۔

---

(1) ۷۸۶، بسم اللہ شریف کے عدد ہیں، بزرگوں سے اس کے لکھنے کا معمول چلا آتا ہے، غالباً اس کو رواج اس لیے ہوا کہ خطوط عام طور پر پھاڑ کر پھینک دیے جاتے ہیں، جس سے بسم اللہ شریف کی بے ادبی ہوتی ہے اس بے ادبی سے بچانے کے لیے غالباً بزرگوں نے بسم اللہ شریف کے اعداد لکھنے شروع کیے؛ البتہ اگر بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو، تو بسم اللہ شریف ہی لکھنا بہتر ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۳۴۸، ط: نعیمیہ، دیوبند)

قرآن وسنت کے نصوص واشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ اس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں؛ بل کہ وہ پڑھ کے ڈال دیا جاتا ہے، تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا۔ آج کل جو عموماً خط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں۔ (معارف القرآن: ۸/ ۵۷۹، سورۃ النمل، ط: اشرفی - دیوبند)

الجواب حامداومصلیا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ایسی ہوگی، جو قیامت تک حق پر رہے گی، اس جماعت کو نہ تو کوئی برباد کر سکے گا اور نہ ہی ذلیل کر سکے گا۔ (حدیث)۔[۱] یعنی ان کو کوئی بھی دلائل کے ذریعہ پسپا نہیں کر سکے گا، یاد رہے آپ حق پر ہیں اور اسی جماعت کے پیروکار انبیاء کے وارث ہیں، چھوٹی بڑی تکلیف برداشت کیجیے، انبیاء کے اوپر کتنی بڑی بڑی مصیبتیں آئیں؛ لیکن ان کے اخلاق، عفو درگزر کیسے تھے، لہٰذا آپ بھی عفو درگذر سے کام لیں اور ان کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتے رہیں۔

ان کی دعوتوں میں شرکت سے اگر ایمان واعتقاد کے عدم تحفظ کا اندیشہ ہو، تو بالکل ہی نہ جائیے، ہاں اگر جانے کے باوجود ایمان واعتقاد پر کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو، تو جانا جائز ہے۔[۲] لیکن اس نیت سے جانا چاہیے کہ وہاں جا کر اگر موقع ملا، تو حق بات کہوں گا۔[۳] مذکور رشتے دار یہاں کام نہیں آتے ہیں، تو آپ کو فکر کی کوئی ضرورت نہیں، انہیں فکر کرنا چاہیے کہ آخرت کی منزل تو اس سے زیادہ سخت ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں بدعتی حوض کوثر سے مرحوم رہیں گے اور فرشتے دھکا دے کر ان کو ہٹا دیں گے۔[۴] اخیر اُدعا

---

(۱) عن ثوبان، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق، لا يضرهم من خذلهم، حتى يأتي أمر الله وهم كذلك. (صحيح المسلم: ۲/ ۱۴۳، رقم الحديث: ۱۷۰-(۱۹۲۰) كتاب الامارة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا تزال طائفة. الخ، ط: البدر- ديوبند)

(۲) وعن الحسن: " لا تجالس صاحب هوى فيقذف في قلبك ما تتبعه عليه فتهلك، أو تخالفه فيمرض قلبك "....وعن أبي قلابة: " لا تجالسوا أهل الأهواء، ولا تجادلوهم؛ فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم، ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون "...وعن بعض السلف: " من جالس صاحب بدعة، نزعت منه العصمة، ووكل إلى نفسه. (الاعتصام- إبراهيم بن موسى بن محمد الشاطبي (م: ۷۹۰هـ)، ص: ۱۱۳، ۱۱۴، فصل ما جاء عن السلف الصالح في ذم البدع وأهلها، ط: دار ابن عفان- السعودية)

(۳) اگر اس کے ساتھ میل جول رکھنے اور اس کے یہاں کھانا کھانے سے اس کی اصلاح کی توقع ہو تو میل جول رکھنا بہتر ہے اگر اس سے خود بدعات میں مبتلا ہونے یا بدعات کی تائید کا اندیشہ ہو، تو میل جول نہیں رکھنا چاہیے۔ (فتاوی محمودیہ- مفتی محمود الحسن گنگوہی (م: ۱۹۹۶ء): ۵۶/۳، باب البدعات والرسوم، ط: اشرفی بک ڈپو- دیوبند)

(۴) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه أتى المقبرة فسلم على المقبرة، فقال: »السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وإنا إن شاء الله تعالى بكم لاحقون... « ، قال: »أنا فرطكم على الحوض « ، ثم قال: " ليذادن رجال عن حوضي، كما يذاد البعير الضال، فأناديهم: ألا هلموا فيقال: إنهم قد بدلوا بعدك، ولم يزالوا يرجعون على أعقابهم، فأقول: ألا سحقا، سحقا ". (سنن ابن ماجة، ص: ۳۱۹، رقم الحديث: ۴۳۰۶، ابواب الزهد، باب الحوض، ط: البدر- ديوبند)

ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانیوں کو دور فرمائیں، آمین، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹۴] نماز کے بعد لوگوں کو صلاۃ وسلام کے لیے مجبور کرنا جائز نہیں ہے

۲۹۷-سوال: جمعہ وفجر کی نماز کے بعد صلاۃ وسلام کھڑے ہو کر پڑھنا اور نہ پڑھنے والے کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا

صلاۃ وسلام پڑھنا ثواب کا کام ہے۔[1] لیکن اس کا بھی موقع ومحل ہوتا ہے، بلا موقع پڑھنا مکروہ اور گناہ کا کام ہے۔

(۱) مثلاً درود پڑھنا ثواب کا کام ہے، لیکن قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔[2]

(۲) اسی طرح دکان دار کا گاہک کو کپڑا دکھا کر دھوکہ دینے کے لیے درود شریف پڑھے، تو یہ بھی گناہ کا کام ہے۔

(۳) اسی طرح مسجد میں فرض نماز کے بعد اس طرح دعا زور سے پڑھنا کہ مسبوق کی نماز میں خلل واقع ہو ناجائز ہے۔[3]

(۴) فرض نماز کے بعد دعا ثابت ہے، صلاۃ وسلام ثابت نہیں ہے۔

(۵) لوگوں کو مجبور کرنا لڑائی جھگڑا کرنا جائز نہیں ہے، صلاۃ وسلام پڑھنا سنت یا مستحب ہے اور لڑائی

---

(۱) عن عبد الله بن مسعود، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: »أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم علي صلاة. (سنن الترمذي: ۱/۱۱۰، رقم الحديث: ۴۸۳، أبواب الوتر، باب ما جاء في فضل الصلاة على النبي -صلى الله عليه وسلم)

(۲) (ولا يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في القعدة الأولى في الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها) ولو صلى ناسيا فعليه السهو. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر)

ولو كرر التشهد في القعدة الأولى فعليه السهو وكذا لو زاد على التشهد الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم -، وعليه الفتوى. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۷، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر)

(۳) إن هناك أحاديث اقتضت طلب الجهر، وأحاديث طلب الإسرار والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال، فالإسرار أفضل حيث خيف الرياء أو تأذي المصلين أو النيام والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر، لأنه أكثر عملا ولتعدي فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم ويزيد النشاط. (رد المحتار: ۶/۳۹۸، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

جھگڑا کرنا حرام ہے؛ لہٰذا جو لوگ اس طرح کا کام کرتے ہیں، وہ اس اسے اجتناب کریں کہ یہ جائز نہیں ہے۔ [۱]
آپ اور آپ کے ساتھی سنت طریقے کے مطابق عمل کریں اور تسبیح و دعا پڑھتے رہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹۵] زندوں کو بھی ایصال ثواب کر سکتے ہیں؟

۲۹۸-سوال: جس طرح مردہ کو ایصال ثواب کرتے ہیں، کیا اسی طرح زندوں کو بھی ایصال ثواب کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

زندہ کو بھی ایصال ثواب کر سکتے ہیں، وہ بھی زندہ کے نامۂ اعمال میں درج ہو جائے گا۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹۶] مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا

۲۹۹-سوال: (۱) مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ قرآن خوانی کے بعد کسی چیز پر فاتحہ وغیرہ بدعت کا کام نہیں کرتے ہیں، صرف پڑھنے والوں کو کھانے کی کوئی چیز تقسیم کر دی جاتی ہے، اس طرح قرآن خوانی کرنے سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) گیارہویں کرنا یا اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا کرانا جائز ہے؛ البتہ دن، وقت وغیرہ کسی چیز کی تعیین نہ ہو۔ [۳]

---

(۱) قال ابن المنير فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته والله أعلم. (فتح الباري-ابن حجر: ۲/ ۳۳۸، باب الانفتال والانصراف عن اليمين، ط: دار المعرفة)

(۲) صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها ... الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء هو مذهب أهل السنة والجماعة. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۳، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر)

(۳) وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص. (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر)

وفي دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم أى صدقة الأحياء عنهم أى عن الأموات نفع لهم أي للأموات. (شرح العقائد النسفية، ص: ۱۷۱، ط: ياسر نديم-ديوبند)

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات أو الأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة وقد صح عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - »أنه ضحى بكبشين أملحين: أحدهما: عن نفسه، =

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن خوانی پر اجرت کی لین دین نہ ہو۔[1] آپ کا قرآن خوانی کرانا ان ناجائز شروط سے خالی ہے؛ اس لیے جائز ہے، اگر اپنی حلال کمائی سے کچھ بلا اجرت تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو صحیح ہے۔

(۲) گیارہویں کا کھانا اللہ تعالیٰ کے ولی شیخ عبد القادر جیلانی کے ایصال ثواب کے لیے کھلایا جاتا ہے اور اللہ کے ولی اور بزرگ سے زیادہ ایصال ثواب کے مستحق اور محتاج گیارہویں کرنے والے کے آباء و اجداد وغیرہ دیگر رشتہ دار ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ کھانا رسمی طور پر ہے، نیز اس میں مہینہ اور دن کی تعیین ہوتی ہے، جس سے یہ بدعت بن جاتا ہے؛ لہٰذا گیارہویں کا کھانا کھانا اور کھلانا دونوں ممنوع ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ۔

=والآخر: عن آمنه ممن آمن بوحدانية الله تعالى وبرسالته« -صلى الله عليه وسلم- وروي »أن سعد بن أبي وقاص -رضي الله عنه- سأل رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فقال يا رسول الله: إن أمي كانت تحب الصدقة أفأتصدق عنها؟ فقال النبي: -صلى الله عليه وسلم- تصدق« وعليه عمل المسلمين من لدن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- إلى يومنا هذا من زيارة القبور وقراءة القرآن عليها والتكفين والصدقات والصوم والصلاة وجعل ثوابها للأموات، ولا امتناع في العقل أيضا لأن إعطاء الثواب من الله تعالى إفضال منه لا استحقاق عليه، فله أن يتفضل على من عمل لأجله بجعل الثواب له كما له أن يتفضل بإعطاء الثواب من غير عمل رأسا. (بدائع الصنائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۲/ ۲۱۲، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية☆ البحر الرائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الاسلامي☆ رد المحتار: ۲/ ۲۴۳، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ط: دار الفكر. ☆شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۵۸، دعاء الأحياء للأموات. الخ، ط: ياسر نديم-ديوبند.

(۱) ثم قراءة القران واهداءها له تطوعا بغير أجرة يصل إليه وأما لو أوصى بأن يعطى شيئا من ماله لمن يقرأ القران على قبره فالوصية باطلة لأنه في معنى الأجرة. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۶۰، قراءة القران واهداؤها. الخ، ط: ياسر نديم-ديوبند)

قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال؛ فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا - إنا لله وإنا إليه راجعون. (رد المحتار: ۶/ ۵۶، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على المعاصي، ط: دار الفكر)

(۲) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ط: البدر-ديوبند)

[۹۷] تیجہ، دسواں اور چالیسواں کا حکم

۳۰۰-سوال: انسان کے مرنے بعد اس کا تیجہ، دسواں، چالیسواں کرنا کیسا ہے؟ میں اس کے کلاف تحریک چلا رہا ہوں، لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں مل رہی ہے۔

الجواب حامداومصليا:

تیجہ، چالیسواں شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے۔[۱]

مسلمان مکلف ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو امور ثابت ہوں، ان پر عمل کرے، چناں چہ رسول اللہ ﷺ کے چچا غزوۂ احد میں شہید ہوگئے اور چچا زاد بھائی غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے، رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم ۱۶-۱۷ مہینہ زندہ رہے، صاحب زادی ام کلثوم حضرت زینب کی وفات ہوئی، مگر رسول اللہ ﷺ سے نہ تو تیجہ ثابت ہے نہ چالیسواں؛ لہٰذا مذکورہ امور جائز نہیں، مزید دینی اہم نقصان یہ ہے کہ ان کو ضروری اور دین کا جزو سمجھ کر کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے بدعت ہوجاتا ہے۔[۲] حالاں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (بخاری)[۳] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دین کے معاملے میں نئی چیز ایجاد کی، تو وہ مردود ہے۔

وہ انسان مردود یا ایجاد کردہ چیز، بہ ہر صورت مردود شئے اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں، مذکورہ فاتحہ خوانی رسماً کرائی جاتی ہے یا ریاء وشہرت کے لیے نیز اس میں ورثاء کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر خصوصا نابالغ ورثاء کے مال سے کھلانا پلانا ہوتا ہے؛ لہٰذا حرام ہے، البتہ کوئی رشتہ دار اپنی حلال کمائی سے دن مقرر کیے بغیر فقط غرباء یا یتیم یا بیوہ پر صدقہ خیرات کرے تو موجب ثواب ہے، آپ کا کام محنت کرنا ہے اور کامیابی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ان شاء اللہ آپ کو ضرور اس کا اجر ملے گا۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قد تقدم تخريجه عن رد المحتار نقلا عن البزازية وحاشية الطحطاوي.

(۲) قال ابن المنير فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته والله أعلم. (فتح الباري - ابن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي: ۲/ ۳۳۸، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۳) (صحيح البخاري: ۱/ ۳۷۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ط: البدر - ديوبند)

(۴) انظر الحواشی تحت عنوان: مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا۔

[۹۸] تہوار اور مبارک راتوں میں ختم قرآن کی رسم کا حکم

۳۰۱-سوال: ہمارے یہاں تہوار اور مبارک راتوں میں پہلے ختم قرآن کیا جاتا ہے پھر علماء اس دن کی فضیلت کو بیان کرتے ہیں۔ اب بعض لوگوں کا کہنا ہے پہلے ختم قرآن کیا جائے اور بعض کا کہنا ہے کہ ختم قرآن کا رواج ہے، اس کو جاری نہ رکھنا چاہیے، تو اس طرح ختم قرآن جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح بیان کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں۔ (۱) عید الفطر (۲) عید الاضحیٰ اس کے علاوہ اور کوئی عید نہیں؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع کی مناسبت سے مہینہ، دن اور تاریخ متعین کر کے عید منانا جائز نہیں ہے۔ (۱)

البتہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت واخلاق اور پاک زندگی کے حالات کو بیان کرنا - جس سے مسلمان اور غیر مسلم ہدایت حاصل کریں - دن اور تاریخ کو آگے پیچھے کر کے یا کوئی دوسرا دن یا تاریخ طے کر کے، جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات وإظهار الشعائر ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من مولد وقد احتوى على بدع ومحرمات جمة. (المدخل - ابن الحاج (م: ۷۳۷ھ): ۲/۲، فصل في مولد النبي والبدع المحدثة فيه، ط: دار التراث)

(۲) الموالد والأذكار التي تفعل عندنا أكثرها مشتمل على خير، كصدقة، وذكر، وصلاة وسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم ومدحه، وعلى شر بل شرور لو لم يكن منها إلا رؤية النساء للرجال الأجانب، وبعضها ليس فيها شر لكنه قليل نادر، ولا شك أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح، فمن علم وقوع شيء من الشر فيما يفعله من ذلك فهو عاص آثم، وبفرض أنه عمل في ذلك خيرا، فربما خيره لا يساوي شره ألا ترى أن الشارع صلى الله عليه وسلم اكتفى من الخير بما تيسر وفطم عن جميع أنواع الشر حيث قال: (إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه) فتأمله تعلم ما قررته من أن الشر وإن قل لا يرخص في شيء منه، والخير يكتفى منه بما تيسر. (الفتاوى الحديثية - أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي السعدي الأنصاري، شهاب الدين شيخ الإسلام، أبو العباس (م: ۹۷۴ھ): ۱/۱۰۹، ط: دار الفكر)

والاحتفال بذكر الولادة الشريفة ان كان خاليا من البدعات المروجة فهو جائز بل مندوب كسائر اذكاره صلى الله عليه وسلم. (امداد الفتاوى: ۶/ ۳۱۲، كتاب العقائد والكلام، ط: ادارہ تاليفات اولياء - ديوبند)

اسی طرح اس تاریخ کو قرآن پڑھنے کو ضروری سمجھنا جائز نہیں اور عید میلاد کے عدم جواز کی وجہ بھی یہی ہے۔ (یعنی التزام مالا یلزم)

قرآن کے ختم کے لیے کوئی دوسرا دن رکھا جائے، تاکہ اس میں شریک ہونے والے کو زیادہ موقع ملے، الغرض شب برأت وغیرہ میں قرآن کا ختم ضروری سمجھنا جائز نہیں، وعظ کے بعد مسجد یا گھر میں تلاوت کرنا یا ذکر کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹۹] کیا ختم خواجگان پڑھنا بدعت ہے؟

۳۰۲- سوال: ہمارے یہاں مسجدوں میں تقریباً ایک سال پہلے عصر کی نماز کے بعد بہت سے مصلی مسجد کے جماعت خانے میں مل بیٹھ کر یاسین پڑھتے تھے، پھر حسب ذیل طریقہ سے تسبیحات پڑھتے اور یہ سلسلہ برابر جاری تھا۔ ان تسبیحات کو چشتیہ طریقہ کے مطابق ختم خواجگان کہا جاتا ہے۔ (۱) ہر ایک شخص درود شریف تین مرتبہ پڑھتا تھا۔ (۲) کانچ کی ۳۶۰ گوٹیاں رکھ کر ان میں سے کچھ لے لیتا اور ''لا ملجاولا منجا من اللہ الا الیہ'' پڑھتا تھا۔ (۳) مذکور طریقہ کے مطابق سب مل کر کانچ کی ۳۶۰ گوٹیوں پر سورۂ الم نشرح پڑھتے۔ (۴) پھر واپس دوسرے نمبر کے مطابق ''لا ملجا ولا منجا من اللہ الا الیہ'' پڑھتے۔ (۵) اور اس کے بعد پھر تین مرتبہ درود شریف پڑھتے۔ اس طرح اجتماعی ذکر واذکار کے بعد ایک متقی آدمی بستی اور اہل بستی یعنی مسلمانوں کے لیے دعا کرتا تھا۔

سہارنپور کے مدرسے میں بھی روزانہ عصر کی نماز کے بعد اوپر ذکر کردہ طریقے کے مطابق ختم خواجگان پڑھا جاتا ہے۔ اس میں اکثر اوقات مرحوم حضرت مولانا زکریا صاحبؒ بھی شریک ہوتے تھے۔ (جامعہ حسینیہ راندیر کی طرف سے شائع شدہ ختم خواجگان کی کتاب کے حوالہ سے)

اس طرح پڑھنے اور دعا مانگنے کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک ایک صاحب کہنے لگے کہ یہ بدعت ہے۔ یہ سلسلہ یہاں نہیں تھا، اس کو بعد میں قائم کیا گیا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ اس کے بعد ہفتہ میں ایک مرتبہ اسے چھوڑ دیتے تھے۔ یعنی جس دن گشت یا آداب گشت یا تقریر کا پروگرام ہوتا تھا، اس دن اسے (ختم خواجگان) موقوف رکھتے تھے۔ وہ حضرت تو اس سلسلہ کو بند کرنے کے لیے برابر اصرار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ اس کی بناء پر وہ تلاوت یٰسین شریف بھی بند کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ تسبیح یعنی ختم خواجگان کو

اوپر ذکر کردہ طریقہ کے مطابق پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا جائے، تو کیسا ہے؟ جو حضرات اس تسبیح کو نہیں پڑھتے ہیں، ان پر دباؤ نہیں ڈالا جاتا، کیا اس طرح پڑھنا حقیقت میں بدعت ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ طریقہ پر پڑھے جانے والے ذکر اور دعا کو ختم خواجگان کہا جاتا ہے، اگر غیر ضروری سمجھ کر پڑھا جائے اور شرکت نہ کرنے والے کو برا نہ کہا جائے، تو کوئی بھی وقت متعین کر کے پڑھنا اور ساتھ مل کر دعا کرنا جائز ہے، اسے بدعت کہنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اوپر ذکر کردہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے یٰسین شریف کی تلاوت کی جائے، تو جائز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بدعت وہ ہے، جو قرآن، حدیث، اثر اور اجماع امت کے خلاف ہو؛ لہٰذا اگر کوئی کام مذکورہ امور کے خلاف نہ ہو، تو جائز ہوگا، امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ بدعت ہر وہ چیز ہے جس کا وجود صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں نہ ہو۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۱/۱۷۹)۔ [1] لہٰذا مذکور ختم خواجگان اور ختم یاسین شریف بدعت نہیں ہے۔ جو بھائی ضد کرتے ہیں، ان کا بند کرانا اور بند کرانے کے لیے دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر، بدی اور فتنے کے غلبے کے زمانے میں لوگ جمع ہو کر ذکر الٰہی اور تلاوت یٰسین شریف کے بعد دعا مانگیں، تو بہتر ہے۔ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کو کوئی معاملہ یا حادثہ پیش آجاتا، مثلاً آندھی چلتی، یا بادل چھا جاتے، تو آپ ﷺ نماز کے لیے جلدی کرتے تھے۔ [2]

رات دن امت مسلمہ پر پریشانی اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں؛ لہٰذا اہل اسلام مجتمع ہو کر ذکر واذکار اور ختم تلاوت یٰسین شریف کے بعد دعائیں مانگیں، یہ نہ صرف جائز بل کہ مطلوب ہے۔ اس لیے کسی کا اس سے روکنا، ضد کرنا، اور دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ [3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قال الشافعي رحمه الله: ما أحدث مما يخالف الكتاب أو السنة أو الأثر أو الإجماع فهو ضلالة، وما أحدث من الخير مما لا يخالف شيئا من ذلك فليس بمذموم... قال النووي: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق، وفي الشرع إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم. (مرقاة المفاتيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱/ ۲۲۴، تحت رقم الحديث: ۱۴۱، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن حذيفة قال: «كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا حزبه أمر، صلى». (سنن أبي داؤد، ص: ۱۸۷، رقم الحديث: ۱۳۱۹، كتاب الصلاة، باب وقت قيام النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند)

(۳) اسی سے ملتا جلتا سوال حضرت مفتی عبد الرحیم لاج پوری صاحب نے حضرت مفتی یحیی صاحب سے کیا تھا، انہوں نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی سے دریافت فرمایا تھا۔ سوال و جواب کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی رحیمیہ: ۲/ ۲۲۸، کتاب السنۃ والبدعۃ، ط: کراچی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ.
(۴-النساء:۵۹)

باب التقلید

(تقلید کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[تقلید کا بیان]

[۱] ائمہ اسلام کی تقلید در حقیقت پیغمبر علیہ السلام کی پیروی ہے

۳۰۳-سوال: ائمہ کرام چار ہیں: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ، جن کی بہت سے حضرات تقلید کرتے ہیں اور ہر انسان اپنے اپنے امام کی پیروی کرتا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ ان اماموں کا امام کون ہے؟ اور ان کے (یعنی امام الائمہ کے) بتائے ہوئے راستہ کی اتباع کرنی چاہیے یا ان ائمہ کی اور دونوں میں فرق کیا ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بہتر ہوتا کہ آپ اس سوال کا تسلی بخش جواب حاصل کرنے کے لیے روبرو تشریف لاتے؛ تاہم آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے:

ہر مومن کے لیے مشعل راہ، قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، یہی دونوں چیزیں بنیاد ہیں، اور ان کی ہی روشنی میں قیاس واستحسان کے ذریعہ مسائل کو اخذ کیا جاتا ہے۔ [1] پھر اگر اس پر تمام علماء امت کا اتفاق ہو، تو "اجماعِ امت" ورنہ اسے "قیاس" کہا جاتا ہے، اور جو مسائل ان چاروں دلائل سے

---

(۱) عن أناس من أهل حمص من أصحاب معاذ بن جبل أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لما أراد أن يبعث معاذا إلى اليمن، قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضي بكتاب الله. قال: فإن لم تجد في كتاب الله. قال فبسنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم-. قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ولا في كتاب الله. قال: أجتهد رأيي ولا آلو. فضرب رسول الله -صلى الله عليه وسلم- صدره وقال: الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضي رسول الله. (سنن أبي داؤد: ۲/ ۵۰۵، رقم: ۳۵۹۲، كتاب الأقضية، باب اجتهاد الرأي في القضاء، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/ ۲۴۷، رقم الحديث: ۱۳۲۷، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، أبواب الأحكام، ط: البدر- ديوبند)

مستنبط کیے گئے ہوں، ان ہی کے مجموعے کو ''فقہ'' کہا جاتا ہے۔ (۲)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ چاروں ائمہ جو کچھ کہتے ہیں، وہ ان کی اپنی باتیں نہیں ہیں؛ بل کہ انھوں نے مذکورہ چاروں حجتوں کو بنیاد بنا کر مسائل کو اخذ کیا ہے اور لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ (۳) جس کی وجہ سے آج ان کی اتباع کرنے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ (۴) اور جو لوگ ان کی اتباع نہیں کرتے ہیں، ان میں ایک فرقہ ''اہل حدیث'' نامی ہے، جو صرف احادیث کو حجت مانتا ہے اور جہاں سہولت وآسانی ہوتی ہے، بہ تقاضائے نفس اسی پر عمل کرتا ہے، بیس رکعت تراویح کے بجائے آٹھ رکعت، تین طلاق میں ایک طلاق وغیرہ مسائل ان کے یہاں مشہور ہیں، حاصل یہ کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک بنیادی چیز قرآن وحدیث ہے اور دیگر مسائل ان ہی دونوں (قرآن وحدیث) سے اخذ کردہ ہیں۔

اس لیے ان ائمہ کی پیروی درحقیقت نبی کریم ﷺ کی پیروی ہے، جو حضرات ان ائمہ کی اتباع کرتے ہیں، وہ درحقیقت دین کی تشریح وتعبیر میں ان کو معتبر مانتے ہیں، ان کی پیروی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہی واجب الاتباع ہیں، قرآن وحدیث کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بعض لوگ اس طرح دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس موضوع پر بے شمار تحریریں لکھی گئی ہیں، جن میں تقلید کی شرعی حیثیت کی خوب وضاحت کی گئی ہے، آپ ان کی جانب بھی رجوع کرسکتے ہیں۔ (۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲) كما هو ظاهر من تعريف الفقه: العلم بالأحكام الشرعية الفرعية المكتسب من أدلتها التفصيلية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۱۸، مقدمة، ت: عادل أحمد الموجود، علي محمد معوض، ط: دار عالم الكتب، الرياض، طبع خاص: ۱۴۲۳ھ = ۲۰۰۳ء)

(۳) وهذا الأصل مروي عن ابن عباس، كما في سنن الدارمي عن عبد الله بن أبي يزيد قال: كان ابن عباس إذا سئل عن الأمر فكان في القرآن أخبر به، وإن لم يكن في القرآن وكان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخبر به، فإن لم يكن فعن أبي بكر وعمر، فإن لم يكن قال فيه برأيه. قال: إسناده صحيح. (سنن الدارمي: ۱/ ۲۶۵، رقم: ۱۶۶، باب الفتيا وما فيه من الشدة، المقدمة، ت: حسين سليم أسد الداراني، ط: دار المغني للنشر والتوزيع، طبع اول: ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء)

(۴) جس کا حکم قرآن و حدیث میں موجود ھے، قرآن کریم میں ارشاد ھے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ. (س النساء: ۵۹) قال الرازي: فكان حمل لفظ "أولي الأمر" عليهم (العلماء) أولى. (مفاتيح الغيب لمحمد بن عمر المعروف بـ فخر الدين الرازي: ۱۰/ ۱۵۰، ط: دار الفكر، بيروت، طبع اول: ۱۴۰۱ھ = ۱۹۸۱ء)

(۵) دیکھیے: الکلام المفید فی اثبات التقلید، ایضاح الادلۃ اور تقلید کی شرعی حیثیت

[۲] تقلید فرض ہے یا واجب؟

۳۰۴-سوال: کسی بھی امام کی تقلید کرنا فرض ہے یا واجب؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم اور حدیث پاک سے (براہ راست) جس شخص کو مسئلہ سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس پر تقلید ضروری ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تقلید کا حکم خود قرآن کریم میں ہے: ارشاد ربانی ہے: وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ. [-۴النساء:۸۳] یہ آیت اگرچہ ایک خاص معاملے میں نازل ہوئی ہے، مگر آیت کے عموم سے تقلید کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے۔ دوسری آیت ہے: يأيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم. [-۴النساء:۵۹] اس میں بھی اولو الأمر کی اطاعت کا حکم ہے اور اسی اطاعت کا اسلامی نام تقلید ہے۔

وفي الحديث: من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه. (سنن أبي داؤد، ص:۵۱۵، رقم الحديث: ۳۶۵۷، كتاب العلم، باب التوقي في الفتيا، ط: البدر-ديوبند) یہ حدیث بھی تقلید کے جواز پر بڑی واضح دلیل ہے۔

وفي البخاري تعليقا وفي المسلم متناً "ايتموا بي وليأتم بكم من بعد كم. (صحيح البخاري: ۱/۹۹، كتاب الأذان، باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالمأموم) قال ابن حجر في شرحه: وقيل معناه تعلموا مني أحكام الشريعة، وليتعلم منكم التابعون بعدكم وكذلك أتباعهم إلى انقراض الدنيا. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م:۸۵۲هـ): ۲/۲۰۵، ط: دار المعرفة-بيروت)

تقلید مطلق اور شخصی عہد صحابہ میں موجود تھی، تقلید مطلق کی ایک مثال: عن ابن عباس قال: خطب عمر بن الخطاب الناس بالجابية وقال: يأيها الناس! من أراد أن يسأل عن القران فليأت أبي بن كعب، ومن أراد أن يسأل عن الفرائض فليأت زيد بن ثابت، ومن أراد أن يسأل عن الفقه فليأت معاذ بن جبل، ومن أراد أن يسأل عن المال فليأتني فإن الله جعلني له واليا وقاسماً. (المعجم الأوسط-الطبراني: ۴/۱۲۷، رقم الحديث: ۳۸۷۳، ت: ابو معاذ طارق بن عوض الدين بن محمد، وغيره، ط: دار الحرمين، ۱۴۵۰ھ-۱۹۹۵ء)

عن معاذ بن جبل، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لما أراد أن يبعث معاذا إلى اليمن قال: »كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟« ، قال: أقضي بكتاب الله، قال: »فإن لم تجد في كتاب الله؟« ، قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: »فإن لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا في كتاب الله؟« قال: أجتهد رأيي، ولا آلو، فضرب رسول الله -صلى الله عليه وسلم- صدره، وقال: »الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله لما يرضي رسول الله«. (سنن أبي داؤد، ص:۵۰۵، رقم الحديث: ۳۵۹۲، كتاب الأقضية، باب أجتهاد الرأي في القضاء، ط: البدر-ديوبند)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو تقلید شخصی کی نہ صرف اجازت دی؛ بل کہ اس کو ان کے لیے لازم فرمایا۔

جواب میں جن کی جانب سے اشارہ کیا گیا ہے، اصطلاح میں ان کو "عوام" کہا جاتا ہے: حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ رقم فرماتے ہیں:

[۳] دین کے معاملے میں کسی بزرگ کے اصول کی حیثیت

۳۰۵-سوال: ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگ قرآن مجید اور میری احادیث مبارکہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو''۔[1] اس حدیث پاک کی رو سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی بھی امر دینی میں کسی امام یا بڑے سے بڑے عالم کا قول وفعل قابل قبول اور لائق اعتناء نہ ہو؛ کیوں کہ شرعی اصول وضوابط تو آج سے چودہ سو سال قبل ہی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں متعین و مقرر ہو چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بشر کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی امر شرعی میں اصول اور ضابطے بنائے۔

حضرت مفتی صاحب! گستاخی معاف فرمائیں، میں نے یہ سوال صرف اس لیے کیا ہے کہ میرے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو معاً میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں قرآن و حدیث سے ہمیں کیا رہنمائی ملتی ہے، میری ناقص فہم کے اعتبار سے قرآن وحدیث سے جو حکم ثابت ہو، اسی پر عمل کرنا چاہیے، اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جن لوگوں نے خود ساختہ اصول وضوابط مقرر کیے ہیں، ان کی جانب التفات نہیں کرنا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اگر کوئی قوانین وضوابط بنائے جائیں، تو یہ لائق تقلید

= عوام سے ہماری مراد مندرجہ ذیل اقسام کے حضرات ہیں: (۱) وہ حضرات ہیں، جو عربی زبان اور اسلامی علوم سے بالکل ناواقف ہوں، خواہ وہ دوسرے فنون میں کتنے ہی تعلیم یافتہ ماہر ومحقق ہوں۔ (۲) وہ حضرات جو عربی زبان جانتے اور عربی کتابیں سمجھ سکتے ہوں؛ لیکن انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ اور متعلقہ دینی علوم کو باقاعدہ اساتذہ سے نہ پڑھا ہو۔ (۳) وہ حضرات ہیں جو رسمی طور پر اسلامی علوم سے فارغ التحصیل ہوں؛ لیکن تفسیر، حدیث، فقہ اور ان کے اصولوں میں اچھی استعداد اور بصیرت پیدا نہ ہوئی ہو۔ یہ تینوں قسم کے حضرات تقلید کے معاملے میں ''عوام'' ہی کی صف میں شمار ہوں گے، اور تینوں کا حکم ایک ہے (في الهداية: لأن على العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه إلى معرفة الأحاديث. (الهداية: ۱/ ۲۰۶، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء و الكفارة، ط: مكتبة الاتحاد يوبند) [الماخوذ من موضع مختلفته من كتاب: ''تقلید کی شرعی حیثیت'' للشيخ محمد تقي العثماني -حفظه الله- ط: دار المؤلفين، ديوبند، الطبعة السابعة: ۲۰۰۹ء]

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إني قد خلفت فيكم اثنين، لن تضلوا بعدهما أبدا، كتاب الله، وسنتي، ولن يتفرقا حتى يردا على الحوض. (مسند البزار: ۱۵/ ۳۸۵، رقم: ۸۹۹۳، ط: مكتبة العلوم و الحكم، المدينة المنورة)

ہوتے ہیں؛ہاں! قرآن کریم اوراحادیث نبویہ (علی صاحبھا الصلاۃ والسلام) کے خلاف کوئی قانون ہو،تووہ ماننے کے لائق نہیں ہے؛لہٰذا کوئی بھی مسلم تنظیم یاسوسائٹی اگرقرآن کریم اوراحادیث مبارکہ کی روشنی میں کوئی اصول وضوابط مقرر کرتی ہے،توان کوتسلیم کرکے ان پرعمل پیرا ہونا چاہیے،ان کی خلاف ورزی کرنا مناسب نہیں ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] ایک غیر مقلد کی جانب سے حنفی امام کوارسال کیے گئے تقلید کے متعلق چند سوالات

۳۰۶-سوال: محترم المقام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم!

آپ کی خدمت میں چند سوالات پیش کررہاہوں، جو مجھ پرکسی غیر مقلد نے بذریعۂ خط روانہ کیے ہیں، میں ایک جگہ امامت کرتاہوں،تراویح کے متعلق میں بیان کررہا تھا،اُس کے چندروز بعد یہ خط مجھے ارسال کیا گیا ہے، برائے کرم آپ اُس کاایسا مسکت جواب دیں کہ اس جیسے سوالات کا سلسلہ بند ہوجائے،اور آپ بھی مجھے کچھ سوالات کی رہنمائی فرمائیں، جومیں اُس کو پوچھ سکوں،خط میں مندرجۂ ذیل سوالات تھے:

(۱) کیا تقلید واجب ہے؟

(۲) اگر تقلید واجب ہے،توکیا آپ ﷺ کی تمام اُمت پر یا اُس سے کچھ لوگوں کا استثناء ہے؟

(۳) ائمۂ اربعہ کس کے مقلد تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تقلید کے وجوب وعدمِ وجوب کا مسئلہ بہت تفصیل طلب اوردقیق ہے، یہاں عام فہم انداز میں مختصراً اُس کا خلاصہ نقل کرتاہوں:

ایک عامی آدمی- جومسائلِ شرعیہ سے واقف نہیں ہے- آخر کیا کرے گا؟ کسی واقف سے دریافت کرلے گا،خواہ اپنے مسائل کے لیے کسی خاص شخص کو متعین کرلے،جس پر اُسے یقین اوراعتماد ہو،کہ وہ جو کچھ بھی بتائے گا وہ صحیح اورقرآن کریم اوررسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک کے مطابق ہوگا،خواہ اس قسم کے چند متعدد لوگوں سے بہ وقتِ ضرورت پوچھتا رہے،اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:تقلید کی شرعی حیثیت،از:حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ☆ ارمغان حق،از:مولانا ابوبکر غازی پوریؒ ☆ تجلیات صفدر،از:مولانا امین صفدر ☆ اختلاف امت اورصراط مستقیم،از:شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانویؒ۔

فاسئلوا أهل الذکر إن کنتم لا تعلمون.(۱)

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھتے رہو۔

اس کا نام تقلید ہے، تقلید ایک معقول چیز ہے، معمولی عقل والا بھی بہ خوبی جانتا ہے کہ دنیوی امور میں بھی ہر شخص (اگر چہ وہ کچھ علم رکھتا ہو) کسی فن میں مہارت حاصل کیے بغیر اور اساتذہ سے پڑھے بغیر اپنے مطالعہ کی بنیاد پر عمل کرے گا، تو ٹھوکر کھائے گا، اگر ایک بیمار آدمی کتب طب سے اپنا علاج خود ڈھونڈنا چاہے، تو نقصان اٹھائے گا، اُس کو لامحالہ کسی طبیب سے مشورہ کرنا ہوگا اور اُس کی بات ماننی ہوگی، ڈاکٹر کے پاس علاج کے لیے جانا پڑے گا، خواہ اپنے تمام امراض کا علاج ایک ڈاکٹر سے کروائے جو اُس کا فیملی ڈاکٹر ہو، یا مختلف امراض میں مختلف ڈاکٹروں سے علاج کروائے، دونوں صورتیں صحیح ہیں؛ لیکن علاج ضروری ہے، اب اگر یہ شخص ایک ہی مرض میں مختلف ڈاکٹروں سے نسخے لکھوائے، پھر اُن نسخوں میں سے اپنی جانب سے کچھ دوائیاں منتخب کرتا ہے، کہ ایک ڈاکٹر کی تجویز کردہ ٹیبلیٹ لیتا ہے، دوسرے کا انجکشن، تیسرے کی کیپسول اور چوتھے کی پینے کی دوا پی لے، ظاہری بات ہے کہ کوئی بھی عقل مند نہیں کہے گا کہ اُس کا یہ فعل درست ہے، بل کہ یہ شخص صحت یاب ہونے کے بجائے مزید بیمار ہوگا، ہاں، مختلف مواقع میں مختلف ڈاکٹروں، اطباء یا ہومیو پیتھک ڈاکٹروں سے علاج کرواتا ہے، تو کوئی حرج نہیں، پھر بھی یہ بات مزاج کے موافق نہ ہوگی۔

اسی طرح مسائلِ شرعیہ میں اگر کسی ایک ہی امام کی تقلید کرتا ہے، تو محفوظ رہتا ہے، اگر ایک مسئلہ میں چند مجتہدین کے حکم پر عمل کرتا ہے، تو یہ ابطالِ شرع ہے اور اپنی خواہش کی اتباع ہے، ایسا آدمی نقصان اٹھائے گا، بجائے ہدایت کے ضلالت میں جا گرے گا، مثلاً وضوء کرنے کے بعد عورت کو ہاتھ لگایا، کہتا ہے کہ وضوء نہیں ٹوٹا، بدن سے خون یا پیپ نکلا اور کہتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹا، تو اس شخص کے نزدیک تو اُس کا وضوء باقی ہے، حالاں کہ کسی بھی امام کے نزدیک اُس کا وضو باقی نہیں رہا، تو کیا یہ شریعتِ مطہرہ کے ساتھ کھلواڑ نہیں ہے؟ یہ خواہش نفس کی اتباع اور آزادیٔ نفس ہے۔

اس لیے ایسے آدمی کے لیے واجب اور ضروری ہے کہ وہ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی راہ کو اختیار کرے اور اُسی پر چلتا رہے، اُس میں اتنی بصیرت کہاں کہ مختلف مسائل میں مختلف ائمہ کے مسلک کو اختیار کرے۔

اور اگر وہ عالم ہے، تو وہ اپنے اجتہاد پر عمل کر سکتا ہے، بشرطیکہ اجتہاد کی شان اور قابلیت اُس میں

(۱) فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔[۱۶-النحل:۴۳]

موجود ہو۔ (جس کا تذکرہ ابھی آئے گا) مگر ایسا آدمی دوسرے لوگوں کو یہ دعوت نہیں دے سکتا کہ تم چاروں ائمہ کا مسلک چھوڑ دو اور میری راہ اختیار کرو، جب تک کہ وہ اجتہاد میں ائمۂ اربعہ سے زیادہ اپنی صلاحیت ثابت نہ کر دے اور اگر کوئی ایسا ہے، تو اُس کے اتباع کی دعوت دینا تو تقلیدِ عظیم ہے اور ''جس سے بھاگے ،اُسی میں گرے'' کا مصداق بھی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دوسروں کو ائمۂ اربعہ کی تقلید سے روکتے ہیں، درحقیقت وہ بڑی اور بری تقلید میں خود مبتلا ہیں؛ کیوں کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنے والوں میں تو ایسے لوگ بھی ہیں، جنہوں نے کہیں اپنے امام کے قول کو ترک کیا ہے؛ لیکن یہ غیر مقلدین تو سب کے سب یک زبان ہیں کہ ائمہ کی تقلید کو چھوڑ دو، ہم جو کہتے ہیں اُسی کو مانو، یہی درست ہے۔ ـــــــــ علامہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، نواب صدیق حسن خاںؒ اور دو تین دوسرے علماء کرام ہیں بس، اُنہوں نے جو راستہ اختیار کیا، تم بھی اُسی کو اختیار کرو، گویا ائمہ اربعہ کی تقلید کو ترک کرنے کے بارے میں بلا دلیل ہماری بات مان لو، اگر اُن میں کچھ اونچے نیچے لوگ ہیں، تو امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ وغیرہ کی بات یا اُن کی روایت پیش کرتے ہیں، تو آخر یہ بھی تو امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ کی تقلید ہوئی، یہ آزادیٔ نفس اور کبر ہے، اگر ایسے لوگوں کو خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ ہمیں ٹھکرا دیں گے، تو شاید ضرور یہ کہتے کہ صحابۂ کرامؓ کی بات بھی مت مانو، مگر ایسا کہہ دینا بہت مشکل ہے؛ اس لیے کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی اتباع کرو، چناں چہ اُن کی ایک جماعت 'مودودی مکتبِ فکر' کے متبعین درحقیقت غیر مقلدین ہی کی جماعت ہے، جو صحابۂ کرامؓ کو بھی ناقابلِ اعتبار اور قابلِ تنقید ٹھہراتے ہیں، یہاں تک کہ حدیثِ صحیح کے انکار تک باز نہیں آتے، اور یہ حقیقت ہے کہ جس نے اس آزادیٔ نفس کو اختیار کیا ہے، وہ بسا اوقات انکارِ حدیث، دعویٰ نبوت اور دعوائے مہدویت تک کر بیٹھتا ہے، چناں چہ جو لوگ بھی ایسے ہیں، وہ اپنے ادھورے مطالعہ اور ناقص استعداد کی بنا پر اور کسی معلم و استاذ کی تربیت و رہنمائی کے بغیر آگے بڑھنے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔

جب صحابۂ کرامؓ میں سے بعض نے دوسرے صحابہؓ کا اتباع کیا، حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی جن کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "لو كان بعدي نبي، لكان عمر ابن الخطاب". [1]

---

(۱) لو كان بعدي نبي، لكان عمر بن الخطاب. (فضائل الصحابة- أبو عبد الله أحمد ابن حنبل الشيباني (م: ۲۴۱ھ) :۱/ ۳۵۶، رقم: ۵۱۹، ت: د. وصي الله محمد عباس، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت ☆سنن الترمذي، رقم: ۳۶۸۶، أبواب المناقب، باب في مناقب أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه ☆ مسند الإمام أحمد: ۲۸/ ۶۲۴، رقم: ۱۷۴۰۵، ط: مؤسسة الرسالة ☆ وانظر الشريعة -الآجري(م: ۳۶۰ھ): ۴/ ۱۷۱۴، رقم: ۱۲۰۳، باب ذكر خلافة أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، ط: دار الوطن- الرياض)

کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا، اور فرمایا کہ ہر اُمت میں کچھ لوگوں کو الہام ہوتا ہے اور میری اُمت میں عمر کی یہی شان ہے، چناں چہ کچھ مسائل میں حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق وحی نازل ہوئی، مگر ایسا صحابی بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتا؛ بل کہ فخر کرتا ہے:

قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: إني لأستحي من الله أن أخالف أبا بكر، صح عنه أنه قال: رأينا لرأيك تبع. وصح عن ابن مسعود -رضي الله تعالى عنه- أنه كان يأخذ بقول عمر. [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کروں، اور صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے قول کو اختیار فرماتے تھے۔ (اعلام الموقعین لابن القیم: ۲/ ۲۰۲)[2]

حضرت شعبیؒ حضرت مسروقؒ سے نقل کرتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ میں سے چھ صحابہؓ فتویٰ دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم، اگر اختلاف ہوتا تو حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے قول کو مانتے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت علیؓ کے قول کو اور حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے قول کو اختیار فرماتے۔ (اعلام الموقعین: ۲/ ۲۰۲)[3]

---

(۱) تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في تفسير الكشاف للزمخشري-جمال الدين، الزيلعي (م: ۷۶۲هـ): ۱/ ۲۹۱، سورة النساء، ت: عبدالله بن عبدالرحمن السعد، ط: دار ابن خزيمة-الرياض)

تفسير الثعلبي =الكشف والبيان عن تفسير القرآن- الثعلبي، أبو إسحاق (م: ۴۲۷هـ): ۳/ ۳۶۹، ت: الإمام أبي محمد بن عاشور، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(الدر المنثور-جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱هـ): ۲/ ۵۶۷، ط: دار الفكر-بيروت)

(أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن-الشنقيطي، محمد الأمين (م: ۱۳۹۳هـ): ۷/ ۳۱۶، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) إعلام الموقعين عن رب العالمين- ابن قيم الجوزية (م: ۷۵۱هـ): ۲/ ۱۴۰، التقليد والاتباع في الدين، ت: محمد عبد السلام إبراهيم، ط: دار الكتب العلمية-بيروت.

(۳) وقال الشعبي عن مسروق: كان ستة من أصحاب النبي -صلى الله عليه وسلم- يفتون الناس: ابن مسعود، وعمر بن الخطاب، وعلي، وزيد بن ثابت، وأبي بن كعب، وأبو موسى، وكان ثلاثة منهم يدعون قولهم لقول ثلاثة: كان عبدالله يدع قوله لقول عمر، وكان أبو موسى يدع قوله لقول علي، وكان زيد يدع قوله لقول أبي بن كعب. (المصدر السابق)

رہی یہ بات کہ پھر ہم صحابۂ کرامؓ کی اتباع کیوں نہیں کرتے؟ ہم بھی حضرت عمرؓ یا اور کسی صحابیؓ کو اپنا پیشوا کیوں نہیں بناتے کہ اُن کی تقلید کریں، تو مختصر اور سادہ بات یہ ہے کہ یقیناً یہ حضرات قابل اتباع ہیں، لیکن دین وشریعت کے ہر مسئلہ میں کسی بھی ایک صحابیؓ سے ہمیں پورا ذخیرہ نہیں ملتا، کہ ہم ہر مسئلہ میں اُن ہی کی رائے کو اختیار کرسکیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ اپنے دور میں دین کی اشاعت اور دشمنوں سے جہاد میں اس قدر مشغول تھے کہ انہیں فرصت نہیں ملی کہ وہ ہر ہر مسئلہ کے بارے میں جس قدر احادیث اور صحابہؓ کی آراء ہیں جمع کرکے غور کرتے اور اجتہاد کے ذریعہ ہر ہر مسئلہ میں کسی ایک حکم کو طے کرتے، نیز صحابۂ کرامؓ کے دور میں خواہشات کا اتباع بھی نہ تھا، اس لیے جس کے پاس جو حدیث تھی، یا اجتہاد تھا، اُسی پر وہ عمل کرلیتا، پھر بھی حضرت عمرؓ نے ایسی جماعتیں قائم کرکے- جو بھی صحابہؓ موجود تھے- اُن سے پیش آمدہ مسائل میں مشورہ کرکے بہت سے علوم جمع کردیے تھے؛ لیکن عوام کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ صحابہؓ کے علوم سے براہِ راست استفادہ کرسکیں۔(۱)

اِسی لیے ائمہ مجتہدین کرامؒ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا کہ جب نورِ اسلام دنیا کے بہت سے خطوں میں پھیل گیا اور اطمینان وسکون حاصل ہوا، جملہ احادیث اور اقوالِ صحابہؓ سامنے آگئے، تو اُن مجتہدین کرامؒ نے عام اُمت کے لیے ایک راہ تجویز کی، جس پر مداومت سے چل کر منزل تک پہنچا جاسکے، منزل ایک ہی ہے، اور راستے چار ہیں، یہ من جانب اللہ ہے کہ جلیل القدر پیغمبر چار ہیں،(۲) جلیل القدر کتبِ سماویہ چار ہیں،(۳) جلیل القدر فرشتے چار ہیں،(۴) اور جلیل القدر ائمہ مجتہدین اور اُن کے مذاہب بھی چار ہیں،(۵)

---

(۱) فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یقیناً ائمہ اربعہ سے بدرجہا افضل ہیں، ائمہ اربعہ کی تقلید کی یہ وجہ نہیں کہ اُن کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تصور کیا جاتا ہے؛ بل کہ اُس کی وجہ یہ ہے کہ تقلید کے لیے ان مسائل کا معلوم ہونا ضروری ہے، جن میں تقلید کی جاتی ہے، اور آج جس قدر تفصیل کے ساتھ ہر باب اور ہر فصل کے مسائل ائمہ اربعہ کے مذاہب میں مدوّن اور مجتمع ہیں، یہاں تک کہ کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب الفرائض تک عبادات، معاملات؛ غرض ہر شعبہ کے ایک ایک مسئلہ کو جمع کردیا ہے، اس طرح تفصیل کے ساتھ نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا مذہب مدوّن ملتا ہے، نہ تابعین سے، نہ تبع تابعین وغیرہ سے، پھر ائمہ اربعہ کو چھوڑ کر کسی اور کی تقلید کی جائے، تو کس طرح کی جائے؟ اس لیے ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کو اختیار کیا گیا ہے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۶۰۵ باب التقلید، ط: مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند)

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔

(۳) زبور، توراۃ، انجیل، قرآن شریف۔

(۴) حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، حضرت عزرائیل علیہم السلام۔

(۵) حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ۔

جلیل القدر سلسلۂ اولیاء بھی چار[1] اور جسمانی بیماریوں کے علاج کے لیے طریقۂ علاج بھی چار ہیں۔[2]

اِن چاروں ائمہ میں سے کسی بھی ایک کی تقلید ضروری ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو جو صلاحیت واستعداد ملی، وہ دوسرے مجتہدین کو حاصل نہیں ہوئی، دوسرے بہت سے مجتہدین پیدا ہوئے؛ مگر اُن کو وہ مقبولیتِ عامہ حاصل نہیں ہوئی جو ائمہ اربعہ کو حاصل ہوئی؛ اِس لیے جو بھی غیر مجتہد ہے، اُس کے لیے اِن مجتہدین میں سے کسی ایک کی بات ماننا اور اُن پر اعتماد رکھنا- کہ اُنہوں نے پوری دیانت داری کے ساتھ اپنی انتھک محنتوں اور جاں فشانی کے بعد کتاب اللہ، احادیثِ صحیحہ، اجماع اور قیاس کے ذریعہ ہمارے لیے مسائل مستنبط فرما کر ہمیں ضلالت سے بچایا ہے- نہایت ضروری ہے۔[3]

چنانچہ علامہ ابن قیم جوزیؒ جو بہت بڑے عالم ہیں اور غیر مقلدین اُنہیں اپنا پیشوا قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اُن علماء کے لیے- جنھوں نے کتاب اللہ کے اتباع میں محنت صرف کی اور بعض مسائل کا حکم اُن پر پوشیدہ رہا- اپنے سے بڑے عالم کی تقلید کرنا قابلِ مذمت نہیں؛ بل کہ تعریف کا باعث ہے۔ (اعلام

(۱) نقشبندی، سہروردی، چشتی، قادری۔

(۲) اصلاحِ بلغم، اصلاحِ سوداء، اصلاحِ صفراء، اصلاحِ خون ۔/ ہومیو پیتھک، آلوپیتھک، آیورویدک اور یونانی طریقۂ علاج۔

(۳) العامي و من ليس له أهلية الاجتهاد، وإن كان محصلا لبعض العلوم المعتبرة في الاجتهاد، يلزمه اتباع قول المجتهدين، والأخذ بفتواه عن المحققين من الأصوليين. (الإحكام في أصول الأحكام-أبو الحسن الآمدي (م:۱ ۶۳ھ): ۴/ ۲۲۸، القاعدة الثانية، الباب الثاني، المسئلة الثانية: من ليس له أهلية الاجتهاد، ت: عبد الرزاق عفيفي، ط: المكتب الإسلامي، بيروت- دمشق- لبنان)

(و) بنى (على هذا) الذي ذكر من إجماع المحققين (ما ذكر بعض المتأخرين) وهو ابن الصلاح (منع تقليد غير) الأئمة (الأربعة) أبي حنيفة ومالك والشافعي وأحمد رحمهم الله تعالى (لانضباط مذاهبهم وتقييد) مطلق (مسائلهم وتخصيص عمومها) أي مسائلهم (ولم يدر مثله) أي مثل هذا الصنيع (في غيرهم) من المجتهدين (الآن لانقراض أتباعهم) أي أتباع غيرهم من المجتهدين، وبانقراض الأتباع تعذر ثبوت نقل حقيقة مذاهبهم. (تيسير التحرير- محمد أمين بن محمود البخاري المعروف بأمير بادشاه الحنفي (م: ۹۷۲ھ) ۴/ ۲۵۶، المقالة الثالثة في الاجتهاد، تكملة، ط: دار الفكر)

وقال الشاه ولي الله الدهلوي: منها أن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الأمة أو- من يعتد منها- على جواز تقليدها إلى يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح ما لا يخفى، لا سيما في هذه الأيام التي قصرت فيه الهمم جدا، وأشربت النفوس الهوى، وأعجب كل ذي رأي برأيه. (حجة الله البالغة- الشاه ولي الله الدهلوي (م:۱۱۷۶ھ): ۱/ ۳۷۶، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها، ت: السيد سابق، ط: دار الجيل- بيروت)

الموقعین: ۳/ ۱۸۸)[1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ وفات پاجانے والے عالم کی- جو کہ مجتہد ہو-تقلید جائز ہے،اور اُسی پر اطراف عالم میں سب مقلدین کا عمل ہے،اور بہترین تقلید اُن کے سامنے وفات پاجانے والوں کی تقلید ہے،اور جن لوگوں نے ان کی تقلید سے منع کیا ہے،یہ اُن کی اپنے من کی بات ہے۔(بلا دلیل ہے)(اعلام الموقعین: ۴/ ۲۱۵)(۲)

حضرت علامہ ابن قیم جوزیؒ نے حضرت امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ ''کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دین کے بارے میں فتویٰ دے، ہاں! مگر ایسا عالم، جو کتاب اللہ کے ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، تاویل، تنزیل، مکی ومدنی اور آیات کی مراد سے مکمل واقف ہو، نیز حدیث شریف کا پورا علم رکھتا ہو، جس طرح قرآن پاک کا علم ہو، لغتِ عرب کا پورا ماہر ہو، پھر یہ کہ وہ انصاف اور دیانت داری سے فیصلہ کرے، دنیا کے مختلف خطوں کے عرف ورواج سے واقف ہو، اور ان تمام کے ساتھ وہ فقیہ النفس ہو، کہ اُس کی طبیعت میں فقہ کی مناسبت راسخ ہو''۔(اعلام الموقعین: ۱/ ۴۶)[۳]

اگر کوئی عالم ان اوصاف کا حامل نہ ہو،تو اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

جب ایک مفتی کے لیے اِس قدر اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے،تو پھر ایک مجتہد کے لیے کتنی صلاحیت مطلوب ہوگی؟؟؟! اگر ایسی صلاحیت کا کوئی شخص حامل ہو،تو اُس پر تقلید واجب نہیں، بل کہ خود ائمہ مجتہدین نے

(۱)وأما تقليد من بذل جهده في اتباع ما أنزل الله وخفي عليه بعضه فقلد فيه من هو أعلم منه فهذا محمود غير مذموم، ومأجور غير مأزور.(إعلام الموقعين عن رب العالمين-ابن قيم الجوزية (م:۷۵۱ھ): ۲/ ۱۳۰، القول في التقليد وانقسامه،أنواع مايحرم القول به،ت: محمد عبد السلام إبراهيم،ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲)هل يجوز للحي تقليد الميت والعمل بفتواه من غير اعتبارها بالدليل الموجب لصحة العمل بها؟فيه وجهان... والثاني: الجواز، وعليه عمل جميع المقلدين في أقطار الأرض، وخيار ما بأيديهم من التقليد تقليد الأموات، ومن منع منهم تقليد الميت فإنما هو شيء يقوله بلسانه.(إعلام الموقعين: ۴/ ۱۶۵، فصل: هل للحي أن يقلد الميت من غير نظر للدليل)

(۳)وقال الشافعي فيما رواه عنه الخطيب في كتاب الفقيه والمتفقه له: لا يحل لأحد أن يفتي في دين الله إلا رجلا عارفا بكتاب الله بناسخه ومنسوخه، ومحكمه ومتشابهه، وتأويله وتنزيله، ومكيه ومدنيه، وما أريد به، ويكون بعد ذلك بصيرا بحديث رسول الله -صلى الله عليه وسلم-، وبالناسخ والمنسوخ، ويعرف من الحديث مثل ما عرف من القرآن، ويكون بصيرا باللغة، بصيرا بالشعر وما يحتاج إليه للسنة والقرآن، ويستعمل هذا مع الإنصاف، ويكون بعد هذا مشرفا على اختلاف أهل الأمصار، وتكون له قريحة بعد هذا، فإذا كان هكذا فله أن يتكلم ويفتي في الحلال والحرام، وإذا لم يكن هكذا فليس له أن يفتي.(إعلام الموقعين: ۱/ ۳۷، فصل: الإفتاء في دين الله بالرأي)

ایسے لوگوں کو اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے، کیا موجودہ دور میں کوئی ایسی صلاحیت کا حامل ہے؟ اگر ہے، تو اپنی صلاحیت ثابت کر دکھائے، کیا وہ لوگ جو احادیث کے ترجمے دیکھ کر باتیں بناتے ہیں اور ایک حدیث پاک بھی جن کو سند و متن کے ساتھ یاد نہ ہو، اُن کو تقلید سے عار اور مقلد پر غیظ آتا ہے، یہ تو سراسر نادانی اور کبر ہے۔

جیسا کہ شروع میں بتایا جاچکا ہے کہ یہ تحریر عام فہم انداز میں مختصراً لکھی گئی ہے، جس سے خلاصہ سمجھ لیا ہوگا، اب ایک مشہور مانے ہوئے غیر مقلد عالم حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی کا قول جو اُن کی کتاب ''اشاعت السنۃ'' میں ہے، دیکھ لیجیے، فرماتے ہیں:

''پچیس سالہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ عدمِ تقلید بے دینی کا دروازہ ہے۔'' (احسن الفتاویٰ: ۱/ ۴۰۶) (۱)

غور کیجیے کہ پچیس سالہ تجربہ کے بعد اِتنے بڑے عالم کو اقرار کرنا پڑا کہ عدمِ تقلید بے دینی کا دروازہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] والدین میں مسلک کا اختلاف ہو، تو بالغ لڑکا کس کی پیروی کرے؟

۳۰۷-سوال: ایک گھرانے میں شوہر حنفی المسلک ہے، اور بیوی شافعی المسلک، اُن کا ایک بالغ لڑکا ہے، جو کبھی مسلکِ حنفی پر اور کبھی مسلکِ شافعی پر عمل کرتا ہے، مثلاً کبھی رفع یدین کرتا ہے اور کبھی رفع یدین ترک کرتا ہے اور پوچھنے پر کہتا ہے کہ میں نے اپنی والدہ کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے؛ اس لیے میں بھی کرتا ہوں، یا اپنے والد کو بغیر رفع کے نماز پڑھتے دیکھا ہے؛ اس لیے میں بھی اِسی طرح کرتا ہوں، سوال یہ ہے کہ اِس بالغ لڑکے کا یہ عمل شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب اِرسال فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عند الاحناف رفع یدین میں تو کوئی حرج نہیں؛ گرچہ احناف اس بات کے قائل ہیں کہ یہ غیر اولیٰ و غیر افضل ہے، تاہم اس کی اباحت میں کوئی شبہ نہیں۔ (۲)

لیکن مذکورۂ بالا صورت کا تعلق صرف رفع یدین کے مسئلہ سے نہیں ہے، ؛ بل کہ اس کا تعلق تقلید و

---

(۱) احسن الفتاوی: ۱/ ۴۱۰، کتاب العلم والعلماء، بہ حوالہ: رسالہ اشاعت السنۃ نمبر: ۲، ج: ۱۱، طبع: ۱۸۸۸ء، ط: ایچ ایم سعید، کراچی۔

(۲) (قوله: إلا في سبع) أشار إلى أنه لا يرفع عند تكبيرات الانتقالات، خلافا للشافعي و أحمد، فيكره عندنا، و لا يفسد الصلوة، إلا في رواية مكحول عن الإمام. (ردالمحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۰۶، كتاب الصلوة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها، ط: دار الفكر)

تلفیق سے ہے، جاننا چاہیے کہ حنفی یا شافعی ہونا کوئی ذاتی یا قومی وصف نہیں ہے کہ والدین کی اتباع اُس میں کافی ہو، اور دونوں کا مسلک علاحدہ ہونے کی صورت میں جب جی چاہے، دونوں میں سے کسی کبھی اتباع کر لی جائے؛ بل کہ بالغ لڑکے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی ایک مسلک کا پابند رہے، حنفیت اور شافعیت دونوں پر بیک وقت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا، کیوں کہ دونوں مسلکوں میں بعض مسائل میں حکم کے اعتبار سے حرمت وحلت، جواز وعدمِ جواز اور وجوب وعدمِ وجوب کا فرق ہے۔[1]

ائمۂ مجتہدین اور بالغ النظر علماء کے لیے تو گنجائش ہے کہ وہ بہ وقتِ ضرورت کسی امر میں ایک امام کے قول پر عمل کریں اور دوسرے امر میں دوسرے امام کے قول پر عمل کریں، مگر ایک ہی عمل میں بہ یک وقت دو مختلف مسلکوں پر عمل نہیں کر سکتے۔ (ردالمحتار: ۱/ ۵۶)[2]

اور عام آدمی؛ بل کہ عام علماء کو بھی اجازت نہیں ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف ائمہ کے اقوال پر عمل

= وللاستزادة انظر فتح القدير - ابن الهمام: ۱/ ۳۰۹، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر.

علامہ شامیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین مکروہ ہے، اور مکروہ سے ذہن مکروہ تحریمی کی طرف جاتا ہے، جب کہ جصاص رازیؒ اور علامہ سرخسیؒ نے اسے افضل اور غیر افضل کا اختلاف قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو جصاص رازی کی تحریر: أما ما ليس بفرض فهم مخيرون في أن يفعلوا ما شاءوا منه، وإنما الخلاف بين الفقهاء فيه في الأفضل منه. (أحكام القرآن: ۱/ ۲۲۸، مطلب الدهن المحنس يجوز الانتفاع به... الخ، تحت قوله تعالى: يأيها الذين امنوا كتب عليكم القصاص، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

اس کی وضاحت کرتے ہوئے فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ اسے مکروہ تحریمی قرار دینا مشکل ہے، انہوں نے دلیل میں علامہ شامیؒ کی اس تحریر کی جانب اشارہ کیا ہے:

فحينئذ إذا ذكروا مكروها فلا بد من النظر في دليله، فإن كان نهيا ظنيا، يحكم بكراهة التحريم، إلا لصارف للنهي عن التحريم إلى الندب، فإن لم يكن الدليل نهيا؛ بل كان مفيدا للترك الغير الجازم فهي تنزيهية. اهـ (رد المحتار: ۱/ ۱۳۲، كتاب الطهارة، مطلب في تعريف المكروه، وأنه قد يطلق على الحرام الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں: ایسے نازک وقت میں تقلیدِ شخصی واجب ہے اور غیر شخصی ان فتن مشاہدہ کے سبب ممنوع ہے، البتہ اگر کہیں یہ فسادِ غیر شخصی میں نہ پایا جائے، تو وہ بھی مامور علی التقدیر ہے مثل شخصی کے، پس واضح ہو گیا کہ تقلیدِ شخصی واجب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ مع تالیفاتِ رشیدیہ، ص: ۲۰۷، تقلید واجتہاد کے مسائل، تحت عنوانِ تقلیدِ شخصی، ط: مکتبۃ الحق مارڈن ڈیری جوگیشوری بمبئی)

وللاستزادة انظر: فتاویٰ محمودیہ: ۴/ ۶۱۴، باب التقلید، ط: مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند۔

(۲) وأنه يجوز له العمل بما يخالف ما عمله على مذهبه مقلدا فيه غير إمامه مستجمعا شروطه ويعمل بأمرين متضادين في حادثتين لا تعلق لواحدة منهما بالأخرى، وليس له إبطال عين ما فعله بتقليد إمام آخر... وقبل سطرين: وأما لو صلى يوما على مذهب وأراد أن يصلي يوما آخر على غيره فلا يمنع منه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۷۵، مقدمة الكتاب، ط: دار الفكر)

کریں، کیوں کہ اس میں اتباع ہویٰ کا خدشہ ہے، کہ جو بھی جی میں آیا، سہل معلوم ہوا اور اپنی غرض کے مطابق پایا اُس کو اپنا لیا، اور جو خلاف خواہش اور مشکل معلوم ہوا، اُس کو چھوڑ دیا، تو یہ تلفیق عام آدمی کے لیے خواہشات کے اتباع کا سبب بنے گی، اسی لیے علماء نے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا ہے۔

ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ ایک مرتبہ غور وخوض کے بعد کسی ایک مجتہد کے مسلک کو اختیار کرے، پھر اُسی پر قائم رہے، کیوں کہ ہر شخص میں ایسی صلاحیت واستعداد نہیں ہوتی کہ وہ دلائل شرع میں غور وخوض کر کے کسی حکم کو معلوم کر سکے۔

اس لیے مذکور بالغ لڑکے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک مسلک پر عمل پیرا ہو جائے، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ نے بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱/ ۳۸۵)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] تمام مسائل قرآن وحدیث سے ثابت ہیں

۳۰۸-سوال: بعض احکامات قرآن سے ثابت ہیں، بعض حدیث شریف سے ثابت ہیں، مگر کچھ مسائل ایسے بھی نظر آتے ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنے گئے، مثلاً: قربانی حج اور نماز کے مسائل، تو علماء نے یہ مسائل کہاں سے اخذ کیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکمل دین اور دین کے چھوٹے بڑے تمام مسائل، قرآن کریم اور حدیث شریف ہی سے ثابت ہیں، البتہ فرق اتنا ہے کہ کچھ مسائل قرآن کریم اور حدیث شریف کی عبارت ہی سے سمجھ میں آجاتے ہیں، حتی کہ بعض مسائل تو ان کے ترجمہ ہی سے سمجھ میں آجاتے ہیں، مگر اللہ تعالی کا کلام جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا اور اس کی ایک چھوٹی سی چھوٹی آیت بھی کوئی بنا نہیں سکا اور نہ بنا سکے گا، ایسا کلام جن مضامین اور مطالب کو شامل ہے، اسے بڑے درجہ کے عربی داں علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے پندرہ قسم کے علوم میں ماہر ہونا ضروری ہے۔ (۲) اور قرآن کریم کے بعد دوسرے نمبر پر حدیث شریف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

---

(۱) دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ: ۲/ ۲۱۳-۲۱۶، باب التقلید، ط: مکتبۂ شیخ الاسلام۔

(۲) ومنهم من قال: يجوز تفسيره لمن كان جامعا للعلوم التي يحتاج المفسر إليها، وهي خمسة عشر علما: أحدها: اللغة، الثاني: النحو، الثالث: التصريف، الرابع: الاشتقاق، الخامس والسادس والسابع: المعاني والبيان والبديع، الثامن: علم القراءات، التاسع: أصول الدين بما في القرآن من الآيات الدالة بظاهرها على ما لا يجوز على الله تعالى، العاشر: أصول الفقه، الحادي عشر: أسباب النزول والقصص، الثاني عشر: الناسخ والمنسوخ، الثالث عشر: الفقه، الرابع عشر: الأحاديث المبينة لتفسير المجمل والمبهم، الخامس عشر: علم الموهبة. قال ابن أبي الدنيا: =

ہے کہ اللہ تعالی میری زبان پر ایسا کلام جاری فرمادیتے ہیں، جو مختصر ہوتا ہے، مگر مختلف قسم کے مضامین اور مطالب سے بھرپور ہوتا ہے [(۱)] غرضیکہ قرآن وحدیث کی زبان قانونی زبان ہے، جیسے گورمنٹ کے قوانین (لاء) کی کتاب میں ایسی زبان استعمال کی جاتی ہے کہ وکلاء اس میں سے کئی مطالب نکال لیتے ہیں اور جہاں تک وکلاء کی رسائی نہ ہو، اسے ماہر بیرسٹر ہی سمجھ سکتے ہیں، تو یہ احکم الحاکمین کا کلام ہے، اس میں سے کیا نہیں نکالا جاسکتا؟ مگر اس کے لیے بڑی استعداد چاہیے، سمجھنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں، جو بالواسطہ یا بلاواسطہ قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] جو آدمی اہل حدیث ہوجائے، مگر کسی امام کو برا نہ کہتا ہو، اس کو گمراہ کہنا

۳۰۹-سوال: ایک آدمی کسی بھی امام کو برا بھلا کہے بغیر اپنی مرضی سے اہل حدیث ہوجائے تو کیا صرف اہل حدیث ہوجانے کی وجہ سے اس کو گمراہ کہہ سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

ائمہ کی تقلید کرنے سے آدمی گمراہ ہونے سے بچ جاتا ہے؛ لیکن کوئی آدمی اہل حدیث ہوجائے اور ائمہ کو برا بھلا نہ کہتا ہو، تو جائز ہے، اس کا شمار گمراہ فرقوں میں تو نہیں ہوسکتا؛ لیکن اس کے گمراہ ہوجانے کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ [(۲)]

= وعلوم القرآن وما يستنبط منه بحر لا ساحل له، قال: فهذه العلوم- التي هي كالآية للمفسر لا يكون مفسرا إلا بتحصيلها فمن فسر بدونها كان مفسرا بالرأي المنهي عنه وإذا فسر مع حصولها لم يكن مفسرا بالرأي المنهي عنه. (الإتقان في علوم القرآن- عبد الرحمان بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م:۹۱۱هـ): ۴/۲۱۶، النوع الثامن والسبعون: في معرفة شروط المفسر وآدابه، ت: محمد أبو الفضل إبراهيم، ط: الهيئة المصرية العامة للكتاب، الطبعة: ۱۳۹۴هـ/۱۹۷۴م)

روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني- شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰هـ): ۱/۶، خطبة المفسر، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۵هـ)

(۱) أن أبا هريرة، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: «بعثت بجوامع الكلم، ونصرت بالرعب، وبينا أنا نائم أتيت بمفاتيح خزائن الأرض فوضعت في يدي» قال أبو عبد الله: "وبلغني أن جوامع الكلم: أن الله يجمع الأمور الكثيرة، التي كانت تكتب في الكتب قبله، في الأمر الواحد، والأمرين، أو نحو ذلك". (صحيح البخاري: ۲/۱۰۳۸، رقم الحديث: ۷۰۱۳، كتاب التعبير، باب المفاتيح في اليد، ط: البدر- ديوبند)

(۲) العامي ومن ليس له أهلية الاجتهاد، وإن كان محصلا لبعض العلوم المعتبرة في الاجتهاد يلزمه اتباع قول المجتهدين والأخذ بفتواه عند المحققين من الأصوليين. (الإحكام في أصول الأحكام- أبو الحسن سيد الدين علي بن أبي علي بن محمد بن سالم الثعلبي الآمدي (م: ۶۳۱هـ): ۴/۲۲۸، الباب الثاني في التقليد والمفتي=

اور جاہل آدمی - جو خود حدیث اور عربی نہ سمجھتا ہو - تو وہ اہل حدیث نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ تو دوسرے کے کہنے اور سمجھانے کے مطابق ہی چلے گا؛ بل کہ چلنا ہی پڑے گا؛ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ کسی بھی امام پر اعتماد کرے، اور جو راستہ انہوں نے بتایا ہے، اس پر چلے، جس کے نتیجہ میں وہ گمراہ ہونے سے بچ سکتا ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] غیر مقلد کی تعریف اور ان کی کتابوں کا مطالعہ

۳۱۰-سوال: (۱) غیر مقلد کس کو کہتے ہیں؟

(۲) اہل حدیث کا اہل سنت والجماعت میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حضرات ائمہ اربعہ میں سے کسی کی اتباع نہیں کرتے وہ غیر مقلد ہیں، ان کا دعوی ہے کہ وہ صرف حدیث کی اتباع کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو چاروں امام اور علماء عظام پر سب وشتم سے بھی باز نہیں آتے، وہ اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں ہیں۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=والمستفتي الخ، المسألة الثانية من ليس له أهلية الاجتهاد يلزمه اتباع قول المجتهدين، ت: عبد الرزاق عفيفي، ط: المكتب الإسلامي - بيروت)

(غير المجتهد المطلق يلزمه) عند الجمهور (التقليد وإن كان مجتهدا في بعض مسائل الفقه أو بعض العلوم).

(تيسير التحرير - محمد أمين بن محمود البخاري المعروف بـ أمير بادشاه الحنفي (م: ۹۲۷ھ): ۴/۲۴۶، المقالة الثالثة في الاجتهاد وما يتبعه من التقليد والإفتاء، ط: دار الفكر - بيروت)

قال التهانوي: الذي نعتقده في دين الله ويعتقده جميع مشائخنا رحمهم الله تعالى هو ان تقليد أحد من الأئمة الأربعة واجب على كل واحد من المسلمين في هذا الزمان وتاركه فاسق لاعب في الدين. (امداد الفتاوى: ۶/ ۱۲ ۳، كتاب العقائد والكلام، ط: ادارة تاليفات اولياء - ديوبند)

مذکورہ عبارات اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ تقلید واجب اور ضروری ہے، اگر کوئی شخص ائمہ اربعہ کو برا بھلا نہ کہے اور تقلید بھی نہ کرے، پھر بھی اس کو ترک واجب کا گناہ ہوگا۔

(۱) منها أن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الأمة - أو من يعتد به منها - على جواز تقليدها إلى يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح ما لا يخفى لا سيما في هذه الأيام التي قصرت فيها الهمم جدا، وأشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذي رأي برأيه. (حجة الله البالغة - أحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين المعروف بـ «الشاه ولي الله الدهلوي» (م: ۱۱۷۶ھ): ۱/ ۲۶۳، المبحث السابع، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها، ط: دار الجيل - بيروت)

(۲) اہل سنت والجماعت وہ مسلمان ہیں جو عقائد واحکام میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک پر ہوں اور قرآن کے ساتھ سنت نبویہ کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔۔۔ یہ تو اس لقب کے معنی ہیں اور اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابو=

[۹] کیا تلفیق بین المذاہب درست ہے؟

۳۱۱-سوال: ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کے کسی بھی مسئلہ پر عمل کر سکتے ہیں، اگر نہیں کر سکتے ہیں، تو اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو آدمی مقلد ہے اس کو اپنے مسلک کے امام کے مفتی بہ مسائل پر عمل کرنا ضروری ہے؛ لیکن کسی عذر کی بناء پر اس وقت کے علماء کرام دوسرے مسلک پر بھی فتوی دے سکتے ہیں، مثلاً حنفی مسلک میں کسی مسئلے کے بارے میں تنگی اور امت کے لیے باعث تکلیف سمجھے تو علماء کرام متفق ہو کر دوسرے امام کے مسلک کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہیں؛ لہٰذا ان کے فتوی کی وجہ سے دوسرے امام کے مسئلہ پر عمل کرنا جائز ہوگا، جس طرح ''حیلۂ ناجزہ'' کتاب لکھی گئی ہے جس میں بعض مسائل میں حنفی مسلک میں دشواری ہونے کی وجہ سے مالکی مسلک پر عمل کرنے کے متعلق فتوی دیا گیا ہے؛ لیکن عوام کا اپنی طرف سے دوسرے امام کے کسی بھی مسئلہ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اس کی کچھ وجوہات ہیں، یہاں درج کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

سب سے بڑی وجہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس عمل سے انسان اہل ہوی یعنی خواہشات پر عمل کرنے والا بن جائے گا، جس سے حدیث پر عمل کرنا آسان ہوگا اس پر عمل کرے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔[۱]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الحسن اشعری یا ابو منصور ماتریدی کے متبع ہوں۔۔۔ اور فروع میں ائمہ اربعہ مشہور میں سے کسی ایک امام کے مقلد ہوں۔ (امداد الاحکام-مولانا ظفر احمد عثمانی: ۱/ ۱۶۹، کتاب الایمان والعقائد، فصل فی الفرق الاسلامیہ، ط: زکریا بک ڈپو، دیوبند)

اس سلسلے کے مزید مفصل جواب کے لیے ملاحظہ فرمائیں، ارمغان حق-مولانا ابوبکر غازی پوری: ۱/ ۳۲۵، زیر عنوان: (۱) صحابہ کرام کو برا کہنے والا اہل سنت نہیں قرار پائے گا، (۲) تارکین تقلید کا نام عقلاً وشرعاً غیر مقلد سے زیادہ کوئی اور مناسب نہیں، ط: مکتبہ اثریہ، قاسمی منزل، سید واڑہ، غازی پور، یوپی۔

(۱) رہا تقلید مذہب غیر کا معاملہ سو عامی کو اس کی اجازت نہیں؛ کیوں کہ عوام کو اس کی اجازت دینے میں تلاعب بالدین ہے وہ دین کو کھیل بنالیں گے کہ آج اس کے مذہب میں سہولت دیکھی اس پر عمل کر لیا کل دوسرے کے مذہب پر، اور وہ تقلید مذہب غیر جس کا منشاء تتبع رخص ہو اتفاقاً حرام ہے، بل کہ یہ منصب علماء کا ہے کہ وہ سائل کی حالت دیکھ کر اور تقلید مذہب غیر کی ضرورت دیکھیں تو اس کو اس کی اجازت دے دیں، جس کی صورت یہ نہیں کہ خود مذہب غیر پر فتوی دیں؛ بل کہ اس کو دوسرے مذہب کے علماء سے رجوع کرنے کا طریقہ بتلادیں۔ (امداد الاحکام ۱/ ۱۷۴، کتاب التقلید والاجتہاد، ط: زکریا-دیوبند)

قاموس الفقہ-مولانا خالد سیف اللہ مدظلہ: ۲/ ۵۳۲، ط: نعیمیہ-دیوبند۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ. (۳-آل عمران:۱۱۰)

باب مایتعلق بالتبلیغ

(تبلیغ دین)

[تبلیغ دین]

[۱] ''فضائل اعمال'' کی طرح کسی اور کتاب کی تعلیم کا ثبوت صحابہؓ سے

۳۱۲-سوال: میں نے آپ سے ایک سوال کے تحت پوچھا تھا کہ فضائل اعمال جیسی کسی کتاب کا امت کے دینی فائدے کے لیے صحابۂ کرام، تابعین یا تبع تابعین وغیرہ سے پڑھنا ثابت ہے؟ توقع ہے کہ اس کے متعلق آپ جواب عنایت فرمائیں گے، میرے اُس سوال کے جواب میں اس جزو کا آپ نے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا اور اگر کسی نے اس طرح کی کوئی کتاب پڑھی ہو، تو اس کا نام بھی عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں کتب احادیث لکھی گئیں۔ [۱] اور انہیں کا سبق ان کے زمانے میں شائع اور رائج تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق: صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں خیر اور بھلائیاں غالب رہی ہیں۔ [۲] لوگوں کے قلوب بلا واسطہ یا ایک' دو واسطے سے نور نبوت سے منور تھے،

---

(۱) موطا امام مالک، موطا امام محمد اور مسند الامام الشافعی؛ یہ تینوں کتابیں دوسری صدی ہجری کی ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن أبي داؤد، سنن الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ، مسند الامام احمد اور مسند الدارمی؛ یہ ساری کتابیں تیسری صدی کی ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (أحسن الفتاوی: ۱/ ۵۱۱، کتاب التفسیر والحدیث، ط: دار الاشاعت دیوبند)

(۲) عمران بن حصين رضي الله عنهما، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ... ثم إن بعدكم قوما يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون، وينذرون ولا يفون، ويظهر فيهم السمن". (صحيح البخاري: ۱/ ۵۱۵، رقم: ۳۶۵۰، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند)

شر وفساد کے مادے مغلوب تھے اور ہر چہار سو خیر و بھلائی کا غلبہ تھا، اسلامی حکومتیں قائم تھیں، لوگوں کے دل علوم نبوی سے سرشار تھے، حتیٰ کہ ایک ایک محدث کی مجلس میں ایک ہی وقت میں ہزار ہا طالبان علوم نبوت موجود ہوتے تھے، جہاں کہیں انہیں کسی محدث کی موجودگی کا علم ہوتا، دور دراز کے اسفار، اور ہزاروں قسم کی مشقت برداشت کرکے، مال و زر کی پرواہ کیے بغیر پہنچ جاتے اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے تھے، بہت سی کتابوں میں ان کے حالات، حصول علم کی جد و جہد اور محنت و مشقت کا مبارک ذکر موجود ہے۔

آج کل فتنہ و فساد کا دور دورہ ہے، خیر و بھلائی سے لوگ کوسوں دور ہیں، ٹیلی ویژن، ریڈیو، فلم بینی، اخبار بینی اور گانے بجانے میں منہمک ہوکر اپنے قیمتی اوقات کا خون کر رہے ہیں، ان کے پاس دینی مسائل اور شرعی احکام سیکھنے سکھانے کی فرصت نہیں ہے، ان احالات میں اگر روزانہ تھوڑے سے وقت میں کسی دینی کتاب کی آٹھ دس منٹ تعلیم کردی جائے، تو اس میں کیا حرج ہے؟؟؟ عموماً تعلیم کرنے والے اور ان دینی کتابوں کے پڑھنے والے مسجد کے ائمہ ہوتے ہیں، جو کچھ کتاب میں لکھا ہوتا ہے، پڑھ کر سنا دیتے ہیں، اگر کوئی ذی استعداد عالم اس بات کے لیے آمادہ ہوجائے کہ وہ روزانہ مختصر وقت میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کردیں گے یا حدیث پاک کا درس دیں گے یا پھر زبانی کچھ مسائل بتادیں گے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور تبلیغی جماعت کا کوئی فرد اس کو غلط نہیں کہتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ''فضائل اعمال'' کی تعلیم کے بجائے ہفتے میں ایک، دو دن قرآن مجید کی تفسیر کرنا

۳۱۳-سوال: قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے احادیث مبارکہ کی ضرورت پڑتی ہے، یہ بات تو بالکل بجا اور صحیح ہے، لیکن مجھے اشکال اس بات پر ہے کہ جو لوگ تبلیغی جماعت سے منسلک ہیں، انہیں کبھی بھی تفسیر قرآن کے درس میں حاضری کی تشکیل کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا ہے، وہ حضرات صرف اور صرف فضائل اعمال کی ترغیب دیتے ہیں اور اسی کی تشکیل کرتے ہیں، تو اب میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان حضرات کی قرآن مجید کی تفسیر سے آخر اتنی دوری اور ''تبلیغی نصاب'' نامی کتاب سے اتنی نزدیکی کیوں ہے؟ کیا -معاذ اللہ- فضائل اعمال کا درجہ قرآن کریم سے بڑھا ہوا ہے؟ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، اس کے متعلق میری الجھن ختم فرمائیں اور تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

قرآن مجید کی تفسیر کرنا علمائے کرام کا منصب ہے، کوئی عالم دین اگر تفسیر کرتے ہیں، تو تبلیغی جماعت کے احباب انہیں ہرگز منع نہیں کرتے؛ بل کہ بہت سے تبلیغی جماعت کے مراکز میں قرآن کریم کی تفسیر اور حدیث پاک کے درس کا معمول ہے؛ ہاں! اگر یہ حضرات' علماء کو تفسیر کرنے سے منع کریں گے، تو گناہ گار ہوں گے، اور آپ کا اشکال بجا ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] ''تبلیغی نصاب'' نامی کتاب کی تعلیم کو بدعت کہنا جائز نہیں

۳۱۴-سوال: تبلیغی حضرات عصر اور عشاء کی نماز کے بعد بلا ناغہ ''تبلیغی نصاب'' نامی کتاب کی تعلیم کرتے ہیں، وہ اس کی تعلیم کو اپنے لیے لازم اور ضروری سمجھتے ہیں؛ لیکن امت کے لیے قیامت تک رہنمائی کرنے والی کتاب ہدایت ''قرآن مجید'' کو سمجھنے کے لیے یہ حضرات کوئی پروگرام نہیں بناتے، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس طرح کا پروگرام بنانا ہی نہیں چاہتے ہیں، تو کیا اس کتاب کو اتنی اہمیت دینا اور قرآن مجید کو چھوڑ دینا جائز ہے؟ ہدایت کے لیے اگر کوئی کتاب بہتر ہو سکتی ہے، تو وہ قرآن مجید ہے، تو پھر ہمارے یہ تبلیغی بھائی ہدایت کے لیے اپنے روزانہ کے پروگرام میں تبلیغی نصاب کے بجائے قرآن مجید کی تفسیر کیوں نہیں کرتے ہیں؟ آخر ہدایت کے حصول کے لیے ''تبلیغی نصاب'' جیسی کسی کتاب کا صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین یا ائمۂ اربعہ میں سے کسی نے عصر اور عشاء کی نماز کے بعد پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ اور اگر حکم دیا ہو، تو اس کتاب کا نام کیا ہے؟ بہ حوالہ تحریر فرمائیں۔

مذہب اسلام میں کسی جائز یا مستحب امر کو مبالغے کی حد تک پہنچا دینا بدعت ہے، جیسا کہ جمعہ کے روز خطبے سے پہلے سورۂ کہف کو بہ آواز بلند ایک آدمی کا پڑھنا اور دوسرے لوگوں کا سننا، جس سے دوسرے نمازیوں کی نمازوں میں خلل واقع ہوتا ہے، اس کو ہمارے علماء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے۔ [1] تو کیا ''تبلیغی نصاب''

---

(۱) وإذا كان كذلك فينبغي له أن ينهى الناس عما أحدثوه من قراءة سورة الكهف يوم الجمعة جماعة في المسجد وغيره... فيقرأها سرا في نفسه في المسجد، أو جهرا في غيره... وأما اجتماعهم لذلك فبدعة كما تقدم، والله تعالى أعلم. (المدخل-أبو عبد الله محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بـ ''ابن الحاج'' (م: ۷۳۷ھ): ۲۸۱/۲، فصل في الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار التراث)

نامی کتاب، جس کو ہمارے تبلیغی بھائی روزانہ عصر اور عشاء کی نماز کے بعد اپنے پروگراموں میں لازماً پڑھتے ہیں، بدعت نہیں ہے؟

نوٹ: حالاں کہ جمعہ کے روز جب سورۂ کہف پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد لوگوں کو سنتیں پڑھنے کے لیے دس پندرہ منٹ کا وقت بھی دیا جاتا ہے، سنتوں سے فراغت کے بعد خطبہ شروع ہوتا ہے؛ گویا اس سے نمازیوں کی نماز میں کوئی خلل نہیں ہوتا ہے، جب کہ تبلیغی احباب نماز ختم ہوتے ہی منبر کے پاس اس کتاب کی تعلیم شروع کر دیتے ہیں، جس سے بعض اوقات نمازیوں کو خلل بھی ہوتا ہے۔

قرآن مجید کو نصاب کے طور پر اپنانے اور اس کے مقابلے میں دوسری کسی کتاب کی اہمیت ظاہر نہ ہو، اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

یہ حقیقت ہر شبہ سے بالاتر ہے کہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سے بہتر کوئی دوسری کتاب انسانوں کی ہدایت کے لیے نہ تو اس وقت موجود ہے اور نہ ہی آئندہ وجود میں آنے والی ہے، اس کو سمجھنے کے لیے احادیث مبارکہ کا سہارا لینا پڑتا ہے، کیوں کہ یہ قرآن مجید کی آیات کی تفسیر و تشریح ہیں۔

خواص اور بالخصوص علمائے ربانیین نے عام انسانوں کی ہدایت کے لیے محض اللہ رب العزت کی توفیق سے قرآنی ہدایات اور نبوی ارشادات کی روشنی میں جماعتیں بنائیں، ان جماعتوں کے لیے بھی اصول مقرر کیے، تاکہ ان کی روشنی میں کام کر کے جماعت کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہو سکے؛ مثلاً اہل تصوف نے اپنے مریدین کے وظائف کے لیے ایک سہل اور آسان کتاب تصنیف فرمائی، تاکہ ان وظائف کو پڑھ کر لوگ راہ سلوک طے کر سکیں، پیر طریقت اپنے مریدین کو اس کتاب کے پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو پڑھ کر اپنی زندگی میں سدھار پیدا کرو، تجربہ شاہد ہے کہ لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے سے اور اس پر عمل کرنے سے بڑا فائدہ ہوا۔

اسی طرح تبلیغی جماعت کے احباب نے بھی کام کرنے والوں کی آسانی کی خاطر آسان زبان میں چند کتابوں کا انتخاب کیا، یہ لوگ اس کی روشنی میں اپنی استطاعت کے مطابق گاؤں اور اپنے محلے کے لوگوں

کے مشورے سے ایک وقت متعین کر کے آٹھ دس منٹ ان کتابوں کو پڑھتے ہیں، انہیں میں ایک کتاب ''فضائل اعمال'' بھی ہے، اس کتاب میں فضائل قرآن، فضائل درود شریف، فضائل صدقات، فضائل ذکر، فضائل نماز اور فضائل روزہ وغیرہ؛ اہم مضامین ہیں، اس کتاب کو پہلے ''تبلیغی نصاب'' کا نام دیا گیا تھا؛ لیکن ابھی اس کا نام بدل کر ''فضائل اعمال'' رکھا ہے، تبلیغی احباب نہ تو اس کتاب کو اس طور پر پڑھنا لازم سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی تعلیم میں عدم شرکت پر طعن وتشنیع اور لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، تبلیغی احباب اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ آپس میں مل بیٹھ کر اس کا زکو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ دوسری کتابوں کے پڑھنے سے نہ روکتے ہیں اور نہ اس کو برا سمجھتے ہیں۔

اس کتاب کی تعلیم کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں مذکورہ بالا عناوین پر اہم مضامین موجود ہیں، جن کے پڑھنے سے حق بات سمجھنے اور حق بات کہنے کی طاقت نصیب ہوتی ہے، لوگوں کو ہدایت کی دعوت دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قرآن مجید کی تلاوت کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اس کی برکت سے تفسیر کی کتابوں کے دیکھنے کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ اس جماعت کے ذریعہ لاکھوں گم گشتۂ راہ اور گمراہ انسانوں کو ہدایت ملی ہے؛ اس لیے اس کتاب کو روزانہ پانچ دس منٹ پڑھنا بدعت نہیں ہے؛ البتہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کی تعلیم میں نہ بیٹھنے والوں پر طعن وتشنیع اور تنقید کرتے ہیں، ان کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کا یہ عمل بدعت بن کرنا جائز ہوگا۔[1]

جس طرح جمعہ کے روز سورۂ کہف بہ آواز بلند پڑھنے کو ضروری سمجھنا اور نہ پڑھنے اور نہ سننے والوں کو برا بھلا کہنا اور ان کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔[2] اسی طرح اگر تبلیغی جماعت کے احباب بھی فضائل اعمال کی تعلیم میں عدم شرکت پر لعنت وملامت اور لڑائی جھگڑا کریں گے، تو ان کے لیے بھی

---

(۱) قال ابن المنير فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة لكن لما خشي بن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. (فتح الباری - ابن حجر العسقلاني: ۳۲۸/۲، کتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۲) وإذا كان كذلك فينبغي له أن ينهى الناس عما أحدثوه من قراءة سورة الكهف يوم الجمعة جماعة في المسجد وغيره... فيقرأها سرا في نفسه في المسجد، أو جهرا في غيره... وأما اجتماعهم لذلك فبدعة كما تقدم، والله تعالى أعلم. (المدخل - أبو عبد الله محمد بن محمد العبدري القاسي المالكي الشهير بـ "ابن الحاج" (م: ۷۳۷ھ): ۲۸۱/۲، فصل في الصلاة على الميت في المسجد، ط: دار التراث)

ناجائز اور حرام ہوگا؛ لیکن یہ لوگ ایسا کرتے نہیں ہیں؛ اس لیے یہ بدعت نہیں ہے؛ البتہ اگر ان کی تعلیم اور کتاب کے پڑھنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو، تو تعلیم کے لیے مسجد کے کسی کونے میں دائیں یا بائیں جانب کوئی جگہ متعین کرلیں اور وہیں بیٹھ کر تعلیم کریں، تاکہ نمازیوں کی نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہو؛ کیوں کہ مسجد کے بنانے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے، ذکر واذکار اور مراقبہ کیا جائے، قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، دینی امور کے لیے مشورے کیے جائیں اور لوگوں کی ہدایت کے لیے کسی دینی کتاب کی تعلیم کی جائے؛ لیکن ہر شخص اور ہر جماعت والا اس طرح کام کرے کہ دوسروں کو کوئی تکلیف نہ ہو، اور ان کے کام میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہ ہو، اسی وجہ سے حضرات علماء نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی اس طرح بلند آواز سے تلاوت کرنا کہ کسی نمازی کی نماز میں خلل واقع ہو، مکروہ ہے۔ (۳) علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ نماز کے بعد اس قدر بلند آواز سے دعاء کرنا کہ دوسرے نمازی کی نماز میں خلل واقع ہو، مکروہ ہے۔ (۴)

اگر دینی کتاب کی تعلیم مسجد کے درمیانی حصہ میں منبر کے پاس کرنے سے نمازیوں کی نمازوں میں خلل واقع ہوتا ہو، تو یہ بھی مکروہ ہے، اگر تبلیغی احباب ایسا کرتے ہوں، تو آپ ان کو سمجھائیں کہ وہ کسی ایک کونے میں تعلیم کریں؛ لیکن اصل کتاب کی تعلیم ہی کو بدعت قرار دینا جائز نہیں ہے۔

فتنہ وفساد کے اس زمانے میں 'جماعت تبلیغ' بسا غنیمت ہے؛ اس لیے ہر مسلمان کے لیے اپنی طاقت وبساط کے مطابق اس کا ساتھ دینا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے اور دین کے خلاف اگر کوئی کام

---

(۳) لا یقرأ جهرا عند المشتغلین بالأعمال. (الفتاوی الهندیة: ۵/ ۳۱۶، کتاب الکراهیة، الباب الرابع في الصلوٰة، والتسبیح، ورفع الصوت عند قراءة القرآن. ط: دار الفکر-بیروت)

وانظر تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۱/ ۵۸، مدة الحیض، ط: المطبعة الکبری-القاهرة.

(۴) وفي الفتاوی الخیریة من الکراهیة والاستحسان: جاء في الحدیث به اقتضی طلب الجهر به نحو " »وإن ذکرني في ملأ ذکرته في ملأ خیر منهم« رواه الشیخان. وهناك أحادیث اقتضت طلب الإسرار، والجمع بینهما بأن ذلك یختلف باختلاف الأشخاص والأحوال کما جمع بذلك بین أحادیث الجهر والإخفاء بالقراءة ولا یعارض ذلك حدیث »خیر الذکر الخفي« لأنه حیث خیف الریاء أو تأذي المصلین أو النیام، الخ. (رد المحتار علی الدر: ۱/ ۶۶۰، فروع کتاب الصلوٰة، أفضل المساجد، ط: دار الفکر-بیروت)

فمن خاف الریاء أو تأذی به أحد کان الإسرار أفضل. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح-أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ) ص: ۳۱۸، فصل في صفة الذکر، ت: محمد عبد العزیز الخالدي، ط: دار الکتب العلمیة-بیروت)

ہوتا ہو، تو اس کی اصلاح کرنا اور اس خرابی کو دور کرنا حضرات علماء کرام کی ذمہ داری ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو دین کی صحیح عطا فرمائیں۔ (آمین) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] تبلیغی جماعت میں جانے سے ایمان کیسے بنتا ہے؟

۳۱۵-سوال: تبلیغی جماعت میں جانے سے دین سمجھ میں آتا ہے، نماز کے فرائض وواجبات یاد ہوتے ہیں، قرآن مجید کی سورتیں، دعائے قنوت اور التحیات وغیرہ یاد ہوجاتے ہیں، کتابی تعلیم سننے کی صورت میں اس میں مذکور وعدہ وعید کی باتوں سے بھی فائدہ ہوتا ہے؛ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تبلیغی حضرات یہ کہتے ہیں کہ "جماعت میں جانے سے ایمان بنتا ہے"، تو سوال یہ ہے کہ تبلیغ میں جانے سے ایمان کس طرح بنتا ہے؟ ایمان کا کون سا شعبہ ایسا ہے، جو تبلیغ سے سمجھ میں آتا ہے؟

محمد یوسف

الجواب حامداً ومصلیاً:

"اسلامی تعلیمات" انسان کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ ان پر عمل کرے، اپنی زندگی اسلامی سانچے میں ڈھالے، قرآن مجید کی تلاوت کرے، اللہ کا ذکر کرے، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرکے دونوں عالم میں سرخ روئی حاصل کرے، ان اعمال کی برکت سے اس کا ایمان وعقیدہ مضبوط ہوگا، یہ سارے کام تبلیغی جماعت سے حاصل ہوسکتے ہیں؛ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "جماعت میں جانے سے ایمان بنتا ہے"۔

ایمان بننے کا ایک مطلب ہے کلمۂ توحید "لا إلٰہ إلا اللہ" کے مقتضا پر مکمل عمل کرنا، کہ سب مسلمان اس کلمے کو پڑھتے ہیں، تاہم اذان سن کر مسجد جاتے وقت دوکان دار یا کسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اُس سے میری دوکان یا کھیت کا نقصان ہوگا، لیکن اس خیال کو وہ جھٹک دیتا ہے اور مسجد میں اللہ کی عبادت کے لیے حاضر ہوتا ہے، گویا وہ کلمے کے تقاضے پر عامل ہے اور جان ومال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دینے کا جذبہ رکھتا ہے، یہ "جذبۂ قربانی" آدمی میں تبلیغی جماعت سے پیدا ہوتا ہے، جو اسے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔[۱]

---

(۱) عرف الإيمان بقوله إقرار باللسان، وتصديق بالجنان... (وعمل القلب) من محبة الله - عز وجل - والتوكل عليه والخوف منه - جل جلاله - ورجاؤه، والإنابة إليه، وخشية الرب - جل جلاله - ونحو ذلك؛ من أعمال القلوب... ولهذا فإن التفاضل - الزيادة والنقصان - زيادة ونقصان باعتبار العمل الظاهر، وزيادة ونقصان باعتبار =

جماعت کی برکت سے آدمی کی ذات میں مجاہدے کی صفات پیدا ہوں گی اور مجاہدے ہی سے یقین پیدا ہوتا ہے، تیرہ سالہ مکی زندگی میں اسی ایمان اور یقین کو بنانے کی کوشش کی گئی تھی، مدنی زندگی میں احکام نازل ہوئے تھے۔(۱)

تبلیغی جماعات میں ایمان بننے سے یہی یقین کا مضبوط ہونا مراد ہے، جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال کے ذریعہ قربانی دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] دین کو دعوت وتبلیغ میں ہی منحصر کرنا

۳۱۶-سوال: اگر کوئی تبلیغی امور واصول کا پابند شخص یہ کہتا ہے کہ'' صرف تبلیغی گشت ہی سے ایمان بنتا ہے، باقی نماز، روزہ اور قرآن کریم کی تلاوت وغیرہ سے ایمان نہیں بنتا ہے۔'' تو کیا اس جیسے الفاظ بولنا صحیح ہے؟ جب کہ دوسروں پر اس کا غلط اثر بھی پڑتا ہو۔

الجواب حامداو مصليا:

ایمان کو پختہ اور مضبوط کرنے کے لیے صرف دعوت وتبلیغ ہی کی راہ نہیں ہے؛ بل کہ دین کے جتنے احکامات اور تقاضے ہیں، مثلاً: نماز، روزہ، زکوۃ، حج، غریبوں کی خدمت، جہاد، درود شریف، قرآن کی تلاوت،

=عمل القلب الباطن. فالناس يتفاوتون في الإيمان من جهة: ۱ - زيادته ونقصانه في أعمالهم الظاهرة وهي أمور الإسلام: من الصلاة والزكاة والصيام والحج والاستسلام لله - عز وجل - في الأوامر، والانقياد، ونحو ذلك والانتهاء من المحرمات. ۲ - وكذلك أعمال القلوب. (شرح العقيدة الطحاوية المسمى بـ"إتحاف السائل بما في الطحاوية من مسائل"- صالح بن عبد العزيز آل الشيخ: ۱/ ۲۰۸، المكتبة الشاملة)

(۱) وذلك أن الله تعالى أمرهم في الابتداء بمجرد الإيمان، ثم فرض عليهم الصلاة، والزكاة، وسائر الشرائع، فشق على بعض فأنزل الله تعالى هذه الآية ثم عزاهم. (السراج المنير في الإعانة على معرفة بعض معاني كلام ربنا الحكيم الخبير - شمس الدين، الخطيب الشربيني الشافعي (م: ۹۷۷هـ): ۳/ ۱۱۸، سورة العنكبوت، ط: دار النشر / دار الكتب العلمية-بيروت)

عن أبي عمران الجوني قال: سمعت جندبا البجلي قال: " كنا فتيانا حزاورة مع نبينا صلى الله عليه وسلم، فتعلمنا الإيمان قبل أن نتعلم القرآن، ثم تعلمنا القرآن فازددنا به إيمانا، وإنكم اليوم تعلمون القرآن قبل الإيمان. (شعب الإيمان: ۱/ ۱۵۲، رقم الحديث: ۵۰، باب القول في زيادة الإيمان ونقصانه، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

مظلوموں کی مدد، بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی کفالت، مدرسہ میں پڑھنا پڑھانا وغیرہ، اس طرح کے تمام امور سے ایمان میں پختگی اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں، ان میں سب سے افضل ''کلمہ لا الہ الا اللہ'' ہے اور سب سے ادنیٰ درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے (مسلم شریف: ۱/۴۷)[۱]

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں اور شرم وحیاء ایمان کی سب سے بڑی شاخ ہے۔(۲)

مذکورہ دونوں حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایمان کو مضبوط بنانے کے لیے صرف دعوت وتبلیغ ہی کی راہ نہیں ہے؛ بل کہ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار راہیں اور طریقے ہیں، اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ دین کی کسی بھی ایک راہ سے منسلک ہوجائے، تو اسے ضرور اللہ کی رضامندی حاصل ہوگی۔

اگر سب کے سب دعوت وتبلیغ میں ہی لگ جائیں گے، تو پھر امامت، مدارس ومکاتب کی تعلیم، تجارت، وکالت اور ڈاکٹری کا فریضہ کون انجام دے گا؟ اس لیے اسلام کے مزاج ومنشاء کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حدیث میں ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شاخیں مذکور ہیں؛ لہٰذا ہر شاخ اور شعبہ کو تقویت پہونچانا اور اس کے پیچھے محنت کرنا ضروری ہے؛ اگر کسی ایک ہی شعبہ کے پیچھے ساری محنت صرف کردی گئی اور دین کے دیگر شعبوں کو نظر انداز کیا گیا، تو ایسی صورت میں دین کی بقیہ شاخیں یوں ہی رہ جائیں گی۔

---

(۱) عن أبي هريرة، عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: «الإيمان بضع وسبعون - أو بضع وستون - شعبة، فأفضلها قول لا إله إلا الله، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان». (صحيح مسلم: ۱/ ۴۷، رقم الحديث: ۵۸-(۳۵)، كتاب الايمان، باب بيان عدد شعب الإيمان وأفضلها وأدناها، الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: «الإيمان بضع وسبعون شعبة، والحياء شعبة من الإيمان». (صحيح البخاري: ۱/ ۲، رقم الحديث: ۹، كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان، ط: البدر - ديوبند * صحيح مسلم: ۱/ ۴۸، رقم: ۵۷-(۳۵)، كتاب الايمان، باب شعب الإيمان، ط: البدر - ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۸/ ۱۱۰، رقم: ۵۰۰۴، كتاب الإيمان وشرائعه، ذكر شعب الإيمان، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص دین کے کسی ایک ہی شعبہ کو سب کچھ سمجھتا ہے اور باقی شعبوں کو نظر انداز کرتا ہے، تو یہ اس کی جہالت ہے، ایسے شخص سے دین اسلام کو نقصان تو پہنچ سکتا ہے، فائدہ کی امید نہیں کی جاسکتی؛ لہٰذا اس مزاج کے لوگوں کو- جو مسلمانوں کی جماعت میں اس راہ سے خلفشار اور انتشار پیدا کرتے ہیں- اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے اور اس قسم کی حرکات و عادات کی اصلاح کی جانب پوری توجہ دینی چاہیے۔

خود تبلیغ کے ذمہ دار حضرات اس طرح کی باتیں کرنے سے شدت کے ساتھ منع کرتے ہیں اور وہ مدارس اسلامیہ کو دین کا ستون اور مسلک حق کا پاسبان سمجھتے ہیں۔اس لیے دین کے تمام شعبوں کی طرف توجہ دینے کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ میں بھی اپنا وقت لگاتے رہیں، اس میں خود اپنی ذات کا اور دوسروں کا بے حد فائدہ ہے، اس سے مسلمانوں میں دینی بیداری پیدا ہوتی ہے اور دینی فضا قائم ہوتی ہے۔

ایمان کی پختگی کے لیے صرف دعوت وتبلیغ ہی نہیں ہے؛ بل کہ دین کے اور بھی شعبے ہیں۔

جن کی تفصیل عمدۃ القاری شرح بخاری (ج:۱،ص:۱۲۹) میں ہے کہ دین کے ۳۰/شعبوں کا تعلق عقائد (دل) سے ہے، سات کا معاملات (زبان) سے اور چالیس کا بدن کے ساتھ ہے، جس میں علم اور تبلیغ بھی شامل ہے۔ (۱)

تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف دعوت وتبلیغ ہی مکمل دین نہیں ہے؛ بل کہ دین کے اور شعبے بھی ہیں، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے، اس سے لوگوں کو بے حد فائدہ ہوتا ہے، دین سے کوسوں دور اور قسم قسم کی ضلالت وگمراہی میں پھنسے ہوئے انسان کی اس سے بہ آسانی اصلاح ہوجاتی ہے۔اس طرح کی خصوصیت اور امتیاز بیان کرنا اور لوگوں کے سامنے ترغیباً ان کا ذکر

---

(۱) إن أصل الإيمان هو: التصديق بالقلب والإقرار باللسان، ولكن الإيمان الكامل التام هو التصديق والإقرار والعمل، فهذه ثلاثة أقسام. فالأول: يرجع إلى الاعتقاديات، وهي تتشعب إلى ثلاثين شعبة.... والقسم الثاني: يرجع إلى أعمال اللسان، وهي تتشعب إلى سبع شعب.... والقسم الثالث: يرجع إلى أعمال البدن، وهي تتشعب إلى أربعين شعبة، وهي على ثلاثة أنواع.... والقسم الثالث: يرجع إلى أعمال البدن، وهي تتشعب إلى أربعين شعبة، وهي على ثلاثة أنواع.... النوع الثالث: ما يتعلق بالعامة، وهو ثماني عشرة شعبة.... السادسة: الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر. (عمدة القاري-بدر الدين العيني(م:۸۵۵ھ): ۱/۱۲۸،۱۲۹، كتاب الايمان، باب أمور الإيمان، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

کرنا درست ہے۔

جیسا کہ تقریر بخاری میں مولانا شاہد صاحب سہارنپوری دامت فیوضہم نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کے سبق کے دوران فرمایا کہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ خدا کی خصوصی رحمت ہے۔(جلد،۲،صفحہ ۱۲۲)

چوں کہ دعوت وتبلیغ کے ساتھ خدا کی خصوصی رحمت ہے؛اس لیے دعوت وتبلیغ میں دل چسپی لینا،اس میں وقت لگانا اور اس کا بھر پور تعاون کرنا؛دینی اعتبار سے حد درجہ مفید،بل کہ عظیم دینی خدمت اور صدقۂ جاریہ کا سبب ہے،جب کہ جماعتی احباب سے دشمنی کرنا اور بدظن ہونا حد درجہ مضر ہوگا۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جماعت سے منسلک دو چار آدمی کے اخلاق وکردار،زبان وگفتگو کے خراب ہونے سے پوری جماعت کو خراب نہیں کہا جاسکتا؛یہ خود ان افراد کی ذاتی خرابی ہے،جس سے دعوت وتبلیغ بے زار ہے،لہٰذا ہمیں نفس دعوت وتبلیغ کو پیش نظر رکھنا چاہیے،ان میں لگے ہوئے افراد کے ذاتی احوال کی جانب توجہ نہیں دینی چاہیے۔اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ دعوت وتبلیغ کی باگ ڈور ان مخلص اور ماہر علماء کرام کے ہاتھوں میں ہے،جو اس طرح کی باتیں نہیں کرتے،بل کہ وہ ہر برحق جماعت اور ہر مفید دینی کام کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس میں دوسرے حضرات کو شرکت کی ترغیب دیتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں صرف چند افراد کی ذاتی خرابی کی وجہ سے دعوت وتبلیغ (جماعت) سے بدگمانی اور نفرت نہیں کرنی چاہیے،فقط،واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۶] فضائل اعمال کی تعلیم کو لازم قرار دینا

۳۱۷-سوال: ہمارے یہاں روزانہ عشاء کی نماز کے بعد فضائلِ اعمال کی تعلیم ہوتی ہے،جس میں ہمارے مدرسہ کے ملازمین کبھی کبھی نہیں بیٹھتے ہیں،اس پر ہمارے متولی صاحب نے یہ اعلان جاری فرمایا ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد فضائلِ اعمال کی تعلیم میں مدرسہ کے ہر فرد کا بیٹھنا ضروری ہے،تو کیا شرعی اعتبار سے ایک امر مستحسن کو ضروری اور فرضیت کا درجہ دینا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فضائلِ اعمال کی تعلیم ایک کارِ ثواب ہے،اور اُس سے دینی فائدہ ہوتا ہے؛لیکن یہ واجب یا مسنون

نہیں ہے، نیز کسی خاص وقت میں ہونا بھی ضروری نہیں؛ لہٰذا اگر کسی کو دوسرا کوئی اہم کام درپیش ہو، یا خاص وقت میں بیٹھنے کو جی نہ چاہے، تو اُس میں کوئی حرج نہیں، ذکر، تلاوتِ قرآن پاک اور نوافل کے متعلق بھی احادیث میں وارد ہے کہ خشوع وخضوع کے ساتھ جب تک طبیعت میں نشاط ہو ادا کرتے رہو، اگر سستی اور اکتاہٹ محسوس ہو رہی ہو، تو اُس وقت چھوڑ دو، پھر دوسرے وقت میں پڑھو۔ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے یہ درخواست کی کہ آپ ہمیں روزانہ احادیثِ مبارکہ سنا کر نصیحت فرمائیں۔ (آپؓ ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے) تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اِس بات کا خوف ہے کہ لوگ کہیں اکتا نہ جائیں؛ اِس لیے روزانہ یہ کام نہیں کرتا، نبیِ اکرم ﷺ بھی ہمارے نشاط کا خیال کرتے ہوئے کبھی کبھی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ (۲) لہٰذا تعلیم میں اس بات کا خوب خیال رہنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اس میں شریک نہ ہو سکے، تو اس پر ناراضگی یا ملامت ہرگز نہ ہو، اور نہ ہی اُس کے بارے میں یہ گمان کرنا جائز ہے کہ وہ تعلیم کی مخالفت کر رہا ہے، خصوصاً وہ علماء کرام کہ جن کا رات دن کا مشغلہ قرآن وحدیث کے پڑھنے اور پڑھانے کا ہے، فضائل کے متعلق بہت سی احادیث انہیں یاد بھی ہوتی ہیں، فضائل وغیرہ کا انہیں علم ہوتا ہے، ان کے تعلیم میں شریک نہ ہونے پر کوئی بدگمانی قائم کر لینا، یا ان پر اپنے عرفی رتبہ کا دباؤ ڈال کر تعلیم میں بیٹھنے پر مجبور کرنا غلط ہے، کسی بھی افضل اور مستحب کام کو واجب یا مسنون کا درجہ دینا بدعت ہے، جو جائز نہیں ہے۔ (۳)

علماء کرام کو بھی چاہیے کہ اس جیسی مجلس میں شرکت کی ہر ممکن کوشش کریں، علماء کی شرکت سے

---

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادعوا الله وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن الله لا يستجيب دعاء من قلب غافل لاه. (سنن الترمذي: ۲/ ۱۸۶، رقم: ۳۴۷۹، باب جامع الدعوات عن النبي صلى الله عليه وسلم، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۲) عن أبي وائل قال كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن، لوددت أنك ذكرتنا كل يوم، قال أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶، رقم: ۷۰، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة، ط: البدر - ديوبند)

(۳) قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة؛ لكن لما خشي ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته، والله أعلم. (فتح الباري - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۲/ ۴۳۰، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف... الخ، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

دوسرے لوگوں کا شوق اور حوصلہ بڑھے گا، ایک حدیث پاک میں وارد ہے کہ خود آپ ﷺ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ ذکر کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] تبلیغ اہم ہے یا تعلیم؟

۳۱۸-سوال: زیادہ اہم کیا ہے، تعلیم یا تبلیغ ؟ ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ تبلیغ زیادہ ضروری ہے، آپ اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغ اور تعلیم دونوں ضروری ہیں، آدمی کا جس میں بھی دل لگے، اخلاص کے ساتھ وہ کام کرتا رہے، ایک دوسرے کی تنقیص اور تنقید کر کے اپنا ایمان اور اپنی نیکی برباد نہ کرے، مقصد دونوں کا اللہ رب العزت کے نام کو بلند کرنا اور اس کا پیغام مخلوق تک پہنچانا ہے، مدرس بھی یہی کام کرتا ہے اور اپنے فاضل اوقات میں بھی لوگوں کو دین کی باتوں کی تاکید کرتا ہے، یہ بھی بہر حال بہت بڑی نیکی کا کام ہے، تمام لوگ اگر مبلغ بن جائیں گے اور تدریس کے لیے کوئی نہیں ہوگا، تو اللہ رب العزت کے احکام: نماز و روزہ وغیرہ کی تعلیم لوگوں تک کیسے پہنچیں گے؟ اس لیے جس کا جس میں دل لگے، خاموشی کے ساتھ اسے انجام دیتا رہے اور اس طرح کی بحث میں نہ الجھے۔ اللہ اعلم بالصواب۔[2]

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ (۲۳/۷/۱۹۷۶ء)

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري، قال: جلست في عصابة من ضعفاء المهاجرين وإن بعضهم ليستتر ببعض من العري، وقارئ يقرأ علينا إذ جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام علينا، فلما قام رسول الله - صلى الله عليه وسلم - سكت القارئ، فسلم، ثم قال: ما كنتم تصنعون؟ قلنا: يا رسول الله، إنه كان قارئ لنا يقرأ علينا، فكنا نستمع إلى كتاب الله، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحمد لله الذي جعل من أمتي من أمرت أن أصبر نفسي معهم. قال: فجلس رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وسطنا ليعدل بنفسه فينا، ثم قال: بيده هكذا، فتحلقوا وبرزت وجوههم له قال: فما رأيت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عرف منهم أحدا غيري، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبشروا يا معشر صعاليك المهاجرين بالنور التام يوم القيامة، تدخلون الجنة قبل أغنياء الناس بنصف يوم وذاك خمس مائة سنة. (سنن أبي داؤد، ص: ۵۱۶، رقم: ۳۶۶۶، كتاب العلم، باب في القصص، ط: البدر - ديوبند☆مسند أبي يعلى الموصلي (م: ۳۰۷هـ): ۲/۳۸۲، رقم: ۱۱۵۱، ت: حسين سليم أسد، ط: دار المأمون للتراث - دمشق☆شرح السنة - محيي السنة البغوي الشافعي (م: ۵۱۶هـ): ۱۴/۱۹۱، ت: شعيب الأرنؤوط - محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي - دمشق - بيروت)

(۲) دیکھیے: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۲۰۱، تبلیغ دین، ط: مکتبہ لدھیانوی، پاکستان۔

[۸] ملکیت بیچ کر یا گروی رکھ کر تبلیغی جماعت میں جانا

۳۱۹-سوال: تبلیغی جماعت میں جانے والے کو اپنی ملکیت زمین، زیورات، اور گھر کو بیچ کر یا ان چیزوں کو گروی رکھ کر پیسہ حاصل کر کے تبلیغ میں جانا کیا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغ میں جانا فرض کفایہ ہے؛ لہٰذا اگر مال نہ ہو اور قرض باقی چھوڑ کر جائے، یہ بہتر نہیں ہے، اور اگر زمین، مکان وغیرہ گروی رکھ کر جائے، تو جائز ہے، گنہ گار نہ ہوگا؛ کیوں کہ قرض کی ادائیگی کے لیے زمین وغیرہ موجود ہے۔ پس جن کے پاس زمین وغیرہ کوئی ملکیت نہیں ہے، ان کو قرض لے کر نہیں جانا چاہیے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] قرض خواہوں کا قرض ادا کیے بغیر تبلیغ میں جانا

۳۲۰-سوال: پیسے قرض لے کر تبلیغی جماعت میں جانا اس حال میں کہ جن کا قرض باقی ہے ان کو بھی ادا نہ کرنا یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرض کی ادائیگی سب سے پہلے ضروری ہے، اس کے بعد تبلیغ میں جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] نوکری چھوڑ کر تبلیغ میں جانا

۳۲۱-سوال: مالی حیثیت سے کمزور ہونے کی بنا پر گھر والے تنگی میں مبتلا ہوں اور اس حال میں اپنے ذریعہ معاش نوکری وغیرہ ترک کر کے تبلیغی جماعت میں چلا جانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خود تبلیغی جماعت کے اکابرین نوکری چھوڑنے کو منع کرتے ہیں، چھٹی لے کر جانا چاہیے، جو نوکری

---

(۱) حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اگر اپنے پاس پیسہ نہ ہو، تو ان کے کہنے کی وجہ سے قرض نہ لیں، اگر جلدی ادا کرنے کی صورت ہو تو پھر حسب حیثیت قرض لینے کی بھی گنجائش ہے۔ (فتاوی محمودیہ- مفتی محمود حسن گنگوہی (م:۱۹۹۶ء) :۴/ ۲۶۳، باب التبلیغ، ط: اشرفی بک ڈپو، دیوبند)

چھوڑ کر جاتا ہے، اس کا طریقہ غلط ہے، فسادات کا زمانہ ہے، لوگوں کے ایمان اتنے مضبوط نہیں ہیں، اگر چلہ سے واپس آنے کے بعد حالات سخت ہوئے اور ان حالات کا مقابلہ نہیں کر سکا، تو پریشانی میں مبتلا ہوگا اور تھوڑا جو کچھ اس کو تبلیغ سے لگاؤ ہے، وہ بھی چھوڑ دے گا اور مبلغین اور اہل تبلیغ کو بدنام کرے گا، لہٰذا نوکری چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] تبلیغ کا چلہ ضروری ہے یا بوڑھے ماں باپ کی خدمت؟

۳۲۲-سوال: بوڑھے ماں باپ ہیں اور وہ بیمار ہیں، ایسی حالت میں ان کی نافرمانی کر کے اور ان کو ناراض کر کے، ان کا خیال کیے بغیر تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟ کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماں باپ بوڑھے کمزور ہوں اور ان کو خدمت کی ضرورت ہو تو تبلیغ میں جانا جائز نہیں، کیوں کہ ضرورت کے وقت ماں باپ کی خدمت کرنا فرض عین ہے اور تبلیغ میں جانا فرض کفایہ ہے اور فرض عین کا درجہ مقدم ہے، امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب باندھا ہے کہ ''ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہیں جانا چاہیے'' اس میں حضرت عبداللہ بن عمر بن عاصؓ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے آکر کہا: ''یارسول اللہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں مجھے اجازت عطا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے والدین حیات ہیں، اس نے کہا جی ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں جہاد کرو، یعنی پہلے ان کی خدمت کرو۔ (۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور ماں باپ کی خدمت فرض عین ہے، لہٰذا ماں باپ محتاج ہوں اور دوسرا کوئی بھائی خدمت نہ کرتا ہو یا کرتا ہو لیکن ماں باپ اس کو زیادہ چاہتے ہیں اور اسی سے خدمت لینا چاہتے ہوں تو ایسی صورت میں اس کو تبلیغ میں جانا جائز نہیں۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال اللہ تعالی: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [۲-البقرة-۱۹۵]

(۲) عن عبد الله بن عمرو، قال: قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم أجاهد؟ قال: »لك أبوان؟« قال: نعم، قال: »ففيهما فجاهد. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۸۳، رقم الحديث: ۵۹۷۲، كتاب الأدب، باب لا يجاهد إلا بإذن الوالدين، ط: البدر-ديوبند)

(۳) أن العلماء اتفقوا على أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفايات ولم يخالف في ذلك إلا النزر. (روح المعاني-شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰هـ): ۲/ ۲۳۸، ط: دار الكتب العلمية-بيروت) =

[۱۲] مصیبت زدہ پر پیسے خرچ کرنا اہم ہے یا تبلیغ میں جانے والے پر؟

۳۲۳-سوال: تبلیغی جماعت میں جانے کے لیے کسی کو پیسہ دے کر بھیجا جاتا ہے، اگر یہی پیسے کسی بیوہ، بیمار، مقروض یا کسی اور مصیبت میں پھنسے ہوئے شخص کو دیے جائیں تو ان دونوں کام میں کس کی اہمیت زیادہ ہے؟ یعنی کون سا کام مقدم ہے؟ پہلے کس میں پیسے خرچ کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیسے خرچ کرنے والا خود اجتہاد کرے کہ ثواب کے دونوں کاموں میں سے کون سا کام فی الحال زیادہ ضروری ہے اور کس میں زیادہ ثواب ملے گا، اس کے حساب سے پیسہ خرچ کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] تبلیغ میں جانے کے لیے مجبور کرنا

۳۲۴-سوال: تبلیغی جماعت میں جانے کا ارادہ نہ ہونے کے باوجود آدمی کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے، اور پکڑ پکڑ کر بار بار تاکید کر کے کھڑا کر کے اس کا نام لکھا جاتا ہے، تو کیا اس طرح تاکید کر کے زبردستی تبلیغ میں بھیجنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی احباب یہ کام محبت میں کرتے ہیں، جس طرح مریض کو مجبور کر کے اس کو دوا کا ڈوز دیا جاتا ہے۔ آج لوگ روحانی بیماری میں کثرت سے مبتلاء ہیں، اس کا روحانی علاج تبلیغ ہے، مریضوں کو یہ دوا اچھی نہیں لگتی؛ اس لیے نفرت کرتے ہیں۔

اور تبلیغ والے مجبور نہیں کرتے ہیں، بل کہ نیک کام کے لیے لوگوں کو مہمیز کرتے ہیں، ان میں ایک

= وله الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه لو ملتحيا وتمامه في الدرر. (الدر المختار) (قوله وله الخروج إلخ) أي إن لم يخف على والديه الضيعة بأن كانا موسرين، ولم تكن نفقتهما عليه. وفي الخانية: ولو أراد الخروج إلى الحج وكره ذلك قالوا إن استغنى الأب عن خدمته فلا بأس، وإلا فلا يسعه الخروج، فإن احتاجا إلى النفقة ولا يقدر أن يخلف لهما نفقة كاملة أو أمكنه إلا أن الغالب على الطريق الخوف فلا يخرج، ولو الغالب السلامة يخرج. وفي بعض الروايات لا يخرج إلى الجهاد إلا بإذنهما ولو أذن أحدهما فقط لا ينبغي له الخروج، لأن مراعاة حقهما فرض عين والجهاد فرض كفاية. (رد المحتار: ٦/ ٤٠٨، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

جذبہ پیدا کرتے ہیں، جو بلاشبہ جائز بل کہ مطلوب ہے۔ تبلیغی جماعت کے ذمہ داران مجبور کرنے سے منع کرتے ہیں؛ لیکن بدقسمتی ہے کہ اصل اس کام کی ذمہ داری جن لوگوں پر تھی، یعنی علماء، وہ اس میں مالی یا دینی رکاوٹ کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، اس لیے بعض مرتبہ جہالت کی بنا پر کچھ ایسی نامناسب باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] پیسے دے کر تبلیغ میں بھیجنا اور اس کے گھر والوں کو بھی خرچہ دینا

۳۲۵-سوال: جس کی معاشی حالت کمزور ہو اور محنت مزدوری کر کے اپنا گذر بسر کرتا ہو، اس کو تبلیغی جماعت میں بھیج کر اس کے گھر والوں کو خرچ کے لیے پیسے دیے جاتے ہیں، تو کیا صاحب استطاعت اور کاروباری شخص کا اس طرح کسی کی مدد کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، جس طرح علماء تنخواہ لے کر پڑھاتے ہیں، اسی طرح کسی کو تنخواہ دے کر تبلیغ میں بھیجنا یا اس کی کچھ مدد کرنا جائز ہے، بل کہ یہ ثواب کا کام ہے، پس اس طرح پیسہ لینا دینا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] تبلیغی اجتماع میں شادی کے بعد بادل ناخواستہ جماعت میں جانا

۳۲۶-سوال: تبلیغی اجتماع میں شادی کی جاتی ہے، شادی کے بعد اس کی مرضی کے خلاف اس کو جماعت میں بھیجا جاتا ہے، تو کیا اس کو جماعت میں جانا ضروری ہے؟ اور اگر گیا، تو اس کا دل کیسے لگے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، اس پر یہ بوجھ (گرانی) طبعی ہے، عقلی اور شرعی اعتبار سے اس کا دل بھی تبلیغ میں جانے کو ہی کہتا ہے؛ لہٰذا جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

(۱) قال اللہ تعالی: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. (-۵المائدۃ: ۲)

[۱۶] ماں باپ کی خدمت کرنا اہم ہے یا تبلیغ میں جانا؟

۳۲۷-سوال: لمبی مدت کے سفر کے بعد-خواہ وہ سفر دینی ہو یا غیر دینی - پہلے بوڑھے ماں باپ کی خبر لینا چاہیے یا جماعت (تبلیغ) میں نکل جانا؟ دونوں میں سے کون سا فریضہ پہلے ادا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چلہ میں جا کر واپسی سے پہلے مذکورہ سوال پوچھیے، جب آپ خود چلہ میں گئے نہیں، تو دوسروں کی فکر کی ضرورت نہیں، قبر میں آپ سے مذکورہ سوال نہیں ہوگا، جو سوال رسول اکرم ﷺ نے بتلائے ہیں، پہلے ان کو حل کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

۸ مارچ ۱۹۸۰ء

[۱۷] تین چلوں اور گشت کا شرعی حکم

۳۲۸-سوال: تبلیغ میں تین دن یا چلے دینا اور گشت وغیرہ کی پابندی کرنا فرض ہے؟ اور اگر کوئی شخص ان کی پابندی نہ کرے، تو کیا وہ گنہ گار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً

اپنی طاقت اور قوت کے مطابق دین کی خدمت کرنا؛ ہر مسلمان کا فریضہ اور ذمہ داری ہے، ایک جماعت اس کام کو کرے گی، تو اس سے فرض کفایہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن آپ اخروی ثواب اور اپنی روحانی ترقی سے محروم رہیں گے؛ اس لیے عملی طور پر حصہ لے کر رضائے الٰہی حاصل کرنے کی ہر مسلمان محنت اور کوشش کرے اور جو باتیں آپ نے لکھی ہیں، ان کے علاوہ سے بھی دین کی خدمت کر سکتے ہیں؛ اس لیے ایک یا تین چلے یا گشت فرض عین نہیں ہے۔[1] البتہ جماعت کے ساتھ جڑ کر کام کرنا زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تاہم مزاج و احوال کے تغیر میں چلے کو بڑی اہمیت حاصل ہے: عن عبد الله، قال: حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق "إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوما، ثم يكون في ذلك علقة مثل ذلك، ثم يكون في ذلك مضغة مثل ذلك، ثم يرسل الملك فينفخ فيه الروح، ويؤمر بأربع كلمات: بكتب رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أو سعيد. الخ. (صحيح المسلم: ۲/ ۳۳۲، رقم: - ۱ (۲۶۴۳) كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي. الخ، ط: البدر - ديوبند)

[۱۸] تبلیغی کاموں میں گشت اور بات چیت کے لیے جو دِن مقرر کیا گیا ہے، اُس دِن عشاء کے بعد اگر تعلیم چھوڑ دی جائے، تو اُس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

۳۲۹-سوال: دعوت وتبلیغ کے کام کے لیے علماء ربانی نے جو اصول بتائے ہیں، اُن پر عمل پیرا رہتے ہوئے ہم نے اپنی بستی میں ہفتہ میں ایک دِن روزِ جمعہ گشت کے لیے اور اسی رات کو بات چیت کے لیے مقرر کیا ہے، روزانہ کتابی تعلیم عشاء کے بعد ہوتی ہے، اور بات چیت کے دِن یعنی جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز کے بعد اولا کتابی تعلیم ہوتی ہے، پھر بات چیت ہوتی ہے، گاؤں کے کچھ لوگوں کا اسی پر اصرار ہے، اور کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ بات چیت کے دِن کتابی تعلیم نہیں ہونی چاہیے، جیسا کہ ہمارے امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں، تو آپ والا سے درخواست ہے کہ کتب کے حوالوں سے اس باب میں شرعی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت کے کاموں کے لیے مختلف بستیوں میں اور شہروں میں جو اوقات طے کیے جاتے ہیں، وہ گاؤں اور محلہ والوں کی سہولت اور فرصت کے پیش نظر طے ہوتے ہیں، اور مقصد اس میں یہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ گشت، تعلیم، مشورہ اور بات چیت وغیرہ میں شریک ہوسکیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے اُن سے یہ درخواست کی کہ ہمیں آپ روزانہ نصیحت کرتے رہیں، تو آپؓ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمیں ہفتہ میں ایک دِن نصیحت فرماتے تھے، تا کہ ہمیں اکتاہٹ محسوس نہ ہو۔ (بخاری شریف: ۱/۱۶)[1]

اِس حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہفتہ میں ایک دِن عام خطاب کے لیے طے فرمایا تھا، اور اِس حدیث پر امام بخاریؒ نے بھی یہی عنوان قائم فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نصیحت کے لیے ایک دِن مقرر فرماتے تھے، اسی طرح اور ایک عنوان قائم فرمایا ہے کہ: ''عورتوں کے لیے

---

(۱) عن أبي وائل، قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن لوددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملكم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها، مخافة السآمة علينا". (صحيح البخاري: ۱/۱۶، رقم الحديث: ۷۰، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة، ط: البدر-ديوبند)

ہفتہ میں ایک دن علاحدہ طور پر مقرر کرنا"[۲] لہٰذا معلوم ہوا کہ دن طے کر کے کام کرنا جائز ہے، لیکن اُس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسے ایسا ضروری قرار دیا جائے کہ کوئی اور کام اُس سے اہم در پیش ہو، تب بھی اسی اصول سے چپٹے رہیں، یاد رکھنا چاہیے کہ اصول اس لیے بنائے جاتے ہیں تاکہ کام زیادہ ہو اور اچھا ہو، اس لیے نہیں کہ اُصول کو ایسا لازمی بنا لیا جائے کہ لوگ اس کام سے اکتا جائیں یا متنفر ہو جائیں، اور شرکت سے دور رہیں، عام لوگوں کی مصلحت اور شرکت کے پیش نظر کسی بھی اصول میں بوقتِ ضرورت ترمیم کی جاسکتی ہے، موقع، محل اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے بات چیت کے دن کتابی تعلیم چھوڑی جاسکتی ہے، اس میں اصول کی مخالفت نہیں ہے، بل کہ لوگ اگر زیادہ مقدار میں شریک ہوتے ہوں تو جائز اور بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

[۱۹] حضرت مسیح الامتؒ کی کتاب "اصولِ تبلیغ" پر اعتراض اور اس کا جواب

۳۳۰-سوال: ایک کتاب جس کا نام "اصولِ تبلیغ" ہے، ہمارے چند رفقاء کا خیال اس کتاب کے متعلق یہ ہے کہ اس میں تبلیغ کی مخالفت کی گئی ہے، لہٰذا اس کو پڑھنا گناہ ہے، آپ سے عرض ہے کہ اس کتاب کے متعلق حکمِ شرعی کی طرف رہنمائی فرمائیں، ساتھ میں مذکور کتاب کا نسخہ بھی بھیجا ہے، اسے واپس بھیجنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصولِ تبلیغ، مصنفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم (مقام: جلال آباد، ضلع: مظفر نگر یوپی) کے متعلق تبلیغ کے روحِ رواں حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی تائید ہی کافی ہے، جس کے بعد کسی بھی مفتی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی، حضرت شیخ الحدیثؒ کی تائید کتاب کے صفحہ نمبر: ۵ پر ملاحظہ فرمالیں۔

کتاب مذکور کے متعلق آپ کے رفقاء کی غلط فہمی کی وجہ اُن کا ناقص علم ہے، اگر انھوں نے اچھی طرح علمِ دین حاصل کیا ہوتا تو مذکور سوال پیدا نہ ہوتا، حضرت مسیح الامتؒ نے مذکور کتاب میں جو مسائل ونصائح جمع فرمائے ہیں، تمام کا ثبوت اصول شرع کے عین مطابق ہے، کتاب کے صفحہ نمبر ۹۹ پر کسان کے متعلق آپؒ نے جو مسئلہ لکھا ہے، اُس کا ثبوت صحیح بخاری سے بھی ملتا ہے۔

---

(۲) باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۰، كتاب العلم. ط: البدر-ديوبند)

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب العلم کے تحت ایک باب قائم فرمایا ہے: "**التناوب في العلم**" یعنی علم سیکھنے کے لیے باری مقرر کرنا، اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ذکر فرمائی ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے؛ طویل روایت ہے، جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اور میرا ایک پڑوسی (جو قبیلۂ بنو امیہ بن زید سے تعلق رکھتے تھے) باری باری آپ ﷺ کے پاس علم سیکھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے، جس دن میری باری ہوتی، تو میں آپ ﷺ سے سنی ہوئی علمی باتیں بعد میں ان کو بتادیتا، اور جس دن ان کی باری ہوتی، تو وہ بھی اسی طرح کرتے۔[1]

اس روایت سے اوّل تو صحابۂ کرامؓ کی علم کی طلبِ صادق کا پتہ چلتا ہے کہ وہ علمِ دین کے کس درجہ طلب گار تھے، اور ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اپنی دیگر ضروریات ومشاغل بھی متاثر نہ ہوں؛ اس لیے انہوں نے باہمی باری مقرر کر کے یہ بہترین نظام بھی قائم کیا کہ علمِ دین بھی حاصل کیا جاسکے، اور کسبِ حلال جیسے دیگر واجبات کی ادائیگی میں بھی کوئی خلل واقع نہ ہو۔

لہٰذا آپؐ نے جو مسئلہ کسان کے متعلق ذکر فرمایا، وہ بالکل حدیث شریف کے عین مطابق ہے، ظاہر سی بات ہے کہ جب کسی بھی قسم کے پیشگی انتظام کے بغیر اگر کوئی آدمی سفر میں چلا جائے، اور اتفاق سے یہ ہوا کہ کھیتی برباد ہوگئی، یا دوکان تھی جس میں ملازمین نے خیانت کر کے دھوکہ کیا، تو سفر سے واپسی پر سوائے حسرت کے اور کیا ہوگا، اور ایسے مواقع میں توکل میں ضعف پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے، جس سے ایمان خراب ہوگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا دار الاسباب ہے، لہٰذا اسباب کو اختیار کرنے کا بندہ من جانب اللہ مکلف ہے، توکل اسباب اختیار کرنے کے منافی نہیں ہے، برائے کرم توکل کا صحیح معنی سمجھنے کی کوشش کریں، توکل یہ ہے کہ کسی بھی عمل کے لیے جو اسبابِ عادیہ درکار ہیں، انھیں اختیار کرنا، اور اُس کے بعد مسبب (نتیجہ) کے پیدا

---

(۱) عن عبد الله بن عباس عن عمر قال كنت أنا وجار لي من الأنصار في بني أمية بن زيد وهي من عوالي المدينة وكنا نتناوب النزول على رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل يوما وأنزل يوما فإذا نزلت جئته بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيره وإذا نزل فعل مثل ذلك فنزل صاحبي الأنصاري يوم نوبته فضرب بابي ضربا شديدا فقال أثم هو ففزعت فخرجت إليه فقال قد حدث أمر عظيم قال فدخلت على حفصة فإذا هي تبكي فقلت طلقكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت لا أدري ثم دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم فقلت وأنا قائم أطلقت نساءك قال لا فقلت الله أكبر.
(صحیح البخاری ۱:۱۹، رقم:۸۹، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ط: البدر - دیوبند)

ہونے کے لیے اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا کہ وہی ذات تمام امور میں مؤثر حقیقی ہے، جو اسباب اختیار کیے گئے ہیں، ان میں مستقل طور پر بالذات کوئی تاثیر نہیں ہے، ان میں تاثیر پیدا کرنا اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، جیسا کہ ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے اونٹ کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے چھوڑ رکھا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے آپ اونٹ کو باندھ دیجیے، پھر اس کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ [۲]

لہٰذا کسی کسان یا تاجر کا اپنے اہل وعیال کے لیے پیشگی انتظام کے بغیر کسی بھی سفر میں چلا جانا یہ توکل میں داخل نہیں؛ بل کہ اس کے برعکس ہے۔

حضرت مسیح الامتؒ نے کتابِ مذکور کے صفحہ نمبر : ۱۰۰ پر دوسری ایک اہم بات کی جانب رہنمائی فرمائی ہے، اور وہ ہے قرض لے کر اس سفر میں نکلنا۔

قرض کی شناعت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے معمول سے انداز لگانا چاہیے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب الحوالۃ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل فرمائی ہے:

عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه، قال: كنا جلوسا عند النبي صلى الله عليه وسلم، إذ أتي بجنازة، فقالوا: صل عليها، فقال: »هل عليه دين؟« ، قالوا: لا، قال: »فهل ترك شيئا؟« ، قالوا: لا ، فصلى عليه، ثم أتي بجنازة أخرى، فقالوا: يا رسول الله، صل عليها، قال: » هل عليه دين؟ « قيل: نعم، قال: »فهل ترك شيئا؟ « ، قالوا: ثلاثة دنانير ، فصلى عليها، ثم أتي بالثالثة، فقالوا: صل عليها، قال: »هل ترك شيئا؟ « ، قالوا: لا، قال: »فهل عليه دين؟ « ، قالوا: ثلاثة دنانير ، قال: »صلوا على صاحبكم « ، قال أبو قتادة صل عليه يا رسول الله وعلي دينه، فصلى عليه. (بخاري) [۳]

اس روایت کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسولِ اکرم

---

(۲) أنس بن مالك، يقول: قال رجل: يا رسول الله أعقلها وأتوكل، أو أطلقها وأتوكل؟ قال: »اعقلها وتوكل. (سنن الترمذي: ۲/ ۸۷، رقم الحديث: ۲۵۱۷، قبيل أبواب صفة الجنة، ط: البدر - ديوبند)

(۳) صحيح البخاري: ۱/ ۳۰۵، رقم الحديث: ۲۲۸۹، كتاب الحوالة، باب إذا أحال دين الميت على رجل جاز، ط: البدر - ديوبند)

ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اُسی دوران ایک جنازہ لایا گیا، صحابہؓ نے آپ ﷺ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس مرنے والے کے ذمہ کوئی قرض باقی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا نہیں، پھر آپؐ نے پوچھا کہ انہوں نے کچھ مال چھوڑا ہے؟ جواب دیا گیا کہ نہیں، تو آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر ایک ایسا جنازہ لایا گیا جس میت کے ذمہ کچھ قرض تھا، اور اُس نے میراث میں تین دینار چھوڑے تھے، تو اُس پر بھی آپ ﷺ نے تحقیق فرما کر نماز جنازہ پڑھائی، پھر تیسرا جنازہ ایسی میت کا لایا گیا جن پر قرض تو تھا؛ لیکن ادائیگی کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑا تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اُن کی نماز جنازہ تم پڑھ لو، پھر جب حضرت ابوقتادہؓ نے اُن کے قرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لی، تب آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

اس روایت سے جہاں قرض کی ادائیگی کی تاکید معلوم ہوتی ہے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرض چھوڑ کر مرنے سے آدمی کتنے بڑے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے، ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قرض دار شخص اگر شہید بھی ہو جائے تو اُسے اپنے جنتی رشتہ داروں کی لقاءِ روحانی سے روک دیا جاتا ہے۔

اب ان روایات میں غور کر کے آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کسی بھی کسان یا تاجر کا بغیر کسی پیشگی انتظام کے چلہ یا چار مہینے کے لیے قرض لے کر سفر کرنا کیسا ہے، اگر خدانخواستہ موت واقع ہو گئی تو اس قرض کی ادائیگی کا کوئی حتمی انتظام ہے؟

یہ بات بھی خوب یاد رہے کہ علماءِ کرام تبلیغ کے مخالف نہیں ہیں، اور کبھی ہو بھی نہیں سکتے، کیوں کہ یہ کام انبیاءِ کرام علیہم السلام کا فرضِ منصبی ہے، لہٰذا علماءِ کرام بھی انبیاء کے وارث ہونے کی وجہ سے ان پر بھی یہ فرضِ منصبی عائد ہے، لاکھوں راہ بھولے ایسے ہیں جن کو اس بابرکت کام کی بدولت ہدایت نصیب ہوئی ہے، اور سیکڑوں کو ایمان نصیب ہوا ہے، علماءِ کرام کی جانب سے بمقتضاءِ فرضِ منصبی اس کام کے اصول سکھائے جاتے ہیں، راہِ اعتدال بتائی جاتی ہے، اور اس قسم کی اصلاح کے لیے ملک و بیرونِ ملک کے ذمہ داران کو جمع کیا جاتا ہے، چوں کہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے بہت سے دیہاتوں تک یہ اصلاحی پیغامات نہیں پہنچ پاتے جس کے نتیجے میں کچھ ناخواندہ لوگ اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ علماءِ کرام العیاذ باللہ تبلیغ کے مخالف ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(سلوک وتصوف)

[۱] ایک اصلاحی خط

۳۳۱-سوال: میں نے اس سے پہلے حضرت مولانا الیاس نورگت صاحب کو اصلاح کی غرض سے خط لکھا تھا، آپ نے جس خوبی کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیا، وہ قابل تعریف ہے، اللہ تعالی قیامت تک ایسے باصلاحیت دین دار لوگ پیدا فرماتے رہیں۔ آمین

میں ظاہری عمل سے زیادہ باطنی عمل کو اہمیت دیتا ہوں، حقوق اللہ کی طرف توجہ کم ہے، نماز روزے کی پابندی مجھ سے کم ہوتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ میں بلڈ پریشر اور ڈپریشن کا مریض ہوں۔ حقوق العباد، معاملات، معاشرت کی طرف توجہ زیادہ ہے (بتوفیق اللہ) معاشرت، اخلاق، معاملات کی پابندی کرنے میں نفس پر بوجھ پڑتا ہے، اسلام کے اخلاقی شعبہ کی پیروی کرنے میں وساوس اور خیالات کا زیادہ غلبہ رہتا ہے، جس کی وجہ سے دماغ پر بوجھ پڑتا ہے، دماغ ہلکا رکھنا چاہتا ہوں، تو کیا کروں؟ طریقہ بتلائیں۔ میں نے شیخ صاحب سے جن چار باطنی بیماریوں کا علاج کروایا ہے، اس سے فائدہ ضرور ہے، شیخ کی اتباع بہت کرتا ہوں؛ لیکن ایک مرتبہ توبہ کرنے کے بعد پھر سے ہر دو تین دن میں مجھ سے وہ گناہ ہوجاتا ہے، دل چاہتا ہے کہ گناہ مجھ سے سرزد نہ ہو، بار بار گناہ کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو سزا دینے کا وقت نہیں ملتا، جس سے کامل مؤمن بننے سے ناامید ہوجاتا ہوں۔

میں اپنے شیخ کی روبرو ملاقات نہیں کرسکتا ہوں، کیوں کہ سرکاری ملازمت ہے، جس کی وجہ سے چھٹی نہیں ملتی؛ لیکن خط وکتابت کے ذریعہ حالت بیان کرکے رہنمائی حاصل کرتا ہوں، کیا میں اصلاح کا یہ طریقہ بدل دوں؟

اتباع سنت کا بہت خیال کرتا ہوں، بے شک یہ اچھی بات ہے؛ لیکن اتباع کا خیال کرنے میں وساوس شامل ہوجاتے ہیں، اس سے بچنے کے لیے کیا کروں؟ گجراتی زبان میں اصلاح کرنے والی کچھ کتابوں کے نام عطا فرمائیں، حضرت تھانویؒ کا معتقد ہوں، نماز جیسی اہم عبادت میں سستی ہوجاتی ہے، گھر کی ذمہ داریوں کی خوب فکر رہتی ہے، رزق کی تنگی کی وجہ سے دنیوی کام کی طرف توجہ دیتا ہوں، پہلے مجھ پر جب دین غالب تھا، تو مکمل پابندی ہوتی تھی، آج دین پیچھے رہ گیا دنیا غالب آ گئی، اللہ کی صفت رزاقیت کا یقین آجائے، ایسی اصلاح فرمائیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

اخلاقیات اور اتباع سنت میں چاہے وساوس آتے رہیں، اس کی طرف توجہ کیے بغیر اپنا کام کرتے جائیے، وساوس کی طرف توجہ مت کیجیے، جتنی زیادہ توجہ دیں گے، اتنے وساوس آئیں گے۔

ممکن ہے جس کام کو آپ گناہ سمجھ رہے ہوں، وہ گناہ نہ ہو، اپنے شیخ صاحب کے سامنے اس گناہ کا اظہار کر کے علاج پوچھ لیجیے، وہ بتائیں گے اور فائدہ ہوگا، خط وکتابت کے ذریعہ بھی اصلاح کا طریقہ رائج ہے؛ لیکن کبھی کبھی شیخ کی خدمت میں بھی رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، آپ شیخ صاحب کے مشورے سے تھوڑے دن کی چھٹی لے کر ان کی خدمت میں جاسکتے ہیں۔

وساوس دور کرنے کے لیے روزانہ فجر کی نماز بعد دس مرتبہ اور مغرب کی نماز بعد دس مرتبہ چوتھا کلمہ جس میں "**یحی ویمیت**" کے بعد "**بیدہ الخیر**" بھی پڑھیے۔

اور درود شریف کی کثرت رکھیے، اپنے شیخ کی اجازت سے درود شریف کی مقدر متعین کر لیجیے یا ۳۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھتے رہیے۔

کوئی بھی صورت ہو، نماز کے سلسلے میں سستی نہ کیجیے، ہر نماز کے بعد آیت الکرسی ضرور پڑھیے، تنگی رزق کی وجہ سے پریشانی اور فکر تو رہتی ہے، مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ پر پورا توکل کرنا چاہیے۔

اور دماغ میں یہ بات مستحضر رکھنی چاہیے کہ تقدیر میں جو رزق لکھا ہوا ہے، اس سے زیادہ ملنے والا نہیں ہے اور اس میں کمی کرنے کی کسی کے اندر طاقت نہیں ہے، رزق کے لیے کوشش ضرور کیجیے۔[1] پھر بھروسہ اللہ پر کیجیے اللہ جس حالت میں رکھے اس پر خوش رہیے، ہاں دعا ضرور کرتے رہنا چاہیے، آپ کے حسن ظن پر مجھے خوشی ہے یہ آپ کا حسن عقیدت ہے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے حسن ظن کے مطابق مجھے بنادے۔ آمین، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أن السعي بالإجمال لا ينافي الاعتماد على الملك المتعال، كما قال تعالى جل جلاله: {وكأين من دابة لا تحمل رزقها الله يرزقها وإياكم} [العنكبوت: ۶۰] فالحديث للتنبيه على أن الكسب ليس برازق، بل الرازق هو الله تعالى، لا للمنع عن الكسب فإن التوكل محله القلب فلا ينافيه حركة الجوارح، مع أنه قد يرزق أيضا من غير حركة، بل بتحريك غيره إليه يصل رزق الله ببركته كما يستفاد العموم من قوله تعالى: {وما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها} [هود: ۶]. (مرقاة المفاتيح-ملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۳۳۲۰/۸، باب التوكل والصبر، ط: دار الفكر-بيروت)

عن عوف بن مالك الأشجعي، قال: كنا نرقى في الجاهلية فقلنا يا رسول الله كيف ترى في ذلك فقال: »اعرضوا على رقاكم. لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك«. (صحیح مسلم: ۶۴-۲۲۰۰)

باب التعویذ

(تعویذ کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[تعویذ کا بیان]

[۱] تعویذ کی کتابوں سے تعویذات بنانا اور اس میں اجازت کا ضروری ہونا

۳۳۲-سوال: اعمال قرآنی اور اس جیسی دوسری تعویذ کی کتابوں سے عامل خود اپنے لیے تعویذات بنا سکتا ہے؟ یا تعویذ بنا کر دوسروں کو دے سکتا ہے؟ کیا اس میں کسی کی اجازت لینا ضروری یا نہیں؟

حاجی محمد حسین

الجواب حامدا ومصلیا:

تعویذات آپ خود اپنے لیے بھی لکھ سکتے ہیں اور دوسروں کو لکھ کر دے بھی سکتے ہیں، جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۷/۱۱/۱۹۷۶ء

[۲] مستند عامل کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق عمل کرنا

۳۳۳-سوال: ایک نوجوان تقریباً دو سال سے ایک بیماری میں مبتلا ہے، اس کی طبیعت میں سکون نہیں ہے، طبیعت دن بدن بگڑتی ہی جارہی ہے، اطباء اور عاملین نے بہت علاج کیا؛ لیکن خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا، اس کے بعد ہم لوگ اس کو ڈابھیل میں مولانا خیر الرحمن پٹھان صاحب کے پاس لے گئے، انہوں نے اس کی جانچ کر کے یہ بتلایا کہ اس کو جسمانی بیماری بھی ہے اور جن کا بھی اثر ہے، پھر جسمانی بیماری کے ازالہ کے لیے انہوں نے دوائیاں دی اور جن کے اثرات دور کرنے کے لیے تعویذات دیئے، اس میں ایک عمل یہ بتایا کہ اس مسحور آدمی کے مکان میں ایک گوشہ میں ایک میٹر جگہ کے برابر چنا لگایا جائے، پھر ایک میٹر نیا سفید کپڑا اس

پر بچھا کر اس پر مسحور (سحر زدہ، جس پر اثر ہے) کو بٹھایا جائے، اس کے سامنے ایک کالا نیا مٹکا الٹا رکھا جائے، جس پر ایک نئے مٹی کے برتن میں سرسوں کا تیل ڈالا جائے، پھر ایک لمبا تعویذ اس چھوٹے برتن میں رکھ کر جلایا جائے اور مٹکے کے اردگرد پھول رکھے جائیں، اس کے بعد ایک آدمی اس مسحور کے داہنے کان میں آہستہ آہستہ اذان دے، دوسرا آدمی بائیں کان میں اقامت کہے، تیسرا آدمی سورۂ مزمل اور چوتھا آدمی سورۂ جن کی اس کے سامنے تلاوت کرے اور اس پر دم کرتا رہے، پانچواں آدمی ایک دوسرا تعویذ جلا کر اس کا دھواں اس شخص کی ناک میں پہنچائے، جب اس مٹی کے برتن میں رکھا تعویذ آدھا یا چوتھائی حصہ جل جائے، تو عمل بند کر دیا جائے اور جب تک چوتھائی حصہ نہ جل جائے، اس وقت تک وہ آدمی اس میں رکھے ہوئے تعویذ کو دیکھتا بھی رہے، اس طرح یہ عمل مسلسل تین دن تک کرتے رہنے سے ان شاء اللہ فائدہ گا، یہ پورا عمل مولانا پٹھان صاحب کا بتایا ہوا ہے، اس پر میرا سوال یہ ہے کہ اس طرح عمل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح عمل کرنے سے قرآن کریم کی بے عزتی تو لازم نہیں آئے گی؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب حامداومصلیا:

صورت مسئولہ میں خلاف شریعت کوئی بات نہیں، اس لیے عامل کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق عمل کرنا جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۸/۵/۱۹۷۷ء

[۳] درود تاج کی حقیقت اور اس کے پڑھنے کا حکم

۳۳۴-سوال: درود تاج اور درود ہیکل، جس کے سات ابواب ہیں، ان پر بہت سے گاؤں کی عورتیں بہت زیادہ یقین رکھتی ہیں، تو کیا ان کا پڑھنا جائز ہے؟ نیز حدیث شریف سے کون سا درود پڑھنا ثابت ہے؟ جس کا پڑھنا باعث ثواب اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنتا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

صحیح احادیث کی روشنی میں مذکور درود شریف کا ثبوت نہیں ہے۔[1] اس لیے صرف ان درود شریف

---

(۱) مولانا رشید احمد گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: آنچہ فضائل درود تاج کہ بعض جہلاء بیان کنند غلط است وقدر آں بجز بیان شارع علیہ السلام معلوم شدن محال و تالیف آں درود بعد مرور صدہا سال واقع شد پس چگونہ درود ایں صیغہ را موجب ثواب قرار دادہ شود و آنچہ در احادیث صحاح صیغہائے درود وارد شدہ آں را ترک کردن و ایں را موعود بہ ثواب جزیل پنداشتن و درود ساختن بدعۃ ضلالۃ ہست =

کو پڑھنا چاہیے، جو صحیح احادیث اور صحیح سند سے ثابت ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہٗ (۲۸/۳/۱۹۷۷ء)

[۴] تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے

۳۳۵-سوال: میں یہاں باپونگر، بلساڑ میں پڑھاتا ہوں، مجھے معمولی تنخواہ ملتی ہے اور مکان کا کرایہ اور گھر کا خرچ اتنا ہے کہ تنخواہ اس کے لیے ناکافی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے میں ہر وقت پریشان رہتا ہوں، گھر کے گذر بسر کے لیے میں کچھ تعویذات کا کام بھی کرتا ہوں، کیا یہ میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور میں اس پر اجرت لے سکتا ہوں یا نہیں؟ کیوں کہ میرے پاس اس کے علاوہ دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، یہاں کچھ لوگ اپنی باتوں سے انتشار برپا کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ تعویذات لینا، کرنا، کرانا اور ان پر اجرت لینا سب حرام ہے۔ میں نے ان سے یہ کہا کہ اگر تعویذ دینا حرام ہوتا، تو ہمارے علمائے کرام اس موضوع پر کتابیں نہ لکھتے، اب آپ سے گزارش ہے کہ اس نزاع کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعویذ کا کام اگر ان کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے کسی کو دھوکہ دیئے بغیر کرے، تو اس پر اجرت اور معاوضہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1] البتہ عورتوں سے اختلاط اور بلا پردہ ان سے بات چیت کرنا حرام

= وچوں آں کہ درآں کلمات شرکیہ مذکور اند، اندیشۂ خرابی عقیدۂ عوام است؛ لہذا وردآں ممنوع ہست پس تعلیم درود تاج ہما نا سم قاتل بعوام سپردن است کہ صدہا مردم بفساد عقیدۂ شرکیہ مبتلا شوند و موجب ہلاکت ایشاں گردد۔ (فتاویٰ رشیدیہ مع تالیفات رشیدیہ-مولانا رشید احمد گنگوہی ص:۱۳۹، کتاب البدعات، درود تاج کا حکم، ط: مکتبۃ الحق ممبئی)

فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۸۲، کتاب السنۃ والبدعۃ، درود تاج پڑھنا بدعت ہے، ط: دارالاشاعت، کراچی۔

(۱) عن أبي سعيد الخدري، أن ناسا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا في سفر، فمروا بحي من أحياء العرب، فاستضافوهم فلم يضيفوهم، فقالوا لهم: هل فيكم راق؟ فإن سيد الحي لديغ أو مصاب، فقال رجل منهم: نعم، فأتاه فرقاه بفاتحة الكتاب، فبرأ الرجل، فأعطي قطيعا من غنم، فأبى أن يقبلها، وقال: حتى أذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال: يا رسول الله والله ما رقيت إلا بفاتحة الكتاب فتبسم وقال: »وما أدراك أنها رقية؟« ثم قال: »خذوا منهم، واضربوا لي بسهم معكم. (صحيح المسلم: ۲/ ۲۲۴، رقم الحديث: ۶۵-(۲۲۰۱) كتاب السلام، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية، ط: البدر - ديوبند)

قال النووی فی ذیل الحدیث المذکور: (خذوا منهم واضربوا لي بسهم معكم) هذا تصريح بجواز أخذ الأجرة على الرقية بالفاتحة والذكر وأنها حلال لا كراهة فيها. (المصدر السابق)

ہے۔ [1] میں نے اپنی کتاب ''عقائد اسلام'' میں اس کے جواز کے متعلق لکھا ہے، اسے پڑھ لیا جائے اور لوگوں کو بھی بتلا دیا جائے، آپ بھی احتیاط سے کام لیں، تاکہ امت میں فتنہ نہ پھیلے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۵] دم کیے ہوئے پانی سے کسی مریض کو غسل دینا

۳۳۶-سوال: بہت سی مرتبہ کچھ وظائف پڑھ کر پانی پر دم کرکے اس پانی کے ذریعہ جادو، جن اور بھوت کے مریض کو اور سحر زدہ کو غسل دیا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا اس کا کوئی فائدہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا جواب تو کسی عامل ہی سے دریافت کرلیا جائے کہ اس کے استعمال میں نقصان ہوگا یا فائدہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲۶/۱۰/۱۹۸۶ء

[۶] کیس میں کام یابی اور نماز میں خشوع وخضوع کے لیے ایک خاص عمل

۳۳۷-سوال: میرے لڑکے سے مؤرخہ ۴/۵/۱۹۸۳ء کو ''کیوڑی'' میں موٹر سائیکل سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا، اس حادثہ میں ایک خاتون کے پیر میں چوٹ لگ گئی تھی، جس کی وجہ سے پیر فیکچر ہوا تھا، اس کا مانگرول کورٹ میں کیس چل رہا ہے، جس کا فیصلہ ۱۲/۱۰/۱۹۸۳ء، کو ہے۔ کوئی دعا یا قرآن شریف کی کوئی ایسی آیت لکھ کر بھیجیے کہ میرا لڑکا بے گناہ ثابت ہوکر چھوٹ جائے، میں بہت ہی پریشانی میں ہوں، اللہ تعالی آپ کو اس کا بدلہ ضرور عطا کرے گا، اس غریب کا اتنا کام ضرور کر دیجیے، تو میں آپ کا احسان مند ہوں گا، ساتھ میں جوابی کاغذ بھیجا ہے، اس پر جواب لکھیے، اگر کوئی تعویذ بناتے ہوں، تو تعویذ بنا کر بھیجیں۔

---

(۱) والأصل فيه أنه لا يجوز أن ينظر إلى وجه امرأة أجنبية مع الشهوة لما روينا إلا للضرورة إذا تيقن بالشهوة أو شك فيها... وفي نظر الطبيب إلى موضع المرض ضرورة فيرخص لهم إحياء لحقوق الناس ودفعا لحاجتهم فصار كنظر الختان والخافضة، وكذا ينظر إلى موضع الاحتقان للمرض؛ لأنه مداواة، وكذا للهزال الفاحش؛ لأنه أمارة المرض،... وينبغي للطبيب أن يعلم امرأة إن أمكن؛ لأن نظر الجنس أخف، وإن لم يمكن ستر كل عضو منها سوى موضع المرض ثم ينظر، ويغض بصره عن غير ذلك الموضع ما استطاع؛ لأن ما ثبت للضرورة يتقدر بقدرها. (تبيين الحقائق-فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ) :۶/ ۱۷ كتاب الكراهية، فصل في النظر والمس، ط: المطبعة الكبرى-القاهرة)

(۲) مجھے نماز میں شیطان کی طرف سے وسوسے آتے ہیں، تو کوئی ایسی دعا بھیجیے کہ نماز صحیح ہو جائے، اور دین و دنیا دونوں صحیح ہو جائے، یہ ایک بہت بڑا نیکی کا کام ہے، دل پر قابو نہیں رہتا اور غلط غلط وسوسے پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے دل بہت ہی بے چین رہتا ہے، دعا یا قرآن شریف کی کوئی آیت لکھ کر مہربانی فرمائیں، اور یہ کب پڑھنا ہے، اس کی وضاحت فرمائیں تاکہ عمل کرنے میں غلطی واقع نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ پریشانی دور کرنے کے لیے صبح شام ایک سو ایک (۱۰۱) مرتبہ درود شریف پڑھتے رہیں، کیس میں کامیابی کے لیے فیصلہ ہونے تک صبح شام ایک سو ایک (۱۰۱) مرتبہ "**رب إني مغلوب فانتصر**" پڑھتے رہیں۔

برے خیالات اور وسوسوں کو دور کرنے کے لیے صبح شام اکہتر مرتبہ (۷۱) "**لاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم**" پڑھیں، لیکن یاد رہے کہ موٹر سائیکل چلانے میں آپ کے لڑکے کی غلطی سے اس بہن کا پیر فریکچر ہوا ہو، تو صلح کرنے کے بعد علاج و معالجہ کا خرچ دینا ضروری ہے۔[1] واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیا غفرلہ

[۷] تعویذ و عملیات کی اجرت کا مسئلہ

۳۳۸-سوال: بیمار شخص یا ڈرے ہوئے شخص کو عمل کرنے والے کا عمل کرنے کے بدلہ میں معاوضہ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) بیمار یا ڈرے ہوئے شخص پر عمل اور تعویذ کرنے والے کا معاوضہ لینا جائز ہے۔[2] البتہ ایسے

---

(۱) (وضمن عاقلة كل فارس) أو راجل (دية الآخر إن اصطدما وماتا منه) فوقعا على القفا. (الدر المختار) قال الشامي: (قوله إن اصطدما) أي تضاربا بالجسد وهذا ليس على إطلاقه، بل محمول على ما إذا تقابلا لما في الاختيار سار رجل على دابة فجاء راكب من خلفه فصدمه فعطب المؤخر لا ضمان على المقدم، وإن عطب المقدم فالضمان على المؤخر وكذا في سفينتين. (رد المحتار: ۶/ ۶۰۵، كتاب الديات، باب جناية البهيمة والجناية عليها، ط: دار الفكر - بيروت)

رجل سار على دابة فجاء راكب من خلفه فصدمه فعطب المؤخر لا ضمان على المقدم، وإن عطب المقدم فالضمان على المؤخر، وكذا في السفينتين. ولو كانا دابتين وعليهما راكبان قد استقبلتا واصطدمتا فعطبت إحداهما فالضمان على الآخر. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ) :۵/ ۴۹، كتاب الديات، فصل ضمان الإنسان فعله، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

(۲) والثانية: مسألةُ الأجرة على التعوُّذ، والرُّقية، وهي حلالٌ لعدم كونها عبادةً. (فيض الباري - الكشميري (م: ۱۳۵۳ھ)، كتاب الإجارة، باب مايعطى في الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب، ط: دابهيل - سورت) =

شخص سے علاج کرانا چاہیے، جو کفریہ اور غیر اسلامی کلمات نہ بکتا ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔
کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۸] بھوت، چڑیل، ڈائن اور آسیب وغیرہ کی حقیقت

۳۳۹-سوال: اللہ رب العزت نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے، ان میں بھوت، چڑیل، ڈائن اور آسیب کا تعلق کس قوم سے ہے؟ جنات سے یا شیاطین سے؟ اور اگر یہ مخلوق نہیں ہیں تو کیا ان چار ناموں کو لوگوں نے گھڑ لیا ہے؟ یا یہ چار الگ الگ مخلوق ہیں، اگر یہ مخلوق ہیں، تو کیا ان کا ثبوت کسی کتاب سے ہے؟
عبد القادر حاجی نثیر محمد

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) ڈائن انسانوں میں سے ہوتی ہے اور جنات وشیاطین کی مدد سے ناپاک علم حاصل کر کے لوگوں کو تکلیف پہنچاتی ہے، یہ ڈائن پس ماندہ قوم: بھنگی اور روہلوں (صوبہ گجرات کی ایک رذیل قوم ہے) میں سے زیادہ ہوتی ہے، ان میں بعض مرد بھی ناپاک علم سیکھ کر لوگوں کو تکلیف پہنچاتے رہتے ہیں۔ (۱)

(۲) آسیب: جنات کے اثرات کو کہتے ہیں، جو کبھی کسی پر ظاہر ہو جاتا ہے؛ لہٰذا یہ جنات ہی کی ایک قسم ہے۔ (۲)

=جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوي. (رد المحتار: ۶/ ۵۷، كتاب الاجارة ،مطلب في الاستئجار على المعاصي، ط: دار الفكر)
تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے۔

(۱) المراد بالسحر ما يستعان في تحصيله بالتقرب إلى الشيطان مما لا يستقل به الإنسان، وذلك لا يستتب إلا لمن يناسبه في الشرارة وخبث النفس. (تفسير البيضاوي (أنوار التنزيل وأسرار التأويل) - ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (م: ۶۸۵ھ): ۱/ ۹۷، عند قوله تعالى: يعلمون الناس السحر، ت: محمد عبد الرحمن المرعشلي، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت، الطبعة: الأولى - ۱۴۱۸ھ)

ڈائن: (ڈا-ان) [ھ-ا-مث] جادوگرنی، جو خیال ہے کہ بچوں کا کلیجہ کھا جاتی ہے، بدصورت عورت۔ (فیروز اللغات: ۶۷۷)

(۲) آسیب: جن، پری، دیو، پریت، سایا۔ (فیروز اللغات- مولوی فیروز الدین، ص: ۲۱، ط: نعیمیہ، دیوبند)

قلت: الصرع صرعان: صرع من الأرواح الخبيثة الأرضية، وصرع من الأخلاط الرديئة. والثاني: هو الذي يتكلم فيه الأطباء في سببه وعلاجه. وأما صرع الأرواح، فأئمتهم وعقلاؤهم يعترفون به، ولا يدفعونه، ويعترفون بأن علاجه بمقابلة الأرواح الشريفة الخيرة العلوية لتلك الأرواح الشريرة الخبيثة، فتدافع آثارها، وتعارض أفعالها وتبطلها، وقد نص على ذلك بقراط في بعض كتبه، فذكر بعض علاج الصرع، وقال: هذا إنما ينفع من الصرع الذي سببه=

(۳-۴) بھوت اور چڑیل ناپاک شیاطین میں سے ہوتے ہیں، آسمانوں کی باتیں سننے کے لیے جانے کی وجہ سے فرشتے ان پر شہاب ثاقب پھینکتے ہیں، جس سے بعض تو جل جاتے ہیں اور بعضوں کو تکلیف پہنچتی ہے جو بعد جنگلوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور آنے جانے والوں کو ستاتے ہیں، لوگ انہی کو بھوت اور چڑیل کہتے ہیں۔[۳] واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲۳/۱۲/۱۹۷۶ء

[۹] بھوت، چڑیل اور ڈائن کی حقیقت کا انکار کرنا

گذشتہ سے پیوستہ

۳۴۰-سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھوت، چڑیل اور ڈاکن نام کی مصیبت مستقل کوئی مخلوق نہیں ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

عبد القادر حاجی فقیر محمد

الجواب حامداو مصليا:

پہلے سوال کے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ کوئی مستقل مخلوق نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۲۳/۱۲/۱۹۷۶ء

=الأخلاط و المادة. وأما الصرع الذي يكون من الأرواح، فلاينفع فيه هذا العلاج. (زاد المعاد في هدي خير العباد -محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (م:۷۵۱هـ): ۶۱/۴، فصل هديه صلى الله عليه وسلم في علاج الصرع، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت، الطبعة: السابعة والعشرون، ۱۴۱۵هـ ۱۹۹۴م)

فإن حدوث المرض بمس الشيطان ثابت بالكتاب والسنة. (التفسير المظهري-المظهري، محمد ثناء الله (م: ۱۲۲۵هـ): ۱/ ۳۹۴، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية-الباكستان، الطبعة: ۱۴۱۲هـ)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا﴾. [۷۲-الجن: ۹]

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ.

(۳۹-الزمر:۹)

كتاب العلم

(علم اور متعلقات علم)

O

[علم اور متعلقات علم]

[۱] ایک عبارت میں ''سنت'' کا صحیح مفہوم

۳۴۱-سوال: ''فضائل حج، مصنفہ حضرت مولانا زکریاؒ'' کے اجمالی آداب میں ایک عبارت لکھی ہے، جس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، آپ سے درخواست ہے کہ اس کا مطلب سمجھادیں۔

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہ نے تفسیر عزیزی میں تحریر فرمایا ہے: جو شخص آداب و مستحبات میں سستی کرتا ہے، وہ سنت سے محرومی کی بلا میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جو سنت کی ادائیگی میں سستی کرتا ہے، وہ فرائض سے محرومی کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔

یہاں سنت کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آیا، نیز مذکورہ عبارت کی تشریح کیا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کوئی شخص نیکی کرتا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ مزید نیکی کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ (۱) اس لیے سنن

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [۲۱-۲۹ العنكبوت: ۴۵]

قال: محمد ثناء الله، المظهري (م: ۱۲۲۵ھ): هذه الجملة تعليل للأمر بإقامة الصلاة عن الفحشاء أى ما ظهر قبحه شرعا وعقلا وَالْمُنكَرِ للانتهاء عن المعاصي من حيث أنها تذكر الله وتورث للنفس خشية. قال البغوي: روي عن أنس رضي الله عنه قال كان فتى من الأنصار يصلي الصلوات الخمس مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم لم يدع شيئا من الفواحش إلا ركبه، فوصف لرسول الله صلى الله عليه وسلم حاله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن صلاته تنهاه يوما، فلم يلبث ان تاب وحسن حاله... قال البغوي: قال ابن عباس وابن مسعود في الصلوة منتهى، و مزدجر عن معاصي، فمن لم تأمره صلاته بالمعروف، ولم تنهه عن المنكر لم يزدد صلاته من الله إلا بعدا. (التفسير =

زوائد اور مستحبات کی پابندی کرنے والے خوش نصیب افراد کو رسول اللہ ﷺ کی سنتیں ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ سنتیں ادا کرنے سے واجبات اور واجبات سے فرائض ادا کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ اس سے برخلاف برائی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے خیر کے کام کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے، مستحب چھوڑنے سے سنتیں اور سنتیں چھوڑنے سے واجبات اور واجبات کے چھوڑنے سے فرائض اور فرائض چھوڑنے حرام کاموں میں آدمی مبتلا ہوتا ہے۔ اور حرام کاموں میں مبتلا ہونے سے ایمان سے خارج ہو جانے کا خطرہ ہے۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی جان بوجھ کر چھوڑتا ہے کافر ہو جائے گا۔ (کافر ہو جانے کا خطرہ ہے)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] "وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين" کا مطلب

۳۴۲-سوال: علماء حضرات وعظ وتقریر کے اخیر میں "وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين" کہتے ہیں،[2] اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

اس کا ترجمہ ہے: "یہ ہماری آخری پکار ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہاں کا پالنہار ہے"۔

[۳] مسلم ٹیم کی کس جیت میں قرآن خوانی کرنا

۳۴۳-سوال: کرکٹ کی مسلم ٹیم کی جیت کی خوشی میں قرآن خوانی کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور قرآن خوانی کے بعد شیرینی، پیڑا اور اس قسم کی دوسری مٹھائیاں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

ایسے موقع سے قرآن خوانی کرانا اور اس میں شیرینی تقسیم کرنا؛ سب ناجائز ہے، حرام کام کے لیے

= المظهري: ۷/ ۲۰۵، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية- الباكستان)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر: ۶/ ۲۸۰، ط: دار طیبہ۔

(۱) من ترك الصلاة متعمدا، فقد كفر جهارا. (المعجم الأوسط: ۳/ ۳۴۳، رقم: ۳۳۴۸، دار الحرمين- القاهرة)

(۲) قرآن کریم کے بیان کے مطابق اہل جنت کی آخری دعاء ہوگی: وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. [۱۰- یونس: ۱۰] اسی سے استیناس کر کے واعظین یہ دعا پڑھتے ہیں۔

قرآن خوانی کرنے سے ایمان کا خطرہ ہے۔ شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے حرام مال بسم اللہ پڑھ کر کھانے سے ایمان سے نکل جانے کا خطرہ ہے۔[1]

[۴] کلونجی میں موت کے سوا ہر مرض سے شفاء ہے

۳۴۴-سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی دوا بتائی ہے، جس میں سوائے موت کے ہر بیماری کا علاج ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''الحبۃ السوداء'' (یعنی کالا دانہ)، جس کا ترجمہ ''کلونجی'' سے کیا جاتا ہے، اس کے متعلق بخاری شریف: ۸۴۹/۲ میں ہے کہ اس میں موت کے علاوہ ہر (رطوبت والی)[۲] بیماری سے شفاء ہے۔[۳]

دوسرا ترجمہ اس کا ''رائی'' سے کیا گیا ہے۔ (بخاری، حاشیہ نمبر: ۳)[۴] حکماء نے اس کے بائیس سے

---

(۱) من قال عند ابتداء شرب الخمر، أو الزنا، أو أكل الحرام "بسم الله" كفر. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۰۸، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۲) لم اجد هذا القيد في البخاري، و أشار إليه ابن حجر في شرحه ناقلا عن بعض العلما ثم رد عليه ردا منيفا، حيث قال: و قال الخطابي: قوله من كل داء هو من العام الذي يراد به الخاص ... وإنما المراد أنها شفاء من كل داء يحدث من الرطوبة. و هكذا نقل اختيار أبي بكر ابن العربي هذا القول، ثم نقل كلام الشيخ أبي محمد بن أبي جمرة ما معناه: تكلم الناس في هذا الحديث و خصوا عمومه و ردوه إلى قول أهل الطب و التجربة، و لا خفاء بغلط قائل ذلك؛ لأنا إذا صدقنا أهل الطب - و مدار علمهم غالبا إنما هو على التجربة، التي بناؤها على ظن غالب - فتصديق من لا ينطق عن الهوى أولى بالقبول من كلامهم انتهى. وقد تقدم توجيه حمله على عمومه بأن يكون المراد بذلك ما هو أعم من الأفراد و التركيب، ولا محذور في ذلك، ولا خروج عن ظاهر الحديث، والله أعلم. (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۱۴۵/۱۰، ط: دار المعرفة - بيروت، ۱۳۷۹ھ)

(۳) عن خالد بن سعد قال: خرجنا و معنا غالب بن أبجر، فمرض في الطريق، فقدمنا المدينة، وهو مريض فعاده ابن أبي عتيق، فقال لنا: عليكم بهذه الحبة السوداء! فخذوا منها خمسا أو سبعا فاسحقوها ثم اقطروها في أنفه بقطرات زيت في هذا الجانب وفي هذا الجانب فإن عائشة حدثتني أنها سمعت النبي صلى الله عليه و سلم يقول: "إن هذه الحبة السوداء شفاء من كل داء إلا من السام". قلت: وما السام؟ قال: الموت. (صحيح البخاري: ۸۴۸/۲-۸۴۹، رقم: ۵۳۶۳ ☆ ۵۳۶۴، كتاب الطب، باب الحبة السوداء، ط: البدر - ديوبند)

(۴) ونقل إبراهيم الحربي في غريب الحديث عن الحسن البصري أنها الخردل. (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۱۴۵/۱۰، ط: دار المعرفة - بيروت، ۱۳۷۹ھ)

زائد فوائد بیان کیے ہیں: لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر یقین کر کے عمل کریں گے، تو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: طب نبوی ص ۵۰) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] چودہویں صدی ہجری کا اختتام کب ہوگا؟

۳۴۵- سوال: اسلامی تاریخ کے حساب سے ۱۳۹۹ھ کا سال چل رہا ہے، ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہونے پر ۱۴۰۰ھ کا سال شروع ہوگا، بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ۱۳۹۹ھ کا ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہوگا، تو چودہویں صدی ختم ہوجائے گی؛ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ابھی ایک سال کے بعد جب ۱۴۰۰ھ کا سال ختم ہوگا، تب چودہویں صدی ختم ہوگی، تو ان دونوں میں صحیح کیا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور سوال کا تعلق حساب سے ہے، آپ غور کریں کہ ۱۳۹۹ھ پر بارہ مہینے جب گزر جائیں گے، تب ۱۴۰۰ھ کا سال پورا ہوگا، اور جب ۱۴۰۰ھ کے بعد بارہ مہینے گزر جائیں گے، تو ۱۴۰۱ھ ختم ہونا کہلائے گا، لہٰذا جو لوگ ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہونے پر چودہویں صدی کے ختم ہونے کی بات کہتے ہیں، وہی صحیح ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] کیا کسی غیر مسلم کو کافر کہنا جائز ہے؟

۳۴۶- سوال: ایک آدمی غیر مسلم یا دوسری کسی قوم سے تعلق رکھتا ہے، اللہ کو نہیں مانتا ہے اور وہ مورتیوں کو پوجتا ہے، تو کیا اس کو کافر کہہ سکتے ہیں؟ مشتاق علی عبد اللہ ممبئی

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۱/۶/۱۹۷۷ء

(۱) لفظ کفر کا اطلاق بعض گناہ کبیرہ پر ہوتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ابن رجب حنبلیؒ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ومنهم من فرق بين إطلاق لفظ الكفر فجوزه في جميع أنواع الكفر سواء كان ناقلا عن الملة أو لم يكن، وبين إطلاق اسم الكافر، فمنعه إلا في الكفر الناقل عن الملة. (فتح الباري شرح صحيح البخاري- ابن رجب الحنبلي (م: ۷۹۵هـ): ۱/ ۱۳۲، كتاب الإيمان، من الدين الفرار من الفتن، ط: مكتبة الغرباء الأثرية - المدينة النبوية☆روائع التفسير (الجامع لتفسير الإمام ابن رجب الحنبلي): ۱/ ۴۳۰، سورة المائدة، قوله تعالى: ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون، جمع وترتيب: أبي معاذ طارق بن عوض الله بن محمد، ط: دار العاصمة - المملكة العربية السعودية)

[۷] اجتماعی ذکر جہری سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا لوگوں کو منع کرنا

۳۴۷-سوال: مطالعے کے دوران ایک حدیث میری نظر سے گزری ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے زمانے میں کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بہ آواز بلند ذکر کر رہے تھے، جب اس کی اطلاع حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہوئی، تو دوڑتے ہوئے مسجد تشریف لائے اور ذکر واشغال کرنے والوں کو سخت لب ولہجہ میں یوں کہا کہ تم لوگوں نے اس بدعت کو کیوں ایجاد کر رکھا ہے؟[1] اور آپ نے فوراً اس کو بند کروایا۔

اس سے یہ بات بہ خوبی معلوم ہوتی ہے کہ مسجد میں لوگوں کا جمع ہو کر اجتماعی طور پر ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، آپ سے گزارش ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس پر کیوں نکیر فرمائی؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کو بہ آواز بلند ذکر کرتے ہوئے نہ سنا ہو؛ اس لیے انہوں نے اس کا انکار کر دیا ہو۔[2] اس سلسلے میں مزید تفصیل پر آگر آپ مطلع ہوں، تو لکھیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] دنیا کے دو روشن قبرستان میں ایک عسقلان کا قبرستان کیوں؟

"فضائل حج" میں مذکور ایک حدیث کے متعلق ضروری وضاحت

۳۴۸-سوال: شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب

---

(۱) علامہ شامیؒ نے ایک بحث کے ضمن میں صاحب بزازیہ کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے:
لما صح عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي -صلى الله عليه وسلم- جهرا، وقال لهم: ما أراكم إلا مبتدعين. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۹۸/۶، فصل في البيع، ط: دار الفكر -بيروت)

(۲) صاحب فتح القدیر علامہ زین الدین مناویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے جو مذکورہ بات نقل کی جاتی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، ملاحظہ فرمائیں: وأما ما نقل عن ابن مسعود من أنه رأى قوما يهللون برفع الصوت في المسجد، فقال: ما أراكم إلا مبتدعين، وأمر بإخراجهم فغير ثابت، وبفرض ثبوته يعارضه ما في كتاب الزهد لأحمد عن شقيق بن أبي وائل قال: هؤلاء الذين يزعمون أن عبد الله كان ينهى عن الذكر، ما جالسته مجلسا قط إلا ذكر الله فيه. (فيض القدير - المناوي (م: ۱۰۳۱ھ): ۴۵۸/۱، حرف الهمزة، رقم: ۱۷۵، ط: المكتبة التجارية -مصر)

فضائل اعمال میں ایک جگہ لکھا ہے کہ زمین میں دو قبرستان آسمان والوں کے یہاں ایسے روشن اور چمکدار ہیں، جیسے دنیا والوں کے یہاں سورج اور چاند؛ ان میں ایک قبرستان جنت البقیع کا ہے اور دوسرا عسقلان کا۔ (۱)
تو سوال یہ ہے کہ عسقلان کا قبرستان کہاں واقع ہے اور اس کی اس قدر خصوصیت کس وجہ سے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً تو آپ نے فضائل اعمال کا صفحہ نمبر نہیں لکھا ہے، اگر یہ آں حضرت ﷺ کا فرمان ہو، تو ہمارا کام تو صرف ان کو مان لینا ہے، ان جیسے سوالوں ہی کی وجہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا یا مفتی حضرات صرف قانون کے جاننے والے ہوتے ہیں، ان کو قانون کی حکمتوں کا علم نہیں ہوتا ہے، جس طرح ایک وکیل قانون بتلاتا ہے؛ لیکن اس کی حکمت کیا ہے؟ اس کی نشان دہی اس کا کام نہیں ہے، اس سلسلے کی مزید معلومات کے لیے کتاب "المصالح العقلية للمسائل النقلية" دیکھی جاسکتی ہے۔ (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ شیطان انسان کو طرح طرح سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، مختلف طرح سے بہکاتا ہے، لوگوں کو اس طرح کے کاموں میں لگا کر آپ ﷺ کی احادیث اور آپ کے فرامین سے ان کے اعتقاد کو کمزور کرتا ہے، شریعت کے ہر حکم کو عقل کی میزان پر پرکھنے پر آمادہ کرتا ہے۔ (۳)

شریعت کے احکامات کو عقل کی میزان پر پرکھنے والے ماضی میں گمراہ ہوگئے، جن کو معتزلہ اور خوارج کہا جاتا ہے، فلسفہ پڑھ کر اس طرح کے گمراہ فرقے وجود میں آئے تھے؛ اس لیے آپ شریعت کے احکام کی حکمتیں جاننے سے دور رہیں، اور ہر حکم کو عقل سے سمجھنے یا اُس کی وجوہ و اسباب کے جاننے کے درپے

---

(۱) یہ بات اِس حقیر کو نہ تو فضائل اعمال میں مل سکی اور نہ ہی کسی دوسری حدیث کی کتاب میں۔

(۲) المصالح العقلية للأحكام النقلية - الشيخ التهانوي رحمه الله تعالى. (احکام اسلام عقل کی نظر میں) بہ حاشیہ: مولانا جمیل احمد تھانویؒ، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)

(۳) قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِي لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ [۷- الأعراف: ۱۶-۱۷] وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ [۴- النساء: ۱۱۹]
وأوجبت أيضا: أنه لايحل أن يتوقف في امتثال أحكام الشرع - إذا صحت به الرواية - على معرفة تلك المصالح، لعدم استقلال عقول كثير من الناس في معرفة كثير من المصالح، ولكون النبي صلى الله عليه وسلم أوثق عندنا من عقولنا؛ ولذلك لم يزل هذا العلم مضنونا به على غير أهله؛ ويشترط له مايشترط في تفسير كتاب الله، ويحرم الخوض فيه بالرأي الخالص، غير المستند إلى السنن والآثار. (حجة الله البالغة: ۱/ ۵۰-۵۱، مكتبه حجاز ديوبند)

نہ رہیں، اسی میں ہم بندوں کی بھلائی ہے، حکمتوں اور وجوہ کو سمجھنے کے لیے کسی دار العلوم میں داخل ہو کر سات۔ آٹھ سال لگانے کی ضرورت ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ عوام کو جن احکام و مسائل کے بارے میں اشکال ہوتے ہیں، اگر وہ سات۔ آٹھ سال دار العلوم میں پڑھ لیں، تو وہ اپنے اشکالات کے بارے میں خود ہی شرمندہ ہوں گے، اور اُن کو حقیر سمجھیں گے، اِس لیے مصالح و حِکم سمجھنا عوام کی ذمہ داری نہیں ہے، اُن کا کام عمل کرنا اور ماننا ہے۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] نمرود کی ولادت اور اُس کی پرورش کے قصہ کی حقیقت

۳۴۹-سوال: اکثر علماء سے سنا گیا ہے اور قصص القرآن میں بھی یہ قصہ منقول ہے کہ قارون۔ جس نے ایک جنت بنائی تھی۔ کی وِلادت ایک ٹوٹی ہوئی کشتی میں ہوئی تھی، جس کے ٹوٹنے کے بعد صرف ماں اور ایک بچہ باقی بچ گئے تھے، عین اُسی وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملک الموت کو حکم ہوا کہ ماں کی روح قبض کر لی جائے، چناں چہ صرف بچہ باقی رہ گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اُس بچہ کی پرورش کا پورا انتظام فرمایا، بالآخر وہ بڑا ہو گیا، اور اُس نے اپنے زمانہ کے نبی سے مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ تیرے کہنے کے مطابق اگر ہم نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں تو تیرا اللہ ہمیں کیا دے گا؟ نبی نے جواب دیا کہ جنت دے گا، تو اُس پر اُس نے کہا کہ جنت تو میں بھی بنا سکتا ہوں، پھر اُس نے جنت نما محل تعمیر کیا، اور جیسے ہی اُس نے اپنا پہلا قدم اُس میں رکھا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملک الموت کو اُس کی قبضِ روح کا حکم ہوا، اور اُس کی روح اُسی حالت میں قبض ہو گئی۔

مذکورہ قصہ اختصاراً پیش کرنے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ یہ قصہ قارون کا ہے یا شداد کا؟ اور یہ قصہ صحیح بھی ہے یا افسانہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ قصہ قارون یا شداد کا نہیں؛ بل کہ نمرود کا ہے، جس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا، اور اُس کی عمر چار سو سال سے زائد ہوئی تھی، قصہ یہ ہے کہ نمرود اپنی ماں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار تھا، کشتی ٹوٹ گئی، جس کی وجہ سے اُس کی ماں پانی میں تختہ ہی پر مر گئی، لیکن دریا کی موجوں نے نمرود کو کسی

جنگل میں پھینک دیا اور ایک بھیڑیا، جس کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، اُس کے دودھ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پرورش کا انتظام فرمایا، جب کچھ بڑا ہوا، تو اُسے جنات کے سپرد کر دیا گیا، جنات کے ساتھ رہ کر وہ پلا بڑھا، پھر انسانوں میں آ کر بادشاہ بن گیا، حصولِ بادشاہت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اُسے ایمان کی دعوت دی، تو وہ اُن کے مقابلہ پر اُتر آیا اور بالآخر عاجز آ کر اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس آگ سے بچالیا۔

یہی وہ نمرود ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے سوال فرمایا کہ کیا تجھے کبھی کسی کی روح قبض کرتے وقت رحم و ہمدردی پیدا ہوئی ہے؟ تو ملک الموت نے جواب میں عرض کیا کہ اے اللہ! ایک مرتبہ جب کہ ایک کشتی پانی میں ٹوٹ گئی اور کشتی کے تمام لوگ غرق آب ہو گئے، صرف ایک عورت لکڑی کے تختہ پر سہارا لیے ہوئے تھی، اُسی حالت میں اُس سے ایک بچہ کی ولادت ہوئی تھی، عین اُسی موقع پر مجھے اس خاتون کی روح کے قبض کرنے کا حکم ہوا، تو اُس وقت مجھے اُس تنہا معصوم بچہ پر ہمدردی پیدا ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے ارشاد فرمایا کہ وہ بچہ یہی نمرود ہے، جس نے میرے بھیجے ہوئے نبی حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو آگ میں ڈالا۔ مذکورہ قصہ مثنوی شریف میں مولانا جلال الدین رومیؒ نے ذکر فرمایا ہے۔ فقط، واللہ اَعلم بالصواب۔ (مثنوی شریف: ۶/ ۴۶۴)[1]

[۱۰] کیا ابلیس فرشتوں کا سردار اور بہت بڑا عبادت گذار تھا؟

۳۵۰-سوال: کیا ابلیس فرشتوں کا سردار تھا؟ وہ خود فرشتہ تھا؟ ہم نے سنا ہے کہ وہ بہت بڑا عبادت گذار تھا، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ابلیس چوں کہ فرشتوں میں کافی عرصہ تک رہا؛ اس لیے اُس کا شمار فرشتوں میں ہوتا تھا، لیکن وہ اپنی جماعت میں فرشتہ تھا یا جنات؟ اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں، ایک قول کے مطابق وہ فرشتہ ہی تھا، فرشتوں ہی کی ایک قسم جسے جنات کہا جاتا ہے، اُن میں سے تھا، اور جنات کی یہ قسم دنیوی جنات کے علاوہ مخلوق ہے، ابلیس چوں کہ فرشتوں کے جنات کی قسم میں سے تھا، اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدے کا

(۱) دیکھیے: معارف مثنوی، شرح مثنوی اُردو، از: حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب، تحت عنوان: حکایت کفرانِ نمرود، ص: ۱۹۱، ط: کتب خانہ نعیمیہ دیو بند۔

حکم دیگر فرشتوں کی طرح اُس پر بھی نافذ تھا، اگر وہ از قسم فرشتہ نہ ہوتا، تو وہ سجدے کے حکم میں شامل ہی نہ ہوتا، اور سجدہ نہ کرنے کی بناء پر نافرمان بھی ثابت نہ ہوتا۔ (آکام المرجان: ۱۵۶)[1]

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سجدے کا حکم تمام فرشتوں کو نہیں تھا؛ بل کہ اُن میں سے جو قسم جنات کی تھی، اُن ہی کو یہ حکم تھا؛ لہٰذا ابلیس سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے نافرمان ٹھہرا، اور اُس کی جماعت کے دیگر فرشتے فرماں بردار ثابت ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۷۶)[2]

اِس بارے میں علماء کا دوسرا قول یہ ہے کہ جنات کی وہ قسم جو زمین پر بستی ہے، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں آگ سے پیدا فرمایا ہے، ابلیس اِن ہی میں سے تھا، اور وہ اِن جنات کا باپ تھا، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں، لیکن جب جنات کی سرکشی اور نافرمانی حد سے بڑھ گئیں، تو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر فرشتوں کے ذریعہ عذاب نازل فرما کر اُنہیں ختم کر دیا اور جو بچ گئے، اُنہیں پہاڑوں اور سمندروں کے کنارے چھوڑ دیا گیا، ابلیس اُس وقت تک کچھ درمیانی حالت پر تھا، اس لیے عذاب سے بچا لیا گیا اور وہ فرشتوں کے ساتھ رہنے لگا، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کے ساتھ رہنے دیا، اور ابلیس اپنے دِل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اب جب کبھی بھی دنیا دوبارہ آباد کی جائے گی، تو اُس کا

---

(۱) قال أبو الوفا علي بن عقيل في كتاب الإرشاد إن قيل لك إبليس كان من الملائكة أم لا فقل من الملائكة خلافا لبعض أصحابنا وبهذا قال أبو بكر عبد العزيز لأن الباري سبحانه وقال {وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا إبليس} والاستثناء لا يكون من غير الجنس هذا هو المشهور في لغة العرب... والذي يدل على صحة هذا وانه من الملائكة أنه لو لم يكن منهم لما حسن لومه وسبه بامتناعه... فإن قالوا فقد خصه باسم فقال إلا إبليس كان من الجن قيل الجن نوع من الملائكة يقال لهم الجن. (آكام المرجان في أحكام الجان-محمد بن عبد الله الشبلي الدمشقي الحنفي، أبو عبد الله (م:۷۶۹هـ)، ۲۰۹-۲۱۰، فصل في نوحهم على الشهداء بالحرة، ت: إبراهيم محمد الجمل، ط: مكتبة القرآن-مصر)

(۲) عن ابن عباس قال: كان إبليس من حي من أحياء الملائكة، يقال لهم: الجن، خلقوا من نار السموم، من بين الملائكة... ثم قال الله تعالى للملائكة الذين كانوا مع إبليس خاصة دون الملائكة الذين في السماوات: اسجدوا لآدم. فسجدوا كلهم أجمعون إلا إبليس أبى واستكبر، لما كان حدث نفسه من الكبر والاغترار. فقال: لا أسجد له، وأنا خير منه وأكبر سنا وأقوى خلقا، خلقتني من نار وخلقته من طين. يقول: إن النار أقوى من الطين. قال: فلما أبى إبليس أن يسجد أبلسه الله، أي: آيسه من الخير كله، وجعله شيطانا رجيما عقوبة لمعصيته. (تفسير القرآن العظيم-أبو الفداء إسماعيل ابن كثير القرشي، الدمشقي (م ۷۷۴هـ): ۱/ ۱۳۴-۱۳۵، سورة البقرة: ۳۴، ت: محمد حسين شمس الدين، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

سردار مجھے ہی بنایا جائے گا، فرشتوں کو اُس کے اس ناپاک ارادے کی خبر نہ تھی، لہٰذا ابلیس نے سرداری حاصل کرنے کی لالچ میں اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کی، کہ جس سے فرشتوں کو بھی رشک آنے لگا، ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا، لیکن وصفِ عبادت میں اُن سے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے اُن میں شمار ہوتا تھا، لہٰذا جب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو وہ اُس میں شامل تھا، پھر سجدہ نہ کرکے وہ نافرمان ثابت ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۷۸۸/۲)[۳]

ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا، اور اُس کے فرشتہ ہونے کے متعلق جو روایات ہیں، وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں، قرآنِ پاک میں فرشتوں کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَا یَعْصُونَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ.[۴]

ترجمہ: فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہ ہر حکم کی فرماں برداری کرتے ہیں۔

حدیث شریف کی مشہور کتاب مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جنات آگ سے، اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق تو تم جانتے ہی ہو۔ (مسلم شریف: ۴۱۳/۲)[۵]

---

(۳) وخلقت الجن الذين ذكروا في القرآن من مارج من نار... فأول من سكن الأرض الجن، فأفسدوا فيها، وسفكوا الدماء، وقتل بعضهم بعضا. قال: فبعث الله إليهم إبليس في جند من الملائكة -وهم هذا الحي الذي يقال لهم: الجن- فقتلهم إبليس ومن معه، حتى ألحقهم بجزائر البحور، وأطراف الجبال، فلما فعل إبليس ذلك اغتر في نفسه، فقال: قد صنعت شيئا لم يصنعه أحد. قال: فاطلع الله على ذلك من قلبه، ولم يطلع عليه الملائكة الذين كانوا معه. (تفسير القرآن العظيم (ابن كثير): ۱۳۵/۱، البقرة: ۳۴، ط: دار الكتب العلمية)

(۴) (-۶۶ التحريم: ۶)

(۵) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خلقت الملائكة من نور، وخلق الجان من مارج من نار، وخلق آدم مما وصف لكم. (صحيح المسلم: ۴۱۳/۲، رقم: ۶۰-(۲۹۹۶)، باب في أحاديث متفرقة، كتاب الزهد والرقائق، ط: البدر- ديوبند☆الجامع - معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي (م: ۱۵۳هـ): ۴۲۵/۱۱، رقم: ۲۰۹۰۴، باب قول: تعس الشيطان، وتحريق الكتب، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي- باكستان، وتوزيع المكتب الإسلامي- بيروت★الكتاب: مسند إسحاق بن راهويه-أبو يعقوب إسحاق بن إبراهيم، الحنظلي المروزي المعروف بـ" ابن راهويه" (م: ۲۳۸هـ): ۲۷۷/۲، رقم: ۷۸۶، ت: د. عبد الغفور بن عبد الحق البلوشي، ط: مكتبة الإيمان- المدينة المنورة)

اس حدیثِ صحیح سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتہ نور سے پیدا کی گئی مخلوق ہے، اور تمام جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں، لہٰذا دونوں مخلوق علاحدہ ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے؟

۳۵۱-سوال: امریکہ ایسا ملک ہے، جہاں غیر اسلامی قوانین نافذ ہیں، قرآن کریم اور حدیث پاک میں بہت سی جگہوں پر اُن کی اسلام دشمنی کا تذکرہ ہے، آپ سے درخواست ہے کہ اُن آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ کے متعلق ہماری رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب امریکہ کے قوانین میں اصولی طور پر یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو کلی طور پر اپنے دین پر عمل پیرا ہونے دینا نہیں چاہتے، تو پھر اُسے غیر اسلامی ملک (دار الحرب) قرار دینے میں کیا شبہ ہے؟[۱] جب کہ شروع سے اس ملک کی اسلام دشمنی کا مشاہدہ بارہا ساری دنیا نے کیا ہے، پوری تاریخ اُن کی اسلام دشمنی سے بھری پڑی ہے، آج کے یہود ونصاریٰ اسلام دشمنی میں متحد و متفق ہیں، بعض ایسے مسلم ممالک جن سے امریکہ اپنے اچھے روابط کا دعویٰ کرتا ہے، وہ صرف اور صرف اُن کی خود غرضی اور اپنے برے مقاصد انجام دینے کے لیے ہے، قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ.[۲]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یعنی اسلام دشمنی میں۔[۳]

---

(۱) أن الأمان إن كان للمسلمين فيها على الإطلاق، والخوف للكفرة على الإطلاق، فهي دار الإسلام، وإن كان الأمان فيها للكفرة على الإطلاق، والخوف للمسلمين على الإطلاق، فهي دار الكفر. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي (م:۵۸۷ھ): ۱۳۱/۷، كتاب السير، فصل في بيان الأحكام التي تختلف باختلاف الدارين، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) ۵-المائدة:۵۱.

(۳) بعضهم أولياء بعض في معاداة المسلمين. (محاسن التأويل=تفسير القاسمي-محمد جمال الدين بن محمد الحلاق القاسمي (م:۱۳۳۲ھ): ۱۹۶/۴، ت: محمد باسل عيون السود، ط: دار الكتب العلميه-بيروت)

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ دین اسلام اُن کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے اور عدل و انصاف کا معاملہ کرنے سے نہیں روکتا ہے، نیز سورۂ ممتحنہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایسے غیر مسلمین جو دین اسلام کے خلاف جنگ نہ کریں اور مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں اُن کے ساتھ اچھے اخلاق برتنے اور انصاف سے اللہ نے تمہیں نہیں روکا۔ (۴)

لیکن ضروری ہے کہ اُن سے دلی لگاؤ نہ رکھا جائے اور اُنہیں دینی دوست نہ بنایا جائے۔ قرآنِ پاک کی ایک اور آیت میں اُن کی اسلام دشمنی اِن الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا. (۵)

ترجمہ: تم یہود اور مشرکین کو پاؤ گے کہ وہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ سخت دشمن ہیں۔

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود اور مشرکین کی اسلام دشمنی کو صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے، اُس کے بعد فوراً دوسری آیت نصاریٰ کے بارے میں ہے:

وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ. (۶)

ترجمہ: اور تم مؤمنین سے محبت کرنے والا اُن لوگوں کو پاؤ گے، جنھوں نے کہا ہے کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔

اِس آیتِ کریمہ میں جن نصاریٰ کی تعریف بیان کی گئی ہے، اُن سے مراد وہ نصاریٰ ہیں، جنھوں نے مہاجرین حبشہ سے قرآنِ کریم کی تلاوت سنی اور اُس پر رو پڑے، یعنی شاہِ حبشہ نجاشی اور اُس کے دربار کے راہبین، جنھوں نے اسلام قبول کرلیا، لیکن وہ نصاریٰ، جو دینِ حق پر ایمان نہیں لائے اور اسلامی دشمنی میں حد

---

(۴) قال الله تعالى: لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۸﴾ (۶۰-الممتحنة: ۸)

ولا بأس بأن يصل الرجل المسلم المشرك، قريبا كان أو بعيدا، محاربا كان أو ذميا، و أراد بـ "المحارب" المستامن. (البحر الرائق: ۸/ ۲۳۲، كتاب الكراهية، فصل في البيع، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۸۸، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۴۸، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة... الخ، ط: دار الفكر)

(۶-۵) -۵ المائدة: ۸۲.

سے تجاوز کر گئے، وہ بالکل یہود ہی کی طرح مسلمانوں کے دینی دشمن ہیں، جیسا کہ پہلی آیت میں واضح کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں مروی ہے کہ یہودی جب کسی مسلمان کو تنہا دیکھتا ہے، تو وہ اُس کے قتل کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۸۵)

یہود نے اپنی اسلام دشمنی کا بین ثبوت دیتے ہوئے متعدد مرتبہ حضور اکرم ﷺ کو مدینہ طیبہ میں اور خیبر میں شہید کرنے کی کوششیں کیں، آپ ﷺ کو اُنہوں نے دھوکے سے زہر بھی دیا، جس کی تکلیف آپ ﷺ کو اخیری عمر تک رہی، اِن ہی ناپاک یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ پر جادو بھی کیا تھا، جس کی تکلیف آپ ﷺ نے تین دن تک برداشت کی، اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کے دفع کے لیے سورۂ فلق اور سورۂ ناس نازل فرمائی۔ [۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] ''زندگی صفتِ صلوٰۃ پر آجائے''

(تنقیح سوال)

۳۵۲-سوال: نماز کا مقصد ہے: زندگی صفتِ صلوٰۃ پر آجائے'' تو زندگی میں صلوٰۃ کی صفت کس طرح پیدا کی جائے؟ مثال دے کر سمجھائیں! بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صفتِ صلوٰۃ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اُس کے کیا معنی اور مطلب ہیں؟ اسے لکھ کر بھیجیں، تو جواب دوں گا؛ کیوں کہ صفتِ صلوٰۃ سے آپ کیا سمجھے ہیں؟ آپ اُس سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ واضح نہیں ہے۔ اس لیے اس وقت میرے لیے جواب دینا ممکن نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۷) عن ابن عباس: نزلت هذه الآيات في النجاشي وأصحابه، الذين حين تلا عليهم جعفر بن أبي طالب بالحبشة القرآن بكوا حتى أخضلوا لحاهم... لأن كفر اليهود عناد وجحود ومباهتة للحق، وغمط للناس وتنقص بحملة العلم. ولهذا قتلوا كثيرا من الأنبياء حتى هموا بقتل رسول الله صلى الله عليه وسلم غير مرة وسحروه، وألبوا عليه أشباههم من المشركين... عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما خلا يهودي قط بمسلم إلا هم بقتله. (تفسير ابن كثير: ۳/ ۱۶۶، ط: دار طيبة)

[۱۳] ہفتہ کے مختلف ایام کے اعتبار سے داڑھی بنانے یا داڑھی میں کنگھی کرنے کے مخصوص فضائل کے متعلق تحقیق

۳۵۳-سوال: ''تنظیم'' نامی ماہنامہ کے ۱۹۶۴ء جون کے شمارہ میں ذیل کا مضمون شائع ہوا تھا، اُس کے بارے میں بہ حوالۂ کتب جواب دے کر مشکور فرمائیں:

(۱) اِتوار کے دِن داڑھی بنانے سے دِل اور من خوش رہتا ہے۔

(۲) پیر کے دِن جو شخص داڑھی میں کنگھی کرتا ہے، اُس کی حاجت پوری ہوتی ہے۔

(۳) منگل کے دِن کنگھی کرنے سے اللہ تعالیٰ زیادہ راحت وسکون عطا فرماتے ہیں۔

(۴) بدھ کے دِن جو کوئی کنگھی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسے زیادہ نعمتوں سے نوازتے ہیں۔

(۵) جمعرات کے دِن جو شخص کنگھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے زیادہ نیکیاں عطا کرتا ہے۔

(۶) جمعہ کے دِن داڑھی میں کنگھی کرنے سے خوشی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۷) سنیچر کے دِن داڑھی میں کنگھی کرنے سے آدمی بری باتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۸) کھڑے کھڑے کنگی کرنے سے دین مضبوط ہوتا ہے، اور بیٹھے بیٹھے کرنے سے دین نکل جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماہنامہ ''تنظیم'' سے نقل کردہ ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے، حدیث یا فقہ میں اس طرح کی کوئی بات مذکور نہیں ہے کہ فلاں فلاں ایام میں کنگھی کرنے سے مذکورہ فوائد حاصل ہوتے ہیں، البتہ بزرگانِ دین نے اپنے مواعظ وتحریر میں جو باتیں ذکر کی ہیں، اُن کا تعلق حکمت اور طبی فوائد سے ہے، جیسے شیخ فریدالدین عطارؒ نے اپنی فارسی کتاب ''پندنامہ'' میں بہت سی دینی ودنیوی باتوں پر مشتمل نصیحتیں کی ہیں، جن کا حدیث وفقہ کی کتابوں میں کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لیے بلا تحقیق ایسی باتوں کی طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، البتہ اِن باتوں کے لکھنے والے سے حوالہ جات کا مطالبہ کر کے اُس سے مطلع فرمائیں، تو اُس کے مطابق جواب دیا جائے گا۔[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ... وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا. [۲۵-الفرقان: ۷۳]

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ. [۴۹-الحجرات: ۶]

[۱۴] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت اسماعیل کے ذبح کے وقت دنبہ لے کر کون آیا تھا؟

۳۵۴-سوال: ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر جب چھری پھیری، اُن کے تذکرہ میں دنبے کا ذکر کہیں دیکھنے میں نہیں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے چھری کے نیچے دنبہ ملائکہ مقربین کے ذریعہ بھیجا ہو اور دنبہ کی قربانی ہوئی ہو، اس بارے میں پوری بات بخاری شریف میں ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر پھیری گئی، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے قربانی قبول کر لی تھی، دنبہ ذبح نہیں ہوا تھا۔

الجواب حامدًا ومصلّیًا:

مذکور تحریر کوئی ایسا سوال نہیں ہے جس کا تعلق کسی عقیدے سے یا حلال وحرام کے کسی حکم سے ہو، اور ہر بات کو ثابت کرنے کے لیے بخاری شریف کی ضرورت نہیں ہے، اس کے علاوہ دیگر کتبِ احادیث سے بھی علم حاصل ہوتا ہے، مسئلہ مذکورہ میں اگر آپ کی کوئی تحقیق ہے، تو مجھے بھی اُس سے مطلع فرمائیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ چھری چلائیں؛ لہٰذا اُن کا کام چھری چلانا تھا، اب کس پر چھری پھیری؟ اس بارے میں علماءِ مفسرین کے دو قول ہیں:

(۱) چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام پر پھیری گئی۔

(۲) چھری پھیرنے کا ارادہ کیا تو آواز آئی کہ: اے ابراہیمؑ! آپ نے جواب دیا: ''لبیك، الله أکبر'' تو فرشتہ نے بھی ''اللہ أکبر'' کہا، دنبہ نے بھی کہا، حضرت اسماعیلؑ نے بھی کہا۔

پہلے قول کے مطابق چھری پھیری گئی؛ لیکن رگیں اور کھال نہیں کٹی، تانبے کا ٹکڑا وہاں رکھ دیا گیا، کوشش جاری تھی اور وہاں دنبہ لایا گیا اور اُس کو ذبح کیا گیا۔ (روح المعانی: ۱۷۱/ پارہ: ۲۳)[1]

وفي "شرح الفصوص" للمولى الجامي أي: حققت الصورة المرئية وجعلتها صادقة مطابقة للصورة الحسية الخارجية بالإقدام على الذبح والتعرض لمقدماته، وقد قيل إنه أمز السكين بقوته على حلقه مرارًا، فلم يقطع، ثم وضع السكين على قفاه فانقلب السكين. =

[۱۵] جس چھری سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا گیا، وہ کہاں گئی؟

۳۵۵-سوال: اور ایک بات چھری کی ہے کہ جس چھری سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا گیا، وہ کہاں گئی؟ بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری پھینکی اور وہ دریا میں گری، جس نے مچھلی کو ذبح کیا، اس لیے مری ہوئی مچھلی کھانا جائز ہے، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اُس جگہ پتھر تھا، اُس پر پھینکی، تو اُس پتھر کے ٹکڑے ہو گئے تھے، تو دونوں باتوں میں سے کون سی بات بخاری شریف سے ثابت ہے؟

الجواب حامدًا ومصلّیا:

مذکورہ باتیں لایعنی اور فضول ہیں، جن کا قربانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، قربانی کا مقصد یہ ہے کہ دین و ایمان کے لیے اپنے جان و مال، اولاد اور بیوی کی قربانی پیش کرو، ذبح کر کے نہیں؛ بل کہ دین وایمان کی نشر و اشاعت کے لیے ہمیشہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو پیش پیش رکھو، جذبات قربانی کے ہونے چاہئیں۔[۱]

چھری کیسی تھی؟ کتنے انچ کی تھی؟ تانبے کی تھی یا پیتل کی؟ یہ سب بے ہودہ اور لایعنی باتیں ہیں، جن کا اصل واقعہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، ایسی باتوں سے اپنے آپ کو بچائیں، یہ سب بے کار لوگوں کے کام ہیں، اللہ تعالیٰ ہم تمام کو بے کار کاموں میں وقت ضائع کرنے سے بچائے اور دین کی سمجھ عطا فرمائے، آمین۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= آن تـو کل تـو خـلـیـلانہ ترا
تـا نـبـرد تیغت اسماعیل را

فعند ذلك وقع النداء.ــــــــــــ...وروي أنه لما ذبحه قال جبريل: "الله أكبر، الله أكبر" فقال الذبيح: "لا إله إلا الله والله أكبر". فقال إبراهيم: "الله أكبر ولله الحمد" فبقي سنة. (تفسير روح المعاني: ۷/ ۳۷۲، سورة الصافات، ط: دار النشر / دار إحياء التراث العربي)

(۱) {لَن يَنَالَ اللهَ} لن يصيب، ويبلغ، ويدرك رضاه، ولا يكون مقبولاً عنده. {لُحُومُهَا} المأكولة والمتصدق بها {وَلَا دِمَاؤُهَا} المهراقة بالنحر، من حيث أنها لحوم ودماء، {وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ} وهو قصد الائتمار، وطلب الرضى والاحتراز عن الحرام والشبهة...واعلم أن كل مال لا يصلح لخزانة الرب ولا كل قلب يصلح لخدمة الرب، فعجل أيها العبد في تدارك حالك، وكن سخياً محسناً بمالك فإن لم يكن فبالنفس والبدن، وإن كان لك قدرة على بذلهما فيهما معاً ألا ترى أن إبراهيم عليه السلام كيف أعطى ماله الضيافة، وبدنه النيران، وولده للقربان، وقلبه للرحمن حتى تعجب الملائكة من سخاوته فأكرمه الله بالخلة. (تفسير روح المعاني: ۶/ ۲۵، سورة الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه. (سنن الترمذي، رقم الحديث: ۲۳۱۷، أبواب الزهد، باب فيمن تكلم بكلمة يضحك بها الناس)

[۱۶] میدان کربلا میں جنگ کتنے دن تک چلی؟

۳۵۶-سوال: زید کا کہنا ہے کہ ۹ ر دن کی جنگ کے بعد دسویں دن حضرت امام حسینؓ نماز میں کھڑے تھے، اس حالت میں شہید ہوئے، تو کیا زید کی یہ بات صحیح ہے؟ کربلا میں کتنے دن تک جنگ چلی؟

الجواب حامداومصليا

کربلا میں حضرت امام حسینؓ کی جنگ دس دن تک نہیں چلی، جنگ درحقیقت ایک ہی دن رہی یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دن۔[۱] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۱۷] جھینگے وغیرہ کی حرمت میں بہشتی زیور کی ایک عبارت سے غلط فہمی

۳۵۷-سوال: بہشتی زیور (بزبان گجراتی، جلد: ۳، حلال اور حرام چیزوں کا بیان مسئلہ: ۲) میں مذکور ہے کہ دریا اور پانی کے جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے اس کے علاوہ باقی سب جانور حرام ہے۔[۲] (بحوالہ: درمختار جلد ۵) تو سوال یہ ہے کہ جب اس مسئلہ کے موافق پانی کے جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے تو اپنے یہاں گجرات میں تو لوگ جھینگے، بوملے، لیوٹے وغیرہ بھی کھاتے ہیں، کیا ان کا کھانا جائز نہیں ہے؟ یہاں بہت سے لوگوں کو اس پر اشکال ہے، تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔

---

(۱) قالوا: فلما صلى عمر بن سعد الصبح بأصحابه يوم الجمعة وقيل يوم السبت- وكان يوم عاشوراء- انتصب للقتال، وصلى الحسين أيضا بأصحابه وهم اثنان وثلاثون فارسا وأربعون راجلا، ثم انصرف فصفهم ... ودخل عليهم وقت الظهر فقال الحسين: مروهم فليكفوا عن القتال حتى نصلي، .... ثم صلى الحسين بأصحابه الظهر صلاة الخوف، ثم اقتتلوا بعدها قتالا شديدا ... قالوا: ومكث الحسين نهارا طويلا وحده لا يأتي أحد إليه إلا رجع عنه، لا يحب أن يلي قتله، حتى جاءه رجل من بني بداء، يقال له مالك بن البشير، فضرب الحسين على رأسه بالسيف فأدمى رأسه، .... فحملت الرجال من كل جانب على الحسين وضربه زرعة بن شريك التميمي على كتفه اليسرى، وضرب على عاتقه، ثم انصرفوا عنه وهو ينوء ويكبو، ثم جاء إليه سنان بن أبي عمرو بن أنس النخعي فطعنه بالرمح فوقع، ثم نزل فذبحه وحز رأسه، ثم دفع رأسه إلى خولي بن يزيد. (البداية والنهاية-أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۸/ ۱۶۹-۱۸۸، ثم دخلت سنة إحدى وستين، ط: دار الفكر)
پیش نظر عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کربلا میں جنگ صرف ایک ہی دن ہوئی ہے۔

(۲) ولا يحل حيوان مائي إلا السمك. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۳۰۶، كتاب الذبائح، ط: دار الفكر، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ حضرات کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، اس کتاب میں تفصیل مذکور نہیں ہے، دراصل چاروں ائمہ کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ دریائی (پانی) جانوروں میں کون سا جانور حلال ہے اور کون سا جانور حرام ہے؟[1] امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق صرف مچھلی حلال ہے، مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانور مثلاً دریائی مرغی، بکری، بیل، بھینس وغیرہ سب حرام ہیں۔[2] لیکن مچھلی میں بہت سی اقسام ہوتی ہیں لیوٹا، بوملا، وہل (جس کو عربی میں عنبر کہا جاتا ہے) راو، پاپلیٹ وغیرہ، پس ان میں نام کا فرق ہے، ذات کے اعتبار سے سب مچھلی ہی ہے؛ اس لیے ان سب کا کھانا حلال ہے۔

البتہ جھینگے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جھینگا مچھلی کی قبیل سے ہے یا نہیں؟ جو علماء اس کو مچھلی کی قبیل سے قرار دیتے ہیں، وہ اس کو حلال کہتے ہیں۔ چناں چہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے ہدایہ، منتہی العرب وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''جھینگا'' مچھلی کی ذات میں داخل ہے لہٰذا کھانا حلال ہے۔ (دیکھیے مجموعۃ الفتاویٰ: ۴۱۱)[3] اور کفایت المفتی میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ

---

(۱) قال النووي: أجمع المسلمون على إباحة السمك، و قال أصحابنا: يحرم الضفدع، للحديث في النهي عن قتلها، قالوا: و فيما سوى ذلك ثلاثة أوجه، أصحها: يحل جميعه، و الثاني: لا يحل، أي إلا السمك، و الثالث: يحل ما له نظير مأكول في البر.

وقال الشعراني: و من ذلك قول أبي حنيفة: لا يؤكل من حيوان البحر إلا السمك، و ما كان من جنسه، مع قول مالك: إنه يجوز أكل غير السمك من السرطان، و كلب الماء، والضفدع، و خنزيره، ولكن الخنزير مكروه عنده، و روي أنه توقف فيه، و مع قول أحمد يؤكل جميع ما في البر، إلا التمساح، و الضفدع، والكوسج، و ذكر الروايات الثلاثة للشافعية، ثم قال: و رجح بعض الشافعية أن كل ما في البحر حلال إلا التمساح، والضفدع، والحية، و السرطان، و السلحفاة. وسئل مالك عن الخنزير، فقال: حرام، فقيل له: إنه من البحر، فقال: إن الله حرم لحم الخنزير، وأنتم سميتموه خنزيرا. (أوجز المسالك إلى موطا الإمام مالك: ۱/ ۳۴۷، كتاب الطهارة، باب الطهور للوضوء، تحت رقم الحديث: ۳۲، ط: دار القلم، دمشق)

(۲) ولا يحل حيوان مائي إلا السمك. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۳۰۶، كتاب الذبائح، ط: دار الفكر، بيروت)

(۳) ''جھینگہ'' کہ آں را ''اربیان'' بہ کسر ہمزہ می گویند، چناں چہ از صحاح وغیرہ مفہوم می شود، حلال است، چہ آں نوعیت است از انواع سمک، والسمك بجميع أنواعه حلال بالاتفاق، وآں کہ قائل بحرمتش شدہ اند، منشائے آں فہمیدن جھینگہ را خارج از اقسام سمک است، ولیس کذلک، در حماد یہ می آرد، الدودي الذي يقال له ''جهينگه'' حرام عند بعض العلماء؛ لأنه لا يشبه السمك، فإنما يباح عندنا من صيد البحر أنواع السمك، وهذا لا يكون كذلك، و قال بعضهم: حلال، لأنه يسمى باسم السمك. (مجموعة الفتاوى: ۲/ ۲۹۷، كتاب الأكل و الشرب، مكتبة سعيد، باكستان)

صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جھینگا بہت سے علماء کے نزدیک مچھلی کے حکم میں ہے، مچھلی کی ذات میں داخل کرکے کھانے والے کھاتے ہیں، جب کہ بعض علماء، جو اس کو مچھلی نہیں قرار دیتے ہیں، وہ اس کو ناجائز کہتے ہیں، پس جھینگا کے مچھلی ہونے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے، احتیاط اس میں ہے کہ اس کو نہ کھایا جائے۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۱۲۸)[۴] گجرات کے مایۂ ناز مفتی: ''حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب'' اس کو مچھلی شمار کرتے تھے اور خود بھی کھاتے تھے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۴) کفایت المفتی: ۸/ ۱۲۴، کتاب الحظر والاباحۃ، چھٹا باب: ماکولات ومشروبات، ط: دار الاشاعت، کراچی، مزید دیکھیے: فتاوی رحیمیہ: ۱۰/ ۸۷، ۷۷، کتاب الحظر والاباحۃ، باب مایجوز اکلہ من الحیوان ومالایجوز، امداد الفتاویٰ: ۴/ ۱۰۳، کتاب الحظر والاباحۃ کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، ط: ادارہ تالیفات اولیا دیوبند۔

نوٹ: مسئلہ روبیان میں حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی کی ایک مفصل تحریر درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جو تقریباً تمام گذشتہ فتووں کا نچوڑ اور اس مسئلہ میں قول فیصل ہے:

و أما الروبيان أو الإربيان الذى يسمى في اللغة المصرية "جمبرى" و في اللغة الأردية "جهينگا" و في الإنكليزية "Prown" أو "Shrinp"، فلا شك في حلته عند الأئمة الثلاثة، لأن جميع حيوانات البحر حلال عندهم، و أما عند الحنفية، فيتوقف جوازه على أنه سمك أو لا، فذكر غير واحد من أهل اللغة أنه نوع من السمك، قال ابن دريد في جمهرة اللغة: ۳/ ۴۴، "وإربيان ضرب من السمك" و أقره في القاموس و تاج العروس: ۱/ ۱۴۶، و كذلك قال الدميري في حياة الحيوان: ۱/ ۴۷۳، الروبيان هو سمك صغير جداً أحمر، و أفتى غير واحد من الحنفية بجوازه بناء على ذلك، مثل صاحب الفتاوى الحمادية، وقال شيخ مشائخنا التانوي رحمه الله في إمداد الفتاوى: ۴/ ۱۰۳، لم يثبت بدليل أن للسمك خواص لازمة تنقضي السمكية بانقضائها، فالمدار على قول العدول المبصرين، إن "حياة الحيوان" للدميرى الذي يبحث عن ماهيات الحيوان يصرح بأن الروبيان هو سمك صغير، فإني مطمئن إلى الآن بأنه سمك، ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً.

ولكن خبراء علم الحيوان اليوم لا يعتبرونه سمكا، و يذكرونه كنوع مستقل، ويقولون: إنه من أسرة السرطان، دون السمك، و تعريف السمك عند علماء الحيوان على ما ذكر في دائرة المعارف البريطانية: ۹/ ۳۰۵، (ط: ۱۹۵۰ء) "هو حيوان ذو عمود فقري، يعيش في الماء، و يسبح بعواماته و يتنفس بغلصحته، و إن الإربيان ليس له عمود فقري، و لا يتنفس بغلصحته، و إن علم الحيوان اليوم يقسم الحيوانات إلى نوعين كبيرين، الأول: الحيوانات الفقرية (Vertegrate) و هي التي لها عموم فقري في الظهر، و لها عظام عصبي مجمل بواسطته، والثاني: الحيوانات غير الفقرية (Invertegrate) التي ليس لها عموم فقري، و إن السمك يقع في النوع الأول، والإربيان في النوع الثاني، الذي ذكر في دائرة المعارف البريطانية: ۶/ ۳۶۳، (ط: ۱۹۸۸ء) أن التعين في المسئلة من الحيوانات الحية تتعلق بهذا النوع، و إنه يحتوي على الحيوانات القشرية الحشرات... إن هذه التعريفات لا تصدق على الإربيان، و إنه ينفصل عن السمك بأنه ليس من الحيوانات الفقرية، فلو أخذنا مقبول خبراء علم الحيوان، فإنه ليس سمكا، فلا يجوز على أصل الحنفية، ولكن السوال هنا: هل المعتبر في هذا الباب التدقيق =

[۱۸] امام ابوحنیفہ کا مختصر تعارف

۳۵۸-سوال: امام ابوحنیفہ کون ہے؟ اور ہم کن کی اتباع کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام ابوحنیفہ کا نام ''نعمان'' ہے، ابوحنیفہ ان کی کنیت ہے، اب یعنی باپ، ابوحنیفہ یعنی حنیفہ کے والد۔ یہ اس مذہب کے مقتداء ہیں، جس کی ہم مسائل میں اتباع کرتے ہیں۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی کا نام

۳۵۹-سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی کا نام کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سیرت حلبیہ اردو جلد اول صفحہ ۳۰ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی کا نام فاطمہ تھا۔ (۲) فقط، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲۰] قرض سے سبکدوشی کے لیے وظیفہ

۳۶۰-سوال: ہمارا ترکیسر ضلع میں ایک کارخانہ ہے، اس میں ساڑھے پانچ لاکھ کا ہم نے سرمایہ لگایا ہے، حصہ دار کل پانچ افراد ہیں، ان میں ایک میں بھی ہوں۔ سرکار کی باقی رقم کل سوا تین لاکھ

= العلمي في كونه سمكا؟ أو يعتبر العرف المتفاهم بين الناس، ولا شك أن عند اختلاف العرف يعتبر عرف أهل العرب، لأن استثناء السمك من ميتات البحر إنما وقع باللغة العربية، وقد أوضحنا أن أهل اللغة أمثال ابن دريد، والفيروزآبادي، والزبيدي، والدميري كلهم ذكروا أنه سمك، فمن أخذ بحقيقة الإربيان حسب علم الحيوان، قال بمنع أكله عند الحنفية، ومن أخذ بعرف أهل العرب، قال بجوازه، وربما يرجع على هذا القول بأن المعهود من الشريعة في أمثال هذه المسائل الرجوع إلى العرف المتفاهم بين الناس، دون التدقيق في الأبحاث النظرية، فلا ينبغي التشديد في مسئلة الإربيان عند الإفتاء، ولا سيما في حالة كون المسئلة مجتهدا فيها من أصلها، ولا شك أنه حلال عند الأئمة الثلاثة، وإن اختلاف الفقهاء يورث التخفيف... غير أن الاجتناب عن أكله أحوط وأولى وأحرى. (تكملة فتح الملهم: ۳/ ۵۱۳-۵۱۴، كتاب الصيد والذبائح، تحت رقم الحديث: ۴۹۶۰، ط: أشرفيه ديوبند)

(۱) انظر للتوضيح سير أعلام النبلاء: ۶/ ۳۹۰، ط: مؤسسة الرسالة.

(۲) سیرت حلبیہ اردو: ۱/ ۱۴۴، حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ، آپ کی نسب میں فاطما ئیں۔

روپے ہیں، اس کا سود اوسطاً روزانہ ۷۵ روپے چڑھتا رہتا ہے، تین سال سے اس کارخانہ کو بیچنے کی کوشش جاری ہے؛ لیکن بک نہیں رہا ہے، مہربانی فرما کر آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قرض کی ادائیگی کی جلد سبیل پیدا فرمادے اور اس سلسلہ میں کوئی عمل اور وظیفہ ہو، تو اس کی بھی رہنمائی فرمائیں، ہم مشکور ہوں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی پریشانی جان کر دکھ ہوا، آپ کے فرزند سے بھی یہ خبر ملی تھی، اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ پریشانیوں کو جلد دور فرمادے، عملیات اور وظیفہ کی آپ نے درخواست کی ہے، تو ان امور کا لحاظ کریں: (۱) سب سے پہلے گناہ سے توبہ کریں۔ (۲) نماز و روزہ پر پابندی کریں۔ (۳) زکوٰۃ وقت پر ادا کردیں۔ (۴) سود سے دور رہیں۔ (۵) سورۂ واقعہ روزانہ عشاء کے بعد پڑھا کریں۔ (۶) یہ دعا روزانہ ۲۱/ بار پڑھیں: **اللهم اكفنا بحلالك عن حرامك و اغننا بفضلك عمن سواك**.[۱] (۷) درود شریف صبح وشام ۲۱-۲۱ مرتبہ پڑھا کریں۔ دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی سب پریشانیوں کو دور فرمادے۔ (آمین) وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

[۲۱] عمامہ کی مقدار

۳۶۱-سوال: عمامہ کتنے ہاتھ کا ہونا چاہیے؟ یعنی اس کی مقدار کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیخ شمس الدین جزریؒ لکھتے ہیں کہ عمامہ کی لمبائی کے سلسلہ میں شیخ محی الدین نوویؒ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا عمامہ تین طرح کا تھا، تین ہاتھ لمبا، سات ہاتھ لمبا اور بارہ ہاتھ لمبا، لہٰذا پنج وقتہ نمازوں کے لیے تین ہاتھ لمبے عمامہ سے سنت ادا ہوجائے گی، اور عیدین کے لیے آپ ﷺ بارہ ہاتھ لمبا عمامہ استعمال فرماتے تھے۔ (فیض الباری: ۴/ ۳۷۵)[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] عن علي، أن مكاتبا جاءه، فقال: إني قد عجزت عن مكاتبتي فأعني، قال: ألا أعلمك كلمات علمنيهن رسول الله صلى الله عليه وسلم، لو كان عليك مثل جبل صير دينا أداه الله عنك، قال: "قل: اللهم اكفني بحلالك عن حرامك، وأغنني بفضلك عمن سواك". (سنن الترمذي: ۲/ ۱۹۶، رقم: ۳۵۶۳، أبواب الدعوات، ط: ياسر نديم ديوبند)

(۲) قال الشيخ شمس الدين الجزري: تتبعت قدر عمامة النبي -صلى الله عليه وسلم- فتبين من كلام الشيخ محي الدين النووي أنها كانت على ثلاثة أنحاء: ثلاثة أذرع، وسبعة، واثنى عشر من الذراع الشرعي، وهو النصف من ذراعنا، وتلك الأخيرة كانت للعيدين. (فيض الباري: ۴/ ۳۷۵، كتاب اللباس، باب العمائم، ط: تحت إشراف المجلس العلمي بدابيل، سورت، غجرات)

[۲۲] ''ہدہد'' کون سا پرندہ ہے؟

۳۶۲-سوال: قران مجید میں سلیمان علیہ السلام کے قصے میں ایک ''ہدہد'' نامی پرندہ کا تذکرہ آیا ہے۔[۱] اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین کے اندر موجود پانی کے جگہ کی اطلاع دیتا تھا، تو آپ سے عرض ہے وہ پرندہ کون سا ہے اور اپنی زبان گجراتی میں اس کو کیا کہا جاتا ہے، یعنی فصیح گجراتی میں کس نام سے اس کو پہچانا جاتا ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''ہدہد'' کو انگریزی میں :(۱) The Wood(۳)Hoopoo, (۲) Hoopoe, اور(۴)Pewit, Pecker، کہتے ہیں، اور اردو میں (۱) ہدہد (۲) ملکٹھ، اور (۳) کھوٹ بڑھیا کہتے ہیں، اور انگریزی سے گجراتی لغت میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ہدہد کو گجراتی میں ''لکڑکھوڈ'' کہا جاتا ہے، باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] بال منڈوانا افضل ہے یا رکھنا؟ - ایک تحقیقی جائزہ

۳۶۳-سوال: آں جناب کی خدمت اقدس میں عرض ہے کہ: آپ کی مختصر شمائل ترمذی صفحہ ۳۴ پر لکھا ہوا ہے کہ ''مذکورہ وقت کے علاوہ بالوں کو منڈانا بعض جہلاء ثواب سمجھتے ہیں، یہ بدعت ہے اور جائز نہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بال منڈانے پر ثواب صرف حج وعمرہ کے ارکان کے بعد ثابت ہے''۔ اھ

جب کہ ہینڈبل (چھوٹا اشتہار) میں لکھا ہے کہ ''سر کے بال منڈانا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار ثابت ہے اور یہ سنت ہے، حضرت امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ بھی سر کے بال منڈواتے تھے، اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منڈانے والوں کے لیے تین بار یہ دعا فرمائی ہے کہ ''اے اللہ بال منڈوانے والوں پر رحم فرما، ایک صحابیؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اور کتروانے والوں پر؟ تو اخیر میں (چوتھی مرتبہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے اللہ بال کتروانے والوں پر بھی رحم فرما''۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بال منڈوانا سنت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر تین بار دعاء ہے، اور کتروانے سے منڈاوانا افضل ہے۔

---

(۱) وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ (۲۷-النمل:۲۰)

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ کے سوال سے خوشی ہوئی، ہینڈ بیل اور میری تحریر کے صفحہ ۴-۵-۶-۷ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ پہلے کچھ اہم بنیادی باتیں جان لینی چاہیے، جس سے شمائل ترمذی کی عبارت سمجھ میں آجائے گی۔

(۱) علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف چار مرتبہ سر کے بال منڈوانا ثابت ہے، اور یہ حج وعمرہ کے ارکان کے بعد ہی ثابت ہے۔[1] (لامع الدراری: ۳/ ۲۶۴) اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ سے سر کے بال منڈوانا صلح حدیبیہ (۶ھ میں)، عمرۃ القضاء (۷ھ میں) اور حجۃ الوداع (۱۰ھ) کے موقع پر کل تین بار ثابت ہے، اور ایک بار بال کتروانا بھی مناسک حج میں ثابت ہے۔ (مواہب الدنیہ: ۳۶، بہ حوالہ بخاری، مسلم)[2]

مذکورحوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ شریف ہجرت فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین یا چار بار سر کے بال منڈوائے ہیں اور وہ بھی حج یا عمرہ کے ارکان ادا کرنے کے بعد، ہجرت کے بعد پورے دس سال میں ان مواقع کے علاوہ ایک بار بھی آپ ﷺ سے سر کے بال منڈوانا ثابت نہیں۔

---

(۱) قال ابن القیم: لم یحلق علیه الصلاة والسلام رأسه إلا أربع مرات. (لامع الدراري: ۳/ ۲۶۴، ط: أشرفیه دیوبند)

(۲) إذ لم یرو تقصیر الشعر منه -صلی الله علیه وسلم- إلا مرة واحدة. (جمع الوسائل في شرح الشمائل -الملا علي القاري: ۱/ ۸۱، باب ما جاء في شعر رسول الله صلی الله علیه وسلم، ط: المطبع المشرفیة مصر)

عن معاویة قال: قصرت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم بمسقص. (صحیح البخاري: ۱/ ۲۳۳، رقم: ۱۷۳۰، کتاب المناسك، باب الحلق والتقصیر عند الإحلال، ط: البدر دیوبند)

ولم یرو أنه -صلی الله علیه وسلم- حلق رأسه الشریف في غیر نسك حج أو عمرة فیما علمته. (المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة-أحمد بن محمد بن أبي بکر القسطلاني القتیبي المصري، أبو العباس، شهاب الدین (م: ۹۲۳ھ): ۲/ ۸۰، الفصل الأول في کمال خلقته وحال صورته. ط: المکتبة التوفیقیة، القاهرة-مصر)

انظر أیضا: منتهى السؤل على وسائل الوصول إلى شمائل الرسول صلی الله علیه وآله وسلم-عبد الله بن سعید الحضرمي الشحاري، ثم المراوعي، ثم المکي (م: ۱۴۱۰ھ): ۱/ ۳۴۲، الفصل الثالث: في صفة شعره صلی الله علیه وسلم. ط: دار المنهاج-جدة)

و صحیح المسلم: ۱/ ۴۰۸، رقم: ۲۰-(۱۲۴۶) کتاب المناسك، باب جواز تقصیر المعتمر من شعره. ط: البدر دیوبند.

(۲) ہینڈ بیل میں بحوالہ بخاری: ۲۳۳ و مسلم: ۴۰۸ [۳] لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے بال منڈوانے والے کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی ہے، کہ اے اللہ بال منڈوانے والے پر رحم فرما۔ تو یہ حدیث شریف بالکل صحیح ہے، لیکن اس کا مطلب بہت مختصر لکھا ہوا ہے؛ اس لیے خلجان پیدا ہو رہا ہے۔

حدیث کا صحیح مطلب حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے، اسی طرح اصول حدیث کی بہت سی کتابوں میں بھی موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کب کس موقع پر اور کس مقصد کے تحت ہے، اس کا جاننا یہاں ضروری ہے۔ (دیکھیے اصول حدیث کی کتاب نخبۃ الفکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء بال منڈوانے والے کے لیے تین بار اور چوتھی بار بال کتروانے والے کے لیے یہ مطلقاً ہر انسان اور ہر حالت کے لیے ہے، جو بال منڈوائے، یا حج وعمرہ میں بال منڈوانے والے کے لیے ہے؟ محدثین وفقہاء تو فرماتے ہیں کہ یہ دعا صرف حج وعمرہ میں بال منڈوانے والے کے ساتھ خاص ہے، عام حالات میں بال منڈاوانے والے کے لیے نہیں ہے۔ [۴] اگر عام حالات میں بھی بال منڈوانے پر فضیلت ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے دس سال میں صرف چار مرتبہ منڈوانے اور ایک بار کتروانے پر اکتفاء نہ فرماتے، بل کہ کئی بار منڈوانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ تر بال رکھنا ہی ثابت ہے، لہٰذا بخاری ومسلم کی مذکورہ حدیث کا تعلق حج وعمرہ میں بال منڈوانے کے ساتھ ہے، اسی بنا پر محدثین نے ان احادیث کو حج وعمرہ کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایک جماعت نکلے گی، جو قرآن سے حجت

---

(۳) عن عبد اللہ بن عمر رضي اللہ عنهما: أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: »اللهم ارحم المحلقين« قالوا: والمقصرين يا رسول اللہ، قال: »اللهم ارحم المحلقين« قالوا: والمقصرين يا رسول اللہ، قال: »والمقصرين«، وقال الليث: حدثني نافع: »رحم اللہ المحلقين« مرة أو مرتين، قال، وقال عبيد اللہ: حدثني نافع، وقال في الرابعة: »والمقصرين«. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۳۳، رقم: ۱۷۲۷، كتاب المناسك، باب الحلق والتقصير، ط: البدر ديوبند ☆ صحيح المسلم: ۱/ ۴۲۰، رقم: ۱۷-۳۱ (۱۳۰۱)، كتاب المناسك، باب تفضيل الحلق على التقصير، ط: البدر ديوبند)

(۴) قوله: ثم يحلق أو يقصر، والحلق أفضل؛ لأن النبي -صلى اللہ عليه وسلم- دعا للمحلقين ثلاثا، وللمقصرين مرة. (الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/ ۱۵۹، كتاب الحج، ط: المطبعة الخيرية)

وانظر للتوضيح: فتح الباري: ۳/ ۵۶۲-۵۶۴، كتاب المناسك، باب الحلق والتقصير، ط: دار المعرفة-بيروت.

پکڑے گی، دین میں حد سے آگے بڑھے گی، لیکن قرآن ان کے حلقوم سے آگے نہیں جائے گا، وہ لوگ لمبی لمبی نمازیں پڑھیں گے، لمبے لمبے سجدے کریں گے؛ لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہ ہوگا، ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ سر کے بال منڈوائیں گے (بخاری: ۲/ ۱۱۲۸) (۵)

اس جماعت کو (جس کا ذکر اوپر آیا) خوارج کہا جاتا ہے، جو گمراہ ہے، اس حدیث کے تحت علماء نے بحث کی ہے کہ: ۱- سر کے بالوں کو منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ ۲- جن بالوں کا رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یعنی جمہ، لمہ، وفرہ جس کی تفصیل شمائل ترمذی میں ہے، رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۶) ۳- سنتی بال رکھنے والے امام کو فیشن پرست کہنا کیسا ہے؟ اس طرح کے اور بھی بہت سے سوالات ہیں، جو عوام کی طرف سے میرے پاس آئے اور ہینڈ بیل چھپوانے کی درخواست بھی کی گئی، تو ان سوالوں کے پس منظر میں میں نے لکھا ہے:

علامہ کرمانیؒ تحریر فرماتے ہیں: کہ جماعت خوارج کی پہچان یہ ہے کہ وہ بالوں کو منڈواتے ہیں، انہوں نے اپنی جماعت کے ہر فرد کے لیے بہ طور شناخت بالوں کو منڈاوانا لازم قرار دیا تھا، پس بالوں کا منڈوانا ان کے یہاں ضروری اور واجب تھا۔ (لامع الدراری: ۳/ ۴۶۴) (۷) اسی بنا پر امام احمدؒ کا ایک مذہب یہ ہے کہ سر کے بال منڈوانا حج اور عمرہ کے سوا مکروہ ہے، امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ سر کے بال منڈانا مکروہ ہے۔ البتہ علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ امت کا اتفاق ہے کہ بالوں کا منڈوانا جائز ہے، اور علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ: سر کے بال منڈوانے کی چار وجوہات ہوسکتی ہیں: ۱- حج وعمرہ کے بعد ۲- ضرورت کے وقت جیسے آپریشن کروانا ہو، مرہم پٹی لگانی ہو، وغیرہ۔ ان دو صورتوں میں بال منڈوانا قرآن وحدیث یا اجماع امت سے

---

(۵) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: »يخرج ناس من قبل المشرق، و يقرءون القرآن لا يجاوز تراقيهم، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية، ثم لا يعودون فيه حتى يعود السهم إلى فوقه « ، قيل ما سيماهم؟ قال: " سيماهم التحليق - أو قال: التسبيد - ". (صحيح البخاري: ۲/ ۱۱۲۸، رقم: ۷۵۶۲، كتاب التوحيد، باب قراءة الفاجر والمنافق... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۶) عن أنس بن مالك قال: كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى نصف أذنيه. عن عائشة رضي الله عنها قالت: ... وكان له شعر فوق الجمة ودون الوفرة. (شمائل ترمذي ص: ۳، ط: ياسر نديم ديوبند)

إذا جاوز شحمة الأذنين وألم بالمنكبين لمة وإذا جاوزت المنكبين فهي جمة وإذا قصرت عنهما فهي وفرة. (فتح الباري - العسقلاني: ۶/ ۴۸۶، ط: دار المعرفة ☆ مرقاة المفاتيح: ۷/ ۲۸۳۲، باب الترجل، ط: دار الفكر)

(۷) قال الكرماني: ... وأما هؤلاء فقد جعلوا الحلق شعارهم لجميع أعيانهم في جميع أزمانهم.

كتب في تقرير المكي: أي بأن التحليق كان واجبا عندهم. (لامع الدراري: ۳/ ۴۶۴، ط: الأشرفية - ديوبند)

ثابت ہے۔ ۳-عام حالات میں بال منڈوانے کو عبادت اور زہد (دنیا سے بے رغبتی) سمجھنا، تو یہ بدعت ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حج وعمرہ کے علاوہ کبھی اس کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ اس کا ثواب بیان کیا ہے۔ صحابہؓ وتابعینؒ کا عمل بھی اس کو ثواب سمجھ کر کرنے کا نہیں تھا۔ ۴-عبادت یا زہد سمجھے بغیر عام حالات میں ویسے ہی بال منڈوانا، تو یہ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق مکروہ ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق (بلا کراہت) جائز ہے۔ (لامع الدراری علی البخاری: ۳/ ۴۳۵)[۸]

مندرجہ بالا تفصیل کی بنیاد پر میں نے شمائل ترمذی میں لکھا ہے کہ صحابہؓ کا عام عمل یہی تھا کہ حج وعمرہ کے سوا بالوں کو منڈواتے نہیں تھے؛ لہٰذا جو لوگ سنت کے موافق بال رکھنے والوں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، ان کو فیشن پرست وغیرہ کہتے ہیں اور بال منڈوانے ہی کو ثواب سمجھتے ہیں وہ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں، جہالت کی وجہ سے دین کو بدنام کررہے ہیں، ان کے متعلق میں نے لکھا ہے کہ اگر بال رکھنے کو فیشن کہتے ہوں، تو اچھے کپڑے، موزے، خوبصورت گھڑی اور قلم وغیرہ استعمال کرنے والوں کے متعلق کیا کہیں گے؟؟؟ اور جہاں تک عام حالات میں بال منڈوانے کی بات ہے، تو وہ جائز ہے، اس کا انکار شمائل میں نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ بال منڈوانے کو ثواب نہ سمجھا جائے، ورنہ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہوجائے گا، کیوں کہ ثواب کا تعلق تو حج وعمرہ میں بال منڈوانے کے ساتھ خاص ہے اور آپ ﷺ کی دعا کا مصداق بھی یہی ہے۔

اور بال رکھنے والوں پر طعن وتشنیع تو بالکل جائز نہیں، یہ جہالت کی بات ہے، البتہ انگریزی بال رکھنا جائز نہیں، گناہ کا کام ہے، اس میں یہود ونصاریٰ کی مشابہت لازم آتی ہے؛ اس لیے اس کا ترک

---

(۸) ولكون التحليق شعارهم استدل الموفق على إحدى رواية أحمد أن التحليق مكروه، والأخرى عنه لا يكره، لكن تركه أفضل، وقال ابن عبدالبر: قد أجمع الناس على إباحته، وكفى به حجة... وقال ابن تيمية في فتاواه: حلق الرأس على أربعة أنواع: أحدها: حلقه في الحج والعمرة، والثاني: للحاجة، وهما جائزان بالكتاب والسنة والإجماع، والثالث: حلقه على وجه التعبد والتدين والتزهد من غير حج ولا عمرة، وهذا بدعة لم يأمر الله بها أحد من الصحابة والتابعين ولا شيوخ المسلمين المشهورين بالزهد.

والرابع: أن يحلق في غير النسك بغير حاجة، ولا على وجه التقرب والتدين، فهذا فيه قولان للعلماء، وهما روايتان عن أحمد، أحدهما: أنه مكروه، وهو مذهب مالك وغيره، والثاني أنه مباح، وهو المعروف عند أصحاب أبي حنيفة والشافعي. (لامع الدراري شرح جامع البخاري: ۳/ ۴۶۴-۴۶۵، ط: المكتبة الأشرفية ديوبند)

لازم ہے۔ ایسی مشابہت رکھنے والوں کی جگہ دینی اداروں میں نہیں ہے، اگر بالوں کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر رکھے گا، تو ثواب ملے گا اور فیشن سمجھ کر رکھے گا، تو ثواب سے محروم رہے گا۔

پس اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ''مختصر شمائل ترمذی''[9] میں لکھی ہوئی بات صحیح ہے، اور ہینڈ بیل میں جو لکھا ہوا ہے، اس میں اختصار ہے، اس میں وضاحت ضروری تھی، اگر صاحب مضمون اس میں تفصیل سے لکھتا، تو آپ کو تعارض نہ ہوتا۔

فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۲۴] نماز میں رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

دو حدیث کی تحقیق اور راحت قلب کا حیلہ

۳۶۴-سوال: (۱) جب میں نماز میں "ملك يوم الدين" اور "اهدنا الصراط" (القران) پر پہنچتا ہوں، تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، نماز کی حالت میں اس طرح آنسوں بہنے سے نماز میں فساد آئے گا یا نہیں؟

(۲) جب میں درج ذیل حدیث کے استحضار کے ساتھ نماز ادا کرتا ہوں، تو اللہ کے فضل سے اس کی کیفیت کچھ اور ہی ہوتی ہے اور اتنا لطف آتا ہے کہ نماز پڑھتا ہی رہوں؛ لیکن دوسری طرف یہ خیال بھی آتا ہے کہ تو جس حدیث کے استحضار کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، وہ تو تو نے ایک بدعتی کی کتاب میں پڑھی ہے یا ایسا خیال آتا ہے کہ تو جس حدیث کو مستحضر کر کے نماز پڑھ رہا ہے وہ تو صحیح نہیں ہے، حدیث یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک بندہ اپنی نگاہ ادھر ادھر نہیں پھیرتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی جانب متوجہ رہتے ہیں اور جیسے ہی بندہ اپنی توجہ دوسری طرف کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی توجہ اس سے ہٹا لیتے ہیں۔ (دوزخ کا کھٹکا)

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بندہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو یقیناً اللہ کے حضور میں ہوتا ہے اگر یہ شخص نماز میں کسی اور چیز کا خیال کرتا ہے، تو اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! تو

(۹) حضرت مفتی بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف - جو در حقیقت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی شمائل ترمذی (اردو) کا گجراتی ترجمہ اور مفید اضافہ ہے- حافظ احمد بیمات صاحب کی خصوصی دل چسپی سے اردو کے قالب میں منتقل ہوگئی ہے اور طباعت کے مرحلے میں ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

میری طرف متوجہ رہ، اپنے خیال کو کس طرف لے جارہا ہے؟ کیا تجھے مجھ سے بہتر کوئی اور چیز مل گئی ہے کہ مجھے چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہورہا ہے۔ اے میرے بندے! تو میری طرف متوجہ ہو، مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ (میری نماز)

آپ سے درخواست ہے کہ میری رہ نمائی فرمائیں اور اس بات کی وضاحت فرمادیں کہ مذکورہ بالا دونوں احادیث صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ تاکہ میرے ذہن و دماغ سے وساوس اور غلط قسم کے خیالات دور ہوجائیں۔

(۳) نیز میں جب ذرج ذیل حدیث کا استحضار کر کے اللہ کا ذکر کرتا ہوں، اس وقت میری دلی کیفیت کچھ اور ہی ہوتی ہے اتنا لطف اور لذت محسوس ہوتی ہے کہ میں اسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا؛ لیکن دوسری طرف وساوس کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اس خوف سے رونے لگتا ہوں کہ کہیں موت اسی حالت میں آگئی، تو میرا ایمان اور زندگی بھر کے اعمال اکارت اور برباد ہوجائیں گے، اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ مارے خوف کے کلمہ کا ورد کرنے لگتا ہوں، حدیث شریف یہ ہے:

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے- جو حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے- کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے ہونٹ کو حرکت ہوتی ہے، تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔

حضرت مفتی صاحب! میں دل ہی دل میں ذکر کرنے کا عادی ہوں، لیکن مذکورہ حدیث پاک کے پیش نظر جب میں یہ سوچتا ہوں کہ ذکر قلبی کے بجائے ہونٹ کو حرکت دے کر ذکر کروں تاکہ مجھے بھی اللہ کی معیت ونصرت حاصل ہوجائے؛ لیکن وساوس وخیالات کا اس طرح ہجوم ہوتا ہے کہ میں اس فضیلت سے محروم ہی رہتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ ذکر واذکار کے بعد بھی میں چین وسکون سے محروم ہوں، مجھے کسی بھی طرح قلبی راحت و اطمینان نصیب نہیں ہے، آپ میری رہ نمائی فرمائیں اور کسی ایسے وظیفے یا عمل کی نشان دہی کریں، جن سے میرے وساوس وخیالات رفع ہوجائیں اور ذکر واذکار کی حلاوت نصیب ہو۔

الجواب حامداومصلیا:

(۱) نماز میں اللہ کے خوف سے رونا آجائے اور رونے کی آواز بھی بلند ہوجائے، پھر بھی اس سے

نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (ہدایہ:۱/ ۱۴۴ ☆ درمختار مع شامی:۱/ ۵۷۹)[1]

جو شخص خشوع خضوع کے ساتھ نماز پڑھے، اپنے کو گنہ گار سمجھ کر اللہ سے ہدایت کی بھیک مانگے، اسے اپنے گناہوں پر ندامت وشرمندگی ہو، اس طرح اسے اللہ کا ڈر اور خوف نصیب ہوتا ہے، پھر جب خوف الٰہی سے رونا آجائے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی کہ یہ تو امر مطلوب ہے۔

(۲) مذکورہ حدیث حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے امام احمدؒ، امام ابوداؤد، امام نسائی وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے، حاکمؒ نے بھی روایت کر کے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الترغیب الترہیب:۱/ ۲۷۳)[2]

دوسری حدیث بھی بزارؒ نے حضرت جابرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ (الترغیب:۱/ ۲۷۴)[3]

لہٰذا آپ کا عمل مذکورہ حدیث کے اعتبار سے صحیح ہے، وساوس کی طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) دل ہی دل میں ذکر کے پر بھی ثواب کا ثبوت حدیث پاک سے ثابت ہے، حضرت ابوہریرہ

---

(۱) فإن كان من ذكر الجنة أو النار لم يقطعها " لأنه يدل على زيادة الخشوع ". (الهداية:۱/ ۱۱۴، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ط: الاتحاد - ديوبند)

(لا لذكر جنة أو نار) فلو أعجبته قراءة الإمام فجعل يبكي ويقول بلى أو نعم أو آري لا تفسد... لدلالته على الخشوع. (در مختار) قال الشامي: لأن الأنين، ونحوه إذا كان يذكرهما صار كأنه قال: اللهم إني أسألك الجنة وأعوذ بك من النار، ولو صرح به لا تفسد صلاته. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۱۹ - ۶۲۰، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن أبي ذر - رضي الله عنه - قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يزال الله مقبلا على العبد في صلاته ما لم يلتفت، فإذا صرف وجهه انصرف عنه. (الترغيب والترهيب من الحديث الشريف - عبد العظيم بن عبد القوي، أبو محمد، زكي الدين المنذري (م: ۶۵۶هـ): ۱/ ۲۰۸، رقم الحديث: ۷۸۷، كتاب الصلاة، الترهيب من الالتفات في الصلاة وغيره ممايذكر، ت: إبراهيم شمس الدين، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ سنن أبي داؤد، رقم: ۹۰۹، كتاب الصلاة، باب الالتفات في الصلاة ☆ سنن الترمذي، رقم: ۲۸۶۳، أبواب الأمثال، باب ما جاء في مثل الصلاة والصيام والصدقة ☆ سنن النسائي، رقم: ۱۱۹۵، كتاب السهو، باب التشديد في الالتفات في الصلاة ☆ مسند الإمام أحمد: ۳۵/ ۴۰۰، رقم: ۲۱۵۰۸ ☆ مسند الدارمي المعروف بـ "سنن الدارمي" - أبو محمد، الدارمي (م: ۲۵۵هـ): ۲/ ۸۹۲، رقم: ۱۴۶۳، كتاب الصلاة، باب كراهية الالتفات في الصلاة، ت: حسين سليم أسد الداراني، ط: دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن العبد إذا قام إلى الصلاة أحسبه قال فإنما هو بين يدي الرحمن تبارك وتعالى، فإذا التفت يقول الله تبارك وتعالى إلى من تلتفت إلى خير مني، أقبل يا ابن آدم إلي، فأنا خير ممن تلتفت إليه. (الترغيب والترهيب: ۱/ ۲۰۹، وأخرجه البزار في مسنده برقم: ۹۳۳۲ ☆ وبقية المصادر كما سبق)

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میرا بندہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے، تو میں اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)[۱] لہٰذا آپ دل سے اللہ کا ذکر کریں یا زبان سے، بہ ہر صورت ثواب ملے گا، لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ کسی متبع سنت بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ہوجایئے، نظام الدین، دیوبند، سہارن پور جلال آباد وغیرہ کے بزرگوں کی صحبت میں کچھ وقت گذاریئے، آپ کا دل جس بزرگ سے مطمئن ہو، انہیں سے بیعت ہوجایئے اور ان کی نصیحت ومشورہ کے مطابق زندگی گزاریئے۔ ان شاء اللہ بہت فائدے محسوس ہوں گے، اور مزید ایمانی اور روحانی ترقیات میسر ہوں گی اور ایسے وقت میں مجھ جیسے گنہ گار اور میری اولاد کے لیے بھی دعا کیجیے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲۵] وہ کون سی چیز ہے، جو فتح مکہ کا سبب بنی؟

۳۶۵-سوال: اس اسلامی غزوہ کا نام کیا ہے، جس سے مکہ فتح ہوا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے، جن سے جواب دینے والا پریشانی میں مبتلا ہوجائے، حدیث پاک میں ہے: ''نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن الأغلوطات''.[۲]
پس اس حدیث کی بنا پر ایسے سوالات کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

سن ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا۔[۳] اور اس میں جو غزوہ ہوا، وہی فتح مکہ کا غزوہ ہے، شاید آپ کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ وہ کون سا غزوہ ہے، جو فتح مکہ کا ذریعہ وسبب بنا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ''صلح

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "يقول الله تعالى: أنا عند ظن عبدي بي، وأنا معه إذا ذكرني، فإن ذكرني في نفسه، ذكرته في نفسي، وإن ذكرني في ملإ، ذكرته في ملإ خير منهم، وإن تقرب إلي بشبر تقربت إليه ذراعا، وإن تقرب إلي ذراعا، تقربت إليه باعا، وإن أتاني يمشي أتيته هرولة". (صحيح البخاري: ۱۱۰۱/۲، رقم: ۷۴۰۵، كتاب التوحيد، باب قول الله: ويحذركم الله نفسه، الخ، ط: البدر-ديوبند☆ صحيح مسلم: ۳۴۱/۲، رقم: ۲-(۲۶۷۵)، كتاب الذكر والدعاء، باب الحث على ذكر الله تعالى، ط: البدر-ديوبند)

(۲) المعجم الكبير: ۳۸۹/۱۹، رقم: ۹۱۳، ط: مكتبة ابن تيمية☆ مسند الشاميين-الطبراني: ۲۱۱/۳، رقم: ۲۱۰۸، ط: مؤسسة الرسالة☆الإبانة الكبرى-ابن بطة العكبري (م: ۳۸۷هـ): ۴۰۰/۱، رقم: ۳۰۰، ط: دار الراية، رياض)

(۳) كان فتح مكة في عشر بقيت من شهر رمضان سنة ثمان. (البداية والنهاية: ۳۲۷/۴، غزوة الفتح الأعظم، ط: دار إحياء التراث العربي)

حدیبیہ'' ہے۔[1] چناں چہ صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ پر "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا" الآیۃ[2] والی سورت نازل ہوئی تھی۔[3] اگر آپ کے سوال کا یہ مقصد نہیں ہے، تو اپنا صحیح مقصد لکھ کر واضح کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] دف سے باجا کے جواز پر استدلال جائز نہیں

۳۶۶-سوال: آپ ﷺ کے زمانہ میں دف بجایا گیا تھا، تو موجودہ زمانہ میں باجا وغیرہ بجانے کا کیا حکم ہے؟ عرب علماء اس کی حرمت کے قائل نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باجا وغیرہ بجانا جائز نہیں ہے، اور دف کے جواز سے باجا کے جواز پر استدلال درست نہیں ہے، کیوں کہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔[4]

[۲۷] منبر رسول اللہ ﷺ کے زینے کی تعداد

۳۶۷-سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے، اس میں منبر سے متعلق لوگوں میں کافی اختلاف ہو رہا ہے، بعض کہتے ہیں کہ منبر کے تین زینے ہوں، بعض کہتے ہیں چار سیڑھیاں، بعض کہتے ہیں پانچ، تو کوئی کہتا ہے کہ سات سیڑھیاں، حضرت والا سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کی وضاحت فرمائیں کہ منبر رسول اللہ کی کتنی سیڑھیاں تھیں اور وہ منبر کیسا تھا؟۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) انظر للبسط: البداية والنهاية: ۲۷۸/۴، غزوة الفتح الأعظم، ط: دار إحياء التراث العربي.

(۲) ۴۸-الفتح: ۱.

(۳) نزلت هذه السورة الكريمة لما رجع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- من الحديبية في ذي القعدة، من سنة ست من الهجرة. (تفسير ابن كثير: ۳۲۵/۷، ط: دار طيبه)

(۴) وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام ؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر، أي بالنعمة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۴۹/۶، كتاب الحظر والإباحة، ط: دار المعرفة)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: امداد الفتاویٰ ۲۸۶/۴-۲۸۷ باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ، ط: تالیفات اولیاء دیو بند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ ﷺ کا منبر مدینہ منورہ کے ''غابۃ'' یعنی جنگل کی لکڑیوں سے بنایا گیا تھا۔ (بخاری شریف: ۱/ ٦۴-۱۲۵) [۱] اور اس منبر کی تین سیڑیاں تھیں۔ (زاد المعاد: ۱/ ۱۲۰-عمدۃ القاری: ۴/ ۱۰۴) [۲] لہٰذا اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی مبارک مسجد کے منبر کی نقل کرنا چاہتے ہیں، تو تین سیڑھیاں بنائیں اور اس میں اتباع سنت کا ثواب ملے گا۔

اگر آپ کی مسجد بڑی ہے، امام صاحب چھوٹے منبر پر بیٹھیں، تو تمام لوگوں کو نظر نہ آ سکتے ہوں یا کوئی اور وجہ ہو تو چار پانچ سیڑیاں بنانا جائز ہے، پس لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہیں ہے، لڑائی جھگڑا حرام ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو تین سیڑھیاں بنوائی، وہ کوئی ضروری اور واجب نہیں، اس وقت اتنی سیڑھیوں کی ضرورت تھی۔ حاصل یہ کہ اگر کوئی عشق رسول اور محبت رسول میں تین سیڑھیاں بنواتا ہے، تو ثواب ملے گا؛ لیکن اس کو لازم نہیں سمجھنا چاہیے، اگر اس سے زیادہ کی ضرورت ہو، تو زیادہ سیڑھیاں بنوانا جائز ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] درود شریف میں لفظ ''مولانا'' پڑھنا

۳٦۸-سوال: درود شریف میں ایک درود ایسا ہے جس میں: **اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد الخ** پڑھا جاتا ہے، تو اس میں لفظ ''مولانا'' جو آتا ہے، اس کا کیا معنی ہیں، بہت سے لوگ اس سلسلہ میں سوال کرتے ہیں، جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

''مولانا'' یہ مرکب ہے، مولیٰ اور نا (ضمیر) سے۔ ''مولاً'' کے معنی ہیں: رب، سردار، مددگار، محبت

---

(۱) عن جابر بن عبد اللہ: أن امرأۃ قالت: یا رسول اللہ ألا أجعل لك شیئا تقعد علیه، فإن لي غلاما نجارا؟ قال: »إن شئت« فعملت المنبر. (صحیح البخاري: ۱/ ٦۴، رقم: ۴۴۹، کتاب الصلاۃ، باب الاستعانة بالنجار والصناع في أعواد المنبر والمسجد، ط: البدر دیوبند)

وانظر أیضا ص: ۱۲۵، رقم: ۹۱۷، کتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر.

(۲) وكان منبره ثلاث درجات. (زاد المعاد: ۱/ ۱۸۲، فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في خطبته، ط: مؤسسة الرسالة☆ عمدة القاري: ۴/ ۱۰۴، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ في السطوح والمنبر والخشب، ط: دار إحياء التراث العربي)

کرنے والا، احسان کرنے والا وغیرہ [۱] اور ''نا'' جمع متکلم کی ضمیر ہے، اس کے معنی ہیں: ہمارا، ہمارے۔ تو اب یہ لفظ (مولانا) جیسے موقع پر استعمال ہوگا اس کے موافق اس کا مطلب ہوگا، اگر یہ لفظ اللہ کے لیے استعمال ہو اور کہا جائے: ''اللہ مولانا'' تو اس کا معنی ہوگا: اللہ ہمارے رب ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہو، تو اس کا معنی ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سردار ہیں۔ پس سوال میں تحریر کردہ درود شریف کا معنی ہوگا: اے اللہ درود و سلام نازل فرما، ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] چھپکلی کو موذی جانور کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

۳۶۹-سوال: چھپکلی کو علماء موذی جانوروں میں کیوں شمار کرتے ہیں؟ حالاں کہ یہ ایک چھوٹا مفید جانور ہے، اس کا بڑا اہم فائدہ یہ ہے کہ یہ دیوار پر موجود چھوٹے کیڑے مکوڑوں کو کھاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھپکلی کو موذی (تکلیف دینے والا) اس لیے شمار کرتے ہیں کہ یہ بہت زہریلا جانور ہے اور چھپکلی اور گرگٹ دونوں ایک ہی نوع کے ہیں، مسلم شریف اور مشکوۃ شریف کی روایت کے مطابق اس کو ''فویسق'' یعنی چھوٹا بد معاش جانور شمار کیا ہے اور اس کو مار دینے کا حکم بھی آیا ہے۔ [۲] اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس وقت نمرود نے آگ جلائی، تو دنیا کا ہر جان دار خاموش تھا، البتہ گرگٹ اور چھپکلی نے اپنی خباثت کو ظاہر کرتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت میں ان کو جلانے کے لیے بھڑکائی گئی آگ میں پھونک مارا تھا۔ (مشکوۃ: ۳۶۲) [۳] اور ایک روایت میں اس کے مارنے پر ثواب بھی بیان فرمایا ہے کہ جو اس کو ایک ہی وار میں مار ڈالے،

---

(۱) المولی: -۱المالك، -۲العبد، -۳المعتق، -۴المعتق، -۵الصاحب، -۶القريب كابن العم ونحوه، -۷الجار والحليف، -۸الابن والعم، -۹النزيل، -۱۰الشريك، -۱۱ابن الأخت، -۱۲الولي، -۱۳الرب، -۱۴الناصر، -۱۵المنعم، -۱۶المنعم عليه، -۱۷المحب، -۱۸التابع، -۱۹الصهر... وأكثرها قد جاءت في الحديث، فيضاف كل واحد إلى ما يقتضيه الحديث الوارد فيه. (تاج العروس من جواهر القاموس - محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسيني، أبو الفيض، الملقب بمرتضى، الزَّبيدي (م: ۱۲۰۵ھ): ۳۰/۲۴۳، مادہ: ولي، ط: دار الهداية)

(۲) عن عامر بن سعد، عن أبيه، أن النبي صلى الله عليه وسلم «أمر بقتل الوزغ وسماه فويسقا». صحيح المسلم: ۲/۲۳۶، رقم: ۱۴۴-(۲۲۳۸)، كتاب قتل الحيات، باب استحباب قتل الوزغ، ط: البدر - ديوبند.

(۳) عن أم شريك رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بقتل الوزغ، وقال: كان ينفخ على إبراهيم عليه السلام. (صحيح البخاري: ۱/۴۷۴، رقم: ۳۳۵۹، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى: واتخذ الله إبراهيم خليلا، ط: البدر - ديوبند)

اس کے لیے سونیکیاں ہیں اور جو دووار میں مارے، اس کو سو سے کم اور جو تین وار میں مارے، اس کے لیے اس سے کم نیکیاں لکھی جائیں گی۔[1] حدیث میں دوسری بار میں مارنے پر کم ثواب اس لیے ہے کہ اس کے نشانہ میں کمی ہے، ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں، اس بدمعاش جانور کا کام یہ ہے کہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کو زہریلا بنادیتا ہے۔[2] اور آج کل شادی بیاہ کے کھانوں میں قے وغیرہ کی جو شکایتیں سامنے آتی ہیں، تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کھانے میں چھپکلی کی رال گری ہوتی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] کیا دعائے گنج العرش قابل اعتبار ہے؟ اسے پڑھنا چاہیے؟

۳۷۰-سوال: دعائے گنج العرش پڑھنا اور اس کا معمول بنالینا کیسا ہے؟ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی گئی ہے، تو کیا اس کا پڑھنا بدعت اور گناہ ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعائے گنج العرش کے شروع میں جو ''حدیث نمبر ایک'' بیان کی گئی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، اس میں آپ ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت کی گئی ہے، کیوں کہ اس میں جو فوائد بیان کئے گئے ہیں، وہ اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں بتلائے ہیں، اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ کی نسبت کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (بخاری شریف: ۲۱/۱)[3] اس لیے مذکورہ دعاء کا اس روایت کے پیش نظر پڑھنا جائز نہیں ہے، حدیث اعتماد کے لائق نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] عوام کے لیے حکم شرعی کی علت دریافت کرنا

(خنزیر کیوں حرام ہے)

۳۷۱-سوال: خنزیر کھانا حرام ہے، مگر ایک شخص نے ہم سے سوال کیا کہ کیوں حرام ہے؟ ہم

---

(۱) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم ... من قتل وزغا في أول ضربة كتبت له مائة حسنة، وفي الثانية دون ذلك، وفي الثالثة دون ذلك «. (صحيح المسلم: ۲/۲۳۶، رقم: ۷-۱۴۷ - (۲۲۴۰)، كتاب قتل الحيات وغيرها، باب استحباب قتل الوزغ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قال ابن الملك: ومن شغفها إفساد الطعام، خصوصا الملح، فإنها إذا لم تجد طريقا إلى إفساده، ارتقت السقف وألقت خرأها في موضع يحاذيه. (مرقاة المفاتيح: ۷/۲۶۷۱، كتاب الصيد والذبائح، باب مايحل أكله وما يحرم، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري: ۲۱/۱، رقم: ۱۱۰، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر ديوبند)

نے اسے جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے؛ لیکن اس کی وہ حکمت معلوم کرتا ہے، اس لیے درخواست ہے کہ تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شخص کے لیے آپ کا جواب کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو "فإنه نجس. یعنی خنزیر نجس العین ہے" کہہ کر حرام قرار دیا ہے۔ اس کا ہر ہر جزء نجس وناپاک ہے، اس کا چمڑا دباغت کے بعد بھی ناپاک ہے، جب کہ دیگر حیوانات کے چمڑے دباغت کے بعد پاک ہوجاتے ہیں۔ (۱)

آپ سے اگر وہ حرمت کی وجہ (علت یا حکمت) دریافت کرتے ہیں، تو سوال ہوگا کہ دیگر حرام چیزوں کی وجہ حرمت ان کو معلوم ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے، تو خنزیر کی وجہ حرمت معلوم کرنے سے کیا فائدہ؟ آپ ان کو فقط یہ جواب دیں کہ: ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول وخاتم النبیین مانا ہے، ان کی رسالت پر ایمان لائے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو قرآن شریف اور اس میں جو حکم ہمیں دیا گیا اس پر ایمان لاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو ان کے جواب کی ضرورت نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ فرمایا کرتے تھے: ہم لوگ قانون داں ہیں، قانون بنانے والے نہیں ہیں؛ وجہ حرمت قانون داں نہیں جانتے، قانون ساز (قانون بنانے والا) جانتا ہے؛ لہٰذا آپ کو اس کے تتبع وتلاش کی ضرورت نہیں۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں)

آپ آج اس کی وجہ علت تلاش کریں گے، تو کل یا دو چار دن بعد دیگر احکام کے لیے دوسری وجوہات کا مطالبہ ہوگا، لہٰذا شیطان ایسے لوگوں کو ایمان تک سے نکال دے گا؛ اس لیے عوام کو وجہ حرمت دریافت کرنے کی ضرورت نہیں، بس جواب اول کافی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

---

(۱) ﴿قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ۚ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [۶-الأنعام: ۱۴۵]

وكل إهاب دبغ ... وهو يتحملها طهر ... خلا جلد خنزير، فلا يطهر. قال الشامي: أي لأنه نجس العين، بمعنى أن ذاته بجميع أجزائه نجسة حيا وميتا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۰۳، كتاب الطهارة، باب المياه، فرع: محدث انغمس في بئر، ط: دار الفكر - بيروت)

[۳۲] جو اپنے علم پر عامل نہ ہو، کیا اسے تعلیمی سلسلہ منقطع کر دینا چاہیے

۳۷۲-سوال: ایک شخص حافظ قرآن ہے، مولوی بھی بن رہا ہے اور ہوشیار بھی ہے؛ لیکن اس سے اپنے علم کے مطابق عمل نہیں ہو پاتا، اس وجہ سے وہ اپنی پڑھائی چھوڑنا چاہتا ہے، تو اس بنیاد پر اس کے لیے اپنی پڑھائی کا چھوڑنا اچھا ہے یا برا؟

احمد سعید اسماعیل پٹیل عمروادی

الجواب حامداو مصلیا:

مذکورہ وسوسہ ایک شیطانی دھوکہ ہے، طالب علم کو شیطان اس طرح گمراہ کرتا ہے، اس لیے یہ خیالات بالکل غلط اور گمراہ کن ہیں، وہ اپنی پڑھائی کو بالکل منقطع نہ کرے اور اللہ رب العزت سے رات دن دعائیں کرتا رہے کہ ''پروردگا عالم! تو مجھے عمل کی توفیق نصیب فرما، بزرگان دین اور اپنے اکابر کی سوانح حیات کا مطالعہ بھی کرتا رہے، کسی صاحب دل بزرگ کی خدمت میں بھی کچھ ایام گزارے اور وقت اور موقع ہو، تو تبلیغی جماعت میں بھی جایا کرے؛ ان شاء اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب ہوجائے گی، اعمال سے دوری گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے؛ اس لیے گناہوں کے کاموں کو چھوڑ کر توبہ واستغفار کر کے اعمال صالحہ کی طرف رغبت پیدا کرے؛ ایسے شیطانی وساوس کی وجہ اپنے طلب علم کے سلسلہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اپنانا غیر معقول بات ہے، کیوں کہ دین کی سمجھ اللہ تعالیٰ اسی کو عطا فرماتے ہیں، جس سے خیر کا ارادہ کرتے ہیں۔[1] واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۷/۷/۱۹۷۷ء

[۳۳] کیا چند ماہ کے حمل کا اسقاط ''زندہ درگور کرنا'' ہے؟

۳۷۳-سوال: وہ حمل جو ابھی ناقص ہو اور اس کو دوا سے ساقط کر دیا جائے، تو کیا وہ ''موؤدۃ''

---

(۱) قال حميد بن عبد الرحمن، سمعت معاوية، خطيبا يقول سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: »من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين، وإنما أنا قاسم والله يعطي، ولن تزال هذه الأمة قائمة على أمر الله، لا يضرهم من خالفهم، حتى يأتي أمر الله«. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶، رقم الحديث: ۷۱، كتاب العلم، باب: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين وانظر: رقم: ۳۱۱۶، ۳۶۴۱، ۷۳۱۲، ط: البدر- ديوبند☆صحيح المسلم: ۱/ ۳۳۳، رقم الحديث: ۱۰۰-(۱۰۳۷)، باب النهي عن المسألة، كتاب الزكاة، ط: البدر-ديوبند)

(زندہ درگور کرنا) میں داخل ہوگا؟ اور ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

''مفتی محمد شفیع صاحبؒ'' نے ''معارف القرآن'' میں ''تفسیر مظہری'' سے نقل فرمایا ہے:

مسئلہ: بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے اور چار ماہ کے بعد کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے؛ کیوں کہ چوتھے مہینے میں حمل میں روح پڑ جاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے، اسی طرح جو شخص کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ ساقط ہو جائے، تو باجماع امت مارنے والے پر اس کی دیت میں غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے، اور اگر بطن سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ تھا، پھر مر گیا تو پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے اور چار ماہ سے پہلے اسقاط حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہے، مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے کیوں کہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے، انتہی۔ (معارف القرآن ج:۸ ص:۶۸۳، فی تفسیر سورۃ التکویر)[1] اگر چہ یہ قتل صریح نہیں ہے، لیکن اگر اسقاط اس نقطۂ نظر سے ہو کہ بعد میں کیا کھلاؤں گا، کیا پلاؤں گا، تو اللہ تعالیٰ کا وعدۂ رزق ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا﴾[2] کے خلاف ہے، دوسری جگہ پر فرمایا: ''﴿وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾''[3] اس نقطۂ نظر سے قتل کرنا ایمان کے عدمِ کامل ہونے کی دلیل ہے، بل کہ ایسے لوگوں کے لیے ایمان کا خطرہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ''وأدِ خفی'' فرمایا۔[4] تو جو حمل قرار پا چکا ہے، اس کا اسقاط

---

(۱) معارف القرآن شفیعی ۸/ ۶۸۲، ۶۸۳، ط: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔

(۲) ۱۱-هود: ۶.

(۳) ۱۷-الإسراء: ۳۱.

(۴) عن عائشة، عن جدامة بنت وهب، أخت عكاشة، قالت: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم، في أناس وهو يقول: »لقد هممت أن أنهى عن الغيلة، فنظرت في الروم وفارس، فإذا هم يغيلون أولادهم، فلا يضر أولادهم ذلك شيئا«، ثم سألوه عن العزل؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »ذلك الوأد الخفي«، زاد عبيد الله في حديثه: عن المقرئ، وهي: ﴿وإذا الموءودة سئلت﴾. (صحيح المسلم: ۱/ ۴۶۶، رقم: ۱۴۱-(۱۴۴۲)، كتاب النكاح، باب جواز الغيلة وهي وطي المرضع وكراهة العزل، ط: البدر-ديوبند)

قال المحقق فؤاد عبد الباقي: (ذلك الوأد الخفي) الوأد دفن البنت وهي حية وكانت العرب تفعله خشية الإملاق وربما فعلوه خوف العار. (المصدر السابق، ط: دار إحياء التراث العربي)

بلاضرورت بدرجۂ اولیٰ واُونخفی میں داخل ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] مکتب میں کس عمر تک کی بچی کو بھیجا جا سکتا ہے؟

۳۷۴-سوال: عموماً مدرسہ (مکتب) میں دو وقت تعلیم کا معمول ہے: دن میں (صبح کے وقت) اور مغرب سے عشاء تک، مکتب میں نوجوان حفاظ کرام تدریس کی خدمت انجام دیتے ہیں، وہاں کتنے سال تک کی لڑکیاں پڑھنے جاسکتی ہیں؟ کیوں کہ لڑکی کو مکتب بھیجنے میں بعض اندیشے ہیں، بہ طور خاص اس صورت میں اندیشے میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، جب کہ تدریس سے وابستہ نوجوان حضرات ہوں، الغرض کتنی عمر تک کی لڑکیوں کو مدرسے میں بھیجا جاسکتا ہے؟ اور کتنی عمر کے بعد مدرسہ کے لیے گھر سے باہر جانا منع ہے؟ بینوا توجروا۔

محمد یوسف، مقام: باگرول، ضلع: جوناگڈھ

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ لڑکی کو نوجوان استاد کے پاس پڑھانا جائز ہے، اسی طرح نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکیاں مخلوط تعلیم حاصل کریں، تو بھی جائز ہے، علماء نے لکھا ہے: کہ نابالغ لڑکی کو دیکھنا اور شہوت کے بغیر ہاتھ لگانا جائز ہے۔ (عالم گیری: ج/۵، ص۱۲۵)[1] لیکن لڑکیاں اگر بالغ ہوں، تو ایسی حالت میں تعلیم کے لیے اتنی عمر کے شخص کو طے کیا جائے، جس سے فتنہ کا خوف اور ڈر نہ رہے: علماء نے لکھا ہے: کہ شہوت کا خوف نہ ہو، تو اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے۔[2]

بہتر یہ ہے کہ معلمہ کے طور پر عورت کو طے کرے، بالغ لڑکیوں کے لیے بوڑھا شخص یا عورت بطور استاد کے مل سکے، تو بالغ لڑکیاں پردہ میں اپنا پورا بدن چھپا کر مدرسہ میں پڑھنے جاسکتی ہیں؛ علماء نے لکھا ہے: کہ لڑکی برقعہ سے بدن چھپا ہوا ہو کہ اجنبی مرد کی نظر صرف کپڑے پر پڑے، بدن نہ دیکھ سکے، تو جائز

---

(۱) فإن كانت صغيرة لا يشتهي مثلها فلا بأس بالنظر إليها ومن مسها؛ لأنه ليس لبدنها حكم العورة، ولا في النظر والمس معنى خوف الفتنة. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۲۹، كتاب الكراهية، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه ...الخ، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن وذلك الوجه والكف في ظاهر الرواية، كذا في الذخيرة. وإن غلب على ظنه أنه يشتهي فهو حرام، كذا في الينابيع. النظر إلى وجه الأجنبية إذا لم يكن عن شهوة ليس بحرام لكنه مكروه، كذا في السراجية. (المصدر السابق)

ہے۔ (عالم گیری: ج ۵، ص:۱۲۵)[1] آزاد عورت کی طرف دیکھنا حرام نہیں ہے، بل کہ بغیر ضرورت کے مکروہ ہے۔ (شامی: ج ۵، ص:۳۲۵)[2] اور دینی تعلیم ضروری چیز ہے، دین وایمان پر باقی رہنے کے لیے تعلیم حاصل کرنا فرض عین یا فرض کفایہ ہے؛ اس لیے نوجوان استاد کے سامنے (الگ انتظام ہو اور) بالغ لڑکیاں پڑھنے آئیں اور ذمہ داروں نے ان کی تعلیم کا الگ انتظام کیا ہو، تو جائز ہے، پھر بھی ضرورت کی وجہ سے فتنہ کے تمام دروازے بند کر کے لڑکیوں کو تعلیم حاصل کرنا جائز ہے؛ البتہ فتنے دن بدن بڑھ رہے ہیں؛ لہٰذا بالغ لڑکیوں کے لیے دن کو تعلیم حاصل کرنے کا انتظام کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] کیا دعائے جمیلہ کے بے انتہاء فضائل ہیں؟

۳۷۵-سوال: یہاں ایک چھوٹی سی کتاب اردو زبان میں شائع ہوئی ہے، جس کا نام "دعائے جمیلہ" ہے۔ اس میں ایک دعا ہے، جس کے متعلق ایک حدیث لکھی ہے؛ لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا ہے، اس کی سند بھی مذکور نہیں ہے، آپ جناب سے اس کی تحقیق مطلوب ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں بہت سی عورتیں اس کو پڑھتی ہیں؛ کیوں کہ وہ مختصر ہے اور اس کا ثواب بہت زیادہ بیان کیا گیا ہے۔

حدیث یہ ہے: حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا: یا رسول اللہ! حق تعالیٰ نے سلام کہا ہے اور "دعائے جمیلہ" آپ کی امت کے لیے بہ طور تحفہ بھیجا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس کا ثواب کتنا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: جو اس کو پڑھے گا یا اس کو اپنے پاس رکھے گا، تو اگر چہ اس کے گناہ 'دریا کے قطرے یا جنگل کے ریت یا درختوں کے پتوں کے مانند ہوں' حق تعالیٰ اس دعا کی برکت سے بخش دیں گے اور جاں کنی کے وقت 'حق تعالیٰ اپنی قدرت سے بہ آسانی تمام' خاتمہ بالخیر فرمائیں گے، قبر میں ایک فرشتہ اس کی لاش پر قیامت تک کے لیے متعین کر دیا جائے گا۔ اور جو کوئی پندرہویں رمضان کو روزہ افطار کے وقت پڑھے گا اور جو پڑھنا نہ جانتا ہو،

---

(۱) فإن كان على المرأة ثياب، فلا بأس بأن يتأمل جسدها، لأن نظره إلى ثيابها، لا إلى جسدها، فهو كما لو كانت في بيت فنظر إلى جداره، هذا إذا لم تكن ثيابها ملتزقة بها بحيث تصف ما تحتها كالقباء التركية، ولم تكن رقيقة بحيث تصف ما تحتها. (المصدر السابق)

(۲) النظر إلى وجه الأجنبية الحرة ليس بحرام، ولكنه يكره لغير حاجة. رد المحتار: ۱/ ۴۰۷، كتاب الصلوة، مطلب في ستر العورة، ط: دار الفكر)

وہ اپنے ہاتھ میں رکھے گا اور گیارہ مرتبہ درود شریف باوضو پڑھے گا، تو بے شمار ثواب پائے گا اور اس کی جو بھی حاجت ہو، اللہ تعالیٰ پوری کرے گا، اگر ساری عمر میں اس دعاء کو کوئی شخص ایک مرتبہ بھی پڑھے گا یا اپنے پاس رکھے گا، تو قیامت کے دن پل صراط سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائے ہوگا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یارسول اللہ! ڈرایئے اپنی امت کو دوزخ کے عذاب سے۔

مزید لکھا ہے: اور اس دعاء کا پڑھنے والا قیامت کے دن جب قبر سے اٹھے گا، تو مخلوق کہے گی: یہ کون ہے پیغمبر جیسا؟ حق تعالیٰ فرمائے گا: یہ پیغمبر تو نہیں ہے، البتہ یہ وہ شخص ہے جس نے دنیا میں ''دعاء جمیلہ'' کو صدق دل سے پڑھا تھا۔

اور اس میں مزید لکھا ہے: جو کوئی اس کو فجر کے بعد پڑھے گا، وہ تین سو حج کا ثواب پائے گا اور ظہر بعد پڑھنے والا پانچ سو حج کا ثواب پائے گا، عصر کے بعد پڑھنے والے کو سو حج اور عشا کے بعد پڑھنے والے کو ہزار حج کا ثواب ملے گا، جب کہ تہجد کے وقت پڑھنے والا تو ایک لاکھ حج کا ثواب پائے گا۔

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اگر اس دعاء کی فضیلت عوام کے سامنے بیان کر دی جائے، تو کیا وہ نماز و روزہ وغیرہ نہیں چھوڑ دیں گے؟ کیا اس کا پڑھنا اور شائع کرنا جائز ہے، جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے دلوں سے دین اور احکامِ دین کی عظمت و احترام کو ختم کرنے کے لیے نت نئے طریقے آزما رہے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط باتوں کو منسوب کیا جائے اور کسی معمولی نیکی کا اتنا ثواب بیان کیا جائے، جتنا فرض کا بھی نہیں ہے، ایسی حدیثوں کو ''موضوع روایات'' کہا جاتا ہے، ایسی روایات کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا حرام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: وہ جھوٹ جو مجھ پر لگایا جائے، اس طرح کا نہیں ہے، جو کسی کے اوپر لگایا جائے۔ مجھ پر جو شخص جھوٹ لگائے یا میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔[1] اسی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ حدیث کا وضع کرنا خواہ احکام کے لیے ہو، یا اعمال کی ترغیب و ترہیب کے لیے، یہ ہر

(۱) عن المغيرة رضي الله عنه، قال: سمعت النبي - صلى الله عليه وسلم - يقول: »إن كذبا علي ليس ككذب على أحد، من كذب علي متعمدا، فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري: ص: ۱/ ۱۷۲، رقم الحديث: ۱۲۹۱، كتاب الجنائز، باب: مايكره من النياحة على الميت، ط: البدر، ديوبند☆صحيح مسلم: ۱/ ۷، رقم الحديث: ۴-(۴)، مقدمة مسلم، باب: باب في التحذير من الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ط: ديوبند)

صورت حرام ہے۔[۲] اس تمہید کے بعد صورت مسئولہ کے متعلق چند باتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مذکور حدیث کی نہ تو سند بیان کی گئی ہے اور نہ ہی اس کا حوالہ لکھا گیا ہے۔ گویا کہ یہ بات حوالے اور سند کے بغیر ہے؛ اس لیے قابل قبول نہیں۔

(۲) مذکور ثواب کو تسلیم کر لینے میں نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ اہم ارکان دین کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی ہے، گویا یہ قرآن کریم اور احادیث متواترہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔

(۳) موضوع حدیث کی شناخت و پہچان کے لیے محدثین نے کچھ اصول رقم فرمائے ہیں، حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) اپنی مشہور کتاب نخبۃ الفکر (ص: ۵۷) میں تحریر فرماتے ہیں کہ موضوع حدیث کی پہچان یہ ہے کہ: ''وہ بات قرآن کریم یا حدیث متواتر یا اجماع امت کے خلاف ہو، یا صاف عقل میں نہ آتی ہو''۔[۳]

غور کیجیے! مذکور دعا کے متعلق جو لکھا ہے کہ ''جو ایک بار پڑھے گا یا اسے اپنے پاس رکھے گا، وہ پل صراط سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائے گا'' یہ بات قرآن کریم اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے صراحۃً خلاف ہے۔ قران کریم میں ہے: {فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ . وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ}[۴] ترجمہ: سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا، وہ اس کو دیکھ لے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھوڑا تین قسم

---

(۲) الثالثة أنه لا فرق في تحريم الكذب عليه صلى الله عليه وسلم بين ما كان في الأحكام وما لا حكم فيه كالترغيب والترهيب والمواعظ وغير ذلك فكله حرام من أكبر الكبائر وأقبح القبائح بإجماع المسلمين الذين يعتد بهم في الإجماع خلافا للكرامية الطائفة المبتدعة في زعمهم الباطل أنه يجوز وضع الحديث في الترغيب والترهيب وتابعهم على هذا كثيرون من الجهلة الذين ينسبون أنفسهم إلى الزهد أو ينسبهم جهلة مثلهم. (حاشية النووی على مسلم: ۱/ ۸، باب في التحذير من الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ط: البدر، ديوبند)

(۳) معرفته (الموضوع) بالقرائن الدالة على ذلك متمكنة، وقد يعرف الوضع بإقرار واضعه... ومن القرائن التي يدرك بها الوضع ما يوجد من حال الراوي... ومنها ما يوجد من حال المروي كأن يكون مناقضا لنص القرآن أو السنة المتواترة أو الإجماع القطعي أو صريح العقل؛ حيث لا يقبل شيء من ذلك التأويل. (شرح نخبة الفكر، ص: ۵۶-۵۸، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۴) -۹۹ الزلزال: ۷۔

کے لوگوں کے لیے ہے، ایک شخص کے لیے تو باعث اجر ہے، دوسرے کے لیے پردہ پوشی کا ذریعہ ہے اور تیسرے کے لیے عذاب کا باعث ہے۔جس کے لیے ثواب کا باعث ہے، یہ وہ آدمی ہے، جس نے اللہ کی راہ میں گھوڑا باندھا اور اس کی رسی باغ یا چراگاہ میں ڈھیلی چھوڑ دی، تو وہ (گھوڑا) اس چراگاہ یا باغ کے جس حصہ تک پہنچے گا، اس کا اس آدمی کو ثواب ملے گا اور اگر اس نے رسی توڑ کر ایک یا دو دوڑ لگائی، تو اس کے قدموں اور لید کے عوض اس کو نیکیاں ملیں گی، گھوڑا ایسے آدمی کے لئے باعث اجر ہے۔اور وہ جس نے گھوڑا بے نیازی ظاہر کرنے اور سوال سے بچنے کے لیے باندھا اور اس کی گردن اور اس کی پیٹھ میں اللہ کے حق کو نہ بھولا، تو وہ اس کے لیے پردہ پوشی کا ذریعہ ہے اور جو اس کو فخر اور غرور کے لیے باندھے، تو یہ اس کے لیے عذاب کا سبب ہے۔ جب نبیٔ کریم ﷺ نے گھوڑے کے سلسلے میں یہ تفصیل بیان فرمائی، تو بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی ﷺ سے گدھوں کے متعلق پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں مجھ پر اللہ تعالی نے جامع اور بے نظیر آیت: وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَه. نازل فرمائی ہے۔[(۵)]

قرآن کریم کی مذکورہ آیت کریمہ اور حدیث نبوی (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) سے بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ انسان کو اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کا بھی بدلہ دیا جائے گا، اگر اس نے نیک عمل کیا ہے، تو بہترین بدلہ ملے گا اور اگر اس نے برا عمل کیا ہے، تو سزا ملے گی، اگر اس روایت (دعائے جمیلہ) کو صحیح مان لیا جائے، تو جزا و سزا کا جو اسلامی تصور ہے، وہ بے معنیٰ سا ہو جائے گا۔

اسی طرح اس میں ثواب کے متعلق لکھا ہے کہ ''تہجد کے وقت پڑھنے والا تو ایک لاکھ حج کا ثواب

---

(۵) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: " الخيل لثلاثة: لرجل أجر، ولرجل ستر، وعلى رجل وزر، فأما الذي له أجر: فرجل ربطها في سبيل الله، فأطال لها في مرج أو روضة، فما أصابت في طيلها ذلك من المرج أو الروضة كان له حسنات، ولو أنها قطعت طيلها، فاستنت شرفا أو شرفين، كانت آثارها وأرواثها حسنات له، ولو أنها مرت بنهر فشربت منه ولم يرد أن يسقي به كان ذلك حسنات له، وهي لذلك الرجل أجر، ورجل ربطها تغنيا وتعففا، ولم ينس حق الله في رقابها ولا ظهورها، فهي له ستر، ورجل ربطها فخرا ورياء، فهي على ذلك وزر " وسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحمر، قال: «ما أنزل الله علي فيها إلا هذه الآية الفاذة الجامعة: {فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره. ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره} [الزلزلة: ٨]»(صحيح البخاري: ٢/ ١٠٩٣، رقم الحديث: ٧٣٥٦، كتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، باب الأحكام التي تعرف بالدلائل، وكيف معنى الدلالة وتفسيرها، ورقم الحديث: ٤٩٦٢، كتاب تفسير القرآن، باب سورة إذا زلزلت الأرض زلزالها، ط: البدر، ديوبند ☆صحيح مسلم: ١/ ٣١٩، رقم الحديث: ٢٤-(٩٨٧)، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ط: ديوبند)

پائے گا''۔ ذرا سوچیے کہ جب ایک بار دعائے جمیلہ پڑھ لینے سے ایک لاکھ حج کا ثواب مل جاتا ہو، تو پھر حج فرض کون ادا کرے گا؟

اس (دعاء جمیلہ) میں اور بھی متعدد خرابیاں ہیں، جس کی وجہ سے بلا شک وشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ موضوع روایت ہے۔

(۴) ایسا خیال ہوتا ہے کہ مذکورہ دعاء کا لکھنے والا کرامیہ فرقہ کا کوئی فرد ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک ترغیب وترہیب کے لیے وضع حدیث جائز ہے۔ (۶)

دین کے دشمنوں نے مسلمانوں کو دین کے صحیح طریقے سے غافل کرنے کے لیے اس قسم کی سازش رچی ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اس طرح کے فتنے کے وقت مکمل بیدار مغزی کا ثبوت دیں اور دین کے صحیح طریقے پر عمل کریں۔ الغرض مذکورہ دعاء صحیح اور ثابت نہیں ہے، اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ سے جو دعائیں منقول وماثور ہیں، انہی دعاؤں کو پڑھنا چاہیے۔

(۵) چوں کہ یہ (دعائے جمیلہ) موضوع ہے؛ اس لیے (موضوع جاننے کے باوجود) اس کا لکھنے والا، شائع کرنے والا اور پڑھنے والا؛ ہر ایک گنہ گار ہوگا؛ کیوں کہ حدیث موضوع کی روایت واشاعت (اُس کا حکم بیان کیے بغیر) جائز نہیں ہے۔ (۷) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۳۶] خرمن اٹھاتے وقت اس کو اس عقیدہ سے مارنا کہ اللہ کا ذکر بند کردے

۳۷۶-سوال: حدیث شریف میں ہے کہ ہر جان دار اور بے جان چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے، اسی لیے بعض لوگ خرمن (غلے کا وہ ڈھیر جس سے بھوسا الگ نہ کیا گیا ہو) اٹھاتے وقت اس کو دو چار بار بجاتے (مارتے) ہیں تاکہ تسبیح پڑھنا بند کردے، پھر خرمن استعمال میں لاتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟

---

(۶) دیکھیے اسی سوال کا حاشیہ نمبر: ۲۔

(۷) قال ابن حجر العسقلاني -رحمه الله تعالى-: واتَّفقوا على تحريم رواية الموضوع إلاّ مقروناً ببيانه؛ لقوله صلى -الله عليه وسلَّم-: مَن حَدَّثَ عني بحديثٍ يرى أنّه كذب فهو أحد الكاذبين، أخرجه مسلم. (نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر: ۱/ ۲۲۵، الطعن في الراوي وأسبابه، حكم رواية الموضوع، ت: عبد الله بن ضيف الله الرحيلي، ط: مطبعة سفير بالرياض)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے یہ بات صحیح ہے۔[1] لیکن جب پانی بہنا بند ہوجائے، تو اس کا ذکر بند ہوجاتا ہے، اسی طرح جب پتھر کے ٹکڑے کردیے جائیں، تو اس کی زندگی ختم ہوجاتی ہے اور اس کا ذکر بند ہوجاتا ہے۔

ایسے ہی جب درخت کو کاٹ دیا جائے، یا پودے کو توڑ دیا جائے، تو اس کی زندگی ختم ہوجاتی ہے اور ذکر وتسبیح بند ہوجاتے ہیں لہٰذا خرمن کے متعلق آپ نے جو لکھا ہے، وہ عمل صحیح نہیں ہے، اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] انسان کی روح قبض ہونے سے پہلے اس کے نام کا پتہ درخت سے گرتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

۳۷۷-سوال: انسان کی روح قبض ہونے سے ۴۰ دن پہلے اس کے نام کا پتہ جس درخت سے گرجاتا ہے، اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی صحیح روایت میں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ ایسا درخت کہاں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۸] صفر والے عدد کے اخیر میں ایک لگایا جائے تاکہ اللہ کی وحدانیت کی طرف اشارہ ہو، یہ بات درست نہیں

۳۷۸-سوال: کیا ایسی کوئی حدیث ہے، جس میں یہ بات مذکور ہو کہ کسی عدد کے اخیر میں جب صفر آئے تو اس جگہ ایک لکھا جاوے جو اللہ کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرے مثلاً ۱۰۱، ۲۰۱، ۳۰۱، ۱۰۰۱، ۲۰۰۱۔

---

(۱) (وإن من شيء) من الأشياء حيوانا كان أو نباتا أو جمادا (إلا يسبح... بحمده أي ينزهه تعالى بلسان الحال عما لا يليق بذاته الأقدس من لوازم الإمكان ولواحق الحدوث إذ ما من موجود إلا وهو بإمكانه وحدوثه يدل دلالة واضحة على أن له صانعا عليما قادرا حكيما واجبا لذاته قطعا للسلسلة. (تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم-أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (م: ۹۸۲ھ): ۳/ ۲۵۴، ت: عبد القادر أحمد عطا، ط: مكتبة الرياض الحديثة-الرياض)

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث شریف میں آیا ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اہل قرآن! (حافظو یا مؤمنو) وتر پڑھا کرو؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے، وتر کو پسند کرتے ہیں (رواہ ابوداؤد)[1]

وتر کا مطلب طاق عدد ۱، ۳، ۵، وغیرہ ہے یعنی جب کوئی کام کرو، تو مقدار میں طاق عدد کا لحاظ رکھو، نماز میں تسبیح تین یا پانچ یا سات مرتبہ پڑھو وغیرہ۔ اسی طرح جو عمل بھی عدد اور مقدار سے تعلق رکھتا ہو، تو اس میں طاق کا لحاظ رکھنا مستحب ہے۔

اس لحاظ سے ۲۰۱ وغیرہ بھی اس فضیلت میں شامل ہے، وحدانیت پر اشارہ مقصود نہیں ہوتا اور یہ بھی درست نہیں کہ جہاں صفر آئے، تو خواہ مخواہ ایک لکھ دیا جائے، چالیس کا عدد بھی فضیلت والا ہے؛ لیکن یہ مطلب نہیں کہ چالیس کو اکتالیس لکھا جاوے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۹] اللہ کی رحمت کو جوش میں لانے کی تدبیر اختیار کرنا

ایک واقعہ کی تحقیق

۳۷۹-سوال: ایک بزرگ قرض لے لے کر غریبوں کی امداد کرتے رہے اور قرض خواہ جب قرض کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے، تو بزرگ سر سے لے کر پاؤں تک چادر اوڑھ کر سو گئے، ایسے وقت میں ایک بچہ حلوا بیچنے کے لیے آیا، تو بزرگ نے حاضرین کو حلوا کھانے کے لیے کہا، اس کے بعد پیسے نہ ملنے کی وجہ سے بچہ رونے لگا۔ اور رونے پر اللہ کی طرف سے فیصلہ ہوا، آپ سے دریافت امر یہ ہے کہ یہ کون سے بزرگ کا قصہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک بچہ نہیں روتا ہے، ماں دودھ نہیں پلاتی اور ماں کی مامتا جوش میں نہیں آتی، ٹھیک اسی طرح اللہ کی رحمت اس کے دربار میں عاجزی اور گڑگڑانے کی وجہ سے زیادہ جوش مارتی ہے۔ تو اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کے لیے مذکورہ بزرگ نے یہ تدبیر اختیار کی؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم لوگوں کے حقوق ادا نہ کریں اور ان کو رلائیں تو اللہ ہم پر مہربان ہو جائے گا اور ہم پر روزی کے دروازے کھول دے گا۔

مذکورہ قصہ میں بزرگ کو اللہ پاک کے ساتھ گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے ان کو اللہ پر ناز تھا اور اپنی

---

(۱) عن علي رضي الله عنه، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم: "يا أهل القرآن، أوتروا، فإن الله وتر، يحب الوتر". (سنن ابی داؤد، ص: ۲۰۰، رقم الحديث: ۱۴۱۶، كتاب الصلاة، باب استحباب الوتر، ط: البدر - دیوبند)

حالت چھپانے کی ایک کوشش تھی، حقیقت میں وہ اس بزرگ کی عاجزی وگریہ وزاری کا اثر تھا اپنی عاجزی کے سہارے کے لیے ایک بچہ کو رلا کر التجا کر رہے تھے، رونا اللہ کو پسند ہے جیسا کہ بارش نہ ہو اور قحط سالی ہو جائے، تو ایسے قحط کے زمانہ میں صلوۃ استسقاء کے لیے بستی سے باہر پھٹے پرانے کپڑے پہن کر نکلنا اور ساتھ میں بچوں اور جانوروں کو لے جانا اور بچوں کو ان کی ماؤں سے علیحدہ رکھنے کا حکم ہے۔[1] تاکہ دعاء کے ساتھ بچوں کا رونا اللہ کی رحمت کا ذریعہ بن جائے اور ایک عاجزی اور بندگی کا ماحول پیدا ہو جائے اور اللہ کی رحمت جوش میں آجائے؛ لہٰذا مذکورہ بزرگ نے بھی ماحول پیدا کرنے کی غرض سے اس طرح کیا تھا اور اپنی حالت چھپانے کے لیے چادر میں سو کر التجاء کی کہ یارب! خیال رکھ لینا جو لینا ہے تجھ ہی سے لینا ہے دوسرے سے مانگنے والا نہیں ہوں، جس کے نتیجے میں اللہ کی رحمت جوش میں آگئی، بزرگ کا مقصد ظلم کرنے کا نہیں تھا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] کیا اسلام میں فضیلت کی بنیاد قبیلہ وخاندان ہے؟

۳۸۰-سوال: کیا امت محمدیہ میں ذات پات، قبیلہ وخاندان، مرتبہ اور عزت کے اعتبار سے کوئی تفریق ہے؟ اسلام تو مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمارے معاشرہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ سید قوم کا درجہ دوسری قوموں سے اونچا ہے، تو کیا شریعت کی رو سے سیدوں کا درجہ اونچا ہے؟ وہ آل رسول ہیں، خصوصاً وہ مسلمان، جو اپنے آپ کو سید کہتے ہیں یا ان کا لقب سید ہے، تو وہ مسلمان معاشرہ میں سید ہوں گے؟

الجواب حامداومصلیا

اسلام میں ذات پات، قبیلہ خاندان، مرتبہ عزت کے اعتبار سے کوئی تفریق نہیں ہے، اسلام میں بڑا مرتبہ تقوی اور پرہیزگاری کو ہے، اسی لئے ادنی خاندان والا اگر متقی اور پرہیزگار ہے تو وہ بڑے مرتبہ والا ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں :یایها الناس انما خلقنکم من ذكر وانثى و جعلنا كم شعوبا

---

(۱) (ويخرجون ثلاثة أيام متتابعات) ويستحب للإمام أن يأمرهم بصيام ثلاثة أيام قبل الخروج وبالتوبة ثم يخرج بهم في الرابع (مشاة في ثياب غسيلة أو مرقعة متذللين متواضعين خاشعين لله ناكسين رءوسهم ويقدمون الصدقة في كل يوم قبل خروجهم ويجددون التوبة ويستغفرون للمسلمين ويستسقون بالضعفة والشيوخ) والعجائز والصبيان ويبعدون الأطفال عن أمهاتهم. ويستحب إخراج الدواب. قال الشامي: (قوله ويبعدون الأطفال إلخ) أي ليكثر الضجيج والعويل فيكون أقرب إلى الرقة والخشوع. (الدر المختار مع رد المحتار:۲/۱۸۵،باب الاستسقاء،ط:دار الفكر)

وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم.[1]

اے لوگوں،ہم نے تم کوایک مرد(آدمؑ)اورایک عورت(حوا) سے پیدا کیا،ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے؛تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو،یقیناًاللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جوتم میں زیادہ متقی ہو۔

دوسری قوموں اور مذہب میں جوذاتی اور خاندانی تفریق ہے،اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت نوح کا بیٹا کافروں کے ساتھ تھا اس نے حضرت نوحؑ کی بات نہیں مانی، توہلاک ہوگیا۔[2] سرکاردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کافر تھے اور کفر کی حالت میں انتقال ہوا؛ اس لیے اسلام کی رو سے عزت اور مرتبہ،تقوی اور پرہیزگاری کی بنیاد پر ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ اے فاطمہ!تو فخرمت کر کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی ہوں، اللہ کے یہاں نیکی ہی کام آئے گی۔[3]

لہٰذا فضیلت اور مرتبہ کی بنیاد تقوی پر ہے، دوسری قوموں اور مذہب کی طرح خاندان یا ذات پات پر نہیں ہے،آج بھی اگر پس ماندہ لوگوں میں سے کوئی مسلمان ہوجائے،توان کو وہی حقوق دیے جائیں گے جو ایک مسلمان کو دیے جاتے ہیں، نیز آل رسول اور سید وہ ہے جوحضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ کی اولاد ہے، جن کواللہ کے رسول سے نسبت ہے،ان کو سید کہا جاتا ہے،ان کی عزت اور مرتبہ کی بناء پرزکوۃ دینا جائز نہیں۔[4] لیکن سید خاندان کے اعتبار سے اور ذات پات کی بنا پر کوئی خاص حق ان کو حاصل نہیں البتہ آل رسول ہونے

(۱)يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾.(۴۹الحجرات:۱۳)

(۲)قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۴۶﴾(۱۱هود:۴۶)

(۳)عن أبي هريرة، قال: لما نزلت {وأنذر عشيرتك الأقربين} [الشعراء: ۲۱۴] جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشا فخص وعم فقال: «يا معشر قريش أنقذوا أنفسكم من النار فإني لا أملك لكم من الله ضرا ولا نفعا، يا معشر بني عبد مناف أنقذوا أنفسكم من النار فإني لا أملك لكم من الله ضرا ولا نفعا، يا معشر بني قصي أنقذوا أنفسكم من النار فإني لا أملك لكم ضرا ولا نفعا، يا معشر بني عبد المطلب أنقذوا أنفسكم من النار فإني لا أملك لكم ضرا ولا نفعا، يا فاطمة بنت محمد أنقذي نفسك من النار فإني لا أملك لك ضرا ولا نفعا، إن لك رحما سأبلها ببلالها. (سنن الترمذي: ۲/ ۱۵۳، رقم الحديث: ۳۱۸۵،أبواب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ومن سورة الشعراء، ط:البدر - ديوبند)

(۴)(و) لا إلى (بني هاشم). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۵۰، كتاب الزكاة،مصرف الزكاة،ط: دار الفكر)

کی بنا پر جن کے نانا حضرت محمد ﷺ ہیں، جن کے طفیل ہم کو اسلام ملا، جنہوں نے ایمان اور اسلام کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں؛ لہٰذا ان کی اولاد اور خاندان سے محبت کرنا یہ ایمان کے مضبوط اور صحیح ہونے کی دلیل ہے، ان کے علاوہ اور کوئی حق ان کو نہیں دیا گیا، اور جو مسلمان اپنے آپ کو سید کہتے ہیں ان کی تحقیق تاریخ سے یا خاندان کے بڑے لوگوں کے کہنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۱] تاریخ کی غرض وغایت

۳۸۱-سوال: کیا تاریخ کی غرض وغایت ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں کہ ماضی میں جو غلطیاں ہو چکیں وہ ہم سے مستقبل میں نہ ہونے پائے ایسا سبق لے کر روشن مستقبل بنانے کا موقع ہم کو تاریخ کے مطالعہ سے ملتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تاریخ کی تعریف یہ ہے کہ ان اہم قصے اور واقعات کا ذکر جو ماضی میں پیش آئے ہوں، لہٰذا اسلامی تاریخ کی غرض وغایت ان الفاظ میں بیان کی جا سکتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی، آپؐ کے صحابۂ کرامؓ، تابعینِ عظام اور اُن کے بعد کے اولیاء کرامؒ کی خوبیاں دیکھ کر مستقبل میں ان خوبیوں کو مدِ نظر رکھ کر روشن مستقبل بنانے کا موقع ہمیں اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے ملتا ہے۔ (۱)

سوال میں جن الفاظ کے ذریعہ تاریخ کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے وہ مطلق تاریخ پر منطبق ہے، لیکن صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظام کے دور کے لیے مناسب نہیں ہے، کیوں کہ ان الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ اگلے لوگوں نے صرف غلطیاں کی ہیں، اور ہم چوں کہ غلطی کرنا نہیں چاہتے؛ اس لیے ہمیں بطورِ عبرت کے تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے، حاصل کلام یہ کہ ان الفاظ میں اگلے لوگوں پر ایک گنا الزام وطعن کی بو آتی ہے، جو صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی شایانِ شان نہیں، اگرچہ ان سے بھی بتقاضۂ بشریت کچھ غلطیاں ضرور ہوئی ہوں گی؛ لیکن پھر بھی وہ خیر القرون میں ہونے کی وجہ سے ہم سے بڑھ کر تھے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۲] کتاب ''شادی بیاہ کی اصلاحی تحریک'' کے فارسی اشعار کا مطلب

۳۸۲-سوال: کتاب ''شادی بیاہ کی اصلاحی تحریک'' (مصنفہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد، ط:

(۱) علم تاریخ اصطلاحاً اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بادشاہوں، نبیوں، فاتحوں اور مشہور شخصوں کے حالات اور گذرے ہوئے مختلف زمانوں کے عظیم الشان واقعات ومراسم وغیرہ معلوم ہو سکیں اور جو زمانہ گذشتہ کی معاشرت، اخلاق، تمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے۔ (تاریخ اسلام- مولانا اکبر شاہ خان، نجیب آبادی: ۱/۳۱، مقدمہ، ط: مکتبہ علمیہ، سہارن پور)

حبیب ٹرسٹ بمبئی) میں دو فارسی شعر لکھے ہوئے ہیں، برائے کرام ان کے معانی کی جانب رہنمائی فرمائیں۔

(۱)...... زمین جنبد، نہ جنبد گل محمد

(۲)...... یا سراپا نالہ بن جا، یا لوا پیدا نہ کر (اقبالؒ)

الجواب حامداً ومصلیاً

اس طرح کے اشعار یا محاورات کے معانی کا بیان کلام کے سیاق وسباق پر موقوف ہوتا ہے، سیاق و سباق میں جو مضمون ہوگا، اس کے مطابق اس کے معانی مراد ہوں گے، جب تک ماقبل و مابعد کا کلام پڑھا نہ جائے، معنیٔ مرادی کا بتانا مشکل ہے، تاہم پہلے شعر میں شاعر نے یہ بات بیان کی ہے کہ ضدی آدمی اپنی ضد سے کبھی باز نہیں آتا، وہ کسی کا کہنا نہیں مانتا، کہ زمین اپنی جگہ سے ہل جائے، یہ تو ممکن ہے؛ لیکن ضدی آدمی کا اپنی ضد چھوڑنا اس سے زیادہ محال بات ہے۔

دوسرے شعر کا حاصل یہ ہے کہ اے مخاطب! تجھے اپنے احوال کے پیش نظر خوشیوں کے نغمات زیب نہیں دیتے، تیرے لیے تو اپنی حالت پر رونا اور عاجزی کرنا ہی اچھا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۳] لڑکی کا نام شبینہ رکھنا، حضرت خضر کون تھے؟ خضر کے کیا معنیٰ؟

۳۸۳-سوال: بعض لوگ اپنی لڑکی کا نام شبینہ رکھتے ہیں، تو اس کے کیا معنیٰ ہیں؟ حضرت خضر کون تھے؟ نبی یا فرشتہ؟ اور لفظِ خضر کے کیا معنیٰ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فارسی زبان میں رات کے عمل کو شبینہ کہا جاتا ہے۔[۱] حضرت خضر علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، مگر وہ تشریعی امور کے نہیں؛ بل کہ تکوینی امور کے نبی تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُنہیں کائنات کے نظام کا علم عطا فرمایا تھا، تفسیر کی کتابوں میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں ہرا گھاس اُگتا تھا، اس لیے ان کا نام خضر مشہور ہوا، کہ خضر کے معنیٰ عربی زبان میں سبزی کے ہیں۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فیروز اللغات، ۷۸۳، ط: نعیمیہ، دیوبند۔

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: »إنما سمي الخضر أنه جلس على فروة بيضاء، فإذا هي تهتز من خلفه خضر. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۸۳، رقم الحديث: ۳۴۰۲، كتاب الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما السلام، ط: البدر-ديوبند)

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. (۵۶-الواقعۃ:۷۹)

باب ما یتعلق بالقرآن والحدیث

(قرآن کریم اور احادیث نبویہ)

O

قرآن کریم اور احادیث نبویہ

[۱] قرآن کریم اور حدیث پاک میں کیا فرق ہے؟

۳۸۴-سوال: کیا تمام احادیث قرآن کریم کی دلیل ہیں؟ قرآن کریم اور احادیث میں فرق کیا ہے؟ اور دونوں میں اہمیت کس کی زیادہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قران شریف کی ہر آیت اور ہر کلمہ قطعی ہے، کسی بھی ایک آیت کا انکار کرنے والا ایمان سے نکل جاتا ہے، قران شریف کا چودہ سو سال سے یہ چیلنج قائم ہے کہ اگر اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں تمہیں کوئی شک ہے، تو ایک چھوٹی سورت بھی اس جیسی بنالاؤ:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ (۔۲ البقرۃ: ۲۳)

ترجمہ: اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو، اس کتاب کی بہ نسبت، جو ہم نے نازل فرمائی ہے، اپنے بندۂ (خاص) پر، تو (اچھا) پھر تم بنالاؤ، ایک محدود ٹکڑا، جو اس کا ہم پلہ ہو، اور بلالو اپنے حمایتیوں کو، جو خدا سے الگ ہیں، اگر تم سچے ہو۔

قرآن کریم کا تو ہر ہر لفظ قیامت تک اپنی جگہ باقی رہنے والا ہے، اس کے ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا یا پڑھنا حرام ہے۔

ہر حدیث کے متعلق اصول حدیث میں تفصیل بیان کی گئی ہے کہ وہ کس درجے کی ہے، صحابۂ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جن الفاظ وارشادات کو سنا ہے، اکثر نے تو انہیں بعینہ بیان کیا ہے،، البتہ بعض احادیث معنیً بھی مروی ہیں، جن کی تعداد کم ہے۔[1] قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین فرق لکھنے سے آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گا، ایک بار روبرو مل کر سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ فقط، واللہ سبحانہ تعالی اعلم۔

۸/مارچ ۱۹۸۰ء

[۲] بوسیدہ قرآن اور دینی اوراق کو نذر آتش کرنا

۳۸۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان شرع متین زیر نظر مسئلہ میں کہ:

بوسیدہ قرآن، یا کسی بھی دینی یا مذہبی تحریر کو بے ادبی کے خوف سے جلا دینا یا آگ کی نذر کرنا کیسا ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عطا فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ رسائل یا کاغذات، جن میں اللہ کا نام، قرآن شریف کی آیات، یا احادیث رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، ان کو پتھر سے باندھ کر دریا میں ڈالنا یا قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے، اسی طریقہ سے اگر ان کو جلایا جائے، تو یہ بھی جائز ہے، تاکہ اللہ کے نام کی اور قرآن شریف کی بے حرمتی نہ ہو، حضرت عثمان غنی رضی للہ عنہ نے اپنے دور میں قرآن کریم لغت قریش پر جمع فرما کر اطراف عالم میں چار پانچ نسخے روانہ فرمائے، اور اس سے قبل قرآن شریف جن چیزوں پر لکھا گیا تھا، ان تمام کو جلا دیا۔ **وأمر بماسواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق.** (بخاری شریف)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) دیکھیے، کفایت المفتی: ۱/۹۹، کتاب العقائد، ط: کراچی۔

(۲) صحيح البخاري: ۲/۷۴۶، رقم: ۴۹۸۷، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ط: البدر-ديوبند.

لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور دینی اوراق کو جلایا نہ جائے؛ کیوں کہ جلانے میں ایک قسم کی توہین ہے اور فی زمانہ تو اسے انتہائی برا سمجھا جاتا ہے اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غیر قریشی قرآن جلانے کا جو حکم دیا تھا، تو وہ بنا بر مصلحت تھا، وہ یہ کہ اگر پانی میں ڈالتے، تو لوگ نکال لیتے یا مٹی میں دفناتے تو بھی نکال لیا جاتا اور تا قیامت تورات وانجیل کی طرح اختلاف رہتا، اس مصلحت سے جلایا گیا تھا۔ پس قرآن مجید اور دینی اوراق کو یا تو اس طرح دفن کیا جائے، جس طرح بغلی قبر میں مردے کو رکھا جاتا ہے، تاکہ اس پر مٹی نہ پڑے، اور اوپر تختہ رکھ کر مٹی سے چھپا دیا جائے تو بھی مضائقہ نہیں۔ یا ان کے ساتھ کوئی وزنی شئے باندھ دی جائے اور کسی بہتے ہوئے گہرے پانی میں یا کنویں کی تہ میں احترام کے ساتھ پہنچا دیا جائے:

والمصحف اذا صار بحال لايقرأ فيه يدفن. (الدر المختار) وفي الشامية: أي يجعل في خرقة طاهرة، ويدفن في=

[۳] قرآن کریم کا ترجمہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳۸۶-سوال: قرآن کریم کا ترجمہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقہائے کرام کا اس سلسلہ میں کیا موقف رہا ہے؟ متقدمین ومتاخرین کا اس سلسلے میں اگر اختلاف ہو، تو ذکر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن کریم کا عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں ترجمہ کرنا جائز ہے، اس جواز کے خلاف احقر کو دوسرا مسلک عدم جواز کا معلوم نہیں ہوا، تو عدم کی دلیل کیا لکھی جائے، جواز کے دلائل یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ نے ہرقل روم کے بادشاہ کو دعوت نامہ تحریر فرمایا تھا، اس خط مبارک میں یہ آیت کریمہ تحریر فرمائی تھی: قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ. الآية. (۳-آل عمران: ۶۴) اس سے استدلال کر کے امام بخاریؒ نے باب منعقد فرمایا ہے: "باب مايجوز من تفسير التوراة وغيرها من كتب الله بالعربية وغيرها لقول الله تعالى قل فاتوا بالتوراة فاتلوها إن كنتم صادقين"۔ (بخاری شریف: ۲/ ۱۱۲۵، فتح الباری: ۷/ ۲۹۹، عینی: ۲۵/ ۱۱۱، کرمانی: ۱۵/ ۲۳۱)[1]

ہرقل عربی زبان نہیں جانتا تھا، اس کے باوجود عربی میں خط کو تحریر فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ترجمان اس کا ترجمہ بادشاہ کو اور دیگر اراکین کو سناوے، کرمانی تحریر فرماتے ہیں: "قلت كان غرض

= محل غير ممتهن: لا يوطأ، وفي الذخيرة: وينبغي أن يلحد له ولا يشق له؛ لأنه يحتاج إلى إهالة التراب عليه، وفي ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقفاً بحيث لا يصل التراب إليه فهو حسن أيضا... ولا بأس بأن تلقى في ماء جار كماهي أو تدفن وهو أحسن. (۲) (رد المحتار مع الدر المختار: ۱/ ۱۷۷، كتاب الطهارة، سنن الغسل، ط: دار الفكر) وفي الهندية: المصحف إذا صار خلقاً وتعذرت القراءة منه، لا يحرق بالنار، أشار الشيباني إلى هذا في السير الكبير، وبه نأخذ، هكذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۲۳، كتاب الكراهية، الباب الخامس: في آداب المسجد والقبلة والمصحف... الخ، ط: دار الفكر-بيروت. وهكذا في فتاوى دار لعلوم: ۱۴/ ۲۶۴-۲۶۵، آداب قرآن کریم، ط: مکتبہ دار العلوم-دیوبند☆امداد الفتاوی: ۴/ ۵۴، قرآن مجید ودیگر قابل تعظیم اشیاء کے احکام، ط: ادارہ تالیفات اولیاء-دیوبند☆کفایۃ المفتی: ۱/ ۱۱۷☆امداد المفتیین: ۲۳۸)

(۱) صحيح البخاري: ۲/ ۱۱۲۵، كتاب التوحيد، ط: البدر ديوبند.

عمدة القاري: ۲۵/ ۱۹۱، ط: دار إحياء التراث العربي.

فتح الباري: ۱۳/ ۵۱۶، ط: دار المعرفة، بيروت.

صحيح أبي عبدالله البخاري بشرح الكرماني المعروف بـالكواكب الدراري: ۲۵/ ۲۳۱، ط: دار إحياء التراث العربي.

النبي صلی اللہ علیہ وسلم في إرسالہ إلیہ أن یترجم عندہ لیفھم مضمونہ. الخ (۱۵/۲۳۱) [۲]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''کتب النبي صلی اللہ علیہ وسلم إلی ہرقل باللسان العربي ولسان ہرقل رومي، ففیہ اشعار بأنہ اعتمد في إبلاغہ مافي الکتاب علی من یترجم بلسان المبعوث إلیہ لیفھمہ والمترجم المذکور ھو الترجمان... والحاصل أن الذي بالعربیۃ یجوز التعبیر عنہ بالعبرانیۃ وبالعکس. (۱۷/۳۸) [۳]

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں: وکان غرض النبي صلی اللہ علیہ وسلم في إرسالہ إلیہ أن یترجم عندہ لیفھم مضمونہ، واحتج أبو حنیفۃ -رضي اللہ عنہ- بحدیث ہرقل، وأنہ دعا ترجمانہ وترجم لہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلسانہ، حتی فھمہ علی أنہ یجوز قراءۃ بالفارسیۃ وقال: إن الصلوۃ تصح بذلک. (عمدۃ القاری: ۲۵/۱۱۱) [۴] ـــــــ ان علماء محدثین نے تحریر فرمایا ہے کہ تورات کی کوئی قید نہیں ہے، لفظ ''وغیرھا''[۵] سے تخصیص سے تعمیم کی طرف منتقل ہونا ہے، جس سے امام بخاریؒ اس بات کو بتلانا چاہتے ہیں کہ کسی زبان کی قید نہیں ہے۔ اس وجہ سے بھی کہ آپ ﷺ کی بعثت ''کافۃ الناس'' کی طرف ہوئی ہے، الغرض قرآن مجید کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرنا جائز ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب اہل فارس نے سورۂ فاتحہ کے ترجمہ کو فارسی میں کرنے کی تجویز رکھی، تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کو سورۂ فاتحہ کا ترجمہ فارسی میں کرنے کے متعلق تحریر فرمایا۔ إن الفرس کتبوا إلی سلمان الفارسي أن یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ، فکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم، بنام یزدان بخشاوندہ، بعد ما کتب، عرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ثم بعثہ إلیھم ولم ینکر علیہ النبي صلی اللہ علیہ وسلم. کذا في المبسوط. (حاشیہ ہدایہ: ۱/۸۶) [۶]

اس سے معلوم ہوا کہ فارسی ترجمہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، لہٰذا اہل سنت والجماعت کے

---

(۲) صحیح أبي عبداللہ البخاري بشرح الکرماني المعروف بـالکواکب الدراري: ۲۵/۲۳۱، کتاب التوحید، باب مایجوز من تفسیر التوراۃ، ط: دار إحیاء التراث العربي.

(۳) فتح الباري: ۱۳/۵۱۶، کتاب التوحید، باب مایجوز من تفسیر التوراۃ، ط: دار المعرفۃ.

(۴) عمدۃ القاري: ۲۵/۱۹۱، کتاب التوحید، باب مایجوز من تفسیر التوراۃ، ط: دار الفکر، بیروت.

(۵) المذکور في الباب.

(۶) ھامش الھدایۃ: ۱/۸۶، رقم الھامش: ۱، ط: اتحاد- دیوبند.

=

نزدیک قرآن مجید کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرنا جائز ہے؛ بل کہ عین مطلوب ہے، البتہ متن کا ہونا ضروری ہے عربی متن کے بغیر مجرد ترجمہ کا شائع کرنا جائز نہیں ہے، ہاں! دو تین آیات کا ترجمہ (بغیر متن کے) کسی زبان میں لکھنے کی گنجائش ہے۔(۷) اس سلسلہ میں تفصیل کے لیے جواہر الفقہ جزء اول کا مطالعہ فرمائیں۔(۸)

پھر ترجمہ و تفسیر' کلام اللہ میں کس جگہ لکھی جائے، معمولی اختلاف ہے، طحطاوی میں ہے کہ تفسیر کا قرآن کے نیچے لکھنا مکروہ ہے، جب کہ فتح القدیر میں کافی سے منقول ہے کہ تفسیر کا قرآن کے نیچے لکھنا جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ (ترجمہ غایۃ الاوطار: ۱/ ۲۲۶)(۹) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] ختم قرآن کی مجلس میں شریک تمام حضرات کا بلند یا آہستہ آواز سے تلاوت کرنا

۳۸۷-سوال: دوکان یا گھر کے افتتاح کے لیے قرآن خوانی کی جو مجلس ہوتی ہیں، اس میں بیس تیس افراد مل کر قرآن ختم کرتے ہیں اور سب کو ایک ایک پارہ پڑھنے کے لیے دیا جاتا ہے، تو اس میں کوئی بلند آواز سے پڑھتا ہے اور کوئی آہستہ آواز سے، یہ صحیح ہے یا نہیں اور اس قسم کی مجلس کا کیا حکم ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

برکت حاصل کرنے کے لیے یا ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید کا جو ختم کیا جاتا ہے- جس میں اکٹھا ہو کر قرآن شریف کے الگ الگ پاروں کی تلاوت کی جاتی ہے- جائز ہے، کیوں کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت خاموش رہنا اور غور سے سننا اس وقت لازم ہے، جب کہ ایک شخص تلاوت کر رہا ہو اور دوسرا سننے کے

=وفي المبسوط للسرخسي: وأبو حنيفة - رحمه الله - استدل بما روي أن الفرس كتبوا إلى سلمان - رضي الله عنه - أن يكتب لهم الفاتحة بالفارسية فكانوا يقرءون ذلك في الصلاة حتى لانت ألسنتهم للعربية. (۱/ ۳۷، كتاب الصلوة، باب افتتاح الصلوة، ط: دار المعرفة، بيروت)

(۷) وفيه إن اعتاد القراءة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع وإن فعل في آية أو آيتين لا، فإن كتب القرآن وتفسير كل حرف وترجمته جاز. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ 'ابن الهمام (م: ۸٦۱هـ): ۱/ ۲۸٦، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، ط: دار الفكر - بيروت)

وتجوز كتابة آية أو آيتين بالفارسية، لا أكثر ... وقال الشامي: والظاهر أن الفارسية غير قيد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۸٦، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، فروع: قرأ بالفارسية أو التوراة ... الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

(۸) تفصیل کے لیے دیکھیے: جواہر الفقہ - مفتی محمد شفیع عثمانیؒ (م: ۱۳۸۹ھ=۱۹۶۹ء): ۱/ ۹۷-۱۱۶، کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جا سکتا ہے؟ ط: مکتبہ تفسیر القرآن، سید منزل، دیوبند۔

(۹) غایۃ الاوطار: ۱/ ۲۴۷-۲۴۸، ط: دکن ٹریڈرس، مغل پورہ- حیدرآباد۔

لیے بیٹھا ہو، جب کہ ختم قرآن کی مجلس میں سبھی تلاوت کے لیے بیٹھتے ہیں، پس اس میں کوئی حرج نہیں۔ [۱]
البتہ اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ پڑھنا اور قرآن مجید کا ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے، نیز رسم ورواج سے اجتناب ضرروری ہے، ورنہ ثواب کے بجائے الٹا گناہ لازم آئے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] ''وماعلینا الا البلاغ المبین'' اور ''قدس سرہ'' کا معنی!

(اعظم)

۳۸۸-سوال: ''وماعلینا الا البلاغ المبین'' کا کیا معنی ہوتے ہیں؟ اسی طرح ''قدس سرہ'' کا کیا مطب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''وماعلینا الا البلاغ المبین'' کا معنی ہے: ہمارے ذمہ صرف کھلا ہوا پہنچانا ہے (یعنی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہمارا کام تبلیغ اور پیغام الٰہی کو پہنچا دینا ہے) اور ''قدس سرہ'' کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ انہیں پاک کرے؛ برکت عطا فرمائے۔ لغت میں قدس کا معنی ہیں: پاک کرنا، برکت عطا فرمانا۔ (المنجد: ۶۱۲) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] قرآن کریم کے اس خاص انداز کی وجہ کیا ہے؟

۳۸۹-سوال: قرآن مجید میں ایک جگہ "آمنا برب العالمین رب موسیٰ وھارون" [۳] ہے اور ایک جگہ "آمنا برب ھارون وموسیٰ" [۴] تو ایسا تقدم وتاخر کیوں؟ اس کی کیا حکمت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن کریم کسی قانون اور قاعدہ کے تابع نہیں ہے، جس طرح ایک کلام کو پیش کرے، کرسکتا ہے، یہ

(۱) ولا بأس باجتماعهم على قراءة الإخلاص جهرا عند ختم القرآن، ولو قرأ واحد واستمع الباقون فهو أولى، كذا في القنية. ويستحب له أن يجمع أهله وولده عند الختم ويدعو لهم، كذا في الينابيع. (الفتاوى الهندية: ۳۱۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلوة والتسبيح ورفع الصوت... الخ، ط: دار الفكر - بيروت)
وفي الدرة المنيفة عن القنية: يكره للقوم أن يقرؤوا القرآن جملة، لتضمنها ترك الاستماع والإنصات، وقيل لا بأس به. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۱۸، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)
(۲) دیکھیے: القاموس الوحید، مادہ: قدس، ص: ۱۲۸۳، ط: کتب خانہ حسینیہ، دیوبند۔
(۱) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ۝ [۷-الأعراف: ۱۲۱-۱۲۲] أيضا: [۲۶-الشعراء: ۴۷، ۴۸]
(۲) ۲۰-طہ: ۷۰۔

تقدم وتاخر بلاغت سے تعلق رکھتا ہے، یہ تفنن ہے کہ کبھی کسی کلام کو مقدم اور کبھی مؤخر لایا جاتا ہے، اور ایک ہی کلام کو مختلف انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مفسرین نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں:

فواصل کی رعایت کرتے ہوئے کبھی "موسی" کو مقدم کیا اور کبھی "هارون" کو۔

جہاں "موسی" کو مقدم کیا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت، شرف اور اصل فی الرسالۃ والدعوۃ ہونے کی بنا پر ہے، ساتھ میں تقدیم میں حکایات حال کا بیان کیا ہے۔

اور جہاں "هارون" کو مقدم کیا ہے، وہاں اولاً فواصل کی رعایت کی گئی ہے۔ ثانیاً "ہارون علیہ السلام کی عمر کی رعایت کی گئی ہے کہ وہ اس اعتبار سے بڑے تھے۔

ثالثاً یہ بھی معلوم ہے کہ بچپن میں "حضرت موسیٰ" کی پرورش "فرعون" کے محل میں ہوئی تھی، گویا "موسیٰ" کے لیے وہ مجازاً رب تھا، نیز وہ اپنی ربوبیت کا دعویٰ بھی کرتا تھا، تو "رب موسیٰ وهارون" کہنے میں وہم ہوسکتا تھا، کہ "رب العالمین رب موسیٰ وهارون" سے فرعون مراد ہے؛ لہٰذا جہاں خالص خداوند قدوس کی ربوبیت کا اثبات مقصود تھا، وہاں پر هارون کو مقدم کیا کہ یہاں رب سے فرعون مراد نہیں؛ بل کہ اللہ تعالیٰ مراد ہیں، اور جہاں پر حکایت حال مقصود تھا، وہاں موسیٰ کو مقدم کیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "واؤ" مطلق جمع کے لیے آتا ہے بغیر ترتیب کے؛ لہٰذا دونوں میں ترتیب مقصود نہیں؛ بل کہ فرعون کی عدم ربوبیت اور رب موسیٰ وهارون کی ربوبیت مقصود ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ممکن ہے کہ ایمان لانے والوں میں سے بعض نے "برب موسى وهارون" کہا ہو اور بعض نے "برب هارون وموسى" کہا ہو، تو یہ مختلف مقامات میں مختلف گروہ کی حکایات کو نقل کیا گیا ہو۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) {آمَنَّا بِرَبِّ هارونَ وموسى} تأخير موسى - عليه السلام - عند حكاية كلامهم المذكورة في سورة الأعراف المقدم فيه موسى عليه السلام؛ لأنه أشرف من هارون، والدعوة والرسالة إنما هي له أولاً وبالذات وظهور المعجزة على يده - عليه السلام - لرعاية الفواصل، وجوز أن يكون كلامهم بهذا الترتيب، وقدموا هارون عليه السلام؛ لأنه أكبر سناً، وقول السيد في »شرح المفتاح« : إن موسى أكبر من هارون عليهما السلام سهو. وأما للمبالغة في الاحتراز عن التوهم الباطل من جهة فرعون وقومه حيث كان فرعون ربى موسى - عليه السلام - فلو قدموا موسى لربما توهم اللعين وقومه من أول الأمر أن مرادهم فرعون وتقديمه في سورة الأعراف تقديم في الحكاية لتلك النكتة. وجوز أبو حيان أن يكون ما هنا قول طائفة منهم وما هناك قول أخرى. (روح المعاني: ۵۴۱/۸، طه، ط:=

[۷] قرآن مجید میں جنات کو انسانوں پر مقدم کرنے کی وجہ

۳۹۰-سوال: اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا: **وما خلقت الجن والانس إلا لیعبدون.**(۱) ترجمہ: ہم نے جنات اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اپنی عبادت کے لیے، تو یہاں اللہ رب العزت نے جنات کے ذکر کو مقدم کیوں کیا؟ جب کہ انسانوں کا رتبہ جنات سے بڑھ کر ہے۔

نیز قرآن مجید کے متعلق اس طرح کے سوالات کرنا کیسا ہے؟

مولوی یوسف پانڈور، اٹالوہ

الجواب حامدا ومصلیا:

جناب والا کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عالم وفاضل ہیں؛ اس لیے مختصر المعانی، سفینۃ البلغاء اور البلاغۃ الواضحۃ میں پڑھ لیا ہوگا کہ اسلوب کلام میں کبھی تعمیم کے بعد تخصیص اور کبھی تخصیص کے بعد تعمیم ہوتی ہے، اور یہ کلام کا ایک طریقہ ہے کہ کبھی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف تنزل اور کبھی ادنیٰ سے اعلی کی طرف ترقی ہوتی ہے، چناں چہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت شریفہ میں بھی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ آیت شریفہ میں ''جن'' ادنیٰ ہے اور ''انسان'' اعلیٰ، دونوں کو اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

سوال کبھی تو علت اور غرض معلوم کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف شکوک وشبہات کی وجہ سے؛ امر ثانی تو غلط اور موجب کفر ہے، امر اول نہیں، اسی لیے تو کہا گیا ہے:

فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون.(۲)

(ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھو۔)

=دار الكتب العلمية-بيروت)

{رَبِّ موسى وهارون} بدل مما قبل وإنما أبدلوا لئلا يتوهم أنهم أرادوا فرعون ولم يقتصروا على موسى عليه السلام إذ ربما يبقى للتوهم رائحة؛ لأنه كان ربي موسى -عليه السلام- في صغره، ولذا قدم هرون في محل آخر؛ لأنه أدخل في دفع التوهم أو لأجل الفاصلة أو لأنه أكبر سناً منه، وقدم موسى هنا لشرفه أو للفاصلة. روح المعاني: ۵/ ۲۷، سورة الأعراف، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱)-۵۱ الذاريات: ۵۶.

(۲)-۱۶ النحل: ۴۳.

ایک جگہ ارشاد فرمایا: وفوق کل ذی علم علیم. [1]

(ترجمہ: اور ہر علم والے سے بڑھ کر دوسرا علم والا ہے)

اس طرح کے سوالات کرنے سے علم میں پختگی اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے؛ قرآن مجید میں حج کی فرضیت سے متعلق جب آیت کریمہ: "وللہ علی الناس حج البیت" نازل ہوئی، تو ایک صحابی حضرت اقرع بن حابس ؓ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! حج ہمارے صرف اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ ہمیش کے لیے؟ تو آپ ﷺ نے اس پر ان کو جواب عنایت فرمایا۔ [2] اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے علمی اور تحقیقی سوالات کرنا ایمان کو تازگی بخشتا ہے اور ان سے ایمان میں مضبوطی اور پختگی پیدا ہوتی ہے؛ لہٰذا اس طرح کے سوالات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیمات غفرلہ
۲۶/۱۰/۱۹۷۷ء

[۸] ۱- تلاوت کے وقت ایک شخص کا دوسرے کی جانب پشت کرنا
[۹] ۲- تلاوت قرآن کے آداب

۳۹۱- سوال: ہمارے گاؤں میں مسجد میں لوگ قرآن کریم کی تلاوت اس طرح بیٹھ کر کرتے ہیں کہ بعض مشرق کی جانب اپنا منھ کرتے ہیں، تو بعض اپنا رخ مغرب کی طرف کرتے ہیں، یعنی قرآن کی تلاوت کے وقت ایک دوسرے کی طرف پشت کرتے ہیں، یہ صحیح ہے یا غلط؟ اور قرآن کریم کی تلاوت کے آداب کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آداب تلاوت میں سے ہے کہ حتی الامکان تلاوت کرنے والے کا رخ قبلہ کی طرف ہو؛ لیکن اگر

---

(۱) - ۲ ۱ یوسف: ۷۶

(۲) عن ابن عباس، قال: خطبنا - یعني رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - فقال: "یا أیہا الناس، کتب علیکم الحج" قال: فقام الأقرع بن حابس فقال: أفي کل عام یا رسول اللہ؟ قال: "لو قلتہا لوجبت، ولو وجبت لم تعملوا بہا، - أو: لم تستطیعوا أن تعملوا بہا - الحج مرۃ، فمن زاد فہو تطوع". (مسند أحمد بن حنبل: ۱۵۱/۴، رقم: ۲۳۰۴، ط: مؤسسۃ الرسالۃ)

کسی کی پیٹھ قرآن کریم کی طرف ہو رہی ہو، مثلاً پہلی صف میں بیٹھنے والوں کی پیٹھ دوسری صف میں قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھنے والوں کے قرآن کی طرف ہو رہی ہو، تو ایسی صورت میں پیٹھ ایک دوسرے کی طرف کر کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ قرآن کریم کے آداب دو طرح کے ہیں: ایک ظاہری، ایک باطنی۔

ظاہری آداب یہ ہیں: جگہ پاک ہو، کپڑے پاک ہوں، تلاوت کرنے والا باوضو ہو، قرآن کریم اونچی جگہ رکھ کر باادب اطمینان وسکون کے ساتھ بیٹھے، چہارزانو، ٹیک لگا کر اور تکبرانہ انداز میں نہ بیٹھے، بل کہ اس طرح بیٹھے جیسے کہ استاذ کے سامنے بیٹھا ہو، قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے، حروف والفاظ کو اچھی طرح ادا کرے، کوشش ہو کہ قرآن کریم کی تلاوت تجوید کے ساتھ کرے اور کم از کم سات دن میں قرآن کریم ختم کرے، وغیر ذلک۔[1]

اور باطنی آداب یہ ہیں: قرآن کریم پر عمل کرنے کی نیت ہو، قرآن کریم کے معانی کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش ہو (لیکن نہ سمجھ کر پڑھنے میں بھی اجر وثواب کا وعدہ ہے) کلام اور صاحب کلام کی عظمت واحترام قلب میں ہو، حضور قلب کے ساتھ ساتھ خشوع وخضوع بھی ہو، اگر آیت سجدہ آئے، تو سجدہ کرے، جہاں جہنم وعذاب کا ذکر ہو، وہاں روئے یا کم از کم رونے کی شکل بنائے اور پناہ مانگے اور جہاں جنت وبشارت کی آیات آئیں، وہاں خوش ہو اور دعا مانگے، وغیر ذلک۔ (أكثرها من إحياء علوم الدين: ۱/ ۲۴۷)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) الأول في حال القارىء: وهو أن يكون على الوضوء، واقفا على هيئة الأدب والسكون، إما قائما وإما جالسا، مستقبل القبلة، مطرقا رأسه، غير متربع، ولا متكيء، ولا جالس على هيئة التكبر، ويكون جلوسه وحده كجلوسه بين يدي أستاذه... أمر رسول الله -صلى الله عليه وسلم- عبد الله بن عمرو أن يختم القرآن في كل أسبوع. متفق عليه. وكذلك كان جماعة من الصحابة رضي الله عنهم يختمون القرآن في كل جمعة كـ "عثمان، وزيد بن ثابت، وابن مسعود، وأبي بن كعب رضي الله عنهم.

ففي الختم أربع درجات: الختم في يوم وليلة، وقد كرهه جماعة، والختم في كل شهر كل يوم جزء من ثلاثين جزءا، وكأنه مبالغة في الاقتصار كما أن الأول مبالغة في الاستكثار، وبينهما درجتان معتدلتان، إحداهما في الأسبوع مرة، والثانية في الأسبوع مرتين تقريبا من الثلاث...

واعلم أن الترتيل مستحب لا لمجرد التدبر، فإن العجمي الذي لا يفهم معنى القرآن يستحب له في القراءة أيضا الترتيل والتؤدة؛ لأن ذلك أقرب إلى التوقير والاحترام، وأشد تأثيرا في القلب من الهذرمة والاستعجال... البكاء مستحب مع القراءة. (إحياء علوم الدين: ۱/ ۲۷۵-۲۷۷، كتاب آداب تلاوة القرآن، الباب الثاني في ظاهر آداب التلاوة، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۲) الثاني: التعظيم للمتكلم: فالقارئ عند البداية بتلاوة القرآن ينبغي أن يحضر في قلبه عظمة المتكلم، ويعلم أن مايقرؤه ليس من كلام البشر، وإن في تلاوة كلام الله عز وجل غاية الخطر... الثالث: حضور القلب وترك حديث =

[۱۰] حدیث شریف کا علم ہونے کے بعد اس کے خلاف عمل کرنا

۳۹۲-سوال: کسی حدیث کا علم ہوجانے کے بعد اس حدیث کے خلاف بولنا (انکار کرنا) کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''حدیث متواتر'' کا منکر کافر ہے، حدیث متواتر یہ ہے کہ اس کی روایت کرنے والے ہر دور میں اتنی تعداد میں ہوں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو۔ اور خبر واحد کا انکار کرنے والا فاسق ہے، خبر واحد یہ ہے کہ اس کو روایت کرنے والے دو تین افراد ہوں، البتہ اس میں تاویل کر کے عمل سے رک جاتا ہے، تو اس سے فاسق نہ ہوگا۔[1]

نوٹ: کسی عالم سے مذکور تحریر سمجھنے کی کوشش کریں، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

=النفس،... الرابع: التدبر وهو وراء حضور القلب... الخامس: التفهم وهو أن يستوضح من كل آية ما يليق بها،... السادس التخلي عن موانع الفهم؛ فإن أكثر الناس منعوا عن فهم معاني القرآن لأسباب وحجب أسدلها الشيطان على قلوبهم فعميت عليهم عجائب أسرار القرآن،... السابع: التخصيص وهو أن يقدر أنه المقصود بكل خطاب في القرآن،.... الثامن: التأثر وهو أن يتأثر قلبه بآثار مختلفة بحسب اختلاف الآيات، فيكون له بحسب كل فهم حال ووجد يتصف به قلبه من الحزن والخوف والرجاء وغيره.

فتأثر العبد بالتلاوة أن يصير بصفة الآية المتلوة فعند الوعيد وتقييد المغفرة بالشروط يتضاءل من خيفته كأنه يكاد يموت، وعند التوسع ووعد المغفرة يستبشر، كأنه يطير من الفرح، وعند ذكر الله وصفاته وأسمائه يتطأطأ خضوعا لجلاله، واستشعار العظمته وعند ذكر الكفار ما يستحيل على الله عز وجل... وعند وصف الجنة ينبعث بباطنه شوقا إليها، وعند وصف النار ترتعد فرائصه خوفا منها. (إحياء علوم الدين: ۱/۲۸۰-۲۸۶، كتاب آداب تلاوة القرآن، الباب الثالث في أعمال الباطن في التلاوة، ط: دار المعرفة)

(۱) أما متواتر، وهو ما رواه جماعة عن جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب، فمن أنكره كفر، ومشهور، وهو ما رواه واحد، عن واحد، ثم جمع، عن جمع، لا يتصور توافقهم على الكذب، فمن أنكره كفر عند الكل إلا عيسى بن أبان، فإن عنده يضلل، ولا يكفر، وهو الصحيح.

وخبر الواحد: وهو أن يرويه واحد عن واحد، فلا يكفر جاحده، غير أنه يأثم بترك القبول إذا كان صحيحا أو حسنا. (شرح الفقه الأكبر - الملا علي القاري، ص: ۲۰۳-۲۰۴، ط: ياسر نديم - ديوبند)

[۱۱] محفل گناہ میں قرآن کی تلاوت

۳۹۳-سوال: ایک اسٹیج پر چند مسلم نوجوانوں کی محفل جمی ہوئی تھی، اس محفل میں ایک حافظ صاحب بھی شریک تھے، اولاً اس محفل میں دین سے لاپرواہ نوجوانوں نے گانا گانا شروع کیا، پھر بھجن گانے لگے اور واہیات کلام میں مشغول ہوگئے، کچھ دیر کے بعد ان نوجوانوں نے اس محفل میں موجود حافظ صاحب سے کہا: آپ ہمیں قرآن کریم پڑھ کر سنائیں، تو ان حافظ صاحب نے قرآن سنانے کی بجائے ان کو گانا سنانا شروع کردیا، تو اب سوال یہ ہے کہ قرآن کی فرمائش پر گانا سنانا کیا اس میں قرآن کی توہین نہیں ہے؟ نیز ایسی محفل میں شریک ہونا اور اس میں قرآن سنانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ تفصیل سے بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر مجلس فسق وفجور جمی ہوئی ہو کہ جس میں گانے اور دیگر اقوام کے مذہبی بھجن اور واہیات کلام وغیرہ ہوتا ہو، تو اس مجلس میں قرآن کریم کی تلاوت یا نعت شریف، یا حمد باری یا ایسا کلام، جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہو، پڑھنا جائز نہیں ہے، بل کہ اس سے گناہ لازم آئے گا۔ (مجمع الانہر: ۲/۵۵۱)[۱]

حافظ صاحب نے تلاوت کی فرمائش پر ایسی مجلس میں گانا گانا شروع کیا، تو قرآن کے ادب کا لحاظ کیا، لیکن ایک مسلمان کا گانا گانا یا سننا حرام ہے، مسلم نوجوانوں کی ذمہ داری ہے کہ اسلام اور اپنی جوانی کی قدر کریں اور گناہوں کی محفلوں سے توبہ کر کے نیکی کی مجلسیں قائم کریں اور نیک کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ سے قران سننے اور سجدۂ تلاوت کا حکم

۳۹۴-سوال: کیا ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سنتے وقت انصات (خاموش رہنا) واجب ہے؟ اور ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ سے سجدہ کی آیت سنے، تو کیا حکم ہے؟

---

(۱) (وقد یأثم به) أي بالتسبیح ونحوه (إذا فعله في مجلس الفسق وهو یعلمه) لما فیه من الاستهزاء والمخالفة لموجبه. (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر - إبراهیم بن محمد بن إبراهیم الحلبي الحنفي (م: ۹۵٦هـ): ۲/۵۵۱، کتاب الکراهیة، فصل في المتفرقات، ط: دار إحیاء التراث العربي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر پر قرآن سننا جائز ہے اور آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔[1] البتہ ٹیپ ریکارڈ پر سجدہ کی آیت سننے سے سجدہ واجب نہیں؛ لیکن نیک نیتی سے احترام کے ساتھ قرآن سننا جائز ہے اور جب بھی سنے، قرآن مجید کا احترام واجب ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] تلاوت کے لیے مسجد کے قرآن کو نماز سے قبل اپنے قبضہ میں لے لینا

۳۹۵-سوال: عصر کی نماز کے بعد تلاوت کے لیے نماز سے قبل ہی مسجد کے وقف شدہ قرآن مجید کو اپنے قبضہ میں لے لینا اور سامنے رحل پر رکھ کر اس پر رومال رکھ لینا، تاکہ کوئی دوسرا اس کو نہ اٹھالے، کیسا ہے؟ شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نماز کا وقت ہو، تو قبضہ کرنا جائز ہے، کہ اس میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیمات غفرلہ

[۱۴] دجال سے متعلق حدیث جساسہ

۳۹۶-سوال: دجال سے متعلق تمیم داری کی جو حدیث ہے، وہ کیا ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عامر بن شراحیل شعبی بیان کرتے ہیں کہ شعب حمدانی نے فاطمہ بنت قیس سے پوچھا (فاطمہ ضحاک بن قیس کی بہن ہیں، اور مہاجرین اولین میں سے ہیں) کہ تم نے حضور ﷺ سے جو حدیث شریف

---

(۱) ریڈیو کے تعلق سے یہ حکم اس وقت ہے، جب کہ تلاوت کا ڈائریکٹ نشریہ ہو، اور اگر پہلے ریکارڈ کیا جاتا ہو اور بعد میں نشر کیا جاتا ہو، تو بہ ذریعہ ریڈیو تلاوت سننے سے سجدہ واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ اصل کی نقل ہے، بدائع میں ہے: بخلاف السماع من الببغاء والصدي، فإن ذلك ليست بتلاوة. (بدائع الصنائع: ۱۸۶/۱، كتاب الصلاة، فصل بيان من تجب عليه سجدة التلاوة، ط: دار الكتب العلمية، بيروت)

لا تجب بسماعه من الصدي والطير. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۰۸/۲، كتاب الصلوة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر-بيروت)

سنی ہے، وہ مجھے بیان کرو، کیوں کہ تم اکثر حضور ﷺ سے یہ حدیث بیان کرتی ہو اور کسی اور کی طرف اس حدیث کی نسبت نہیں کرتی ہو، تو فاطمہ نے کہا: اگر تم چاہتے ہو، تو ضرور بیان کروں گی، شعب حمدانی نے کہا: ہاں! ضرور بیان کرو۔

فاطمہ نے کہا: میری شادی ابن المغیرۃ سے ہوئی تھی، وہ قریش کے اچھے نوجوانوں میں سے تھے، اسلام کی پہلی جنگ (غزوۂ بدر) میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے اور شہید ہوگئے، پھر جب میں بیوہ ہوگئی، تو عبدالرحمن بن عوفؓ نے بعض صحابہ کی معرفت مجھے نکاح کا پیغام بھیجا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) اسامہ بن زید کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا، اور مجھے آپ ﷺ کا یہ فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ: ''جو مجھ سے محبت کرنا چاہے، وہ اسامہ سے محبت کرے'' تو جب آپ ﷺ نے مجھ سے اس سلسلہ میں بات کی، تو میں نے کہا: یہ معاملہ آپ کے اختیار میں ہے، آپ میرا جس سے چاہیں نکاح کر دیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ام شریک کے پاس چلی جاؤ۔ وہ انصار کی مال دار عورت ہے، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں بہت خرچ کرتی ہے اور ان کے پاس مہمان بہت آتے ہیں۔ میں نے کہا: میں ضرور جاؤں گی، آپ نے پھر فرمایا: نہیں جانا، کیوں کہ ام شریک کے یہاں مہمان بہت آتے ہیں اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ تم سے تمہاری اوڑھنی دور ہو یا کوئی کپڑا بدن سے سر کے اور بدن کا کوئی حصہ پنڈلی وغیرہ جسے ظاہر کرنا تم ناپسند کرتی ہو، کوئی دیکھ لے؛ لیکن تم ایسا کرو کہ اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عمر بن ام مکتوم کے پاس چلی جاؤ۔ (عبداللہ قبیلہ فرح کے ایک فرد ہیں، فرح قریش کا ایک خاندان ہے، حضرت فاطمہ بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں)

تو میں وہاں سے ان کے پاس چلی گئی، جب میری عدت پوری ہوگئی، تو میں نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی: ''**الصلوٰۃ جامعۃ**'' تو میں مسجد کی طرف نکلی اور حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا، میں عورتوں کی اس صف میں تھی، جو مردوں سے بالکل متصل تھی، جب حضور نماز پڑھا کر فارغ ہوئے، تو ممبر پر تشریف لے گئے اور مسکرا کر فرمایا: سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں نے سب کو کیوں جمع کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں کوئی ترغیب (شوق دلانے) یا ترہیب (ڈرانے) کی غرض سے یہاں جمع نہیں کیا ہے، بل کہ اس لیے جمع کیا ہے کہ تمیم

داری ایک نصرانی شخص تھے، انہوں نے میرے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور مجھ سے ایک ایسی بات بیان کی، جو میں پہلے بھی تمہیں بیان کیا کرتا تھا، وہ بات مسیح دجال کے متعلق ہے۔

تمیم داری نے کہا کہ میں قبیلہ لخم اور جذام کے تیس (۳۰) افراد کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہوا اور تھاٹھے مارتے ایک سمندر میں ہماری کشتی داخل ہوگئی اور ایک مہینہ تک کشتی اِدھر اُدھر چکر لگاتی رہی، یعنی کشتی راستہ بھٹک گئی، یہاں تک کہ سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرے کے پاس اس نے ہمیں پہنچادیا، پھر ہم ایک چھوٹی کشتی کے ذریعہ اس جزیرے میں داخل ہوئے۔

وہاں اچانک ہمیں ایک جانور ملا، جس کے بدن پر بہت زیادہ بال تھے، بال کی کثرت کی وجہ سے اس کے آگے اور پیچھے کا حصہ پہچاننا مشکل تھا، ہم نے اس سے کہا: تیری بربادی ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ''جساسہ'' ہوں، تو ہم نے کہا: ''جساسہ'' کیا بلا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ تم اس ''گرجا'' میں ایک شخص کے پاس چلو، جو تمہاری خبر کا بہت منتظر ہے، روای (تمیم داری) کہتے ہیں کہ جب اس نے ہمارے سامنے اس شخص کا نام لیا، تو ہم ڈر گئے کہ کہیں وہ شیطان نہ ہو، پھر ہم سب اس کی طرف جلدی سے چلے، یہاں تک کہ اس گرجا میں پہنچے، تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ڈیل ڈول والا انسان ہے، اس جیسا انسان ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ بہت مضبوط تھا، اس کے دونوں ہاتھ گلے کی طرف دونوں پیروں کے ساتھ لوہے کی زنجیر سے بندھے ہوئے تھے، ہم نے کہا تیری ہلاکت ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا تم نے میری حالت جان لی ہے، اب تم بتاؤ کہ تم کون ہوں؟ ہم نے کہا کہ ہم عربستان کے باشندے ہیں، جب ایک کشتی میں ہم سوار ہوئے تو سمندر میں طغیانی آگئی اور ایک مہینے تک ہماری کشتی نے ادھر اُدھر چکر لگاتی رہی، یہاں تک کہ اخیر میں تیرے اس جزیرے کا ہم نے سہارا لیا، جب اس جزیرے میں ہم داخل ہوئے، تو ہماری ملاقات ایک بال والے جانور سے ہوئی، زیادہ بال ہونے سے اس کے آگے اور پیچھے کے حصہ کا امتیاز نہیں ہو رہا تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا تیری بربادی ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ''جساسہ'' ہوں، ہم نے کہا: جساسہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا تم اس گرجا میں چلو، وہاں ایک شخص ہے، جو تم سے ملاقات کا بڑا خواہش مند ہے، تو ہم جلدی سے تیرے پاس آئے اور ساتھ ہمیں یہ ڈر لگا کہ کہیں تو شیطان نہ ہو۔

اس نے کہا: تم مجھے ''نخل بیسان'' کے متعلق کچھ خبر دو، تو ہم نے کہا: تو اس کی کون سی حالت جاننا چاہتا ہے؟ تو اس نے کہا میں اس کے درخت کے متعلق پوچھتا ہوں کیا اس میں پھل آنے لگے؟ ہم نے کہا:

ہاں۔ اس نے کہا: کچھ مدت کے بعد وہ درخت پھل نہیں دیں گے،

پھر اس نے کہا مجھے ''بحیرہ طبریہ'' کے بارے میں بتاؤ، ہم نے کہا تو اس کی کون سی حالت کے متعلق پوچھتا ہے؟ تو اس نے کہا: میں اس کے پانی کے متعلق سوال کرتا ہوں، تو ہم نے کہا: وہ تو پانی سے لبریز ہے، اس نے کہا: کچھ عرصہ بعد اس کا پانی ختم ہوجائے گا۔

پھر اس نے کہا: مجھے ''شہر زغر'' کے چشمہ کے متعلق بتاؤ، ہم نے کہا: تو اس کی کون سی حالت جاننا چاہتا ہے، تو اس نے کہا: کیا اس چشمہ میں پانی ہے اور وہاں کے باشندے اس چشمے سے کھیتی کرتے ہیں؟ تو ہم نے کہا: اس میں خوب پانی ہے اور وہاں کے باشندے اس چشمے سے کھیتی بھی کرتے ہیں۔

پھر اس نے سوال کیا: مجھے نبی (امی) کے بارے میں بتاؤ، وہ کس حال میں ہیں؟ ہم نے کہا: وہ مکہ سے ہجرت کرکے یثرب میں مقیم ہوگئے ہیں، تو اس نے پوچھا: عرب کے لوگوں نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے؟ تو ہم نے کہا: ہاں! تو اس نے کہا: اس نبی (ﷺ) نے ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ ہم نے جواب دیا: بلاشبہ وہ اطراف کے لوگوں پر غالب ہیں اور عربوں نے ان کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ اس نے کہا: ان لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس نبی کے تابع ہوجائیں اور ان کی اطاعت کریں۔

اب میں تمہیں اپنے متعلق خبر دیتا ہوں: میں ''مسیح دجال'' ہوں، کچھ عرصہ بعد مجھے نکلنے کی اجازت ملے گی، میں باہر نکلوں گا اور زمین کی سیر کروں گا اور چالیس رات میں کوئی بھی گاؤں ایسا نہیں چھوڑوں گا، جس میں داخل نہ ہوجاؤں، مگر مکہ اور مدینہ کہ یہ دو شہر ایسے ہیں، جن میں داخلہ مجھ پر حرام ہے، جب بھی میں اس میں داخل ہونا چاہوں گا، ایک فرشتہ تلوار لے کر میری طرف بڑھے گا اور مجھے روک دے گا اور اس کے ہر دروازے پر فرشتے ہیں، جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

حضرت فاطمہ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا عصا' ممبر پر مارا اور فرمایا: **هذه طيبة، هذه طيبة، هذه طيبة**. یہ (مدینہ) ''طیبة'' یعنی پاک ہے، پھر فرمایا: میں نے تم سے (اس دجال کے متعلق) پہلے بتلایا تھا یا نہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں، آپ نے فرمایا مجھے تمیم داری کی یہ بات پسند آئی، کیوں کہ یہ اس کے موافق ہے، جو میں تمہیں بیان کرتا ہوں، یہ دجال بحر شام یا بحر یمن بل کہ وہ مشرق کی طرف ہے اور یہ آپ نے تین بار فرمایا اور اپنے دست مبارک سے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت فاطمہ کہتی ہیں: میں نے یہ

حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد رکھی ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) حدثني عامر بن شراحيل الشعبي، شعب همدان، أنه سأل فاطمة بنت قيس، أخت الضحاك بن قيس - وكانت من المهاجرات الأول - فقال: حدثيني حديثا سمعتيه من رسول الله صلى الله عليه وسلم، لا تسنديه إلى أحد غيره، فقالت: لئن شئت لأفعلن، فقال لها: أجل حدثيني فقالت: نكحت ابن المغيرة، وهو من خيار شباب قريش يومئذ، فأصيب في أول الجهاد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما تأيمت خطبني عبد الرحمن بن عوف في نفر من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وخطبني رسول الله صلى الله عليه وسلم على مولاه أسامة بن زيد، وكنت قد حدثت، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: »من أحبني فليحب أسامة« فلما كلمني رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت: أمري بيدك، فأنكحني من شئت، فقال: »انتقلي إلى أم شريك« وأم شريك امرأة غنية، من الأنصار، عظيمة النفقة في سبيل الله، ينزل عليها الضيفان، فقلت: سأفعل، فقال: »لا تفعلي، إن أم شريك امرأة كثيرة الضيفان، فإني أكره أن يسقط عنك خمارك أو ينكشف الثوب عن ساقيك، فيرى القوم منك بعض ما تكرهين ولكن انتقلي إلى ابن عمك عبد الله بن عمرو ابن أم مكتوم« - وهو رجل من بني فهر، فهر قريش وهو من البطن الذي هي منه - فانتقلت إليه. ــــــــــــ فلما انقضت عدتي سمعت نداء المنادي، منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم، ينادي: الصلاة جامعة، فخرجت إلى المسجد، فصليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكنت في صف النساء التي تلي ظهور القوم، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته جلس على المنبر، وهو يضحك، فقال: »ليلزم كل إنسان مصلاه« ، ثم قال: »أتدرون لم جمعتكم؟« قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: "إني والله ما جمعتكم لرغبة ولا لرهبة، ولكن جمعتكم، لأن تميما الداري كان رجلا نصرانيا، فجاء فبايع وأسلم، وحدثني حديثا وافق الذي كنت أحدثكم عن مسيح الدجال، حدثني أنه ركب في سفينة بحرية، مع ثلاثين رجلا من لخم وجذام، فلعب بهم الموج شهرا في البحر، ثم أرفئوا إلى جزيرة في البحر حتى مغرب الشمس، فجلسوا في أقرب السفينة، فدخلوا الجزيرة فلقيتهم دابة أهلب كثير الشعر، لا يدرون ما قبله من دبره، من كثرة الشعر، فقالوا: ويلك ما أنت؟ فقالت: أنا الجساسة، قالوا: وما الجساسة؟ قالت: أيها القوم انطلقوا إلى هذا الرجل في الدير، فإنه إلى خبركم بالأشواق، قال: لما سمت لنا رجلا فرقنا منها أن تكون شيطانة.

قال: فانطلقنا سراعا، حتى دخلنا الدير، فإذا فيه أعظم إنسان رأيناه قط خلقا، وأشده وثاقا، مجموعة يداه إلى عنقه، ما بين ركبتيه إلى كعبيه بالحديد، قلنا: ويلك ما أنت؟ قال: قد قدرتم على خبري، فأخبروني ما أنتم؟ قالوا: نحن أناس من العرب ركبنا في سفينة بحرية، فصادفنا البحر حين اغتلم فلعب بنا الموج شهرا، ثم أرفأنا إلى جزيرتك هذه، فجلسنا في أقربها، فدخلنا الجزيرة، فلقيتنا دابة أهلب كثير الشعر، لا يدرى ما قبله من دبره من كثرة الشعر، فقلنا: ويلك ما أنت؟ فقالت: أنا الجساسة، قلنا: وما الجساسة؟ قالت: اعمدوا إلى هذا الرجل في الدير، فإنه إلى خبركم بالأشواق، فأقبلنا إليك سراعا، وفزعنا منها، ولم نأمن أن تكون شيطانة، فقال: أخبروني عن نخل بيسان، قلنا: عن أي شأنها تستخبر؟ قال: أسألكم عن نخلها، هل يثمر؟ قلنا له: نعم، قال: أما إنه يوشك أن لا تثمر، قال: أخبروني عن بحيرة الطبرية، قلنا: عن أي شأنها تستخبر؟ قال: هل فيها ماء؟ قالوا: هي كثيرة الماء، قال: أما إن=

[۱۵] پاکی کو آدھا ایمان کہنے کی وجہ

۳۹۷-سوال: پاکی کو آدھا ایمان کیوں کہا گیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث شریف ہے: "الطهور شطر الإيمان" (مسلم: ۱/ ۱۱۸- ۲/ ۸۲)[1] اس میں شطر کا معنی "حصہ" کے ہیں، اس حدیث کے مختلف مطلب بیان کیے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- پاکی ایمان کا ایک حصہ ہے (تو مراد نصف حصہ نہیں، بل کہ اس کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے)

۲- ایمان کا تعلق ظاہر و باطن دونوں سے ہے، اور پاکی کا تعلق ظاہر سے ہے، اس اعتبار سے جو پاک رہتا ہے، وہ آدھا ایمان- جو ظاہر سے متعلق ہے- حاصل کر لیتا ہے، اس لیے پاکی کو آدھا ایمان کہا گیا۔

۳- حدیث شریف میں ایمان سے مراد نماز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ﴾ (۲-البقرة: ۱۴۳)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہاری نمازوں کو باطل کردیں۔

تو اب حدیث کا مطلب ہوگا: "پاکی نماز کا حصہ ہے" ظاہر ہے کہ نماز پاکی کے بغیر صحیح نہیں ہوتی؛

= ماءها يوشك أن يذهب، قال: أخبروني عن عين زغر، قالوا: عن أي شأنها تستخبر؟ قال: هل في العين ماء؟ وهل يزرع أهلها بماء العين؟ قلنا له: نعم، هي كثيرة الماء، وأهلها يزرعون من مائها.

قال: أخبروني عن نبي الأميين ما فعل؟ قالوا: قد خرج من مكة ونزل يثرب، قال: أقاتله العرب؟ قلنا: نعم، قال: كيف صنع بهم؟ فأخبرناه أنه قد ظهر على من يليه من العرب وأطاعوه، قال لهم: قد كان ذلك؟ قلنا: نعم، قال: أما إن ذاك خير لهم أن يطيعوه، وإني مخبركم عني، إني أنا المسيح، وإني أوشك أن يؤذن لي في الخروج، فأخرج فأسير في الأرض فلا أدع قرية إلا هبطتها في أربعين ليلة غير مكة وطيبة، فهما محرمتان علي كلتاهما، كلما أردت أن أدخل واحدة - أو واحدا - منهما استقبلني ملك بيده السيف صلتا، يصدني عنها، وإن على كل نقب منها ملائكة يحرسونها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، وطعن بمخصرته في المنبر: »هذه طيبة، هذه طيبة، هذه طيبة« - يعني المدينة - »ألا هل كنت حدثتكم ذلك؟« فقال الناس: نعم، »فإنه أعجبني حديث تميم، أنه وافق الذي كنت أحدثكم عنه، وعن المدينة ومكة، ألا إنه في بحر الشأم، أو بحر اليمن، لا بل من قبل المشرق ما هو، من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق، ما هو« وأومأ بيده إلى المشرق، قالت: فحفظت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (صحيح المسلم: ۲/ ۴۰۴-۴۰۵، رقم: ۱۱۹- ۲۹۴۲، كتاب الفتن، باب قصة الجساسة، ط: البدر-ديوبند)

(۱) صحيح المسلم: ۱/ ۱۱۸، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، رقم: ۱-(۲۲۳)، ط: البدر-ديوبند.

اس لیے اس کو نماز کا ایک حصہ کہا گیا ہے۔ (نووی شرح مسلم: ۱؍۱۵۱)[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۱۶] ختم قرآن کی مجلس میں بلند آواز سے تلاوت کرنا

۳۹۸-سوال: ختم قرآن کی مجلس میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تمام لوگ قرآن پڑھنے والے ہوں تو بلند آواز سے قرآن پڑھنا جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] گجراتی میں چھپا ہوا قرآن مجید پڑھنا

۳۹۹-سوال: ایک صاحب سعودی عرب میں رہتے ہیں، وہ عربی زبان میں لکھا ہوا قرآن کریم بالکل پڑھنا نہیں جانتے ہیں؛ اس لیے انہوں نے ہم سے گجراتی زبان میں لکھی ہوئی ''پنج سورہ'' منگوائی ہے، جس میں سورۂ یٰسین، سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ، سورۂ کہف اور تبارک الذی وغیرہ ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اسلامی رو سے گجراتی میں چھپے ہوئے قرآن مجید کا پڑھنا جائز ہے؟ میں خرید کر اس شخص کو بھیج سکتا ہوں یا نہیں؟ تفصیل سے جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گجراتی زبان میں عربی کے بعض حروف نہیں پائے جاتے ہیں، مثلاً: ح-ق-غ-ظ-ش-ذ-ث وغیرہ۔ لہٰذا مکمل قرآن شریف یا اس کی سورتوں کو صرف گجراتی میں چھپوانا جائز نہیں ہے، اسی طرح ان کو خریدنا

---

(۱) (الطهور شطر الإيمان) فقيل: معناه: أن الأجر فيه ينتهي تضعيفه إلى نصف أجر الإيمان، وقيل: معناه: أن الإيمان يجب ما قبله من الخطايا، وكذلك الوضوء، لأن الوضوء لا يصح إلا مع الإيمان، فصار لتوقفه على الإيمان في معنى الشطر، وقيل: المراد بالإيمان هنا الصلاة، كما قال الله تعالى: "وما كان الله ليضيع إيمانكم"، والطهارة شرط في صحة الصلوٰة، فصارت كالشطر، وليس يلزم في الشطر أن يكون نصفا حقيقيا. وهذا القول أقرب الأقوال. (شرح النووي على صحيح المسلم: ۱/۱۱۸، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، ط: البدر - ديوبند)

(۲) ولا بأس باجتماعهم على قراءة الإخلاص جهرا عند ختم القرآن. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۱۷، كتاب الكراهية، الباب الرابع: في الصلاة، والتسبيح، ورفع الصوت... الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

وانظر أيضا: حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۱۸، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

اور پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔[1]

البتہ گجراتی کے ساتھ عربی رسم الخط بھی رکھا جائے اور دونوں زبانیں ساتھ میں چھپائی جائیں، تو جائز ہے۔[2]

ضرورت اور مجبوری میں بھی اس کی اجازت ہے، مثلاً مذکورہ شخص کے لیے-جیسا کہ سوال میں تحریر ہے

---

(١) وقال أشهب: سئل مالك: هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟ فقال: لا إلا على الكتبة الأولى. رواه الداني في المقنع، ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة. وقال في موضع آخر: سئل مالك عن الحروف في القرآن مثل الواو، والألف، أترى أن يغير في المصحف إذا وجد فيه كذلك؟ قال: لا. قال أبو عمرو: يعني الواو والألف المزيدتين في الرسم، المعدومتين في اللفظ نحو أولوا.

وقال الإمام أحمد: يحرم مخالفة خط مصحف عثمان في واو، أو ياء، أو ألف، أو غير ذلك.

وقال البيهقي في شعب الإيمان: من يكتب مصحفاً فينبغي أن يحافظ على الهجاء الذي كتبوا به تلك المصاحف ولا يخالفهم فيه ولا يغير مما كتبوه شيئاً، فإنهم كانوا أكثر علماً، وأصدق قلباً ولساناً، وأعظم أمانة منا، فلا ينبغي أن نظن بأنفسنا استدراكاً عليهم. (الإتقان في علوم القرآن -السيوطي: ٢/ ١٦٨، النوع السادس والسبعون: في رسوم الخط وآداب كتابته، ط: الهيئة المصرية)

سئل هل يكتب المصحف على ما أحدثه الناس من الهجاء؟

فقال لا إلا على الكتبة الأولى أي كتبة الإمام، وهو المصحف العثماني قال بعض أئمة القراء ونسبته إلى مالك؛ لأنه المسئول وإلا فهو مذهب الأئمة الأربعة. قال أبو عمرو: ولا مخالف له في ذلك من علماء الأمة، وقال بعضهم: والذي ذهب إليه مالك هو الحق، إذ فيه بقاء الحالة الأولى إلى أن يتعلمها الآخرون، وفي خلافها تجهيل آخر الأمة أولهم، وإذا وقع الإجماع كما ترى على منع ما أحدث الناس اليوم من مثل كتابة الربا بالألف مع أنه موافق للفظ الهجاء، فمنع ما ليس من جنس الهجاء أولى، وأيضا ففي كتابته بالعجمية تصرف في اللفظ المعجز الذي حصل التحدي به بما لم يرد بل بما يوهم عدم الإعجاز، بل الركاكة؛ لأن الألفاظ العجمية فيها تقديم المضاف إليه على المضاف ونحو ذلك مما يخل بالنظم ويشوش الفهم. وقد صرحوا بأن الترتيب من مناط الإعجاز وهو ظاهر في حرمة تقديم آية على آية كتابة كما يحرم ذلك قراءة، فقد صرحوا بأن القراءة بعكس السور مكروهة وبعكس الآيات محرمة، وفرقوا بأن ترتيب السور على النظم المصحفي مظنون، وترتيب الآيات قطعي. وزعم أن كتابته بالعجمية فيها سهولة للتعليم كذب مخالف للواقع والمشاهدة فلا يلتفت لذلك على أنه لو سلم صدقه لم يكن مبيحا لإخراج ألفاظ القرآن عما كتبت عليه، وأجمع عليها السلف والخلف. (الفتاوى الفقهية الكبرى -ابن حجر الهيتمي (م: ٩٧٤هـ): ١/ ٣٨، كتاب الطهارة، باب النجاسة، ط: المكتبة الإسلامية)

(٢) وفيه (أي الكافي) إن اعتاد القراءة بالفارسية، أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع، وإن فعل في آية أو آيتين لا، فإن كتب القرآن وتفسير كل حرف وترجمته جاز. (فتح القدير -ابن الهمام: ١/ ٢٨٦، ط: دار الفكر - بيروت)

کہ وہ بالکل ہی عربی پڑھنا نہیں جانتے۔ ’’گجراتی پنج سورہ‘‘ بھیج دیں اور یہ لکھ دیں کہ کسی عالم یا حافظ کے پاس بیٹھ کر عربی حروف ولہجہ کے موافق پڑھے اور ساتھ ساتھ اصل قرآن پڑھنا سیکھتا رہے، تو وہ جب اس طرح کوشش کرتا رہے گا، اس کے لیے گجراتی میں پڑھنا (مجبوری کی وجہ سے) جائز ہوگا، اگر عربی پڑھنے کی کوشش نہیں کرے گا اور اسی پر تکیہ کر کے بیٹھ جائے گا، تو پھر گجراتی میں پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] جس کنویں میں اوراق قرآن ڈالے گئے ہوں، اس کو بیت الخلاء کے لیے استعمال کرنا

۴۰۰-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنواں بہت پرانا ہے، جو بے کار پڑا ہوا ہے، اس کا پانی بھی بہت گندا ہے، پینے وغیرہ کسی کام میں نہیں آسکتا، اب اس کنویں کو بیت الخلاء کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ آج سے دو ایک سال پہلے اس میں قرآن مجید کے پرانے اوراق ڈالے گئے تھے، جو یقیناً اب تک گل کر ختم ہو گئے ہوں گے، مگر پھر بھی اس کے اثرات کی وجہ سے قرآن کی بے ادبی کا ایک گونہ خدشہ ہے؛ اس لیے اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا کنویں کا سارا پانی پہلے نکالنا ہوگا، یا ویسے ہی (علی حالہ) اس کو بیت الخلاء کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ ویسے بھی دیکھا جائے تو یہ کنواں ناپاک ہی ہے؛ کیوں کہ اس میں ایک مرغ گر گیا تھا اور کنواں اب تک پاک نہیں کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ مفصل ومدلل جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمختار میں لکھا ہے کہ جو دینی کتابیں اس قدر پرانی ہو جائیں کہ پڑھنے کے لائق نہ ہوں، ان کے لیے تین طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کیا جائے:

(۱) اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے ناموں کو دھو کر (یا نکال کر) باقی حصے کو جلا دیا جائے۔

(۲) دھوئے بغیر ان کو جلا دیا جائے۔ ______ (۳) ان کو دفن کر دیں۔

تیسری صورت زیادہ بہتر ہے (شامی: ۵/ ۲۷۳)[1]

---

(۱) الكتب التي لا ينتفع بها يمحى عنها اسم الله وملائكته ورسله ويحرق الباقي، ولا بأس بأن تلقى في ماء جار كما هي، أو تدفن وهو أحسن. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۴۲۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، فرع: يكره إعطاء سائل المسجد... الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

یہاں غور کا مقام ہے کہ صورت مسئولہ میں کتابیں نہیں ہیں؛ بل کہ قرآن مقدس کے مبارک اوراق ہیں۔

میری رائے میں ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کنویں کے پاس ایک قدآدم گڑھا کھود کر اس کنویں کا سارا پانی میں اس میں ڈالا جائے، پھر اگر کچھ اوراق نکلتے ہیں تو ان کو اسی گڑھے میں یا الگ کسی جگہ قبرستان وغیرہ میں دفن کردیا جائے۔ اگر اوراق نہیں نکلتے ہیں، تو اس پانی میں مبارک اوراق کا جو اثر ہوگا وہ پاک جگہ میں مدفون ہوجائے گا، پھر اس کنویں کو استنجاء کے لیے آپ استعمال کرسکتے ہیں، اس طرح کرنے سے بے ادبی سے حفاظت ہوجائے گی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٩] ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ سے قران کریم اور وعظ سننا

۴٠١-سوال: کیا ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ سے قران کریم کی آیت سننا، اسی طرح اس میں ریکارڈ کرنا گناہ ہے؟ نیز ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ سے وعظ سن سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ وعظ میں بھی قرآن کی آیت اور اس کی تفسیر ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ سے قران کریم یا وعظ کا سننا جائز ہے، خواہ ریڈیو اور ٹیپ مستقل ہو، یا دونوں ایک ساتھ ہوں، البتہ موجودہ دور میں مذکورہ چیز کو وقت گزاری کا ذریعہ سمجھ کر قران کریم کی بے حرمتی کی جاتی ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، ایک طرف قرآن کریم کی تلاوت جاری ہے، وعظ و بیان ہورہا ہے اور سننے والا بات چیت یا ہنسی مذاق میں مشغول ہے، یہ بے حرمتی ہے، اس سے احتیاط لازم ہے۔ [1]

[٢٠] عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنی مدت صبر کرسکتی ہے

(ایک روایت کی تحقیق اور حضرت عمرؓ کے اپنی بیٹی سے سوال کرنے پر واقع ہونے والے اعتراض کا جواب)

۴٠٢-سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ذیل کی روایت کے بارے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''حضرت عمرؓ نے خود اپنی لڑکی حفصہ سے یہ پوچھا کہ ایک عورت شوہر کے بغیر کتنی مدت ٹھہر سکتی ہے''۔

ہمیں اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جیسا شخص- جس نے حضور ﷺ کی خدمت میں سالہا

(١) ومن حرمة القرآن أن لا يقرأ في الأسواق، وفي موضع اللغو، كذا في القنية. (الهندية: ٥/ ٣١٦، كتاب الكراهية، الباب الرابع: من آداب المسجد والتسبيح والقراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

سال تربیت پائی ہو، اور حضور ﷺ نے ان کا کیرکٹر اس قدر مضبوط بنا دیا ہو کہ ان کے تقویٰ وطہارت اور حسن اخلاق کی قسم کھائی جائے - خود اپنی لڑکی سے ایسی فحش بات دریافت کرے، اس بات کے تسلیم کرنے پر ہماری عقل گوارا نہیں کرتی، کیا ایک باپ اپنی لڑکی سے ایسی فحش بات پوچھتے شرمندگی محسوس نہیں کرے گا؟ اور لڑکی ایسا کہنے سے شرمندگی محسوس نہیں کرے گی؟

ایک عامی سے عامی شخص - خواہ وہ دنیا کی کسی بھی قوم سے تعلق رکھتا ہو - ایسی بات اپنی لڑکی سے پوچھ نہیں سکتا، کیا ہم اور آپ اپنی لڑکی سے ایسی بات پوچھ سکتے ہیں؟

اگر واقعۃً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی بات پوچھی ہو، تو ایسی فحش بات پوچھنے والے پر شریعت کا کیا حکم لگے گا؟

یہ روایت حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ اور اس کتاب کا درجہ صحت کے لحاظ سے کیا ہے؟ ہمیں تو اس روایت کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ حضرت عمرؓ جیسی شخصیت سے ایسے امور کا صدور میں ممکن ہی نہیں؛ بل کہ محال نظر آتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ شیعہ راویوں نے ایسی روایتیں خلفاء راشدین اور خصوصاً حضرت عمرؓ کو بدنام کرنے کے لیے وضع کر رکھی ہیں، اس لیے اس طرح کی روایات سے خلفاء راشدین کی توہین محسوس ہوتی ہے۔ کیا اس روایت میں بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ شیعہ راویوں نے حضرت عمرؓ کو بدنام کرنے کے لیے اپنی طرف سے روایات وضع کی اور اس کو ہمارے سیدھے سادھے محدثین نے غور وفکر کیے بغیر اپنی کتاب میں جمع فرما دیا۔

حضور ﷺ جب کبھی عورتوں کے مسائل بیان فرماتے، تو ازواج مطہرات سے دریافت فرما کر بیان فرماتے تھے، نہ کہ اپنی لڑکی فاطمہؓ سے؛ تو جب کہ حضرت عمرؓ حضور ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی قانون کو بنانے کے لیے ایسی فحش بات اپنی زوجہ سے پوچھنے کے بجائے اپنی لڑکی سے پوچھیں؟

ماسٹر موسیٰ گورا صاحب، ۱۷ء ۹ر ستمبر ۱۹۸۳ء

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس روایت کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے، وہ ''موطا إمام مالک'' کی ہے، جیسا کہ ''تفسیر ابن

کثیر میں مذکور ہے، نیز یہ روایت ''درمنثور'' اور ''تفسیر فی ظلال القرآن'' میں بھی ہے۔[1] لیکن آخر الذکر دونوں میں کتب حدیث میں سے کسی بھی کتاب کی طرف نسبت نہیں کی گئی ہے۔

''درمنثور'' میں اس کے علاوہ اور بھی روایات مذکور ہیں، جن عورتوں کا حضرت عمرؓ سے اپنی ازواج کے متعلق تذکرہ کرنا ثابت ہے، نیز مسئول عنہا روایت کے متعلق ''ابن کثیر اور درمنثور'' میں لکھا ہے کہ کثرت طرق کی وجہ سے مشہورات میں سے ہے، مثلاً ابن کثیر کی روایت اس طرح ہے: ''وقد ذكر الفقهاء و غيرهم -في مناسبة تأجيل المولى بأربعة أشهر - الأثر الذي رواه الإمام مالك بن أنس رحمه الله في الموطا عن عبد الله بن دينار، قال خرج عمر بن الخطاب من الليل، فسمع امرأة تقول. . . الخ''[2] پھر مفسر ابن کثیرؒ نے پوری روایت کو بیان فرمایا ہے۔

اس معنی کا مضمون ''درمنثور'' میں بھی ہے، ''درمنثور اور ابن کثیر'' میں ایک اثر اور بھی منقول ہے حضرت سائب بن جبیر مولی ابن عباسؓ سے، کہ میں ہمیشہ حضرت عمرؓ کی حدیث کے متعلق سنا کرتا تھا' جس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رات میں (عوام کی تحقیق حال کی خاطر گشت کے لیے) حضرت عمرؓ نکلے، (اور حضرت عمرؓ اس طرح نکلا کرتے تھے) کہ ایک عورت کو کہتے ہوئے سنا...... الخ، پھر پوری روایت کو بیان فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت اس وقت سے مشہور ہے، جیسا کہ ابن کثیرؒ نے اس کو مشہورات میں شامل فرمایا ہے: وقد روي هذا من طرق، وهو من المشهورات.[3]

---

(۱) وقد ذكر الفقهاء وغيرهم -في مناسبة تأجيل المولي بأربعة أشهر - الأثر الذي رواه الإمام مالك بن أنس - رحمه الله - في الموطأ، عن عمرو بن دينار، قال: خرج عمر بن الخطاب من الليل فسمع امرأة تقول:

تطاول هذا الليل واسود جانبه		وأرقني ألا خليل ألاعبه
فوالله لولا الله أني أراقبه		لحرك من هذا السرير جوانبه

فسأل عمر ابنته حفصة، رضي الله عنها: كم أكثر ما تصبر المرأة عن زوجها؟ فقالت: ستة أشهر أو أربعة أشهر. فقال عمر: لا أحبس أحدا من الجيوش أكثر من ذلك. (تفسير ابن كثير: ۱/ ۶۰۵، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

الدر المنثور في التفسير بالمأثور: ۱/ ۶۵۲، ط: دار الفكر - بيروت.

ظلال القرآن - سيد قطب إبراهيم حسين الشاربي (م: ۱۳۸۵ھ): ۱/ ۲۴۵، ط: دار الشرق - بيروت.

(۲) راجع رقم الهامش: ۱.

(۳) عن السائب بن جبير، مولى ابن عباس - وكان قد أدرك أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم - قال: ما زلت=

اب رہا یہ سوال کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی سے اس قسم کا سوال کس طرح فرمایا؟ تو اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہ ذات خود سوال فرمایا؛ بل کہ (غالب گمان یہ ہے کہ) کسی کے واسطے سے سوال فرمایا ہوگا، اور آمر ہونے کے بنا پر سوال کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف کی گئی ہو، جیسا کہ علم المعانی کا قاعدہ ہے کہ کبھی فعل اور معنیٰ فعل کی ''نسبت حقیقی'' کو چھوڑ کر غیر کی طرف ادنیٰ مناسبت سے کی جاتی ہے، جیسا کہ ایک مسلمان کہتا ہے: ''شفی الطبیب المریض ''(۴) طبیب نے مریض کو شفا دی، اگر قائل اس کا اعتقاد رکھتا ہو، تو ایمان سے نکل جائے گا، مگر کوئی بھی مسلمان، مسلم قائل پر کفر کا حکم تو کیا، ادنیٰ شک وشبہ بھی نہیں کرتا، شافیٔ حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں، ڈاکٹر اور طبیب اسباب کے درجے میں ہیں، ایسا ہی یہاں سائل حقیقی کوئی اور ہے؛ البتہ سبب سوال حضرت عمرؓ کے ہونے کی بنا پر مجازاً سوال کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف کی گئی، جیسا

=أسمع حديث عمر أنه خرج ذات ليلة يطوف بالمدينة، وكان يفعل ذلك كثيرا؛ إذ مر بامرأة من نساء العرب مغلقة بابها [وهي] تقول:

تطاول هذا الليل واسود جانبه	وأرقني ألا خليل ألاعبه
تطاول هذا الليل وازورّ جانبه	وأرقني ألا ضجيع ألاعبه
ألاعبه طورًا وطورًا كأنما	بدا قمرًا في ظلمة الليل حاجبه
يسرّ به من كان يلهو بقربه	لطيف الحشا لا يحتويه أقاربه
فوالله لولا الله لا شيء غيره	لنقض من هذا السرير جوانبه
ولكنني أخشى رقيبا موكلا	بأنفسنا لا يفتر الدهر كاتبه

ثم ذكر بقية ذلك كما تقدم، أو نحوه. وقد روي هذا من طرق، وهو من المشهورات. (المصدر السابق)

(۴) واعلم أن المجاز الحكمي كثير الوقوع في كلام رب العزة. قال عز من قائل "فما ربحت تجارتهم"، وقال: "وإذا تليت عليهم آياته زادتهم إيماناً"، وقال: "فمنهم من يقول أيكم زادته هذه إيماناً". وقال: "تؤتي أكلها كل حين"، وقال: "حتى تضع الحرب أوزارها"، وقال: "وأخرجت الأرض أثقالها" بإسناد الأفعال في هذه كلها على غير ما هي لها عند العقل كما ترى زائلا الحكم العقلي فيها عن مكانه الأصلي، إذ مكانه الاصلي إسناد الربح على أصحاب التجارة، وإسناد زيادة الإيمان على العلم بالآيات، وإسناد إيتاء أكل الشجرة على خالقها، وإسناد وضع أوزار الحرب على أصحاب الحرب، وإسناد إخراج أثقال الأرض على خالق الأرض، ... وفي "شفى الطبيب المريض" أصل الحكم شفى الله المريض عند علاج الطبيب. (مفتاح العلوم-يوسف بن أبي بكر بن محمد بن علي السكاكي الخوارزمي الحنفي أبو يعقوب (م:۶۲۶هـ)، ص:۳۹۷-۳۹۸، الفصل الخامس: في المجاز العقلي، ت: نعيم زرزور، ط: دار الكتب العلمية-بيروت-لبنان)

کہ طحاوی شریف کی روایت میں ہے کہ اکسال کے متعلق جب صحابہؓ میں اختلاف ہوا کہ غسل واجب ہے یا نہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے اولاً ایک شخص کو اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کے پاس بھیجا اور ان کو علم نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے آدمی بھیج کر دریافت فرمایا۔ (٥)

اسی طرح مذکورہ روایت میں بھی آدمی بھیج کر دریافت فرمایا گیا ہو؛ البتہ آمر ہونے کی وجہ سے سوال کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف ہوگئی اور سائل حقیقی کو حذف کر دیا گیا؛ اس طرح کے نظائر کتب حدیث میں موجود ہیں، مثلاً: حضرت علیؓ کی روایت جس میں سوال کیا گیا کہ مذی موجب غسل ہے یا نہیں؟ (٦) اس روایت میں سوال کی نسبت حضرت علیؓ طرف کی گئی ہے، حالاں کہ اس کے بعض طرق میں ہے کہ حقیقی سائل حضرت عمارؓ یا حضرت مقدادؓ تھے۔ (٧) ''علامہ کرمانیؒ'' نے فرمایا: کہ اگر سائل حضرت علیؓ کے علاوہ ہوں، تو یہ مراسیل صحابہ میں سے ہے۔ (٨)

---

(٥) عن معمر بن أبي حبيبة، قال: سمعت عبيد بن رفاعة الأنصاري، يقول: كنا في مجلس، فيه زيد بن ثابت، فتذاكرنا الغسل من الإنزال. فقال زيد: " ما على أحدكم إذا جامع فلم ينزل إلا أن يغسل فرجه، ويتوضأ وضوءه للصلاة. فقام رجل من أهل المجلس، فأتى عمر فأخبره بذلك. فقال عمر للرجل: اذهب أنت بنفسك فائتني به حتى يكون أنت الشاهد عليه. فذهب فجاء به، وعند عمر ناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فيهم علي بن أبي طالب، ومعاذ بن جبل رضي الله عنهما، فقال عمر: أنت عدو نفسك، تفتي الناس بهذا؟ فقال زيد: أم والله ما ابتدعته ولكني سمعته من عماي رفاعة بن رافع ومن أبي أيوب الأنصاري. فقال عمر لمن عنده من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: ما تقولون؟ فاختلفوا عليه. فقال عمر: يا عباد الله، فمن أسأل بعدكم وأنتم أهل بدر الأخيار؟ فقال له علي بن أبي طالب: فأرسل إلى أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، فإنه إن كان شيء من ذلك، ظهرت عليه. فأرسل إلى حفصة، فسألها فقالت: لا علم لي بذلك، ثم أرسل إلى عائشة رضي الله عنها فقالت: إذا جاوز الختان الختان، فقد وجب الغسل. فقال عمر رضي الله عنه عند ذلك: لا أعلم أحدا فعله، ثم لم يغتسل إلا جعلته نكالا ".
(شرح معاني الآثار، رقم الحديث: ٣٣٥-٣٣٨، كتاب الطهارة، باب الذي يجامع ولا ينزل، ط: عالم الكتب)

(٦) عن علي - رضي الله عنه - قال: سألت النبي - صلى الله عليه وسلم - عن المذي، فقال: من المذي الوضوء، ومن المني الغسل. (سنن الترمذي: ٣١/١، رقم: ١١٤، كتاب الطهارة، باب ما جاء في المني والمذي، ط: البدر - ديوبند)

(٧) قلت: ظاهر هذا السياق أنه سمعه من الرسول صلى الله عليه وسلم حيث لم يقل قال المقدام قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولئن سلمنا عدم ظهوره فحكمه حكم مرسل الصحابي. (صحيح أبي عبد الله البخاري بشرح الكرماني: ٢/ ١٩٣، كتاب العلم، باب من استحيا فأمر غيره بالسؤال، ط: دار إحياء التراث العربي)

(٨) وجمع ابن حبان بين هذا الاختلاف، بأن عليا أمر عمارا أن يسأل، ثم أمر المقداد بذلك، ثم سأل بنفسه، وهو جمع جيد إلا بالنسبة إلى آخره لكونه مغاير القوله إنه استحيى عن السؤال بنفسه لأجل فاطمة، فيتعين حمله على =

اس قسم کے مجازات شائع ہیں: لہٰذا حضرت علی کی طرف نسبت آمر ہونے کی وجہ سے ہے، اور سائل حقیقی حضرت عمار بن یاسرؓ یا حضرت مقدادؓ ہیں۔

اس توجیہ پر یہ سوال کہ اپنی زوجہ سے کیوں سوال نہیں کیا؟ بیٹی (حضرت حفصہؓ) سے کیوں کیا؟ تو ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے سوچا ہو کہ حضرت حفصہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ چکی ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس باب میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو؛ اس لیے بیوی کے بجائے صاحب زادی سے سوال کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے سوال کی بنیاد حیاء پر ہے؟ کہ حضرت عمرؓ نے بیٹی سے سوال کے وقت حیاء نہیں کی، تو اس قسم کے امور کو حیاء شرعی میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے۔

آپ کا یہ دعویٰ کہ دنیا کے کسی بھی قوم کا کوئی بھی شخص اس قسم کے سوال اپنی لڑکی سے نہیں کرتا ہے، یہ (دعویٰ) صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کے خلاف موجود ہے؛ اس لیے کہ دنیا میں ایسی اقوام بھی موجود ہیں، جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ محارم تک سے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں، چہ جائے کہ اس قسم کے سوالات؟ اور فی زمانناتو یہ بالکل عیاں ہے، مثلاً مجوس۔ (عین الہدایہ ج: ۲/ص: ۱۱۰)۔[9]

حیاء کا معنی لغت کے اعتبار سے ہے: "تغير وانكسار يعتري الإنسان من خوف مايعاب به، ويذم وقد يعرف أيضاً بانه انحصار النفس خوف ارتكاب القبائح".[10] یعنی انسان پر کسی معیوب ومذموم چیز کے خوف سے تغیر وانکساری کا طاری ہونا۔

اور شرع میں اس کا معنی ہے: "خلق يبعث على اجتناب القبيح ويمنع من التقصير في حق ذي الحق".[11] یعنی وہ خُلُقِ حسن، جو قبائح سے اجتناب کا باعث ہو اور صاحب حق کے حق میں تقصیر سے مانع ہو۔

"امام راغبؒ" نے فرمایا: "الحياء انقباض النفس عن القبيح".[12] یعنی نفس کا قبائح سے منقبض

=المجاز، بأن بعض الرواة أطلق أنه سأل لكونه الآمر بذلك وبهذا جزم الإسماعيلي ثم النووي. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۱/ ۳۸۰، باب غسل المذي والوضوء منه، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۹) عين الهداية: ۲/ ۱۲، فصل في بيان المحرمات، ط: زكريا ديوبند.

(۱۰) عمدة القاري: ۱/ ۱۲۶، باب أمور الإيمان، ط: دار إحياء التراث العربي.

(۱۱) وفي الشرع خلق يبعث على اجتناب القبيح، ويمنع من التقصير في حق ذي الحق. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲هـ): ۱/ ۵۲، باب أمور الإيمان، ط: دار إحياء التراث العربي*عمدة القاري: ۱/ ۲۹، باب أمور الإيمان)

(۱۲) قال الراغب: الحياء انقباض النفس عن القبيح. (فتح الباري-ابن حجر: ۱/ ۷۴)

معجم مفردات ألفاظ القرآن الكريم، ص: ۱۵۲، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

ہونا۔

بعض نے کہا ہے: "هو انقباض النفس خشية ارتكاب مايكره". [۱۳] یعنی نفس کا منقبض ہونا مکروہ امر کے ارتکاب کی خشیت سے۔

"علامہ حلیمیؒ" فرماتے ہیں: "خوف الذم بنسبة الشر إليه" [۱۴] یعنی شر کے منسوب ہونے کی مذمت سے ڈرنا؛ یہ تو تھی حیاء کی لغوی وشرعی تحقیق۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیاء شرعی وہ ہے: جو انسان کو امور خیر کے کرنے کا باعث ہو اور امور شر کے ارتکاب سے مانع ہو، اور یہ محمود ہے؛ لیکن اگر حیاء امور خیر کے اکتساب وتحصیل سے مانع ہو، تو یہ حیاء مذموم ہے؛ بل کہ حقیقت میں بزدلی اور ضعف وکمزوری ہے: "وأماما وقع سببا لترك أمر شرعي فهو مذموم، وليس بحياء شرعي؛ بل هو ضعف ومهانة، الحياء في العلم لا ينبغي، ومثله لا يسمى حياء اشرعيأ بل ضعف، فان الحياء إذا كان عن تحصيل العلم؛ فهو مذموم". [۱۵] مطلب یہ کہ جو حیاء امر شرعی کے ترک کا سبب ہو یا حصولِ علم سے مانع ہو، وہ حیاء نہیں ہے؛ بل کہ ضعف وعجز ہے۔

"علامہ کرمانیؒ" نے تحریر میں فرمایا ہے: یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ حیاء انسان کو حق بات کی مواجہت سے مانع ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حیاء نہیں؛ بل کہ بزدلی اور ضعف وکمزوری ہے۔

وقديستشكل من حيث أن صاحب الحياء قد يستحى أن يواجه الحق فيترك أمره بالمعروف ونهيه عن المنكر، والجواب أنه ليس حياء أحقيقيا بل هو عجز ومهانة وضعف. [۱۶]

"بخاری شریف" کتاب العلم میں امام بخاریؒ نے باب منعقد فرمایا ہے: **"باب الحياء في العلم"** اس باب کے تحت حضرت عائشہؓ کا اثر بیان فرمایا ہے، جس میں حضرت عائشہؓ نے انصار کی عورتوں کی تعریف

---

(۱۳) وقال غيره هو انقباض النفس خشية ارتكاب ما يكره أعم من أن يكون شرعيا أو عقليا أو عرفيا ومقابل الأول فاسق والثاني مجنون والثالث أبله. (فتح الباري: ۱/ ۷۴-۷۵)

(۱۴) المصدر السابق.

(۱۵) لامع الدراري شرح جامع البخاري: ۱/ ۶۵، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند.

(۱۶) صحيح أبي عبد الله البخاري بشرح الكرماني: ۱/ ۸۴، باب أمور الإيمان.

فرمائی ہے کہ ان کی حیاء تفقہ فی الدین سے مانع نہیں ہے۔ (۱۷) اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ کی اس روایت کو بھی بیان فرمایا ہے: جس میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے نبی کریم ﷺ سے احتلام سے غسل واجب ہونے کے متعلق سوال فرمایا، اور سوال سے قبل ایک تمہید قائم کی: کہ اللہ تعالیٰ حق سے حیاء نہیں فرماتے، بل کہ حق بیان فرما دیتے ہیں، اسی طرح میں بھی حق بات پوچھنے سے حیاء نہیں کروں گی، بل کہ پوچھ لوں گی ایسا سوال، جس سے عورتیں عادۃً حیاء کرتی ہیں۔

''إن الله لا يستحي من الحق أي لا يمتنع من بيان الحق، فكذا أنا لا امتنع من سؤال عما أنا محتاجة إليه مما تستحي النساء في العادة''. (۱۸) معلوم ہوا کہ بعض امور حیاء میں شمار کیے جاتے ہیں؟ اگر حیاء ایسی ہے کہ امور خیر و تفقہ فی الدین سے مانع نہیں ہے، تو وہ محمود ہے؛ لیکن اگر مانع ہے، تو حقیقت میں وہ حیاء نہیں ہے، بل کہ عجز و ضعف ہے۔

اس حدیث سے ''علامہ عینیؒ'' نے چند احکام مستنبط فرمائے ہیں؛ ان میں سے سب سے پہلا حکم یہ بیان فرمایا: کہ حیاء کو ترک کرنا جب کوئی مسئلہ پیش آ جائے: ''ترك الحياء لمن عرفت عليه المسئلة''. (۱۹)
علامہ کرمانیؒ نے لکھا ہے کہ حیاء کا تقاضا ہے کہ حقائق سے نہ رُکا جائے: ''وفيه أن الحياء يقتضي أن لا يمنع من طلب الحقائق''. (۲۰)

اس قسم کی ایک روایت حضرت علیؓ کی بھی ہے، جس میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ سے ''خروج

---

(۱۷) وقالت عائشة: »نعم النساء نساء الأنصار لم يمنعهن الحياء أن يتفقهن في الدين«. (رواه البخاري تعليقا في كتاب العلم، باب الحياء في العلم، ۱/ ۲۴، ط: البدر ديوبند)

(۱۸) عن أم سلمة، قالت: جاءت أم سليم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله إن الله لا يستحيي من الحق، فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت؟ قال النبي صلى الله عليه وسلم: »إذا رأت الماء« فغطت أم سلمة، تعني وجهها، وقالت: يا رسول الله أو تحتلم المرأة؟ قال: »نعم، تربت يمينك، فبم يشبهها ولدها«. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۴، رقم الحديث: ۱۳۰، كتاب العلم، باب الحياء في العلم، ط: البدر ديوبند)

قال العيني: قوله إن الله لا يستحي أي لا يمتنع من بيان الحق فكذا أنا لا أمتنع من سؤالي عما أنا محتاجة إليه مما تستحي النساء في العادة من السؤال عنه. (عمدة القاري: ۲/ ۲۱۲، باب الحياء في العلم)

(۱۹) ترك الاستحياء لمن عرضت له المسئلة. (عمدة القاري: ۲/ ۲۱۲، كتاب العلم، باب الحياء في العلم، ط: دار المعرفة بيروت)

(۲۰) صحيح أبي عبد الله البخاري بشرح الكرماني: ۲/ ۱۹۰، كتاب العلم، باب الحياء في العلم.

المذي'' سے غسل واجب ہونے کے متعلق سوال فرمایا۔[21] اور مذی کا خروج عامۃً ''ملاعبة المرأة'' سے ہوتا ہے، اس روایت پر اگرچہ بایں طور کلام ہے کہ اس کے بعض طرق میں سائل حضرت علیؓ ہیں، بعض میں حضرت مقدادؓ ہیں اور بعض میں حضرت عمارؓ ہیں۔[22] لیکن علامہ عینیؒ نے ان میں تطبیق دی ہے: اولاً ان دونوں کو سوال کرنے کے لیے بھیجا، بعد میں خود گئے۔[23] اور حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس کو تعدد واقعات پر محمول کیا جائے گا۔[24] بہر حال اس سے حضرت علیؓ کا بہ ذات خود سوال کرنا ثابت ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان امور کو حیاء شرعی میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے، ورنہ اشکال ہوگا کہ داماد اپنے خسر سے اس قسم کے سوال کس طرح کرسکتا ہے، صرف اتنا ہی نہیں، بل کہ انصار کی عورتیں خود آکر اس قسم کے سوالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتیں تھیں، اور ماقبل میں ''درمنثور'' [25] کے حوالہ سے گزرا کہ عورتیں حضرت عمرؓ سے اپنے ازواج کے متعلق تذکرہ کیا کرتیں تھیں؛ اگر یہ حقیقت میں حیاء شرعی ہوتی، تو ان کو خود آکر سوال کرنے کے بجائے اپنے ازواج کے واسطہ سے سوال کرنا چاہیے تھا، نیز ایک مرتبہ حضرت موسیٰ اشعریؓ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک مسئلہ دریافت کرنے گئے، اور حیاء محسوس کی، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو سوال تم اپنی ماں سے کرتے، وہ خود مجھ سے دریافت کرلو۔ (موطا امام مالک، ص:۱۷)

ان کے علاوہ اور بھی واقعات وروایات ہیں، کہ حیاء کے معنیٰ نہ سمجھنے کی وجہ سے ان سب واقعات وروایات پر اعتراض ہوگا؛ لہٰذا حضرت عمرؓ نے واقعۂ مذکورہ بالا سے حقیقت مسئلہ جاننے کے لیے اپنی صاحبزادی سے سوال فرمایا ہو، یہ حیاء کے خلاف نہیں ہے، حیاء کا معنیٰ، مذکورہ تصریحات کے مطابق جو شخص بھی سمجھ لے گا، اشکال خود حل ہوجائے گا۔ أكثر مباحثها مأخوذة من فتح الباري: ۱/ ۵۸، وایضاً: ۱/ ۸۱، وایضاً: ۱/ ۲۹۱، و ایضاً: ۱/ ۳۹۴ ☆ عمدة القاري، ۱/ ۱۲۹، و ایضاً: ۲/ ۱۷۵، و ایضاً: ۲/ ۱۱۰، ☆ كرماني: ۱/ ۸۴، و ایضاً: ۱/ ۱۲۰، وایضاً: ۱/ ۱۵۹، لامع: ۱/ ۶۵، وغيرها من الكتب المذكورة. فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

۵/ محرم ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۹۸۳ء بروز جمعرات

---

(۲۱) عن علي بن أبي طالب، قال: كنت رجلا مذاء فأمرت المقداد بن الأسود أن يسأل النبي صلى الله عليه وسلم فسأله، فقال: »فيه الوضوء«. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۴-۲۵، رقم: ۱۳۲، كتاب العلم، باب من استحيا فأمر غيره بالسؤال، ط: البدر-دیوبند)

(۲۲) انظر للبسط فتح الباري: ۱/ ۳۷۹-۳۸۰، باب غسل المذي والوضوء منه، ط: دار المعرفة.

(۲۳) وجمع ابن حبان بين هذا الاختلاف أن عليا سأل عمارا أن يسأل، ثم أمر المقداد بذلك، ثم سأل بنفسه. (عمدة القاري: ۳/ ۲۱۹، باب غسل المذي والوضوء منه، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲۴) ابن حجرؒ کی یہ بات مجھے نہیں مل سکی، بل کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تقریباً وہی بات لکھی ہے، جو علامہ عینیؒ کے حوالے سے مذکور ہوئی۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری ۱/ ۳۸۰، باب غسل المذي والوضوء منه، ط: دار المعرفة۔

(۲۵) حاشیہ نمبر: (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

[۲۱] نماز میں قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا

۴۰۳-سوال: نفل نماز میں قرآن شریف میں سے دیکھ کر قراءت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے یہاں ایک شخص نفل نماز میں قرآن شریف آگے رکھ کر پڑھتا ہے، اور رکوع، سجدہ کرتا ہے، پھر واپس دوسری رکعت میں قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قراءت کرتا ہے، تو کیا چاروں اماموں میں سے کسی امام کے نزدیک نفل نماز میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا جائز ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

امام شافعیؒ کے قول کے مطابق اگر کوئی شخص نماز میں قرآن شریف سے دیکھ کر پڑھے تو، نماز صحیح ہوجائے گی۔ (شامی: ج ۱/ص ۵۸۵)[۱] امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق مکروہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اگر قرآن شریف اٹھا کر پڑھے گا، تو نماز فاسد ہوجائے گی۔[۲] واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] کسی گھر جا کر قرآن پڑھنا

۴۰۴-سوال: غیر مسلم کے گھر یا دکان میں قرآن پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

دنیوی لالچ سے قرآن شریف پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔[۳] غیر مسلم سے رقم حاصل کرنے کے لیے

---

[۱] وجوّزه الشافعي بلا كراهة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۲۴، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] (وقراءته من مصحف) أي ما فيه قرآن (مطلقا) لأنه تعلم إلا إذا كان حافظا لما قرأه وقرأ بلا حمل. (الدر المختار) ———— و قال الشامي (م: ۱۲۵۲هـ): (قوله لأنه تعلم) ذكروا لأبي حنيفة في علة الفساد وجهين. أحدهما: أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير. والثاني أنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غيره. وعلى الثاني لا فرق بين الموضوع والمحمول عنده، وعلى الأول يفترقان، وصحح الثاني في الكافي تبعا لتصحيح السرخسي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۲۳ - ۶۲۴، كتاب الطهارة، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، دار الفكر - بيروت)

(و كذا في الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۱، كتاب الصلاة، الباب السابع: فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر)

(۳) وقراءة القرآن للدنيا مكروهة، والأفضل أن لا يعطى القارئ شيئا. (البناية شرح الهداية: ۱۲/ ۲۳۷، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، التعشير والنقط، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ رد المحتار: ۶/ ۵۶، مطلب في الاستيجار على المعاصي، ط: دار الفكر - بيروت)

ہی پڑھے گا؛ لہٰذا مکروہ تحریمی ہے، اس مقصد کے لیے مسلمان کے گھر ہی کیوں نہ پڑھے، مکروہ تحریمی ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] اسلام کے تعارف کے طور پر کسی غیر مسلم کے عمدہ جملے کو پیش کرنا

۴۰۵-سوال: ایک غیر مسلم نے اپنی کتاب کے اخیر میں پوری کتاب کا خلاصہ ایک سطر میں اس طرح بیان کیا ہے ''جو خود کو مناسب نہ لگے، ایسا برتاؤ دوسروں کے ساتھ نہ کرنا چاہیے'' تو کیا ہم اسلام کے تعارف میں، اس مختصر جملہ کو- جسے ایک غیر مسلم نے بتلایا ہے-لکھا ہے، کسی دوسرے غیر مسلم کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

''جو خود کو مناسب نہ لگے، ایسا برتاؤ دوسروں کے ساتھ نہ کرنا چاہیے'' ویسے تو یہ خلاصہ جو مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، اس کا مفہوم اور مطلب تو ہر آدمی سمجھتا ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی سمجھ دار آدمی انتہائی غور و فکر کے بعد اس طرح کی بات کہہ سکے، تاہم اس جملہ میں جو نور و کشش کی کیفیت ہے، وہ کسی کافر کے ظلمت بھرے دل سے نہیں نکل سکتی، بات دراصل یہ ہے کہ آج کل بہت سے سادھو سنت اسلامی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان میں سے اس طرح کی باتوں اور قصوں کو اسلامی کتاب کا حوالہ دیے بغیر بیان کر دیتے ہیں۔

چناں چہ مذکورہ خلاصہ بھی درحقیقت بلند ترین اخلاق کے سرتاج حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں کے لیے وہی پسند کرو، جو اپنے لیے پسند کرو، جو چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اسے دوسروں کے لیے بھی پسند مت کرو۔ (مسند احمد)[1]

پوری حدیث شریف اس طرح ہے:

حضرت معاذؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اسلام کی خصلتوں میں سے کون سی خصلت سب سے

(۱) عن معاذ أنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن أفضل الإيمان قال: "أن تحب لله، وتبغض لله، وتعمل لسانك في ذكر الله". قال: وماذا يا رسول الله؟ قال: "وأن تحب للناس ما تحب لنفسك وتكره لهم ما تكره لنفسك". (مسند الإمام أحمد بن حنبل - أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (م: ۲۴۱ھ): ۳۶/۳۴۵، رقم الحديث: ۲۲۱۳۰، حديث معاذ بن جبل، ت: شعيب الأرنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱م)

زیادہ بلند ہے، تو ارشاد ہوا کہ تم اللہ ہی کے لیے محبت رکھو، اور اللہ ہی کے لیے دشمنی رکھو اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں تروتازہ رکھو۔ حضرت معاذؓ نے دریافت کیا اس کے بعد کون سی چیز افضل ہے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کے لیے وہی پسند کرو، جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، اور لوگوں کے لیے مت پسند کرو وہ چیز، جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ ایک حدیث میں ہے جب تیرا کوئی بھائی غیر حاضر ہو، تو اس کا تذکرہ اس طرح کرو، جس طرح تم اپنا تذکرہ چاہتے ہو، اور لوگوں سے درگزر کرو جیسا کہ تم دوسروں سے درگزر کے خواہاں رہتے ہو۔ (الترغیب صفحہ ۵۶۰) (۲)

ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زنا (بدکاری) کی اجازت عطا فرمایئے، میں مجبور ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی تیری ماں کے ساتھ ایسا سلوک کرے، اس نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ، پھوپی وغیرہ رشتہ داروں کے متعلق دریافت فرمایا، اس شخص کا جواب ہر ایک کے متعلق نفی میں تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اپنی والدہ وغیرہ کے لیے اس کو پسند نہیں کرتے۔ (فضائل اعمال) (۳)

الغرض وہ جملہ درحقیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات واقوال سے ماخوذ ہے، اس لیے اسلام کے تعارف میں اس کو پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کہ یہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا ہی پیش کرنا ہے، اور اسی نیت سے غیر مسلموں کے سامنے اسے پیش کیا جانا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] حدیث پاک کے مفہوم کو ''اقوالِ زریں'' کے ماتحت لکھنا

۴۰۶-سوال: اگر ہمیں کسی حدیث کے بارے میں مکمل واقفیت نہیں ہے، تو اس حدیث کی

---

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال سمعته يقول: خمس لهن أحسن من الدهم الموقفة، لا تكلم فيما لا يعنيك، فإنه فضل ولا آمن عليك الوزر، ولا تكلم فيما يعنيك حتى تجد له موضعا، فإنه رب متكلم في أمر يعنيه قد وضعه في غير موضعه فعيب، ولا تمار حليما ولا سفيها، فإن الحليم يقليك وإن السفيه يؤذيك، واذكر أخاك إذا تغيب عنك بما تحب أن يذكرك به، وأعفه مما تحب أن يعفيك منه، واعمل عمل رجل يرى أنه مجازى بالإحسان مأخوذ بالإجرام. (الترغيب والترهيب-عبد العظيم بن عبد القوي بن عبد الله، أبو محمد، زكي الدين المنذري (م:۶۵۶ھ): ۳/ ۳۴۳، رقم الحديث: ۴۳۵۶، ت: إبراهيم شمس الدين، ط: دار الكتب العلمية-بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۷ء)

(۳) فضائل اعمال، فضائل تبلیغ-حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ-۲۲، فصل رابع، ط: ایم، ایس، پبلیشرز، دیوبند۔

عبارت کو ''اقوالِ زریں'' کے عنوان کے ماتحت لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً یہ کہ طہارت آدھا ایمان ہے۔ عورت اور شراب لوگوں کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ اس جیسے حدیث کے مفہوم کو اقوالِ زرین کے ماتحت ذکر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

احادیثِ مبارکہ کے مفہوم کو حدیث شریف کے عنوان کے ماتحت اسی وقت لکھنا چاہیے، جب کہ اس حدیث کا حوالہ بھی معلوم ہو، اگر حوالہ معلوم نہ ہو تو اسے اقوالِ زریں وغیرہ کسی بھی اور عنوان کے ماتحت ذکر کرنا جائز ہے، لیکن اگر یہی عادت بنالی جائے تو پھر پوری تحقیق کے بعد حدیث شریف لکھنی چاہیے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] مکان، دکان اور گھر کی صفائی برکت کا سبب ہے (الف)

۴۰۷-سوال: مکان، دکان کی صفائی سے رزق میں برکت ہوتی ہے اور صفائی نہ کرنے سے رزق میں کمی ہوتی ہے، کیا یہ بات قران وحدیث سے ثابت ہے؟

اکثر لوگ صبح کے وقت دکان کے کونے کونے سے گرد وغبار کے ذرّے کو نکال کر اور اگربتی سلگا کر غیروں کے رسم ورواج کو اپناتے ہیں، تو کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

حدیث شریف میں ہے کہ پاکی اور صفائی وستھرائی ایمان کا حصہ ہے۔ (۲) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اپنے گھر کے آنگن کو صاف رکھو اور یہودیوں کی طرح گندہ نہ رکھو۔ (۳) مذکورہ احادیث مبارکہ سے معلوم

---

(۱) اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جھوٹی حدیث منسوب کرنا گناہ کبیرہ ہے: عن المغيرة رضي الله عنه، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: »إن كذبا علي ليس ككذب على أحد، من كذب علي متعمدا، فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۷۲، رقم الحديث: ۱۲۹۱، كتاب الجنائز، باب مايكره النياحة على الميت، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن أبي مالك الأشعري، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: »الطهور شطر من الإيمان، والحمد لله تملأ الميزان، وسبحان الله، والله أكبر، تملأ ما بين السماوات والأرض". (السنة- أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون الخلّال البغدادي الحنبلي (م: ۳۱۱ھ): ۵/ ۲۳، رقم الحديث: ۱۵۱۰، باب مناكحة المرجئة، ت: د. عطية الزهراني ط: دار الراية - الرياض، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۰ھ-۱۹۸۹م)

(۳) عن صالح بن أبي حسان، قال: سمعت سعيد بن المسيب يقول: »إن الله طيب يحب الطيب، نظيف يحب النظافة، كريم يحب الكرم، جواد يحب الجود، فنظفوا - أراه قال - أفنيتكم ولا تشبهوا باليهود« قال: فذكرت ذلك لمهاجر بن مسمار، فقال: حدثنيه عامر بن سعد بن أبي وقاص، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله، إلا أنه قال: »نظفوا أفنيتكم. (سنن الترمذي: ۲/ ۱۰۷، رقم الحديث: ۲۷۹۹، أبواب الأدب، باب ماجاء في النظافة، ط: البدر - ديوبند)

ہوا کہ صفائی بہت اچھی چیز ہے، نیز اس سے بہت سی بیماریاں دور ہوتی ہے اور رزق میں برکت ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ کے دن یعنی ہفتہ میں کم از کم ایک دن تو ضرور غسل کرنا چاہیے اور جمعہ وعید عبادت کا دن ہے؛ لہٰذا اس دن غسل کرنا بہتر ہے، روزانہ غسل کرے، تو بہت ہی اچھا ہے، ہر ہفتہ ناخن کاٹنا چاہیے، جس شخص کے ناخن بڑے رہتے ہیں اس کے رزق میں تنگی رہتی ہے، مسواک کرنے سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ (درمختار، جلد: ۶، ص: ۲۰۵)۔[1]

اس لیے یہ بات تو شرعاً ثابت ہے کہ گھر اور بدن کی صفائی سے برکت ہوتی ہے، ہاں غلط رسم ورواج کا اختیار کرنا ممنوع ہے، مگر گھر میں خوشبو رکھنا اچھی بات ہے، اگربتی یا لوبان کی خوشبو بھی اچھی ہے، اس سے بعض زہریلے جانور بھاگ جاتے ہیں؛ لیکن اگربتی کافروں کی خاص نشانی ہوگئی ہے؛ لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور خوشبو رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (ويستحب قلم أظافيره يوم الجمعة) وكونه بعد الصلاة أفضل إلا إذا أخره إليه تأخيرا فاحشا فيكره لأن من كان ظفره طويلا كان رزقه ضيقا وفي الحديث «من قلم أظافيره يوم الجمعة أعاذه الله من البلايا إلى الجمعة الأخرى ...(و) يستحب (حلق عانته وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة) والأفضل يوم الجمعة وجاز في كل خمسة عشرة وكره تركه وراء الأربعين. (الدر المختار: ٦/ ٤٠٥، ٤٠٦، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴۳ [۱۶-النحل:۴۳]

علمی اصطلاحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[علمی اصطلاحات]

[۱] خبر متواتر اور خبر واحد کسے کہتے ہیں؟

۴۰۸-سوال: خبر متواتر اور خبر واحد کسے کہتے ہیں، کیا حدیثِ متواتر کا منکر کافر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متواتر کی تعریف: وہ حدیث: جسے ہر طبقے میں اتنے لوگ روایت کریں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا یا ان سے اتفاقاً جھوٹ کا صدور عادتاً محال ہو۔ حدیث متواتر کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

خبر واحد کی تعریف: جس کو روایت کرنے والے اتنے لوگ ہوں، جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادتاً محال نہ ہو، اس کا حکم یہ کہ اس کا انکار کرنا فسق ہے اور منکر گنہ گار ہوگا؛ اگر کچھ تاویل کر کے اس پر عمل نہ کرے تو فاسق بھی نہ ہوگا۔ (۱)

نوٹ: مذکور تحریر میں چوں کہ علمی اصطلاحات مذکور ہیں، اس لیے آپ کسی ذی استعداد عالم سے پڑھوا کر سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

[۲] واجب کسے کہتے ہیں؟

۴۰۹-سوال: فرض: وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر ضروری قرار دیا ہو۔۔۔۔ سنتِ

---

(۱) الحديث إما متواتر، وهو ما رواه جماعة عن جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب، فمن أنكره كفر... و خبر الواحد: وهو أن يرويه واحد عن واحد، فلا يكفر جاحده، غير أنه يأثم بترك القبول إذا كان صحيحا أو حسنا. (شرح الفقه الأكبر - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ١٠١٤هـ)، ص: ٢٠٣، قبيل: لا يصلى على غير الأنبياء والملائكة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

مؤکدہ: اس کو کہتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ چھوڑا ہو؛ لیکن "واجب" کسے کہتے ہے؟ اس کی رہبری فرما کر کرم فرمائیں۔

مستفتی: محمد یوسف

الجواب حامداومصلیا:

فرض: دلیل قطعی (یعنی قرآن اور حدیث متواتر سے ثابت ہو) اور حدیث متواتر (ہر طبقے میں اتنے لوگ روایت کریں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا یا ان سے اتفاقاً جھوٹ کا صدور عادتاً محال ہو) سے جو حکم ثابت ہوتا ہے، اسے فرض کہا جاتا ہے، اور فرض کا انکار کرنے والا کافر ہو جائے گا۔[1] اسی طرح حدیث متواتر کا انکار کرنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔[2]

واجب: جو فرض کی طرح دلیل قطعی سے ثابت نہ ہو؛ بل کہ اس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو، یعنی اس میں کوئی دوسری تاویل کی بھی گنجائش ہو؛ اس کا انکار کرنے والا اور چھوڑنے والا دونوں ہی فاسق ہوں گے؛ اسی لیے اس کو فرض عملی بھی کہا جاتا ہے، واجب پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے؛ تاہم انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا۔[3]

سنتِ مؤکدہ: جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مواظبت ثابت ہو، اور کبھی آپ نے اس وجہ سے ترک بھی کیا ہو کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے۔

---

(۱) فالفرض اسم لمقدر شرعا لا يحتمل الزيادة والنقصان، وهو مقطوع به لكونه ثابتا بدليل موجب للعلم قطعا من الكتاب أو السنة المتواترة أو الاجماع، وحكم هذا القسم شرعا أنه موجب للعلم اعتقادا باعتبار أنه ثابت بدليل مقطوع به ولهذا يكفر جاحده. (أصول السرخسي - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱/۱۱۱، فصل في بيان المشروعات من العبادات وأحكامها، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۲) الحديث إما متواتر، وهو ما رواه جماعة عن جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب، فمن أنكره كفر. (شرح الفقه الأكبر - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۲۰۳، قبيل: لا يصلى على غير الأنبياء والملائكة، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۳) فأما الواجب فهو ما يكون لازم الاداء شرعا ... وما كان ثابتا بدليل موجب للعمل غير موجب للعلم يقينا باعتبار شبهة في طريقه يسمى واجبا. فيثبت حكم هذا القسم بحسب دليله وهو أنه لا يكفر جاحده؛ لأن دليله لا يوجب علم اليقين، ويجب العمل به؛ لان دليله موجب للعمل ويضلل جاحده إذا لم يكن متأولا؛ بل كان راد الخبر الواحد، فإن كان متأولا في ذلك مع القول بوجوب العمل بخبر الواحد فحينئذ لا يضلل. (أصول السرخسي - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱/ ۱۱۲، فصل في بيان المشروعات من العبادات وأحكامها، ط: دار المعرفة - بيروت)

اعلم أن المشروعات أربعة أقسام، فرض وواجب وسنة ونفل، فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع الترك إن كان مما واظب عليه الرسول - صلى الله عليه وسلم - أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب ونفل. (رد المحتار: ۱/ ۱۰۲، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ط: دار الفكر)

سنتِ زوائد: یعنی مستحب، جس کا کرنا لازم نہ ہو؛ بل کہ کبھی کرے اور کبھی چھوڑے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] فرض عین کو چھوڑ کر سنت پر عمل کرنا

۴۱۰-سوال: کسی فرض عین کو چھوڑ کر سنت پر عمل کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض کو ترک کرنا حرام ہے، چاہے سنت پر عمل کرے یا نہ کرے، ترک فرض کا گناہ لازم آئے گا۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] واجب، فرض اور سنت کی تعریف وحکم

۴۱۱-سوال: ''فرض'' اسے کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو۔ ''سنت مؤکدہ'' وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ چھوڑا ہو؛ ''واجب'' کی تعریف اور اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''فرض'' وہ ہے، جو قطعی دلیل یعنی قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہو۔ (۳)

احادیث متواترہ وہ احادیث ہیں، جن کے روایت کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان کا

---

(۱) والسنة لغة الطريقة، ولو سيئة، واصطلاحا الطريقة المسلوكة في الدين من غير لزوم على المواظبة، وهي المؤكدة إن كان النبي - صلى الله عليه وسلم - تركها أحيانا، وأما التي لم يواظب عليها فهي المندوبة. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ)، ص:۳۱، فصل: في سنن الوضوء، ط: المكتبة العصرية)

في التلويح ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة، لقوله - عليه الصلاة والسلام -: "من ترك سنتي لم ينل شفاعتي. وفي التحرير: إن تاركها يستوجب التضليل واللوم، والمراد الترك بلا عذر على سبيل الإصرار كما في شرح التحرير لابن أمير حاج. (رد المحتار: ۱/ ۱۰۴، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) لايجوز ترك الفرض لإقامة ماليس بفرض. (البناية شرح الهداية-بدر الدين العيني (م:۸۵۵ھ): ۲/ ۳۲۲، كتاب الصلاة، قراءة المؤتم خلف الإمام، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولا يجوز ترك الفرض بالسنة. (الحاوي الكبير شرح مختصر المزني-أبو الحسن علي بن محمد البصري البغدادي، الشهير بـ "الماوردي" (م:۴۵۰ھ): ۲/ ۴۰۲، كتاب الجمعة (فصل) ت: الشيخ علي محمد معوض - الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية- بيروت، الطبعة الأولى، ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹ء ☆ بدائع الصنائع-الكاساني (م:۵۸۷ھ): ۱/ ۲۶۴، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) الفرض: لغة هو التقدير... وفي الشرع: ماثبت بدليل قطعي لا شبهة فيه. (اصول الشاشي-نظام الدين أبو علي أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي (م:۳۴۴ھ): ۳۷۹، بحث بيان معنى الفرض لغة وشرعا، ط: دار الكتاب العربي-بيروت)

جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو۔[۱]

پس ان دونوں سے جو حکم ثابت ہوگا، اسے فرض کہیں گے اور فرض کا انکار باعث کفر ہے۔ (حدیث متواتر بھی قرآن کی طرح قطعی ہے، اس کا منکر بھی کافر ہو جاتا ہے)[۲]

واجب: وہ حکم ہے، جس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہو، یعنی اس کا ایک ہی معنیٰ قطعی اور یقینی نہ ہو، بل کہ اس کا دوسرا معنیٰ بھی مراد لیا جا سکتا ہو، اس کا منکر فاسق ہے، اس سے ثابت ہونے والے حکم کو ترک کرنے والا بھی فاسق ہے، اسی بنا پر اس کو فرض عملی بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے؛ لیکن اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔[۳]

سنت مؤکدہ: وہ عمل ہے: جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اکثر کیا ہو، لیکن بعض مرتبہ بلا عذر اس کو ترک بھی کیا ہو (تا کہ امت پر وہ عمل واجب نہ ہو جائے) اور اس کے تارک پر کوئی تنبیہ اور وعید بیان نہ فرمائی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے ترک کی عادت بنا لینا گناہ کا کام ہے، اس سے آدمی فاسق و فاجر ہو جاتا ہے۔[۴]

---

[۱] والخبر المتواتر ما بلغت رواته في الكثرة مبلغا أحالت العادة تواطؤهم على الكذب، ويدوم هذا فيكون أوله كآخره ووسطه كطرفيه كالقرآن والصلوات الخمس. (رسالة في أصول الحديث (مطبوع ضمن كتاب: رسالتان في المصطلح): علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (م:۸۱۶ھ) ص:۶۵، ت: علي زوين، ط: مكتبة الرشد - الرياض، الطبعة الأولى، ۱۴۰۷. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: توجيه النظر إلى أصول الأثر - طاهر بن صالح (أو محمد صالح) الجزائري، ثم الدمشقي (م:۱۳۳۸ھ): ۱/۱۰۸، الفصل الخامس، الخبر المتواتر، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتبة المطبوعات الإسلامية - حلب، الطبعة الأولى، ۱۴۱۶ھ☆ تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي - السيوطي (م:۹۱۱ھ): ۲/۶۲۷، النوع الثلاثون المشهور، ت: أبو قتيبة نظر محمد الفاريابي، ط: دار طيبة)

[۲] لا يجوز للمسلم أن ينكر شيئا من دين الإسلام.

ولكن من أنكر شيئا من أمور الدين لا يحكم بكفره، إلا إن كان ما أنكره أمرا مجمعا عليه قد علم قطعا مجيء النبي صلى الله عليه وسلم به. كوجوب الصلاة والزكاة، ولم يكن ذلك المنكر جاهلا بالحكم ولا مكرها، وهذا قول جمهور الحنفية والمالكية والشافعية. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۷/۶۱، مادة: إنكار، إنكار شيء من أمور الدين)

[۳] ثم المتواتر يوجب العلم القطعي ويكون رده كفرا. (أصول الشاشي: ۲۷۲، بحث كون المتواتر موجبا للعلم القطعي، ط: دار الكتاب العربي - بيروت)

السنة المتواترة قطعية الثبوت أيضا كالقرآن، فهما متكافئان من هذه الناحية. (الضوء اللامع المبين عن مناهج المحدثين - أحمد محرم الشيخ ناجي، ص: ۶۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) وفي الشرع وهو ما ثبت بدليل فيه شبهة كالآية المؤولة والصحيح من الآحاد. (أصول الشاشي: ۳۷۹)

الواجب هو في عرف الفقهاء عبارة عما ثبت وجوبه بدليل فيه شبهة لكونه ظني الدلالة أو ظني الثبوت. وحكمه أنه يثاب بفعله ويستحق بتركه عقوبة لولا العذر حتى يضلل جاحده ولا يكفر به. (قواعد الفقه - محمد عميم الإحسان المجددي البركتي: ۵۳۹، القسم الثالث ما فيه خلاف بين الطرفين أبي حنيفة ومحمد وبين أبي يوسف رحمهم الله تعالى، ط: الصدف پبلشرز - كراتشي، الطبعة الأولى، ۱۴۰۷ھ☆ نور الأنوار: ۱۷۰، ط: ياسر نديم اينڈ سنس)

سنت زائدہ: وہ مستحب عمل ہے: جس پر مداومت (ہمیشگی) ثابت نہ ہو؛ بل کہ کبھی اس کو کیا ہو اور کبھی ترک کر دیا ہو۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] اصطلاح شرع میں مکروہ کا معنی

۴۱۲-سوال: اصطلاح شرع میں مکروہ کا کیا معنی ہے؟ کیا ''کمی کا ہونا''، یا ''عمل کا ادھورا ہونا'' بھی اس کے معنی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکروہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) مکروہ تنزیہی، (۲) مکروہ تحریمی۔

مکروہ تنزیہی: وہ عمل ہے جس کے نہ کرنے سے ثواب ملے، اور کر لینے سے گناہ نہیں ہو۔

نماز میں اس کا ارتکاب کر لینے سے نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی؛ البتہ مکروہ تنزیہی کا نماز، وضو یا غسل وغیرہ میں ارتکاب کر لینے سے ثواب میں کمی واقع ہوجائے گی لیکن گناہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ عمل پورا ہوگیا ہے، ناقص نہیں رہا ہے۔

مکروہ تحریمی: وہ عمل ہے، جو حرام کے قریب قریب ہو، اور اس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو۔

اس کا ارتکاب کرنے والا حرام کا ارتکاب کرنے والا ہونے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا اور عذاب کا مستحق ہوگا؛ اس لیے عمل میں اس کا ارتکاب کیا جائے گا وہ عمل بھی ناقص اور ادھورا رہے گا اور جب کام ناقص رہے گا تو گناہ بھی لازم آئے گا اور سزا کا بھی مستحق ہوگا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) والذي ظهر للعبد الضعيف أن السنة ما واظب النبي - صلى الله عليه وسلم - عليه لكن إن كانت لا مع الترك فهي دليل السنة المؤكدة، وإن كانت مع الترك أحيانا فهي دليل غير المؤكدة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۱/ ۱۷-۱۸، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ط: دار الكتاب الإسلامي☆رد المحتار: ۱/ ۱۰۵، سنن الوضوء، بيروت)

و في حاشية ابن عابدين: لأن السنة ما واظب عليه، والفعل مرة مع الترك أخرى يفيد الندب. (۲/ ۱۸۴، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء)

سنة الهدى: هي التي واظب عليها النبي - صلى الله عليه وسلم - تعبدا أو ابتغاء مرضات الله تعالى مع الترك مرة أو مرتين بلا عذر أو لم يترك أصلا ولكنه لم ينكر على التارك. (قمر الأقمار حاشية نور الأنوار: ۱۷۱، یاسر ندیم اینڈ کمپنی، دیوبند)

(۱) قسم الحنفية المكروه إلى قسمين: القسم الأول: المكروه كراهة تنزيه. ــ وهو ما كان إلى الحل أقرب، بمعنى أنه لا يعاقب فاعله أصلا، لكن يثاب تاركه أدنى ثواب. ــــ القسم الثاني: المكروه كراهة تحريم. ــــ وهو إلى الحرمة أقرب بمعنى: أنه يتعلق به محذور دون استحقاق العقوبة بالنار: كحرمان الشفاعة، لقوله عليه السلام: من ترك سنتي لم ينل شفاعتي. ــــــ وعند محمد المكروه كراهة تحريم حرام ثبت حرمته بدليل ظني؛ لأنه=

[٦] مجنون و پاگل کی تعریف

٤١٣-سوال: شریعت کی اصطلاح میں پاگل و مجنون شخص کس کو کہا جاتا ہے؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

پاگل پن جس کو عربی میں جنون کہا جاتا ہے، اس کی تعریف یہ ہے کہ: ''یہ ایک آفت ہے، جو دماغ میں اتر جاتی ہے اور عقل کے خلاف کام کرنے پر انسان کو ابھارتی ہے'' (نور الانوار: ٢٨٨- حسامی: ١٣٢، حاشیہ: ١٤)[1] اور نور الانوار کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس سے اچھے برے کام میں تمیز کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔

جنون کا مادہ ''جن'' ہے جس کا معنی: ''چھپانا'' یا ''چھپ جانا'' ہے۔[٢] اسی وجہ سے ''جن'' کو جن کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ انسان کی آنکھوں سے چھپ جاتا ہے۔ چوں کہ مجنون کی بھی عقل چھپ جاتی ہے- جس کی وجہ سے وہ عقل کے خلاف کام کرتا ہے- اس لیے اس کو مجنون کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

[٧] غیر عالم شخص کو ''مولوی'' کہنا

٤١٤-سوال: ایک شخص باقاعدہ سند یافتہ عالم نہیں ہے، یعنی اس نے کسی مدرسہ میں رہ کر درسِ نظامی کی تکمیل نہیں کی ہے، البتہ دینی کتابوں کے مطالعہ اور علماء کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اس کی دینی معلومات کافی وسیع ہیں، تو اسے مولوی کہنا درست ہوگا یا نہیں؟

=يرى أن ما لزم تركه إن ثبت ذلك بدليل قطعي يسمى حراما، وإلا يسمى مكروها كراهة التحريم. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ٣٨/ ٢٤٣، صادرة عن وزارة الأوقاف-الكويت)

المكروه ماهو راجح الترك، فإن كان للحرام أقرب تكون كراهة تحريمية، وإن كان للحل أقرب تكون تنزيهية، ومعنى القرب إلى الحرمة أنه يستحق فاعله العقابه. (قواعد الفقه -عميم الإحسان المجددى البركتي، ص: ٥٠٣، الراء، ط: الصدف پبلیشرز کراتشی)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ٦/ ٣٣٧، كتاب الحظر والإباحة، ط: دار الفكر-بيروت.

(١) الجنون آفة تحل الدماغ، تبعث على الإقدام على ما يضاد مقتضى العقل من غير ضعف في أعضائه. (منتخب الحسامي، ص: ١٣٢، رقم الحاشية: ١٤، فصل في الأمور المعترضة على الأهلية، ط: ياسر نديم ديوبند☆ نور الأنوار، ص: ٢٨٨، رقم الحاشية: ١٨، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(٢) جنّ يجنّ جنًا: استتر، أجنّ الشيء: ستره، (المعجم الوسيط، ص: ١٤٠٠، مادة: جن، ط: حسينيه-ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص غیر عالم ہو، اور کچھ پڑھا لکھا ہو تو اسے مولوی کہنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ مناسب بھی نہیں ہے، اس لیے کہ اسے مولوی کہنے میں بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہونے کا اندیشہ ہے کہ تھوڑا کچھ پڑھ لینے سے بھی عالم بن سکتے ہیں، اور اس طرح لفظ مولوی جس درجہ کے لیے مستعمل ہے اس درجہ کی شان میں کوتاہی ہوگی، جس طرح کوئی شخص ڈاکٹر نہ ہو، تو اسے ڈاکٹر نہیں کہا جاتا، اور اگر وہ خود اپنے آپ کو ڈاکٹر کہے تو حکومتی قانون اسے گنہگار قرار دیتا ہے، کیوں کہ اس کے پاس ڈاکٹر کہلانے کے لیے مطلوب ڈگری نہیں ہے، اور لوگوں میں اس کے بطور ڈاکٹر مشہور ہونے سے مغالطہ کا اندیشہ ہے، اسی طرح مولوی ہونا بھی ایک دینی درجہ ہے، لہٰذا اس کا اکرام ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] شریعتِ مطہرہ میں لفظ ''مکروہ'' کا مطلب کیا ہے؟

۴۱۵-سوال: شریعتِ مطہرہ کی اصطلاح میں لفظِ مکروہ تنزیہی کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس سے کسی عمل میں ثواب کی کمی مراد ہے؟ کیا یہ مراد ہے کہ اس عمل کے سو فی صد اجر میں سے بندے کو کچھ کم یعنی اسی یا نوّے فی صد ثواب دیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بھی عبادت میں مکروہِ تنزیہی کے ارتکاب سے کتنا ثواب کم ہوگا اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے، کسی بھی عمل کے ثواب کی کمی بیشی منشاء خداوندی پر موقوف ہوتی ہے، کسی عمل میں کوئی غلطی بلا ارادہ ہو جائے، تو اس کا حکم الگ ہے اور قصداً غلطی کرنے کا حکم الگ ہے، نیز مکروہ تنزیہی کو معمولی سمجھتے ہوئے بار بار اس کا ارتکاب کرنے سے وہ مکروہِ تحریمی بن جائے گا۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) أما الإصرار فيخرج الصغيرة عن [أن تكون] صغيرة. جزء من شرح تنقيح الفصول في علم الأصول- عبد الرحمن المالكي القرافي (م: ۶۸۴ھ): ۲/ ۲۳۲، حد الكبيرة، ط: رسالة علمية، مكة المكرمة

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝

(۴۹-الحجرات:۶)

باب الکتب المعتمدة وغیرها

(معتبر اور غیر معتبر کتابیں)

○

[معتمد اور غیر معتمد کتابیں]

[۱] شری کرشن کی جو باتیں آپ ﷺ کے کلام سے میل کھاتی ہوں، انہیں شائع کرنا

۴۱۶-سوال: حضرت مفتی صاحب ذیل کے سوالات کے جوابات اسلامی شریعت کے مطابق مرحمت فرمائیں:

میں نے سنسکرت اور گیتا کا مطالعہ کیا ہے، مطالعہ کے دوران مجھے یہ بات نظر آئی ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور پانچ ہزار سال قبل پیدا ہونے والے شری کرشن کی بہت سی باتیں اور بہت سے واقعات مثلاً نفس، نفس کی تین قسمیں، زندگی میں سادگی، اپنی باتیں لوگوں تک پہونچانے کا طریقہ، عقیدۂ توحید اور ہجرت وغیرہ میں کافی حد تک مماثلت ہے، دونوں حضرات کی باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں، تو کیا اگر یہ باتیں لوگوں میں صحیح سمجھ پیدا کرنے کے لیے عام کی جائیں، تو اس میں (شرعاً) کوئی حرج ہے؟

اس سلسلے میں میں نے ایک مضمون لکھا ہے اور شری کرشن جی کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ ان کی زندگی اور حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں بڑی مماثلت تھی۔

اس مضمون کے اخیر میں میں نے لکھا ہے کہ پورے مضمون کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ دونوں مذاہب کے پیغام کو ہم صحیح معنی میں سمجھیں؛ تاکہ باہم مواخات اور انسانیت کی ہمدردی پیدا ہو، اس طرح مقابلہ کر کے نعوذ باللہ آپ ﷺ کی شان کو گھٹانا مقصود نہیں ہے، آپ ﷺ کی عظمت و بزرگی دونوں جہاں میں بہت اعلیٰ و برتر ہے اور اسی عقیدے کے ساتھ میں نے یہ مضمون لکھا ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

جن کی نبوت ثابت ہو، ان کی نبوت کا انکار جائز نہیں، اسی طرح جن کی نبوت ثابت نہ ہو، محض ظن و تخمین سے ان کو نبی قرار دینا جائز نہیں ہے، اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جن انبیاء کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نام کے ساتھ ذکر کیا ہے، ان پر تفصیلا ایمان لانا واجب ہے، ساتھ ہی یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی انبیاء کرام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے، ان کے نام اور ان کی تفصیلات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کامل طور پر جانتے ہیں، ہم ان پر اجمالا ایمان رکھتے ہیں۔

صرف کسی شخص کی تعلیمات سے ان کی نبوت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح جن کے حالات نبی کریم ﷺ جیسے ہوں، یا جن کی باتیں نبی کریم ﷺ سے ملتی جلتی ہوں، صرف اس طرح کی مماثلت کی وجہ سے قطعی طور پر ان کو نبی نہیں قرار دیا جاسکتا، تمام انبیاء کی تعلیم اور ان کے حالات بھی ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بہت سے اولیاء کو بھی نبی کی طرح ہجرت بھی کرنی پڑی ہے؛ لہٰذا پیغمبر کون ہے؟ اور ان کا صحابی کون؟ اس کا (قطعی) فیصلہ محض ان کی تعلیم اور ان کے حالات سے مشکل ہے۔[1]

نفس اور اس کے تزکیہ کی باتیں تمام مذاہب میں برسوں سے منقول ہوتی چلی آرہی ہیں، آج کے سادھو سنت کے بیانات اور مضامین کو دیکھیے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے، وہ حضرات اسلام کی اخلاقی تعلیم کا مطالعہ کر کے بہت سے صحابہ اور اولیاء کے ملفوظات کو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ بیان کرتے ہیں؛ لہٰذا وید کی باتیں اللہ کی طرف سے کسی نبی پر اتری ہوئی باتیں ہیں یا کسی نبی کی باتیں ہیں؟ جو ان کے کسی سنت نے لکھی ہیں، اس کا حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ موجودہ انجیل اصل انجیل نہیں ہے؛ بل کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض متبعین نے لکھی ہے؛ لہٰذا آپ کی یہ بات کہ وید میں اچھی باتیں ہیں، یہ تو ٹھیک ہے؛ مگر اس سے یہ سمجھ لینا

---

(۱) وأما الأنبياء والمرسلون، فعلينا الإيمان بمن سمى الله تعالى في كتابه من رسله، والإيمان بأن الله تعالى أرسل رسلا سواهم وأنبياء، لا يعلم أسماءهم وعددهم إلا الله تعالى الذي أرسلهم. فعلينا الإيمان بهم جملة؛ لأنه لم يأت في عددهم نص. وقد قال تعالى: {ورسلا قد قصصناهم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك} (النساء: ۱۶۴). وقال تعالى: {ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك} (غافر: ۷۸). (شرح العقيدة الطحاوية-صدر الدين محمد بن علاء الدين، ابن أبي العز الحنفي، الأذرعي الصالحي الدمشقي (م: ۷۹۲هـ): ۲/ ۴۲۳، وجوب الإيمان بمن سمى الله في كتابه من رسله وأنبيائه، ت: شعيب الأرنؤوط - عبد الله بن المحسن التركي، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

کہ وید آسمانی صحیفہ ہے، صحیح نہیں؛ اس لیے اس کو آسمانی صحیفہ ماننا جائز نہیں ہے، جب تک کہ اس پر کوئی واضح اور قطعی دلائل نہ ہوں۔[۲]

اگر شری کرشن جی کی چند باتیں لکھ کر ہندؤوں کو یہ بتلانا ہو کہ ہم تمہارے مذہبی پیشوا کو بڑا آدمی تصور کرتے ہیں، اس امید پر کہ اس سے ہندو خوش ہو جائیں گے اور (مذہب اسلام سے) قریب ہوں گے، تو یہ امید بار آور نہ ہوگی، حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے کتنے فضائل آپ ﷺ نے بتلائے اور خود قرآن کریم میں کئی مقامات پر ان کے سچے واقعات ذکر کیے گئے اور تورات وانجیل میں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے سے متعلق عہد بھی ہے، نیز قرآن کریم میں ہے: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ. [-۲البقرۃ:۱۴۶]

یعنی یہود (اور نصاریٰ) محمد ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی، تو حضور ﷺ نے یہود کے ایک بڑے عالم کو- جو ایمان لا چکے تھے- بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیا تم لوگ مجھے اس طرح پہچانتے ہو، جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ بے شک! کسی کو اپنے بیٹے کے بارے میں تو شبہ ہو سکتا ہے؛ مگر اللہ رب العزت نے، جن کی پہچان تورات میں دی ہے، اس میں تو شک کی گنجائش ہی نہیں۔ (تفسیر البغوی: ۱/ ۱۶۴ ☆الرازی: ۴/ ۱۴۲ ☆القرطبی: ۲/ ۴۴۸ ☆ابن کثیر ۲/ ۱۲۱)[۳]

اس کے بعد قرآن مجید میں ہے ''مگر وہ لوگ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں'': وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ. (-۲البقرۃ:۱۴۶)

علم رکھنے والے یہود ونصاریٰ کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے؟ انہوں نے

---

(۲) وأما الإيمان بالكتب المنزلة على المرسلين، فنؤمن بما سمى الله تعالى منها في كتابه، من التوراة، والإنجيل والزبور، ونؤمن بأن لله تعالى سوى ذلك كتبا أنزلها على أنبيائه، لا يعرف أسماءها وعددها إلا الله تعالى.... فعلينا الإيمان بأن الكتب المنزلة على رسل الله أتتهم من عند الله، وأنها حق، وهدى، ونور، وبيان، وشفاء. قال تعالى: ﴿قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا﴾ [-۲البقرة:۱۳۶]. ﴿الم الله لا إله إلا هو الحي القيوم﴾ [-۳آل عمران: ۱-۲]. ﴿آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه﴾ [-۲البقرة:۲۸۵] .... وقال تعالى: ﴿كان الناس أمة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وأنزل معهم الكتاب بالحق﴾ [-۲البقرة:۲۱۳]. (المصدر السابق: ۲/ ۴۲۴-۴۲۵، الإيمان بما سمى الله من الكتب المنزلة)

(۳) نوٹ: مذکورہ حوالہ جات میں حضرت عبد اللہ بن سلامؓ سے سوال کرنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادیں، ابھی بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ فلسطین، بوسینا اور صومالیہ میں کیا ہورہا ہے؟ اور پوری دنیا کے اسلامی ممالک کے بارے میں کیا کیا منصوبے بنائے جارہے ہیں؛ لہٰذا ایسی امید رکھنا لغو ہے۔ ہاں اگر اس مضمون کو انہیں دعوت دینے کی غرض سے تیار کیا ہے، تو جائز ہے؛ مگر چنداں مفید نہیں اور اگر مقصد یہ ہو کہ (دوسرے) مسلمان وید کو سیکھیں یا آپ خود وید سے متأثر ہوئے ہوں، اس لیے آپ نے لکھا ہو، تو یہ جائز نہیں۔ (۴)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تورات کے اوراق تھے، اس میں کچھ باتیں سچی تھیں۔ آپؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے پڑھنے لگے۔ یکا یک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر نظر پڑی، تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں ہیں، حضرت عمرؓ نے وہ اوراق رکھ دیئے اور پڑھنے لگے: ''میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں'' تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ فرو ہوا۔ (۵)

لہٰذا ہمیں کسی سے متأثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے لیے اللہ کی کتاب-قرآن مجید-کافی ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگلی کتابوں کی ساری باتیں قرآن مجید میں آگئیں اور مزید وہ باتیں بھی، جن کی خبر سابقہ امتوں کو نہ ہوسکی:

وليحكم أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ فِيهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ

---

(۴) والأولى في هذه المسألة التفرقة بين من لم يتمكن ويصر من الراسخين في الإيمان فلايجوز له النظر في شيء من ذلك، بخلاف الراسخ فيجوز له، ولا سيما عند الاحتياج إلى الرد على المخالف، ويدل على ذلك نقل الأئمة قديما وحديثا من التوراة وإلزامهم اليهود بالتصديق بمحمد صلى الله عليه وسلم بما يستخرجونه من كتابهم ولولا اعتقادهم جواز النظر فيه لما فعلوه وتواردوا عليه. (فتح الباري-ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۱۳/ ۴۲۵- ۴۲۶، كتاب التوحيد، باب: قوله باب قول الله تعالى بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۵) عن عبد الله بن ثابت، قال: جاء عمر بن الخطاب إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله إني مررت بأخ لي من قريظة، فكتب لي جوامع من التوراة ألا أعرضها عليك؟ قال: فتغير وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال عبد الله: فقلت له: ألا ترى ما بوجه رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال عمر: رضينا بالله ربا، وبالإسلام دينا، وبمحمد صلى الله عليه وسلم رسولا، قال: فسري عن النبي صلى الله عليه وسلم... إلى آخر الحديث. (مسند أحمد: ۲۵/ ۱۹۸، رقم الحديث: ۱۵۸۶۴، حديث عبد الله بن ثابتؓ، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ.(۵-المائدۃ:۴۸)

لہٰذا وید یا کرشن سے (لوگوں کو) متاثر کرنا یا متاثر ہونا جائز نہیں، سورج کی روشنی میں چاند ستارے اور ٹیوب لائٹ کی روشنی بے فائدہ ہے، نبی کریم ﷺ کی نبوت کا آفتاب روشن ہے، قیامت تک غروب ہونے والا نہیں ہے۔ گرد و غبار یا بادل اس کی روشنی کو دھندلا نہیں کر سکتے؛ لہٰذا اگر مقصد یہ ہو کہ تم بھی حق پر ہو اور ہم بھی حق پر ہیں اور تمام ادیان موجودہ حالت پر برحق ہیں، تو یہ جائز نہیں۔ حق، حق ہے، باطل، باطل ہے۔(۱)

لہٰذا سوال میں لکھی گئی یہ بات کہ ''دونوں مذاہب کے پیغام کو ہم صحیح معنیٰ میں سمجھیں؛ تاکہ باہم مواخات اور انسانیت کی ہمدردی پیدا ہو'' کے متعلق عرض ہے کہ اس سلسلے میں مسلمانوں کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس مقصد سے (کہ ویدکی تعلیمات کو لوگ سمجھیں) مضمون لکھنا بھی درست نہیں۔

ہاں! اگر ہندوؤں کو سمجھا کر دین کی دعوت دینا ہو، تو جائز ہے؛ مگر تاجدار انبیاء ﷺ کو اعلیٰ و برتر ماننے کے ساتھ بھی آپ ﷺ کی ذات گرامی یا سیرت کی برابری میں کرشن جی کو لانا بالکل مناسب نہیں؛ بل کہ بے ادبی ہے؛ کیوں کہ جن انبیاء کی نبوت ثابت ہے، ان کا بھی یہ درجہ نہیں کہ آپ ﷺ کی سیرت پاک کی برابری میں ان کی سیرت کا حوالہ دیا جائے، تمام انبیاء کی عظمت دلوں میں ہونی چاہیے؛ مگر آپ ﷺ کی عظمت سب سے بڑھ کر ہونی چاہیے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کو روشن سورج قرار دیا ہے؛ لہٰذا سورج، سورج ہے اور ستارے، ستارے: يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا.(۳۳-الأحزاب:۴۶) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲] مدینہ کے شیخ احمد کے خواب کی حقیقت

۴۱۷-سوال: آج کل مدینہ منورہ کے کسی شیخ احمد کی جانب منسوب کر کے ان کے ایک خواب کو پرچہ کی شکل میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی طرف سے ایک وصیت کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اس وصیت نامے پر عمل کرنے والے اور اس کو چھپوانے والے کے لیے بڑی بڑی بشارتوں کا ذکر ہے اور عمل نہ کرنے والے اور اس کو نہ چھپوانے والے کے لیے سخت سے سخت ترین

(۱) وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا.[۱۷-الإسراء:۸۱]

وعیدوں کا بھی تذکرہ ہے، کیا یہ سب باتیں صحیح ہیں؟ اس پرچے کی کیا حقیقت ہے اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟
امید ہے کہ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداو مصلیا:

فرمان نبوی کے نام سے آج کل جو اشتہارات چھپتے رہتے ہیں اور چھپوانے کے لیے بڑی بڑی بشارتوں کا ذکر ہے اور نہ چھپوانے والے کے لیے سخت عذاب اور فقر و فاقہ کی وعیدوں کی دھمکی بھی، یہ سب شریعت مطہرہ کے خلاف ہے، ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) صرف انبیاء کرام کے خواب ''حجت'' ہیں، ان کے علاوہ کسی اور کے خواب کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ وہ دلیل و حجت بن سکے۔[۱] اسی وجہ سے حضرات علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جو خواب خلاف شرع ہوگا، وہ رد اور باطل ہے؛ اس لیے مذکورہ خواب لوگوں کے لیے دلیل اور حجت نہیں بن سکتا۔[۲]

(۲) آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جو شخص میری طرف جھوٹی باتوں کو منسوب کرے گا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔ (مسلم شریف: ۱/ ۵)[۳] اسی وجہ سے احادیث کی قبولیت کے لیے یہ شرائط ہیں کہ راوی عاقل، عادل اور ثقہ (بھروسہ کے لائق) ہو۔[۴] جب اس شخص (شیخ احمد) کو ان کے زمانے کے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے لوگ بھی نہیں پہچانتے ہیں، تو ان کی بات کا کس طرح اعتبار کیا جاسکتا ہے؟؟؟

---

(۱) وفي حديث طويل: قال عمرو سمعت عبيد بن عمير يقول: "رؤيا الأنبياء وحي، ثم قرأ {إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ} [الصافات: ۱۰۲]". (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵، كتاب الوضوء، باب التخفيف في الوضوء، رقم: ۱۳۸، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۲/ ۲۰۹، باب في مناقب . . . رقم: ۳۶۸۹)

(۲) والإلهام المفسر بإلقاء معنى في القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق. (شرح عقائد - النسفي، ص: ۲۲، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۳) «من كذب علي فليتبوأ مقعده من النار». (صحيح البخاري: ۱/ ۲۱، رقم: ۱۰۷، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۷، رقم: ۳-(۳)، مقدمة الإمام مسلم، باب في التحذير من الكذب على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، الخ، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داؤد، رقم: ۳۶۵۱، كتاب العلم، باب في التشديد في الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم)

(۴) قال الشافعي: "ويكون المحدث عالما بالسنة ثقة في دينه، معروفا بالصدق في حديثه، عدلا فيما يحدث . . . الخ. (المحدث الفاصل بين الراوي والواعي - المؤلف: أبو محمد الحسن بن عبد الرحمن بن خلاد الرامهرمزي الفارسي (م: ۳۶۰ھ) ص: ۴۰۳، القول فيمن يستحق الأخذ عنه، ت: د. محمد عجاج الخطيب، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) شریعت کے بنیادی احکام (نماز، روزہ، حج اور زکوۃ) کو ادا کرنا نجات کا ذریعہ ہے۔[۵] جب کہ اس اشتہار میں یہ ہے کہ ان کو اتنی تعداد میں چھپوانے سے یہ فائدہ حاصل ہوگا، وہ فائدہ حاصل ہوگا، چھپوانے والا سیدھے جنت میں چلا جائے گا وغیرہ؛ اگر اس کو درست مان لیا جائے تو احکام شریعت سب عبث ہو جائیں گے، ان کا کوئی مقام باقی نہیں رہے گا؛ اس لیے بھی یہ خواب ماننے کے قابل نہیں ہے، اس سے عوام یہ سمجھے گی پانچ سو، ہزار اشتہار چھپوالو اور سیدھے جنت میں داخل ہو جاؤ، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کی انجام دہی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس سے تو اعمال کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی اور لوگ فتنے میں واقع ہو جائیں گے۔

(۴) ''ایمان'' اللہ رب العزت کی ذات اور ان کی صفات پر یقین کرنے کا نام ہے۔[۶] اور سچے مسلمان کو اپنی وفات کے وقت اللہ رب العزت کی طرف سے مدد ہوتی ہے؛ چناں چہ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ.[۷]

ترجمہ: اللہ رب العزت مسلمان کو دنیا اور آخرت میں ایمان پر ثابت قدم رکھتے ہیں۔

اس آیت شریفہ کی روشنی میں غور کیجیے، خواب بیان کرنے والا لوگوں کو خوف دلا رہا ہے اور اس کے خواب پر عمل نہ کرنے کی صورت میں ڈرا رہا ہے کہ یہ کیسا مذہب ہے، جس میں ہزاروں لوگ کفر پر مر رہے ہیں؛ اس لیے اس کی بات ماننے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

(۵) کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا ولی مشہور ہو، اس کے اعمال قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھے جائیں گے۔[۸] اگر اس کے اعمال قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہوں، تو قبول کیے جائیں گے اور اگر خلاف ہوں، تو رد اور باطل مانے جائیں گے۔ اللہ کی ذات کے علاوہ اور کسی پر ایمان رکھنا جائز نہیں؛ اسی وجہ سے

---

(۵) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، والحج، وصوم رمضان". (صحيح البخاري: ۱/۱۱، رقم: ۸، كتاب الايمان، باب قول النبي -صلى الله عليه وسلم-: بني الإسلام على خمس، ط: البدر-ديوبند)

(۶) فأخبرني عن الإيمان، قال: «أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر خيره وشره». (صحيح مسلم: ۱/۲۷، رقم: ۱-(۸)، كتاب الايمان، باب معرفة الإيمان والإسلام، الخ، ط: البدر، ديوبند)

(۷) ۱۴-ابراهيم: ۲۷)

(۸) "يا أيها الناس إني قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا: كتاب الله، وسنة نبيه". (السنن الكبرى-أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۱۰/۱۹۴، رقم: ۲۰۳۳۶، باب مايقضي به القاضي ويفتي به المفتي، الخ، ت: محمد عبدالقادر عطا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: کوئی شخص ہواؤں میں اڑ رہا ہو اور سمندروں میں کئی کئی روز تک رہتا ہو؛ لیکن اس کے کام سنت کے خلاف ہوں، تو وہ ہرگز ولی نہیں ہوسکتا۔ (۹) خواب بیان کرنے والا شخص یہ بتا رہا ہے کہ ''ہزاروں لوگ کفر کی حالت میں وفات پا چکے ہیں'' اس کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟؟؟ اگر یہ خواب کی بات ہے، تو دلیل اور حجت نہیں بن سکتی اور ایمان تو ''اللہ کی ذات وصفات پر یقین'' کا نام ہے، جیسا کہ پہلے لکھا گیا، اللہ رب العزت کی یہ صفت ستاریت ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کی باتیں اور اعمال چھپاتا ہے؛ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پکے دشمن منافقین - جن کے متعلق قرآن مجید میں پوری سورۂ منافقون نازل کی گئی - اس کا علم اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا کہ ان ان صفات کے حاملین لوگ بھروسے کے لائق نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض صحابہ کرامؓ کو ان کے نام بتائے تھے، جن میں حضرت حذیفہؓ کو خاص طور پر ان کی تفصیل بتادی تھی، ان کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی پوری فہرست دے رکھی تھی۔ (۱۰)؛ البتہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ وغیرہ کو ان کے

---

(۹) وقد قال يونس بن عبد الأعلى الصدفي: قلت للشافعي: كان الليث بن سعد يقول: إذا رأيتم الرجل يمشي على الماء ويطير في الهواء فلا تغتروا به، حتى تعرضوا أمره على الكتاب والسنة. فقال الشافعي: إذا رأيتم الرجل يمشي على الماء أو يطير في الهواء، فلا تغتروا به، حتى تعرضوا أمره على الكتاب والسنة، انتهى. (كشف ما ألقاه إبليس من البهرج والتليس على قلب داود بن جرجيس - عبد الرحمن التميمي (م: ۱۲۸۵هـ) ص: ۱۱۹، ط: دار العاصمة للنشر والتوزيع)

وانظر ايضاً: غاية الأماني في الرد على النبهاني - أبو المعالي محمود شكري بن عبد الله الألوسي (م: ۱۳۴۲هـ): ۱/ ۴۶۷، ذكر المجالس التي انعقدت لمناظرة شيخ الاسلام ابن تيمية في عقيدته الواسطية، ت: أبو عبد الله الداني بن منير آل زهوي، ط: مكتبة الرشد، الرياض)

الصواعق المرسلة الشهابية على الشبه الداحضة الشامية - سليمان بن سحمان بن مصلح الخثعمي النجدي (م: ۱۳۴۹هـ) ص: ۱۰۲، فصل: استدل الملحد على النبي - صلى الله عليه وسلم - بقوله: "من رآني في، الخ، ط: دار العاصمة، الرياض، المملكة العربية السعودية، ط: دار العاصمة، الرياض)

أعلام السنة المنشورة لاعتقاد الطائفة الناجية المنصورة - حافظ بن أحمد بن علي الحكمي (م: ۱۳۷۷هـ): ۱۳۸، ت: حازم القاضي، ط: وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد - المملكة العربية السعودية، (الكتاب نشر - أيضا - بعنوان: ۲۰۰ سؤال وجواب في العقيدة الإسلامية)

(۱۰) كان حذيفة صاحب السر الذي لا يعلمه غيره حتى خص بمعرفة أسماء المنافقين وبكثير من الأمور الآتية.

(فتح الباري شرح صحيح البخاري - أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲هـ): ۱۳/ ۴۷، كتاب الفتن، باب من كره أن يكثر بالتشديد سواد الفتن والظلم، تحت رقم الحديث: ۷۰۸۴، ط: دار المعرفة - بيروت)

وانظر ايضاً: (عمدة القاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۲۲/ ۲۶۲، كتاب الاستئذان، باب من ألقي له=

نام نہیں بتائے تھے؛ اسی وجہ جب کسی کا انتقال ہوتا، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دیکھتے تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں، اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جنازے کی نماز پڑھ لیتے تھے اور اگر وہ شریک نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جنازے کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔[۱۱] سوچنے کا مقام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو منافقین کی فہرست نہیں بتائی، اور انہوں نے اس سلسلے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے عمل کو اپنے پیش نظر رکھا، تو مذکور شخص صرف اپنے خواب کی بناء پر کیسے ہزاروں لوگوں کو کافر بتلا رہا ہے، یہ سراسر قرآن کریم اور حدیثِ پاک کی تعلیم کے خلاف ہے؛ اس لیے اس کی بات ماننے کے لائق نہیں۔

حوض کوثر پر بعض اہل بدعت کو فرشتے دھکے دے کر ہٹا رہے ہوں گے، تو رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے: أصيحابي أصيحابي؛ یعنی یہ لوگ تو میری امت کے فرد ہیں، میری امتی ہیں، ان کو میرے پاس آنے دو، فرشتے جواب دیں گے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا گل کھلائے ہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ فرمائیں گے ان کو مجھ سے دور کرو، ان کو مجھ سے دور کرو۔ (بخاری، مسلم)[۱۲]

=وسادة، تحت رقم الحديث: ۶۲۷۸، ط: دار احياء التراث العربي، بيروت☆ عون المعبود شرح أبي داؤد: ۲۱۲/۱۱، كتاب الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، بذيل رقم الحديث: ۴۲۴۵، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱۱) وكان عمر في خلافته ينظر إليه عند موت من يموت فإن لم يشهد جنازته حذيفة لم يشهدها عمر. (المصباح المضي في كتاب النبي الأمي ورسله إلى ملوك الأرض من عربي وعجمي-محمد (أو عبد الله) بن علي الأنصاري، أبو عبد الله، جمال الدين ابن حديدة (م: ۷۸۳هـ): ۸۷/۱، ت: محمد عظيم الدين، ط: عالم الكتب-بيروت)

وأيضاً: مستعذب الإخبار بأطيب الأخبار-أبو مدين بن أحمد، ص: ۳۲۶، ط: دار الكتب العلمية-بيروت، غزواته -صلى الله عليه وسلم- غزوة تبوك☆ وكذا راجع هامش: إمتاع الأسماع بما للنبي من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع- أحمد بن علي، تقي الدين المقريزي (م: ۸۴۵هـ): ۱۲۹/۹، رقم الهامش: ۲، ت: محمد عبد الحميد النميسي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱۲) أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " ليردن علي الحوض رجال ممن صاحبني، حتى إذا رأيتهم ورفعوا إلي اختلجوا دوني، فلأقولن: أي رب أصيحابي، أصيحابي، فليقالن لي: إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك ". (صحيح مسلم: ۲۵۲/۲، رقم الحديث: ۴۰-(۲۳۰۴)، كتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم، ط: البدر، ديوبند)

وانظر: صحيح البخاري: ۶۶۵/۲، كتاب التفسير، باب قوم وكنت عليهم شهيداً الخ، رقم: ۴۶۲۵، وكتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۵۸۴: ۹۷۳/۲، ط: البدر، ديوبند☆ سنن ابن ماجة، باب ذكر الحوض: ۴۳۰۶.

وفي رواية أبي هريرة، عند مسلم، فأقول: سحقا سحقا، رقم: ۳۹-(۲۴۹)، كتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل.

قیامت کے دن میدان حشر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعض مومنین کی سفارش کے بعد اللہ رب العزت سے فرمائیں گے کہ اے اللہ! جس نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی کلمۂ شہادت پڑھا ہو، اس کی بھی مجھے سفارش کی اجازت دیجیے، تو اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ اے محمد! آپ کو اس کا اختیار نہیں؛ البتہ میری عزت کی قسم، میری کبریائی کی قسم، میری عظمت اور میری صفت جبروت کی قسم، میں ضرور بالضرور ایسے لوگوں کو بھی جہنم کی آگ سے باہر نکالوں گا، جنہوں نے ایک مرتبہ بھی کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھا ہے۔ (مسلم شریف: ۱/ ۱۱۰)[۱۳]

سوچنے کا مقام ہے کہ جس آدمی نے ایک مرتبہ بھی سچے دل سے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا، تو اللہ رب العزت اس کو بھی گناہوں کی سزا دینے کے بعد بخش دیں گے؛ اس لیے مذکور خواب کو اور اس کے متعلق چھپنے والے اشتہارات کو ماننے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

اس خواب کا دعویٰ کرنے والے کا عقیدہ صحیح معلوم نہیں ہوتا، اگلے زمانے میں خوارج کے نام سے ایک جماعت پیدا ہو چکی ہے، وہ گنہ گار شخص کو کافر کہتی تھی۔[۱۴] چھپے ہوئے پرچے کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی اسی جماعت کے خیالات کا حامل ہے۔

عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یزید جو بعض معاملات میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا ذمہ دار بھی ہے، اس پر بھی کافر کا حکم لگانا جائز نہیں ہے۔[۱۵] تو خواب دیکھنے والے مذکورہ شخص کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ

---

(۱۳) حديث طويل والجزء المقصود منه: فأقول: يا رب، ائذن لي فيمن قال: لا إله إلا الله، قال: ليس ذاك لك - أو قال: ليس ذاك إليك - ولكن وعزتي وكبريائي وعظمتي وجبريائي، لأخرجن من قال: لا إله إلا الله، " (صحيح مسلم: ۱/ ۱۱۰، رقم: ۳۲۶-(۱۹۳)، كتاب الإيمان، باب: إثبات الشفاعة وإخراج الموحدين من النار، ط: البدر، ديوبند☆ صحيح البخاري: ۲/ ۱۱۸-۱۱۹، رقم: ۷۵۱۰، كتاب التوحيد، باب كلام الرب، عز وجل يوم القيامة مع الأنبياء وغيرهم، ط: البدر - ديوبند)

(۱۴) خلافاً للخوارج فإنهم ذهبوا إلى أن مرتكب الكبيرة بل الصغيرة أيضاً كافر وأنه لا واسطة بين الإيمان والكفر. (شرح عقائد نسفي، ص: ۱۰۸، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۱۵) قال الشاه ولي الله المحدث الدهلوي في شرح تراجم أبواب البخاري الملحق بمقدمة البخاري: (قوله مغفور لهم) تمسك بعض الناس بهذا الحديث في نجات يزيد لأنه كان من جملة هذا الجيش الثاني؛ بل كان رأسهم ورئيسهم على ما يشهد به التواريخ، والصحيح أنه لا يثبت بهذا الحديث إلا كونه مغفوراً له ما تقدم من ذنبه على هذه الغزوة؛ لأن الجهاد من الكفارات وشان الكفارات إزالة آثار الذنوب السابقة عليها لا الواقعة بعدها نعم! لو كان مع=

ہزاروں لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگائے، یہ شخص اپنے خواب کی باتوں کے پمفلیٹ چھپوانے والے کو جنت کی ضمانت کس بنیاد پر دے رہا ہے، اس کو اس کا کیا حق پہنچتا ہے، درحقیقت اس طرح کے پمفلیٹ چھپوا کر بھولی بھالی قوم کو گمراہ کر رہا ہے کہ محنت ومجاہدے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ نماز، روزے، حج وزکوۃ اور صدقات کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے؛ صلہ رحمی، یتامی، بیوگان اور مظلومین کی امداد کی جانب توجہ دینا بھی کارعبث ہے، بس اتنی تعداد میں میرے اس خواب کے پمفلیٹ چھپوالو، سیدھے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اگر لوگ اس پر عمل کریں گے، تو گمراہی کی راہ پر چل کر ایمان سے نکل جائیں گے اور مسلمان فنا ہو جائیں گے؛ اس لیے مذکورہ تحریر کسی ہوش مند مسلمان کی نہیں؛ بل کہ فاسق، فاجر اور بدمعاش کی معلوم ہوتی ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کسی یہودی اور نصرانی کا پروپیگنڈہ ہو، جسے مسلمانوں کو صحیح طریقے سے ہٹا کر گمراہی کی راہ پر لے جانے کے لیے چھپوایا گیا ہو؛ اس لیے اس کو چھپوانا، چھپوانے میں کسی طرح کی مدد کرنا، مساجد ومدارس کی دیواروں یا شاہ راہوں پر چسپاں کرنا گناہ کا کام ہے، اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔ [۱۹]

فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۱۴؍۱۱؍۱۹۷۷ء

نوٹ: ماقبل کا سوال اور ذیل کا سوال تقریباً ایک ہی ہے، لیکن جواب کے انداز میں فرق ہے، اس لیے دونوں سوال وجواب شامل اشاعت ہیں۔ مرتب

[۳] وصیت نامہ کے عنوان سے ایک پرفتن ہینڈبل کی اشاعت

۴۱۸-سوال: عرصہ سے وصیت نامہ کے عنوان سے ایک پرچہ چھپتا اور تقسیم ہوتا رہتا ہے، اس پرچہ میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ جو اس پرچہ کو دیکھ لے یا پڑھ لے، اس کے لیے اس کا چھپوانا لازم ہے، اس پرچہ کا

=هذا الكلام أنه مغفور إلى يوم القيامة، يدل على نجاته، وإذ ليس فليس، بل أمره مفوض إلى الله تعالى فيما ارتكبه من القبائح بعد هذه الغزوة من قتل الحسين - عليه السلام - وتخريب المدينة والاصرار على شرب الخمر إن شاء عفا عنه وإن شاء عذبه كما هو مطرد في حق سائر العصاة، على أن الأحاديث الواردة في شان من استخف بالعترة الطاهرة والملحد في الحرم والمبدل للسنة تبقى مخصصات لهذا العموم لو فرض شمولها لجميع الذنوب. (ص: ۱/۳۱-۳۲، ط: البدر، دیوبند)

ولا يخفى أن إيمان يزيد محقق ولا يثبت كفره بدليل ظني فضلا عن دليل قطعي فلا يجوز لعنه بخصوصه. (شرح الفقه الأكبر: ص ۸۸، واختلف في إكفار يزيد، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۱۹) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ. [۵- المائدة: ۲]

عکس بھیج رہا ہوں، اس میں اس طرح کا مضمون ہے:

مدینہ منورہ کے ایک شیخ احمد صاحب نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، حضور اکرم ﷺ نے ان کو بعض نصیحتیں فرمائیں اور یہ فرمایا کہ اس وصیت نامہ کو شائع کرو، مزید یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی وصیت نامہ پڑھ کر اس کی نقل ایک جگہ سے دوسری جگہ ارسال کرے گا، اس کی قیامت کے دن میں شفاعت کروں گا اور اس کے خاندان کو جنت ملے گی اور جو ایسا نہیں کرے گا، تو وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا اور اس کو دنیا میں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

نیز اس پرچہ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو شخص اس پرچہ کی ۳۰ نقل چھپوا کر تقسیم کرے گا، اس کو چودہ دن میں خوشی حاصل ہوگی، ابھی ممبئی میں کسی نے تیس ۳۰ پرچے چھپوا کر تقسیم کیا، تو اس کو ۲۵۰۰ روپے کا فائدہ ہوا۔ اور ایک دوسرے آدمی کو ساٹھ ہزار کا فائدہ ہوا، جب کہ ایک شخص نے اس کو جھوٹ کہہ کر پھینک دیا، تو اس کو اپنے بیٹے سے ہاتھ دھونا پڑا۔

برسوں سے یہ دیوانگی اور دھوکہ دہی کا سلسلہ جاری ہے اس کو ''مکتوب مسلسل'' کا درجہ دیا جانے لگا ہے، یعنی جس کو ہم بذریعہ ڈاک یہ پرچہ بھیجیں، اس کو سات یا نو یا چودہ دوسرے اشخاص پر ایسے پرچہ روانہ کرنا ضروری ہوگا، جو ایسا کرے گا، اس کو فائدہ ہوگا اور جو ایسا نہیں کرے گا، اس کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس طرح ایسے خطوط یا پرچوں کے حاصل کرنے والے لاکھوں سے متجاوز ہو جاتے ہیں، بھولے بھالے مسلمان امید وخوف کے اس پھندے میں آجاتے ہیں۔ ازیں قبل اس کے خلاف بہت سے فتوے شائع ہو چکے ہیں، مگر اب تک یہ خطرناک تحریک رکی نہیں ہے، اس لیے مسلسل توضیحات کی ضرورت ہے، مہربانی فرما کر اس کے جواز وعدم جواز کے سلسلے میں رہنمائی فرمائیں اور اس طرح کی حرکت کرنے والوں کا شریعت میں کیا درجہ ہے، اس کی بھی وضاحت فرمادیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

ایسا وصیت نامہ متعدد بار شائع ہو چکا ہے، اور تقریباً ہر سال یہ مضمون بہت معمولی فرق کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے، اور کمال یہ ہے کہ صرف ایک شخص کو ہی یہ خواب آتا ہے، اور دوسرے بزرگوں اور ولیوں کو یہ شرف زیارتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم کلامی نہیں ہوتی، اور جہاں یہ خواب دِکھتا ہے یعنی مدینہ منورہ، وہاں

اس کی شہرت بھی نہیں ہوتی؛ بل کہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وہاں کوئی جانتا بھی نہیں ہے کہ کیسا وصیت نامہ ہے اور کیسا خواب؟ بس صرف ہندوستان میں اس کا خوب چرچا کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے جاہل مسلمان دھوکہ میں آکر اس کو سچا سمجھنے لگتے ہیں اور اس پر عمل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے جس کا انسداد ہر مسلمان پر بقدر استطاعت واجب اور ضروری ہے۔

مذہب اسلام ایک مکمل مذہب ہے، اور حقائق پر مشتمل ہے، چند رسوم اور توہمات کا نام اسلام نہیں ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دینا." [۱]، جیسی آیت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو چکی ہے، اس لیے اسلام میں کسی اضافے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ [۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں ارادہ فرمایا تھا کہ لاؤ تمہارے لیے ایک کتاب (وصیت نامہ) لکھ دوں، تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، تو حاضرین مجلس نے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا: "حسبنا کتاب اللہ" ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے، آپ کو شدت مرض میں تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر چہ بعض نے اس وقت اختلاف کیا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، اور اس واقعہ کے بعد چند دن اس دنیا میں رہے، یہ جمعرات کا واقعہ ہے اور پیر کو آپ کی وفات ہوئی؛ لیکن کوئی کتاب و وصیت نہیں لکھائی گئی۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی (وصیت نہ لکھانے کی) رائے کو پسند فرمایا۔ [۳]

---

(۱) ۵-المائدۃ:۳.

(۲) عن عمر بن الخطاب، أن رجلا، من اليهود قال له: يا أمير المؤمنين، آية في كتابكم تقرءونها، لو علينا معشر اليهود نزلت، لاتخذنا ذلك اليوم عيدا. قال: أي آية؟ قال: [اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا] [المائدة:۳] قال عمر: قد عرفنا ذلك اليوم، والمكان الذي نزلت فيه على النبي صلى الله عليه وسلم، وهو قائم بعرفة يوم جمعة. (صحيح البخاري:۱/۱۱، حديث:۴۵، باب زيادة الإيمان، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: لما حضر رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي البيت رجال، فيهم عمر بن الخطاب، قال النبي صلى الله عليه وسلم: هلم أكتب لكم كتابا لا تضلوا بعده، فقال عمر: إن النبي صلى الله عليه وسلم قد غلب عليه الوجع، وعندكم القرآن، حسبنا كتاب الله. فاختلف أهل البيت فاختصموا، منهم من يقول: قربوا يكتب لكم النبي صلى الله عليه وسلم كتابا لن تضلوا بعده، ومنهم من يقول ما قال عمر، فلما أكثروا اللغو والاختلاف عند النبي صلى الله عليه وسلم، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قوموا. (صحيح البخاري:۲/۸۴۶، كتاب المرضى، حديث:۵۶۶۹، باب قول المريض قوموا عني، ط: البدر - ديوبند)

عن ابن عباس رضي الله عنهما: أنه قال: يوم الخميس وما يوم الخميس؟ ثم بكى حتى خضب دمعه=

اللہ کے فضل سے مسلمانوں کے پاس حق اور باطل کے درمیان فرق وامتیاز کرنے والی عظیم الشان میزان" قرآن پاک "موجود ہے، کہ جس میں دستور اور نصب العین اور ایسا قانون جامع وحاوی تمام ضروریات ہے کہ اس میں قیامت تک ترمیم وتغیر کی ضرورت نہیں ہے، ہر زمانے کے مناسب احکام موجود ہیں، سائنس کی ترقی کے اس دور میں بھی قرآنی احکام اور اسلامی نظام پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا ہے، بل کہ سائنسی ترقی نے بہت سے الجھے ہوئے دماغوں کو قرآنی احکام کا سمجھنا آسان کر دیا ہے، کیوں کہ یہ احکم الحاکمین کا قانون ہے، جس کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو اپنے بندوں کے لیے ایسا ہی ہونا چاہیے۔

نیز یہ قرآن کریم' نبی اکرم ﷺ سے ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہے، ہزاروں اور لاکھوں ہر زمانے میں اس کے حافظ ہوتے چلے آئے ہیں اور آج تعداد کروڑوں سے بھی متجاوز ہو چکی ہے، قرآن کریم کا ہر حکم اور ہر حرف محفوظ ہے؛ کیوں کہ خداوند کریم نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اور اس کا ایسا نظم کیا ہے کہ عقل انسانی اس کا تصور تک نہیں کر سکتی۔

اس امت کے پاس قرآن کریم کی تفصیل وتشریح کی شکل میں بڑا ذخیرہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا موجود ہے، اس کی حفاظت اور نشر واشاعت کا اللہ تعالیٰ نے ایسا غیبی نظام فرمایا کہ عقل انسانی حیران ہے، اولاً خود رسول اللہ ﷺ نے بار بار فرمایا: "**من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار**" کہ جس نے رسول اللہ کی طرف غلط نسبت کی، آپ ﷺ پر جھوٹ بولا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ روایت متواتر اور قطعی ہے۔ (۱)

= الحصباء، فقال: اشتد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه يوم الخميس، فقال: ائتوني بكتاب أكتب لكم كتابا... الخ. (صحيح البخاري: ۴۲۹/۲، برقم الحديث: ۳۰۵۳، كتاب الجهاد، باب: هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم؟ ط: البدر - ديوبند)

ولهذا قال عمر حسبنا كتاب الله وظهر لطائفة أخرى أن الأولى أن يكتب لما فيه من امتثال أمره، وما يتضمنه من زيادة الإيضاح، ودل أمره لهم بالقيام على أن أمره الأول كان على الاختيار، ولهذا عاش صلى الله عليه وسلم بعد ذلك أياما، ولم يعاود أمرهم بذلك، ولو كان واجبا لم يتركه لاختلافهم؛ لأنه لم يترك التبليغ لمخالفة من خالف... الخ. (فتح الباري: ۲۰۹/۱، باب كتابة العلم، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۱) صحيح البخاري: ۱۷۲/۱، رقم الحديث: ۱۲۹۱، باب مايكره من النياحة على الميت، ط: البدر - ديوبند)

قوله: (من كذب علي متعمداً)، الخ. فقد روي عن مائة من الصحابة على ما قال الحافظ: أنه ورد عن ثلاثين نفساً منهم بأسانيد صحاح وحسان، وعن نحو من خمسين غيرهم بأسانيد ضعيفة، وعن نحو من عشرين آخرين بأسانيد =

آپ نے جو بات نہ فرمائی ہو،اس کی نسبت آپ کی جانب کرنا قطعی طور پر حرام ہے،بل کہ بعض علماء اس کو کفر کہتے ہیں،الغرض اس اعلان کا صحابۂ کرام نے ہمیشہ پاس ولحاظ رکھا؛حتی الامکان کثرت روایت سے بچتے رہے،جب تک پورا بھروسہ اور یقین کامل نہ ہوجاتا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کسی بات کی روایت نہیں کرتے تھے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب غلط بیانی نہ ہو،اس کے لیے علماء نے رواۃ حدیث کے احوال محفوظ کیے اور اس سلسلے میں ''فن اسماء رجال'' کی مستقل طور پر تدوین فرمائی۔جس میں راوی کے پورے حالات بیان کیے،ان کا حافظہ کیسا ہے؟ تقوی وامانت داری میں ان کا کیا مقام ہے؟ روایات کے قابل اعتبار ہونے کے لیے ایک کسوٹی بنائی گئی تا کہ غلط چیزیں دین میں داخل نہ ہوسکے،محدثین نے روایت حدیث میں اس قدر احتیاط کیا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیا۔فن اسماء الرجال عظیم الشان فن ہے،اور مسلمانوں کے لیے باعث فخر ہے کہ یہ فن ان کا امتیاز ہے،جس سے دنیا کے تمام مذاہب خالی ہیں۔

الغرض جس دین میں اس قدر احتیاط برتی جاتی ہو اور غلط بات دین کا حصہ نہ بن جائے،اس کے لیے کئی فن وجود میں آئے ہوں،بھلا اس کے ماننے والوں کو کیوں کر روا ہے کہ وہ بلا سند بیان کی گئی باتوں کو تسلیم کرلیں؛ کیوں کہ اسلامی حکم یہ ہے کہ جب کوئی بات سامنے آئے،تو اس کی خوب تحقیق کرلو،کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر اعتماد کرکے کوئی اقدام کر بیٹھو اور بعد میں ندامت اور شرمندگی اٹھانی پڑے،قرآن پاک میں ہے:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ.[2]

اسی طرح دوسری جگہ قرآن میں ہے:

=ساقطة، مع أن فيها ما هو مطلق في ذم الكذب عليه من غير تقييد بهذا الوعيد الخاص. ونقل النووي أنه جاء عن مائتين من الصحابة، ولأجل كثرة طرقه أطلق عليه أنه متواتر لفظاً ومعنى. (مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح - أبو الحسن عبيد الله بن محمد عبد السلام، المباركفوري (م: ١٤١٤هـ): ١/ ٣٠٢، كتاب العلم، ط: إدارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء - الجامعة السلفية - بنارس الهند)

الأول: فيه دليل على تعظيم حرمة الكذب على النبي، عليه الصلاة والسلام، وانه كبيرة. والمشهور: أن فاعله لا يكفر إلا أن يستحله. وحكى إمام الحرمين عن أبيه أبي محمد الجويني من أصحاب الشافعي أنه كان يقول: من كذب على النبي، عليه الصلاة والسلام، متعمدا كفر وأريق دمه. وضعفه إمام الحرمين، وجعله من هفوات والده، وقال النووي: لو كذب في حديث واحد عمدا فسق وردت رواياته كلها...الخ. (عمدة القاري شرح البخاري: ٢/ ١٤٩، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، ط: دار إحياء التراث العربي)

(٢) ٤٩- الحجرات: ٦)

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ. (۱)

کوئی خوف یا امن کی بات لوگ سن کر خود اس کو نہ پھیلائیں؛ بل کہ رسول اللہ (ﷺ) کو سنائیں یا اہل علم اور اہل الرائے کو، وہ خود سمجھ کر موقع کے مناسب بات کریں گے۔

اس لیے کوئی بھی مضمون بلا سند کے قابل اعتبار نہیں ہے، ورنہ پھر تو جس کے جی میں آئے، مشہور کر دیا کرے، اب اس وصیت نامہ میں غور کیجیے! شیخ احمد کون ہیں؟ مجہول الحال والصفات۔ (۲)

لہٰذا ان کا ثقہ اور قابل اعتبار ہونا تو بعد کی بات ہے، خود مضمون میں ایسی باتیں ہیں، جو خلاف عقل اور خلاف شرع ہیں؛ کیوں کہ اس پرچہ میں لکھا ہوا ہے کہ اے احمد! ہماری امت سے یہ کہہ دو کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ساٹھ ہزار آدمی مرے ہیں، جن میں سے کسی کا ایمان محفوظ نہیں تھا، سب بے ایمان ہو کر مرے ہیں۔ یہ بات یقیناً خلاف شرع اور خلاف عقل ہے؛ اس لیے کہ اول تو خداوند تعالیٰ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ حدیث پاک میں ہے: "إن رحمتي سبقت غضبي". (۳)

پس اللہ کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اکثر مومن کا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہو۔

دوسرے یہ کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اکثر مسلمان آخر وقت میں توبہ کرتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہوئے مرجاتے ہیں، یہ دونوں علامتیں ہیں خاتمہ بالخیر کی۔ (۴)

---

(۱) ۴-النساء: ۸۳.

[۲] (ثانيها) مجهول الحال في العدالة ظاهرا، وباطنا، وهذا أيضا لا يقبل حديثه عند الأكثرين، وحكى عن أبي حنيفة قبوله: لكن قيل: أن الثابت عنده عدم قبوله مطلقا، وبه صرح الحماري من مقلديه، وإنما قبله في عصر التابعين خاصة كما تقدم. (الغاية في شرح الهداية في علم الرواية-شمس الدين، السخاوي (م: ۹۰۲هـ): ۱/۱۳۶، مراتب ألفاظ التعديل والتجريح، ت: أبو عائش عبد المنعم إبراهيم، ط: مكتبة أولاد الشيخ للتراث)

(۳) صحيح البخاري، رقم الحديث: ۶۹۸۶، باب: وكان عرشه على الماء)

(۴) عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الرجل ليعمل البرهة من عمره بعمل أهل الجنة، فإذا كان قبل موته تحول بعمل بعمل أهل النار فمات فدخل النار، وان الرجل ليعمل البرهة من عمره بعمل أهل النار، فإذا كان قبل موته عمل بعمل أهل الجنة فمات فدخل الجنة. (مسند أبي يعلى: ۶/۲۳۳، رقم الحديث: ۳۸۴۹، ط: دار المأمون للتراث-دمشق)

عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة. (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۳۱۱۸، باب: باب في التلقين)

جب کہ پرچے میں لکھا جارہا ہے کہ کوئی بھی ایمان کی حالت میں نہیں مرا، ظاہر ہے کہ یہ سراسر جھوٹ اور خلاف واقعہ بات ہے۔

اور پھر غور کیجیے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ساٹھ ہزار مسلمان کا مرجانا کس ملک اور کس قوم میں پیش آیا ہے، کیا اس سے ساری دنیا کے مسلمان مراد ہیں، جو ایک ہفتہ میں انتقال کر گئے ہیں یا کیا مراد ہے؟ یہ بالکل مبہم ہے، اور مسلمانوں کی موت وحیات کے ظاہری اعداد وشمار اس کی تائید نہیں کرتے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ ''بس چند دنوں میں ایک ستارہ آسمان پر طلوع ہوگا اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا''۔ کیوں کہ قیامت کی علامات - جو احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں - میں سے بہت سی علامتوں کا ظہور باقی ہے؛ اس لیے اس قدر قیامت قریب نہیں ہے، جس کا اس پرچے میں اظہار کیا گیا ہے۔ دوسرے توبہ کے دروازے کا بند ہونا آفتاب کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے پر ہوگا۔ (۱)

اور اس کے لیے ابھی بہت سے واقعات رونما نہیں ہوئے ہیں۔ جیسے حدیث میں یہ بھی ہے کہ قیامت آنے سے پہلے حروف قرآن مٹ جائیں گے۔ (۲)

بل کہ بخاری شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت سے چند دن پہلے ایسے ہوں گے، کہ ان میں علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت عام ہوجائے گی اور ہرج کی کثرت ہوگی اور ہرج سے مراد قتل ہے۔ (۳)

اسی طرح پرچے کا یہ مضمون کہ جو وصیت نامہ کو شائع کرے گا، اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے، اس کو اور اس کے خاندان کو جنت میں جگہ دلوائیں گے اور جو کوئی ایسا نہیں کرے گا، وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا، یہ مضمون بھی سراسر غلط اور خلاف شریعت مطہرہ ہے۔

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تقوم الساعة حتى تطلع الشمس من مغربها، فإذا طلعت فرآها الناس آمنوا أجمعون فذلك حين لا ينفع نفسا إيمانها لم تكن آمنت من قبل أو كسبت في إيمانها خيرا. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۶۱۴۱، باب: باب طلوع الشمس من مغربها)

(۲) لا تقوم الساعة حتى يرجع القرآن من حيث جاء، فيكون له دوي حول العرش كدوي النحل، فيقول الرب عز وجل: مالك؟ فيقول: منك خرجت وإليك أعود، أتلى فلا يعمل بي، فعند ذلك يرفع القرآن. " الديلمي - عن ابن عمرو. (كنز العمال: ۱۴/ ۲۳۳، رقم الحديث: ۳۸۵۲۵، في اشراط الساعة الكبرى، ط: مؤسسة الرسالة)

(۳) قال أبو موسى: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن بين يدي الساعة لأياما، يرفع فيها العلم، وينزل فيها الجهل، ويكثر الهرج. والهرج القتل. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۶۶۵۴، باب ظهور الفتن)

کیوں کہ احادیث صحیحہ میں موجود ہے کہ ہر مسلمان کی آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔ حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں راضی نہیں ہوگا، جب تک میری امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے گا۔ [1]

نیز آپ رحمۃ للعالمین ہیں، پھر خدا کی رحمت بہت وسیع ہے، محض اس فریبی اور جعلی وصیت نامہ پر جنت و دوزخ کیسے موقوف ہوسکتی ہے؟ اول تو خواب جھوٹا ہے اور اگر مان لیں کہ خواب سچا ہی ہے، تو بھی قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تعلیمات کے سامنے یہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے؛ کیوں کہ غیر نبی کا خواب کوئی حجت اور دلیل شرعی نہیں ہے، نہ خواب دیکھنے والے کے لیے اور نہ ہی دوسروں کے لیے، خواب میں غلطی کے سیکڑوں امکانات ہیں۔ [2]

معلوم نہیں مسلمانوں کو کیا ہوگیا ہے کہ صاف ستھری شریعت ہوتے ہوئے خواب پر کیوں بھروسہ کرتے ہیں، جس میں اضغاث احلام اور حدیث النفس اور شیطانی خیالات اکثر ہوتے ہیں، رویاء صالحہ کے لیے بہت سی شرطیں ہیں، ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ سمجھ بھی سکے کہ کیسا خواب ہے؟ اگر خواب میں نصوص شرعیہ کے خلاف کوئی بات ہو، تو اسے رد کر دیا جائے گا۔ معلوم نہیں کہ خواب وخیال کی دنیا میں مسلمان کیوں مبتلا ہوگئے، آفتاب کی طرح روشن تعلیمات سے اعراض اور خواب وخیال کی طرف التفات کیا معنیٰ رکھتا ہے؟؟؟

الغرض وصیت نامہ من گھڑت ہے، محدثین نے تو جھوٹ کے ہلکے اور معمولی قرینہ پر حدیث کو موضوع کہہ دیا ہے اور موضوع کی اشاعت اور چھپائی نصوص کی رو سے حرام ہے؛ بل کہ بعض محدثین کے نزدیک کفر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ [3] اس لیے اس

---

(۱) عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يجمع الله الناس يوم القيامة... ثم يقال لي: ارفع رأسك: سل تعطه، وقل يسمع، واشفع تشفع، فأرفع رأسي، فأحمد ربي بتحميد يعلمني، ثم أشفع فيحد لي حدا، ثم أخرجهم من النار، وأدخلهم الجنة، ثم أعود فأقع ساجدا مثله في الثالثة، أو الرابعة، حتى ما بقي في النار إلا من حبسه القرآن" وكان قتادة، يقول عند هذا: أي وجب عليه الخلود. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۶۵۶۵، باب صفة الجنة والنار)

(۲) رؤيا غير الأنبياء عليهم الصلاة والسلام لا يبنى عليها حكم شرعي والجواب. (عمدة القاري شرح البخاري: ۸/ ۸۸، باب الأذان مثنى مثنى* وكذا في رد المحتار: ۱/ ۳۸۳، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) تقدم تخريجه.

طرح اول شائع کرنے والا حرام کا مرتکب ہوگا؛ بل کہ اس پر کفر کا اندیشہ ہے، اسی طرح دوسرے لوگ جو اس کو شائع کریں گے، وہ بھی حرام کے مرتکب ہوں گے، ان کا شمار بھی واضع حدیث میں ہوگا، اس لیے خدائی عذاب سے بچنا ضروری ہے۔

اسے بالکل نہ سچ سمجھا جائے کہ اس کی تقسیم سے مالی منفعت ہوگی، اگر چہ اس خبر کو کوئی قابل اعتماد آدمی ہی کیوں نہ بیان کرے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اسے کسی اور وجہ سے مالی فائدہ پہنچا ہو؛ لیکن وہ نادانی میں سمجھ بیٹھا کہ میرا فائدہ اسی کی تقسیم کی وجہ سے ہوا ہے، ویسے بھی شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ طرح طرح سے ایمان کو ضائع کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، اس لیے اس طرح کی خبروں پر بالکل کان نہیں دھرنا چاہیے، اگر اسے صحیح سمجھا جائے، تو کفر کا اندیشہ ہے، بھلا کون مسلمان ہوگا، جو ایمان کو ضائع کر کے روپیہ کمانے کی سوچے۔

خوب یاد رکھیے! ''اس کی تقسیم سے مالی فائدہ حاصل ہوگا'' ایسا سوچنا غلط ہے، اگر یہ بات صحیح بھی ہو، تو بھی مسلمان اپنا ایمان داؤ پر لگا کر روپیہ نہیں حاصل کرتا، نیز غور کریں غیر مسلم لاکھوں روپیہ کماتے ہیں، انہوں نے کون سا وصیت نامہ شائع کرایا ہے، کیا قرآن وحدیث کی تبلیغ پر کوئی یہ وعدہ کرسکتا ہے کہ ۱۴؍ دن میں اس کو اتنی دولت مل جائے گی، جب ایسا نہیں ہے، تو پھر اس پمفلیٹ کے شائع کرنے پر کیسے اس طرح کا وعدہ کیا جاسکتا ہے۔

خوب یاد رکھیں! رزق کا وعدہ اللہ نے سب جان داروں کے لیے قرآن میں فرمایا ہے۔ (۱)

رزق کے اسباب پیدا فرمائے ہیں، جو ان کو اختیار کرے گا، موافق جدوجہد کرے گا تو – مقدر میں جس قدر ہوگا – ملے گا، کس کو کتنا ملے گا، اس کی کسی کو خبر نہیں ہے، یہ دنیا دار الاسباب ہے، ان کو اختیار کیا جائے اور وصیت نامہ شائع نہ کرنے کہ وجہ ڈر اور خوف کھانا خلاف عقل و شرع ہے؛ کیوں کہ جس کی جس قدر عمر ہے، وہ پوری ہوگی، قضا نہ مقدم ہوتی ہے اور نہ مؤخر۔ (۲)

اس جھوٹے وصیت نامہ میں کہاں سے اثر ہوگیا کہ وہ وقت سے پہلے کسی کو مار دے، اگر کسی کا اس درمیان انتقال ہوجائے، تو یہ اتفاقی بات ہوگی، وصیت نامہ شائع نہ کرنے کا اثر نہیں ہوگا۔ ہر شخص کا وقت موعود

---

(۱) وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ. (۱۱-ھود: ۶)

(۲) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ. (۷-الأعراف: ۳۴)

متعین ہے، جس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ کمزور ہو چکا ہے اور وہ ایسی فریبی چیزوں پر اعتماد رکھتا ہے؛ حالاں کہ نافع علی الاطلاق اور ضار علی الاطلاق صرف اللہ تعالیٰ ہیں، نہ کوئی شئے کسی کو نفع پہونچا سکتی ہے، اور نہ نقصان پہونچا سکتی ہے۔ (۱)

ایک مسلمان وہ تھے، جنہوں نے برسوں کی رسم دریائے نیل میں جوان لڑکی کا دان ختم کر دیا تھا، حالاں کہ یہ موقع ابتلا کا تھا، لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر جوان لڑکی کو بھینٹ نہ چڑھا جائے، تو دریا اپنا پانی دینا بند کردے گا۔ حالاں کہ یہ رسم اسلامی عقیدے کے خلاف تھی، اس رسم کو ختم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ کے گورنر نے قدم اٹھایا اور جوان لڑکی کو بھینٹ نہیں چڑھایا، اتفاق سے اس سال پانی کم ہوگیا، اس کی اطلاع حضرت عمر فاروقؓ کو دی گئی، تو انہوں نے دریائے نیل کے نام خط لکھا: اے دریا! اگر خدا کے حکم سے تو بہتا تھا، تو جاری ہوجا، ورنہ ہمیں تیری ضرورت نہیں ہے، ایمان قوی تھا، توکل کے اعلیٰ اور انتہائی معیار پر فائز تھے، اللہ تعالیٰ نے لاج رکھی اور دریا دوبارہ اپنی شان کے ساتھ بہنے لگا۔ اور یہ رسم ختم ہوگئی۔ (۲)

یہ دنیا فانی ہے، آزمائش کی جگہ ہے، دیوی کے پجاری کی بھی مرادیں پوری ہوتی ہیں؛ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جس کو یہ وصیت نامہ ملا ہے، اس کو جلا کر ختم کردے اور دوسرے کو جو گمراہ ہو چکا ہے، اصل حقیقت سمجھائے، یقین دلائے کہ اللہ ہی بھروسہ کرنے کے لائق ہے، ان پر بھروسہ کرنے سے کبھی کچھ

---

(۱) قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللهُ. [۷-الأعراف:۱۸۸]

(۲) لما فتحت مصر أتى أهلها إلى عمرو بن العاص حين دخل بئونة من أشهر العجم، فقالوا: أيها الأمير إن لنيلنا هذا سنة لا يجري إلا بها، فقال: وما ذاك؟ قالوا: إذا كان ثنتا عشرة ليلة خلون من هذا الشهر عمدنا إلى جارية بكر من أبويها، فأرضينا أبويها، وجعلنا عليها من الحلي والثياب أفضل ما يكون، ثم ألقيناها في هذا النيل، فقال له عمرو: إن هذا مما لا يكون في الإسلام، إن الإسلام يهدم ما قبله، قال: فأقاموا ابئونة وأبيب ومسرى والنيل لا يجري قليلا ولا كثيرا حتى هموا بالجلاء، فلما رأى ذلك عمرو كتب بذلك إلى عمر بن الخطاب، فكتب: إنك قد أصبت بالذي فعلت، وإن الإسلام يهدم ما قبله، وإني قد بعثت إليك ببطاقة داخل كتابي هذا فألقها في النيل، فلما قدم كتاب عمر إلى عمرو، أخذ البطاقة ففتحها فإذا فيها: "من عبد الله عمر أمير المؤمنين إلى نيل مصر، أما بعد: فإن كنت إنما تجري من قبلك فلا تجر، وإن كان الله الواحد القهار هو الذي يجريك فنسأل الله الواحد القهار أن يجريك". قال: فألقى البطاقة في النيل، فلما ألقى البطاقة أصبحوا يوم السبت وقد أجراه الله تعالى ستة عشر ذراعا في ليلة واحدة، وقطع الله تعالى تلك السنة عن أهل مصر إلى اليوم. (كرامات الأولياء-الرازي:۹/۱۲۶، رقم الحديث:۶۶، ط: دار طيبة-السعودية)

نقصان نہیں ہوگا؛ بل کہ آخرت میں رفع درجات کا سبب ہوگا، تجربہ کیجیے، اور اپنے تجربات لوگوں کے سامنے بیان کیجیے، تاکہ دوسروں کو جھوٹی باتوں کے بجائے سچی باتوں پر یقین ہو جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] گجراتی ماہنامہ ''ینگ وہورا ویلفیر'' کے ایک مضمون پر اشکال

۴۱۹-سوال: ینگ وہورا ویلفیر'' نامی ماہنامہ میں ۹ ستمبر ۱۹۹۱ء میں ''مسلم معاشرہ میں دنیوی تعلیم کی کوتاہی'' کے عنوان سے ایک مضمون چھپا تھا، جس کا ایک فقرہ قابل غور ہے، اُس میں یہ لکھا گیا ہے کہ ''ایسا مذہب جو قدیم روایات واقدار اور قدیم عقائد کا پابند ہو، وہ ہمیں غیر مفید احساسِ برتری میں مبتلا کرتا ہے، لیکن حقیقی راحت نہیں دے سکتا، سچا مذہب تو وہی ہے، جو زمانہ کے ساتھ تغیرات کو قبول کر سکتا ہو۔''

کیا یہ مضمون اسلامی نقطۂ نظر سے درست ہے؟ اور اس جیسے مضامین سے مسلمانوں کو دینی فائدہ ہوگا یا نقصان؟ کیا اس مضمون میں سراسر اسلام دشمنی نہیں ٹپکتی؟ اس مضمون کو شائع کرنے کے بعد مدیر ماہنامہ نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس کے پڑھنے اور اُس پر عمل کرنے کی درخواست بھی کی ہے، برائے کرم! آپ ہمیں اس مسئلہ میں شرعی نقطۂ نظر سے واقف فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور مضمون لکھنے والا شخص غیر مسلم ہے، دین اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب چوں کہ صرف انسانی عقل کی پیداوار ہیں، کہ لوگوں عقل نے جس طرح چاہا، اُس طرح اپنا مذہب گڑھ لیا، مذاہب حقہ میں سے بعض مذاہبِ سماویہ بھی تھے، مگر اُن مذاہب کے متبعین نے اُن کی اصل روح اور اصل حقیقت پر باقی نہیں رہنے دیا؛ بل کہ اپنی جانب سے من چاہی ترمیمات کر کے ''من چاہا مذہب'' بنا دیا، جن میں نبوی تعلیمات اور روحانی تربیت کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، اسلام کے علاوہ دیگر تمام مذاہب کا یہی حال ہوا، اسی وجہ سے اُن مذاہب کے ماننے والوں کو جہاں کہیں اپنے ''خود ساختہ دین'' میں کوتاہی نظر آتی ہے کہ وہ موجودہ دور کے مسائل کے حل میں ناکافی اور کوتاہ ہیں، یا انہیں اپنے خود ساختہ مذہبی اصول اور دورِ حاضر کے تقاضوں کے مابین تعارض نظر آتا ہے، تو فوراً اُس پر اپنا ردِ عمل ظاہر کرتے ہوئے یا تو دین ہی کا انکار کر دیتے ہیں، یا اُسے معطل اور ناقابل عمل قرار دیتے ہیں، اور عقلِ انسانی کی کارستانی کا یہ سلسلہ صرف موجودہ دور ہی میں نہیں؛ بل کہ ہر زمانہ میں رہا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھولی بھٹکی انسانیت پر رحم فرما کر نبی اکرم ﷺ کو مبعوث

فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کے تمام انسانوں کو دین اسلام جیسا عظیم تحفہ عنایت فرمایا، جو اپنی وسعت وہمہ جہتی کی وجہ سے ہر زمانہ کی ہر قسم کی ضروریات کی تکمیل کرنے والا ہے؛ لیکن کچھ کوتاہ بین بندے دین اسلام کو بھی دیگر مذاہب ہی کی طرح سمجھتے ہیں اور جس عینک سے وہ دیگر مذاہب کو دیکھتے ہیں، اُسی عینک سے دین اسلام کو بھی دیکھتے ہیں اور جھوٹے من گھڑت مذاہب کے بارے میں جو فیصلہ کرتے ہیں، وہی فیصلہ دین اسلام جیسے سچے مذہب کے متعلق بھی کر بیٹھتے ہیں۔

یہ بات کوئی بہت زیادہ تعجب خیز نہیں ہے، تعجب اور افسوس کے قابل بات تو یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے دین دار مسلم گھرانہ میں آنکھیں کھولی، اُس کے کانوں میں سب سے پہلے گونجنے والی آواز اذان کی آواز تھی، اسلامی معاشرے ہی میں وہ پل بڑھ کر پروان چڑھا، جس کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا اسلامی ماحول میں گزرا، پھر یہ بھی نہیں کہ وہ دینی تعلیم سے دور رہ گیا ہو، بل کہ بفضلہٖ تعالیٰ اُسے بھی دین کا اچھا خاصہ علم اور سمجھ حاصل ہے، وہ کیسے ایک غیر مسلم کوتاہ بین کے غلط مضمون کو بغیر کسی اصلاح وترمیم کے اپنے ماہنامہ میں من وعن شائع کر دیتا ہے، پھر صرف اس پر بس نہ کرتے ہوئے ان خیالات پر اپنی خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے، کیا کوئی مسلمان قصداً کسی کو کفریہ اور شرکیہ عقائد کی دعوت دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اور ایسی بدگمانی ہم کسی بھی مسلمان کے بارے میں نہیں کر سکتے، اور یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ کو بھی اس پر اشکال ہوا اور ہونا ہی چاہیے۔

دین اسلام ہی ایک ہمہ گیر اور وسیع 'دین فطرت ہے، جو رہتی دنیا تک انسانوں کی صحیح رہبری اور ترقی کے ساتھ آخرت کی فلاح وبہبود کا ضامن ہے، نبوی تعلیمات کے بغیر کوئی بھی انسان' انسان' کہلانے کے قابل نہیں، دنیا نے بارہا دیکھا ہے کہ جب کبھی دنیا نبوی تعلیمات سے دور ہوگئی، تو انسانوں میں وحشی حیوانوں کی سی صفات پیدا ہوگئیں، معاشرہ نام کی کوئی چیز اُن کے تصور میں باقی نہیں رہی، کون نہیں جانتا کہ عالمی جنگ کے دوران انسانی خون کی قیمت پانی سے بھی کم تھی، کیا اُن میں شریک ہونے والے فریقین مسلمان تھے؟ نہیں؛ بل کہ وہی عقل پرست اور کوتاہ بین دنیوی تعلیم یافتہ سربراہوں کا گروہ تھا، جو خود کو دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب مقتدیٰ خیال کرتا تھا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ دین اسلام کبھی بھی دنیوی تعلیم اور جدید سائنسی انکشافات اور ترقیات کا مخالف

---

(۱) وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ (۲۷-النمل:۲۰)

نہیں رہا، جس دین کا حکمِ اولیں ہی "اقرأ"[1] (پڑھو) ہو، وہ تعلیم و تعلّم کی مخالفت کیسے کر سکتا ہے، دین اسلام نے احکامِ الٰہیہ کے ذریعہ انسانیت کی وہ بہترین تربیت کی کہ جس پر عمل کرنے کی وجہ سے پوری دنیا ایک کنبہ کے مانند ہو گئی، اسلام نے ہر قسم کی بے حیائی اور بے مروتی کے کاموں سے روکا ہے، دین اسلام نے کبھی دنیوی علوم کی مخالفت نہیں کی؛ بل کہ اعلیٰ دنیوی تعلیم یافتہ حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جس تعلیم کو وہ اپنا طرۂ امتیاز خیال کرتے ہیں، وہ بھی درحقیقت انبیاء ہی کے طفیل انہیں حاصل ہوئی ہے، لکھنے پڑھنے سے لے کر ہر قسم کی صنعت وحرفت کا علم اولاً اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ کرام کو دیا، اور اُن ہی سے ساری انسانیت نے اُن علوم کو سیکھا ہے، اِس اعتبار سے تو کوئی بھی دین سماوی دنیوی تعلیم اور عصری ترقیات کا منکر ومخالف نہیں ہو سکتا، چہ جائے کہ دین اسلام جیسا عظیم الشان اور ہمہ گیر مذہب اُس کی مخالفت کرے۔

دین اسلام نے انسان کی دنیوی زندگی کے ہر مرحلہ میں ہر پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح تعلیمات اور صحیح تربیت کے ذریعہ رہنمائی کی ہے، لہٰذا اُس نے دنیوی تعلیم کے حصول اور اُس کے آداب بھی سکھائے ہیں اور ایسے امور سے روکا ہے، جن میں سراسر بے حیائی اور بے حجابی پائی جاتی ہو، چناں چہ موجودہ دور کی عصری تعلیم گاہوں میں جو عریانت اور فحاشی کی گندی ہوا چل پڑی ہے، اُس سے دور رہنے کی تعلیم دی ہے، عصری علوم کے حصول سے نہیں روکا؛ بل کہ اُن علوم کو ظاہری وباطنی پاکی اور صفائی کا خیال رکھتے ہوئے نبوی طور وطریق کے ساتھ حاصل کرنے کے لیے کہا ہے، جسے موجودہ دور کے عقل پرست اور کوتاہ بیں عصری علوم کی مخالفت سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری فلاح بہبود کی ضمانت صرف اور صرف دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں اور قرونِ اولیٰ مشہود لہا بالخیر کی اتباع میں ہے، چنانچہ حدیث شریف میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اِس اُمت کے پچھلے لوگ بھی اُسی طور وطریق کے ذریعہ کامیاب ہو سکتے ہیں، جس پر چل کر پہلے لوگ کامیاب ہوئے ہیں۔[2] لہٰذا حضرات صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظام جس راہ پر چل کر کامیاب ہوئے، وہی ہمارے لیے مشعلِ راہ اور اُسوۂ حسنہ ہے۔

---

(۱) اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ [۹۶-العلق: ۱]

(۲) یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی نہیں؛ بل کہ حضرت امام مالکؒ نے وہب بن کیسانؒ کا مقولہ نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:
قال مالك: كان وهب بن كيسان يقعد إلينا، ثم لا يقوم أبدا حتى يقول لنا: إنه لا يصلح آخر هذه الأمة إلا ما صلح أولها، قلت له: يريد ماذا؟ قال: يريد التقى. (مسند الموطأ للجوهري-أبو القاسم الجوهري المالكي (م: ۳۸۱ھ) ص: ۵۸۴، ت: لطفي بن محمد الصغير، طه بن علي بو سريح، ط: دار الغرب الإسلامي، بيروت)

مذکورہ ماہنامہ ''ینگ وہورا ویل فیر'' کے تمام ذمہ داران سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ اس مضمون میں اصلاح کریں اور آئندہ اس طرح کے مضامین کو بغیر اصلاح وتحقیق کے شائع نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] پالن حقانی صاحب کی کتاب شریعت اور جہالت کیسی ہے؟

۴۲۰-سوال: جناب محمد پالن حقانی صاحب کی کتاب ''شریعت یا جہالت'' ارسال خدمت ہے، اس کے مطالعہ کے بعد حسب ذیل سوالوں جوابات مرحمت فرمائیں:

(۱) یہ کتاب سنی حنفی مذہب کے مطابق ہے یا اس کے خلاف؟ (۲) کیا اس کتاب میں پیغمبر، ان کے صحابہؓ یا اولیاء عظامؒ میں سے کسی کی بے عزتی کی گئی ہے؟ (۳) اس کتاب میں مذہبی، اخلاقی یا سماجی سوالوں کو اٹھا کر جو نتیجہ اخذ کی گیا ہے، وہ سنی حنفی مسلک کے موافق صحیح ہے یا غلط؟ مسلمانوں کے لیے مفید ہے یا مضر؟ (۴) اس کتاب میں قرآن کریم، احادیث نبویہ اور فقہ کی کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں، وہ معتبر اور مستند ہیں یا نہیں؟ (۵) اس کتاب کو حنفی مسلک کا مخالف تو نہیں مانا جائے گا۔

حبیب الرحمان غزنوی- احمد آباد

الجواب حامدا ومصليا:

(۱) کتاب ''شریعت یا جہالت'' مسلک حنفی سنی کے موافق ہے، البتہ بعض مسائل مفتی بہ نہیں ہیں۔ (مثلا: مسئلہ صفحہ نمبر ۵۳۰، ۴۱۲ اور ۴۱۳ پر جو مسائل ہیں)

(۲) رسول اکرام صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ، اور اولیاء عظامؒ میں سے کسی کی شان میں گستاخی یا بے ادبی نہیں کی گئی ہے۔ ہر ایک کی شان میں صرف مراتب کا خیال رکھا گیا ہے؟ جو کچھ نقل کیا گیا ہے، صحیح اور قابل استناد کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔

(۳) امت مسلمہ کے لیے صرف اخلاقی اور سماجی ہی نہیں؛ بل کہ ہر اعتبار سے بہت اچھی ہدایات ہیں، الحمد للہ۔

(۴) سارے حوالے جات صحیح ہیں۔

(۵) یہ کتاب سنی حنفی المسلک کے مطابق ہے، کسی طرح مخالف نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

۲۸ رجمادی الآخر ۱۴۰۳ھ

اس فتویٰ پر حضرت مفتی احمد بیات صاحبؒ کے دستخط کے علاوہ اس کی تصحیح کرنے والے دیگر علماء کے نام حسب ذیل ہیں: ۱- مفتی محمد ابراہیم پالن پوری ۲- مفتی محمد شریف حسن

۳۔حضرت مولانا عبداللہ صاحب (منظر ملت) ۴۔حضرت مولانا عبدالغفور نقشبندی صاحب ۵۔مولانا مفتی مصلح الدین صاحب ۶۔حضرت مولانا محمد ابراہیم ندوی غفرلہ۔

[۶] ''بہار شریعت'' نامی کتاب پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

۴۲۱-سوال: مجھے فقہی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق ہے، میں ایک کتاب ''بہار شریعت'' محمد امجد علی اعظمی کی لکھی ہوئی پڑھ رہا تھا، تو میرے ایک دوست نے کہا کہ یہ کتاب بریلویوں کی ہے ہمیں اہل دیوبند کی کتابیں پڑھنی چاہیے، تو اس سلسلہ میں آں جناب کا کیا مشورہ ہے کہ کتاب پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

''بہار شریعت'' بریلوی عالم کی ہے، اس کی جگہ پر بہشتی زیور حضرت اقدس تھانویؒ کی یا علم الفقہ ''مصنفہ: حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ'' پڑھیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

" الرؤيا ثلاث: حديث النفس ، وتخويف الشيطان ، و بشرى من الله ، فمن رأى شيئا يكرهه فلا يقصه على أحد وليقم فليصل ". (صحیح البخاری، رقم:۷۰۱۷)

باب تعبیر الرویاء

(خواب اور اس کی تعبیر)

○

[خواب اور اس کی تعبیر]

[۱] خواب میں شیر کو دیکھنے اور اس کو مار ڈالنے کی تعبیر کیا ہے؟

۴۲۲-سوال: میری عمر اس وقت تیراسی سال ہے، میں نے ایک رات تقریباً تین ساڑھے تین بجے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک گاؤں میں گیا، جہاں آج سے سال ڈیڑھ سال قبل جانا ہوا تھا، میں جیسے ہی گاؤں میں داخل ہوا، میری نظر ایک شیر پر پڑی، جو میرے سامنے آرہا تھا؛ لیکن میرے پاس لاٹھی وغیرہ کوئی چیز نہیں تھی، گاؤں والوں نے مجھے دور سے اشارہ کیا کہ تمہارے جیب میں کوئی قلم ہو، تو نکال کر اس کی طرف اشارہ کرو، وہ بھاگ جائے گا، میں نے ان کے کہنے کے مطابق اپنی جیب سے قلم نکالا اور شیر کی طرف اشارہ کیا، مگر شیر نہیں بھاگا، میں نظر بچا کر دوسری گلی سے دوڑتا ہوا مسجد کی طرف چلا گیا، جیسے ہی مسجد کے صحن میں پہنچا، تو دیکھتا ہوں کہ شیر دوڑتا ہوا میرے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا ہے، میں نے اس کو مار ڈالا، اس کے خون سے میرے ہاتھ اور کپڑے آلودہ ہو گئے، بس اسی پر میری آنکھ کھل گئی۔ اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مجھے خواب کی جو تعبیر سمجھ میں آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ شیر انسان کا دشمن ہوتا ہے، نیز بہت ہی بہادر اور طاقتور جانور ہوتا ہے، شیر کا آپ کی جانب آنا اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ کوئی طاقتور اور مضبوط آدمی

آپ کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ [۱] لیکن آپ کے دوستوں نے آپ کو دشمن سے بچنے میں سہارا دیا، کہ وہ آپ کو اپنے دشمن سے بچانے کے لیے ترکیبیں بتا رہے ہیں، آپ نے اپنی حفاظت کے لیے مسجد کا آسرا لیا، یہی ایک سچے مسلمان کی شان ہوتی ہے، نیز آپ کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسجد و مدرسے کی بھلائی چاہتے ہیں، اسی کی برکت سے آپ کو اپنے دشمن پر غلبہ حاصل ہوا اور آپ نے اسے ختم کر دیا۔

اس لیے کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کا دشمن آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا؛ کیوں کہ آپ نے اس کو زیر کر لیا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ''تین کچہری'' والی حدیث کا خواب میں دیکھنا اور اس کی تعبیر

۴۲۳-سوال: ایک رات میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک بڑا مجمع حلقہ لگا کر بیٹھا ہوا ہے، اس مجمع میں میں خود کھڑے ہو کر لوگوں میں حدیث بیان کر رہا ہوں، حدیث شریف وہ ہے جس میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قیامت کے روز تین کچہریاں ہوں گی۔ [۲] میں نے پہلی کچہری کے متعلق بیان کیا، تو ایک آدمی کھڑا ہوا، اس نے ایک آدمی کے ہاتھ میں کوئی چیز دی اور کہا کہ مٹھی بند کر لو اور اس کو ''نیتر نگ'' گاؤں میں پہنچا دو، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا تحفہ ہے؛ پھر میں نے دوسری کچہری کے متعلق بیان کیا، تو وہی نوجوان پھر کھڑا ہوا اور مذکورہ آدمی کو پھر ایک تحفہ دیا اور کہا کہ یہ تحفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، اس کو ''نیتر نگ'' پہنچا دو، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور تیسری کچہری کے متعلق میں کچھ بیان نہ کر سکا، تو اب حضرت والا سے گزارش ہے کہ اس خواب کی تعبیر بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔ صالح محمد غلام محمد ماسٹر منصوری، جیتالی

---

(۱) الأسد: عدو مسلط ذو سلطان و بأس شديد، فمن رأى أنه ينازع أسدا، أو يقاتله، فإنه ينازع عدوا مسلطا. (تعبیر نامہ خواب عربی اُردو- محمد بن سیرینؒ (م: ۱۱۰ھ)، مترجم: سید حبیب احمد ہاشمی، ص: ۱۶۹، ط: نصیر بک ڈپو- حضرت نظام الدین نئی دہلی)

الأسد في المنام عدو مسلط... (ومن رأى) أنه قاتل أسدا فإنه يقاتل عدوا مسلطا. (تعطير الأنام في تفسير الأحلام- عبد الغني النابلسي: ۱/ ۲۵-۲۸، در الكتاب- لبنان)

الأسد: سلطان قاهر جبار... والعدو الطالب... وقطع رأس الأسد نيل ملك وسلطان.... وقيل من رأى كأنه قتل أسداً، نجا من الأحزان كلها. (تفسير الأحلام- ابن سيرين: ۱/ ۱۰۲، ط: لجنة الدعوة)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »يعرض الناس يوم القيامة ثلاث عرضات، فأما عرضتان فجدال ومعاذير، وأما العرضة الثالثة، فعند ذلك تطير الصحف في الأيدي، فآخذ بيمينه وآخذ بشماله«. (سنن الترمذي: ۲/ ۶۸، أبواب الزهد، باب ما جاء في العرض، رقم: ۲۴۲۵، ط: ياسر نديم ديوبند)

الجواب حامداً و مصلیاً

تعبیر کے کئی اجزاء ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) خواب میں حدیث کا بیان کرنا خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔

(۲) تین کچہری والی حدیث کا خواب میں بیان کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ کو امت کی فکر لاحق ہے، اللہ رب العزت آپ کو مزید ترقیات سے نوازے۔ (آمین)

(۳) خواب میں لوگ آپ سے حدیث سن رہے ہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے لوگ آپ کے اس کام میں آپ کو سہارا دیں گے۔

(۴) غیب سے بھی آپ کو مدد ملتی رہے گی۔

(۵) آں حضرت ﷺ کی آپ کی طرف خاص توجہ ہے اور "نیتر نگ" جیسے پس ماندہ اور دین سے دور علاقے میں آپ ﷺ کا تحفہ بھیجنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ اس علاقے میں دین کی محنت کریں اور چھوٹے بچوں کے عقائد کی طرف دھیان دیں، نبی کریم ﷺ کی توجہ خاص آپ کے ساتھ رہے گی۔

(۶) جس مجمع اور مجلس میں آپ حدیث بیان کر رہے تھے، اس میں آپ ﷺ کی تشریف آوری آپ کے لیے بشارت کی چیز ہے، کہ نبی کریم ﷺ کی توجہ آپ کے ساتھ ہے، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] برے خواب کی وجہ

۴۲۴-سوال: اگر کوئی آدمی خواب میں یہ دیکھے کہ وہ اپنی بہن کے ساتھ زنا کر رہا ہے اور اسی حالت کو اس کو احتلام ہو جائے، تو اس طرح کے برے خواب کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

عبدالرحیم حسن بانگروئی (سوراشٹر)

الجواب حامداً و مصلیاً

خواب کی کئی قسمیں ہیں۔ (۱) برے خواب کے دیکھنے میں نفس اور شیطان کا بھی دخل ہوتا ہے؛ اس

(۱) قال محمد بن سيرين: وأنا أقول هذه - قال: وكان يقال: "الرؤيا ثلاث: حديث النفس، وتخويف الشيطان، وبشرى من الله، فمن رأى شيئا يكرهه فلا يقصه على أحد وليقم فليصل". (صحيح البخاري: ۲/۱۰۳۹، رقم: ۷۰۱۷، كتاب التعبير، باب القيد في المنام، ط: البدر ديوبند)

لیے آپ کا یہ خواب ''شیطانی خواب'' ہے، ایسے خوابوں سے اللہ رب العزت سے پناہ طلب کرتے رہنا چاہیے۔ رات کو سونے سے قبل قرآن واحادیث میں منقول اورادووظائف کے پڑھنے سے ایسے برے خوابوں سے بچا جاسکتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] خواب میں سانپ دیکھنا

۴۲۵-سوال: ایک عورت کو تقریباً تین سال سے خواب میں سانپ دکھائی دیتے ہیں، وہ روزانہ معمولات پڑھ کر سوتی ہے، مگر یہ سانپ کا خواب اکثر آتا ہے اور اچانک چیخ کر بیدار ہو جاتی ہے، ابھی چند دن پہلے اس نے یہ خواب دیکھا کہ ایک سانپ آیا اور اس کی چوٹی پر چڑھنے لگا، پس وہ چیخ مار کر ایک دم نیند سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس خواب کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟ براہ کرم جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: ۱-مبشرات: یعنی مستقبل میں ہونے والی اچھی چیزیں، جسے اللہ تعالیٰ خواب میں دکھا دیتے ہیں ۲-اضغاث واحلام: یعنی انسان جو خیالات لے کر سوتا ہے، خواب میں اسے وہی دکھتا ہے ۳-شیطانی وسوسے (مخوفات)، یعنی چوں کہ شیطان انسان کا دشمن ہے، اس لیے وہ خواب میں بھی اس کو ڈراتا ہے اور ایسے وساوس ڈالتا ہے، جس سے انسان ڈر جاتا ہے۔(۲)

پس مذکور خواب شیطانی ہے، اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس قسم کا خواب دیکھنے پر ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم'' تین بار پڑھ کر بائیں طرف تھتکار دیں اور کروٹ بدل کر سو جائیں، اور سونے سے پہلے چار قل اور آیت الکرسی پڑھ کر ہاتھ پر دم کر کے پورے بدن پر ہاتھ پھیر دیں اور داہنی کروٹ پر سوئیں ان شاء اللہ برا خواب ختم ہو جائے گا۔

(۱) عن أبي سلمة: أن أبا قتادة الأنصاري، وكان من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وفرسانه، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان، فإذا حلم أحدكم الحلم يكرهه فليبصق عن يساره، وليستعذ بالله منه، فلن يضره. (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۷۰۰۵، كتاب التعبير، باب: الحلم من الشيطان)

(۲) عن محمد بن سيرين، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا اقترب الزمان لم تكد رؤيا المؤمن تكذب، وأصدقهم رؤيا أصدقهم حديثا، ورؤيا المسلم جزء من ستة وأربعين جزءا من النبوة، والرؤيا ثلاث: فالرؤيا الصالحة بشرى من الله، والرؤيا من تحزين الشيطان، والرؤيا مما يحدث بها الرجل نفسه، فإذا رأى أحدكم ما يكره، فليقم وليتفل ولا يحدث بها الناس" قال: «وأحب القيد في النوم وأكره الغل» القيد: ثبات في الدين. (سنن الترمذي: ۲/ ۵۳، رقم: ۲۲۷۰، أبواب الرؤيا، باب أن رؤيا المؤمن جزء من ستة وأربعين... الخ، ط: ياسر نديم - ديوبند)

خواب کی تعبیر کے بڑے امام علامہ محمد بن سرینؒ لکھتے ہیں کہ خواب میں سانپ دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ دشمن تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے، جو مال، عزت یا آبرو پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ (۱) لیکن اگر تین سال سے خواب میں اس سانپ نے کاٹا نہیں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دشمن نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور اس دنیا میں کون ہے، جس کا کوئی دشمن نہ ہو! صرف احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] خواب میں خود کو ناپاک حالت میں دیکھنا، یا سانپ کا نظر آنا

۴۲۶-سوال: میں یہ خواب دیکھتا ہوں کہ ناپاکی کی حالت میں ہوں اور پاک ہونے کے لیے غسل کا ارادہ کرتا ہوں، کہ یکا یک ایک سانپ میری طرف آتا ہے اور میرے بائیں ہاتھ میں بغل کے پاس کاٹتا ہے، ساتھ ہی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں ناپاکی کی حالت میں ہوں، اگر اس حالت میں موت آ گئی، تو ناپاکی کی حالت میں مروں گا، میں اس غم و رنج میں ہوتا ہوں کہ آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس سے پہلے بھی خواب میں کئی بار سانپ دیکھ چکا ہوں، تو اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انسان کو جو خواب نظر آتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں: [۱] مبشرات: یہ وہ خوش کن واقعات ہیں، جو مستقبل میں ہونے والے ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو وہ واقعات دکھاتے ہیں، تا کہ وہ نیک راہ پر مضبوطی سے قائم رہے۔ [۲] اضغاث واحلام: یہ وہ خیالات ہیں، جو انسان کے دل ودماغ پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں، وہ ان کو لے کر جب سو جاتا ہے، تو خواب میں وہی سب دیکھتا ہے، ایسے خواب کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ [۳] مخوفات: وہ ڈراؤنی چیزیں ہیں، جو شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں، شیطان انسان کا دشمن ہے، خواب میں بھی انسان کو حیران و پریشان کرتا ہے۔ (۲)

جو خواب آپ نے دیکھا ہے اور مسلسل دیکھتے رہتے ہیں، وہ اسی (تیسری) قسم سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ (۳)

---

(۱) الحية: في تاويل عدو كاتم العداوة مبالغ فيها بقدر عظمها و هيبتها في المنظر۔ تعبیر نامہ خواب عربی اردو، از: محمد بن سیرینؒ، ترجمہ: سید حبیب احمد حاشمی، ط: نصیر بک ڈپو، نئی دہلی۔

(۲) تفصیلی تخریج گذر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: عنوان: خواب میں سانپ دیکھنا۔

(۳) سنن الترمذي: ۲/ ۵۳، رقم الحديث: ۲۲۷۰، أبواب الرؤيا، باب أن رؤيا المؤمن جزء من ستة و أربعين جزءا من النبوة، ط: ياسر نديم - ديوبند.

خراب وڈراؤنے خواب آنے پر چاہیے کہ اپنی بائیں طرف تھتکار دے اور کروٹ بدل کر سوجائے اور سونے سے پہلے چار قل اور تین بار آیت الکرسی اول وآخر تین تین بار درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پورے بدن پر دم کرلے، پھر سوجائے۔[1] فقط، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

[۶] ایک خواب کی تعبیر

۲۲۷-سوال: رات میں بہ مقام کنتھاریہ، مولانا عبدالمجید صاحب ندوی کے بیان میں حاضری ہوئی، بہت لوگوں کی بھیڑ اور عجیب وغریب انوارات کے مناظر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، گھر لوٹ کر جب سویا، تو خواب میں والد مرحوم کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ وہ ایک خوش نما مسجد کی طرف جارہے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ ہولیا، مسجد جاکر دیکھا تو وہ دعا میں مصروف تھے، مجھے دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہوئے والد صاحب کی ملاقات سے جہاں مجھے بے پناہ خوشی ہوئی، وہیں ان کی خوشی بھی قابل دید تھی، ہم دونوں خوشی کے عالم میں بات میں مصروف تھے کہ میرے چھوٹے بھائی کی دو چھوٹی لڑکیاں مسجد کے صحن میں آکر شور کرنے لگیں، میں نے جب یہ دیکھا، تو ان کو ڈانٹ دیا اور جھڑک کر کہا: گھر جاؤ! تو والد مرحوم نے میری طرف دیکھ کر کہا: بھائی! ابھی تک تمہارا غصہ ختم نہیں ہوا ہے۔

میں نے خواب میں عجیب نورانی منظر دیکھا تھا، ایسا نورانی منظر یا تو مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے یا مدینہ شریف میں یا جیسا کہ میں نے کنتھاریہ میں دیکھا تھا۔ حضرت والا سے عرض ہے کہ بتائیں کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہوسکتی ہے؟ اس خواب کے دیکھنے کے بعد مجھے کیا کرنا چاہئے؟ خواب خواہ برا ہو یا اچھا، اس کے بعد شریعت میں کوئی عمل مطلوب ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد صاحب کو اچھی اور خوشی کی حالت میں دیکھنا مرحوم کے لیے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے۔ (ان شاء اللہ)[۲] اور مسجد میں ملاقات کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی مسجد والی زندگی

---

(۱) عن أبي قتادة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: »الرؤيا من الله والحلم من الشيطان، فإذا رأى أحدكم شيئا يكرهه فلينفث عن يساره ثلاث مرات، وليستعذ بالله من شرها فإنها لا تضره« (سنن الترمذي: ۲/ ۵۳، رقم: ۲۲۷۷، أبواب الرؤيا، باب إذا رأى في المنام ما يكره ما يصنع، ط: ياسر نديم ديوبند)

(۲) إذا رأى الميت في هيئة حسنة... وهو ضاحك، أو مستبشر، دل ذلك على صلاح حاله أيضا في الآخرة. (تعبیر نامۂ خواب عربي اردو: ۱۱۲، از: علامہ ابن سیرین، ترجمہ: سید حبیب احمد ہاشمی، ط: نصیر بک ڈپو نئی دہلی)

سے حاصل ہوگی۔ اس کے بعد بھتیجیوں پر آپ کا غصہ اور والد صاحب کا نصیحت کرنا کہ ابھی تک غصہ ختم نہیں ہوا! اس میں ایک کمزوری کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے، نفس غصہ کوئی بری چیز نہیں ہے؛ لیکن وہ اپنے موقع پر ہونا چاہیے اور انسان کو موقع ومحل دیکھ کر غصہ ہونا چاہیے، بچیاں نادان ہیں؛ لہٰذا ان پر غصہ کی کوئی مضبوط وجہ نہیں ہے، بل کہ آپ نے خود مسجد میں بلند آواز سے ڈانٹ کر مسجد کی بے ادبی کی، جب کہ لڑکیاں تو مسجد سے باہر تھیں، نیز وہ نادان اور غیر مکلف ہیں، پس یہاں غصہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے؛ اس لیے غصہ کے تعلق سے والد مرحوم کی نصیحت قبول کیجیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] خواب میں گھر میں بارش برستے دیکھنا

۴۲۸-سوال: مجھے خواب میں پاخانہ کا مقام نظر آیا، پھر میرے گھر میں بہت بارش ہوتی دکھائی دی اور گھر میں سب چیزیں سبز ہوگئیں۔ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ اور بتلائیں کہ کیا وظائف مجھے پڑھنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب کی طرف زیادہ دھیان دینے کی ضرورت نہیں، فی الجملہ یہ خواب اچھا ہے، آپ کو دنیا میں مال ملے گا۔ (۱)

اور پڑھنے کے متعلق مشورہ یہ ہے کہ: استغفار اور درود شریف کثرت سے پڑھیے، اور ممکن ہو تو روزانہ ایک پارہ یا نصف پارہ قرآن کی تلاوت کیجیے اور اولاد کے تئیں کوشش کیجیے کہ نہ صرف یہ کہ وہ دینی مزاج رکھیں، بل کہ وہ دین کے علم بردار ہوں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] خواب میں والد کو استنجاء خانہ سے نکالنے کی تعبیر

۴۲۹-سوال: میری لڑکی نے رات میں تین بجے یہ خواب دیکھا کہ اس نے مجھے دو دن سے دیکھا نہیں ہے، لڑکی کو یہ خیال ہوا کہ گھر کے پیچھے کنویں میں گر گئے ہوں گے، تو اس نے کنویں میں آکر دیکھا، تو میں نظر نہیں آیا، پھر اس نے بیت الخلاء میں دیکھا تو میں اس میں ٹب کے اندر بیٹھا ہوا تھا، اس نے میرا بال

---

(۱) المطر غيث و رحمة...سأل رجل الإمام جعفر بن صادق رحمه الله ، فقال له: إني رأيت كأني أخوض في المطر يوما و ليلة، فقال: ما أحسن ما رأيت، أنت تخوض في الرحمة، وترزق الأمن وسعة الرزق. (تعبیر نامۂ خواب، عربی اردو، از: محمد بن سیرینؒ، ترجمہ: سید حبیب احمد ھاشمی، الباب الخامس فی تاویل الامطار...... الخ، ط: نصیر بک ڈپو)

پکڑ کر باہر نکالا، میں اندر صحیح سالم تھا، کنویں میں گرا نہیں تھا، اگر ٹب نہ ہوتا، تو میں کنویں میں گر جاتا اور اس میں پاخانہ تھا، اس نے جب مجھے باہر نکالا، تو میرے پیر گل گئے تھے اور سوکھ گئے تھے، لڑکی یہ سب دیکھ کر رونے لگی، میں نے پھر اسے خاموش کرایا، تو اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خواب کوئی شرعی حجت نہیں ہے، اس لیے خواب میں خواہ مخواہ دھیان لگانے سے دین کا کوئی فائدہ نہیں ہے، شیطان انسان کا دشمن ہے، وہ خواب میں آکر انسان کو اس طرح کی چیزیں دکھلا کر ڈراتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

ہر انسان آج دنیا میں پھنس گیا ہے، یہ دنیا ایک کنویں کے مثل ہے، اور دنیا میں کمائی کے ذرائع حلال بھی ہیں اور حرام بھی ہیں، تو انسان کو حرام سے جو کہ ناپاک اور پاخانہ کے مثل ہے، بچنا چاہیے۔(۱) اس لیے اگر کوئی حرام کام مثلاً سود وغیرہ میں ابتلاء ہو، تو اس سے توبہ واستغفار کر کے اپنی آخرت کو درست بنالینا چاہیے، بس اس خواب سے اس طرف اشارہ ہے۔

[۹] نیند میں ندائے غیبی سننے کی تعبیر

۴۳۰-سوال: تبلیغی جماعت میں چلہ کے دوران میں ایک رات سویا ہوا تھا کہ اچانک کان میں یہ آواز آئی: ''اٹھ ابھی مانگنے کا وقت ہے اور تو سو رہا ہے''! اس وقت تقریباً رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے، اٹھ کر جب میں نے اِدھر اُدھر دیکھا، تو کوئی نظر نہیں آیا، پھر نیند نہیں آئی، حالاں کہ اٹھنے کے بعد مجھے نیند بہت آتی ہے، تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ تبارک وتعالیٰ بسا اوقات اپنے بندوں کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اس طرح غیبی آواز سے متنبہ کرتے ہیں، اخیر رات کا وقت دعاء کی قبولیت کا ہے، اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، آپ اخیر رات میں اٹھ کر تہجد پڑھنے اور اللہ سے مانگنے کی کوشش کرتے رہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمی کی سرگیں مال حرام ہے۔ (تعبیر رؤیا (اردو) از: محمد بن سیرینؒ، ص: ۳۳۷، ط: ادارہ مرکز ادب دیوبند)

[۱۰] خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دیکھنے والے کی پیشانی پر مہر لگانا

۴۳۱-سوال: ایک شخص کو آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، اس وقت اسے پانی کا بھرا ہوا ایک حوض بھی دکھائی دیا، اس حوض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے اور ساتھ میں وہ بھی تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیشانی پر ایک مہر لگائی؛ لیکن وہ مہر پانی میں گرگئی، اس نے اس کو پانی میں تلاش کیا، مگر وہ نہیں ملی، اتنے میں اس کی آنکھ کھل گئی۔

یہ خواب جس شخص نے دیکھا ہے، وہ پنج وقتہ نمازوں کا پابند ہے؛ لیکن گھر میں ہر طرح کی گندگی رہتی ہے؛ یعنی کتا بھی گھر میں آتا جاتا رہتا ہے، گھر کے اڑوس پڑوس میں بھی ناپاکی اور گندگی پڑی رہتی ہے، ایسے میں اس شخص کا اس طرح کا خواب دیکھنا کیا حقیقت رکھتا ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداومصلیا:

خواب کوئی شرعی حجت نہیں ہے، اس لیے خواہ مخواہ خواب کے پیچھے نہ پڑیں۔

احادیث میں خواب کی تین قسمیں بیان کی گئیں ہیں:

(۱) شیطانی وساوس: شیطان خواب میں آکر آدمی کو حیران و پریشان کرتا ہے، اس کو ڈراتا اور وحشت میں مبتلا کرتا ہے، اگر کسی کو ایسا خواب نظر آئے، جس سے اسے وحشت محسوس ہو، تو اپنی کروٹ بدل کر بائیں طرف تھوک کر تعوذ پڑھ لے، پھر سے سوجائے۔[۱]

(۲) انسانی خیالات: یعنی رات دن جو وہ سوچتا رہا ہے، وہ تمام خیالات رات کے وقت خواب میں دیکھتا ہے۔

(۳) مبشرات: یعنی سچے دین دار، پرہیزگار آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقبل میں پیش آنے باتوں کی بشارت دی جاتی ہے۔[۲] اور دوسرے کسی اور طریقہ بھی بشارت دی جاتی ہے۔

مذکورہ خواب اچھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، بشارت کی علامت ہے۔[۳] اور ایمان کی مہر لگانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوشش کررہے ہیں؛ البتہ افسوس اس بات کا کہ وہ شخص نجاست ناپاکی اور کتوں کے پالنے میں مشغول ہے، (یعنی صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتا، اپنے گھروں کو کتوں کی آمد و رفت سے محفوظ نہیں رکھتا) جس کی وجہ سے اس کی وہ مہر حوض میں گرگئی؛ اس لیے اس شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ ان

(۱-۲) تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں، عنوان: خواب میں سانپ، اور خواب میں خود کو ناپاک حالت میں دیکھنا، یا سانپ کا نظر آنا

(۳) و من رأى النبي صلى الله في منامه، فإنه بشارة بالخير. (تعبیر نامہ خواب عربی اردو، الباب الثالث، ط: نصیر بک ڈپو نئی دہلی)

نافرمانی والے اعمال سے توبہ کرے اور اللہ رب العزت سے استغفار کرے، دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس کو نیک ہدایت عطا فرمائیں۔ (آمین) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

[۱۱] خواب میں بیوی کو مردہ دیکھنے کی تعبیر

۴۳۲-سوال: احقر نے ایک خواب تقریباً تین مرتبہ دیکھا ہے، اس کی وجہ سے کافی پریشانی اور بے چینی ہے، اس لیے اس کی تعبیر دریافت کرنے کی غرض سے یہ خط ارسال خدمت کر رہا ہوں، امید ہے کہ اس کی تعبیر عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے، خواب حسب ذیل ہے:

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری بیوی کا انتقال ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے میری پریشانی اتنی بڑھ گئی کہ میں ادھر ادھر بھاگنے لگا اور میرے بچے بھی پریشان ہو گئے، پریشانی کے عالم میں نیچے سے سیڑھی چڑھتے ہوئے اوپر گیا، تو دیکھتا ہوں کہ بچے تو آرام کر رہے ہیں، تھوڑی دیر میں میری آنکھ کھل گئی، تو دیکھا کہ بیوی زندہ ہے، مگر یہ خواب چوں کہ تین مرتبہ نظر آیا ہے، اس لیے میری پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی ہے؛ لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس خواب کی تعبیر عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

عبدالقادر بھائی چپٹی والا احمدی ریسٹورنٹ، بڑودہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کا کسی صاحب نسبت بزرگ سے بیعت کا تعلق ہے، تو بہتر ہوتا کہ خواب کی تعبیر ان ہی سے دریافت کر لیتے؛ لیکن جناب نے چوں کہ احقر کو لکھا ہے، اس لیے تعبیر بتلا رہا ہوں، آپ کے اس خواب میں اہلیہ کے لیے ترقی درجات کی بشارت ہے اور اگر وہ پہلے سے کسی مرض، بیماری اور پریشانی میں مبتلا ہے، تو ان کے زوال کی طرف اشارہ ہے، اسی لیے بچوں کو آرام کرتے ہوئے سکون کی حالت میں دکھلایا گیا ہے، فکر کی کوئی بات نہیں ہے، اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ (آمین)۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ
۸/۵/۱۹۷۷ء

[۱۲] خواب میں جنازہ کا حال اور اس کی تعبیر

۴۳۳-سوال: میں نے مولوی احمد رضا خان اور دیوبند کے وہ علماء جن پر حسام الحرمین میں کفر کا

فتوی لگایا گیا ہے، ان کا حال خواب میں دیکھنے کے لیے ''یا باطن'' کا پورا ہفتہ ورد کیا؛ لیکن مجھے کسی قسم کا خواب نہیں آیا، اس کے بعد میں نے ایک ہزار مرتبہ درود شریف کا ورد کیا، تو تقریباً آج سے ۲۲ دن پہلے صبح سویرے ایک خواب دیکھا کہ میں جام نگر کے بردھن چوک میں ایک جنازے کے ساتھ ہوں اور یکا یک جنازہ نیچے گر گیا؛ لیکن میت کو میں نے دیکھا نہیں، میں بہت ڈر گیا اور چیختا چلاتا ہوا جنازہ پھینکنے والے کے پیچھے بھاگا؛ لیکن ان میں سے دو بائک پر، دو سائکل پر اور دو پیدل بھاگ گئے اور یہ چھ شخص ہندو تھے، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، آپ سے درخواست ہے کہ مذکور خواب کی تعبیر مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب حامداومصليا:

علماء محققین نے خواب کے بارے میں فرمایا کہ خواب حجت شرعی نہیں ہے، انبیاء و رسل کے خواب کے علاوہ امت کے کسی بھی فرد کے خواب سے استدلال جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ خواب حجت شرعی نہیں ہے۔[1]

نیز آپ نے وظائف پڑھ کر احمد رضا خان وعلماء دیوبند کی باطنی و برزخی حالت دیکھنے کی کوشش کی، وہ بھی وقت کو برباد کرنے کے برابر ہے، اتنے اوقات تسبیح وتحمید اور درود شریف واستغفار کرتے، تو ثواب ملتا۔

خواب کے بارے میں رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ چند قسم کے ہیں: (۱) حدیث نفس: انسان جن خیالات کے ساتھ ہوتا ہے، اسی کا نقشہ وہ دیکھتا ہے، یعنی انسان جن خیالات کے ساتھ سوتا ہے، وہی دیکھتا ہے۔ (۲) تخویف شیطان: شیطان چوں کہ انسان کا ازلی دشمن ہے؛ لہٰذا وہ انسان کو ڈراتا ہے، مارتا، خوف زدہ کرتا ہے، جس سے سوتا ہوا انسان چیخ کر، چلا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے؛ لیکن اس میں انسان کھیل کود، ناچ گانا وغیرہ کی تصاویر دیکھتا ہے۔ (۳) مبشرات: مذکورہ خواب کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبوت کا اکتالیسواں حصہ ہے، کہیں اور فرمایا کہ خواب اللہ کی جانب سے مسلمانوں کے لیے بشارت وخوشخبری ہے۔ مستقبل میں ہونے والے بعض اچھے افعال کے متعلق اللہ کی جانب سے اچھے، نیک صالح متقی لوگوں کو خواب کے ذریعے خبر دی

(۱) والالهام المفسر بالقاء معنى في القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق. (شرح العقائد النسفية-عمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، أبو حفص، نجم الدين النسفي (م: ۵۳۷ھ)، ص: ۲۲، ط: یاسر ندیم-دیوبند)

فإن رؤيا الأنبياء وحي مطابق لما في نفس الأمر. (الروح-محمد بن أبي بكر بن أيوب ابن قيم الجوزية (م: ۷۵۱ھ)، ص: ۵۹، فصل ومما ينبغي أن يعلم أن عذاب القبر هو عذاب البرزخ، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

جاتی ہے۔ (۱) مذکورہ خواب احمد رضا کے لیے ہی ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ اس نے جو مسائل اور عقائد بتلائے ہیں، وہ احادیث وقرآن کے خلاف ہیں، اس کے بتائے ہوئے مسائل کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے اور جنازہ کو اٹھانے والے سب غیر مسلم (ہندو) تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس نے جو باتیں بتلائی ہے، وہ انسان کو ایمان سے خارج کرنے والی ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] خواب میں کسی بزرگ کو دیکھنا

۴۳۴-سوال: مجھے ایک خواب کی تعبیر درپیش ہے، خواب یہ ہے کہ مجھے تقریباً پانچ چھ مہینہ پہلے ایک خواب آیا کہ میں اپنی کولڈ ڈرنک کی دکان پر بیٹھا ہوا ہوں، اتنے میں میں دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ لمبی داڑھی والے میری دکان میں پانی بھر رہے ہیں، اور دکان کے سامنے فضل کریم بھائی بیٹھے ہیں- جو احمد آباد کالوپور میں رہتے ہیں تبلیغی اجتماعات میں بیان بھی کرتے ہیں- انہوں نے مجھے خواب میں کہا کہ جو شخص تیری دکان میں پانی بھر رہے ہیں وہ شیخ زکریاؒ ہیں، تجھے شرم نہیں آتی وہ تیری دکان میں پانی بھر رہے ہیں، تو میں خواب ہی میں شرمندہ ہوگیا...... برائے کرم آپ اس خواب کی تعبیر مرحمت فرمائیں گے؟ (خواب شیخ زکریاؒ کی زندگی میں آیا تھا)

الجواب حامداو مصليا:

بزرگوں کی زیارت، بزرگوں کا دکان میں آنا، گھر آنا، پانی بھرنا اس کا مطلب ان کی دعائیں و برکتیں آپ کے ساتھ ہیں۔ (۲) فضل کریم صاحب آپ کو سمجھا رہے ہیں کہ آپ بزرگوں کی طرف متوجہ رہیے اور آپ کو ہمت کر کے جماعت میں وقت لگانا چاہیے، تبلیغی جماعت کی قدر کرنی چاہیے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرمایا کرتے تھے کہ موجودہ دور میں اللہ کی خاص رحمتیں تبلیغی جماعت کے ساتھ ہیں؛ لہٰذا اس کی قدر کرنی چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] خواب میں قرآن دیکھنا

۴۳۵-سوال: ایک دن میں دوپہر میں سویا ہوا تھا، کہ خواب میں یہ دیکھا کہ ایک غیر مسلم نے

---

(۱) قال محمد... وكان يقال: " الرؤيا ثلاث: حديث النفس، وتخويف الشيطان، وبشرى من الله. (صحيح البخاري: ۲/۱۰۳۹، كتاب التعبير، باب القيد، ط: البدر- ديوبند)

(۲) وكذلك رؤية العلماء و الصالحين خير عظيم. (تعبیر نامہ خواب: عربی، اردو- ترجمہ: سید حبیب احمد ہاشمی، ص: ۲۰، الباب الثالث، ط: نصیر بک ڈپو- نئی دہلی)

قرآن شریف کے اوپر بیٹھ کر غسل کیا، جب وہ آدمی غسل کر کے باہر آیا، تو میں نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہا ہے، تو اس آدمی نے جواب دیا کہ غسل کرنے کے لیے گیا تھا، پھر میں نے اس سے پوچھا کے تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کا قرآن شریف ہے، اور اس کے اوپر بیٹھ کر میں نے غسل کیا ہے، یہ سن کر میں نے فوراً اس کے ہاتھ سے قرآن مجید لے لیا، قرآن میں سے کچھ آواز آئی، تو میں نے اس سے کہا کہ میرا دین سچا ہے، اس کے بعد میرے آنکھ کھل گئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کافر اور غیر مسلموں کا کام دین کی بے حرمتی کرنا ہے؛ اس لیے آپ نے قرآن مجید پر بیٹھ کر غسل کرتے ہوئے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سچ بات کہنے کی توفیق دی، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے دین کی خدمت لیں گے (ان شاء اللہ) اللہ آپ کو مبارک کرے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] کیا والدین کا انتقال کے بعد خواب میں آنا کسی شرعی سبب سے ہے؟

۴۳۶-سوال: والدین انتقال کے بعد خواب میں آتے ہیں، تو کیا وہ خواب دن کے وقت ہمارے دماغ میں گذرنے والے خیالات وافکار کی وجہ سے آتے ہیں، یا ان کا کوئی شرعی سبب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدین انتقال کے بعد خواب میں آتے ہیں؛ کیوں کہ ہر ایک کو اپنے ماں باپ کے ساتھ دلی اور قلبی محبت ہوتی ہے، اس کے لیے کوئی اور وجہ تلاش کرنا اپنا وقت برباد کرنے کے مرادف ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔